يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ

تفسیر

# بُرہان القُرآن


علامہ قاری محمد طیب نقشبندی

ناظم جامعہ رسولیہ اسلامک سنٹر ، مانچسٹر ، انگلینڈ


جلد پنجم


مکتبہ برہان القرآن

يٰأَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ

اے لوگو تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے عظیم دلیل آئی ہے (النساء ۱۷۴)

# تفسیر برہان القرآن

جلد پنجم

سورۂ المؤمنون تا سورۂ فاطر

مصنف

علامہ قاری محمد طیب نقشبندی

ناظم جامعہ رسولیہ اسلامک سنٹر مانچسٹر یوکے

مکتبہ برہان القرآن

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ (النساء ۱۷۴)

اے لوگو تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے عظیم دلیل آگئی ہے

# تفسیر بُرہانُ القرآن

جلد پنجم

سُورَۃُ المُؤمِنُون تا سُورۂ فاطر


مصنف

علامہ قاری محمد طیب نقشبندی

ناظم جامعہ رسولیہ اسلامک سنٹر مانچسٹر یوکے



مکتبہ برہان القرآن

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| Name Book | : | Tafseer Burhan ul Quran | تفسیر برہان القرآن | : | نام کتاب |
| Author | : | Qari Muhammad Tayyib Naqshbandi | علامہ قاری محمد طیب نقشبندی | : | مصنف |
| Book | : | 5th | پنجم | : | جلد |
| Year | : | August 2016 | ذوالقعدہ 1437ھ | : | سن اشاعت |
| Edition | : | 1st (2 Color) | اول (2 کلر) | : | ایڈیشن |
| Publisher | : | Maktaba Burhan ul Quran<br>Data Darbar Market Lahore | مکتبہ برہان القرآن<br>داتا دربار مارکیٹ لاہور<br>0321-4298570 | : | الناشر |

## ملنے کے پتے

نظامیہ کتاب گھر (اردو بازار لاہور) — علامہ فضل حق خیر آبادی (داتا دربار مارکیٹ لاہور)

نعیمیہ بک سٹال (اردو بازار لاہور) — ضیاالقرآن (داتا دربار مارکیٹ لاہور)

مکتبہ غوثیہ (کراچی) — دارالنور (داتا دربار مارکیٹ لاہور)

اسلامک بک کارپوریشن (راولپنڈی) — مکتبہ قادریہ (داتا دربار مارکیٹ لاہور)

فیضان مدینہ (سردار آباد) — مکتبہ اعلیٰ حضرت (داتا دربار مارکیٹ لاہور)

مکتبہ والضحیٰ (اردو بازار لاہور) — کتب خانہ امام احمد رضا (داتا دربار مارکیٹ لاہور)

**Find us in UK**
Jamia Rasoolia Islamic Center
250 Upper Chorlton Road Old Tarfford Manchester M16 0BL
Mob: 07999312666 07450005809

# فہرست

# سورۂ مومنون

سورۂ مومنون ترتیبِ تلاوت کے اعتبار سے قرآن کریم کی 23ویں اور ترتیب نزول کے اعتبار سے 73 ویں سورت ہے۔ اس میں ایک سو اٹھارہ (118) آیات ایک ہزار آٹھ سو چالیس (1840) کلمات اور چار ہزار آٹھ سو (4800) حروف ہیں۔ یہ مکی سورت ہے جو اس دور میں نازل ہوئی جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اسلام لا چکے تھے کیونکہ وہ اس سورت کی بعض آیات کے نزول کے شاہد ہیں۔ اسے سورہ مومنون اس لئے کہتے ہیں کہ اس کا آغاز مومنین کی صفات سے کیا گیا اور کہا گیا:

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱﴾

''بے شک مومنین کامیاب ہو گئے۔''

حضرت عبداللہ بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں ایک بار نماز فجر میں سورہ مؤمنون پڑھنا شروع کی۔ جب آپ (آیت 45 تا 49 میں) موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے ذکر پر پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز گلوگیر ہو گئی اور آپ نے رکوع کر دیا۔ (مسلم کتاب الصلوٰۃ حدیث ۱۶۳) گویا یہ سورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب مبارک پہ خصوصی اثر انداز ہوتی تھی۔

## فضیلت

اس سورت کی پہلی دس آیات کی خصوصی فضیلت پر متعدد احادیث وارد ہیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر آثارِ وحی ظاہر ہوئے جب وہ کیفیت ختم ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مجھ پر دس آیات اتری ہیں جس نے ان پر عمل کر لیا وہ جنت میں چلا گیا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱﴾ سے لے کر اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ﴿۱۰﴾ تک یہ دس آیات پڑھ کر سنائیں دس آیات پڑھ کر سنائیں۔ (ترمذی کتاب التفسیر باب ۱)

حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب اللہ نے جنت عدن تیار کی تو اس نے کلام کیا اور یہ آیات پڑھیں: قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱﴾ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ﴿۲﴾ (مستدرک للحاکم جلد ۲ صفحہ ۳۹۲)

اُم المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خُلق کیسا تھا؟ انہوں نے فرمایا: کان خُلقه القرآن، آپ کا خلق قرآن ہی تھا۔ پھر انہوں نے سورہ مومنون کی یہ ابتدائی دس آیات پڑھیں اور فرمایا: هکذا کان

خلق رسول اللہ ﷺ۔ رسول اللہ ﷺ کا خلق ایسا ہی تھا۔ (درمنثور بروایت ادب مفرد، نسائی، ابن نذروغیرہ)

## مضامین

اس سورت کا آغاز صفات مومنین سے کیا گیا پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی بعض نعمتوں کا ذکر فرمایا جو انسانوں کو دی گئیں، پھر حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر خیر لایا گیا اور اس کے ساتھ ہی جملہ انبیاء کی مساعی دینیہ کا اجمالی ذکر ہوا، پھر مومنین کی صفات کا ایک حسین گلدستہ پیش کیا گیا جیسا اس سورت کی ابتداء میں ہے۔ اس کے بعد کفار کی طرف سے رسول اللہ ﷺ کی نبوت پہ وارد کیے جانے والے بعض اعتراضات کا جواب دیا گیا، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی بعض قدرتیں اور نعمتیں گنوائیں اور پوچھا کہ ایسے رب کے سوا کون لائق عبادت ہے اور آخر میں قیامت کے حساب کے لیے تیاری کا ذہن دیا گیا۔

## ماقبل سے مناسبت

اس سے قبل سورۂ حج ہے۔ اس میں اثباتِ قیامت اور تحقیقِ توحید پہ زور دیا گیا وہی سلسلہ سورہ مومنون میں ہے۔ اسی طرح سورہ حج میں جد الانبیاء ابراہیم علیہ السلام کا ذکر جمیل ہے اور سورہ مومنون میں نوح علیہ السلام کا اور وہ بھی جد الانبیاء ہیں۔ اسی لیے ایک جگہ قرآن میں دونوں کو اکٹھا بیان کرکے ان کی ذریت میں نبوت کا اجراء بتایا گیا۔ ارشاد ہوا: **وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّاِبْرٰهِيْمَ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ** ''ہم نے نوح و ابراہیم علیہما السلام کو بھیجا اور ان کی ذریت میں نبوت اور کتاب رکھی۔'' (حدید، ۲۶)

راجی رحمۃ الرب عبدہ المذنب قاری محمد طیب غفرلہ

آیاتها ۱۱۸ ۲۳ سُوْرَۃُ الْمُؤْمِنُوْنَ مَکِّیَّۃٌ ۷۴ رکوعاتها ۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۙ﴿۱﴾ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۙ﴿۲﴾ وَالَّذِيْنَ

بلاشبہ مومنین کامیاب ہوگئے جو اپنی نماز میں عاجزی کرتے ہیں۔[1] اور جو

هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۙ﴿۳﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ۙ﴿۴﴾

بے کار باتوں سے منہ پھیرتے ہیں۔[2] اور جو زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔[3]

## مومنین کے سات اوصاف کا بیان

[1] سورۂ مومنون کے آغاز میں مومنین کی سات صفات بتائی گئی ہیں اور کہا گیا ہے کہ ان صفات والے مومنین دنیا و آخرت میں کامیاب ہیں۔ یعنی اگر مومنین چاہتے ہیں کہ انہیں کامیابی وکامرانی اور اقوام عالم پہ فتح ونصرت ملے تو انہیں ان صفات کو اپنانا ہوگا۔ مگر افسوس آج مسلمانوں کی غالب اکثریت ان صفات سے محروم نظر آتی ہے۔ تو پھر کامیابی کہاں سے آئے؟

تو مومنین کی پہلی صفت یہ ہے کہ وہ خشوع وخضوع یعنی عاجزی اور حضورِ قلب سے نماز پڑھتے ہیں۔ اس کی تشریح میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''تم اللہ کی عبادت یوں کرو جیسے اللہ کو دیکھ رہے ہو اور اگر تم اسے نہیں دیکھ رہے تو یہ سمجھو کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔'' (بخاری کتاب الایمان باب ۳۷) اور حدیث میں قرب قیامت کی یہ نشانی بتائی گئی ہے کہ مسجدیں نمازیوں سے بھری ہوں گی اور کسی کے دل میں خشوع نہ ہوگا۔ (مستدرک للحاکم) افسوس آج وہی زمانہ ہے۔ ہماری نمازوں میں حضورِ قلب نام کی کوئی چیز نہیں رہی بس رسمی نمازیں پڑھی جا رہی ہیں۔

### صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا نماز میں خشوع اور حضورِ قلب

جبکہ نماز میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خشوع کا یہ عالم تھا کہ مروی ہے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نماز میں یوں کھڑے ہوتے تھے جیسے زمین میں لکڑی گڑی ہو۔ (کنز العمال جلد ۱۲ صفحہ ۵۲۵)

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ پہ ابولؤلو مجوسی نے دوران نماز حملہ کیا۔ آپ رضی اللہ عنہ کے پیٹ میں خنجر کے چھ وار کیے۔ آپ مصلیٰ پہ گر کر تڑپنے لگے۔ قریب تھا کہ لوگ نماز توڑ دیں۔ ایسے میں آپ نے حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ کو انگلی کے اشارہ سے حکم دیا کہ آگے بڑھو اور لوگوں کی نماز مکمل کرواؤ۔ وہ آگے بڑھے اور نماز میں سے ایک رکعت رہ گئی تھی وہ مکمل کروائی۔ اس وقت لوگوں نے دیکھا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنی آنتوں کو جو پیٹ سے باہر نکل آئی تھیں پکڑ کر پیٹ سے لگالیا اور اکڑوں بیٹھ کر سر کے اشارے سے لوگوں کے ساتھ نماز مکمل کر رہے تھے (اللہ اکبر) اور یہ سارا واقعہ شیعہ مورخ مرزا محمد تقی نے نقل کیا ہے۔ (ناسخ التواریخ حالات خلفاء جلد ۳ صفحہ ۴۵ مطبوعہ تہران) یہ صحابہ کرام کا نماز میں خشوع تھا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اسکی ایک رمق عطا فرمادے۔

سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ ایک بار آپ رضی اللہ عنہ نے ایک ہی رکعت میں سارا قرآن مکمل کر دیا۔
(کنز العمال جلد ۱۳ صفحہ ۱۳ بروایت ابن عساکر و ابن سعد وغیرہ)

حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا چہرہ نماز شروع کرتے ہوئے زرد ہو جاتا، جسم پہ کپکپی طاری ہو جاتی، لوگوں نے آپ رضی اللہ عنہ سے اس کا سبب پوچھا آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس امانت کے ادا کرنے کا وقت آیا ہے جس کو اللہ نے آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا تو انہوں نے اس کے اٹھانے سے معذوری ظاہر کر دی تھی اور میں اسے اٹھا رہا ہوں۔
(کیمیائے سعادت از امام غزالی صفحہ ۷۷ پہلا رکن چوتھی اصل)

ایک صحابی نماز پڑھ رہا تھا اسے کفار نے تیر مارا وہ نماز پڑھتا رہا اسے کئی تیر لگے مگر اس نے نماز نہ چھوڑی۔ پھر اس کے ساتھیوں کو اس کی حالت پہ اطلاع ملی۔ انہوں نے اسے کہا تم نے پہلا تیر لگنے پر ہمیں کیوں مطلع نہ کیا؟ اس نے کہا میں نے سورۂ کہف کی تلاوت شروع کر رکھی تھی۔ میں نے اس کے اختتام سے قبل نماز کا چھوڑنا پسند نہ کیا۔
(ابوداؤد کتاب الطہارۃ باب الوضوء من النوم حدیث ۱۹۸)

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما گھر میں نماز پڑھ رہے تھے۔ اتنے میں ایک سانپ آیا اور ان کے چھوٹے بچے کے جسم پر لپٹ گیا، گھر میں شور مچ گیا، گھر والوں نے بڑی کوشش سے اس سانپ کو مارا۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے نماز سے فراغت کے بعد پوچھا یہ شور کیا تھا؟ ان کی بیوی نے کہا اللہ آپ پر رحم کرے آپ کے بچے کی جان جانے والی تھی اور آپ کو خبر ہی نہیں؟ آپ نے فرمایا اگر میں ادھر توجہ دیتا تو نماز کیسے باقی رہتی۔ (حکایات صحابہ بحوالہ ہدایہ) انہی کے بھائی حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے ایک عضو میں زخم ہو گیا۔ اطباء نے کہا اس عضو کا کاٹنا ضروری ہے۔ وہ نماز میں کھڑے ہوئے تو ان کا وہ عضو کاٹ لیا گیا اور انہیں کچھ خبر نہ ہوئی۔ (تفسیر کبیر جلد اول صفحہ ۲۳۳ سورہ فاتحہ مطبوعہ ملتان) امام رازی اس جگہ فرماتے ہیں یہ چیز خلافِ قیاس نہیں ہے اگر زنانِ مصر نے حسن یوسف علیہ السلام کو دیکھ کر اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے تو جو شخص خالق یوسف کے جمال میں مستغرق ہو اسے عضو کے کاٹے جانے کا کیسے احساس ہو؟ (تفسیر کبیر یہی مقام)

## بزرگانِ دین کا نماز میں انہماک اور خشوع

حضرت حاتم اصم رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: میں جب نماز میں کھڑا ہوتا ہوں تو یوں سمجھتا ہوں کہ پل صراط میرے قدموں کے نیچے ہے جنت میرے دائیں طرف، جہنم میرے بائیں طرف ہے اور فرشتۂ موت میرے سامنے کھڑا ہے۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ میری زندگی کی آخری نماز ہے۔ پھر میں مکمل توجہ سے نماز پڑھتا ہوں اور یہ خوف و امید رکھتا ہوں کہ پتہ نہیں میری نماز قبول ہوئی یا نہیں۔

مشہور قاری قرآن حضرت خلف بن یعقوب رضی اللہ عنہ (جو قراءت ثلاثہ کے ائمہ میں سے ہیں) نماز میں کھڑے ہوتے تو دنیا سے بے خبر ہو جاتے۔ بعض اوقات مکھیاں ان کے چہرے پہ بیٹھ جاتیں تو وہ ذرا بھی حرکت نہ کرتے، نہ ہاتھ ہلاتے (ان کو خبر ہی نہ ہوتی) کسی نے پوچھا: کیا نماز میں مکھیاں آپ کو تنگ نہیں کرتیں؟ فرمایا: فاسق لوگ حکومت کے کوڑے کھاتے ہیں اور حرکت نہیں کرتے۔ بلکہ فخر سے بتاتے ہیں کہ میں نے اتنے کوڑے کھائے اور میں ہلا تک نہیں اور میں اپنے رب کے سامنے کھڑا ہوں اور ایک مکھی کی وجہ سے حرکت کروں؟

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک سانپ چھت سے گرا۔ لوگ اِدھر اُدھر بھاگے مگر آپ نماز میں مشغول رہے۔ آپ کو مطلق خبر نہ ہوئی۔ (تفسیر کبیر جلد اول صفحہ ۲۳۳ سورہ فاتحہ)

## نماز میں خشوع کیسے پیدا کیا جا سکتا ہے؟

یاد رہے نماز میں ظاہری خشوع یہ ہے کہ نمازی کے اعضاء نماز میں پر سکون ہوں اور وہ اپنے لباس، داڑھی اور دیگر اعضاء سے کھیلتا نہ رہے او دائیں بائیں نظریں گھمانے کی کوشش نہ کرے اور ہر رکن کو ٹھہر ٹھہر کر ادا کرے اور باطنی خشوع یہ ہے کہ وہ تمام امور جو نماز کے خشوع اور حضورِ قلب میں مخل ہوں انہیں نماز سے قبل دور کر لیا جائے۔

مثلاً بھوک لگی ہو تو پہلے کھانا کھا لیا جائے اگر سردی یا گرمی لگ رہی ہو پہلے ان کے دفاع کا بندوبست کر لیا جائے اگر جوتی یا دوسرا سامان غیر محفوظ ہے تو اس کی حفاظت کا انتظام کر لیا جائے تا کہ دورانِ نماز دل و دماغ نماز ہی کی طرف متوجہ ہوں۔ پھر نماز میں قرآنی آیات کے معنی پر غور کیا جائے تا کہ آیات عذاب پر دل میں خوف اور آیاتِ رحمت پر دل میں امید پیدا ہو۔

[2] مومنین کی دوسری صفت یہ ہے کہ وہ بیکار باتوں سے اعراض کرتے ہیں۔ امام حسن بصری رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس سے ہر گناہ مراد ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس سے ہر باطل عقیدہ مراد ہے اور حضرت زجاج رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس سے ہر وہ قول و فعل مراد ہے جو مومن کے شایانِ شان نہیں یعنی اس میں کوئی دنیوی یا اخروی فائدہ نہیں۔ معلوم ہوا بیکار کھیلیں کھیلنا اللہ تعالیٰ کے ہاں ناپسندیدہ ہے جیسے شطرنج، لڈو، سنوکر وغیرہ کہ ان میں کوئی جسمانی ورزش یا

فائدہ نہیں محض ضیاع وقت ہے اور یہ کھیلیں اس لغو میں سے ہیں جس سے مومنوں کو اعراض کرنا چاہئے البتہ جن کھیلوں میں جسمانی ورزش ہے ان میں حرج نہیں جیسے کُشتی، کبڈی، گھڑسواری، فٹ بال، کرکٹ اور نیزہ بازی وغیرہ۔ بشرطیکہ ان کے کھیلنے میں انہماک، کھلاڑی کو نماز اور دیگر دینی فرائض سے غافل نہ کردے اور ناف سے گھٹنوں تک جسم ڈھکا ہوا ہو۔

[3] پہلے نماز کا ذکر ہوا پھر لغو سے اعراض کا۔ کیونکہ لغو میں پڑنا انسان کو نماز سے غافل کر دیتا ہے۔ اب بتایا جارہا ہے کہ مومنوں کی تیسری صفت ادائیگی زکوٰۃ ہے۔ اگر سوال کیا جائے کہ سورۂ مومنون مکی سورت ہے جبکہ زکوٰۃ مدینہ میں فرض ہوئی پھر مکی سورت میں زکوٰۃ کا ذکر کیسے آ گیا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ مکی سورتوں میں جہاں زکوٰۃ کا ذکر ہے وہاں زکوٰۃ معروفہ مراد نہیں بلکہ اللہ کی راہ میں کچھ نہ کچھ مال دینا مراد ہے کیونکہ مکہ میں صرف اسی قدر فرض کیا گیا کہ راہ خدا میں اپنی مرضی سے کچھ نہ کچھ دیا جائے اور مدینہ طیبہ میں اس کے باقاعدہ احکام اترے کہ راہ خدا میں کتنا اور کب دیا جائے اور کون دے اور کس کو دے اور وہ زکوٰۃ ٹھہری۔

| وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ﴿٥﴾ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ |
|---|
| اور جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں البتہ صرف اپنی بیویوں اور لونڈیوں پہ ظاہر کرتے ہیں کہ |
| اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ﴿٦﴾ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ |
| اس میں ان پر کوئی ملامت نہیں۔ اور جس نے اس کے سوا کوئی راستہ ڈھونڈھا تو وہی لوگ حد سے |
| الْعٰدُوْنَ ﴿٧﴾ |
| بڑھنے والے ہیں۔[4] |

[4] مومنوں کی چوتھی صفت یہ ہے کہ وہ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں اور انہیں اپنی بیویوں اور لونڈیوں کے سوا کسی عورت یا مرد پہ ظاہر نہیں کرتے کیونکہ بیویوں اور لونڈیوں سے جنسی عمل کرنے میں ان پر کوئی ملامت نہیں اور جس نے بیویوں اور لونڈیوں کے سوا جنسی عمل کا راستہ ڈھونڈھا وہ ظالم ہے یعنی گناہ کر کے خود پر ظلم کرتا ہے۔ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ زناء اور لواطت جیسے گناہوں سے مومنوں کا دامن صاف ہوتا ہے اور اس کے مفہوم میں یہ بھی شامل ہے کہ مومنین اس بُری صحبت، بُرے دوستوں اور بُرے کاموں سے دور رہتے ہیں جو انہیں زنا اور بے حیائی کے کاموں میں مبتلا کر دیں جیسے حیا سوز گانے سننا، فلم دیکھنا اور نامحرم عورتوں کے ساتھ تنہائی میں بیٹھنا وغیرہ۔

یاد رہے لونڈی بیوی ہی کی مثل ہے البتہ مرد کو بیوی کی نسبت لونڈی پر زیادہ حقوق حاصل ہیں اور لونڈی کو خریدتے ہوئے جو ایجاب وقبول ہوتا ہے وہ نکاح والے ایجاب وقبول ہی کی مثل ہے اور جیسے کسی عورت سے نکاح کے لیے گواہوں

کی موجودگی لازم ہے یونہی لونڈی کی خریداری پہ بھی گواہوں کی موجودگی لازم ہے۔

## متعہ حرام ہے:

اِلَّا عَلٰٓی اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ سے معلوم ہوا کہ بیوی اور لونڈی کے سوا کسی عورت سے جنسی عمل حرام ہے اور شیعہ لوگ جس عورت سے متعہ کرتے ہیں وہ نہ بیوی ہے نہ لونڈی۔ اس کا لونڈی نہ ہونا تو ظاہر ہے۔ کیونکہ لونڈی کو خریدا جاتا ہے جبکہ متعہ والی عورت کو خریدا نہیں جاتا۔ وہ آزاد عورت ہوتی ہے اور اس کا بیوی نہ ہونا اس لئے ہے کہ بیوی سے ہمیشہ کے لئے نکاح کیا جاتا ہے مخصوص وقت کے لئے نہیں۔ اس سے نکاح کے لئے دو شرعی گواہوں کی ضرورت ہے۔ وہ شوہر کی موت یا طلاق کے بغیر نکاح سے آزاد نہیں ہو سکتی۔ وہ شوہر کی موت سے اس کی میراث میں سے حصہ پاتی ہے اور ایک مرد کیلئے بیک وقت چار سے زیادہ بیویاں نہیں ہو سکتیں اور بیوی کی بہن سے نکاح نہیں کیا جا سکتا جب تک وہ بیوی ہے۔ مگر اہل تشیع کی مُتمتعہ (متعہ والی عورت) پر ان کے نزدیک ایسا کوئی حکم جاری نہیں ہوتا۔

چنانچہ شیعہ راوی زرارہ کہتا ہے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے کہا متعہ کے لئے گواہوں کی ضرورت نہیں اس کی ضرورت تب ہے جب حصول اولاد کے لئے نکاح کیا جائے۔ (اہل تشیع کی معتبر کتاب الاستبصار جلد ۳ صفحہ ۱۴۸ مطبوعہ تہران) یونہی شیعہ کتب میں ہے کہ امام جعفر رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کیا متعہ والی عورت چار عورتوں میں سے ہے؟ امام جعفر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: متعہ والی عورت ان چار عورتوں میں شامل نہیں جن سے بیک وقت نکاح کیا جا سکتا ہے بلکہ یہ تو کرائے پر لی گئی عورت ہے (یعنی اپنی گاڑی نہیں بلکہ ٹیکسی ہے) اور اسے طلاق دینے کی بھی ضرورت نہیں نہ ہی متعہ والی عورت کو متعہ کرنے والے مرد کی میراث ملتی ہے۔ (شیعوں کی سب سے معتبر کتاب فروع کافی صفحہ ۸۵۲ کتاب النکاح مطبوعہ دار مجتبیٰ نجف اشرف)

زرارہ کا باپ روایت کرتا ہے کہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا متعہ والی عورت شادی والی چار عورتوں میں سے نہیں متعہ کے لئے بیک وقت ہزار عورتیں بھی رکھی جا سکتی ہیں۔ (فروع کافی صفحہ ۸۵۳) اور زرارہ نے امام جعفر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا انہوں نے کہا: لا تكون المتعة الا بامرين اَجَلٌ مُسمّىً وَاَجْرٌ مُسمّىً کہ متعہ میں صرف دو چیزوں کی ضرورت ہے۔ مقرر وقت اور مقرر اجرت (Fixed time and Fixed payment) (فروع کافی صفحہ ۸۵۴) یعنی متعہ کروانے والی عورت سے طے کرنا پڑتا ہے کہ اسے کتنی دیر استعمال کیا جائے گا اور کتنا کرایہ دینا ہوگا؟ لا حول ولا قوة الا بالله

ہم یقین سے کہتے ہیں کہ مذکورہ بالا روایات شیعہ راویوں نے اپنی طرف سے گھڑ کر امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کر دی ہیں۔ امام صاحب رضی اللہ عنہ کا دامن ان سے پاک ہے مگر ان سے یہ واضح ہو گیا کہ شیعوں کے نزدیک متعہ کا کیا تصور ہے۔ ہمیں افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ان روایات سے ثابت ہونے والا متعہ دوسرے لفظوں میں خالص زنا ہے۔ جب متعہ میں نہ گواہوں کی ضرورت ہے، نہ طلاق کی، نہ یہ ان چار عورتوں میں سے ہے جن سے بیک وقت نکاح

کیا جا سکتا ہے اور نہ متمتعہ عورت کا میراث سے کوئی تعلق ہے تو پھر اس میں اور زنا میں کیا فرق رہا؟۔ جب متعہ والی عورت نہ بیوی ہے نہ لونڈی تو متعہ کرنے والوں کو اس خدائی وارننگ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ۝ کہ جس نے بیوی اور لونڈی کے سوا کوئی راستہ ڈھونڈ ھا تو ایسے لوگ ظالم ہیں۔ انہیں سے عبرت پکڑنی چاہئے۔

حرمت متعہ اس آیت سے بھی ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ط ''جو لوگ نکاح کی توفیق نہیں پاتے وہ اپنی پاک دامنی محفوظ رکھیں (صبر سے کام لیں) تا آنکہ اللہ انہیں اپنے فضل سے مالدار کردے (اور وہ نکاح کرسکیں)'' (نور، ۳۳) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے غربت کی وجہ سے نکاح نہ کرسکنے والوں کو صبر کے ساتھ انتظار کا حکم فرمایا ہے۔ اگر شریعت میں نکاح کے علاوہ متعہ کی اجازت ہوتی تو اللہ تعالیٰ یوں فرماتا کہ جو نکاح نہیں کرسکتا وہ متعہ کرلے۔ مگر اللہ نے ایسا نہیں فرمایا۔ لہٰذا اسلام میں متعہ کا کوئی جواز نہیں ہے۔ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو شخص آزاد عورت سے شادی نہیں کرسکتا وہ لونڈی سے شادی کرلے۔ (نساء، ۲۵) الغرض اللہ رب العزت نے نکاح کے نعم البدل کے طور پر متعہ کا کہیں ذکر نہیں فرمایا۔ اس سے اہل تشیع کو عبرت پکڑنی چاہیے۔

## اہل تشیع کے نزدیک متعہ کا عظیم ثواب اور متعہ کرنے والے کے بلند درجات

جبکہ شیعہ لوگ عبرت پکڑنے کی بجائے اپنے مزعومہ متعہ کا عظیم ثواب بیان کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ امام جعفر صادق نے کہا اللہ تعالیٰ نے شب معراج نبی اکرم ﷺ سے فرمایا عورتوں سے متعہ کرنے والے کی بخشش کردی گئی ہے۔ (اہل تشیع کی معتبر ترین کتاب من لا یحضرہ الفقیہ جلد ۳ صفحہ ۲۹۵ مطبوعہ تہران) اسی کتاب میں اسی جگہ دو صفحہ کے بعد ایک اور جھوٹی (من گھڑت) حدیث لکھی ہے کہ متعہ کے بغیر مومن کا ایمان مکمل ہی نہیں ہوتا۔ (من لا یحضرہ الفقیہ جلد ۳ صفحہ ۲۹۷)

مزید شیعہ کتب میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ایک بار متعہ کرنے والے کا درجہ امام حسین رضی اللہ عنہ والا ہے۔ دو بار متعہ سے امام حسن رضی اللہ عنہ کا درجہ ملتا ہے تین بار متعہ سے درجہ علی رضی اللہ عنہ حاصل ہوتا ہے اور چار بار متعہ کرنے والے نے میرا درجہ پالیا (ممکن ہے پانچ بار متعہ سے درجۂ خدا مل جائے اور چھ بار متعہ سے آدمی خدا سے بھی اوپر چلا جائے معاذ اللہ)
(اہل تشیع کی معتبر تفسیر منہج الصادقین جلد ۲ صفحہ ۴۸۱ مطبوعہ تہران)

اسی جگہ یہ جھوٹی (من گھڑت) حدیث بھی لکھی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جس نے ایک بار متعہ کیا وہ غضب خداوندی سے محفوظ ہوگیا۔ جس نے دو بار متعہ کیا وہ صالحین میں سے اٹھایا جائیگا اور تین بار متعہ کرنے والا جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔ (تفسیر منہج الصادقین جلد ۲ صفحہ ۴۸۰)

اور بقول شیعہ نبی ﷺ نے فرمایا: ایک بار متعہ سے بخشش ہوجاتی ہے۔ جب متعہ کرنے والے مرد و عورت باہم جمع ہوتے ہیں تو فرشتے ان کا پہرہ دیتے ہیں۔ اس دوران ان کی گفتگو ذکر و تسبیح کا درجہ رکھتی ہے۔ پھر جب وہ ایک دوسرے

کا بوسہ لیتے ہیں تو ہر بوسہ پر انہیں حج وعمرہ کا ثواب ملتا ہے اور جب مباشرت کرتے ہیں تو ہر لذت پر پہاڑ جیسی عظیم نیکی لکھی جاتی ہے۔ (لا حول ولا قوۃ الا باللہ) (منہج الصادقین جلد ۲ صفحہ ۴۸۱)

یہ جھوٹی حدیث بھی گھڑی گئی ہے کہ پوچھا گیا یا رسول اللہ ﷺ متعہ کا کیا ثواب ہے؟ فرمایا: جب مرد وعورت متعہ سے فارغ ہو کر غسل کرتے ہیں تو ہر قطرۂ آب سے اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ پیدا کرتا ہے جو تا قیامت ان کے لیے استغفار کرتا رہے گا۔ پھر فرمایا: اے علی رضی اللہ عنہ متعہ میری سنت ہے جس نے میری یہ سنت پوری نہ کی وہ میرا شیعہ نہیں ہے اور میں اس سے بیزار ہوں۔ (منہج الصادقین جلد ۲ صفحہ ۴۸۲) ہم چیلنج کرتے ہیں کہ اگر یہ روایت سچی ہے تو کوئی شیعہ عالم بتائے کہ رسول اللہ ﷺ نے جس عورت سے (معاذ اللہ) متعہ کیا اسکا نام کیا تھا؟ پھر رسول اللہ ﷺ کی طرف ایسی غلیظ باتیں منسوب کرتے ہوئے ان لوگوں کا دل کیوں نہیں کانپتا؟

ان تمام جھوٹی روایات پر ہم لعنۃ اللہ علی الکاذبین کے سوا کیا کہہ سکتے ہیں۔ متعہ کے بارے میں مفصل بحث میرے والد گرامی محقق اسلام شیخ الحدیث علامہ محمد علی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1418ھ کی کتاب ''فقہ جعفریہ'' جلد 2 میں دیکھیں۔ علاوہ ازیں ہم نے فَمَا اسۡتَمۡتَعۡتُمۡ بِهٖ مِنۡهُنَّ الخ (نساء، ۲۴) کے تحت متعہ کے بارے میں کافی کلام کیا ہے وہاں بھی دیکھ لیں۔ تا کہ اس بارے میں ساری معلومات ذہن میں اکٹھی ہو جائیں۔

### استمناء بالید حرام ہے

جب یہ آیات بتا رہی ہیں کہ بیوی اور لونڈی کے سوا کسی بھی طریقہ سے شرمگاہ کی حفاظت مومنوں کی صفت ہے تو ہاتھ سے لذت حاصل کرنا بھی ممنوع ٹھہرا۔ ابن جریج، عطاء اور سعید بن جبیر جیسے تابعین کرام نے اس آیت کے تحت استمناء بالید کی ممانعت پر استدلال کیا ہے۔ (تفسیر بغوی جلد ۵ صفحہ ۳۲)

| |
|---|
| وَالَّذِيۡنَ هُمۡ لِاَمٰنٰتِهِمۡ وَعَهۡدِهِمۡ رٰعُوۡنَ ۙ ﴿۸﴾ وَالَّذِيۡنَ هُمۡ عَلٰى صَلَوٰتِهِمۡ |
| اور جو اپنی امانتوں اور وعدوں کی پاسداری کرتے ہیں۔[5] اور جو اپنی نمازوں کی |
| يُحَافِظُوۡنَ ۘ ﴿۹﴾ اُولٰٓئِكَ هُمُ الۡوٰرِثُوۡنَ ۙ ﴿۱۰﴾ الَّذِيۡنَ يَرِثُوۡنَ الۡفِرۡدَوۡسَ ؕ هُمۡ |
| حفاظت کرتے ہیں۔[6] وہی لوگ وارث ہیں جو جنت فردوس کے وارث ہوں گے اور وہ وہاں |
| فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۱۱﴾ |
| ہمیشہ رہیں گے۔[7] |

وقف لازم

[5] مومنوں کی پانچویں اور چھٹی صفت: امانت کی ادائیگی اور وعدے کی پاسداری ہے۔ یاد رہے ہمارے ہاتھ

پاؤں آنکھیں کان و دیگر اعضاء ہمارے پاس اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی امانت ہیں۔ ہم انہیں اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف استعمال نہیں کر سکتے ورنہ ہم امانت میں خیانت کریں گے تو اللہ سے خیانت سب سے بڑی خیانت ہے۔ اس کے بعد عوام المسلمین کی اجتماعی امانت (سرکاری املاک اور اموال) میں خیانت کا درجہ سب سے بڑا ہے۔ افسوس آج ہمارے نام نہاد مسلم حکمران اور سرکاری افسران سرکاری خزانے کو دونوں ہاتھوں سے بقدرِ ہمت لوٹ رہے ہیں۔ یہ حقوق العباد میں سب سے بڑی خیانت ہے۔ اس کے بعد کسی مسلم یا غیر مسلم کی انفرادی امانت میں خیانت کا درجہ ہے جبکہ وعدے کی پاسداری میں بھی آج مسلمانوں کی حالت بہت نازک ہے۔

[6] مومنوں کی ساتویں صفت نمازوں کی حفاظت ہے۔ اس سے یہ مراد ہے کہ کوئی ایسا عمل نہ کیا جائے جس سے نمازیں ضائع ہو جائیں مثلاً دکھاوے سے نمازیں اور دیگر نیکیاں برباد ہو جاتی ہیں۔ اس طرح دوسروں کی غیبت کرنے، ان کا مال کھانے اور ان کی دل آزاری کرنے سے بھی نیکیاں ضائع ہو جاتی ہیں۔ حدیث میں ہے جس نے نماز روزہ کے ساتھ لوگوں سے دھوکہ دہی، گالی گلوچ اور تہمت زنی کی اس کی نیکیاں لوگوں میں بانٹ دی جائیں گی اگر اس سے حساب برابر نہ ہوا تو لوگوں کے گناہ اس کے کھاتے میں ڈال دیئے جائیں گے۔ (مسلم کتاب البر حدیث ۵۹)

[7] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''ہر انسان کی دو منزلیں بنائی گئی ہیں ایک جنت میں ایک دوزخ میں۔ جب کوئی شخص کفر پہ مر کر دوزخ میں چلا جاتا ہے تو اہل جنت اس کی جنتی منزل کے وارث ہو جاتے ہیں اور بعض احادیث کے مطابق جب کوئی ایمان پہ مرتا ہے تو اس کی جہنمی منزل کفار کو دے دی جاتی ہے) (بغوی جلد ۵ صفحہ ۳۳) یہ معنی ہے اس آیت کا کہ مذکورہ سات صفات والے مومنین فردوس کے وارث ہوں گے۔ یہاں یہ حدیث بھی یاد رہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے اپنے وارث کو میراث سے محروم کیا وہ جنتی وراثت سے محروم ہو جائے گا۔'' (ابن ماجہ کتاب الوصایا باب ۳)

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ۝ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِىْ

اور بلا شبہ ہم نے انسان کو مٹی کے چناؤ سے پید اکیا۔[8] پھر ہم نے اسے پانی کی بوند بنا کر

قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ۝ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا

محفوظ جگہ میں ٹھہرایا۔[9] پھر پانی کی بوند کو خون کا لوتھڑا بنایا، پھر خون کے لوتھڑے کو گوشت کی بوٹی سے بدلا، پھر

الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَكَ

گوشت کی بوٹی میں ہڈیاں پیدا کر دیں، پھر ہڈیوں کو گوشت کا لباس پہنایا، پھر اسے نئی تخلیق میں اٹھایا[10] تو برکت والا ہے

اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ۝

اللہ سب سے بہتر خالق[11]

## انسان کی اپنی تخلیق اور اس کے لئے پیدا کی گئی نعمتوں کا بیان

[8] مومنین کی سات صفات بتانے کے بعد ہر انسان کو اس کی تخلیق اور اس پر ہونے والی خدائی نعمتیں یاد دلائی جا رہی ہیں تا کہ وہ ایمان لائے اور اپنے اندر مذکورہ ایمانی صفات پیدا کرے تو فرمایا کہ ہم نے انسان کو مٹی کے چناؤ سے پیدا کیا۔ دراصل حضرت آدم علیہ السلام کی مٹی زمین کے مختلف حصوں سے چنی گئی۔ یہی چیز یہاں مراد ہے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو مُشتِ خاک سے پیدا کیا جو اللہ نے تمام زمین سے اٹھائی تھی اسی لیے اولادِ آدم میں مختلف طبقات ہیں کوئی سرخ ہیں کوئی سفید اور کوئی کالے۔ پھر کوئی خبیث فطرت والے لوگ ہیں کوئی اچھی فطرت والے اور کوئی درمیان میں۔ (ترمذی کتاب التفسیر سورہ بقرہ باب ۱) یعنی کسی انسان میں جیسی مٹی ہو ویسا ہی اس کا مزاج ہوتا ہے۔

انسان کی مٹی کے چنے جانے کا وہ معنی بھی ممکن ہے جو حضرت عطاء خراسانی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا کہ اللہ کے فرشتے ہر انسان کی مٹی بحکم الٰہی چن کر لاتے اور اسے رحم مادر میں اس انسان کے نطفہ پر ڈال دیتے ہیں پھر جب وہ انسان مرتا ہے تو جہاں سے اس کی مٹی اٹھائی گئی ہو وہ وہیں دفن ہوتا ہے۔ (درمنثور جلد ۵ صفحہ ۵۸۴)

[9] اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ انسان کی تخلیق کے دوسرے مرحلہ میں ہم نے انسان کو پانی کے چند قطرے بنا کر رحم مادر کے محفوظ مقام میں رکھا اور اسے محفوظ اس لئے کہا گیا کہ اسے اللہ تعالیٰ نے کئی تہوں میں چھپا کر رکھا ہے پہلے جسم کا ظاہری

چھڑا ہے پھر چربی کی تہیں ہیں پھر رحم ہے اور نطفہ کے قطروں کو لے کر رحم اپنا منہ یوں بند کر لیتا ہے کہ بچہ پیدا ہونے پر ہی کھولتا ہے۔

[10] یعنی اللہ تعالیٰ رحم مادر میں پانی (مادہ منویہ) کے قطروں کو چالیس دن بعد خون کے لوتھڑے میں بدل دیتا ہے۔ پھر چالیس دن بعد خون کا لوتھڑا بحکم الٰہی گوشت کی بوٹی بن جاتا ہے پھر چالیس دن بعد اس گوشت کو اللہ تعالیٰ انسانی ہڈیوں کا ڈھانچہ بنا دیتا ہے۔ پھر چالیس دن بعد اُس ڈھانچے پر گوشت کا لباس چڑھا کر اس پر انسانی صورت نقش فرما دیتا ہے پھر اس میں روح ڈال کر اسے مکمل زندہ انسان بنا دیتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم میں سے ہر کسی کی خلقت رحم مادر میں چالیس دن تک بشکلِ نُطفہ رہتی ہے پھر چالیس دن تک بشکلِ علقہ (خون کا لوتھڑا) پھر چالیس دن بشکل مضغہ (گوشت کی بوٹی) پھر اللہ تعالیٰ اس کی طرف فرشتہ بھیجتا ہے جو اس پر اس کا رزق، اس کی موت، اس کا عمل اور اس کا نیک بخت یا بد بخت ہونا لکھ دیتا ہے۔'' (بخاری کتاب بدا الخلق باب ٦ مسلم کتاب القدر حدیث ١) اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہے کہ مرد کا پانی غلیظ (گاڑھا) ہوتا ہے اس سے بچے کی ہڈیاں اور پٹھے بنتے ہیں اور عورت کا پانی پتلا ہوتا ہے اس سے گوشت اور خون بنتا ہے۔ (مسند احمد جلد ١ صفحہ ٤٦٥)

[11] حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ چار مقامات پر میں نے اپنے رب کے موافق کلام کیا۔ (یعنی میری رائے کے مطابق قرآن اترا) ان میں سے آپ نے آخری مقام یہ بتایا کہ جب یہ آیات اتریں: وَلَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنۡ سُلٰلَةٍ مِّنۡ طِيۡنٍ ۚ﴿۱۲﴾ ثُمَّ جَعَلۡنٰهُ نُطۡفَةً فِىۡ قَرَارٍ مَّكِيۡنٍ ﴿۱۳﴾ الی قوله: خلقاً اخر، تو میں نے کہا: فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحۡسَنُ الۡخٰلِقِيۡنَ ﴿۱۴﴾ تو اللہ تعالیٰ نے یہی الفاظ نازل کر دیئے۔ (درمنثور جلد ٦ صفحہ ٩٤ بحوالہ طیالسی ابن ابی حاتم ابن مردویہ و ابن عساکر) اس سے سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی اصابت رائے کا علم ہوا گویا ان کا مزاج اور فکر وحی نبوت سے قریب تر تھا۔ اسی لیے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میرے بعد کوئی نبی آنا ہوتا تو عمر نبی ہوتا۔
(ترمذی جلد ٢ صفحہ ٢٥٩ مطبوعہ کراچی)

ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ۝۱۵ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ ۝۱۶ وَلَقَدْ

پھراس کے بعد تم ضرور مرنے والے ہو پھر بلاشبہ روز قیامت تمہیں دوبارہ اٹھایا جائے گا [12] اور ہم نے

خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَآئِقَ ۖ وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِيْنَ ۝۱۷ وَاَنْزَلْنَا

تم پر سات آسمان پیدا کیے۔ اور ہم اپنی مخلوق سے غافل نہیں ہیں۔[13] اور ہم نے

مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ فَاَسْكَنّٰهُ فِى الْاَرْضِ ۖ وَاِنَّا عَلٰى ذَهَابٍۢ بِهٖ

آسمان سے مقرر انداز کے ساتھ پانی اتارا پھر اسے زمین میں ٹھہرایااور ہم اس کے واپس لے جانے پر بھی

لَقٰدِرُوْنَ ۝۱۸ فَاَنْشَاْنَا لَكُمْ بِهٖ جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ ۘ لَكُمْ فِيْهَا

قادر ہیں[14] پھر ہم نے تمہارے لیےاس کے ساتھ کھجوروں اور انگوروں کے باغات پیدا کیے جن میں تمہارے لیے کثیر پھل ہیں۔

فَوَاكِهُ كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝۱۹

اور ان میں سے تم کھاتے ہو۔[15]

[12] یعنی جس رب نے پانی کے چند قطروں کو زندہ انسان بنا دیا کیا وہ انسان کے مرنے کے بعد اسے دوبارہ اٹھا نہیں سکتا؟

[13] قبل ازیں انسان کو اس کی اپنی تخلیق کے حوالے سے اللہ کی قدرت وعظمت بتائی گئی اب اسے تخلیق کائنات کے حوالے سے اللہ رب العزت کی عظمت بتائی جارہی ہے۔ اسی لئے فرمایا گیا: سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِى الْاٰفَاقِ وَفِىٓ اَنْفُسِهِمْ ''ہم انہیں کائنات میں اور خود ان کے اپنے اندر اپنی نشانیاں دکھائیں گے۔'' (فصلت ۵۳)

تو فرمایا گیا کہ ہم نے انسانوں کے اوپر سات آسمان بنائے۔ طرائق طریقۃ کی جمع ہے یعنی تہہ بہ تہہ رکھی ہوئی چیزیں۔ (قرطبی) گویا سات آسمان تہہ بہ تہہ بنائے گئے ہیں۔ آگے فرمایا گیا کہ ہم اپنی مخلوق سے غافل نہیں ہیں یعنی ہم ہر مخلوق کی جملہ حاجات سے واقف ہیں۔ اس میں یہ درس بھی ہے کہ اللہ بندے کی ہر حالت سے واقف ہے لہٰذا اسے شیطان کے پیچھے چلتے ہوئے شرم کرنی چاہیے۔

[14] جب اللہ بندوں سے غافل نہیں اور ان کے احوال سے واقف ہے تو وہ ان کی ضرورت کے مطابق مقرر اندازے کے ساتھ آسمان سے پانی اتارتا ہے، پھر اسے چشموں، وادیوں، نہروں اور دوسرے آبی ذخیروں میں ٹھہراتا ہے تاکہ لوگ اس سے پی کر زندہ رہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم اس پانی کو واپس بھی لے جاسکتے ہیں۔ اس طرح کہ

وقف لازم

شدید گرمی پڑے اور سارا پانی بھاپ بن کر اڑ جائے اور زمین کی تہہ میں موجود پانی سوکھا دیا جائے پھر کہیں سے پانی نہ نکلے۔ لہٰذا انسانوں کو ہر وقت اللہ تعالیٰ کا شکر گزار رہ کر اس کی اطاعت اور بندگی کا حق ادا کرنا چاہئے۔

[15] یعنی پانی سے انسان کے لئے ہر طرح کے پھل پیدا کئے گئے مثلاً کھجور اور انگور، ان دو پھلوں کا نام خصوصیت کے ساتھ اس لئے لیا گیا کہ جس سرزمین میں قرآن نازل ہوا وہاں ان دونوں کی افزائش بہت ہے اور ضرورت تھی کہ قرآن کے پہلے مخاطبین کو زیادہ تنبیہ کی جائے اور گفتگو میں ان کے ماحول کو سامنے رکھا جائے کیونکہ آگے سارے عالم کو انہی لوگوں نے قرآن سکھلانا تھا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ کھجور اور انگور میں تمام پھلوں سے زیادہ غذائیت ہے کسی دوسرے پھل پر انحصار کر کے انسان زندہ نہیں رہ سکتا مگر کھجور اور انگور سے زندہ رہ سکتا ہے۔ آگے فرمایا کہ کھجوروں اور انگوروں میں انسان کے لئے کئی پھل ہیں یعنی ان کی سینکڑوں اقسام ہیں۔ آپ مدینہ طیبہ کی کھجور منڈی میں جائیں تو وہاں کھجور کی ان گنت اقسام نظر آتی ہیں اسی طرح انگوروں کی بھی متعدد اقسام ہیں اور ان دونوں سے مزید کئی پھل بنتے ہیں جیسے کھجور سے چھوارے اور انگور سے منقیٰ۔

وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَيْنَآءَ تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ لِّلْاٰكِلِيْنَ ﴿٢٠﴾

اور ہم نے وہ درخت پیدا کیا جو سینا کے پہاڑوں سے نکلتا ہے تیل اور کھانے والوں کے لئے سالن لے کر اگتا ہے [16]

وَاِنَّ لَكُمْ فِى الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۭ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِىْ بُطُوْنِهَا وَلَكُمْ فِيْهَا

اور تمہارے لیے جانوروں میں عبرت ہے، ان کے پیٹوں میں جو کچھ ہے اس میں سے ہم تمہیں (دودھ) پلاتے ہیں اور تمہارے لیے

مَنَافِعُ كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿٢١﴾ وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ﴿٢٢﴾

ان میں بہت سے فوائد ہیں اور اس میں سے کچھ تم کھاتے ہو اور ان پر اور کشتیوں پر تمہیں سوار کیا جاتا ہے۔ [17]

ع ١ / ٢

[16] اس سے زیتون مراد ہے یہ صحرائے سینا میں طور نامی پہاڑوں کے کوہستانی سلسلہ میں بکثرت پیدا ہوتا ہے۔ اس سے تیل بھی بنتا ہے اور کھانے والوں کے لئے سالن بھی کیونکہ زیتون کا ذائقہ تیز نمکین ہے۔ اسے کچا بھی کھایا جاتا ہے اور پکا کر اس کا سالن بھی بنایا جاتا ہے۔ اس کا کھانا معدہ و نظام ہضم کے لئے مفید تر ہے۔ قرآن میں اس کی فضیلت یوں وارد ہے: شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ۔ زیتون کا مبارک درخت۔ (نور ٣٥) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''زیتون کا سالن بنایا کرو اور اس کا تیل بھی استعمال کیا کرو کہ یہ مبارک درخت سے نکلتا ہے۔''

(ابن ماجہ کتاب الاطعمہ باب ٣٤)

[17] جانوروں میں انسان کے لئے سامانِ عبرت ہے کہ بعض جانور انسان سے کئی گنا طاقتور ہونے کے باوجود انسان

کی سواری بنتے، اس کا بوجھ اٹھاتے اور اس کی مار سہتے ہیں۔ آخر نہیں اللہ کے سوا کس نے انسان کا اس قدر مطیع بنایا ہے؟ پھر جانور جو کچھ کھاتے اور اپنے پیٹ میں اتارتے ہیں اس میں سے اللہ تعالیٰ میٹھا دودھ پیدا کرتا ہے جسے انسان پیتے اور اس سے کھانے کی کئی چیزیں تیار کرتے ہیں۔

## وجودِ باری تعالیٰ کی قوی تر دلیل

یہاں سے وجودِ باری کی قوی دلیل معلوم ہوئی۔ دیکھئے جانور کے پیٹ میں جانے والی غذا میں سے کچھ حصہ خون بن کر رگوں میں چلا جاتا ہے کچھ فضلہ بن کر مقعد میں پہنچ جاتا ہے اور کچھ دودھ بن کر جانور کے تھنوں میں آ جاتا ہے۔ اب اللہ کے سوا کون سی طاقت ہے جو جانور کے معدے میں غذا کے اجزاء کو یوں الگ الگ کرتی ہے کہ خون میں دودھ یا گوبر کا کوئی ذرہ نہیں اور دودھ میں خون یا گوبر کا کوئی نشان نہیں اور گوبر میں خون یا دودھ کا کوئی امکان نہیں اگر کہا جائے کہ یہ فطرت نے ایسا کیا ہے تو ہم کہتے ہیں غذا کی فطرت تو ایک ہی تھی پھر اس کے بعض اجزاء دودھ کی طرف بعض گوبر کی طرف اور بعض خون کی طرف کیوں متوجہ ہو گئے۔ اسی لئے دوسری جگہ فرمایا گیا: نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ ﴿۶۶﴾ ''ہم تمہیں جانوروں کے پیٹ میں سے گوبر اور خون کے اندر سے خالص دودھ پلاتے ہیں جو پینے والوں کیلئے خوش ذائقہ ہوتا ہے۔'' (نحل ۶۶)

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ كَثِيْرَةٌ کہ جانوروں میں تمہارے لئے کثیر منافع ہیں یعنی جیسے سواری، گوشت، بار برداری، اون، چمڑہ، دودھ وغیرہ۔

آگے وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۲۱﴾ میں فرمایا گیا کہ قانون الٰہی ہے کہ جانوروں کا کچھ حصہ کھانے کے لئے ہوتا ہے کچھ حصہ نہیں ہوتا چنانچہ جانور کا مثانہ، خون، پتہ اور شرمگاہ کا کھانا جائز نہیں۔ آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ﴿۲۲﴾ کہ اللہ تمہیں جانوروں اور کشتیوں پہ سواری عطا کرتا ہے یعنی جیسے اللہ نے جانوروں کو تمہارے لیے مسخر کیا ہے تا کہ تم ان پہ سواری کرو۔ یونہی اللہ نے سمندر کو تمہارے لیے مسخر کیا ہے تا کہ کشتیوں کے ذریعہ تم سمندروں کو عبور کر سکو۔ اگر اللہ رب العزت سمندر کو مسخر نہ کرتا تو اس قدر وزنی کشتیاں اور بحری جہاز پانی میں ڈوب جاتے اور انسان کبھی اپنی منزل پہ نہ پہنچتا۔

| |
|---|
| وَلَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا نُوۡحًا اِلٰی قَوۡمِهٖ فَقَالَ یٰقَوۡمِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمۡ مِّنۡ |
| اور ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا توانہوں نے کہا اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو تمہارے لیے اسکے سوا |
| اِلٰهٍ غَیۡرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوۡنَ ﴿۲۳﴾ فَقَالَ الۡمَلَؤُا الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا مِنۡ قَوۡمِهٖ مَا |
| کوئی معبود نہیں، توتم ڈرتے کیوں نہیں، تو ان سرداروں نے جو ان کی قوم میں سے کفر کرنے والے تھے (قوم سے) کہا |
| هٰذَاۤ اِلَّا بَشَرٌ مِّثۡلُكُمۡ ۙ یُرِیۡدُ اَنۡ یَّتَفَضَّلَ عَلَیۡكُمۡ ؕ وَلَوۡ شَآءَ اللّٰهُ |
| یہ تمہارے ہی جیسا ایک بشر ہے، تم پر بڑائی حاصل کرنا چاہتا ہے۔[18] اور اگر اللہ چاہتا |
| لَاَنۡزَلَ مَلٰٓئِكَةً ۚۖ مَّا سَمِعۡنَا بِهٰذَا فِیۡۤ اٰبَآئِنَا الۡاَوَّلِیۡنَ ﴿۲۴﴾ ۚ اِنۡ هُوَ اِلَّا رَجُلٌۢ |
| تو فرشتے اتارتا، ہم نے تو یہ بات اپنے اگلے باپ دادا میں (بھی) نہیں سنی، بس یہ ایک عام آدمی ہے جسے |
| بِهٖ جِنَّةٌ فَتَرَبَّصُوۡا بِهٖ حَتّٰی حِیۡنٍ ﴿۲۵﴾ |
| جنون ہوگیا ہے توتم کچھ مدت تک اس کا انتظار کرو[19] |

## حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت، قوم کا انکار اور عذاب الٰہی کا نزول

[18] حضرت نوح علیہ السلام کا زمانہ قریباً پانچ ہزار قبل مسیح ہے۔ آپ جزیرۂ عرب میں بھیجے گئے۔ عراق آپ کا علاقہ تھا۔ آپ نے کفار کو دعوتِ توحید دی۔ کفار کے جو بڑے سردار تھے انہوں نے لوگوں سے کہا نوح علیہ السلام کو نبی مت سمجھو یہ تمہارے ہی جیسا عام بشر ہے بس یہ خود پہ نبوت کا لیبل لگا کر تم پر سرداری حاصل کرنا چاہتا ہے۔ معلوم ہوا انبیاء کو اپنے جیسا بشر کہنا اہل ایمان کا نہیں کفار کا طریقہ ہے۔ انبیاء اگر اپنے بارے میں کہیں کہ وہ عام لوگوں جیسے بشر ہیں تو یہ ان کا تواضع ہے ہمارا حق نہیں کہ انہیں اس طرح پکاریں اور کفار کے پیروکار بنیں۔

[19] قوم نوح کے کفار نے مزید کہا کہ اگر اللہ نے کوئی نبی بھیجنا ہوتا تو کسی فرشتہ کو نبی بنا کر بھیج دیتا۔ ایک انسان کو نبی بنانے کا کیا معنی ہے۔ ہم نے تو اپنے باپ دادا میں بھی کہیں نہیں سنا کہ کوئی انسان نبی بن کر آیا ہو۔ انہوں نے مزید کہا کہ نوح کو جنون ہوگیا ہے۔ کچھ عرصہ انتظار کرو کہ اس کے ہوش ٹھکانے آجائیں یا موت اس کا کام تمام کردے۔ علماء فرماتے ہیں کہ کفر انسان کی مت ماردیتا ہے۔ ان جہلاء نے بے جان پتھروں کو خدا مان لیا مگر ایک انسان کو نبی نہ مانا۔ کس قدر تعجب کی بات ہے۔

قَالَ رَبِّ انْصُرْنِیْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ﴿۲۶﴾ فَاَوْحَیْنَاۤ اِلَیْهِ اَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ

نوح نے کہا: اے میرے رب! میری مدد فرما کہ انہوں نے مجھے جھٹلادیا ہے، تب ہم نے اسے وحی کی کہ

بِاَعْیُنِنَا وَ وَحْیِنَا فَاِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَ فَارَ التَّنُّوْرُ ۙ فَاسْلُكْ فِیْهَا مِنْ كُلٍّ

ہماری حفاظت اور ہماری وحی کے ساتھ کشتی بناؤ پھر جب ہمارا حکم آجائے اورتنور جوش مارے تو کشتی میں ہر جانور کا

زَوْجَیْنِ اثْنَیْنِ وَ اَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَیْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ ۚ وَ لَا تُخَاطِبْنِیْ

ایک جوڑا سوار کرلو اور اپنے گھر والوں کو بھی سوار کرلوسوا اس کے جس پر ان میں سے پہلے فیصلہ ہوچکا ہےاور مجھے

فِی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ﴿۲۷﴾ فَاِذَا اسْتَوَیْتَ اَنْتَ وَ مَنْ مَّعَكَ

ظلم کرنے والوں کے بارے میں مت پکارو، وہ غرق ہونے والے ہیں۔[20] پھر جب تم اور تمہارے ساتھی کشتی پہ

عَلَى الْفُلْكِ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ نَجّٰىنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۲۸﴾

ٹھیک طرح بیٹھ جائیں تو کہو سب تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے ہمیں ظالم قوم سے نجات دے دی۔[21]

وَ قُلْ رَّبِّ اَنْزِلْنِیْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّ اَنْتَ خَیْرُ الْمُنْزِلِیْنَ ﴿۲۹﴾ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ

اور کہو اے میرے رب! مجھے برکت والی جگہ پر اتار اور تو سب سے بہتر اتارنے والا ہے۔ بے شک اس میں

لَاٰیٰتٍ وَّ اِنْ كُنَّا لَمُبْتَلِیْنَ ﴿۳۰﴾ ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِیْنَ ﴿۳۱﴾ ۚ

بڑی نشانیاں ہیں اور بے شک ہم آزمانے والے ہیں۔[22] پھر ہم نے ان کے بعد دوسرے لوگ پیدا کیے۔

فَاَرْسَلْنَا فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ

تو ہم نے ان میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا (جس نے کہا) کہ اللہ کی عبادت کروتمہارے لیے اسکے سوا

اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۳۲﴾ ع

کوئی معبود نہیں تو کیا تم ڈرتے نہیں؟[23]

ع ۲ ۲

[20] جب وہ قوم کئی صدیوں تک حضرت نوح علیہ السلام کو مسلسل جھٹلاتی رہی تو آپ علیہ السلام نے دعا کی اے اللہ! میری مدد فرما میری قوم نے مجھے مکمل جھٹلایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی فرمائی کہ ہماری نگرانی میں ہماری وحی کے مطابق کشتی بناؤ۔ پھر جب تنور جوش مارے اور پانی اُبل کر ہر طرف پھیل جائے تو آپ اپنی کشتی میں ہر جانور اور ہر پرندے کا ایک ایک جوڑا سوار کرلیں کیونکہ ایسا طوفان آنے والا ہے کہ اس میں پہاڑ بھی ڈوب جائیں گے اور انسانوں کے ساتھ سب جانور بھی مرجائیں گے تو ضروری ہے کہ طوفان تھمنے کے بعد ہر جانور کی نئی نسل چلے۔ مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب جانور اور پرندے آپ کے گرد جمع کر دیے۔ آپ علیہ السلام ہاتھ ڈالتے اور ہر جانور اور پرندے کا ایک نر اور ایک مادہ پکڑ کر کشتی میں سوار کر لیتے۔

مزید اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ، کہ اے نوح علیہ السلام اپنے گھر والوں کو بھی اس میں سوار کرلیں مگر جس پر اللہ کا حکم پہلے سے صادر ہو چکا ہے یعنی اس کے مسلسل کفر کی وجہ سے اس کے دل پر مہر لگ چکی ہے اور وہ غرق ہونے والوں میں ضرور شامل ہوگا اسے اپنے خاندان میں سے اپنے ساتھ مت سوار کریں۔ مطلب یہ ہے کہ کشتی میں سواری کے لئے ایمان شرط ہے۔ یہ نوح علیہ السلام کے ایک بیٹے کنعان اور آپ کی بیوی کی طرف اشارہ ہے وہ دونوں آپ پر ایمان نہ لائے تھے اور اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا کہ جب ظالموں پر عذاب آئے تو ان کے بارے میں اے نوح علیہ السلام مجھے مخاطب نہ کریں یعنی ان کی سفارش نہ کریں کیونکہ وہ غرق ہو کر رہیں گے کیونکہ یہ ان کے صدہا برس کے کفر کی سزا ہے۔

یہاں سے دو فوائد حاصل ہوئے۔

(۱) کفار اللہ کے ہاں کتوں خنزیروں سے بھی بدتر ہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ کشتی میں ہر جانور سوار کیا جائے مگر کسی کافر کو سوار نہ کیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا کشتی میں ہر درندے پرندے کو سوار کیا گیا جن میں کتے، بلے، خنزیر، شیر بھیڑیے سب شامل ہیں، مگر نوح علیہ السلام کے سگے بیٹے کو سوار نہ کیا گیا جب تک کہ ایمان نہ لائے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ کفار کے بارے میں فرماتا ہے: اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ۝۶ ''جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیات کو جھٹلایا وہ ساری مخلوق سے بدتر ہیں۔'' (بینہ، ۶)

(۲) ایمان کے بغیر نسب کا اعتبار نہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے کو ایمان نہ ہونے کی وجہ سے کشتی میں سوار نہ کیا گیا۔ معلوم ہوا نبی کا نسب بھی ایمان کے بغیر مفید نہیں۔ بعض لوگ خود کو سادات کہتے ہیں۔ مگر اس کے ساتھ صحابہ کرام کو گالیاں دیتے، قرآن کو تحریف شدہ قرار دیتے اور ائمہ اہل بیت کو انبیاء و مرسلین سے بدرجہا افضل جانتے ہیں۔ ان عقائد کفریہ کی وجہ سے ان کی نسبت سادات اور نسب رسول منقطع ہے۔ جب نبی (نوح علیہ السلام) کا سگا بیٹا کفر کی وجہ سے نسب

رسول سے خارج ہے تو چودہ صدیوں کے بعد آج ایک شخص کفریہ عقائد رکھنے کے باوجود نسب رسول سے کیسے منسلک رہ سکتا ہے۔شریعت اسلامیہ میں ہر فضیلت کی بنیاد ایمان ہے۔

[21] اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے نوح علیہ السلام! جب آپ کی کشتی تمام مومنین کو لے کر صحیح طرح تیرنے لگے تو آپ اللہ کی حمد بجالائیں کہ اس نے ظالموں کو غرق کر کے مومنوں کو نجات دی معلوم ہوا دشمنانِ دین کی ہلاکت پر خوش ہونا اور اللہ کی حمد بجالانا چاہئے۔اسی لیے نبی اکرم ﷺ نے ابوجہل کی ہلاکت پر سجدۂ شکر ادا کیا۔(مدارج النبوت جلد ۲ صفحہ ۱۵۶)

[22] یعنی اے نوح علیہ السلام! آپ دعا فرمائیں کہ اللہ آپ کو طوفان کے تھمنے کے بعد مبارک جگہ اتارے۔چنانچہ آپ کی دعا قبول ہوئی اور کشتی سے اترنے پر آپ سے کہا گیا: یٰنُوۡحُ اھۡبِطۡ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَبَرَکٰتٍ عَلَیۡکَ وَعَلٰۤی اُمَمٍ مِّمَّنۡ مَّعَکَ ؕ ''اے نوح! ہماری طرف سے سلامتی و برکات لے کر اترو جو تم پر اور تمہارے ساتھ والی قوموں پر ہیں۔'' (ھود ۴۸) اور مروی ہے کہ آپ کے کشتی سے اترنے کے بعد زمین خوب غلہ اُگانے لگی اور ہر طرف برکت دکھائی دینے لگی اور یہ طوفان والے پانی کا اثر تھا۔

[23] جب قوم نوح علیہ السلام طوفان سے غرق ہوگئی تو اس کے کچھ عرصہ بعد جزیرۂ عرب کے جنوب میں حدودِ یمن میں نئی قوم بسائی گئی یعنی قوم عاد اور ان میں ایک رسول کو مبعوث کیا گیا یعنی ہود علیہ السلام انہوں نے لوگوں کو وہی پیغام توحید دیا جو نوح علیہ السلام دیتے رہے۔

وَقَالَ الۡمَلَاُ مِنۡ قَوۡمِهِ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا وَكَذَّبُوۡا بِلِقَآءِ الۡاٰخِرَةِ وَاَتۡرَفۡنٰهُمۡ

اور اس کی قوم کے ان سرداروں نے کہا جنہوں نے کفر کیا اور آخرت کی ملاقات کو جھٹلایا اور ہم نے انہیں

فِی الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ۙ مَا هٰذَاۤ اِلَّا بَشَرٌ مِّثۡلُكُمۡ ۙ يَاۡكُلُ مِمَّا تَاۡكُلُوۡنَ مِنۡهُ

دنیوی زندگی میں نعمتیں دی تھیں کہ یہ تمہارے جیسا بشر ہی تو ہے جو تم کھاتے ہو وہی وہ کھاتا ہے۔

وَيَشۡرَبُ مِمَّا تَشۡرَبُوۡنَ ۝۳۳ وَلَئِنۡ اَطَعۡتُمۡ بَشَرًا مِّثۡلَكُمۡ اِنَّكُمۡ اِذًا لَّخٰسِرُوۡنَ ۝۳۴

اور جو تم پیتے ہو وہی وہ پیتا ہے۔اور اگر تم اپنے جیسے ایک بشر کی اطاعت کرو تو ایسے میں تم ضرور خسارے میں پڑو گے[24]

## مختلف انبیاء کی تبلیغی مساعی اور ان کی منکر قوموں پر نزولِ عذاب

[24] حضرت ہود علیہ السلام کا ذکر گزشتہ رکوع کے آخر سے شروع ہوا تھا اب فرمایا جارہا ہے کہ ان کی قوم کے سرداران کی نبوت سے انکار اور روز قیامت کے جھٹلانے پر تُل گئے حالانکہ ہم نے انہیں دنیوی نعمتوں سے مالا مال کر رکھا تھا اور قوم کا

کی طرف منسوب کر دیا ہے۔ ہم اس پر ایمان نہیں لا سکتے مگر کوئی ان شریر لوگوں سے پوچھتا کہ بتوں کی خدائی پر انہیں اللہ کی طرف سے کوئی سند یا وحی ملی تھی؟ گویا وہ خود اللہ پر افتراء کرنے والے تھے اور الزام انبیاء کو دیتے تھے۔

قَالَ الْمَلَاُ سے معلوم ہوا انبیاء کی مخالفت ہمیشہ امراء، سرمایہ داروں اور وڈیرے لوگوں نے کی جبکہ اکثر غرباء ہی انبیاء کے ساتھی بنے۔ آج بھی مساجد میں اکثر غریب یا متوسط طبقہ ہی آتا ہے۔ وڈیرے نہیں آتے۔ وہ خود کو اتنا بڑا سمجھتے ہیں کہ گویا خانۂ خدا میں سما ہی نہیں سکتے۔

[26] جب قوم عاد اپنے سرداروں کے دامِ تزویر میں پھنس کر اللہ کے سچے رسول سے منکر ہوگئی تو حضرت ہود علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے مدد کے لئے فریاد کی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے ہود علیہ السلام عنقریب یہ لوگ اپنے کئے پر شرمندہ ہوں گے یعنی جب عذاب آئے گا تو انہیں اپنے کفر پر ندامت ہوگی مگر اس وقت کی ندامت بیکار ہے۔ چنانچہ جبرائیل علیہ السلام نے ان پر ایک خوفناک چیخ ماری جس کی دہشت سے ان کے کلیجے پھٹ گئے اور ان کے مردہ لاشے کوڑا کرکٹ بن کر رہ گئے۔ سورہ احقاف رکوع ۳ میں ہے کہ قوم عاد کو تیز آندھی سے ہلاک کیا گیا اور یہاں چیخ کی بات کی گئی ہے ممکن ہے یہ دونوں چیزیں اکٹھی آئی ہوں۔

ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قُرُوْنًا اٰخَرِيْنَ ﴿۴۲﴾ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا

پھر ان کے بعد ہم نے دوسری قومیں پیدا کیں کوئی قوم اپنی مقررہ موت سے آگے نہیں جاسکتی اور نہ وہ پیچھے

يَسْتَاْخِرُوْنَ ﴿۴۳﴾ ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا ؕ كُلَّمَا جَآءَ اُمَّةً رَّسُوْلُهَا كَذَّبُوْهُ

رہ سکتے ہیں۔ پھر ہم نے پے در پے اپنے رسول بھیجے، جب بھی کسی قوم کے پاس انکا رسول آتا تو وہ اسے جھٹلاتے۔

فَاَتْبَعْنَا بَعْضَهُمْ بَعْضًا وَّجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ ۚ فَبُعْدًا لِّقَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۴۴﴾

تو ہم نے انہیں یکے بعد دیگر ہلاک کیا اور ہم نے انہیں قصے کہانیاں بنا کر رکھ دیا تو ایمان نہ لانے والے لوگوں کے لئے دوری ہے [27]

[27] قوم عاد کے بعد ایسی کئی قومیں آئیں جن میں انبیاء مبعوث ہوئے مگر انہوں نے انبیاء کی مخالفت کی۔ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ہر کسی کے لئے ایک مقرر مدت رکھی تھی کہ اگر وہ اس کے اندر ایمان نہ لائے تو انہیں ہلاک کر دیا جائے گا۔ چنانچہ اس مدت کے پوری ہونے پر انہیں ہلاک کر دیا جاتا تھا کیونکہ نہ کسی قوم کو مقررہ مدت سے قبل ہلاک کیا جاتا ہے نہ کسی کو اس کے بعد مہلت دی جاتی ہے۔ ان قوموں کی ہلاکت کی وجہ یہی تھی کہ ان میں لگا تار رسول بھیجے گئے مگر انہوں نے انہیں جھٹلایا اور دین اسلام کا چراغ بجھانا چاہا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی زندگی کا چراغ یوں بجھا دیا کہ وہ قصے کہانیاں بن کر رہ گئے جیسے قوم ثمود، قوم مدین اور قوم لوط وغیرہ۔

اس میں دورِ حاضر کی اسلام دشمن طاغوتی طاقتوں کے لئے درسِ عبرت ہے کہ اللہ کسی دین دشمن قوم کو تادیر مہلت

نہیں دیتا مہلت کا ایک وقت مقرر ہوتا ہے۔

ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی وَاَخَاهُ هٰرُوْنَ ۙ۵ بِاٰیٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ ۝۴۵ اِلٰی فِرْعَوْنَ

پھر ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) اور ان کے بھائی ہارون (علیہ السلام) کو اپنی نشانیاں اور کھلا غلبہ دے کر فرعون

وَمَلَاۡئِهٖ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا عَالِیْنَ ۝۴۶ فَقَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَیْنِ

اور اسکے ساتھی سرداروں کی طرف بھیجا تو انہوں نے تکبر کیا اور وہ بڑائی پسند لوگ تھے وہ کہنے لگے کیا ہم اپنے جیسے دو انسانوں کی بات

مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ ۝۴۷ فَكَذَّبُوْهُمَا فَكَانُوْا مِنَ الْمُهْلَكِیْنَ ۝۴۸

مان لیں اور انکی قوم تو ہماری پوجا کرتی ہے؟ چنانچہ انہوں نے دونوں کو جھٹلایا تو وہ ہلاک کردہ لوگوں میں سے ہو گئے۔[28]

[28] پھر مصر میں قبطی قوم آباد ہوئی انہوں نے جادو کے زور پر سرکشی شروع کی اور ان کے سردار فرعون نے دعویٰ خدائی کر دیا تب موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو جو باہم سگے بھائی تھے۔ اللہ نے فرعون اور اس کے ساتھی وڈیروں کی طرف بہت سی کھلی نشانیاں دے کر (جیسے عصا، ید بیضا، اور فرعونیوں پہ مختلف عذابات کا آنا منجملہ مکڑیاں، خون اور جوئیں وغیرہ) اور کھلے غلبہ کے ساتھ بھیجا۔ کھلا غلبہ یہ تھا کہ فرعون کا سب جادو موسیٰ علیہ السلام کے سامنے برباد ہو گیا، مگر انہوں نے اللہ کی دعوت کے بالمقابل تکبر دکھایا۔ قرآن مجید میں ہے کہ قَالَ لَىِٕنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَیْرِیْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِیْنَ ۝۲۹

''فرعون نے کہا: اے موسیٰ! اگر تم نے میرے سوا کسی کو خدا مانا تو تمہیں قید میں ڈال دیا جائے گا۔'' (شعراء ۲۹)

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ فرعون اور اس کے ساتھی سرداروں نے موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے بارے میں کہا کہ یہ دونوں ہمارے ہی جیسے بشر ہیں اور ان کی قوم کے لوگ (بنی اسرائیل) تو ہماری پرستش (اطاعت) کرتے ہیں پھر ہم انہیں رسول مان کر ان کی اطاعت کیسے کر سکتے ہیں؟ عربی میں عبادت کا معنی اطاعت بھی ہے اور اللہ کی عبادت کا مفہوم بھی اللہ کی مکمل اطاعت ہی ہے۔ معلوم ہوا تکبر انسان کو کفر تک لے جاتا ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْكِتٰبَ لَعَلَّهُمْ یَهْتَدُوْنَ ۝۴۹ وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْیَمَ

اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب دی تاکہ لوگ ہدایت پائیں اور ہم نے عیسیٰ ابن مریم اور ان کی والدہ کو نشانی بنایا

وَاُمَّهٗٓ اٰیَةً وَّاٰوَیْنٰهُمَآ اِلٰی رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِیْنٍ ۝۵۰ ع

اور انہیں بلند مقام کی طرف پناہ دی جو اچھی رہائش گاہ اور چشمہ دار جگہ تھی[29]

[29] سیدہ مریم علیہا السلام کو جب اللہ تعالیٰ نے بغیر شوہر اور بغیر شادی عیسیٰ علیہ السلام جیسا بیٹا دیا تو بنی اسرائیل (یہود) نے

اسے تسلیم نہ کیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کے منصوبے بنائے تب سیدہ مریم علیہا السلام نے اپنے بچے کو لے کر فلسطین سے نکل کر مصر میں پناہ لی اور وہاں قریباً عرصہ بارے برس رہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے کہ اس سے مصر مراد ہے اور بعض مفسرین کے نزدیک اس سے دمشق مراد ہے تاہم اکثر تاریخی روایات کے مطابق سیدہ مریم علیہا السلام نے مصر ہی میں پناہ لی تھی اور مصر کی زمین دریائے نیل کی برکت سے خوب چشمہ دار ہے۔

| |
|---|
| يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ۭ اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ |
| اے رسولانِ گرامی! حلال چیزیں کھاؤ اور اچھے عمل کرو، میں تمہارے اعمال سے خوب |
| عَلِيْمٌ ۞ وَاِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ۞ |
| واقف ہوں۔[30] اور یہ تمہاری جماعت ایک ہی جماعت ہے اور میں تمہارا رب ہوں تو مجھ سے ڈرو۔[31] |
| فَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا ۭ كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ۞ |
| توان لوگوں نے اپنے دین کو باہم ٹکڑے کر لیا ہر گروہ کے پاس جو ہے، وہ اس پر خوش ہے۔ |
| فَذَرْهُمْ فِيْ غَمْرَتِهِمْ حَتّٰى حِيْنٍ ۞ اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ |
| تو تم انہیں ایک مقرر وقت تک اپنی غفلت میں ڈوبا رہنے دو[32] کیا وہ سمجھتے ہیں کہ ہم مال واولاد کے ذریعے جو انکی مدد کرتے ہیں |
| مَّالٍ وَّبَنِيْنَ ۞ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرٰتِ ۭ بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ۞ |
| ہم ان کے لیے بھلائیاں لانے میں کوشاں ہیں؟ نہیں، بلکہ انہیں (معاملہ کا) شعور ہی نہیں۔[33] |

## مومنوں اور کافروں کے اپنے اپنے کام اور ان کا انجام

[30] اس سے قبل حضرت نوح، ہود، موسیٰ، ہارون اور عیسیٰ علیہم السلام کا خصوصاً اور دوسرے انبیاء کا عموماً ذکر ہوا۔ اب فرمایا جارہا ہے کہ ان رسولانِ گرامی سے اللہ نے یہی فرمایا تھا کہ پاک حلال چیزیں کھاؤ اور اچھے اعمال کرو۔ میں تمہارے ہر عمل سے واقف ہوں۔ یہ ارشاد بظاہر رسولوں سے تھا مگر حقیقت میں ان کی امتوں سے کہا گیا کہ حلال کھاؤ اور اچھے اعمال کرو۔ اس کی مثال یوں ہے کہ ایک بادشاہ اپنے وزراء سے کہتا ہے کہ ملک میں امن قائم کرو بدامنی نہ پھیلاؤ تو اس کا معنی یہ ہے کہ لوگوں سے امن قائم کرواؤ اور انہیں بدامنی نہ پھیلانے دو۔ یونہی اللہ تعالیٰ انبیاء سے فرمارہا ہے کہ لوگوں کو اکلِ حلال کی تعلیم دو اور اکلِ حرام سے بچاؤ، ورنہ انبیاء کے بارے میں سوچا بھی نہیں جاسکتا کہ وہ حرام کھائیں گے۔

## اکلِ حلال کی اہمیت:

اس آیت میں اکلِ حلال پہ زور دیا گیا ہے اور حدیث میں بھی اس کی اہمیت پہ بہت زور دیا گیا ہے۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''لوگو اللہ پاک ہے اور پاک اعمال کو پسند رکھتا ہے اور وہ مومنوں کو وہی حکم دیتا ہے جو اس نے انبیاء کو دیا اس نے انبیاء سے فرمایا: یٰۤاَیُّهَا الرُّسُلُ كُلُوۡا مِنَ الطَّیِّبٰتِ وَاعۡمَلُوۡا صَالِحًا ؕ اور مومنوں سے فرمایا: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا كُلُوۡا مِنۡ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقۡنٰكُمۡ. ''اے مومنو! جو ہم نے تمہیں رزق دیا اس سے میں سے پاک چیزیں کھاؤ'' (بقرہ، ۱۷۲) اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ایک شخص (جہاد و تبلیغ میں) لمبے سفر کرتا ہے اس کے کپڑے اور بال غبار آلود ہو جاتے ہیں مگر اس کا کھانا حرام، پینا حرام اور لباس حرام ہے اور وہ حرام کھا کر پلتا ہے پھر وہ آسمان کی طرف لمبے ہاتھ کر کے دعائیں مانگتا ہے اے میرے رب! اے میرے رب! مگر اس کی دعا کیسے قبول کی جائے۔'' (مسلم کتاب الزکوۃ حدیث ۶۵، ترمذی کتاب التفسیر سورہ بقرہ باب ۳۶)

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ روایت کرتی ہیں کہ انہوں نے دودھ کا پیالہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا۔ افطار کا وقت تھا۔ آپ نے پیالہ واپس بھیج دیا اور پیالہ لانے والے سے فرمایا: جاؤ پوچھو کہ یہ دودھ کہاں سے آیا؟ وہ کہنے لگیں کہ میں نے اپنی بکری سے خود دودھ کر بھیجا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ پوچھنے کے لیے بھیجا کہ بکری کیسے حاصل کی گئی؟ انہوں نے کہا: میں نے اپنے مال سے خریدی تھی۔ تب آپ نے وہ دودھ پیا۔ اگلے دن وہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئیں اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے کل آپ کی خدمت میں دودھ بھیجا تھا وہ آپ نے واپس لوٹا دیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھ سے قبل تمام رسولوں کو یہی حکم ہوا تھا کہ پاک حلال کھاؤ اور عمل صالح اپناؤ۔ (درمنثور جلد ۶ صفحہ ۱۰۲ بروایت حاکم، ابن ابی حاتم) اس کا یہ معنی نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر ہدیہ لانے والے سے پوچھتے تھے کہ کہاں سے لائے ہو۔ البتہ جہاں آپ کو شک ہوا وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تحقیق فرمائی۔

## عملِ صالح کی قبولیت اکلِ حلال پر موقوف ہے

اس جگہ كُلُوۡا مِنَ الطَّیِّبٰتِ وَاعۡمَلُوۡا صَالِحًا ؕ میں اکلِ طیب کا ذکر پہلے اور عملِ صالح کا ذکر بعد میں کیا گیا گویا اکلِ طیب کو قبولیت عمل کی بنیاد بتایا گیا ہے اسی لئے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے کوئی نشہ والی چیز پی چالیس روز تک اس کی کوئی نماز قبول نہ کی جائے گی۔'' (ابوداؤد کتاب الاشربہ باب ۵)

[31] یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے رسولانِ گرامی! یہ تمہارے پیروکاروں کی جماعت ایک ہی جماعت ہے جس کا نام ہے مسلمین۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: هُوَ سَمّٰىكُمُ الۡمُسۡلِمِیۡنَ ۙ مِنۡ قَبۡلُ وَفِیۡ هٰذَا. ''اللہ نے تمہارا نام مسلمین رکھا ہے اس کتاب میں اور اس سے پہلے۔'' (حج ۷۸) گویا سب امتیں حقیقت میں ایک ہی امت ہے یعنی مسلم

امت، سب کا ایک ہی رب اور ایک ہی دین ہے، ''دین اسلام۔'' البتہ اس کے احکام میں مختلف ادوار میں تبدیلیاں ہوتی رہی ہیں حقیقی روح ایک ہی رہی ہے یعنی اللہ، اس کے رسولوں اور اس کی کتابوں پر ایمان رکھنا اور اللہ اور اس کے رسولوں کی کامل اطاعت بجالانا۔

[32] انبیاء کا دین تو ایک ہی تھا مگر ان کے پیروکاروں نے دین کو ٹکڑے کر دیا ہر گروہ کے پاس جو ٹکڑا ہے وہ اس پر خوش ہیں۔ دین کے ٹکڑے کرنا یہ ہے کہ اس کا ایک حصہ لے لیا جائے دوسرا چھوڑ دیا جائے۔ یہود و نصاریٰ نے اپنی کتابوں میں سے جس حصہ کو چاہا باقی رکھا جس کو چاہا نکال دیا۔ پھر یہود نے صرف تورات کو لے لیا اور نصاریٰ نے صرف انجیل کو۔ یہ بھی دین کا ایک ایک ٹکڑا لے کر باقی کو چھوڑ دینا ہے۔ مگر امت مسلمہ الحمد للہ سب خدائی کتابوں پر ایمان رکھتی ہے پھر عیسائیوں اور یہودیوں میں مختلف فرقے بن گئے ہر فرقے نے اپنی کتاب الگ بنالی جو دوسرے فرقوں کی کتاب سے مختلف ہے اور ہر فرقہ دوسرے سب فرقوں کو جہنمی کہتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آخر میں فرمایا: فَذَرْهُمْ فِيْ غَمْرَتِهِمْ حَتّٰى حِيْنٍ۝۵۴ اے پیارے نبی! دین کے ٹکڑے کرنے والوں کو ایک مدت تک یعنی ان کی موت تک مہلت دیں کہ بھٹکتے رہیں یعنی آپ ﷺ ان کی ہلاکت کی دعا میں جلدی نہ فرمائیں۔ کیونکہ موت کے بعد انہیں پکڑ ہی لیا جائے گا۔

## فرقہ پرستی کا رد، اور اہلِ سنت و جماعت کی حقانیت

اس آیت میں فرقہ پرستی کا شدید رد ہے۔ پچھلی قومیں فرقہ پرستی کی وجہ سے ہلاک ہوئیں۔ فرقہ پرستی یوں پیدا ہوتی ہے کہ کتاب اللہ کی من مانی تشریح کی جائے اور اس تشریح کو نہ مانا جائے جو خود قرآن والے نبی محمد مصطفیٰ ﷺ کی زبان مبارک سے مروی ہے۔ آج امت مسلمہ میں اسی غلط روش کی وجہ سے بیسیوں فرقے بن گئے ہیں۔ مگر ان میں ہدایت والی جماعت صرف اہل سنت و جماعت ہیں۔ کیونکہ وہ قرآن کی من مانی تشریح نہیں کرتے۔ بلکہ اسے احادیث صحیحہ کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے فرمایا: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْۤا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ ''اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو'' (مائدہ، ۳۵) اب نجدی فکر کے حاملین نے اس کو صرف وسیلۂ اعمال میں بند کر دیا اور انبیاء و اولیاء کے وسیلہ سے دعاء کرنے کو شرک قرار دیا۔ یوں فرقہ بندی شروع ہوئی۔ حالانکہ خود رسول اللہ ﷺ نے آپ کے وسیلہ سے دعاء کرنے کی تعلیم ارشاد فرمائی ہے، آپ ﷺ نے نابینا صحابی کو تعلیم دی کہ میرے وسیلہ کے ساتھ دعاء کرو اور صحابہ ایسا ہی کرتے تھے۔ یہ حدیث ترمذی، ابو داود، ابن ماجہ، طبرانی و دیگر متعدد کتب حدیث میں موجود ہے، تو کیا رسول اللہ ﷺ نے شرک کی تعلیم دی ہے؟ یہ ایک مثال ہے۔ اسی طرح اہل سنت و جماعت اپنے ہر عقیدہ کو قرآن و حدیث کی بنیاد پہ قائم کرتے ہیں۔

[33] یعنی کفار اپنے پاس اموال اور افراد کی کثرت دیکھ کر اس دھوکے میں نہ پڑیں کہ اللہ ان کے لئے بھلائیاں جمع

کر رہا ہے اور ان سے خوش ہے نہیں۔ انہیں اصل معاملہ کا شعور نہین۔ دراصل اللہ نے ان کی رسی دراز کر رکھی ہے تاکہ وہ بھٹکتے رہیں یہ ان پر اللہ کی رحمت نہیں اللہ کا عذاب ہے۔

| |
|---|
| اِنَّ الَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ﴿٥٧﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِ |
| بے شک جو لوگ اپنے رب کے خوف سے سہمے رہتے ہیں اور جو اپنے رب کی آیات پہ |
| رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ﴿٥٨﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُوْنَ ﴿٥٩﴾ وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ |
| ایمان لاتے ہیں اور جو اپنے رب کے ساتھ شرک نہیں کرتے۔ اور راہ خدا میں جو دیتے ہیں، یوں دیتے ہیں کہ ان کے |
| مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ﴿٦٠﴾ اُولٰٓئِكَ يُسٰرِعُوْنَ |
| دل اس ڈر میں ہوتے ہیں کہ وہ اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں، یہی لوگ نیکیوں میں |
| فِي الْخَيْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ ﴿٦١﴾ |
| جلدی کرتے اور ان کی طرف سبقت لے جاتے ہیں[34] |

[34] کفار کے عذاب کے بعد مومنین کی چار صفات حمیدہ اور ان کا انعام بیان کیا جا رہا ہے۔

اول: مومنین ہر وقت خوفِ خدا سے سہمے رہتے ہیں یعنی انہیں خوف لگا رہتا ہے کہ کہیں ان کا کوئی عمل حکم خدا کی نافرمانی میں نہ شمار ہو جائے اور اگر ان سے کوئی نافرمانی سرزد ہو جائے تو فوراً توبہ کرتے ہیں۔

دوم: وہ اپنے رب کی تمام آیات پر دل و جان سے ایمان رکھتے ہیں یہ نہیں کہ یہود و نصاریٰ کی طرح کتاب میں سے مرضی کا حصہ رکھیں باقی نکال دیں۔

سوم: وہ اپنے رب کے ساتھ شرک نہیں کرتے۔ اس میں یہ بھی شامل ہے کہ وہ اپنے رب کے عطا کردہ نظام زندگی کے مقابل کسی دوسرے نظام کی پیروی نہیں کرتے۔

چہارم: وہ اپنے رب کی راہ میں کچھ دیتے ہوئے ڈرتے ہیں کہ انہوں نے اپنے رب کے پاس واپس جانا ہے وہ کہیں ان کا سارا عمل ان کے منہ پر نہ مار دے اور یہ نہ کہہ دے کہ یہ عمل دکھاوے کی بنیاد پر کیا گیا ہے۔ گویا وہ ہر عمل صرف رضاء الٰہی کے لئے کرتے ہیں اور اپنے اعمال پر اتراتے نہیں ہیں۔ نیکی بھی کرتے ہیں اور ڈرتے بھی ہیں۔

ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے ان کلمات وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ کے بارے میں پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا اس سے وہ شخص مراد ہے جو چوری زنا اور شراب نوشی کرتے ہوئے اللہ سے

ڈرتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اے صدیق کی بیٹی (سبحان اللہ) ایسا نہیں بلکہ اس سے وہ شخص مراد ہے جو روزہ رکھتا، صدقہ دیتا اور نماز پڑھتا ہے مگر اس کے ساتھ ڈرتا ہے کہ کہیں اللہ اس کا عمل رد نہ کر دے۔ (ترمذی کتاب التفسیر سورہ مومنون باب ۴) تو یہ مومنین کی صفت ہے کہ وہ نیکی کرتے ہوئے ڈرتے ہیں مگر افسوس آج ہم گناہ کرتے ہیں اور نہیں ڈرتے۔ آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایسے مومنین ہی نیکیوں میں تیزی دکھاتے اور ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

| |
|---|
| وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا وَلَدَيْنَا كِتٰبٌ يَّنْطِقُ بِالْحَقِّ وَهُمْ |
| اور ہم کسی جان کو اسکی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے اور ہمارے پاس سچ بولنے والی کتاب ہے اور ان پر ظلم |
| لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۶۲﴾ بَلْ قُلُوْبُهُمْ فِيْ غَمْرَةٍ مِّنْ هٰذَا وَلَهُمْ اَعْمَالٌ مِّنْ دُوْنِ |
| نہیں کیا جائے گا۔[35] بلکہ ان کے دل اس (قرآن) سے غفلت میں ہیں اوران کے اعمال |
| ذٰلِكَ هُمْ لَهَا عٰمِلُوْنَ ﴿۶۳﴾ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَخَذْنَا مُتْرَفِيْهِمْ بِالْعَذَابِ اِذَا هُمْ |
| اس کے برعکس ہیں، جو وہ ضرور کرنے والے ہیں۔ یہاں تک کہ جب ہم ان کے سرداروں کو عذاب میں |
| يَجْـَٔرُوْنَ ﴿۶۴﴾ؕ لَا تَجْـَٔرُوا الْيَوْمَ اِنَّكُمْ مِّنَّا لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۶۵﴾ قَدْ كَانَتْ اٰيٰتِيْ |
| پکڑیں گے تو پھر وہ واویلا کریں گے۔ آج واویلا مت کرو آج ہماری طرف سے تمہیں کچھ مدد نہ ملے گی[36] تم پر ہماری |
| تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ تَنْكِصُوْنَ ﴿۶۶﴾ۙ مُسْتَكْبِرِيْنَ ۖۗ بِهٖ |
| آیات پڑھی جاتی تھیں، تو تم الٹے پاؤں بھاگ اٹھتے تھے۔ مجاوری حرم پر اتراتے اور رات بھر |
| سٰمِرًا تَهْجُرُوْنَ ﴿۶۷﴾ |
| بکواسات کرتے تھے۔[37] |

[35] یعنی اگر کوئی شخص مذکورہ چار صفات کو اپنی مجبوری کے تحت کامل طور پر نہ اپنا سکے تو جس قدر اپنا سکتا ہے اپنائے۔ اس پر کوئی مواخذہ نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی کو اسؐ کی طاقت سے زیادہ تکلیف میں نہیں ڈالتا ہے اللہ کے پاس ہر شخص کی کتاب (نامہ عمل) موجود ہے اس کے مطابق اس سے معاملہ کیا جائے گا۔ کسی پر ظلم نہ ہوگا۔ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا سے معلوم ہوا دین کسی نا قابل عمل حکم کا اجراء نہیں فرماتا۔

[36] یعنی دشمنانِ دین کے دل قرآن سے غفلت میں مبتلا ہیں اور ان کے اعمال اس سے متصادم ہیں اور یہ اعمال وہ ضرور کریں گے کیونکہ ان کی مسلسل اسلام دشمنی کے سبب ان کے دلوں پر گمراہی کی مہر لگ گئی ہے اور وہ قرآن سے مخالفت کے اعمال ہی کریں گے اللہ تعالیٰ نے فرمایا جب روز قیامت ہم ایسے دشمنانِ دین کے سرداروں کو پکڑیں گے تو وہ بہت واویلا کریں گے۔تب ان سے کہا جائے گا کہ واویلا مت کرو تم پر قرآن کی آیات پڑھی جاتی تھیں تو تم ان سے منہ موڑتے تھے لہٰذا اب تمہارا ٹھکانہ جہنم ہی ہے۔

[37] کفار مکہ کی حالت بتائی جارہی ہے کہ مُسْتَكْبِرِيْنَ بِهٖ یعنی وہ مجاوری کعبہ پر اتراتے ہوئے قرآن کی مخالفت کرتے تھے اور سمجھتے تھے کہ مجاوری کعبہ ہی ان کی نجات کے لئے کافی ہے (بِهٖ کا مرجع بیت اللہ ہے جو کلام سابق میں اگرچہ مذکور نہیں ہے مگر جس ماحول میں یہ آیات اتریں تب وہ سامعین کے ذہنوں میں خوب واضح تھا)۔آگے فرمایا: سٰمِرًا تَهْجُرُوْنَ، کہ کفار مکہ (حرم کعبہ میں) رات گئے تک بکواسات کی محفل سجائے رکھتے ہیں اور اسلام و پیغمبر اسلام کے خلاف سازشیں کرتے ہیں۔سامر، رات گئے تک باتیں کرنے والی جماعت کو کہتے ہیں، یہ اسم جمع ہے۔(منجد)

## رات گئے تک بیکار جاگنے اور دیر سے سونے کی برائی

اس میں یہ اشارہ ہے کہ رات گئے تک باتیں کرنا، فلمیں ڈرامے دیکھنا، کھیلیں کھیلنا اور دیر سے سونا اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ نہیں ہے اور حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عشاء سے قبل سونا اور اس کے بعد باتیں کرنے میں لگ جانا ناپسند رکھتے تھے۔(بخاری کتاب المواقیت باب ٢٣ مسلم کتاب المساجد حدیث ٣٣٥) دراصل رات کو دیر سے سونا نماز فجر کے لئے اٹھنے میں مانع ہوتا ہے۔اور دیکھا گیا ہے کہ رات گئے تک فلمیں ڈرامے دیکھنے میں وہی لوگ مگن رہتے ہیں جن کو نماز پڑھنے کی عادت ہی نہیں، نمازی آدمی کو اپنی نماز کی فکر ہوتی ہے جو اسے جلد سونے پہ مجبور کرتی ہے۔

| |
|---|
| اَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ اَمْ جَآءَهُمْ مَّا لَمْ يَاْتِ اٰبَآءَهُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿٦٨﴾ اَمْ |
| کیا انہوں نے اس کلام میں غور نہیں کیا؟ کیا ان کے پاس وہ چیز آئی ہے جو ان کے اگلے باپ دادا کے پاس نہ آئی تھی؟ کیا |
| لَمْ يَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ فَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿٦٩﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ بِهٖ جِنَّةٌ ؕ بَلْ |
| انہوں نے اپنے رسول کو پہچان نہیں لیا کہ اس سے بیگانگی کر رہے ہیں؟ کیا وہ کہتے ہیں کہ اسے جنون ہے۔ بلکہ |
| جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ وَاَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ﴿٧٠﴾ وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ |
| وہ ان کے پاس حق لایا ہے اور ان میں اکثر حق کو ناپسند رکھتے ہیں۔[38] اور اگر حق ان کی خواہشات کی |
| لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ؕ بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِذِكْرِهِمْ |
| پیروی کرتا تو آسمان وزمین اور جو کوئی ان میں ہے تباہ ہوجاتا، بلکہ ہم نے تو انہیں انکاذکر دیا ہے۔ |
| فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿٧١﴾ ؕ |
| تو وہ اپنے ذکر سے منہ موڑتے ہیں۔[39] |

[38] اللہ تعالیٰ نے فرمایا کفار قرآن میں غور کیوں نہیں کرتے کیا قرآن جیسا کلام پہلے لوگوں پر نہ اترا تھا؟ یعنی قرآن کوئی نئی کتاب نہیں اس سے قبل بھی اللہ نے کتابیں اتاریں پھر قرآن سے اعراض کا کیا معنی۔ آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا کفار نے اپنے رسول ﷺ کو ان کی صداقت، امانت، عفت اور شرافت کے ذریعے پہچان نہیں لیا ہے؟ پھر وہ ان سے اجنبی کیوں بن رہے ہیں؟ چنانچہ کفارِ مکہ حضور ﷺ پہ ایمان نہ لانے کے باوجود آپ ﷺ کو صادق وامین جانتے تھے اور اپنی امانتیں آپ ﷺ ہی کے پاس رکھتے تھے۔ اس لیے ہجرت کے موقع پہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ میرے پاس لوگوں کی امانتیں ہیں انہیں لوٹا کر تم میرے پیچھے چلے آنا۔ آگے اللہ تعالیٰ نے کفار کے ضمیر کو جھنجھوڑنے کے لئے ان سے تیسرا سوال یہ کیا کہ ان کے پاس رسول محمد مصطفیٰ ﷺ تو قرآن وحدیث کی صورت میں علم وحکمت کے خزانے لے کر آئے ہیں پھر کفار کا انہیں جنون میں مبتلا کہنا کس طرح درست ہے؟ اصل بات یہ ہے کہ حضور ﷺ ان کے پاس حق لے کر آئے ہیں اور کفار کو حق پسند نہیں ہے۔

[39] کفار اگر حق کو ناپسند رکھتے ہیں اور اس کی پیروی نہیں کرنا چاہتے تو حق بھی ان کی پیروی نہیں کرسکتا ورنہ آسمان و زمین اور دنیا کی ہر چیز تباہ ہوجائے مثلاً کفار کا نظریہ ہے کہ اللہ کے ساتھ دوسرے خدا بھی ہیں۔ اب اگر ایسا ہی ہوتو کئی خدا باہم لڑلڑ کر آسمان وزمین کے ٹکڑے کرڈالیں۔ آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم کفار کے پاس ان کا ذکر لائے ہیں یعنی

قرآن ساری کائنات کے لئے ذکر ہے۔ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ (تکویر ۲۷) مگر کفار اپنے ذکر سے منہ موڑ رہے ہیں۔ دوسرا یہ معنی ہے کہ کفار اگر ایمان لے آئیں تو ان کا ذکر دنیا آخرت میں بلند ہوگا مگر وہ اپنے ذکر سے منہ موڑ رہے ہیں چنانچہ جو لوگ دامنِ رسول ﷺ سے وابستہ ہو گئے آج ان کے ناموں سے پورے عالم کے محراب و منبر گونج رہے ہیں۔

| |
|---|
| اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ خَرْجًا فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ ۖ وَّهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۞ وَ اِنَّكَ |
| کیا آپ ان سے کوئی اجرت مانگتے ہیں۔ تو آپ کے رب کی اجرت ہی بہتر ہے۔ اور وہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔ |
| لَتَدْعُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۞ وَ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ |
| اور بلاشبہ آپ انہیں سیدھی راہ کی طرف بلاتے ہیں اور جو آخرت پہ ایمان نہیں لاتے |
| عَنِ الصِّرَاطِ لَنٰكِبُوْنَ ۞ وَلَوْ رَحِمْنٰهُمْ وَكَشَفْنَا مَا بِهِمْ مِّنْ ضُرٍّ لَّلَجُّوْا |
| وہ اس راہ سے ہٹتے ہیں۔[40] اور اگر ہم ان پر رحم کرتے اور ان کو جو تکلیف لاحق ہے دور کردیتے تو وہ |
| فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۞ وَلَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوْا |
| اپنی سرکشی میں اور بھٹکنے لگتے۔[41] اور ہم نے انہیں عذاب میں گرفتار کیا، مگر وہ |
| لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُوْنَ ۞ حَتّٰٓى اِذَا فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا ذَا عَذَابٍ |
| اپنے رب کی طرف نہ جھکے، اور نہ وہ گڑگڑاتے ہیں۔ حتی کہ جب ہم ان پر سخت عذاب والا دروازہ کھولیں گے۔ |
| شَدِيْدٍ اِذَا هُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ ۞ ع |
| تو پھر وہ اس میں مایوس پڑے ہوں گے۔[42] |

[40] اللہ تعالیٰ نے کفار سے یہ سوال بھی کیا کہ کیا اللہ کے رسول محمد مصطفیٰ ﷺ ان سے اپنی تبلیغی مساعی کے عوض کوئی اجرت مانگتے ہیں جو وہ دے نہیں سکتے اس لئے ان کی مخالفت کرتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے پیارے محبوب ﷺ آپ ﷺ کو کسی انسان سے اجرت کی ضرورت نہیں۔ آپ ﷺ کو آپ کے رب کا دیا ہوا اجر ہی کافی ہے اور اللہ ہی سب سے بہتر روزی رساں ہے۔

معلوم ہوا دنیوی مفاد سے بالاتر ہو کر تبلیغ دین کرنا ہی طریقہ نبویہ ہے۔ آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے پیارے محبوب ﷺ آپ کا کام صراطِ مستقیم کی طرف دعوت دینا ہے وہ آپ دیتے رہیں اور کفار اس راستے سے اس لئے انکار کرتے

ہیں کہ ان کا آخرت پہ یقین نہیں کیونکہ پرسش آخرت میں جواب دہی کا خوف ہی انسان کو نافرمانی مولا سے روکتا ہے۔

[41] امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا یہ معنی بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اگر ہم کفار کو روزِ قیامت جہنم سے بچا کر واپس دنیا میں بھیجتے تو وہ واپس آ کر اپنی سرکشی میں مزید بڑھ جاتے دوسری جگہ قرآنِ مجید میں ہے: وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا۔ ''اگر انہیں دنیا میں لوٹا دیا جائے تو وہ وہی کچھ کریں گے جس سے انہیں روکا گیا تھا۔'' (انعام ۲۸)

[42] یعنی دشمنانِ دین کو اللہ تعالیٰ مختلف حوادث میں مبتلا کرتا ہے تا کہ وہ متنبہ ہو کر اس غلط راستہ سے باز آ جائیں مگر یہ تاریخی حقیقت ہے کہ یہ طاغوتی قوتیں خدائی تنبیہات سے سبق نہیں لیتیں اور آخر اللہ کی پکڑ میں آ جاتی ہیں۔

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ؕ قَلِيْلًا مَّا

اللہ وہ ہے جس نے تمہارے لیے کان، آنکھیں اور دل پیدا کیے، تم بہت ہی کم

تَشْكُرُوْنَ ۝۷۸ وَهُوَ الَّذِيْ ذَرَاَكُمْ فِي الْاَرْضِ وَاِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝۷۹ وَهُوَ

شکر بجا لاتے ہو۔[43] اللہ وہ ہے جس نے تمہیں زمین میں پھیلایا اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ اور اللہ

الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝۸۰ بَلْ

وہ ہے جو زندہ کرتا اور مارتا ہے اور اسی کے قبضہ میں رات اور دن کا بدلنا ہے تو تم عقل کیوں نہیں کرتے؟[44] مگر

قَالُوْا مِثْلَ مَا قَالَ الْاَوَّلُوْنَ ۝۸۱ قَالُوْٓا ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا

کفار نے اسی طرح کہا جس طرح پہلے کافروں نے کہا تھا، انہوں نے کہا کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں بن جائیں گے

ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ۝۸۲ لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا هٰذَا مِنْ قَبْلُ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ

تو ہمیں پھر اٹھایا جائے گا؟ یہ وعدہ ہم سے اور ہمارے باپ دادا سے بھی اس سے قبل کیا گیا تھا۔ یہ پہلے لوگوں کی کہانیوں کے سوا

اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝۸۳

کچھ نہیں ہے۔[45]

## اللہ کی عظیم قدرتوں اور نعمتوں کا بیان اور اثباتِ قیامت

[43] انسانوں کو بت پرستی اور ہر طرح کے شرک سے باز رکھنے کے لئے اللہ تعالیٰ انسانوں کو اپنی نعمتیں یاد دلا رہا ہے

تو فرمایا کہ اے انسانو! اللہ نے تمہارے لئے کان، آنکھیں اور دل پیدا کئے لہٰذا انسان کو چاہئے کہ ان نعمتوں پر اللہ کا شکر گزار ہو اور اس کے سوا کسی کو الٰہ نہ مانے۔ یاد رہے کانوں کا شکریہ ہے اس رب کی بات سنی جائے جس نے کان بنائے اور شیطانی آوازوں سے کانوں کو محفوظ رکھا جائے۔ ؎

گزر گاہِ قرآن و پندست گوش   بہ بہتان و باطل شنیدن مکوش

یعنی کان قرآن وحکمت کی گزرگاہ ہیں۔ ان سے بہتان اور باطل چیزیں سننے کی کوشش مت کرو۔ اسی طرح آنکھوں کا شکریہ ہے کہ ان سے آنکھیں دینے والے رب کا راستہ دیکھا جائے۔ کائنات کا بچشم عبرت نظارہ کیا جائے، قرآن وحدیث کا مطالعہ کیا جائے اور والدین، اقرباء اور سب لوگوں کو بنظر محبت دیکھا جائے اور جن چیزوں کا دیکھنا اللہ نے حرام کیا ہے ان سے آنکھیں بند کر لی جائیں، کسی کو بنظرِ حقارت نہ دیکھا جائے اور کسی کے عیب پر نظر نہ ڈالی جائے اور کبھی کبھی ان آنکھوں سے تنہائی میں خوفِ خدا سے آنسو بہائے جائیں۔ اور دل کا شکریہ ہے کہ اسے بُرے خیالات اور باطل نظریات وعقائد سے پاک رکھا جائے اور اسے محبتِ خدا ورسول کا گہوارہ بنایا جائے الغرض اللہ کی عطا کردہ ہر نعمت کا اپنا الگ شکر ہے مگر انسان بہت کم شکر کرتا ہے۔ اس لئے دوسری جگہ فرمایا گیا: وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ ⑬
''میرے بندوں میں سے شکر گزار بہت کم ہیں۔'' (سبا ١٣)

[44] اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو نسل درنسل زمین میں پھیلایا اور اسی کی طرف سب کو اٹھایا جائے گا کیونکہ اسی کی شان ہے کہ وہ زندہ کرتا اور مارتا ہے تو اسی نے ہمیں زندہ کیا وہی ہمیں مارے گا اور پھر دوبارہ اٹھائے گا اور اللہ ہی دن رات کو بدل رہا ہے یعنی اس کے حکم سے شمس وقمر چل رہے ہیں اور زمانہ گردش میں ہے تو پھر اللہ فرماتا ہے اے انسانو! تم عقل سے کام کیوں نہیں لیتے یعنی اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو معبود کیوں مانتے ہو؟

ان آیات سے دو فوائد حاصل ہوئے:

### (١) لامذہبیت کا رد:

یعنی یہ سمجھنا کہ کائنات از خود معرضِ وجود میں آئی ہے اور خود چل رہی ہے غلط ہے اللہ تعالیٰ نے کائنات پیدا کی اور وہی اسے چلا رہا ہے۔ لامذہبیت کے عفریت نے عیسائیوں کی اکثریت کو اور یہودیوں کی بھی ایک بڑی تعداد کو خدا کا منکر بنا دیا اور بعض مسلم نوجوان بھی اس کی وجہ سے تذبذب کا شکار ہو گئے ہیں۔ ضرورت ہے کہ مسلم نوجوان زیادہ سے زیادہ قرآن کا مطالعہ کریں۔

### (٢) زمین ہی انسان کا مسکن ہے:

اس جگہ وَهُوَ الَّذِيْ ذَرَاَكُمْ فِي الْاَرْضِ سے پتہ چلا انسان زمین ہی کے لئے پیدا کئے گئے ہیں اور اسی سے پھر

اٹھائے جائیں گے۔ زمین کو چھوڑ کر کسی دوسرے سیارے میں جا کر انسان کا آباد ہونا ایک احمقانہ خیال ہے۔

[45] یعنی منکرینِ قیامت وہی بات کہتے ہیں جو پہلی امتوں میں ایسے منکرین کہتے تھے۔ ان کا کہنا ہے کہ جب ہم مر کر ہڈیاں اور مٹی بن جائیں گے تو ہمیں دوبارہ کیسے اٹھایا جائے گا اور یہ قیامت کے آنے کا وعدہ ہمارے اگلے باپ دادا سے بھی کیا جاتا تھا مگر ہزاروں برس بیت گئے قیامت نہ آئی تو اب کیا آئے گی۔ بس یہ قیامت کا آنا پہلے لوگوں کی بنائی ہوئی کہانی ہے جو اب تک چلی آ رہی ہے۔ اَسَاطِیْرُ سطورۃ کی جمع ہے جس کا معنی دل کے بہلانے کو گھڑی جانے والی کہانی ہے۔ یہ اسی طرح ہے جیسے عصفورۃ کی جمع عصافیر ہے۔

| قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۴﴾ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ |
|---|
| آپ فرمائیں زمین اور جو کچھ اس میں ہے کس کا ہے اگر تم جانتے ہو۔ (تو بتاؤ) وہ ضرور کہیں گے کہ یہ اللہ کا ہے۔ |
| قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۸۵﴾ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ |
| آپ کہہ دیجئے پھر تم نصیحت کیوں نہیں لیتے۔ آپ کہہ دیجئے سات آسمانوں اور عرش عظیم کا |
| الْعَظِيْمِ ﴿۸۶﴾ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۸۷﴾ قُلْ مَنْۢ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ |
| رب کون ہے؟ وہ کہیں گے یہ اللہ کے لیے ہے۔ آپ کہہ دیجئے پھر تم اللہ سے ڈرتے کیوں نہیں [46] آپ کہیے ہر شئے کی بادشاہی |
| كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۸﴾ سَيَقُوْلُوْنَ |
| کس کے ہاتھ میں ہے اور جو پناہ دیتا ہے اور اسکے خلاف کسی کو پناہ نہیں دی جاسکتی؟ اگر تم جانتے ہو تو بتاؤ وہ ضرور کہیں گے یہ اللہ |
| لِلّٰهِ ۭ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ﴿۸۹﴾ بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِالْحَقِّ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۹۰﴾ |
| کے لئے ہے۔ آپ کہہ دیجئے پھر تم کہاں جادوزدہ ہوتے ہو۔ بلکہ ہم نے انہیں سچ عطا کیا اور وہ جھوٹے ہیں۔ [47] |

[46] یعنی اے پیارے محبوب ﷺ! اگر آپ مشرکین سے پوچھیں کہ زمین کس نے بنائی اور اس پر آباد ہر مخلوق کا مالک و خالق کون ہے تو وہ ضرور کہیں گے کہ وہ اللہ ہے تو پھر آپ انہیں فرمائیں کہ تم نصیحت کیوں نہیں پکڑتے کہ جب زمین کی ہر چیز اللہ کی مخلوق ہے تو زمین سے ایک پتھر اٹھا کر اسے معبود بنانے کا کیا معنی ہے۔ آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے محبوب ﷺ! آپ مشرکین سے یہ بھی پوچھیں کہ سات آسمانوں اور عرش عظیم کا رب کون ہے تو وہ اسکا جواب بھی یہی دیں گے کہ وہ اللہ ہے تب آپ انہیں فرمائیں کہ تم اللہ کی پکڑ سے ڈرتے کیوں نہیں ہو؟ عرش کا مالک اللہ تمہارے شرک پر تمہیں جیسے پکڑ سکتا ہے تو تم باز کیوں نہیں آتے۔

## عرش عظیم کی عظمت

یاد رہے عرش عظیم سات آسمانوں سے اوپر ایک مقام ہے جس کی وسعت و عظمت اللہ ہی جانتا ہے۔ بخاری میں ہے کہ فردوس جنت کا بلند تر مقام ہے اور اس کے اوپر رحمان کا عرش ہے۔ (بخاری کتاب التوحید باب ۲۲) حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حاملین عرش فرشتے اس قدر عظیم ہیں کہ ان میں سے ہر ایک کے کندھے اس کے کان تک کا فاصلہ سات سو برس کا ہے۔ (ابوداؤد کتاب السنۃ باب ۱۸) جب ان کے کندھے اتنے بڑے ہیں تو سارا جسم کتنا بڑا ہوگا، اور جب عرش کو اٹھانے والے فرشتے اتنے بڑے ہیں تو خود عرش کتنا بڑا ہے یہ اللہ ہی جانتا ہے وہ تو لاکھوں کروڑوں سال کی مسافت پہ مشتمل ہوگا۔

[47] اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے رسول ﷺ! آپ کفار سے تیسرا سوال یہ کریں کہ ہر چیز کی ملکیت کس کے ہاتھ میں ہے اور کون ہے کہ اس کی پناہ ڈھونڈی جاتی ہے اور اس کے مقابلہ میں کسی کو پناہ نہیں دی جا سکتی یعنی جسے وہ پناہ دے دے اسے کوئی گزند نہیں پہنچ سکتا اور جسے وہ پکڑنا چاہے اسے کوئی بچا نہیں سکتا تو اس کے جواب میں بھی مشرکین یہی کہیں گے کہ وہ اللہ ہی ہے تو آپ ان سے فرمائیے پھر تم پر کیا جادو ہو گیا ہے کہ اللہ کو چھوڑ کر اپنے جھوٹے خداؤں سے پناہ مانگتے اور ان سے مصائب کے ٹلنے کی التجائیں اور فریادیں کرتے ہو؟

## مشرکین کے شرک کی وضاحت

اگر سوال کیا جائے کہ جب مشرکین اللہ کو خالقِ ارض و سماء، مالکِ عرش علاء، بادشاہ ہر دوسرا اور ہر چیز کا حاجت روا مانتے تھے تو پھر وہ مشرک کیوں اور کیسے ٹھہرے؟ اور وہ یہ بھی کہتے تھے کہ ہم اپنے دوسرے خداؤں کی عبادت اس لئے کرتے ہیں تاکہ وہ ہمیں اللہ سے قریب کر دیں۔ (زمر ۳) تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ اللہ کو یہ سب کچھ ماننے کے ساتھ اپنے جھوٹے خداؤں کو اللہ کے ایسے وزراء و نائبین سمجھتے تھے جن کے تعاون کے بغیر اللہ نظام کائنات نہیں چلا سکتا اسی لئے ان کے رد میں فرمایا گیا: وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ۔ کہ "اللہ نے کمزوری کے باعث کوئی مددگار نہیں پکڑا۔" (بنی اسرائیل ۱۱۱) پھر وہ اللہ کے لئے اولاد مانتے تھے جیسے عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اور یہود حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہتے ہیں اور مشرکین مکہ فرشتوں کو اولادِ خدا مانتے تھے اور آج ہندو خدا کا پورا کنبہ مانتے ہیں اور کسی کے لئے اولاد ماننا بھی اس کے لئے شرکاء ماننے کے برابر ہے کیونکہ طاقتور اولاد اپنے باپ کے فیصلوں میں پوری دخیل و شریک ہوتی ہے اور وہ ان کی مرضی کے خلاف کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا۔ رہا مشرکین مکہ کا یہ کہنا کہ وہ صرف حصول قرب خدا کے لئے بتوں کو پوجتے ہیں۔ تو یہ ان کی محض حیلہ سازی اور جھوٹ تھا وہ اپنے بتوں کو اللہ تعالیٰ کے برابر جانتے تھے اسی لئے فرمایا گیا کہ "کفار کے جھوٹے خداؤں کو گالی نہ دو ورنہ وہ اللہ کو گالی دیں گے۔" (سورہ انعام، ۱۰۸)

مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۢ بِمَا

اللہ نے کوئی اولاد نہیں بنا رکھی۔ اور نہ ہی اس کے ساتھ کوئی اور خدا ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو ہر خدا

خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۙ﴿۹۱﴾ عٰلِمِ

اپنی مخلوق کولیکر الگ ہوجاتا اور وہ ایک دوسرے پر چڑھائی کر دیتے اللہ ان باتوں سے پاک ہے جو کفار بتاتے ہیں۔ وہ ہر چھپی

الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۹۲﴾

اور ظاہر چیز کا جاننے والا ہے اور ان کے شرک سے بلند تر ہے[48]

[48] اگر اللہ کی اولاد ہوتی یا کوئی اس کا شریک ہوتا تو وہ بھی اللہ کی طرح بعض چیزوں کا خالق و مالک ہوتا اور وہ اپنی مخلوق کو لے کر الگ ہوجاتا یعنی کائنات کے مختلف حصوں کے الگ الگ خدا ہوتے اور ہر خدا خود کو دوسرے خداؤں سے طاقتور و برتر ثابت کرنے کے لئے دوسرے خداؤں پر چڑھ دوڑتا اور یوں کائنات مختلف خداؤں کی لڑائی میں ٹکڑے ٹکڑے اور تباہ ہوجاتی لہٰذا مشرکوں کے نظریات وعقائد سے اللہ تعالیٰ بلند اور پاک ہے وہ ہر خفیہ و ظاہر چیز کا جاننے والا ہے تو اس جیسا کون ہوسکتا ہے؟

قُلْ رَّبِّ اِمَّا تُرِيَنِّيْ مَا يُوْعَدُوْنَ ۙ﴿۹۳﴾ رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِيْ فِي الْقَوْمِ

اے محبوب (ﷺ) آپ کہیں اے میرے رب! اگر تو مجھے دکھائے جو کفار سے وعدہ عذاب کیا گیا ہے، مجھے ظالم قوم کے ساتھ

الظّٰلِمِيْنَ ﴿۹۴﴾ وَاِنَّا عَلٰۤى اَنْ نُّرِيَكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقٰدِرُوْنَ ﴿۹۵﴾ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ

نہ رکھنا۔ اور بے شک ہم قادر ہیں کہ آپ کو دکھائیں جو ہم نے کفار سے وعدہ عذاب کیا ہے۔[49] آپ برائی کو بھلائی والے

هِيَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةَ ؕ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَصِفُوْنَ ﴿۹۶﴾

طریقہ سے دور کریں، ہم خوب جانتے ہیں جو یہ (کفار) کرتے ہیں۔[50]

## طریقہ تبلیغ کیا ہونا چاہیے اور احوالِ قیامت کا بیان

[49] اللہ تعالیٰ نے کفار کو بار بار متنبہ کیا تھا کہ اگر وہ اسلام دشمنی سے باز نہ آئے تو ان پر خدائی پکڑ آسکتی ہے۔ اس بارے میں اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ اے پیارے رسول ﷺ آپ دعا فرمائیں کہ اے اللہ! اگر تو دنیا میں میری موجودگی

کے اندر کفار پہ وہ عذاب لے آئے جس سے انہیں ڈرایا گیا ہے تو مجھے اس کی لپیٹ میں شامل نہ کرنا اور اے پیارے رسول ﷺ! ہم اس بات پر قادر ہیں کہ جس عذاب سے ہم کفار کو ڈراتے ہیں وہ ہم آپ ﷺ کو دکھادیں یعنی آپ کی دنیا میں موجودگی ہی میں وہ عذاب لے آئیں۔ گویا وہ عذاب دور نہیں۔ چنانچہ بدر میں کفار پہ وہ عذاب آ گیا اور پھر آپ ﷺ کے وصال کے بعد دور خلافت راشدہ میں اس کا دائرہ پھیلتا گیا اور کفار ہر طرف ذلت و خواری کا شکار ہوتے چلے گئے۔

## فتنوں سے بچنے کی دعاء کرنا

یاد رہے نبی اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا یہ دعا سکھلانا کہ اے اللہ! مجھے کفار کے ساتھ شاملِ عذاب نہ فرما۔ محض تعلیم امت کے لئے ہے تا کہ امت کو یہ دعا معلوم ہو جائے کیونکہ جب مجرموں پہ عذاب آتا ہے تو بسا اوقات اس کی لپیٹ میں صالحین بھی آ جاتے ہیں۔ تو صالحین کو اس سے بچنے کی دعا کرنی چاہئے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ ایسی دعائیں اکثر فرمایا کرتے تھے۔

حضور سید عالم ﷺ کی ایک دعا یوں مروی ہے کہ اللھم اِنّی اسئَلُك فعلَ الخیراتِ و ترکَ المُنکراتِ وحُبَّ المساکین وإذا أردتَ فی الناسِ فتنةً فَاقبِضْنی الیك غیرَ مفتونٍ۔ ''اے اللہ! میں تجھ سے نیک اعمال کا بجالانا، بُرے اعمال سے باز رہنا اور مساکین سے محبت کرنا مانگتا ہوں اور جب تو لوگوں کو کسی فتنہ (آزمائش) میں ڈالے تو مجھے اس میں مبتلا کیے بغیر وفات دے دینا۔'' (موطا امام مالک کتاب الصلوٰۃ صفحہ ۱۸۶) اور مسلمانوں کو یہ دعا کرتے رہنا چاہئے۔

[50] نبی ارم ﷺ کو کفار نے جادوگر، کاہن، شاعر اور مجنون تک کہا مگر اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے پیارے محبوب ﷺ! آپ برائی کا جواب بھلائی کے ساتھ دیں یعنی گالیوں کے بدلے دعائیں دیں۔ کفار جو کہتے ہیں ہمیں معلوم ہے مگر آپ ﷺ کا اخلاق کریمانہ ہی لوگوں کو آپ ﷺ کے قریب لا سکتا ہے۔

## رسول اللہ ﷺ کا کرم اور عفو و درگزر

چنانچہ حضور رحمتِ عالم ﷺ نے اپنی ذات کے لئے کبھی کسی سے زیادتی کا بدلہ نہ لیا بلکہ ہمیشہ درگزر فرمائی بلکہ دعا دی۔ وادی طائف میں آپ ﷺ کا جسم مبارک کفار کی سنگ باری سے لہو سے تر ہو گیا۔ آپ کے پاس ملک جبال (پہاڑوں پر مقرر فرشتہ) بحکم الٰہی حاضر ہوا اور کہا اگر آپ چاہیں تو میں یہ دو پہاڑ اٹھا کر ان پر رکھ دوں۔ آپ نے فرمایا: نہیں، مجھے امید ہے کہ ان کی نسل سے وہ لوگ پیدا ہونگے جو ایک رب کی عبادت کریں گے۔
(بخاری کتاب بدأ الخلق جاب ۷ مسلم کتاب الجہاد حدیث ۱۱۱)

اسی طرح منافقین کا سردار عبداللہ بن ابی ابن سلول حضور ﷺ کو مدنی دور میں قریباً نو برس تک مسلسل تکالیف پہنچاتا رہا۔ مگر جب وہ مرا تو آپ ﷺ نے اس کا جنازہ پڑھا، اسے اپنی قمیص پہنائی اور فرمایا: میری قمیص سے اسے فائدہ تو نہ

ہوگا مگر مجھے امید ہے کہ میرے حسن خلق سے اس کی قوم کے ہزار آدمی اسلام لے آئیں گے۔ چنانچہ اسی طرح ہوا۔
(تفسیر ابن جریر طبری جلد ۶ صفحہ ۴۴۰ سورہ توبہ زیر آیت وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓی اَحَدٍ مِّنْهُمْ آیت ۸۴)

یہاں سے عفوو درگزر کی فضیلت معلوم ہوئی۔ افسوس آج ہم میں سے ہر کوئی بقدر طاقت انتقام ہی لینے کا سوچتا ہے۔ درگزر کا سبق کسی کو یاد نہیں الا ماشاء اللہ۔

| وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ﴿۹۷﴾ وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ |
| --- |
| آپ فرمائیں اے اللہ! میں شیطانی وسوسوں سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ اور اس بات سے تیری پناہ مانگتا ہوں کہ وہ |
| اَنْ يَّحْضُرُوْنِ ﴿۹۸﴾ |
| میرے قریب آئیں۔[51] |

[51] نبی اکرم ﷺ شیطانی وسوسوں سے محفوظ ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو شیاطین پر قبضہ دے دیا ہے۔ پھر بھی آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس دعا کا سکھلایا جانا تعلیم امت کے لئے ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ شیطانی وساوس سے بچنے کی کثیر دعائیں فرماتے تھے۔ نبی کریم ﷺ صحابہ کو یہ دعا سکھلاتے تھے کہ نیند میں ڈرنے کے وقت یہ پڑھا کریں: بسم اللہ اعوذُ بکلمات اللہ التامّۃِ من غضبہ وعِقابِہ وشرِّ عبادِہ ومن ھمزاتِ الشیاطینِ واَن یحضُرونِ۔ ''اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں میں اللہ کے مکمل کلمات کے ذریعے اس کے غضب، اسکے عذاب اور اس کے بندوں کی شر سے پناہ مانگتا ہوں اور شیاطین کے وسوسوں اور ان کے قریب آنے سے پناہ مانگتا ہوں۔'' (ترمذی کتاب الدعوات باب ۹۳، ابوداؤد کتاب الطب باب ۱۹) حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ وہ خواب میں ڈر جاتے ہیں نبی کریم ﷺ نے فرمایا سونے سے قبل یہ دعا پڑھا کرو (آپ نے یہی دعا تعلیم فرمائی) اور فرمایا جو شخص یہ دعا پڑھ لے شیطان کے لائق نہیں کہ اسے کچھ نقصان دے۔ (مسند احمد جلد ۴ صفحہ ۵۷) معلوم ہوا شیطانی وساوس سے بچنے کی دعا کرتے رہنا چاہئے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی مدد کے بغیر ان وساوس سے نہیں بچا جاسکتا۔

حَتّٰۤی اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الۡمَوۡتُ قَالَ رَبِّ ارۡجِعُوۡنِ ﴿۹۹﴾ لَعَلِّیۡۤ اَعۡمَلُ

یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کو موت آئے تو وہ کہتا ہے، اے اللہ! مجھے واپس لوٹا دے۔ تاکہ میں وہ

صَالِحًا فِیۡمَا تَرَكۡتُ كَلَّا ؕ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا ؕ وَمِنۡ وَّرَآئِهِمۡ بَرۡزَخٌ

نیک عمل کرلوں جو میں نے چھوڑا تھا ہرگز نہیں یہ بس ایک بات ہے جو اسنے کہی ہے اور انکے پیچھے ایک آڑ ہے اس دن تک

اِلٰی یَوۡمِ یُبۡعَثُوۡنَ ﴿۱۰۰﴾ فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّوۡرِ فَلَاۤ اَنۡسَابَ بَیۡنَهُمۡ یَوۡمَئِذٍ

جب وہ اٹھائے جائیں گے۔[52] تو جب صور پھونکا جائے گا تو اس دن ان کے درمیان کوئی رشتہ نہ رہے گا

وَّلَا یَتَسَآءَلُوۡنَ ﴿۱۰۱﴾

اور نہ وہ اس کا سوال کریں۔[53]

[52] یعنی کفار اپنی ضد پہ اڑے رہتے ہیں اور ایمان نہیں لاتے پھر جب انہیں موت آتی ہے تو ان پر حقیقت واضح ہوتی ہے تب وہ کہتے ہیں اے اللہ! ہمیں ایک بار واپس دنیا میں بھیج تاکہ جو نیک عمل (ایمان) ہم اختیار نہ کرسکے وہ کریں۔ تب انہیں کہا جاتا ہے کہ ہرگز ایسا نہ ہوگا۔ اور ان کا یہ کہنا کہ وہ واپس جا کر نیک عمل کریں گے (ایمان لائیں گے) محض ان کے منہ کی بات ہے اگر انہیں بالفرض واپس بھیج دیا جائے تو وہ پھر کفر ہی کریں گے اور موت کے پیچھے لوگوں کو وہ برزخ (آڑ) لاحق ہوجاتی ہے جو روزِ قیامت تک انہیں وہیں روکے رکھتی ہے واپس دنیا میں نہیں آنے دیتی اور اس سے مراد عالم قبر ہے یعنی جو قبر کی آڑ میں چلا جائے وہ واپس نہیں آسکتا۔ برزخ کا معنی آڑ ہے جیسے قرآنِ مجید میں ہے بَیۡنَهُمَا بَرۡزَخٌ لَّا یَبۡغِیٰنِ ﴿۲۰﴾ ''دونوں (سمندروں) کے درمیان آڑ ہے جسے وہ عبور نہیں کرسکتے۔'' (رحمٰن ۲۰) گویا دنیا و قیامت کے درمیان عالم برزخ ایک آڑ ہے۔

## اہل تشیع کے عقیدۂ رجعت کی تردید

اس سے معلوم ہوا کہ اہل تشیع کا عقیدۂ رجعت قرآن کے خلاف ہے، وہ سمجھتے ہیں کہ قیامت سے پہلے بارہ امام واپس دنیا میں آئیں گے، دنیا میں شیعہ مذہب کا راج ہوگا، ہر شیعہ کے پاس مال و دولت کی انتہاء ہوجائے گی، ایک ایک شیعہ کے پاس ہزار ہزار بچے ہونگے، امام مہدی آئیں گے اور معاذ اللہ ابوبکر و عمر (رضی اللہ عنہما) کو قبروں سے نکال کر ان کو سولی دیں گے (معاذ اللہ) اور نہ جانے انہوں نے کیا کیا غلیظ اور خیالی پکاؤ پکائے ہوئے ہیں، (حوالہ کے لیے دیکھیں، انوار نعمانیہ، حق الیقین وغیرہ) حالانکہ یہ سب غلط اور خلاف قرآن ہے، جب دنیا و آخرت کے درمیان برزخ کی آڑ ہے تو

بارہ امام کیسے واپس دنیا میں آجائیں گے، اس موضوع پہ تفصیلی گفتگو ان شاء اللہ سورہ قصص آیت ۸۵ کے تحت آئے گی، وہیں دیکھیں۔ اور پیچھے سورہ انبیاء آیت ۹۵ کے تحت بھی ہم اس پہ کچھ کلام کر آئے ہیں، وہاں بھی دیکھ لیں۔

[53] کفار کی موت کے بعد اب ان کی آخرت کے بارہ میں فرمایا جا رہا ہے کہ جب صور پھونک دیا جائے گا تو کفار کے درمیان نہ کوئی نسب باقی رہے گا نہ وہ نسب کی بنیاد پر کسی سے سوال کریں گے، یعنی باپ بیٹے سے نہ کہے گا کہ میری مدد کرو نہ بیٹا باپ سے مدد کا سوال کرے گا کیونکہ انہیں معلوم ہوگا کہ مدد مانگنے کا فائدہ نہیں ہے، کافر کی بخشش نہیں ہو سکتی، مدد کرنا تو ایک طرف رہا قرآن تو کہتا ہے کہ کافر روز قیامت تمنا کرے گا کاش وہ اپنے بچوں، بیوی، بھائی اور مددگار خاندان کو اپنی جگہ دے کر خود کو عذاب سے چھڑوا لے۔ (معارج ۱۱)

## روز قیامت اہل ایمان کا نسب منقطع نہیں ہوگا

اس سے معلوم ہوا کہ مومنین کا نسب روز قیامت منقطع نہ ہوگا۔ آیت ۹۶ میں نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَصِفُوْنَ﴿۹۶﴾ سے معلوم ہوا یہ کفار کا حال بتایا گیا ہے کہ روز قیامت ان کے درمیان کوئی نسب باقی نہ رہے گا۔ مومنین کا یہ حال نہیں، ان کے بارہ میں فرمایا گیا: وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ۔ جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد نے ایمان کے ساتھ ان کی پیروی کی ہم ان کی ذریت کو ان کے ساتھ ملائیں گے۔ (طور ۲۱) اور فرمایا: اَلْاَخِلَّآءُ يَوْمَىِٕذٍۭ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ﴿۶۷﴾ اس دن گہرے دوست ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے سوا پرہیزگاروں کے۔ (زخرف ۶۷) اور احادیث میں بکثرت وارد ہے کہ حافظ قرآن اور شہید اور بچپن میں فوت ہونے والا بچہ اپنے خاندان اور والدین کو بخشوائے گا۔ معلوم ہوا مومنین کا نسب قیامت میں منقطع نہ ہوگا۔

اگر سوال کیا جائے کہ حدیث میں ہے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا روز قیامت ہر نسب منقطع نہ ہو جائے گا سوا میرے نسب اور میرے تعلق کے۔ (سنن بیہقی جلد ۷ صفحہ ۱۱ کتاب النکاح مطبوعہ دار المعرفہ بیروت) اگر قیامت میں تمام متقین اور شہداء اور حفاظ کا نسب اور تعلق منقطع نہیں تو پھر نسب رسول کے منقطع نہ ہونے کی خصوصیت کیوں بتائی گئی تو اس کا جواب امام بغوی علیہ الرحمہ نے یہ دیا کہ متقین اور مومنین کا باہمی تعلق حقیقت میں حضور ﷺ ہی کا تعلق ہے یعنی آپ سے ایمانی تعلق ہی وہ رشتہ ہے جو قیامت میں مسلمانوں کو باہم کام آئے گا۔ (تفسیر بغوی جلد ۵ صفحہ ۴۴) یہاں مقام غور ہے جب عام متقین اور شہداء اپنے خاندان کے لئے روز قیامت باعث بخشش و برکت ہوں گے تو حضور ﷺ کا نسب اپنے خاندان اور اپنی اولاد کے لئے کس قدر باعث برکت و بخشش ہے، اور اس حدیث میں اگر خود رسول اللہ ﷺ ہی کا نسب مراد کیا جائے تو اس کا یہی مفہوم ہے۔ اس موضوع پر میں نے اپنی کتاب عظمت اہل بیت رسول میں مفصل روشن ڈالی ہے یہ کتاب خوبصورت پیرایہ میں چھپ چکی ہے۔

فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ

پھر جن کے تول بھاری رہے تو وہی لوگ کامیاب ہیں۔اور جن کے تول ہلکے رہے،

فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ تَلْفَحُ

تو یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے خود کو خسارے میں ڈالا، وہ جہنم میں ہمیشہ رہیں گے۔[54] ان کے چہروں کو

وُجُوْهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ ﴿۱۰۴﴾ اَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ

آگ لپیٹ لے گی اور وہ اس میں سوختہ رو ہوں گے۔[55] (کہا جائے گا) کیا تم پر میری آیات نہ پڑھی جاتی تھیں

فَكُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ قَالُوْا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا

اور تم انہیں جھٹلاتے تھے؟ وہ کہیں گے اے ہمارے رب! ہم پر ہماری بدبختی غالب آگئی تھی اور ہم

ضَآلِّيْنَ ﴿۱۰۶﴾ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ قَالَ اخْسَئُوْا

گمراہ لوگ تھے اے ہمارے رب! ہمیں یہاں سے (ایک بار) نکال اگر ہم نے پھر کفر کیا تو ہم یقیناً ظالم ہوں گے، اللہ فرمائے گا

فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ ﴿۱۰۸﴾

یہیں ذلت میں رہو اور مجھ سے مت بات کرو[56]

[54] یعنی روز قیامت جس کے نیک اعمال کا وزن ایمان کی وجہ سے بھاری ہوا وہ کامیاب ہو جائے گا اور جس کا وزن ایمان نہ ہونے کی وجہ سے ہلکا رہا تو ایسے ہی لوگ دائمی خسارے میں رہیں گے اور جہنم ا۔ کا ابدی ٹھکانہ ہے۔ یاد رہے روز قیامت کافر کا کفر اتنا بھاری ہوگا کہ اس کے مقابلہ میں اس کے تمام نیک اعما۔ وزن ہو جائینگے اسی لئے دوسری جگہ فرمایا گیا: اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَآئِهٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَا ہُمْ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا ﴿۱۰۵﴾ ''یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کی آیات سے انکار کیا تو ان کے اعمال (صالحہ) ضائع ہو گئے اور روز قیامت ہم ان کے لئے کچھ وزن نہ قائم کریں گے۔'' (سورہ کہف، آیت: ۱۰۵)

[55] جہنم میں کفار کے چہرے بھون کر رکھ دیئے جائیں گے۔ اس آیت کے تحت نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جب کفار کو آگ پکڑے گی تو ان کے گوشت ان کے جسم سے بہنے لگیں گے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کے تحت فرمایا آگ کافروں کا چہرہ یوں جلا دے گی کہ ان کا اوپر والا ہونٹ آدھے سر تک چڑھ

جائے گا اور نیچے والا لٹک کر ناف تک پہنچ جائے گا۔ (ترمذی کتاب التفسیر سورہ مومنون باب ۵) اس آیت سے معلوم ہوا جہنم میں منہ کا جلایا جانا صرف کفار کی سزا ہے مومن کا چہرہ جہنم میں بھی محفوظ رہے گا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اس امت کے کچھ لوگ دوزخ میں جائیں گے انہیں آگ جلائے گی مگر ان کے چہرے کا حلقہ نہیں جلائے گی پھر وہاں سے نکال لئے جائیں گے۔'' (مسلم کتاب الایمان حدیث ۳۱۹)

[56] کفار جب دوزخ میں واویلا کریں گے تو ان سے اللہ تعالیٰ فرمائے گا تم پر میری آیات قرآن پڑھی جاتی تھیں تو تم ان کی تکذیب کرتے تھے۔ وہ بصد حسرت جواب دیں گے کہ ہم پر ہماری بدبختی غالب آ گئی اور ہم گمراہ ہو گئے تھے۔ اے اللہ! ایک بار ہمیں جہنم سے نکال اگر ہم دوبارہ کفر کریں تو ہم یقیناً ظالم ہوں گے۔ اللہ رب العزت فرمائے گا اب تمہیں اسی مقام ذلت میں ہمیشہ رہنا ہوگا لہٰذا مجھ سے مزید کلام مت کرو یعنی منہ بند رکھو اور کفار یہ جھوٹ کہیں گے کہ اگر وہ ایک بار دنیا میں جائیں تو کفر نہ کریں گے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ۔ ''اگر کفار کو لوٹا دیا جائے تو وہ اسی کفر کی طرف لوٹ جائیں گے جس سے انہیں روکا گیا تھا۔'' (سورہ انعام، آیت: ۲۸)

| اِنَّهٗ کَانَ فَرِیۡقٌ مِّنۡ عِبَادِیۡ یَقُوۡلُوۡنَ رَبَّنَاۤ اٰمَنَّا فَاغۡفِرۡ لَنَا وَ ارۡحَمۡنَا |
|---|
| بلاشبہ میرے بندوں میں سے ایک گروہ یوں دعا کرتا ہے اے ہمارے رب! ہم ایمان لائے تو ہماری بخشش فرما اور ہم پر |
| وَ اَنۡتَ خَیۡرُ الرّٰحِمِیۡنَ ۚ﴿۱۰۹﴾ فَاتَّخَذۡتُمُوۡهُمۡ سِخۡرِیًّا حَتّٰۤی اَنۡسَوۡكُمۡ ذِكۡرِیۡ |
| رحم فرما کہ تو سب سے بہتر رحم فرمانے والا ہے۔ توتم ان سے ٹھٹھا (مذاق) کرتے تھے۔ تا آنکہ (مذاق) تم ان کی وجہ سے میرا ذکر بھول گئے |
| وَ كُنۡتُمۡ مِّنۡهُمۡ تَضۡحَكُوۡنَ ﴿۱۱۰﴾ اِنِّیۡ جَزَیۡتُهُمُ الۡیَوۡمَ بِمَا صَبَرُوۡۤا ۙ اَنَّهُمۡ هُمُ |
| اور تم ان پر ہنسا کرتے تھے۔ آج میں نے انہیں ان کے صبر کا بدلہ دیا ہے، بے شک وہی |
| الۡفَآئِزُوۡنَ ﴿۱۱۱﴾ قٰلَ كَمۡ لَبِثۡتُمۡ فِی الۡاَرۡضِ عَدَدَ سِنِیۡنَ ﴿۱۱۲﴾ قَالُوۡا لَبِثۡنَا |
| کامیاب ہیں۔[ 57 ] اللہ (کفار سے) فرمائے گا تم زمین میں کتنے برس رہے؟ وہ کہیں گے ہم |
| یَوۡمًا اَوۡ بَعۡضَ یَوۡمٍ فَسۡـَٔلِ الۡعَآدِّیۡنَ ﴿۱۱۳﴾ قٰلَ اِنۡ لَّبِثۡتُمۡ اِلَّا قَلِیۡلًا لَّوۡ |
| ایک دن یا دن کا کچھ حصہ رہے تھے، تو گنتی جاننے والوں سے پوچھ لے، اللہ فرمائے گا تم تھوڑا ہی عرصہ ٹھہرے تھے۔ |
| اَنَّكُمۡ كُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۱۴﴾ |
| اگر تم جانتے ہوتے (تو کفر نہ کرتے)[58] |

[57] اللہ تعالیٰ کفار سے فرمائے گا کہ جب میرے مومن بندے مجھ سے دعا کرتے تھے کہ اے اللہ! ہم ایمان لائے ہیں لہٰذا ہماری بخشش فرما اور ہم پر رحمت فرما تو تم ان کا مذاق اڑاتے تھے۔ یعنی بندہ ہونے کے ناطے تمہارا حق تو یہ تھا کہ تم اپنے رب پر ایمان لا کر اس سے اپنی حاجات مانگتے۔ اس کی بجائے تم نے بتوں سے حاجات مانگنا شروع کر دیں اور اللہ سے مانگنے والوں کا مذاق اڑانے کا وطیرہ اپنا لیا حتیٰ کہ ان کی وجہ سے تم ہمارا ذکر بھول گئے اور انہی کا مذاق اڑانے میں لگ گئے۔ آج دیکھو ہم نے انہیں ان کے صبر کا کیا عظیم اجر دیا ہے آج انہی کو کامیابی ملی ہے۔

[58] اللہ تعالیٰ روز قیامت کفار سے پوچھے گا تم دنیا میں کتنے برس رہے؟ وہ کہیں گے: اے اللہ! برسوں کی بات تو بہت لمبی ہے ہم تو وہاں ایک دن یا دن کا کچھ حصہ رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا ہاں تم وہاں (آخرت کے مقابلہ میں) بہت ہی کم رہے تھے۔ دراصل قیامت کے پچاس ہزار سالہ دن کے مقابلہ میں کفار کو دنیا کی ساٹھ ستر سالہ زندگی چند گھنٹے

نظر آئے گی۔ جبکہ حدیث کے مطابق مومنین کے لئے قیامت کے پچاس ہزار برس نماز عصر پڑھنے کے برابر وقت میں بدل جائیں گے۔

| |
|---|
| اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۱۵﴾ فَتَعٰلَى اللّٰهُ |
| کیا تم سمجھتے ہو کہ ہم نے تمہیں بیکار پیدا کیا تھا اور تم ہماری طرف نہیں لوٹائے جاؤ گے؟ تو اللہ بلند تر ہے جو |
| الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ ﴿۱۱۶﴾ وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ |
| سچا بادشاہ ہے، اسکے سوا کوئی معبود نہیں، وہ صاحب عرش کریم ہے۔[ 59] اور جو اللہ کے ساتھ |
| اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۙ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ ۙ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ |
| دوسرے خدا کو پوجے حالانکہ اس کے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں تو اس کا حساب اس کے رب ہی کے پاس ہے۔ بے شک منکرین کامیاب |
| الْكٰفِرُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۱۸﴾ ع |
| نہیں ہوسکتے اور آپ فرمائیں اے میرے رب! بخشش فرما اور رحم فرما اور تو سب سے بہتر رحم فرمانے والا ہے۔[60] |

[59] اللہ تعالیٰ کفار سے فرمائے گا کیا تم سمجھتے تھے کہ ہم نے تمہیں دنیا میں بیکار پیدا کیا تھا کہ تم دنیا میں جانوروں کی طرح کھا پی کر مر جاؤ اور تم سے تمہارے اعمال کا کچھ حساب نہ ہو اور نہ تم ہمارے پاس لوٹ کر آؤ؟ حالانکہ اللہ اس سے بہت بلند ہے کہ کوئی بیکار کام کرے پھر وہ انسان جیسی افضل مخلوق کو کیسے بیکار پیدا کر سکتا ہے۔ وہ تو سچا بادشاہ ہے اور عرش عظیم کا مالک ہے ایک عام حاکم بھی بیکار اقدام نہیں اٹھاتا تو رب عرشِ عظیم کا کوئی عمل بیکار کیسے ہوسکتا ہے۔

[60] یعنی جہنم میں کفار کے ہمیشہ رہنے کی وجہ یہ ہے کہ جو شخص اللہ کے ساتھ جھوٹے خداؤں کی پرستش کرے اللہ کے ہاں اس کا حساب یعنی عذاب مقرر ہے اور اس کا عذاب یہ ہے کہ وہ ہمیشہ جہنم میں رہے کیونکہ کسی بادشاہ کے جاری کردہ کسی حکم سے نافرمانی تو قابلِ معافی ہے مگر بادشاہ ہی کو نہ ماننا یا اس کے ساتھ ایک اور بادشاہ ماننا ناقابل معافی جرم ہے یہی مثال شرک کی ہے اور عذاب کا مدار نیت پر ہے کافر مشرک کو اگر دنیا میں دائمی زندگی دی جاتی تو وہ دائمی کفر و شرک کرتا لہٰذا اس کی نیت کے مطابق اسے دائمی عذاب ہوگا۔ آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے پیارے حبیب ﷺ! آپ اپنے رب سے اپنی امت کے لئے بخشش و رحمت مانگتے رہیں کیونکہ وہ سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والا ہے۔

سورہ مومنون کی آخری آیات اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ سے آخر تک اس قدر عظمت والی ہیں کہ حدیث میں

ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے انہیں ایک مرگی زدہ پر پڑھا تو وہ تندرست ہوگیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پتہ چلا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! نے فرمایا اس رب کی قسم! جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر کوئی شخص ان آیات کو یقین کے ساتھ پہاڑ پر پڑھے تو وہ بھی اپنی جگہ سے ہل جائے۔ (تفسیر ابن ابی حاتم جلد ۸ صفحہ ۲۵۱۳ حدیث ۱۴۰۷۵ مطبوعہ مکہ)

---

الحمدللہ آج 28 محرم الحرام 1429ھ مطابق 5 فروری 2008ء بروز بدھ سورہ مومنون کی تفسیر مکمل ہوئی۔ اس سورت کی تفسیر پہ دس دن صرف ہوئے۔

و صلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہٖ محمد و آلہ و صحبہ وسلم

# سورۃ نور

ترتیب تلاوت کے اعتبار سے یہ قرآن کریم کی چوبیسویں (24) سورت ہے اور ترتیب نزول کے اعتبار سے 102 ویں سورت ہے۔ یہ مدنی سورت ہے اور اس کا زمانۂ نزول قریباً 5 ھ ہے کیونکہ اس میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر منافقین کی طرف سے لگائی جانے والی تہمت کا رد ہے اور تہمت زنی کا یہ واقعہ غزوہ بنی مصطلق سے واپسی پر پیش آیا اور یہ غزوہ ماہ شعبان پانچ ہجری میں وقوع پذیر ہوا۔ اسے سورہ نور اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں اللہ کو آسمانوں اور زمین کا نور قرار دیتے ہوئے کہا گیا: اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط (آیت ۳۵) اور یوں بھی اس سورت میں زنا و قذف اور پردے کے احکام ہیں اور جہاد کا بیان ہے اور بلاشبہ اس میں مومنین کے لئے ایمانی نور ہے۔

## فضیلت

اس سورت کی فضیلت کے لئے یہ حدیث کافی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اپنے بچوں کو سورہ مائدہ سکھاؤ اور اپنی بچیوں کو سورہ نور کی تعلیم دو۔'' (درمنثور جلد ۶ صفحہ ۱۲۴) اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانۂ خلافت میں یہ حکم جاری فرمایا کہ سب لوگ سورہ مائدہ، سورہ احزاب اور سورہ نور کی تعلیم ضرور حاصل کریں۔ (مستدرک جلد ۲ صفحہ ۳۹۵)

## مضامین

اس سورت کی ابتداء میں حد زنا اور حد قذف اور حکم لعان کا بیان ہوا، پھر ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پہ منافقین کی طرف سے لگائے جانے والے غلیظ جھوٹے بہتان کا ردِّ شدید کیا گیا اور یہ سلسلہ اس سورت کے تیسرے رکوع کے آخر تک چلا گیا ہے۔ اس کا تفصیلی واقعہ تفسیر میں آگے آرہا ہے۔ اس کے بعد والے رکوع میں زیادہ تر پردے کے احکام ہیں اور بے حیائی پھیلانے والے امور کے سد باب پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے نور کی ایک چراغ سے مثال دی گئی ہے اس نور سے دین اسلام بھی مراد لیا گیا ہے اور پیغمبرِ اسلام محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مبارکہ بھی، پھر دین کے مراکز یعنی مساجد کی عظمت بتائی گئی، پھر اللہ کی بعض قدرتوں کا ذکر چلا، پھر اللہ و رسول کی اطاعت پہ خوب زور دیا گیا۔

پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاتھوں خلافتِ راشدہ کے قیام کی خوشخبری سنائی گئی جو لفظ بلفظ پوری ہوئی، پھر پردہ کے بعض ضروری احکام اور گھروں میں داخلہ کے آداب کا ذکر ہوا اور آخر میں بارگاہِ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حاضری کے کچھ آداب اور تقاضے بتائے گئے اور بتایا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں کیسے لب کشائی کی جائے۔

## ماقبل سے مناسبت

سورۂ مومنون میں مومنین کی صفات بیان کی گئیں جن میں اس بات پہ زور دیا گیا کہ وہ اپنی پاکدامنی کی حفاظت کرتے ہیں اور سورہ نور میں احکام پردہ مذکور ہیں جن کے بغیر پاکدامنی کا تحفظ ممکن ہی نہیں۔ یہی ان دونوں سورتوں میں بڑی مناسبت ہے، اس کے علاوہ سورہ مومنون میں اللہ تعالیٰ نے اپنی آسمانی وزمینی نعمتیں بیان فرمائیں اور سورہ نور کا چھٹا رکوع بھی اسی مضمون پہ مشتمل ہے۔

راجی رحمۃ الرب عبدہ المذنب قاری محمد طیب غفرلہ

ایاتھا ۶۴ ۲۴ سُوۡرَةُ النُّوۡرِ مَدَنِيَّةٌ ۱۰۲ رکوعاتھا ۹

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

سُوۡرَةٌ اَنۡزَلۡنٰهَا وَفَرَضۡنٰهَا وَاَنۡزَلۡنَا فِيۡهَاۤ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ لَّعَلَّكُمۡ تَذَكَّرُوۡنَ ①

یہ سورت ہے جو ہم نے نازل کی اور اس کے (احکام) کو فرض کیا اور اس میں واضح آیات نازل کیں تاکہ تم نصیحت کرو۔[1]

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِىۡ فَاجۡلِدُوۡا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنۡهُمَا مِائَةَ جَلۡدَةٍ ۖ وَّلَا تَاۡخُذۡكُمۡ

زنا کار عورت اور زنا کار مرد ،ان میں سے ہر ایک کو سو کوڑے لگاؤ۔[2] اور تمہیں ان پر

بِهِمَا رَاۡفَةٌ فِىۡ دِيۡنِ اللّٰهِ اِنۡ كُنۡتُمۡ تُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ ۚ

اللہ کا دین نافذ کرنے میں کوئی رحمدلی نہ پکڑلے، اگرتم اللہ پر اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو

وَلۡيَشۡهَدۡ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ②

اور چاہیے کہ انکی سزا پر مومنوں کا ایک گروہ حاضر ہو۔[3]

## حدِ زنا، حدِ قذف اور حکم لعان کا بیان

[1] اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ اس سورۂ نور کو ہم نے اتارا اور اس کے احکام فرض کئے جیسے زنا کی سزا، قذف کی سزا، لعان کا حکم، پردے کے احکام اور حکم جہاد وغیرہ اور اس میں اللہ رب العزت نے اپنی قدرت کی واضح نشانیاں بیان کی ہیں جیسا کہ اس سورت مبارکہ کے رکوع چھ اور سات کا یہی موضوع ہے۔قرآن کی کسی دوسری سورت کی تعریف میں یہ انداز نہیں اپنایا گیا۔اس سے اس سورت کی غیر معمولی قدرو قیمت واضح ہے۔

[2] امتِ مسلمہ کے حکمرانوں قاضیوں اور دیگر ذمہ دارانِ امت سے فرمایا جارہا ہے کہ زنا کار مرد و عورت کو سو سو کوڑے لگاؤ۔ یہ اس صورت میں ہے جب وہ غیر شادی شدہ ہوں اگر ان میں سے کوئی شادی شدہ ہو تو اسے رجم (سنگسار) کیا جائے گا یعنی پتھر مار مار کر ختم کر دیا جائے گا۔آگے ہم اس کے دلائل لا رہے ہیں۔

## زنا کا ثبوت کیسے ہوتا ہے؟

یاد رہے زنا یہ ہے کہ کوئی مرد ایسی عورت سے مخصوص جنسی عمل کرے جو نہ اس کی بیوی ہو نہ لونڈی اور نہ اس میں بیوی یا لونڈی ہونے کا شبہ ہو۔ (کنز الدقائق کتاب الحدود صفحہ ۱۸۰ مطبوعہ ملتان)

زنا ایسے چار مردوں کی گواہی سے ثابت ہوتا ہے جو عاقل، بالغ، مسلم اور با کردار ہوں یعنی کبھی کسی جھوٹی گواہی یا تہمت زنی میں ملوث نہ ہوئے ہوں اور قاضی اپنی خفیہ تحقیقات سے معلوم کر لے کہ چاروں گواہ با کردار ہیں اور گواہوں کے بیانات میں زنا کے وقت، جگہ اور کیفیت کے بارے میں کوئی تضاد نہ ہو۔ جب چاروں گواہ ایک جیسی جگہ، وقت اور کیفیت بتاتے ہوئے کہیں کہ انہوں نے فلاں مرد کو فلاں عورت کے ساتھ اس طرح شرمناک حالت میں دیکھا جیسے سرمہ دانی میں سلائی داخل ہوتی ہے تب ان مرد و عورت پہ حد زنا جاری کی جائے گی۔ (کنز الدقائق حوالہ مذکورہ)

اگر شرعی گواہی کا مذکورہ معیار قاضی کے سامنے ثابت نہ ہو مگر کیس کی مجموعی حالت اور خارجی شواہد سے قاضی کو کامل اطمینان ہو جائے کہ زنا ہوا ہے تو وہ مناسب تعزیر نافذ کر سکتا ہے جیسے سو سے کم کوڑے یا قید وغیرہ۔ مثلاً ایک عورت سے زبردستی بدکاری کی گئی۔ وہ عدالت میں زانی کے خلاف دعویٰ کرتی ہے اور اس کے پاس کوئی گواہی نہیں ہے۔ جبکہ کئی قرائن (شواہد) موجود ہیں کہ اس کے ساتھ زیادتی کی گئی ہے مثلاً میڈیکل ٹیسٹ اور ڈی این اے ٹیسٹ میں ثابت ہو گیا کہ اس شخص کا پانی اس عورت کے رحم میں موجود ہے تو جج اس شخص کو مناسب تعزیر دے سکتا ہے۔ مثلاً سو کوڑوں کی بجائے اس میں سے کچھ کم کر دیے جائیں اور یہ سمجھا جائے کہ اس شخص نے اس عورت کو ستایا یا جنسی تشدد کا نشانہ بنایا ہے۔ ضروری نہیں کہ اسے زنا ہی کا نام دیا جائے۔ کیونکہ شرعی ثبوتِ زنا کے لیے چار گواہیاں یا اقرار ضروری ہے۔

بہر حال قاضی اسے کوئی مناسب سزا دے سکتا ہے اور یہ ضروری ہے اگر ایسا نہ کیا جائے تو زبردستی بدکاری کا دروازہ کھل جائے گا اور معاشرہ بے حیائی کے سمندر میں ڈوب جائے گا۔ کیونکہ جب مجرم کو یقین ہے کہ شرعی طریقہ سے اس کا زنا ثابت نہیں ہو سکتا اور اسے کوئی سزا نہیں مل سکتی تو وہ جرم پہ دلیر ہو جائے گا۔

زنا یوں بھی ثابت ہو سکتا ہے کہ ایک شخص چار مرتبہ قاضی کے سامنے چار مختلف مجالس میں زنا کا اقرار کرے۔ البتہ اگر وہ نفاذ حد سے قبل اپنے اقرار سے پھر جائے تو حد جاری نہ کی جائے گی۔

## حد زنا کیسے جاری کی جائے؟

جب زنا ثابت ہو جائے تو سو کوڑے یوں مارے جائیں کہ کسی درخت کی شاخ یا سادہ لاٹھی سے سو ضربات لگائی جائیں۔ لکڑی پہ کوئی گرہ یا شاخ نہ ہو جو چمڑی کو ادھیڑ سکے بلکہ صاف لاٹھی ہو۔ یہ ضربات جسم کے مختلف حصوں پر لگائی جائیں۔ البتہ چہرے، سر اور نازک اعضاء کو بچایا جائے۔ جس لکڑی سے ضرب لگائی جائے وہ نہ بہت باریک ہو نہ بہت

موٹی بلکہ متوسط ہو۔اور حد جاری کرنے والا متوسط قوت سے ضرب لگائے اور بہتر ہے کہ وہ علم والا آدمی ہو جو آداب ضرب کی رعایت کر سکے۔جاہلانہ انداز میں مارنے والے حد سے بڑھ سکتے ہیں۔

جبکہ رجم کرنا یہ ہے کہ اگر ایک آزاد بالغ مرد یا عورت نکاح صحیح کے ساتھ اپنے جیون ساتھی سے ہم بستری کر چکا ہو پھر اس پر زنا ثابت ہو جائے تو اسے کھلے میدان میں پتھر مارے جائیں۔اگر گواہی سے زنا ثابت ہوا ہے تو پہلے چاروں گواہ پتھر ماریں اگر وہ انکار کریں تو حد ساقط ہو جائے گی۔ان کے بعد حاکم یا اس کا نائب مارے پھر دوسرے لوگ ماریں تا آنکہ وہ مر جائے۔

اگر زنا اقرار سے ثابت ہوا تو پہلے حاکم یا اس کا نائب مارے۔اگر مجرم پہلے چند پتھر کھا کر بھاگ اٹھے تو اس کا راستہ کھول دیا جائے۔اگر مجرم بیمار ہو تو اسے رجم کیا جا سکتا ہے مگر کوڑے اس کے صحت یاب ہونے کے بعد ہی مارے جائیں گے۔اگر صحت مند ہونے کا امکان نہ ہو تو بس ایسی شدت سے کوڑے مارے جائیں جو اس کے لئے قابل برداشت ہوں۔حاملہ عورت جب تک بچہ نہ جن لے اسے حد نہ لگائی جائے گی۔(کنز الدقائق صفحہ ۱۸۱)

## رجم کا حد شرعی ہونا قرآن وسنت کی روشنی میں

آج کچھ نام نہاد مسلمان رجم کو غیر شرعی بلکہ غیر انسانی سزا سمجھتے ہیں۔ان کے پاس یہ دلیل ہے کہ رجم کا ذکر قرآن میں نہیں ہے مگر ہم کہتے ہیں کہ قرآن ہمارے سامنے نہیں اترا۔قرآن ہمیں زبان رسول ﷺ سے ملا ہے۔اگر ہمیں اس زبان پر اعتبار ہے تو اسی زبان نے شادی شدہ مرد یا عورت کے زنا پر حد رجم بیان کی ہے اور قرآن خود فرماتا ہے: وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۗ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ ''تم کو رسول اللہ (ﷺ) جو دیں وہ لے لو اور جس سے روکیں رُک جاؤ۔'' (حشر ۷) اور قرآن بار بار کہتا ہے: وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ. ''اللہ کی اطاعت کرو اور رسول (ﷺ) کی اطاعت کرو۔'' جب رسول اللہ ﷺ نے حکم رجم جاری فرمایا ہے تو اسے نہ ماننے والا کس منہ سے قرآن کے ماننے کا دعویٰ کر سکتا ہے۔

رجم کے بارے میں چند احادیث ملاحظہ ہوں۔

(۱) حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا قرآن میں آیت رجم تھی ہم نے اسے پڑھا اور یاد کیا۔(بعد میں قرآن کے لفظوں سے وہ آیت اٹھالی گئی) پھر کہا: رَجَمَ رسولُ اللهِ و رَجَمْنا بعدہٗ رسول اللہ ﷺ نے رجم کیا اور ہم نے بھی آپ کے بعد رجم کیا۔پھر کہا: مجھے ڈر ہے کہ کچھ زمانہ گزرنے کے بعد لوگ کہیں گے کہ ہم قرآن میں حکم رجم نہیں پاتے۔یوں وہ اللہ کا اتارا ہوا حکم ترک کر کے گمراہ ہو جائیں گے۔رجم اللہ کی کتاب میں شادی شدہ شخص پر لازم ہے۔

(بخاری کتاب الحدود باب ۳۱ مسلم کتاب الحدود حدیث ۱۵، ابوداؤد کتاب الحدود باب ۲۲، ابن ماجہ کتاب الحدود باب ۹ ترمذی کتاب الحدود باب ۷)

فراست فاروقی پر قربان جائیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے چودہ صدیاں قبل محسوس کیا کہ کسی زمانہ میں لوگ رجم سے انکار کریں گے۔

کچھ لوگ کہتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے یہود کی اتباع میں رجم کیا پھر چھوڑ دیا تھا۔ ان گمراہ لوگوں کو مذکورہ حدیث سے عبرت پکڑنی چاہیے۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم چھوڑ دیا تھا تو بقول حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفاء راشدین نے کیوں رجم کیا؟ کیا انہیں اس نسخ کا علم نہ ہوا؟

(۲) سیدنا حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ نے جمعہ والے دن ایک عورت کو رجم کیا اور کہا: رَجَمْتُهَا بِسُنَّةِ رسولِ اللهِ بلاشبہ میں نے اسے سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق رجم کیا ہے۔ (بخاری کتاب الحدود باب ۲۱ حدیث ۶۸۱۲) سنت رسول وہ کام ہوتا ہے جو آپ نے ہمیشہ کیا ہو۔ اسی لیے حدیث منسوخ ہو سکتی ہے مگر سنت منسوخ نہیں ہوتی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا رجم کو سنت رسول کہنا اس بات کی دلیل ہے کہ اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منسوخ نہیں قرار دیا۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ خلافت راشدہ کے آخر میں خلیفہ بنے آپ رضی اللہ عنہ کا رجم کرنا بتاتا ہے کہ تمام دور خلافت راشدہ میں حد رجم جاری رہی۔

(۳) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مسجد میں حاضر ہوا۔ کہنے لگا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے زنا کیا ہے، آپ نے منہ پھیر لیا۔ یہاں تک کہ اس نے چار بار یہی بات کہی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تجھے جنون تو نہیں؟ کہنے لگا نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم نے شادی کی ہے؟ کہنے لگا ہاں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فاذهبوا به فارجموه، جاؤ اسے لے جا کر سنگسار کر دو۔

(بخاری کتاب الحدود باب ۲۲، مسلم کتاب الحدود حدیث ۱۶، دارمی کتاب الحدود باب ۱۲، مسند احمد جلد ۲ صفحہ ۵۳)

(۴) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک یہودی مرد اور عورت نے زنا کیا۔ انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہاری کتاب تورات میں اس کی سزا مقرر ہے۔ کہنے لگے: ہمارے علماء نے یہ سزا رکھی ہے کہ زناکاروں کا منہ کالا کر کے انہیں گھمایا جائے۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ (جو سابق یہودی عالم تھے) نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں فرمائیں کہ تورات لائیں۔ تو تورات لائی گئی۔ جب آیت رجم آئی تو ایک یہودی عالم نے اس پہ ہاتھ رکھ دیا اور آگے پیچھے سے پڑھ دیا حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے کہا: اپنا ہاتھ اٹھاؤ اس نے ہاتھ اٹھایا تو نیچے آیت رجم موجود تھی۔ چنانچہ ان دونوں کو حکم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق رجم کیا گیا۔

(بخاری کتاب التوحید باب ۵۱، مسلم کتاب الحدود حدیث ۱۲، ابوداود کتاب الحدود باب ۲۵، دارمی کتاب الحدود باب ۱۵، موطا امام مالک کتاب الحدود باب ۱، مسند احمد جلد ۲ صفحہ ۵)

اور یہودی مرد و عورت کے رجم کا واقعہ مدنی دور کے آخر کا ہے۔ کیونکہ اسی واقعہ کے بارے میں سورہ مائدہ کی آیات 41 تا 50 نازل ہوئیں اور سورہ مائدہ نزول کے اعتبار سے قرآن کریم کی آخری سورت ہے۔ معلوم ہوا رجم کی سزا دورِ

رسالت کے آخر تک نافذ تھی۔ لہٰذا یہ کہنا غلط ہے کہ حضور ﷺ نے ابتداء میں ایک بار یہود کی موافقت میں رجم کیا تھا پھر اسے ترک کر دیا۔

(۵) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک نوجوان مزدور کسی شخص کے گھر میں کام کرتا تھا وہ غیر شادی شدہ تھا۔ اُس نے گھر والے کی بیوی سے بُرا تعلق قائم کرلیا اور اس سے بدکاری کی۔ انکا جرم پکڑا گیا اور دونوں نے رسول اللہ ﷺ کے حضور اپنا جرم مان لیا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **والذی نفسی بیدہ لاقضین بینکما بکتاب اللہ**۔ اس رب کی قسم! جس کے قبضہ میں میری جان ہے میں تمہارے درمیان کتاب اللہ (قرآن) کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ پھر آپ نے نوجوان پہ اَسّی (80) کوڑے جاری کیے اور عورت کو رجم کیا گیا۔ (بخاری کتاب الحدود باب ۳۰، مسلم کتاب الحدود حدیث ۲۵، ابوداود کتاب الحدود باب ۲۵) صاف معلوم ہوا کہ غیر شادی شدہ زنا کار کی سزا سو کوڑے ہے اور شادی شدہ زنا کار کی سزا رجم ہے۔

## دینِ اسلام، معاشرہ کو بے حیائی سے پاک کر دیتا ہے

کیونکہ زنا کے ثابت ہونے پہ کڑی سزا جاری کی جاتی ہے یعنی سو کوڑے یا سنگساری۔ اسی لیے آج کے دورِ فسق وفجور میں بھی اسلامی معاشروں اور اسلامی ممالک میں اس بے حیائی کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا جو ہم مغربی غیر اسلامی ممالک میں دیکھتے ہیں۔ یورپین قانون کے مطابق اگر عورت اپنے ساتھ اپنے آشنا کو لے آئے تو اس کا شوہر دم نہیں مار سکتا۔ ورنہ پولیس اسے پکڑ کر لے جائیگی۔ وہاں ہر مرد ہر عورت سے اس کی رضاء کے ساتھ بدکاری کر سکتا ہے۔ یہ اس کا قانونی حق ہے۔ اسی لیے وہاں نصف کے قریب انسان حرامی ہیں جنہیں معلوم نہیں کہ ان کا باپ کون ہے؟ یعنی ہر دوسرا تیسرا انگریز حرامی ہوتا ہے۔ اسی لیے وہاں پاسپورٹ میں سے ولدیت کا خانہ نکال دیا گیا ہے۔ کیونکہ اکثر لوگ بتا نہیں سکتے کہ ان کا باپ کون ہے۔ پھر ان لوگوں کو اسلامی سزاؤں پہ اعتراض کرتے ہوئے شرم آنی چاہیے۔

## کوڑے مارنے کی سزا میں بیجا شدت کی اجازت نہیں

کوڑے کو عربی میں سوطٌ، مقرعۃٌ اور درۃٌ بھی کہا جاتا ہے مگر یہاں قرآن میں جلدۃٍ کا لفظ بولا گیا اور جلدۃ جلد بمعنیٰ چمڑی سے نکلا ہے۔ اس میں یہ اشارہ ہے کہ کوڑا وہ ہونا چاہیے جس کا اثر صرف چمڑی تک رہے، ہڈی تک نہ جائے۔ اسی لیے حکم ہے کہ کسی جاہل طاقتور شخص سے کوڑے نہ لگوائے جائیں۔ یہی وجہ ہے کہ دورِ صحابہ میں جلیل القدر اہل علم کوڑے لگاتے تھے جیسے حضرت علی المرتضیٰ، زبیر بن عوام، مقداد بن عمرو اور محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہم۔

## زنا کی شرعی سزا میں ایک سال قید کرنا شامل نہیں ہے

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ تم زنا کار مرد وعورت کو سو سو کوڑے مارو۔

## حدِ قذف کے احکام

یاد رہے جب کوئی دعویٰ کرے کہ فلاں نے اس پر زنا کی تہمت رکھی ہے تو اسے چار (4) عاقل بالغ مسلم اور باکردار گواہ پیش کرنا لازم ہیں یا مجرم خود اعتراف کرے کہ اس نے تہمت لگائی تھی اور جس پر تہمت لگی وہ عاقل بالغ مسلمان اور حد زنا سے پاک ہو تو تہمت لگانے والے کو اَسّی (80) کوڑے لگائے جائیں گے۔ زنا کی تہمت یہ ہے کہ کسی سے کہا جائے او زانی! یا کسی کے خلاف زنا کا جھوٹا مقدمہ قائم کیا جائے اور مقدمہ شرعاً ثابت نہ ہو تو تہمت لگانے والے کو اَسّی (80) کوڑے لگائے جائیں گے۔ اگر کسی سے کہا او زنا کار عورت کے بیٹے اور اس کی ماں مر چکی ہے تو اس عورت کا باپ یا بیٹا حد قذف کا مطالبہ کر سکتا ہے۔ اگر کسی نے کہا او زانی اس نے جواب میں کہا تو خود زانی، اور یہ بات عدالت میں ثابت ہو گئی تو دونوں کو حد قذف لگے گی۔ (کنز الدقائق کتاب الحدود صفحہ ۱۸۷)

یہاں سے تین فوائد حاصل ہوئے:

(۱) پاک دامنی کی عظمت۔

لفظ اَلۡمُحۡصَنٰتِ سے معلوم ہوا جس مرد یا عورت پہ ایک بار زنا ثابت ہو جائے اس پر زنا کی تہمت زنی سے حد قذف لازم نہ آئے گی کیونکہ وہ مُحۡصَن (پاک دامن) نہیں ہے۔

(۲) زنا کے ثبوت کے لئے چار مردوں کی گواہی ضروری ہے۔

یعنی جو شخص کسی پہ زنا کی تہمت رکھے اسے چار مرد عاقل بالغ مسلم باکردار گواہوں کا پیش کرنا ضروری ہے اگر وہ تین گواہ لائے تو زنا ثابت نہ ہوگا بلکہ ان سب پر حد قذف (اسّی کوڑے) جاری کی جائے گی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ثُمَّ لَمۡ یَاۡتُوۡا بِاَرۡبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجۡلِدُوۡهُمۡ ثَمٰنِیۡنَ جَلۡدَةً ''یعنی چار گواہ نہ لائیں تو انہیں اَسّی (80) کوڑے مارو۔''
(سورہ النور: ۴)

(۳) مومن کی عزت کی اہمیت:

زنا کے ثبوت کے لئے چار مردوں کی گواہی لازم کی گئی تا کہ ہر کوئی اٹھ کر دوسروں کی عزت داغدار نہ کر سکے اور زنا کی جھوٹی تہمت لگانے والے کو اَسّی (80) کوڑے مارنے کا حکم دیا گیا۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع میں بہت زور دے کر فرمایا کہ لوگو یاد رکھو تمہارے خون، تمہارے اموال اور تمہاری عزتیں ایک دوسرے پر ایسے ہی محترم ہیں جیسے آج کا دن، یہ مہینہ اور یہ شہر مکہ اور آپ ﷺ نے کعبۃ اللہ کا پردہ پکڑ کر فرمایا: اے کعبہ! تم کیا ہی جمیل ہو تمہاری خوشبو کیا ہی عمدہ ہے، مگر بندۂ مومن کی عزت و ناموس اللہ کے ہاں تم سے بڑھ کر ہے۔
(ابن ماجہ کتاب الفتن باب ۲، ترمذی کتاب البر باب ۸۵)

[6] جو شخص کسی پہ زنا کی تہمت رکھے اور اس سلسلہ میں اسے حد قذف کے اسّی کوڑے لگیں تو اس کی یہ سزا بھی ہے کہ

آئندہ کسی معاملہ میں عدالت اس کی گواہی قبول نہ کرے گی اور اگر وہ توبہ کر کے اچھا انسان بن جائے تو اللہ اس کی اخروی سزا معاف کردے گا مگر دنیا میں وہ ہمیشہ مردود الشہادۃ رہے گا۔حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، سعید بن مسیب، حسن بصری، مکحول، محمد بن سیرین، عکرمہ، سعید بن جبیر، قتادہ اور ابن جریج (رضی اللہ عنہم) جیسے کبار تابعین نے اس آیت کا یہی معنیٰ بیان کیا ہے۔(درمنثور جلد ۶ صفحہ ۱۳۲ مطبوعہ بیروت)

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ

اور جو لوگ اپنی بیویوں پہ تہمت زنا رکھیں اور ان کے پاس اپنے سوا کوئی گواہ نہ ہوں تو ان میں سے

اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۢ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۞ وَالْخَامِسَةُ اَنَّ

کوئی شخص چار بار اللہ کے نام سے گواہی دے کر کہے کہ وہ یقیناً سچے لوگوں میں سے ہے اور پانچویں بار کہے کہ

لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۞ وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ

اگر وہ جھوٹا ہے تو اس پر اللہ کی لعنت ہو اور اس کی بیوی خود سے یوں سزا دور کرے کہ اللہ کے نام سے

تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍۢ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۙ۞ وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ

چار بار گواہی دے کر کہے کہ اس کا شوہر جھوٹا ہے اور پانچویں بار کہے کہ. اگر وہ سچا ہے

اللّٰهِ عَلَيْهَآ اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۞ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ

تو اس پر (یعنی بیوی پر) اللہ کا غضب ہو۔[7] اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی (تو وہ تمہیں رسوا کرتا)

وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ حَكِيْمٌ ۞

اور بے شک اللہ توبہ قبول کرنے والا حکمت والا ہے[8]

ع ۱

[7] اگر کوئی شوہر اپنی بیوی پر زنا کی تہمت رکھے تو اس کے احکام مختلف ہیں۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو شخص اپنی بیوی پہ تہمت زنا رکھے اور اس کے پاس اپنے سوا کوئی گواہ نہ ہو تو وہ عدالت میں جا کر چار مرتبہ کہے: میں اللہ کے نام سے گواہی دیتا ہوں کہ میں اس تہمت زنا میں سچا ہوں اور پانچویں بار کہے کہ اگر میں جھوٹا ہوں تو مجھ پر اللہ کی لعنت ہو۔پھر اس کی بیوی عدالت میں اپنی صفائی کے لئے چار بار کہے میں اللہ کے نام سے گواہی دیتی ہوں کہ اس کا شوہر جھوٹا ہے اور پانچویں بار کہے اگر اس کا شوہر سچا ہے تو مجھ پر اللہ کا غضب ہو۔اس کے بعد قاضی ان کے درمیان نکاح فسخ کردے گا۔

اس طرح مرد حدِ قذف سے بچ جائے گا اور عورت حد زنا سے بچ جائے گی۔ اور یہ فسخِ نکاح طلاقِ بائن کے حکم میں ہے۔ عورت عدت گزارنے کے بعد جہاں چاہے نکاح کر سکتی ہے اور اگر وہ میاں بیوی دوبارہ نکاح کرنا چاہیں تو دوران عدت یا عدت کے بعد جب بھی چاہیں نکاح کر سکتے ہیں کسی حلالہ کی ضرورت نہیں ہے۔

## لعان کے چند مزید شرعی احکام

جب شوہر بیوی پر تہمت زنا رکھے یا کہے کہ یہ بچہ اس کا نہیں ہے اور دونوں عاقل بالغ ہوں اور کسی پہ پہلے سے حد زنا نہ لگی ہو اور بیوی عدالت میں حد قذف کا سوال اٹھاتی ہے تو لعان لازم آئے گا۔ اگر شوہر لعان سے انکار کرے تو اسے قید کیا جائے گا تا آنکہ لعان کرے یا خود کو جھوٹا کہے تب اسے حد قذف لگائی جائے گی۔ اگر عورت لعان سے انکار کرے تو اسے قید کیا جائے گا تا آنکہ لعان کرے یا شوہر کی تصدیق کرے۔ جب دونوں نے لعان کر لیا تو بحکم قاضی عورت کا شوہر سے نکاح ختم ہو جائے گا اور اگر شوہر نے کہا تھا کہ یہ بچہ اس کا نہیں ہے کسی اور کا ہے تو قاضی اس سے اس بچے کا نسب ختم کر دے گا اور اسے ماں سے لاحق کر دے گا یعنی اس کی ولدیت صرف ماں سے بیان کی جائے گی۔ (کنز الدقائق کتاب الحدود صفحہ ۱۴۳) ان آیات سے معلوم ہوا جھوٹے شخص پر اللہ کی لعنت اور غضب الٰہی ہے۔

[8] یعنی اللہ کا فضل ہے کہ اس نے لعان کا حکم جاری کر کے شوہر اور بیوی دونوں کو رسوائی سے بچا لیا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ ؕ لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ ؕ بَلْ

بیشک جو لوگ (حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر) بہتان گھڑ لائے وہ تمہی میں سے ایک گروہ ہے تم اُسے اپنے لیے برا نہ سمجھو بلکہ

هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ ۚ وَالَّذِيْ

وہ تمہارے لیے بہتر ہے۔ [9] ان میں سے ہر شخص کے لیے وہ گناہ ہے جو اس نے کمایا اور جو ان میں سے

تَوَلّٰى كِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝۱۱

اس کے بڑے حصے کا ذمہ دار ٹھہرا اس کے لئے دردناک عذاب ہے۔ [10]

## ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر منافقین کے بہتان کا جواب

[9] گزشتہ رکوع میں جھوٹی تہمت کی شرعی حد بتائی جا رہی تھی۔ یہ دراصل تہمت زنا کے ایک افسوس ناک واقعہ کے بیان کیلئے تمہید تھی جواب بتایا جا رہا ہے۔ یہ واقعہ 5 ھ میں پیش آیا جب غزوہ بنی مصطلق سے واپسی پر منافقین نے اُم المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ کیساتھ گناہ میں ملوث ہونے کا عظیم بہتان گھڑا۔ اللہ تعالیٰ

# افک کا واقعہ

## غزوۂ بنو مُصطلق (خزاعہ کی شاخ)

## غزوۂ مُریسیع (شعبان 5ھ)

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ ؕ لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ ؕ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ ۚ وَالَّذِیْ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ عَظِيْمٌ﴾ "بے شک وہ لوگ جو گھڑ لائے ہیں جھوٹ (بہتان) ایک گروہ ہے تم ہی میں سے نہ گمان کرو تم اسے برا اپنے لئے بلکہ وہ بہتر ہے تمہارے لئے واسطے ہر ایک شخص کے ان میں سے (سزا ہے اس کی) وہ جو کمایا اس نے گناہ سے، اور وہ شخص جس نے اٹھایا بڑا بوجھ اس (گناہ) کا ان میں سے، اس کے لئے عذاب عظیم ہے۔"

﴿وَلَوْ لَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا ۖ سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ﴾
"اور کیوں نہیں جب سنا تم نے اس کو، کہا تم نے نہیں لائق ہمارے یہ کہ کلام کریں ہم ساتھ اس بات کے، پاک ہے تو (اے اللہ!) یہ تو بہتان ہے بہت ہی بڑا۔"

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِى الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ﴾
بلاشبہ وہ لوگ جو پسند کرتے ہیں یہ کہ پھیلے بے حیائی ان لوگوں میں جو ایمان لائے، ان کے لئے عذاب ہے نہایت دردناک دنیا میں اور آخرت میں۔" (النور: 19,16,11/24)

اوس اور خزرج
مدینہ منورہ
ذوالحلیفہ (آبارعلی)
مزینہ
سُلیم
غفار
ابواء
بدر
الجُحفہ
رابغ البحر
مُریسیع
خزاعہ
قدید
امج
کدید
بحیرۂ احمر (قلزم)
عضل اور قارہ
خزیمہ
عسفان
حدیبیہ
جدہ
مکہ مکرمہ
قریش
عرفہ
ہوازن
طائف
ثقیف
مازن
سراۃ کے ازد
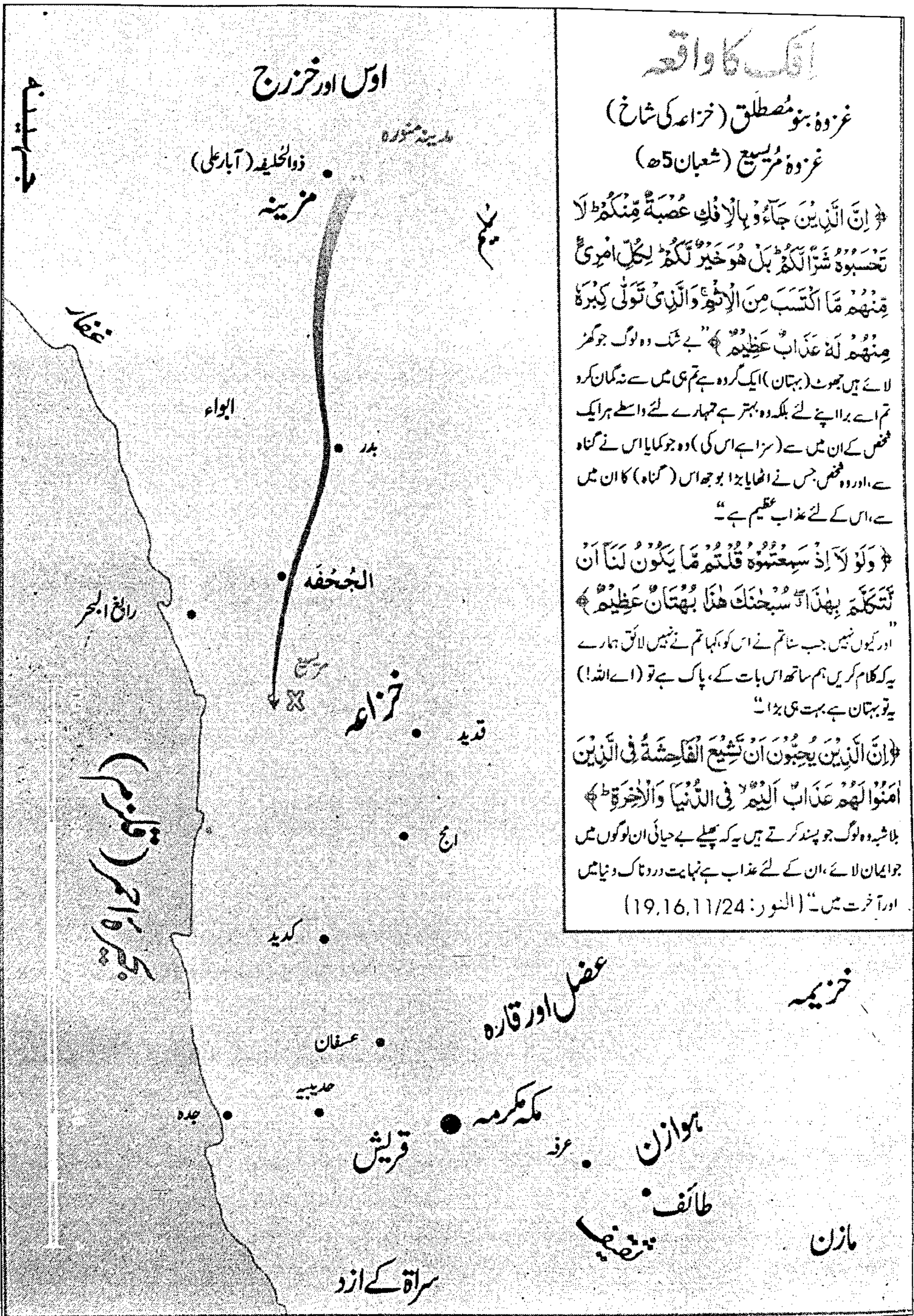
اس کے بارے میں فرمارہا ہے کہ جن لوگوں نے بہتان گھڑا اے مسلمانو! وہ بظاہر تم ہی میں سے ہیں یعنی تمہاری صفوں میں گھسے ہوئے منافقین ہیں اگر کوئی کھلا کافر یہ بہتان گھڑتا تو اور بات تھی مگر یہ کس قدر شر انگیز بات ہے کہ زبانی کلمہ پڑھنے والوں نے اپنے نبی کی بیوی پہ کیچڑ اُچھالا۔ اس سے بڑی منافقت کیا ہوسکتی ہے؟ مگر اللہ تعالیٰ نے تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ اے مسلمانو! تم اس واقعہ سے پریشان نہ ہو اس میں تمہارے لئے بھلائی ہے کہ تم نے صبر کیا اور اللہ نے تمہیں اس کا عظیم اجر عطا فرمایا۔ معلوم ہوا جو شخص نشانہ تہمت بننے پر صبر کرے وہ اجر عظیم پاتا ہے۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور ان کے گھر والوں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منافقین کی تہمت زنی پہ صبر کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی تسلیم قلب کے لئے یہ آیات نازل فرمائیں۔

## اُم المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت زنا کا واقعہ

بخاری شریف میں یہ واقعہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بڑی تفصیل سے مروی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی غزوہ پر جاتے تو اپنی ازواج میں قرعہ ڈالتے جس کے نام قرعہ نکلتا اسے ساتھ لے جاتے۔ ایک غزوہ (غزوہ بنی مصطلق یعنی غزوہ مریسیع) میں میرے نام قرعہ نکلا۔ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سفر پہ گئی۔ یہ حکم حجاب کے اترنے کے بعد کی بات ہے غزوہ سے واپسی پر مدینہ طیبہ سے قریب آ کر ہم نے ایک جگہ رات کو پڑاؤ کیا۔ جب کوچ کا اعلان ہوا تو مجھے رفع حاجت کو جانا تھا۔ میں لشکر سے کچھ دور نکل گئی جب میں واپس پلٹنے لگی تو مجھے اپنا گلے کا ہار گم محسوس ہوا میں اسے ڈھونڈھنے لگی اور مجھے دیر ہوگئی۔ اس دوران جو لوگ میرا کجاوہ اٹھاتے تھے وہ آئے اور یہ سمجھ کر کہ میں کجاوے ہی میں ہوں اسے اٹھا کر اونٹ پہ رکھ دیا اور لشکر روانہ ہوگیا۔ میں ان دنوں بہت دبلی پتلی اور کم عمر تھی۔ انہیں میرے کجاوے میں عدم موجودگی کا پتہ نہ چلا۔

میں نے جب واپس آ کر دیکھا کہ لشکر جا چکا ہے تو میں وہیں بیٹھ گئی جہاں میرا کجاوہ تھا۔ میرا خیال تھا کہ اہل لشکر جب مجھے نہ پائیں گے تو یہیں واپس آئیں گے وہاں بیٹھے بیٹھے مجھے نیند آ گئی۔ صفوان بن معطل سلمی رضی اللہ عنہ لشکر کے پیچھے آ رہے تھے صبح کے وقت وہ پڑاؤ والی جگہ پہنچے (اس زمانہ میں ایک آدمی لشکر کے پیچھے پیچھے آتا تھا تاکہ اگر لشکر کا کوئی آدمی یا سامان کہیں رہ جائے تو اسے ساتھ لے لے) اس نے مجھے پہچان لیا اس نے مجھے نزول حجاب سے قبل دیکھا ہوا تھا اس کے منہ سے انا للہ وانا الیہ راجعون نکلا میں اس کی آواز سے بیدار ہوئی اور اپنا چہرہ ڈھانپ لیا۔ بخدا اس کے انا للہ پڑھنے کے سوا میں نے اس کی کوئی آواز نہ سنی نہ میں نے اس سے کوئی بات کی۔ اس نے اپنا اونٹ بٹھایا۔ میں اس پر سوار ہوگئی اور ہم نمازِ ظہر سے قبل لشکر سے جا ملے۔

ہمیں دیکھ کر کئی لوگ ہلاک ہوگئے (یعنی بہتان لگانے لگے) ان میں سب سے مرکزی کردار عبداللہ بن ابی بن

سلول (منافقوں کا سردار) کا تھا۔ اور کئی مسلمان بھی ان کی باتوں میں آ گئے۔ مجھے کسی بات کا علم نہ ہوا اور ایک ماہ گزر گیا البتہ نبی اکرم ﷺ کا مجھ پر پہلے والا لطف و کرم نہ تھا۔ میں اس دوران بیمار رہی۔ ایک دن افاقہ ہوا تو میں اُمّ مسطح کے ساتھ قضاءِ حاجت کے لئے باہر گئی۔ واپسی پر مجھے ایک جگہ ٹھوکر لگی۔ اُمّ مسطح کے منہ سے نکلا: مسطح ہلاک ہو۔ میں نے کہا مسطح بدری صحابی ہے تم نے ایسا کیوں کہا؟ کہنے لگی: بیٹی کیا تم نہیں جانتی مسطح نے کیا کہا ہے؟ میں نے پوچھا کیا کہا ہے؟ تب اس نے بتایا کہ بہتان لگانے والے کیا کہہ رہے ہیں (اور مسطح بھی ان کی باتوں میں آ گیا ہے) یہ سن کر میری مرض شدید تر ہوگئی اور میں بستر سے لگ گئی۔ پھر میں حضور ﷺ سے اجازت لے کر اپنے والدین کے گھر آ گئی اور والدہ سے پوچھا کہ لوگ کیا کہہ رہے ہیں۔ والدہ نے کہا بیٹی پریشان نہ ہو لوگ باتیں بناتے رہتے ہیں۔ میں نے رونا شروع کر دیا اور رات بھر روتی رہی۔

ادھر نبی کریم ﷺ نے حضرت علی بن ابی طالب اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے اس بارے میں مشورہ کیا۔ انہوں نے میری پاک دامنی کے بارے میں اچھی باتیں کہیں (میں اختصاراً بات کو سمیٹ رہا ہوں) نبی اکرم ﷺ منبر پر تشریف لے گئے تاکہ عبداللہ بن ابی بن سلول کا محاسبہ کریں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''کون ہے جو اس شخص کے مقابلہ میں میری مدد کرے جس کی ایذاء رسانی میرے اہل بیت (بیوی) تک آ پہنچی ہے وَاللّٰهِ مَا عَلِمۡتُ فِیۡ اَهۡلِیۡ اِلَّا خَیۡرًا اللہ کی قسم! میں اپنے گھر والوں کے بارے میں بھلائی کے سوا کچھ نہیں جانتا۔'' سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں ان دنوں روتی رہتی تھی۔ آنسو تھمتے نہ نیند آتی۔

آخر ایک روز حضور ﷺ ہمارے ہاں تشریف لائے اور میرے پاس بیٹھ گئے جب سے میرے بارے میں باتیں شروع ہوئی تھیں آپ ﷺ میرے پاس نہ بیٹھے تھے اور ایک ماہ سے وحی رکی ہوئی تھی۔ آپ ﷺ نے کلمہ شہادت پڑھنے کے بعد فرمایا اے عائشہ! میں نے تمہارے بارے میں یہ باتیں سنی ہیں اگر تم ان سے پاک ہو تو عنقریب اللہ تمہاری پاکی بیان کردے گا اور اگر تم سے گناہ ہوا ہے تو اللہ سے معافی مانگو اللہ توبہ قبول کرنے والا ہے۔ (رسول اللہ ﷺ کے عدل و انصاف اور تحمل پر قربان جائیں) میں نے اپنے والدین کی طرف دیکھا کہ شائد وہ آپ ﷺ سے کچھ عرض کریں گے مگر انہوں نے کہا ہم نہیں جانتے کہ آپ سے کیا کہیں، تب میں نے کہا: آپ لوگوں کے دلوں میں میرے بارے میں جو بات ہے اگر میں اس کی تردید کرتی ہوں تو آپ لوگ تصدیق نہیں کریں گے اگر میں اس کا اعتراف کرتی ہوں تو آپ میری تصدیق کریں گے۔ لہٰذا میں یعقوب علیہ السلام کے مطابق یہی کہتی ہوں فَصَبۡرٌ جَمِیۡلٌ ؕ وَاللّٰهُ الۡمُسۡتَعَانُ عَلٰی مَا تَصِفُوۡنَ ﴿۱۸﴾ ''صبر اچھا ہے اور جو تم کہتے ہو اس پر اللہ سے مدد مطلوب ہے۔'' (یوسف ۱۸)

یہ کہہ کر میں بستر پر جا لیٹی۔ ابھی تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ آپ ﷺ پر آثارِ وحی نمودار ہو گئے۔ جب وہ ختم ہوئے

توحضور ﷺ نے مسکرا کر فرمایا: عَائِشَةُ اَمَّا اللهُ فَقَدْ بَرَّأَكِ. یعنی اے عائشہ! اللہ نے تمہیں اس الزام سے بری قرار دیا ہے۔ چنانچہ اس وقت اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ سے لے کر دس آیات نازل ہوئیں۔

(بخاری کتاب التفسیر سورہ نور باب ۶، مسلم کتاب التوبہ حدیث ۵۶، ابوداؤد کتاب الطہارۃ باب ۱۲۱)

[10] یعنی ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پہ تہمتِ زنا میں جس نے جتنا حصہ لیا اسے اسی قدر گناہ ہوگا اور جو اس بہتان بازی کا اہم کردار ہے یعنی عبداللہ بن ابی ابن سلول (منافقوں کا سردار) اس کے لئے دردناک عذاب ہے۔ اس موقع پر جن بعض مخلص مسلمانوں کی زبان سے منافقین کے اس بہتان کی تائید نکل گئی اس میں شاعر دربارِ رسالت حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ حدیث میں ہے کہ ان کی آنکھیں جاتی رہیں۔ پھر جب قرآنِ مجید نے اہل بیت رسول کی پاک دامنی بیان کی تو حضرت حسان زندگی بھر اپنی غلطی پر کفِ افسوس ملتے رہے۔ چونکہ وہ اسلام و پیغمبر اسلام کی عظمت اور دفاع میں خوبصورت اشعار کہتے تھے اور ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اچھے اشعار پسند فرماتی تھیں اس لئے آپ حضرت حسان رضی اللہ عنہ سے راضی ہوگئیں اور ان کے لئے دعائے خیر فرماتی تھیں۔ آپ ﷺ فرماتی تھیں حسان رضی اللہ عنہ کو برا نہ کہو وہ اپنی زبان سے رسول اللہ ﷺ کا دفاع کرتا ہے۔ (درمنثور جلد ۶ صفحہ ۱۵۸)

لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا ۙ وَّقَالُوْا

کیوں نہ ہوا کہ جب تم نے یہ بہتان سنا تو سب مومن مرد و عورت اپنے لوگوں کے بارے میں اچھا گمان کرتے اور کہتے کہ

هٰذَآ اِفْكٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۲﴾ لَوْلَا جَآءُوْ عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ ۚ فَاِذْ لَمْ يَاْتُوْا

یہ کھلا بہتان ہے۔ بہتان لگانے والے اس پر چار گواہ کیوں نہ لائے جب وہ گواہ

بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ

نہیں لائے۔ تو اللہ کے ہاں وہی جھوٹے ہیں۔[11] اور اگر تم پر دنیا و آخرت میں اللہ کا فضل

عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَفَضْتُمْ فِيْهِ

اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو جس بہتان میں تم پڑے تھے اس میں تمہیں

عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۴﴾ ۚۖ اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا

بڑا عذاب آپہنچتا۔ جب تم اسے اپنی زبانوں پہ لا رہے تھے اور اپنے منہ سے وہ بات کہہ رہے تھے جس کی

لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَّتَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا ۖۗ وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ ﴿۱۵﴾

حقیقت کا تمہیں علم نہ تھا تم اسے ہلکا سمجھتے تھے اور وہ اللہ کے ہاں بہت بڑی ہے۔[12]

[11] یعنی اے مسلمانو! جب تم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر یہ بہتان سنا تو تم سب مرد و زن کو اپنے لوگوں کے بارے میں اچھا گمان رکھنا چاہئے تھا اور بیک زبان کہنا چاہئے تھا کہ یہ کھلا بہتان ہے جب بہتان گھڑنے والے چار گواہ نہ لائے تھے تو اللہ کے قانون میں وہ صریح جھوٹے ہیں۔ یعنی بعض مسلمانوں کو منافقین کی تائید میں زبان نہیں کھولنی چاہئے تھی۔

## مومن کے بارے میں اچھا گمان رکھنا چاہئے

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا ۙ مگر افسوس آج اگر ہم کسی کی برائی سنیں تو اس پر فوراً یقین لاتے اور اسے بلا تحقیق دوسروں تک پہنچاتے ہیں اور اگر کسی کی اچھائی سنیں تو اس پر ہمیں یقین نہیں آتا نہ اسے ظاہر کرتے ہیں۔ حالانکہ ہمیں دوسروں کے بارے میں بدگمانی سے منع کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۡ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا ۔ ”اے ایمان والو!

زیادہ گمان کرنے سے بچو کیونکہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں اور لوگوں کی ٹوہ نہ لگایا کرو۔'' (حجرات، ۱۲)

## زنا چار مردوں کی گواہی سے ثابت ہوتا ہے

بِاَرۡبَعَةِ شُهَدَآءَ ۚ میں شہداء میں مذکر صیغہ ہے۔ معلوم ہوا کہ زنا کے ثبوت کے لیے چار مرد گواہوں کی ضرورت ہے۔ اور ابھی گزشتہ رکوع میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ثُمَّ لَمۡ يَاۡتُوۡا بِاَرۡبَعَةِ شُهَدَآءَ پھر وہ چار گواہ نہ لائیں۔ (سورہ نور، آیت: ۴) ایک اور جگہ ارشاد باری ہے: وَالّٰتِىۡ يَاۡتِيۡنَ الۡفَاحِشَةَ مِنۡ نِّسَآٮِٕكُمۡ فَاسۡتَشۡهِدُوۡا عَلَيۡهِنَّ اَرۡبَعَةً مِّنۡكُمۡ ۚ ''اور تمہاری عورتوں میں سے جو بے حیائی کا ارتکاب کریں تو تم ان پہ چار مرد گواہ قائم کرو۔'' (نساء، ۱۵)

## چار گواہوں کے بغیر کسی پر زنا کا الزام رکھنا اللہ کے قانون میں جھوٹ اور تہمت زنی ہے

اگر کسی کو کسی کے کردار پر شک ہو مگر اس کی بدکرداری پر گواہی نہ ہو تو اسے اپنی زبان بند رکھنی چاہئے اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَاُولٰٓٮِٕكَ عِنۡدَ اللّٰهِ هُمُ الۡكٰذِبُوۡنَ ۞ اور جو شخص چار شرعی گواہوں کے بغیر کسی پر تہمت زنا رکھے اسے حد قذف (اسی کوڑے) لگے گی۔ چنانچہ مروی ہے کہ حضرت مسطح، حضرت حسان و دیگر کو اسی اسی کوڑے لگائے گئے۔

(درمنثور جلد ۶ صفحہ ۱۴۶ بروایت بزار و ابن مردویہ)

[12] یعنی اے واقعہ افک میں منافقین کی تائید کرنے والے مومنو! اگر شرفِ صحابیت کی صورت میں تم پر اللہ کا عظیم فضل اور رحمتِ خاصہ نہ ہوتی تو تم پر بڑا عذاب آ جاتا۔ تم نے اپنے منہ سے جو بات نکالی وہ تم نے ہلکی سمجھی مگر اللہ کے ہاں وہ بہت عظیم ہے یعنی اللہ کے ہاں یہ بہت خطرناک جرم ہے کہ محبوبِ خدا ﷺ کی زوجہ محترمہ پر زبانِ طعن دراز کی جائے۔

یہاں سے دو فوائد حاصل ہوئے۔

(۱) صحابیٔ رسول ہونا اللہ تعالیٰ کا فضلِ عظیم اور رحمتِ عظیمہ ہے اسی لئے سب صحابہ کے لئے قرآن نے جنت کا اعلان کیا فرمایا: وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الۡحُسۡنٰى ؕ ''اللہ نے سب صحابہ سے وعدہ جنت فرمایا ہے۔'' (حدید ۱۰)

(۲) اُم المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پہ زبان طعن دراز کرنے والے اہل تشیع کے لئے لمحہ فکریہ۔

ازواج رسول ﷺ کے بارے میں طعنہ زنی منافقین کا کام ہے۔ دور رسالت میں منافقین کو جرأت ہوئی کہ سید المرسلین ﷺ کی ازواج مطہرات کی طرف انگلی اٹھائیں اور اسکے بعد شیعہ لوگوں کو جرأت ہوئی جو ازواج رسول ﷺ اور صحابہ کرام کو گالیاں دیتے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ انہیں (ازواج مطہرات اور صحابہ کرام کو گالیاں دینے والوں کو) عذاب عظیم کا مژدہ سنا رہا ہے۔

وَلَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا ۖ سُبْحٰنَكَ

اور ایسا کیوں نہ ہوا کہ جب تم نے یہ بات سنی تو کہہ دیتے ہمیں یہ بات کہنے کا حق نہیں۔ اے اللہ! تو پاک ہے

هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۶﴾ يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖٓ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ

یہ عظیم بہتان ہے۔ اللہ تمہیں نصیحت فرماتا ہے کہ پھر کبھی ایسی بات مت کہنا اگر تم

مُّؤْمِنِيْنَ ۚ ﴿۱۷﴾ وَيُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۸﴾ اِنَّ

مومن ہو۔ [13] اور اللہ تمہارے لیے اپنی آیات بیان فرماتا ہے اور اللہ علم والا رحمت والا ہے۔ بے شک

الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ

جو لوگ چاہتے ہیں کہ ایمان والوں میں بے حیائی پھیلے ان کے لئے دنیا و آخرت میں

فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ

دردناک عذاب ہے اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے اور اگر تم پر اللہ کا فضل

اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۰﴾ ع

اور اس کی رحمت نہ ہوتی (تو تم پر عذاب آتا) اور اللہ مہربان رحمت والا ہے۔ [14]

[13] یعنی اے مسلمانو! زوجۂ رسول ﷺ پر بہتان سنتے ہی ہر مسلمان کو کہنا چاہیے تھا: سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۶﴾ یعنی اے اللہ! تو پاک ہے اور یہ الزام بہت بڑا بہتان ہے۔ اور خبردار جو آئندہ کوئی مسلمان ایسی بات منہ سے نکالے۔ یاد رہے کہ اکثر صحابہ کی زبان سے یہ بہتان سن کر یہی الفاظ نکلے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے جب اس معاملہ میں رائے لی تو انہوں نے سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۶﴾ (طبرانی کبیر جلد ۲۳ صفحہ ۱۲۳ حدیث ۲۵۲ مطبوعہ داراحیاء بیروت)

امام بغوی روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کو ان کی بیوی نے بتایا کہ لوگ اس طرح کی باتیں کررہے ہیں آپ کی زبان سے بے ساختہ نکلا: سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۶﴾ چنانچہ انہی کے قول کے موافق یہ آیت اتری۔ (تفسیر معالم التنزیل جلد ۵ صفحہ ۶۳)

## حضرت عائشہ کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا صحابہ سے مشورہ اور ان کے عمدہ جوابات

امام نسفی نے تفسیر مدارک میں لکھا ہے کہ حضور ﷺ نے مختلف صحابہ سے اس بارہ میں مشورہ لیا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے پوچھا تو انہوں نے کہا: ''منافقین مکمل جھوٹے ہیں کیونکہ اللہ نے مکھی کو آپ ﷺ کے جسم پر بیٹھنے کی اجازت نہیں دی کیونکہ وہ نجاست پر بیٹھتی ہے جب اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اس قدر معمولی گندگی سے بھی دور رکھا ہے تو اللہ کسی ایسی عورت کو آپ ﷺ کے قریب کیوں آنے دے گا جو بے حیائی کی گندگی میں ملوث ہو۔''

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا ''یا رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ نے آپ کا سایہ زمین پر نہیں پڑنے دیا تا کہ اس پر کسی انسان کا قدم نہ آ جائے جب آپ ﷺ کے سائے پر کسی انسان کا قدم رکھنا ممکن نہیں تو کسی کا آپ ﷺ کی زوجہ کو داغدار کرنا کیسے ممکن ہے۔'' (بر سبیل تذکرہ معلوم ہوا کہ عثمان غنی رضی اللہ عنہ گواہی دے رہے ہیں کہ جسم رسول مقبول ﷺ کا سایہ نہ تھا اور اس روایت کو شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی مدارج النبوت میں درج فرمایا ہے)

اور حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے عرض کیا ''یا رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ نے جبرائیل امین کو بھیج کر آپ ﷺ کو مطلع کیا تھا کہ آپ کی نعلین (پاک) میں کچھ گندگی لگی ہے آپ نعلین اتار دیں۔ جب یہ ادنیٰ گندگی کا آپ ﷺ کے قریب رہنا اللہ کو گوارا نہیں تو کیا بے حیائی میں ملوث عورت کو اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کے گھر سے نکال نہ دیتا؟''

(تفسیر مدارک التنزیل جلد ۳ صفحہ ۲۲ ۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اس روایت میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ذکر نہیں ہے اس لئے کہ حضور ﷺ نے ان سے اس بارے میں مشورہ لینا ان کے لئے باعثِ اذیت جانا تو ان سے مشورہ نہ لیا۔ معلوم ہوا حضور ﷺ کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی براٗت کا شروع سے مکمل علم تھا۔ جب ہر مسلمان کا حق تھا کہ یہ الزام سنتے ہی کہہ دے ھٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ تو حضور سید عالم ﷺ کے اپنی بیوی کی براٗت کے بارے میں علم بلکہ یقین کا کیا عالم ہوگا۔

لہٰذا یہ کہنا کہ اگر آپ ﷺ کو علم ہوتا تو چالیس دن تک تحقیقات کیوں فرماتے، غلط ہے۔ آپ کا تحقیقات فرمانا تقاضائے عدل کی تکمیل کے لئے تھا۔

[14] یعنی جن منافقین نے یہ بہتان گھڑا انہوں نے اسلامی معاشرہ میں بے حیائی پھیلانے کی کوشش کی۔ وہ یہ ثابت کرنا چاہتے تھے کہ جب نبی ﷺ کا گھر ہی پاک نہیں تو کسی اور کا گھر اگر پاک نہ ہو تو کیا قباحت ہے اور جو لوگ مسلمانوں کے اندر بے حیائی پھیلانا پسند رکھتے ہیں ان کے لئے دنیا و آخرت میں دردناک عذاب ہے جسے اللہ جانتا ہے۔ تم نہیں جان سکتے کہ وہ کس قدر دردناک عذاب ہے۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو لوگ فلموں ڈراموں گانوں اور سٹیج شوز کے ذریعے مسلم نوجوانوں کو بے حیائی کا درس دیتے اور ان کے اخلاق تباہ کرتے ہیں ان کے لئے اللہ کی طرف سے دردناک عذاب کی وارننگ ہے۔

آ گے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے اصحاب رسول! اگر شرفِ صحابیت کی صورت میں تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم میں سے جن کی زبان سے اس بہتان عظیم کی تائید نکلی تھی انہیں عذاب آ پکڑتا مگر اللہ مہربان رحیم ہے اس نے معاف فرمایا۔

یاد رہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے صرف دو مردوں اور ایک عورت سے یہ خطاء ہوئی۔ حضرت حسان بن ثابت، مسطح بن اثاثہ (جو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خالہ زاد بھائی تھے) اور ام المومنین سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کی بہن حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہم اسی لئے طبرانی میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بارے میں دو مردوں اور ایک عورت پر حد قذف لگائی۔
(طبرانی کبیر جلد ۲۳ حدیث ۲۶۳)

برسبیلِ تذکرہ ہم یہاں ام المومنین سیدہ طاہرہ عتیقہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی چند خصوصیات ذکر کرتے ہیں جو قرآن اور حدیث نے بتائی ہیں اور صحابہ کرام جن کا چرچہ کرتے تھے۔

## سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی چند خصوصیات

اول: آپ رضی اللہ عنہا کی برأت میں قرآنِ کریم کی سولہ آیات نازل ہوئیں

سورہ نور کی آیت 11 سے 26 تک آپ کی پاک دامنی میں نازل ہوئیں۔ اس جگہ کٹر شیعہ مفسر ملا فتح اللہ کاشانی لکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تین آدمیوں کی برأت تین طریقوں سے ظاہر فرمائی۔ یوسف علیہ السلام پر زلیخا نے تہمت رکھی تو اس کے خاندان کے ایک بچے نے یوسف علیہ السلام کی برات پر گواہی دی۔ قرآن میں ہے: وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا ۚ (یوسف ۲۶) حضرت مریم رضی اللہ عنہا پر تہمت آئی تو عیسیٰ علیہ السلام نے شیر خوارگی میں ان کی برأت بیان کی مگر چونکہ عائشہ (رضی اللہ عنہا) سید الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زوجہ ہیں اس لئے ان کی برأت خود اللہ نے قرآنی آیات سے بیان فرمائی۔
(تفسیر منہج الصادقین جلد ۶ صفحہ ۲۶۸ مطبوعہ تہران ایران)

دوم: آپ کی برکت سے آیتِ تیمم نازل ہوئی۔

فتح مکہ کے موقع پر 7ھ میں دورانِ سفر سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ہار گم ہوا اور یہ ہار کی گمشدگی کا دوسرا واقعہ ہے۔ صحابہ کرام بحکم رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہار کی تلاش میں لگے رہے۔ اتنے میں نماز فجر کا وقت تھوڑا رہ گیا اور وضوء کے لئے پانی بھی نہ تھا تب آیت تیمم نازل ہوئی (بخاری کتاب الفضائل باب ۳۰ فضل عائشہ رضی اللہ عنہا) یہ دیکھ کر حضرت سعید بن صغیر رضی اللہ عنہ نے کہا مَاهِيَ بِاَوَّلِ بَرَكَتِكُمْ يَا آلَ اَبِي بَكْر اے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر والو! یہ تمہاری پہلی برکت نہیں ہے (تمہاری وجہ سے امت کو پہلے بھی برکات ملتی رہی ہیں)۔

سوم: آپ رضی اللہ عنہا نے ازواج مطہرات میں سے سب سے پہلے رضاء خدا اور رسول اختیار کی۔

9ھ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی ازواج سے کسی بات پر ناراض ہوئے اور ان سے ایک ماہ کے لئے علیحدگی فرمائی۔

آخر سورہ احزاب کی آیات 28 اور 29 نازل ہوئیں اور حضور ﷺ نے اپنی ازواج پر ان آیات کو پیش کرتے ہوئے انہیں اختیار دیا کہ خواہ وہ مال دنیا اختیار کرلیں یا صحبت رسول کو۔ تو سب سے پہلے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ ہمیں مال نہیں بلکہ اللہ اور اس کے رسول کی رضا چاہئے۔ پھر آپ کی پیروی میں تمام ازواج نے یہی عرض کیا۔ (بخاری کتاب التفسیر سورہ احزاب) شیعہ موراخ مرزا محمد تقی ایرانی نے بھی یہ واقعہ ناسخ التواریخ جلد 3 صفحہ 179 میں تفصیلاً نقل کیا ہے، پھر علیحدگی ختم کرنے کے بعد حضور سید عالم ﷺ سب سے پہلے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر ہی تشریف لائے تھے۔ یہ آپ رضی اللہ عنہا کے وہ فضائل و خصائص ہیں جن کا بیان یا اشارہ قرآنِ مجید میں ہے۔ اب آپ رضی اللہ عنہا کے چند مزید خصائص حدیث سے ملاحظہ ہوں۔

چہارم: نبی اکرم ﷺ کو تمام ازواج میں سے آپ سے زیادہ محبت تھی۔

نبی اکرم ﷺ تمام ازواج میں نان ونفقہ برابر تقسیم فرماتے تھے مگر اس کے ساتھ فرماتے۔ اے اللہ! جس معاملہ میں میرا اختیار ہے میں اس میں برابر تقسیم کرتا ہوں مگر جس چیز میں میرا اختیار نہیں (یعنی محبت قلبی) اس میں مجھ پر پکڑ نہ فرمانا۔ (ابو داؤد کتاب النکاح باب ۳۸ ترمذی کتاب النکاح باب ۴۱) سب شارحین حدیث کا اتفاق ہے کہ حضور ﷺ کا اشارہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی طرف تھا اور مروی ہے کہ آیت مبارکہ وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ ''تم بیویوں میں مکمل برابری نہیں کرسکتے خواہ تم اس کی شدید خواہش رکھو (یعنی قلبی محبت سب سے برابر نہیں ہوسکتی)'' (نساء ۱۲۹) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں ہی نازل ہوئی۔ اسی لئے ایک بار حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ام المؤمنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: عائشہ پر خود کومت قیاس کیا کرو۔ نبی پاک ﷺ ان کا جو لحاظ فرماتے ہیں کسی اور کا نہیں فرماتے۔

پنجم: ازواج رسول ﷺ میں سے صرف آپ کے والدین مہاجرین ہیں

کئی ازواج مطہرات کے والدین اہل ایمان نہ تھے جیسے حضرت سودہ اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہما، بعض کے والدین مومن ہیں مہاجر نہیں ہیں۔ جیسے حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا۔ بعض کے والدین میں سے ایک مہاجر ہے ایک نہیں۔ جیسے سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا۔ صرف سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خصوصیت ہے کہ آپ رضی اللہ عنہا کے والدین دونوں نے ہی دین کے لئے ہجرت کی۔ بلکہ یہ خصوصیت صحابہ میں سے بہت کم لوگوں کے حصہ میں آئی ہے۔

ششم: دیگر ازواج کے پاس حضور ﷺ ایک دن جاتے تھے اور آپ کے پاس دو دن۔

حضور ﷺ نے باری مقرر کر رکھی تھی ہر زوجہ مطہرہ کے پاس ایک رات بسر فرماتے تھے مگر حضرت عائشہ کے ہاں آپ کا قیام دو رات ہوتا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ نے ایک بار سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کو ان کی ایک غلطی کی وجہ سے طلاق دینے کا ارادہ فرمایا۔ انہوں نے عرض کیا کہ انہیں طلاق نہ دی جائے وہ اپنی باری حضرت عائشہ کے لئے وقف کرتی ہیں۔

چنانچہ ان کی باری بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو مل گئی۔ اس کے باوجود آپ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھی گاہے گاہے تشریف لے جاتے تھے۔

ہفتم: آپ رضی اللہ عنہا کے بستر پر قرآن اترتا تھا۔

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ صحابہ کرام اس دن کا انتظار کرتے تھے جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر جانا ہوتا تھا اور اس دن تحائف (کھانے پینے کی چیزیں) زیادہ بھیجتے تھے۔ چنانچہ تمام ازواج مطہرات نے ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو اپنا نمائندہ بنا کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا کہ آپ لوگوں سے فرمائیں کہ آپ جس بھی زوجہ کے ہاں ہوں لوگ برابر تحائف بھیجا کریں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بات سن کر اعراض فرمایا۔ حضرت سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے تین بار یہ بات عرض کی۔ تب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے ام سلمہ! مجھے عائشہ کے بارے میں تکلیف نہ دیا کرو۔ اللہ کی قسم! مجھ پر ایسی حالت میں کبھی وحی نہیں آئی کہ میں تم میں سے کسی کے بستر میں ہوں سوا عائشہ کے۔ (بخاری کتاب الفضائل باب ۳۰، ترمذی کتاب المناقب باب ۶۲)

ہشتم: زبانِ رسالت سے افضلیتِ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا خصوصی بیان۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''عائشہ (رضی اللہ عنہا) کو تمام عورتوں پر یوں فضیلت حاصل ہے جیسے ثرید کو تمام کھانوں پر۔'' (بخاری کتاب الفضائل باب ۳۰، مسلم کتاب الفضائل حدیث ۷۰)

نہم: آپ کی تصویر آسمانوں سے اتاری گئی۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے عائشہ! میں نے مسلسل تین رات خواب دیکھا۔ فرشتہ ایک ریشمی کپڑے میں تمہاری تصویر لاتا رہا اور کہتا تھا یہ آپ کی بیوی ہے اور جب میں نے تمہیں دیکھا تو پہچان لیا تم وہی تھیں۔
(مسلم کتاب الفضائل حدیث ۸۵ بخاری کتاب مناقب الانصار باب ۴۴)

دہم: آپ کے سینے پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وصال فرمایا۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وقت وصال قریب آیا تو آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر مستقل قیام کرنا چاہتے تھے۔ آپ نے تمام ازواج مطہرات سے کہا کہ وہ آپ کو عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ہاں مستقل قیام کی اجازت دے دیں تو سب نے بخوشی اجازت دے دی۔ (بخاری کتاب الوضوء باب ۴۵، مسلم کتاب الصلوٰۃ حدیث ۹۱)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ہوا تو آپ کا سر میری گردن اور میرے سینے کے درمیان تھا اور آپ کو میرے گھر میں دفن کیا گیا۔ (بخاری کتاب الجنائز باب ۹۶ مسلم کتاب الفضائل حدیث ۸۵)

گویا آج جو روضہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے وہ اصل میں حجرہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہے۔ یہاں دس خصائص پر اکتفا ہے مزید خصائص بھی کتب سیرت میں مذکور ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ وَمَنْ يَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ

اے ایمان والو! شیطان کے قدموں پہ مت چلو کیونکہ وہ

الشَّيْطٰنِ فَاِنَّهٗ يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ

بے حیائی اور بُری بات کا حکم دیتا ہے اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی

وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا ۙ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ

توتم میں سے کوئی بھی پاک نہ ہوتا مگراللہ جسے چاہے پاک کرتاہے۔ [15]

وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۱﴾ وَلَا يَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ يُّؤْتُوْٓا

اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے اور تم میں سے فضیلت اور وسعت رزق والے لوگ قسم نہ اٹھالیں

اُولِي الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۖ وَلْيَعْفُوْا

کہ قریبی رشتہ داروں مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو خرچہ نہ دیں گے۔

وَلْيَصْفَحُوْا ؕ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۲﴾

وہ معافی اور درگذر سے کام لیں کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تمہاری بخشش فرمائے اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔[16]

## سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر بہتان باندھنے والوں کی سزا

[15] گزشتہ رکوع میں ان چند مومنین کو تنبیہ فرمائی گئی جو سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر بہتان لگانے میں منافقین کے جھانسے میں آ گئے تھے اور ان کے لئے معافی کا اعلان کیا گیا۔ اب اُن منافقین پر پھٹکار ڈالی جارہی اور ان کی دنیوی و اُخروی سزا بتائی جارہی ہے۔ البتہ اس سے قبل مسلمانوں سے فرمایا جارہا ہے کہ شیطان کے قدموں پہ مت چلا کرو بعض شیطانی بہکاوے میں آ کر اس طرح کی بہتان تراشی وتہمت زنی میں ملوث نہ ہوا کرو۔ کیونکہ شیطان بے حیائی اور بُری بات ہی کا درس دیتا ہے اور شیطان کا مکروفریب اس قدر گہرا ہے کہ اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم میں سے کوئی شخص گناہوں سے پاک نہ رہ سکتا مگر اللہ اپنے فضل سے بعض لوگوں کو گناہوں سے پاک کر دیتا ہے جیسے انبیاء کرام گناہوں سے معصوم اور اولیاء اللہ گناہوں سے محفوظ ہیں۔

یہاں سے دو فوائد حاصل ہوئے

(۱) درس محاسبۂ نفس:

لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ط سے معلوم ہوا کہ ہر مومن کو روزانہ سونے سے قبل محاسبہ کرنا چاہئے کہ آج اس کا کون سا عمل شیطان کی پیروی میں تھا اور کون سا رحمن کی پیروی میں۔ پھر جو شیطان کی پیروی میں تھا اسے چھوڑنے کا عہد کرے۔

(۲) شیطان کے مقابلہ میں اللہ سے مدد چاہنا۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ سے معلوم ہوا اللہ کی مدد کے بغیر شیطان کے داؤ سے بچا نہیں جا سکتا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ سے اس بارہ میں ہر وقت مدد لینا چاہئے اور جو شیطان سے بچ جائے وہ اسے اپنی بڑائی نہیں اللہ کا فضل سمجھے اور مزید اللہ کے حضور جھکے اور شکر بجا لائے۔ یہاں وہ واقعہ ذہن میں رکھا جائے جب شیطان بادلوں میں ایک حسین تخت پر بیٹھ کر حضرت سیدنا عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمہ والرضوان کے سامنے آیا اور کہا میں تمہارا رب ہوں اور خوش ہو کر تمہاری بخشش کا اعلان کرتا ہوں۔ اب تمہیں مزید عبادت کی ضرورت نہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: لا حول ولا قوۃ الا باللہ اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم۔ تم شیطان ہو مجھے گمراہ کرنا چاہتے ہو۔ شیطان بھاگ گیا اور آواز آئی اے عبدالقادر! تمہیں تمہارے علم نے بچا لیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا مجھے میرے علم نے نہیں میرے رب کے فضل نے بچایا ہے۔ (بہجۃ الاسرار)

[16] یہ آیت مکمل طور پر حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے والد گرامی یارِ غار رسول صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں نازل ہوئی۔ بخاری و مسلم میں حدیثِ افک کے آخر میں ہے کہ حضرت مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خالہ زاد بھائی اور محتاج و نادار تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کی کفالت کرتے تھے۔ جب منافقین نے حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر بہتان باندھا تو حضرت مسطح بھی ان کے جھانسے میں آ گئے۔ جب اللہ تعالیٰ نے زوجہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی برأت کا اعلان کیا تو جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت مسطح کا خرچہ بند کر دیا اور قسم اٹھالی کہ آئندہ انہیں خرچہ نہیں دیں گے۔ آپ کو یہ صدمہ پہنچا کہ اس شخص نے میرا رشتہ دار اور میری کفالت میں ہونے کے باوجود منافقین کا ساتھ کیوں دیا۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری: وَلَا يَأْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ۔

(بخاری کتاب التفسیر سورہ نور باب ٦ مسلم کتاب التوبہ حدیث ٥٦)

''یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے مومنو! تم میں جو لوگ (ابوبکر صدیق کی طرح) فضیلت اور وسعت رزق والے ہیں انہیں یہ قسم نہیں اٹھالینی چاہئے کہ وہ رشتہ داروں اور مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو خرچہ نہ دیں گے۔ (یہ اس لیے فرمایا کہ حضرت مسطح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے رشتہ دار، غریب و نادار اور مہاجر تھے) بلکہ مومنوں کو معافی

ودرگزر سے کام لینا چاہئے۔ اے مومنو! کیا تم اللہ سے بخشش کی امید نہیں رکھتے؟ جب رکھتے ہو تو تمہیں بھی معافی ودرگزر سے کام لینا چاہئے۔'' حدیث میں ہے کہ یہ آیت اترنے پر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بے ساختہ کہا: **واللہ اِنی اُحِبُّ اَنْ یَّغْفِرَ اللہُ لِیْ۔** اللہ کی قسم میں چاہتا ہوں کہ اللہ میری بخشش فرمائے۔ اس کے بعد آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت مسطح رضی اللہ عنہ کا خرچہ بحال کر دیا (اور اپنی قسم کا کفارہ دیا) اور کہا واللہ میں زندگی بھر مسطح کا خرچہ قائم رکھوں گا۔ (بخاری ومسلم حوالہ مذکورہ)

یہاں لطف کی بات یہ ہے کہ مشہور کٹر شیعہ مفسر علامہ فضل بن حسن طبرسی نے بھی اس آیت کے تحت لکھا: **نزلت فی ابی بکر ومسطح بن اثاثۃ۔** یہ آیت ابوبکر صدیق اور مسطح بن اثاثہ کے بارے میں نازل ہوئی۔

(تفسیر مجمع البیان جلد ۷ صفحہ ۱۳۳ مطبوعہ تہران)

## افضلیتِ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں **اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ** کے الفاظ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں اتارے اور **مِنْكُمْ** سے مراد تمام اہل ایمان ہیں گویا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو سب اہل ایمان میں سے فضیلت والا قرار دیا گیا۔

اسی لئے اس آیت کے تحت امام اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

**فثبت انہٗ افضل الخلق بعد الرسول صلی اللہ علیہ وسلم۔** یعنی اس سے یہ ثابت ہوا ابوبکر صدیق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد (امت میں) سب سے افضل ہیں۔ (روح البیان جلد ۶ صفحہ ۱۳۳) حکیم سنائی رحمۃ اللہ علیہ نے اس جگہ خوب کہا:

بود چنداں کرامت و فضلش ۔۔۔ کہ اولوا الفضل خواند ذوالفضلش

یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے فضل وکرامت کا یہ عالم ہے کہ خدائے ذوالفضل نے انہیں اولوالفضل کہا۔

یاد رہے کہ افضلیت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا عقیدہ اجماعی ہے۔ اس پہ تمام صحابہ کرام کا اجماع ہے اور کثیر احادیث صحیحہ میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو تمام امت سے افضل قرار دیا ہے۔ اور ائمہ دین نے افضلیت صدیق اکبر کے ماننے کو اہل سنت میں سے ہونے کی اہم تر نشانی بتایا ہے اور اس کے منکر کو رافضی شیعہ گردانا ہے۔ ان موضوع پہ مفصل بحث ان شاء اللہ العزیز آیت مبارکہ **وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى** (اللیل، ۱۷) کے تحت آئیگی۔ وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

## رشتہ داروں سے حُسنِ سلوک کی فضیلت

اس آیت میں قریبی رشتہ داروں کا ذکر مساکین ومہاجرین سے پہلے کیا گیا ہے اس میں یہ اشارہ ہے کہ عام مساکین کی نسبت غریب رشتہ داروں کو دینے کا اجر زیادہ ہے۔ اسی لیے قرآن کریم میں جہاں بھی اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا ذکر آیا وہاں سب سے قبل قریبی رشتہ داروں کا ذکر ہے، جیسے **وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ۔**

الخ (بقرہ، ۱۷۷)

## نیکی نہ کرنے کی قسم کو توڑ دینا چاہیے

وَلَا یَاۡتَلِ اُولُوا الۡفَضۡلِ مِنۡکُمۡ۔ الخ سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص غصے میں قسم اٹھالے کہ وہ فلاں کام نہ کرے گا اور وہ کام اچھا ہو تو ایسی قسم توڑ کر کفارہ ادا کر دینا چاہئے اور نیکی کے کام سے کنارہ کش نہیں رہنا چاہئے جیسے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت مسطح رضی اللہ عنہ کو خرچہ نہ دینے کی قسم اٹھائی تو یہ آیت اتار کر انہیں قسم توڑنے کی ہدایت کی گئی اسی لئے دوسری جگہ فرمایا گیا۔ وَلَا تَجۡعَلُوا اللّٰہَ عُرۡضَۃً لِّاَیۡمَانِکُمۡ اَنۡ تَبَرُّوۡا وَ تَتَّقُوۡا۔ ''تم اپنی قسموں کو اللہ کی راہ میں رکاوٹ نہ بنالو کہ نیکی نہ کرو گے اور لوگوں میں اصلاح نہ کرو گے۔'' (بقرہ ۲۲۴)

| |
|---|
| اِنَّ الَّذِیۡنَ یَرۡمُوۡنَ الۡمُحۡصَنٰتِ الۡغٰفِلٰتِ الۡمُؤۡمِنٰتِ لُعِنُوۡا فِی الدُّنۡیَا |
| بے شک جو لوگ پاکدامن گناہ سے بے خبر اور ایمان والی عورتوں پہ تہمت زنی کرتے ہیں ان پر دنیا وآخرت میں |
| وَالۡاٰخِرَۃِ ۪ وَلَہُمۡ عَذَابٌ عَظِیۡمٌ ﴿۲۳﴾ یَّوۡمَ تَشۡہَدُ عَلَیۡہِمۡ اَلۡسِنَتُہُمۡ |
| لعنت کی گئی ہے۔ اور ان کے لیے درد ناک عذاب ہے[17] جس دن ان کی زبانیں اور ان کے ہاتھ پاؤں |
| وَاَیۡدِیۡہِمۡ وَاَرۡجُلُہُمۡ بِمَا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ ﴿۲۴﴾ یَوۡمَئِذٍ یُّوَفِّیۡہِمُ اللّٰہُ دِیۡنَہُمُ |
| ان کے خلاف گواہی دیں گے جو وہ کرتے تھے اس دن اللہ انہیں پوری قرار واقعی سزا دے گا اور وہ جان لیں گے |
| الۡحَقَّ وَیَعۡلَمُوۡنَ اَنَّ اللّٰہَ ہُوَ الۡحَقُّ الۡمُبِیۡنُ ﴿۲۵﴾ اَلۡخَبِیۡثٰتُ لِلۡخَبِیۡثِیۡنَ |
| کہ اللہ ہی کھلا حق ہے۔[18] خبیث عورتیں خبیث مردوں کے لیے ہیں اور خبیث مرد خبیث عورتوں کے لیے ہیں |
| وَالۡخَبِیۡثُوۡنَ لِلۡخَبِیۡثٰتِ ۚ وَالطَّیِّبٰتُ لِلطَّیِّبِیۡنَ وَالطَّیِّبُوۡنَ لِلطَّیِّبٰتِ ۚ |
| اور پاک عورتیں پاک مردوں کے لئے ہیں اور پاک مرد پاک عورتوں کے لیے۔[19] یہ لوگ ان برائیوں سے پاک ہیں |
| اُولٰٓئِکَ مُبَرَّءُوۡنَ مِمَّا یَقُوۡلُوۡنَ ؕ لَہُمۡ مَّغۡفِرَۃٌ وَّرِزۡقٌ کَرِیۡمٌ ﴿۲۶﴾ ع |
| جو لوگ کہتے ہیں ان کے لیے بخشش اور عزت والی روزی ہے۔[20] |

[17] یعنی سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جیسی پاک دامن گناہ سے بے خبر اور ایمان والی عورتوں پر برائی کی تہمت رکھنے

والے اللہ کے ہاں دنیا و آخرت میں ملعون (رحمت خدا سے دور) ہیں اور ان کے لئے بڑا دردناک عذاب ہے۔

## سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے فضائل بزبانِ قرآن

یہ آیت آپ رضی اللہ عنہا کے حق میں اتری اور آپ کو پاک دامن، گناہ سے بے خبر اور ایمان والی قرار دیا گیا۔

اس آیت کے تحت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

نزلت فی عائشة رضی الله عنها خاصة. یہ آیت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حق میں خصوصی طور پر نازل ہوئی ہے۔
(تفسیر ابن جریر جلد ۹ صفحہ ۲۹۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

اور اسی آیت کے تحت شیعہ مورخ مرزا محمد تقی جو قدرے منصف مزاج ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کرتا ہے کہ فرمایا:

من اذنب ذنباً ثم تاب منه قبلت توبته الا من خاض فی امر عائشة. جس نے بھی کوئی گناہ کیا پھر توبہ کی تو اللہ اس کی توبہ قبول کرلے گا سوا اس کے جو عائشہ رضی اللہ عنہا کے معاملہ میں بُرا سوچے۔
(ناسخ التواریخ حالات پیغمبر جلد ۲ صفحہ ۸۳ مطبوعہ انتشارات اسلامیہ تہران)

جب یہ آیت شیعہ سنی دونوں کے مطابق حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں نازل ہوئی ہے تو نتیجہ یہ ہوا کہ سیدہ پاک پہ طعنہ زنی کرنے والا دنیا و آخرت میں ملعون (اللہ کی رحمت سے دور) ہے۔

## پاک دامن عورتوں پہ تہمت زنی کا گناہ

لُعِنُوْا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ سے معلوم ہوا کہ پاک دامن عورتوں پہ تہمت زنی کرنے والے لوگ دنیا و آخرت میں ملعون ہیں۔ کیونکہ دنیا میں ان کے لیے اسی کوڑوں کی سزا ہے اور آخرت میں ایذاء مسلم کی وجہ سے عذابِ جہنم اور حدیث کے مطابق یہ گناہ سات تباہ کن کبائر میں سے ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''سات تباہ کن گناہوں سے بچو۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے پوچھا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ کیا ہیں؟ فرمایا اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا، جادو کرنا، جس جان کو اللہ نے حرمت دی اسے ناحق قتل کرنا، یتیم کا مال کھانا، میدان جنگ سے بھاگنا اور پاک دامن گناہ سے بے خبر اور ایمان والی عورتوں پر برائی کی تہمت رکھنا۔'' (بخاری کتاب الوصایا باب ۲۳، مسلم کتاب الایمان حدیث ۱۴۴)

[18] پاک دامن عورتوں پہ بہتان بازی جیسے جرائم کے مرتکب لوگوں کے خلاف روز قیامت ان کی زبانیں اور ان کے ہاتھ پاؤں گواہی دیں گے یعنی ان کی زبانیں ان کی مرضی کے خلاف بول کر ان کے گناہ بیان کریں گی اور ان کے ہاتھ پاؤں بولیں گے کہ ان سے کیا برے کام لئے گئے۔ آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ روز قیامت انہیں ان کے گناہوں کی پوری سزا دی جائے گی۔ آخر میں اللہ کو اَلْحَقُّ الْمُبِیْنُ کہا گیا جس کا مفہوم یہ ہے اللہ ہی سچا خدا ہے اور یہ کھلی ہوئی بات

ہے گویا اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے الحق بھی ہے۔

[19] مروی ہے کہ عبداللہ بن ابی بن سلول منافق کی بیوی بھی اس کی طرح منافقہ اور بہتان بازی میں بہت تیز تھی۔تو فرمایا گیا خبیث (یعنی بدکردار و بداطوار) عورتوں کو خبیث مرد ہی پسند رکھتے اور ان سے نکاح کرتے ہیں۔نیک آدمی کسی خبیث الفطرت عورت سے نکاح کرنا پسند نہیں کرتا۔اسی طرح خبیث مردوں کو خبیث عورتیں ہی پسند رکھتی ہیں یہ اسی طرح ہے جیسے پیچھے کہا گیا: اَلزَّانِیْ لَا یَنْکِحُ اِلَّا زَانِیَۃً اَوْ مُشْرِکَۃً ز ''زانی مرد زانیہ یا مشرکہ عورت ہی سے نکاح کرتا ہے۔'' (نور:۳)

آگے فرمایا کہ پاک مردوں کے لئے پاک عورتیں ہوتی ہیں اور پاک عورتوں کے لئے پاک مرد، یعنی پاک دامن لوگ آپس میں مل بیٹھنا اور رشتہ نکاح میں منسلک ہونا پسند رکھتے ہیں اور یہ عموماً دیکھا گیا ہے کہ دیندار لوگ اپنے بچوں کے لئے دیندار گھرانے تلاش کرتے ہیں اور بے دین لوگ بے دینوں کو ڈھونڈھ لاتے ہیں۔

## ازواجِ رسول ﷺ کی طہارت

اَلطَّیِّبٰتُ لِلطَّیِّبِیْنَ میں یہ اشارہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ ساری مخلوق سے پاکیزہ تر ہیں تو اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے وہی عورتیں بطور بیویاں منتخب فرمائیں جو سب سے پاکیزہ تر تھیں۔لہٰذا منافقوں کا ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پہ بہتان رکھنا غلیظ ترین حرکت ہے۔اور اسی لیے رسول اللہ ﷺ کی ازواج کو ازواج مطہرات کہا جاتا ہے۔یعنی وہ بیویاں جن کو اللہ نے پاکیزہ قرار دیا۔

اور ان کی طہارت کے بارے میں اللہ رب العزت کا یہ ارشاد بھی ہے:

اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْہِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَہْلَ الْبَیْتِ وَیُطَہِّرَکُمْ تَطْہِیْرًا ﴿۳۳﴾ یعنی ''اے رسول اللہ (ﷺ) کے اہل خانہ! اللہ تو یہی چاہتا ہے کہ تم سے ہر گناہ کو دور کردے اور تمہیں یوں پاک کردے جیسے پاک کرنے کا حق ہے۔'' (احزاب، ۳۳)

بلکہ حدیث کے مطابق ازواجِ رسول ﷺ شیطانی بُرے خوابوں سے بھی محفوظ تھیں یہ ان کی طہارت کا عالم تھا۔ جبکہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا تو ان میں سب سے افضل ہیں۔خود رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عائشہ کی فضیلت تمام عورتوں پہ ایسے ہے جیسے ثرید کھانے کی فضیلت تمام دوسرے کھانوں پہ ہے۔ (بخاری و مسلم)

[20] یعنی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جیسے پاکیزہ لوگ اس الزام سے جو خبیث مرد اور خبیث عورتیں ان پر لگاتی ہیں پاک ہیں۔یہ آیت بھی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حق میں اتری اور اللہ تعالیٰ نے صاف طور پر ان کی برأت کا اعلان فرمایا۔اور آگے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے لئے بخشش اور رزق کریم یعنی جنتی نعمتوں کا اعلان فرمایا اور کیوں نہ ہو

وہ جنت میں بھی سید المرسلین ﷺ کی زوجہ ہیں اور اسی درجہ میں ہیں جس میں خود حضور ﷺ ہیں (یعنی حضور ﷺ کے ساتھ ہوں گی۔)

## ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پہ اہل تشیع کی غلیظ جھوٹے الزامات

اس جگہ بادل نخواستہ میں ان غلیظ بہتانات والزامات کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جو شیعہ مفسرین ومورخین نے ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر لگائے ہیں اور میں یہ باتیں صرف یہ واضح کرنے کے لیے لکھ رہا ہوں تا کہ اہل اسلام کو پتہ چلے کہ یہ فرقہ خلفاء راشدین اور امہات المومنین پہ کیسے سنگین جھوٹے الزامات لگاتا ہے۔ کیونکہ میں نے اس فرقہ کی کتابیں پڑھنے میں جس قدر وقت صرف کیا ہے اور جو کچھ ان کے بارے میں میں جانتا ہوں وہ سب لوگ نہیں جانتے۔ منافقین نے جب سیدہ عائشہ ام المومنین رضی اللہ عنہا پہ ایک جھوٹا الزام رکھا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے رد میں قرآنِ مجید کی اٹھارہ آیات نازل فرمائیں اور منافقین کے لیے دنیا وآخرت میں لعنت کا اعلان کیا۔ جبکہ یہ فرقہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور ان کے والد گرامی جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پہ اس سے بھی زیادہ لرزہ خیز بہتانات تراشا رہتا ہے، مثلاً:

## شیعوں کا لرزہ خیز الزام کہ عائشہ وحفصہ اور ابوبکر وعمر (رضی اللہ عنہم) نے رسول اللہ ﷺ کو زہر دے کر شہید کیا (معاذ اللہ)

(۱) چنانچہ شیعہ راویوں نے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی طرف جھوٹی روایت منسوب کی ہے کہ انہوں نے فرمایا: انھما سقتاہ قبل الموت یعنی الامرأتین لعنھما اللہ وابویھما۔ بیشک ان دوعورتوں نے رسول اللہ ﷺ کو موت سے قبل زہر پلایا تھا۔ اللہ ان دونوں پہ اور ان کے باپوں پہ لعنت کرے۔ تو ہم نے کہا وہ دونوں اور ان کے باپ اللہ کی ساری مخلوق سے بدتر ہیں (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ)

(تفسیر الصافی جلد اول صفحہ ۳۰۴ سورہ آل عمران آیت ۴۵ مطبوعہ تہران۔ تفسیر عیاشی جلد ا صفحہ ۲۰۰ مطبوعہ تہران۔ تفسیر البرہان جلد ۲ صفحہ ۱۱۷ مطبوعہ دار مجتبیٰ تہران)

اب کون نہیں جانتا کہ اہل تشیع کے نزدیک ان دوعورتوں اور ان کے باپوں سے کیا مراد ہے۔ ہر علم والے پر روشن ہے کہ اہل تشیع ان دوعورتوں سے حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ اور حضرت سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہما کو اور ان کے باپوں سے حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کو مراد لیتے ہیں۔ (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ)

اور اس کی دلیل وہ واقعہ ہے جو کتب شیعہ میں اس طرح ملتا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں اپنی لونڈی ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا سے مباشرت فرمائی تو انہیں غصہ آیا، رسول اللہ ﷺ نے انہیں راضی کرنے کے لیے فرمایا: اے حفصہ میں تمہیں راز کی بات بتاتا ہوں۔ وہ کسی کو نہ بتانا۔ میرے وصال کے بعد ابوبکر خلیفہ بنے گا اور اس

کے بعد تمہارا باپ عمر خلیفہ بنے گا۔مگر حفصہ نے یہ بات عائشہ کو بتادی۔عائشہ نے ابوبکر کو بتادی، ابوبکر نے عمر کو بتادی، آگے لکھا ہے: فاجتمعوا اربعةً علی ان یسمُّوا رسولَ الله ﷺ. تو ان چاروں نے اس بات پہ اتفاق کیا کہ رسول اللہ ﷺ کو زہر دیدیں (استغفر اللہ)

(تفسیر قمی سورہ التحریم زیر آیت لم تحرم ما احل الله لك صفحہ ۶۸۷ مطبوعہ تہران تفسیر الصافی جلد ۲ صفحہ ۷۱۷ مطبوعہ المکتبۃ الاسلامیہ تہران)

اندازہ کریں کہ ان لوگوں کے دلوں میں خلفاء راشدین اور امہات المؤمنین کے بارے میں کس قدر نار حقد وحسد بھڑک رہی ہے اور وہ ان نفوسِ قدسیہ پہ کس قدر لرزہ خیز بہتانات رکھتے ہی۔ایسے ملحدین کے بارے میں یہی کہا جاسکتا ہے کہ بقول قرآن یہ لوگ ملعون ہیں۔کیونکہ ایسے جھوٹے الزامات رکھنے والوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لعنوا فی الدنیا والآخرۃ۔

## شیعوں کا گھناؤنا بہتان کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ کے بیٹے حضرت ابراہیم بن محمد کو ولد الزنا قرار دیا (معاذ اللہ)

(۲) اور امام باقر رضی اللہ عنہ کی طرف شیعہ راوی زرارہ نے یہ جھوٹی روایت منسوب کی کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے نبی ﷺ کی لونڈی سیدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا پر الزام رکھا کہ ان سے ایک غلام ابن جریج نے (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) بدکاری کی اور اس سے ابراہیم پیدا ہوا اور جب ابراہیم فوت ہوا تو حضرت عائشہ نے حضور ﷺ سے کہا آپ کیوں پریشان ہوتے ہیں۔وہ آپ کا نہیں ابن جریج کا بیٹا تھا۔نبی ﷺ نے سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ابن جریج کے قتل کے لئے بھیجا وہ تلوار لے کر گئے۔وہ ان کے خوف سے درخت پہ چڑھ گیا۔وہ بھی پیچھے چڑھے۔اس نے درخت سے چھلانگ لگادی۔انہوں نے دیکھا کہ اس کا تو عضو تناسل ہی نہیں ہے۔انہوں نے آکر حضور ﷺ کو بتایا تب آپ کو اطمینان ہوا۔(تفسیر قمی سورہ نور صفحہ ۴۵۳ مطبوعہ تہران سن طباعت ۱۳۱۳ھ) یادرہے یہ شیخ قمی (علی بن ابراہیم) اہل تشیع کے امام المحدثین یعقوب کلینی صاحب اصول کافی کا استاذ ہے۔

یہ کس قدر سنگین بہتان ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ کے لخت جگر ابراہیم بن محمد رسول اللہ ﷺ کو معاذ اللہ ثم معاذ اللہ خاکم بدہن ولد الحرام قرار دیا۔اس سے زیادہ لرزہ خیز الزام کیا ہوسکتا ہے۔پھر یہ رسول اللہ ﷺ پہ الزام ہے کہ آپ ﷺ معاذ اللہ اس قدر کان کے کچے تھے کہ بیوی کے کہنے پہ ایک شخص کے قتل کا حکم دیدیا؟ کیا اللہ کے سچے رسول کی یہ شان ہے؟ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ نام نہاد شیعہ مورخین ومحدثین کس قدر غلیظ روایات گھڑ کر انہیں امام باقر و جعفر رضی اللہ عنہما جیسے جلیل القدر ائمہ کی طرف منسوب کرتے اور اس کی آڑ میں ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور دیگر ازواج

رسول واصحاب رسول پر کیچڑ اچھالتے ہیں اللہ انہیں ہدایت دے۔

اگر شیعہ لوگ کہیں کہ تمہاری صحیح مسلم میں بھی لکھا ہے کہ ایک شخص کو رسول اللہ ﷺ کی ام ولد (ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا) کے ساتھ متہم کیا جاتا تھا۔ نبی اکرم ﷺ نے حضرت علی کو بھیجا کہ جاؤ اس کو قتل کر دو۔ وہ گئے تو اسے کنوئیں میں نہاتے ہوئے پایا۔ حضرت علی نے اس کو کنوئیں سے پکڑ کر نکالا تو دیکھا کہ اس کا عضو تناسل ہی نہیں ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس کے قتل سے رک گئے اور رسول اللہ ﷺ کو جا کر ماجریٰ سنایا۔ (صحیح مسلم حدیث ۲۷۷۱)

تو اس کا جواب یہ ہے کہ شارحین کے مطابق واقعہ یوں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کو علم ہوا کہ بعض منافق لوگ آپ کی لونڈی سیدہ ماریہ رضی اللہ عنہا پہ فلاں شخص کے ساتھ ملوث ہونے کا الزام رکھتے ہیں تو آپ نے حقیقت حال کو واضح کرنے کے لیے حضرت علی کو بھیجا۔ یعنی آپ جانتے تھے کہ حضرت علی اسے نہاتے پائیں گے اور یوں منافقین کے جھوٹے الزام کی قلعی کھل جائے گی۔ (اکمال المعلم بفوائد مسلم جلد ۸ صفحہ ۳۰۴) کہاں یہ واقعہ اور کہاں شیعوں کا حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پہ یہ لرزہ خیز الزام رکھنا کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے بیٹے ابراہیم کو ولد الزنا قرار دیا۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ۔

## شیعوں کا ایمان سوز الزام کہ سیدہ عائشہ نے جنازۂ امام حسن پہ تیر برسوائے (معاذ اللہ)

(۳) اسی طرح شیعہ مؤرخ شیخ عباس قمی نے یہ الزام گھڑا کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو روضہ رسول میں تدفین کے لئے لایا گیا تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حکم سے ان کے جنازہ پر تیر برسائے گئے۔ آخر انہیں مجبوراً جنت البقیع میں دفن کر دیا گیا۔ (منتہیٰ الآمال جلد ۱ صفحہ ۲۷۴ مطبوعہ تہران)

حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ امام حسن رضی اللہ عنہ نے اپنے وصال سے قبل وصیت کی تھی کہ انہیں روضہ رسول ﷺ میں دفن کیا جائے۔ اگر ایسا ممکن نہ ہو تو انہیں مسلمانوں کے قبرستان میں دفنا دیا جائے۔ جب آپ کا وصال ہو گیا تو امام حسین رضی اللہ عنہ نے ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا کہ امام حسن رضی اللہ عنہ کو روضہ رسول اللہ ﷺ میں دفن کیا جائے۔ سیدہ نے فرمایا:

نعم و کرامةً، ہاں کیوں نہیں یہ میرے لیے وجہ کرامت ہے۔ مگر مروان نے ایسا نہ کرنے دیا، اور دیگر بنو امیہ بھی آ گئے۔ انہوں نے کہا ہم ان کو روضہ رسول ﷺ میں دفن نہیں ہونے دیں گے۔ کیونکہ عثمان غنی کو روضہ رسول ﷺ میں دفن نہیں ہونے دیا گیا تھا۔ ادھر بنو ہاشم نے کہا ہم انہیں یہاں ضرور دفن کریں گے۔ جب یہ جھگڑا بڑھا تو صحابہ کرام نے کہا: مناسب ہے کہ انہیں جنت البقیع میں دفن کر دیا جائے۔ تو انہیں جنت البقیع میں ان کی والدہ سیدہ خاتون جنت رضی اللہ عنہا

کے پہلو میں دفن کر دیا گیا۔ (تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۹۴ وفات الحسن بن علی مطبوعہ مصر)

یہی بات ''البدایہ والنہایہ'' جلد 8 صفحہ 44 مطبوعہ بیروت اور ''الکامل فی التاریخ'' جلد 3 صفحہ 460 ودیگر کتب تاریخ میں مرقوم ہے۔

| |
|---|
| يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا |
| اے ایمان والو اپنے گھروں کے علاوہ دوسروں کے گھروں میں داخل نہ ہو جب تک اجازت نہ لے لو |
| وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۷﴾ فَاِنْ لَّمْ |
| اور گھر والوں کو سلام نہ کہہ لو یہ تمہارے لیے بہتر ہے تاکہ تم نصیحت پکڑو۔ [21] پھر اگر تم وہاں |
| تَجِدُوْا فِيْهَآ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ |
| کسی کو نہ پاؤ تو وہاں داخل نہ ہو جب تک تمہیں اجازت نہ دی جائے اور اگر تم سے کہا جائے کہ لوٹ جاؤ |
| ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿۲۸﴾ لَيْسَ |
| تو لوٹ جاؤ یہ تمہارے لیے پاکیزہ تر راستہ ہے۔ [22] اور اللہ تمہارے اعمال سے واقف ہے۔ تم پر |
| عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ فِيْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ ؕ |
| گناہ نہیں کہ ایسے گھروں میں داخل ہو جو کسی کی جائے سکونت نہیں ہیں اور وہاں تمہارے کچھ منافع ہیں۔ |
| وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۲۹﴾ |
| اور اللہ جانتا ہے جو تم ظاہر کرتے اور جو چھپاتے ہو۔ [23] |

## پردہ داری سے متعلق چھ خدائی حکم نامے

### پہلا حکم نامہ: کسی کے گھر میں بے اجازت داخلہ کی ممانعت

[21] اس سے قبل زنا اور قذف کی سزائیں بیان کی گئیں۔ درمیان میں منافقین کے اس بہتان کا ذکر آیا جو زوجۂ رسول ﷺ پر لگایا گیا تھا۔ اب پردہ داری کے احکام بتائے جا رہے ہیں۔ ان تمام باتوں کا مقصد ایک ہی ہے کہ اسلامی

معاشرہ کو بے حیائی سے پاک کیسے رکھا جائے تو پردہ داری کے بارے میں یہاں چھ حکم نامے جاری کئے گئے ہیں۔ پہلا حکم نامہ یہ ہے کہ اے مومنو! اپنے گھروں کو جہاں تم خود رہتے ہو، چھوڑ کر کسی دوسرے شخص کے گھر میں اس وقت تک داخل نہ ہو جب تک اہل خانہ سے اجازت نہ لو اور انہیں سلام نہ کہہ لو۔

حضرت مقاتل بن حیان رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ دور جاہلیت میں لوگ ایک دوسرے کے گھر میں بے اجازت داخل ہو جاتے تھے اور داخل ہونے کے بعد کہتے کہ میں آ گیا ہوں اس سے گھر والوں کو بسا اوقات تکلیف ہوتی تھی اور اہل جاہلیت سلام کہنے کی بجائے حُيِّيتَ صباحاً اور حُيِّيتَ مساءً کہتے تھے یعنی تم صبح جیو یا شام جیو۔ اللہ تعالیٰ نے ان باتوں کی ممانعت میں یہ آیت اتاری: لَا تَدۡخُلُوۡا بُيُوۡتًا غَيۡرَ بُيُوۡتِكُمۡ۔ (ابن ابی حاتم جلد ۸ صفحہ ۲۵۶۶ حدیث ۱۴۳۴۲) یعنی اللہ تعالیٰ نے اہل اسلام کو اس کی بجائے اجازت کے ساتھ گھروں میں داخل ہونے اور السلام علیکم کہنے کا حکم فرمایا۔

ایک عورت نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بسا اوقات میں اس حالت میں ہوتی ہوں کہ میں نہیں چاہتی کہ کوئی میرے پاس بلا اجازت آ جائے خواہ میرا باپ یا بیٹا ہو۔ پھر بھی کئی لوگ آ دھمکتے ہیں۔ تو میں کیا کروں؟ تب یہ آیت نازل ہوئی: لَا تَدۡخُلُوۡا بُيُوۡتًا غَيۡرَ بُيُوۡتِكُمۡ۔ (تفسیر ابن جریر جلد ۹ صفحہ ۲۹۶)

## کسی گھر میں داخل ہونے اور اجازت لینے کا اسلامی طریقہ

گویا اسلام سے قبل گھر کی چار دیواری کا کچھ تقدس نہ تھا۔ اسلام نے آ کر انسانوں کو جینے کا طریقہ سکھایا۔ یہاں دو حکم فرمائے گئے ہیں کہ کسی کے گھر داخلہ کے لئے اجازت لینا اور سلام کہنا۔ اجازت لینا یہ ہے کہ دروازہ کھٹکھٹایا جائے۔ آج کل دروازوں پہ گھنٹی (Door Bell) لگی ہوتی ہے وہ دبائی جائے یا کوئی بچہ اندر بھیج کر اجازت طلب کی جائے اور جب دروازہ کھول دیا جائے تو دوسرا حکم یہ ہے کہ گھر والوں کو سلام کہا جائے۔

یاد رہے تین بار اجازت لینا چاہئے اگر جواب نہ ملے تو واپس چلے جانا چاہیے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین بار اذن (اجازت) مانگو اگر نہ ملے تو لوٹ جاؤ۔ (بخاری کتاب الاستیذان باب ۱۳)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے اور بلند آواز سے السلام علیکم کہا۔ اندر سے جواب نہ آیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو بار مزید سلام کہا اور جواب نہ ملنے پر آپ واپس جانے لگے تو حضرت سعد نے دوڑ کر آپ کا دامن پکڑ لیا اور عرض کیا میں آپ کے سلام کا آہستہ جواب دے رہا تھا میں چاہتا تھا کہ آپ کا سلام (سلامتی کی دعا) زیادہ حاصل کر لوں۔ (ابوداؤد کتاب الادب باب ۱۹۷)

معلوم ہوا دروازے پہ آنے والے کو چاہیے کہ گھر والوں کو اپنی آمد کے بارے میں تین بار مطلع کرے۔ خواہ دروازہ کھٹکھٹا کر یا سلام کہہ کر۔ اگر جواب نہ ملے تو واپس چلا جائے۔ بعض جاہل لوگ مسلسل دروازہ کھٹکھٹائے جاتے ہیں

حالانکہ ممکن ہے گھر والا طہارت خانہ میں ہو یا گھر پر نہ ہو اور اس کی بیوی غیر مرد سے بات نہ کرنا چاہتی ہو۔

اور دروازہ کھٹکھٹا کر دائیں بائیں ہٹ کر کھڑا ہو جانا چاہیے۔ حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دروازے کے سامنے کھڑے ہونے کی بجائے دائیں بائیں ہٹ کر کھڑے ہوتے تھے۔ (ابوداؤد کتاب الادب باب ۱۹۷)

سامنے کھڑا ہونا اس لئے نامناسب ہے کہ ممکن ہے دروازہ کھلنے پر کسی نامحرم پہ نظر پڑ جائے۔ اگر کوئی شخص اپنی بیٹی، بہن یا والدہ کے گھر جائے تو وہ بھی اجازت کے ساتھ اندر داخل ہو۔ ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا میں والدہ کے پاس بھی اجازت لے کر جاؤں میں تو ہر وقت اس کی خدمت کرتا ہوں؟ آپ نے فرمایا کیا تم اسے برہنہ دیکھ سکتے ہو؟ کہا نہیں، فرمایا: تو پھر اجازت لے کر جاؤ۔ (موطاء امام مالک کتاب الاستیذان باب ۱)

اور دروازہ کھٹکھٹاتے ہوئے سوراخ وغیرہ سے دیکھنا حرام ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''جس نے کسی کے گھر میں بلا اجازت جھانکا اور گھر والوں نے اس کی آنکھ پھوڑ دی تو اس کی آنکھ ضائع چلی گئی (قصاص طلب نہیں کیا جا سکتا)'' (ابوداؤد کتاب الاستیذان باب ۱۲۷)

آج کل کئی بدکردار نوجوان لوگوں کے گھروں میں عورتوں کو جھانکتے ہیں یہ بڑی بے حیائی اور بڑا گناہ ہے۔

[22] یعنی اگر تم دروازہ کھٹکھٹاؤ اور جواب نہ ملے تو تم خود دروازہ کھول کر اندر جانے کی کوشش نہ کرو یا اگر دروازے کی بجائے پردہ لٹک رہا ہو جیسے دیہات میں ہوتا ہے اور تم سلام کہو اور جواب نہ ملے تو اندر جانے کی کوشش نہ کرو بلکہ واپس مڑ جاؤ کیونکہ اس طرح بے اجازت داخل ہونے سے بے حیائی پھیلتی ہے۔ جھگڑے جنم لیتے اور فسادات ہوتے ہیں۔ ہاں اگر تمہیں اجازت دی گئی ہو کہ تم بہر حال داخل ہو سکتے ہو خواہ گھر پہ کوئی نہ ہو تو پھر تم پر کوئی گناہ نہیں۔ اور اگر تم دروازہ کھٹکھٹاؤ اور تمہیں کہا جائے کہ ابھی آپ چلے جائیں صاحب خانہ مصروف ہیں بیمار ہیں یا گھر پر نہیں ہیں تو تم واپس چلے جاؤ۔ وہاں جم کر نہ کھڑے ہو جاؤ کہ میں تو ملے بغیر کبھی نہ جاؤں گا یعنی جس طرح تم برداشت نہیں رکھتے کہ کوئی تمہاری نجی زندگی میں مداخلت کرے اسی طرح تمہیں بھی مداخلت سے باز رہنا چاہئے یہی پاکیزہ طریقہ ہے جو ہر جھگڑے سے پاک ہے اور اللہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔

[23] اگر ایسی جگہ ہو جو کسی کی رہائش کے لئے نہ ہو اور وہاں تمہیں آنے جانے کی ضرورت ہو جیسے دوکانیں، کارخانے اور دفاتر وغیرہ تو وہاں تم بلا اجازت بھی داخل ہو سکتے ہو کیونکہ ایسے مقامات کسی کے داخلہ ہی کے لئے بنائے گئے ہیں۔ آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ جانتا ہے جو تم چھپاتے اور جو ظاہر کرتے ہو یعنی کسی کے گھر دفتر یا دوکان میں جا کر اگر تمہارے ہاتھ یا تمہاری آنکھیں کچھ چرانے کی کوشش کریں تو اللہ اس سے واقف ہے۔

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ؕ ذٰلِكَ

آپ مومنوں سے فرما دیں کہ اپنی آنکھیں پست رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں یہی ان کے لیے

اَزْكٰى لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ

پاکیزہ تر راستہ ہے اور اللہ جانتا ہے جو وہ کرتے ہیں۔[24] اور آپ مومنہ عورتوں سے فرما دیں کہ اپنی نگاہیں

مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ

پست رکھیں اور اپنی شرمگاہیں محفوظ کرلیں اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں سوااس کے جواس میں سے از خود ظاہر ہے۔[25]

مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ ۖ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا

اور وہ اپنی چادریں اپنے گریبانوں پہ ڈالے رکھیں۔[26] اور اپنی زینت ظاہر نہ کریں سوا اپنے

لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ

شوہروں کے یا اپنے باپ دادا کے یا اپنے شوہروں کے باپ دادا کے، یا اپنے بیٹوں کے یا اپنے شوہروں کے بیٹوں کے یا

اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ

اپنے بھائیوں کے یا اپنے بھائیوں کے بیٹوں کے یا اپنی بہنوں کے بیٹو کے یا اپنی عورتوں کے یا اپنی

اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِى الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ

لونڈیوں کے یا اپنے نوکروں کے جو بے شہوت بوڑھے مرد ہوں یا ان بچوں کے جو ابھی عورتو ں کی خفیہ باتوں

يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ ۖ وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ

پر مطلع نہیں ہوئے۔[27] اور عورتیں اپنے پاؤں یوں زمین پہ مار کر نہ چلیں کہ ان کی

مِنْ زِيْنَتِهِنَّ ؕ وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۳۱﴾

خفیہ زینت ظاہر ہو۔ اور اے مومنو اللہ کی جناب میں سب توبہ کرو تاکہ کامیابی پاؤ۔[28]

## دوسرا حکم نامہ: ہر مرد و زن کو نگاہیں پست رکھنے کی تاکید

[24] پردہ داری کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا دوسرا حکم نامہ یہ ہے کہ مومن مرد اپنی نگاہیں پست رکھیں یعنی عورتوں کے چہرے اور جسم کو بار بار دیکھنے کی کوشش نہ کریں۔ اسی طرح بے حیائی کی ہر وہ چیز جس کا دیکھنا حرام ہے اسے دیکھنے کے لئے نگاہ مت اٹھائیں۔ آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ط اور وہ اپنی شرمگاہیں محفوظ رکھیں۔ معنی یہ ہے کہ اگر وہ اپنی نگاہ کو پست نہ رکھیں گے بلکہ بے حیائی کے دیکھنے میں لگیں گے تو ممکن ہے ان کی شرم گاہیں گناہ میں مبتلا ہو جائیں۔ کیونکہ پہلے نگاہیں بہکتی ہیں پھر دل ایک دوسرے کی طرف کھنچتے ہیں پھر شرمگاہیں گناہگار ہوتی ہیں۔ اگر پہلے مرحلہ پر نگاہوں کو پست رکھا جائے تو کوئی بڑا گناہ واقع ہی نہیں ہو سکتا اسی لئے آگے عورتوں سے الگ کہا گیا کہ وہ بھی اپنی نگاہیں پست رکھیں یعنی اگر کوئی انہیں دیکھتا ہے تو وہ اپنی نگاہیں پست کرلیں اسے واپس دیکھنے کی کوشش نہ کریں اور اپنی شرمگاہیں محفوظ رکھیں یعنی اگر وہ اپنی نگاہیں پست نہ رکھیں گی تو نتیجہ میں ان کی عزت محفوظ نہ رہے گی اور وہ بڑے گناہ میں مبتلا ہو جائیں گی۔

اسی لئے حدیثِ مبارکہ میں ہے کہ ''ابن آدم کو زنا کا کوئی نہ کوئی حصہ ضرور ملتا ہے۔ آنکھ کا زنا دیکھنا ہے۔ زبان کا زنا بولنا (دعوت گناہ دینا) ہے، کانوں کا زنا سننا (دعوت گناہ میں دلچسپی لینا) ہے، ہاتھوں کا زنا پکڑنا اور پاؤں کا زنا چلنا ہے پھر شرمگاہ اس کی تصدیق یا تکذیب کرتی ہے۔'' (بخاری کتاب الاستیذان باب ۱۲، مسلم کتاب القدر حدیث ۲۵)

## حدیث میں نگاہ کو قابو میں رکھنے پر تاکید شدید

حضرت بریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اے علی! ایک بار نظر پڑ جانے پر دوبارہ مت دیکھو تمہارے لئے پہلی نظر حلال ہے دوسری حلال نہیں۔'' (ابوداؤد کتاب النکاح باب ۴۲)

حضرت جریر رضی اللہ عنہ نے پوچھا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر اچانک نظر پڑ جائے تو کیا حکم ہے؟ فرمایا: اِصْرِفْ بَصَرَكَ اپنی نگاہ کو فوراً پھیر لو۔ (ابوداؤد کتاب النکاح باب ۴۳)

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''تم مجھے چھ چیزوں کی ضمانت دو میں تمہیں جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔ بات کہو تو سچ بولو، وعدہ کرو تو اسے نبھاؤ، امانت میں خیانت نہ کرو، شرمگاہوں کی حفاظت کرو، نگاہیں نیچی رکھو اور ہاتھوں پر کنٹرول کرو (کسی پہ ظلم نہ کرو)'' (مسند احمد جلد ۵ صفحہ ۳۲۳)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''جس مسلمان کی نظر کسی عورت کے حسن و جمال پر پڑی اور اس نے نگاہ پھیر لی تو اللہ اسے ایسی عبادت کی توفیق دے گا جس کی لذت اسے (قلب و روح میں) محسوس ہوگی۔'' (مسند احمد جلد ۵ صفحہ ۲۶۴)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''روز قیامت ہر آنکھ روتی ہوگی صرف تین آنکھیں مسکراتی ہوں گی۔ (ان میں کامیابی کی چمک ہوگی) اول: وہ آنکھ جو اللہ کی حرام کردہ چیزوں کے دیکھنے سے باز آ گئی۔ دوم: وہ آنکھ جو اللہ کی راہ میں (جہاد یا عبادت میں) رات کو بیدار رہی۔ سوم: وہ آنکھ جس سے خوف خدا کے ساتھ ایک آنسو بہا۔'' (الترغیب والترھیب جلد ۳ صفحہ ۴۳ بروایت طبرانی)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اپنی آنکھوں کو جھکا کر رکھو شرمگاہوں کی حفاظت کرو اور خیالات درست رکھو ورنہ اللہ (جہنم میں) تمہارے چہرے مسخ کر دے گا۔'' (طبرانی کبیر جلد ۸ صفحہ ۸۰۱۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

## عورتوں کے اعضاء اور ان کے حسن و جمال پر شاعری حرام ہے

جب مردوں پر حرام کیا گیا کہ وہ عورتوں کے چہرے اور جسم پر اپنی نظر گاڑیں کیونکہ یہ بے حیائی ہے تو عورتوں کے خدوخال اور حسن و جمال پر شاعری کرنا ان اعضاء کے دیکھنے کی دعوت دینے کے مترادف ہونے کی وجہ سے حرام اور سخت گناہ ہے۔ اسی طرح نوجوان لڑکے اور لڑکی کی باہم محبت و پیار اور ان کی خفیہ ملاقاتوں جیسے بے حیائی کے حرام کاموں کی حوصلہ افزائی پہ مشتمل شاعری کرنے والے اور ایسی عشقیہ کہانیاں لکھنے والے شعراء اور قصہ نویس لوگ شیطان کا ٹولہ ہیں جو معاشرے میں بے حیائی کو فروغ دیتے ہیں۔ ہیر رانجھا، سسی پنوں، سوہنی مہینوال اور ایسی دیگر عشقیہ کہانیاں اسی زمرے میں ہیں۔ لوگ ان کو پنجابی ادب کے فروغ کے لیے پڑھتے ہیں، مگر اس سے اسلامی آداب کا ستیاناس ہو جاتا ہے۔

## تیسرا حکم نامہ: عورت اپنے چہرے اور ہاتھوں کے سوا سارے جسم کو چھپائے

[25] یعنی مومنہ عورتیں اپنے شوہروں اور محارم کے سوا کسی پر اپنی زینت ظاہر نہ کریں مگر وہ زینت جو از خود ظاہر ہے یعنی جسے خواہی نہ خواہی ظاہر کرنا پڑتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

الا ما ظھر منھا سے چہرہ اور ہاتھ مراد ہیں۔ حضرت سعید بن جُبیر رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس سے ہاتھ اور چہرہ اور ہتھیلیاں مراد ہیں۔ عطاء فرماتے ہیں اس سے دونوں ہاتھ اور چہرہ مراد ہیں۔ یہی حضرت عکرمہ سے مروی ہے۔
(درمنثور جلد ۶ صفحہ ۱۸۰)

حضرت ضحاک اور اوزاعی نے بھی اس سے چہرہ اور ہاتھ ہی مراد لئے ہیں۔ (تفسیر بغوی اور خازن جلد ۵ صفحہ ۶۹)

حضرت عبداللہ بن عمر اور انس رضی اللہ عنہم سے مروی الفاظ بھی اس معنی پر دلالت کرتے ہیں۔
(احکام القرآن للجصاص جلد ۵ صفحہ ۱۷۲ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی)

گویا عورت پہ لازم ہے کہ جب غیر محارم کے سامنے آئے تو چہرے اور ہاتھوں کے سوا اس کا سارا جسم ڈھکا ہوا ہو اور یہی حدیث میں وارد ہے۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک بار حضرت اسماء رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئیں تو ان کے کپڑے باریک تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن سے منہ پھیر لیا اور فرمایا:

ان المرأة اذا بلغت المحیض لم یصلح ان یُریٰ منها الا هذا واشار الی وجهه و کفیه۔

یعنی جب عورت کو حیض آ جائے (وہ بالغہ ہو جائے) تو اس کے جسم سے اس کے سوا کچھ نظر نہ آئے، آپ نے اپنے چہرے اور ہاتھوں کی طرف اشارہ کیا۔ (ابوداؤد کتاب اللباس باب ۳۱ حدیث ۴۱۵۴)

یہ احادیث اس بات پر نص صریح ہیں کہ عورت کے چہرے کا پردہ فی ذاتہ فرض نہیں ہے۔ اس کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ عورت دوران نماز اپنے چہرے اور ہاتھوں کو برہنہ رکھ سکتی ہے اگر اس کا چہرہ اور ہاتھ بھی اعضاء پردہ میں سے ہوتے تو ان کے چھپائے بغیر اس کی نماز درست نہ ہوتی کیونکہ نماز میں ستر عورت فرض ہے۔ تاہم فقہاء کے نزدیک نوجوان عورت کو اپنا چہرہ چھپانا بوجہ خوفِ فتنہ لازم ہے کیونکہ فتنہ قتل سے بڑا گناہ ہے۔

چنانچہ علامہ ابن عابدین شامی فرماتے ہیں:

قال فی التاتار خانیة: وفی شرح الکرخی النظر الی وجه الاجنبیة الحرة لیس بحرام ولکنه یکره لغیر حاجة،وظاهره الکراهة ولو بلاشهوة،قوله والافحرام ای ان کان من شهوة فحرام، قوله واما فی زماننا فمنع من الشابة لا لانه عورة بل لخوف الفتنة۔

تاتارخانیہ میں ہے: شرح کرخی میں لکھا ہے کہ آزاد اجنبی عورت کو دیکھنا حرام نہیں، البتہ بلا حاجت ضروریہ دیکھنا مکروہ ہے اور ظاہر یہی ہے کہ جوان عورت کو دیکھنا بہر حال مکروہ ہے خواہ بلاشہوت ہی ہو۔ اور و الافحرام کا یہ معنی ہے کہ اگر جوان عورت کو شہوت سے دیکھا جائے تو وہ بہر حال حرام ہے۔ البتہ آج کے زمانہ میں جوان عورت کا دیکھنا مطلقاً ممنوع ہے اس لیے نہیں کہ اس کا چہرہ عورت ہے بلکہ اس لیے اس سے فتنہ پیدا ہونے کا خوف ہے۔ (ردمحتار جلد ۶ صفحہ ۳۹۲ مطبوعہ مکتبہ مصطفی البابی مصر) اور اس میں کوئی شک نہیں کہ جوان عورت کا چہرہ مردوں کو فتنہ میں ڈالتا ہے۔

اور عورت کے لئے یہ بھی جائز نہیں کہ سارا چہرہ کھولے بلکہ اسے سر کی چادر سے اپنا ماتھا چھپانا بھی بحکم قرآن فرض ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ؕ ''اے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ اپنی ازوج، اپنی بیٹیوں اور تمام مومنوں کی عورتوں سے فرما دیں کہ اپنے اوپر موٹی چادریں اوڑھا کریں۔'' (احزاب ۵۹) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی تفسیر یوں فرمائی ہے کہ عورتیں اپنے سروں پہ یوں چادریں اوڑھیں کہ ان کا کچھ حصہ ان کے چہروں پر پڑا رہے۔ (تفسیر ابن جریر طبری جلد ۱۰ صفحہ ۳۳۹)

## عورتوں کے لئے چست کپڑوں کی ممانعت

جب چہرے اور ہاتھوں کے سوا سارے جسم کی زینت کا چھپانا عورت پر فرض ہے تو ایسے کپڑے پہننا جن سے عورت کے اعضاء جسم نمایاں ہوں صریحاً حرام ٹھہرا۔ اسی لیے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''دوزخ میں سب سے بڑا عذاب دو گروہوں کو ہوگا۔ اول: وہ لوگ جو گائے کی دم جیسے ڈنڈوں سے لوگوں کو ناحق ماریں گے (ظالم حکام) دوم: وہ عورتیں جو کپڑے پہننے کے باوجود ننگی ہوں گی لوگوں کو اپنی طرف کھینچیں گی اور خود ان کی طرف مائل ہو جائیں گی۔ ان کے سر اونٹوں کی کوہانوں جیسے ہونگے (بالوں کے سٹائل ایسے بنائیں گی) وہ جنت میں نہ جائیں گی بلکہ جنت کی خوشبو نہ پائیں گی۔'' (مسلم کتب الجنہ حدیث ۵۲)

جب عورت کے چہرے اور ہاتھوں کے سوا اس کا سارا جسم جائے ستر ہے تو آدھے سر کے پردے اور آدھے بازو والی قمیص میں اس کی نماز نہ ہوگی۔ بلکہ فقہاء کے نزدیک اگر سر کے دوپٹے سے اس کے بالوں کی سیاہی چمک رہی ہو تو اسکی نماز نہیں ہوتی، کیونکہ ستر عورت کی شرط پوری نہ ہوئی۔ (عالمگیری باب شروط الصلوٰۃ)

## چوتھا حکم نامہ: عورت اپنے سینے پر چادر ڈالے

[26] یعنی عورتیں اپنے سر کی چادروں کو اپنے گریبانوں یعنی سینوں پر ڈال لیں۔ یہ اس لئے فرمایا گیا کہ اگر عورت نے لباس تو مکمل پہنا ہو مگر اس کا سینہ اُبھرا نظر آئے تو یہ بے حیائی ہے لہٰذا سر کی چادر کو سینے پر ڈال لینا ضروری ہے تاکہ مردوں کی نظریں اس کی طرف نہ اُٹھیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ عورت پر گردن، کانوں اور کندھوں کا پردہ بھی فرض ہے کیونکہ جب وہ سر کی چادر سینے پر ڈالے گی تو گردن اور کان وغیرہ بھی چھپ جائیں گے۔ حدیث میں ہے کہ وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ ۖ کے الفاظ سن کر مسلمان عورتوں نے اپنی لمبی چادریں پھاڑ کر انہیں اپنے اوپر لپیٹ لیا۔ (بخاری کتاب التفسیر باب ۱۲)

## پانچواں حکم نامہ: کن مردوں کے سامنے عورت اپنے اعضاء زینت ننگے رکھ سکتی ہے؟

[27] اب بتایا جا رہا ہے کہ وہ کون سے مرد ہیں جن کے سامنے ایک عورت اپنے وہ اعضاء برہنہ رکھ سکتی ہے جن پر وہ زینت کرتی ہے جیسے وہ اپنے سر کے بالوں میں مختلف آرائش کرتی ہے، چہرے پہ ٹکا، بندیا، نتھی، کانوں میں کانٹے، بالیاں، گلے میں ہار اور کلائی میں کنگن اور کڑے پہن لیتی ہے تو ان اعضاء کو وہ درج ذیل مردوں پر ظاہر کر سکتی ہے۔ لہٰذا اس آیت میں زینت سے اعضاء زینت مراد ہیں اور وہ یہ ہیں: سر، ماتھا، کان، گردن، گلہ، کلائی کا کچھ حصہ جہاں کنگن پہنے جاتے ہیں۔

اول: (لِبُعُوْلَتِهِنَّ) شوہر، شوہر کے سامنے مذکورہ اعضاء برہنہ رکھے جا سکتے ہیں بلکہ شوہر تو بیوی کا سارا جسم دیکھ

سکتا ہے اس جگہ لفظ بعول میں لونڈی کا مالک بھی داخل ہے وہ بھی لونڈی کے مذکورہ اعضاء دیکھ سکتا ہے۔

دوم: (آبَآءِهِنَّ) باپ دادا، اس میں چچا اور ماموں بھی داخل ہیں کیونکہ وہ بھی عرفاً آباء میں شمار ہوتے ہیں اور وہ محارم بھی ہیں ان کے سامنے بھی عورت اپنے مذکورہ اعضاء ننگے رکھ سکتی ہے۔

سوم: (آبَآءِ بُعُوۡلَتِهِنَّ) شوہر کے باپ دادا، یعنی سسر، کیونکہ سسر بھی باپ کے حکم میں ہے اور چونکہ سسر کے پاس گھر میں اکثر آنا جانا ہوتا ہے اور کبھی عورت کے مذکورہ اعضاء ڈھکے ہوئے نہیں ہوتے۔ اس لیے یہ نرمی بتائی گئی، مگر یہ صرف بیان جواز ہے۔ افضل یہی ہے کہ عورت اپنے سر گردن اور کلائی وغیرہ کو ہمیشہ ڈھانک کر رکھے

چہارم: (اَبۡنَآءِهِنَّ) سگے بیٹے۔

پنجم: شوہر کے بیٹے، یعنی عورت کے سوتیلے بیٹے بلکہ اَبۡنَآءِهِنَّ میں داماد بھی داخل ہے کیونکہ وہ بھی شرعی بیٹا (SON IN LAW) ہے اور محرم بھی ہے۔ البتہ فقہاء جوان ساس کو داماد کے ساتھ خلوت میں بیٹھنے سے منع کرتے ہیں۔ (درمختار جلد ۶ صفحہ ۳۹۰)

مگر اس میں منہ بولا بیٹا داخل نہیں ہے خواہ اس کو عورت نے بچپن سے پالا ہو وہ بہر حال غیر محرم ہے ہاں اگر اس کو عورت نے دو برس کی عمر میں اپنا دودھ پلا دیا تھا تو پھر وہ اس کی رضاعی ماں ہے اور وہ اس کا شرعی محرم ہے اس سے پردہ لازم نہیں۔

ششم: (اِخۡوَانِهِنَّ) سگے بھائی، خواہ وہ ماں باپ دونوں کی طرف سے یا صرف ماں یا صرف باپ کی طرف سے اس میں منہ بولا بھائی شامل نہیں وہ غیر محرم ہے۔

ہفتم: (بَنِیۡۤ اِخۡوَانِهِنَّ اَوۡ بَنِیۡۤ اَخَوٰتِهِنَّ) بھتیجے۔

ہشتم: بھانجے، یہ سب رشتہ دار محارم ہیں ان کے سامنے عورت اپنے مذکورہ اعضاء برہنہ رکھ سکتی ہے اور ان میں دودھ کے حوالے سے بھائی بھتیجے اور بھانجے بھی شامل ہیں۔

نہم: (التّٰبِعِيۡنَ) یعنی نوکر چاکر، مگر اس کے لئے شرط ہے کہ وہ بڑھاپے یا دماغی فتور کی وجہ سے خواہش نکاح سے عاری ہوں۔ گویا اگر نوکر چاکر نوجوان اور ہوش مند ہوں تو ان سے پردہ لازم ہے ان کا حکم اجنبی مرد والا ہے۔

دہم: (الطِّفۡلِ) وہ اجنبی چھوٹے بچے جو ابھی عورتوں کے خفیہ امور سے ناواقف ہیں۔ یعنی وہ نہیں جانتے کہ عورت بچہ کیوں اور کیسے جنتی ہے۔ گویا مراہق (قریب البلوغ) لڑکوں سے پردہ واجب ہے کیونکہ ان میں یہ شعور پیدا ہو جاتا ہے۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے اَوۡ نِسَآئِهِنَّ بھی فرمایا ہے۔ اس سے مسلمان عورتیں مراد ہیں اور مَا مَلَكَتۡ اَيۡمَانُهُنَّ سے لونڈیاں مراد ہیں یعنی ان سے بھی پردہ نہیں ہے۔ گویا کافرہ عورتوں کے سامنے مومنہ عورت کو مذکورہ اعضاء زینت کا ظاہر کرنا جائز نہیں ہے۔

## دیور، جیٹھ، سمدھی اور کزن سے پردہ لازم ہے

اس آیت میں صرف شوہر، سسر، باپ، بیٹا، بھائی، بھتیجا، بھانجا اور دیگر وہ مرد بیان کئے گئے ہیں جن کے سامنے عورت بے حجاب رہ سکتی ہے یعنی سر، بازو اور گلا ننگا رکھ سکتی ہے۔ گویا ان کے سوا دوسرے رشتہ دار مردوں کے سامنے وہ بے پردہ نہیں رہ سکتی۔ لہٰذا دیور (شوہر کے بھائی) جیٹھ (بہن کے شوہر) سمدھی (بیٹی یا بیٹے کے سسر) اور کزن (چچا زاد، ماموں زاد، پھوپھی زاد اور خالہ زاد بھائی) سے پردہ فرض ہے۔ نہ وہ ان کے سامنے مذکورہ اعضاء برہنہ رکھ سکتی ہے نہ ان کے ساتھ خلوت میں بیٹھ سکتی ہے نہ ان کے ساتھ سفر پہ جا سکتی ہے اور اکثر عورتیں انہی رشتہ داروں کے ساتھ ملوث گناہ ہوتی ہیں کیونکہ ان سے ملنا ملانا زیادہ رہتا ہے اور گناہ میں مبتلا ہونے کے امکانات زیادہ ہوتے ہیں۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''عورتوں کے پاس تنہائی میں مت جاؤ۔ ایک انصاری صحابی نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیور کے بارے میں کیا خیال ہے؟ آپ نے فرمایا: اَلْحَمْوُ الْمَوْتُ دیور تو نری موت ہے۔'' (ترمذی کتاب الرضاع باب ۱۶)

## پیر اور استاذ سے بھی پردہ فرض ہے

اس آیت میں جن مردوں کے سامنے عورت کا بے حجاب آنا جائز کہا گیا ان میں پیر اور استاذ داخل نہیں ہیں لہٰذا ان سے پردہ فرض ہے بلکہ جوان عورت کو اپنے پیر و استاذ سے اپنا چہرہ چھپانا بھی لازم ہے۔ مگر افسوس آج کئی نام نہاد پیر عورتوں کو مرید کر کے ان سے آزادانہ اختلاط رکھتے ہیں۔ جس سے کئی فتنے جنم لیتے ہیں۔ لہٰذا جو پیر اپنی مریدہ عورتوں سے آزادانہ اختلاط رکھے اور ان سے ٹانگیں دبوائے وہ شیطان کا چیلہ ہے ایسے نام نہاد پیروں کو جوتے مار کر گھر سے نکال دینا چاہیے۔ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ساری امت کے باپ ہیں اور سید المعصومین ہیں۔ اس کے باوجود آپ نے کبھی کسی نامحرم عورت کو خلوت میں اپنے پاس نہیں آنے دیا۔ نہ ہی کبھی آپ کا ہاتھ ان سے مس ہوا۔ تو کسی دوسرے شخص کے لیے کیسے جائز ہے کہ وہ نامحرم عورتوں کے پاس خلوت میں بیٹھے؟ خواہ وہ پیر ہو یا استاذ۔

## عورت کا کھلے سر ٹی وی کیمرے کے سامنے آنا حرام ہے

قرآن و سنت کی ان تعلیمات سے ان مسلمان عورتوں کو عبرت لینی چاہیے کہ جو ٹی وی کیمرہ کے سامنے ننگے سر بیٹھ کر خبریں پڑھتی یا دوسرے پروگرام کرتی ہیں۔ اسی طرح وہ عورتیں بھی عبرت پکڑیں جو ننگے سر اور چست لباس کے ساتھ فلموں اور ڈراموں میں کام کرتی ہیں۔ وہ معاشرہ میں بےحیائی کو فروغ دے کر اللہ کے عذاب کی دعوت دے رہی ہیں۔ اور مردوں کے لیے ایسا ٹی وی پروگرام دیکھنا بھی جائز نہیں۔ جب حکم قرآن کے مطابق ایک مسلمان عورت مذکورہ بالا مردوں کے سوا کسی مرد کے سامنے بے حجاب نہیں آ سکتی تو ساری دنیا کو ٹی وی کے سامنے اپنے حسن و جمال کی نمائش کیسے کرا سکتی

ہے اور جس فلم، ڈرامہ یا ٹی وی پروگرام میں ننگے سر عورتیں ہوں اس کا دیکھنا بھی حرام ہے۔

## مرد کے لیے غیر محرم عورت کے ساتھ تنہائی میں بیٹھنے کا گناہ

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے جن قریبی رشتہ دار مردوں سے عورت کو حکم پردہ سے مستثنیٰ کیا ہے ان کے سوا سب مردوں سے پردہ کرنا عورت پہ فرض ہے اور پردے میں یہ بھی داخل ہے کہ وہ کسی اجنبی مرد کے ساتھ تنہائی میں نہیں بیٹھ سکتی، نہ اس کے جسم کو چھو سکتی ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی شخص کسی عورت کے ساتھ تنہائی میں مت بیٹھے جب تک کہ اس کے ساتھ اس کا محرم رشتہ دار (یا شوہر) نہ ہو۔'' (بخاری کتاب النکاح باب ۱۱۱، مسلم کتاب الحج ۴۲۴)

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اگر تم میں سے کسی کے سر میں لوہے کا سوا مارا جائے تو یہ درد اس عذاب سے آسان تر ہے جو اجنبی عورت کو ہاتھ لگانے میں ہے۔'' (الترغیب جلد ۳ صفحہ ۳۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اجنبی عورتوں کے ساتھ تنہائی میں بیٹھنے سے بچو، اس رب کی قسم! جس کے قبضہ میں میری جان ہے جب کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ تنہائی میں بیٹھتا ہے تو شیطان بھی درمیان میں آ بیٹھتا ہے اور اگر تم میں سے کوئی شخص گندگی سے لتھڑے ہوئے خنزیر کو گلے لگائے تو یہ اس کے لیے اس سے بہتر ہے کہ وہ اپنا کندھا اجنبی عورت کے کندھے سے (قصداً) ٹکرائے۔ (الترغیب حوالہ مذکورہ)

آجکل کالجوں یونیورسٹیوں کے طلباء اور دفتروں میں کام کرنے والوں میں مردوں عورتوں کا باہمی اختلاط بلائے عظیم ہے اس میں لڑکوں لڑکیوں اور مردوں عورتوں کو عموماً تنہائی میسر آتی اور ایک دوسرے کو چھونے کے مواقع فراہم ہوتے ہیں اور اس سے برائیوں کے دروازے کھلتے ہیں۔ کاش مسلمان ان باتوں کو سمجھیں اور اپنی بیٹیوں بہنوں کو مخلوط ماحول میں داخل نہ کریں۔

## چھٹا حکم نامہ: عورت کو بازار میں کیسے چلنا چاہیے

[28] امام بغوی روایت فرماتے ہیں کہ دورِ جاہلیت میں عورت جب بازار میں چلتی تو زمین پر زور سے پاؤں مارتی تا کہ لوگوں کو اس کے پاؤں میں پڑی پائل کی جھنکار سنائی دے یا پائل نظر آئے اور وہ اس کی طرف متوجہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیتِ مبارکہ کے ذریعے مسلمان خواتین کو ایسا کرنے سے منع فرمایا۔ (تفسیر بغوی جلد ۵ صفحہ ۱۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

معلوم ہوا عورت کا بن سنور کر خوشبو لگا کر زلفیں لہراتے ہوئے غیر مردوں کے سامنے نکلنا حرام ہے کہ اس سے بھی

لوگ اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور بے حیائی پھیلتی ہے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''ہر آنکھ زناء کرتی ہے۔ (جب وہ کسی عورت کو بُری نظر سے دیکھتی ہے) اور جب کوئی عورت خوشبو لگا کر مردوں کی مجلس سے گزرتی ہے تو وہ ایسی ہی ہے (زنا کاروں میں شامل ہے۔)''

(ترمذی کتاب الادب باب ۳۵، ابوداؤد کتاب الترجل باب ۷، نسائی کتاب الزینت باب ۳۵)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''جو عورت خوشبو لگا کر مسجد آئی اللہ اس کی نماز قبول نہیں کرے گا۔ جب تک وہ واپس جا کر ایسا غسل نہ کرے جیسا ناپاکی کے بعد کیا جاتا ہے۔'' (ابوداؤد کتاب الترجل باب ۷)

اور حضرت میمونہ بنت سعد رضی اللہ عنہا سے مروی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: جو عورت اپنے گھر والوں کے سوا دوسروں کے لئے بن سنور کر نکلتی ہے وہ روز قیامت سراپا سیاہی ہوگی اس کے لئے کچھ نور نہ ہوگا۔ (ترمذی کتاب الرضاعہ باب ۱۳)

وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ ۭ اِنْ

اور اپنے میں سے بے نکاح لوگوں اور اپنے نیک غلاموں اور لونڈیوں کا نکاح کرواگر وہ

يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۳۲﴾

فقیر ہیں تو اللہ انہیں اپنے فضل سے مالدار کر دے گا اور اللہ وسعت والا علم والا ہے۔[ 29 ]

وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ

اور جو لوگ نکاح کے لئے اسباب نہیں رکھتے وہ گناہ سے بچیں یہاں تک کہ اللہ انہیں اپنے فضل سے

فَضْلِهٖ ۭ وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ

مالدار کر دے [ 30 ] اور جو لوگ تمہارے غلاموں میں سے (آزادی کی) تحریر چاہیں انہیں تحریر دے دو

اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا ڰ وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ ۭ وَلَا

اگر تم ان میں بھلائی دیکھو اور انہیں اللہ کے (عطا کردہ) مال میں سے دوجو اس نے تمہیں دیا۔[ 31 ] اور

تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَاۗءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ

اپنی لونڈیوں کو بد کاری پر مجبور مت کرو جب وہ بچنا چاہتی ہیں کہ اس طرح تم دنیوی زندگی کا

الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ وَمَنْ يُّكْرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْۢ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ

مال چاہو(تو یہ جائز نہیں) اور جو انہیں مجبور کرے تو اللہ ان کے مجبور کیے جانے کے بعد بخشنے والا

رَّحِيْمٌ ﴿۳۳﴾ وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ وَّمَثَلًا مِّنَ الَّذِيْنَ خَلَوْا

مہربان ہے۔ اور یقیناہم نے تمہاری طرف واضح آیات اور جو تم سے پہلے گذر گئے ان کی مثالیں

مِنْ قَبْلِكُمْ وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۴﴾ ع

نازل کی ہیں اور پرہیز گاروں کے لیے نصیحت نازل کی ہے۔[32]

## نادار لوگوں کی مالی و اخلاقی مدد اور غلاموں سے حُسنِ سلوک کا بیان

[29] پردہ داری کے تحفظ کے سلسلہ میں ایک اور حکم فرمایا جا رہا ہے کہ تم میں سے جو لوگ نکاح سے محروم ہیں ان کا نکاح کرو یعنی اگر وہ نادار ہیں تو شادی کے سلسلے میں ان کی مالی مدد کرو اور اگر کسی مناسب رشتہ کے طلب گار ہیں تو ان کی اخلاقی مدد کرو تا کہ وہ اپنا دامنِ عزت بچالیں اور بے حیائی سے دور رہیں اور تمہارے غلاموں اور لونڈیوں میں سے جو صالح ہوں یعنی نکاح کی صلاحیت رکھیں اور اس سلسلہ میں سنجیدہ ہوں ان کا بھی نکاح کرو تا کہ وہ کسی بے حیائی میں مبتلا نہ ہوں۔ آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر وہ اس وقت فقیر ہیں اور تمہارے خیال میں وہ نکاح کی مالی ذمہ داریاں نہیں اٹھا سکتے تو اس سے نہ گھبراؤ اللہ انہیں اپنے فضل سے اس قدر غنی کرے گا کہ وہ اپنا پیٹ بھی پال سکیں گے اور اپنے اہل و عیال کا بھی۔

### اہمیتِ نکاح کا بیان

اَنْكِحُوا الْاَيَامٰى صیغۂ امر ہے جو حکم خداوندی ہے۔ اللہ تعالیٰ حکم فرما رہا ہے کہ جو شخص مالی مشکلات کی وجہ سے نکاح نہیں کر سکتا۔ اس کی مدد کی جائے تا کہ وہ نکاح کر سکے۔ اس سے اہمیت نکاح واضح ہے۔ ایک بار بعض صحابہ نے باہم فیصلہ کیا کہ وہ ہمیشہ روزہ رکھیں گے۔ رات بھر شب بیداری کیا کریں گے اور کبھی شادی نہیں کریں گے اور دنیا سے الگ ہو جائیں گے۔ نبی اکرم ﷺ کو معلوم ہوا تو آپ ان کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا کیا تم یہ باتیں کر رہے تھے؟ سنو میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں مگر میں روزے رکھتا ہوں اور چھوڑ بھی دیتا ہوں۔ رات کو تہجد پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے شادی بھی کرتا ہوں، فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي تو جس نے میری سنت سے منہ موڑا وہ میرے پیروکاروں میں سے نہیں ہے۔ (بخاری کتاب النکاح باب ۱، مسلم کتاب الصیام حدیث ۷۴)

عیسائیوں میں سے کیتھولک فرقہ کے پادری اور راہبہ عورتیں شادی نہیں کرتیں۔ وہ اپنی زندگی کو چرچ کی خدمت کے لیے وقف کر دیتی ہیں۔ مگر انسانی بشری تقاضوں کو دبایا نہیں جا سکتا۔ چنانچہ اخبارات اور ٹی وی میں اکثر ایسے واقعات آتے رہتے ہیں کہ پادری اور راہبہ عورتیں باہم زنا کاری میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ یعنی دین اسلام کی تعلیمات اور سنت مصطفیٰ ﷺ کی پیروی ہی میں انسانیت کی فلاح مضمر ہے۔

### بیوہ عورت اور رنڈوے مرد کے نکاح کی ترغیب

وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى میں الایامیٰ اَيِّمٌ کی جمع ہے۔ جو اصل میں بیوہ عورت کو کہتے ہیں تاہم یہ لفظ نکاح سے محروم رنڈوے مردوں پر بھی بولا جاتا ہے۔ معلوم ہوا اگر عورت یا مرد کا پہلا نکاح ختم ہو جائے اور وہ نکاح کی عمر میں ہوں تو انہیں دوسرا نکاح کرنے سے روکنا گناہ ہے۔ آج ہمارے معاشرہ میں یہ برائی عام ہے کہ بیوہ عورت سے شادی کرنے کو عار سمجھا جاتا ہے اور اگر بیوہ دوسرا نکاح کرے تو اسے شرم دلائی جاتی ہے اور طعن و تشنیع کیا جاتا ہے۔ یونہی اگر کسی شخص کی

بیوی فوت ہو جائے تو اس کے جوان بیٹے اسے دوسری شادی نہیں کرنے دیتے۔ ان قباحتوں کی وجہ سے بیوہ عورتیں اور رنڈوے مرد گناہوں میں ملوث ہو جاتے ہیں۔ ہمیں قرآن کے حکم وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى کی پیروی کرتے ہوئے بیوہ عورتوں اور رنڈوے مردوں کے نکاحِ ثانی کی مخالفت کی بجائے اس کی حوصلہ افزائی کرنی چاہئے۔

## نکاح سے رزق میں وسعت آتی ہے

اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ط سے معلوم ہوا نکاح کرنے والا فقیر اللہ کے فضل سے غنی ہو جاتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ کا حق ہے کہ تین افراد کی مدد کرے۔ وہ نکاح کرنے والا جو گناہ سے بچنا چاہتا ہے، وہ غلام جو آقا کو مال دے کر اس سے آزادی حاصل کرنا چاہتا ہے اور وہ شخص جو اللہ کی راہ میں جہاد کرنا چاہتا ہے۔'' (ترمذی کتاب فضائل الجہاد باب ۲۰۔ نسائی کتاب النکاح باب ۵)

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اللہ نے تمہیں نکاح کا حکم دیا ہے تم وہ پورا کرو اور اللہ نے تم سے غنیٰ (مالداری) کا وعدہ کیا ہے وہ اسے پورا کرے گا اسی لئے اس نے فرمایا: اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ط''
(ابن ابی حاتم جلد ۸ صفحہ ۲۵۸۲)

## عبد الرسول اور عبد النبی نام رکھنا شرک نہیں

مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ ط میں عباد اور اماء کی اضافت بندوں کی طرف کی گئی ہے اور یہاں عبد بمعنی عبادت گزار نہیں بلکہ بمعنیٰ غلام اور خدمت گزار ہے۔ معلوم ہوا جب لفظ عبد بمعنی غلام استعمال ہو تو اس کی نسبت مخلوق کی طرف کرنا جائز ہے۔ یہ شرک نہیں ہے۔

اور عبد بمعنیٰ خادم حدیث میں بھی بکثرت آتا ہے۔ جیسی من قتل عبده قتلناه جس نے اپنے عبد (غلام) کو قتل کیا ہم اسے قتل کریں گے۔ (ابوداؤد کتاب الدیات باب ۷) اور فرمایا: العبيد اخوانكم یہ عبید (غلام) تمہارے بھائی ہیں۔ (بخاری کتاب العتق باب ۱۵)

تاہم یہ بھی حدیث ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:
''تم میں سے کوئی شخص یہ نہ کہے:

اطعم ربك اپنے رب (آقا) کو کھلاؤ اور وَضِّئ رَبَّكَ اپنے رب (آقا) کو وضو کراؤ، اس کی بجائے یوں کہو سیدی و مولائی اور تم میں سے کوئی یہ نہ کہے عبدی و امتی، یعنی میرا عبد اور میری امت، بلکہ یوں کہے فتای وفتاتی و غلامی۔'' (بخاری کتاب العتق باب ۱۷۔ مسلم کتاب الالفاظ حدیث ۱۳)

اس لئے امام ابن بطال نے کہا یہ کہنا الرجل عبدی یہ شخص میرا عبد ہے۔ صحیح ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ ط اور حدیث میں جو نہی وارد ہے وہ کراہت کے لئے ہے حرمت کے لئے نہیں۔
(حاشیہ بخاری جلد اول صفحہ ۳۴۶ مطبوعہ کراچی)

خلاصہ یہ ہے کہ جو لوگ عبدالرسول یا عبدالنبی نام رکھنے کو شرک اور کفر بتاتے ہیں وہ سخت غلطی غلو فی الدین اور انتہاء پسندی پر ہیں تاہم احسن یہ ہے کہ اس کی بجائے عبداللہ اور عبدالرحمن وغیرہ نام رکھے جائیں۔

[30] یعنی جو رنڈوے مرد نکاح کی مالی ذمہ داریاں اٹھانے کی طاقت نہیں رکھتے مگر نکاح کے طلب گار ہیں یا جنہیں کوئی رشتہ نہیں مل رہا نہیں چاہئے کہ جب تک اللہ ان کے لئے فراخی نہیں لاتا وہ کسی گناہ میں ملوث نہ ہوں بلکہ اپنا دامن بچائے رکھیں۔

## اسلام میں متعہ کا کوئی وجود نہیں

اللہ تعالیٰ نے رنڈوے مردوں کو نکاح نہ کرسکنے کی صورت میں پاک دامن رہنے کا حکم فرمایا۔ یعنی اگر نکاح کا نعم البدل متعہ ہوتا جیسا کہ اہل تشیع سمجھتے ہیں تو اللہ رب العزت اسے بیان فرماتا اسی لئے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے نوجوانو! تم میں سے جو شادی کرسکتا ہے وہ ضرور شادی کرے اور جو نہیں کرسکتا وہ روزے رکھے یہ اس کے لئے بڑی حفاظت ہے۔'' (بخاری کتاب النکاح باب ۳)

اور یہ حدیث شیعہ مفسر ملا فتح اللہ کاشانی نے تفسیر صافی جلد 2 صفحہ 168 میں ذکر کی ہے۔ معلوم ہوا نکاح نہ ہوسکنے کی صورت میں متعہ کا کوئی جواز نہیں بلکہ خواہش نکاح کے دبانے کے لئے روزے رکھنے کا حکم ہے۔

[31] یعنی تمہارا جو غلام تم سے کتابت کا تقاضا کرے یعنی یہ کہے کہ میں تمہیں اتنا مال دیتا ہوں اس کے بدلے مجھے آزادی کی تحریر دے دی جائے تو اسے تحریر دے دو بلکہ اللہ کے دیئے ہوئے مال سے اس کی مدد بھی کرو یعنی جو مال طے پایا اس میں سے کچھ معاف کردو یا عام مسلمانوں سے کہا جارہا ہے کہ اللہ کے عطا کردہ مال سے ایسے غلام کی مالی مدد کرو تاکہ وہ آزادی حاصل کرلے بشرطیکہ تم اس میں بھلائی دیکھو یعنی اگر تم دیکھو کہ یہ کافر غلام آزاد ہو کر کفار کا مددگار بن جائے گا یا دوسرے گناہوں میں ملوث ہوگا تو اسے تحریر نہ دو۔ یاد رہے کہ ایسے غلام کو جسے مذکورہ تحریر دے دی جائے مکاتب کہا جاتا ہے۔

## اسلام نے غلامی کا سلسلہ ختم کرنے میں بڑا کردار ادا کیا ہے

معلوم ہوا کہ اسلام نے اس کی حوصلہ افزائی نہیں کی ہے۔ بلکہ اس کے مٹانے میں کوشش کی ہے۔ البتہ غلامی کی اجازت اس لئے دی گئی کہ دورِ نزولِ قرآن میں کفار سے جنگیں جاری تھیں جن میں کفار مسلمان قیدیوں کو غلام بنا لیتے تھے اگر اس کے مقابلہ میں کفار کو غلام نہ بنایا جاتا تو بڑا فساد لازم آتا۔ اہل اسلام گرفتار ہو کر کفار کے غلام بنتے رہتے اور

کفار آزاد ہوتے جاتے۔ مگر اس کیساتھ اللہ تعالیٰ نے غلاموں کو آزاد کرنے کی اس قدر رغبت دلائی اور اس قدر غلام آزاد کیے گئے کہ دھیرے دھیرے دنیا سے غلام ہی ناپید ہو گئے۔ یعنی اسلام نے غلامی کے ختم کرنے میں بڑا کردار ادا کیا ہے۔

[32] بے حیائی کے سد باب کے حوالہ سے دورِ نزول قرآن میں کفارِ عرب میں پائی جانے والی ایک غلیظ رسم کی سرکوبی کی جارہی اور مسلمانوں کو اس سے دور رہنے کی تاکید کی جارہی ہے۔ وہ یہ کہ اہل جاہلیت اپنی لونڈیوں سے جبراً زنا کرواتے تھے اور بڑے رئیسوں اور سرداروں کو لونڈیاں پیش کر کے ان سے سیاسی مراسم پیدا کرتے تھے اور جب لونڈیوں کو حمل ہو جاتا تو اس سے پیدا ہونے والا بچہ بھی ان کا غلام ہوتا اور وہ اسے بیچ کر مال کماتے۔ اسلام نے آ کر ان فواحش کا قلع قمع کر دیا۔

حضرت سدی سے مروی ہے کہ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی بن سلول کی ایک لونڈی تھی جب اس کے پاس کوئی بڑا مہمان آتا وہ اپنی لونڈی اسے پیش کرتا تاکہ بدلے میں اس سے بڑا معاوضہ حاصل کرے۔ اس لونڈی نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے اپنے دکھ کی فریاد کی۔ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ماجرا عرض کیا: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا عبداللہ کو قیمت دے کر اس سے لونڈی آزاد کروائی جائے۔ تب یہ آیت نازل ہوئی: وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ۔ (درمنثور جلد ۶ صفحہ ۱۹۳)

یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے لوگو! اپنی لونڈیوں کو بدکاری پر مت مجبور کرو جب وہ اپنا دامن پاک رکھنا چاہتی ہیں اور اگر تم ان کو جان سے مارنے کی دھمکی دے کر ان سے بدکاری کرواتے ہو تو اللہ انہیں معاف فرمائے گا۔ کیونکہ وہ مجبور تھیں۔ معلوم ہوا جس سے جبراً گناہ کروایا جائے اس کے لئے معافی کا دروازہ ہے اور گناہ اس کے سر آئے گا جو گناہ کروائے جیسے اگر سرکاری افسران کسی کو اس کا جائز حق رشوت لئے بغیر نہ دیں اور وہ رشوت دینے پر مجبور ہو جائے تو اسے رشوت دینے کا گناہ نہ ہوگا تاہم ایسے حرام خور افسران کے خلاف جہاد کرنا چاہئے۔

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ؕ

اللہ آسمانوں اور زمین کا روشن کرنے والا ہے۔[33] اس کے نور کی مثال ایک طاق جیسی ہے جس میں چراغ ہے۔

اَلْمِصْبَاحُ فِىْ زُجَاجَةٍ ؕ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّىٌّ يُّوْقَدُ مِنْ

وہ چراغ شیشے میں ہے، شیشہ ایسا ہے جیسے چمکتا ستارہ۔[34] یہ چراغ برکت والے درخت

شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ ۙ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِىْٓءُ وَلَوْ

زیتون (کے تیل) سے جلایا جاتا ہے جو نہ شرقی ہے نہ غربی ہے۔ قریب ہے کہ اس کا تیل خود بھڑک اٹھے

لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ؕ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ ؕ يَهْدِى اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَيَضْرِبُ

خواہ اسے آگ نہ چھوئے، یہ نور بالائے نور ہے، اللہ اپنے نور کے لئے جسے چاہے ہدایت دیتا ہے اور اللہ

اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيْمٌ ۙ﴿۳۵﴾

لوگوں کو مثالیں بیان فرماتا ہے اور اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔[35]

## دینِ محمدی کے نور کی چمکتے چراغ سے تشبیہ

[33] گزشتہ رکوعات میں اسلامی حدود اور اسلامی پردے کی بات کی گئی جو ایک دینی و ایمانی روشنی ہے اور جس قدر دینِ اسلام دنیا میں پھیلتا ہے اسی قدر جہالت کی تاریکی دور ہوتی اور علم و معرفت کا اجالا پھیلتا ہے۔ اس لئے اب دین محمدی کو چمکتے چراغ سے تشبیہ دی جارہی ہے تو فرمایا اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔

اب یہاں سوال ہے کہ نور ایک عرض ہے جو قائم بالغیر ہے جبکہ اللہ قائم بالذات بلکہ قیوم کائنات ہے۔ تو اللہ کو نور کیسے کہہ دیا گیا؟ اللہ کو تو نور والا کہنا چاہیے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ کے مختلف معانی بیان کئے گئے ہیں۔ اس کا ایک معنی یہ ہے کہ اللہ اہل ارض وسما کا ہدایت دینے والا ہے۔ دوسرا معنی یہ ہے کہ اللہ آسمان کو فرشتوں سے اور زمین کو انبیاء سے روشن کرنے والا ہے اور یہ معنی بھی کیا گیا ہے کہ اللہ آسمان و زمین کی تدبیر فرمانے والا ہے۔

[34] اللہ رب العزت کا وہ نور جس سے اس نے اہل ایمان کے دل روشن کئے، اسکی مثال یوں ہے جیسے دیوار میں ایک مشکوٰۃ (طاق یعنی خانہ) ہے جس میں مصباح (روشن چراغ) جل رہا ہے اور اس چراغ کے گرد ایک شیشہ لگا ہوا

ہے اور شیشہ اس قدر چمک دار ہے جیسے آسمان کا روشن ستارہ ہو۔ یعنی اس شیشے کی وجہ سے دیوار میں وہ چراغ یوں چمکتا نظر آ رہا ہے جیسے آسمان میں روشن ستارہ اور اس چراغ کو مبارک درخت زیتون سے تیل دیا گیا ہے اور وہ درخت بھی کسی شرقی یا غربی جگہ پر نہیں بلکہ کسی کھلے میدان یا پہاڑ کی چوٹی پر ہے تا کہ اسے ہر طرف سے ہوا اور روشنی ملے کیونکہ ایسے زیتون کے درخت کا تیل بہت عمدہ ہوتا ہے (اور جو درخت کسی پہاڑ کے مشرق یا مغرب میں ہو اسے نہ مکمل دھوپ ملتی ہے نہ مکمل ہوا اس سے نکلنے والا زیتون بہت عمدہ نہیں ہوتا) لہٰذا اس درخت زیتون کا تیل اس قدر عمدہ ہے کہ لگتا ہے خود ہی بھڑک اٹھے گا خواہ اسے آگ نہ بھی چھوئے جب ایسے عمدہ تیل سے وہ چراغ جلایا گیا ہے تو اس کی روشنی کا کیا کہنا۔

اب اس مثال کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت کعب الاحبار رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے فرمایا:

مَثَلُ نُوْرِ مُحَمَّدٍ ﷺ کمشکوۃ فیھا مصباح، یعنی نور محمد ﷺ کی مثال اس طاق کی سی ہے جس میں چراغ روشن ہو۔ آگے انہوں نے فرمایا کہ طاق سے مراد نبی کریم ﷺ ہیں، اس میں روشن چراغ آپ کا قلب مبارک ہے اور اس پہ شیشہ آپ کا صدر مبارک ہے اور آپ کے قلب مبارک کے چراغ کو نورِ نبوت کے تیل سے روشن کیا گیا ہے جو اس قدر عمدہ ہے کہ اگر آپ خود کو نبی نہ بھی کہیں تو قریب ہے کہ آپ کی صورت و سیرت ہی آپ کے نبی ہونے کی خبر دے دے (اور دیکھنے والا پکار اٹھے کہ یہ کسی رسول ہی کا چہرہ ہو سکتا ہے اور یہ کسی رسول ہی کی سیرت ہو سکتی ہے)

(تفسیر ابن جریر طبری جلد ۹ صفحہ ۳۲۳ حدیث ۲۶۱۰۰ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

اور یہ حقیقت ہے کہ حضور ﷺ کی نبوت بچپن ہی سے روشن ہو چکی تھی۔ آپ کی ولادت پہ آپ کی والدہ نے وہ نور دیکھا جس میں انہیں شام کے محلات نظر آ گئے۔ (ترمذی) آپ کی ولادت سے قبل آپ کے دادا جان حضرت عبدالمطلب کی پیشانی سے وہ نور نکلا جس کے آگے ابرہہ کے ہاتھی سرنگوں ہو گئے۔ (دلائل النبوۃ)

پھر بچپن میں آپ کا شق صدر کیا گیا، بارہ برس کی عمر میں آپ شام گئے تو بحیرا راہب نے آپکا ہاتھ پکڑ کر کہا، یہ بچہ رسول رب العالمین اور رحمۃ للعالمین بن کر مبعوث ہونے والا ہے۔ (ترمذی) اعلان نبوت سے قبل آپ کے چچا ابو طالب آپ کو دیوار کعبہ کے ساتھ کھڑا کر کے بارش کی دعا کرتے تو بارش برسنے لگتی تھی۔ (بخاری)

آپ سفر پہ جاتے تو بادل آپ پہ سایہ کرتا تھا، یہ سب اعلان نبوت سے قبل کی باتیں ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ کی نبوت کا چراغ ایسے تیل سے جلایا گیا ہے جو آگ دکھانے سے قبل ہی جل اٹھنے والا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔

مشکوٰۃ (طاق) حضور ﷺ کا باطن ہے۔ شیشہ آپ کا قلب ہے اور چراغ وہ نورِ نبوت ہے جو آپ کے قلب میں روشن ہے اور درخت زیتون جو نہ شرقی ہے نہ غربی، سے مراد ابراہیم علیہ السلام ہیں جو نہ یہودی ہیں نہ عیسائی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ

نے فرمایا: مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ط (آل عمران ۶۷) تو یہ چراغ نورٌ علی نور ہے کیونکہ قلب مصطفی ﷺ بھی نور ہے اور قلب ابراہیم علیہ السلام بھی نور ہے۔
(تفسیر بغوی جلد ۵ صفحہ ۷۸۔ درمنثور جلد ۶ صفحہ ۱۹۸، خازن جلد ۵ صفحہ ۷۸)

چراغ محمدی کے لئے ابراہیمی زیتون کے تیل کی بات اس لئے کی گئی کہ حضور ﷺ دین ابراہیمی کے وارث بن کر تشریف لائے اسی لئے آپ کے دین کو ملت ابراہیمی کہا گیا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے درخت زیتون سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مراد ہونے کو مزید یوں واضح کیا ہے کہ آپ نہ عیسائی ہیں نہ یہودی کیونکہ عیسائی مشرق کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے ہیں اور یہودی مغرب کی طرف (اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ۔ نیکی یہ نہیں کہ تم مشرق ومغرب کی طرف منہ پھیرو۔ (بقرہ ۱۷۷)

ان تفسیری اقوال کو امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس خوبصورت شعر میں سمو دیا ہے:

شمع دل مشکوٰۃ تن سینہ زجاجہ نور کا     تیری صورت کے لئے آیا ہے سورہ نور کا

اس آیت سے دو فوائد حاصل ہوئے:

(۱) نورانیت مصطفی ﷺ۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس آیت کو نور محمدی سے تعبیر قرار دیا جیسا کہ ابھی بیان ہوا اور بلاشبہ حضور سید عالم ﷺ کا جسم مبارک بھی سراپا نور ہے۔ اسی لیے آپ کے جسم منور کا سایہ نہ تھا۔

صحابی رسول حضرت ذکوان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

انّ رسولَ اللہ ﷺ لم یکن یُریٰ لہ ظِلٌّ فی شمسٍ ولا قمرٍ۔ ''نبی اکرم ﷺ کا سایہ نہ سورج کے سامنے ظاہر ہوتا تھا نہ چاند کے سامنے۔'' (خصائص کبریٰ جلد ۱ صفحہ ۶۸ باب ۳۴ بروایت حکیم ترمذی مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

اور اسی سورت کے دوسرے رکوع کے تحت گزر چکا ہے کہ جب سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پہ منافقین نے تہمت رکھی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسے جھوٹا قرار دیتے ہوئے ایمان افروز باتیں کہیں۔ ان میں سے عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا کہنا یہ تھا کہ یا رسول اللہ ﷺ اللہ نے آپ کے جسم مقدس کا سایہ نہیں بنایا، تاکہ اس پہ کسی انسان کا قدم نہ پڑے، جب اللہ کو آپ کا اس قدر لحاظ ہے تو وہ کسی ناپاک عورت کو آپ کے قریب کیسے آنے دے گا۔
(تفسیر مدارک التنزیل جلد ۳ صفحہ ۳۲۲ مطبوعہ دارالفکر بیروت، مدارج النبوت جلد ۲ صفحہ ۲۷۲ مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ لاہور)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

جب بھی رسول اللہ ﷺ سورج کے سامنے کھڑے ہوتے تو آپ کا نور سورج کے نور پہ غالب آجاتا۔ (الوفا باحوال المصطفیٰ لابن الجوزی صفحہ ۴۵۷)

اس کی مکمل تحقیق راقم الحروف کی کتاب ''عقائد اہل سنت'' تیسری فصل میں دیکھیں۔

(۲) درخت زیتون کی فضیلت:

یہاں زیتون کو شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ فرمایا گیا۔ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''زیتون کھایا کرو اور اس کا تیل لگایا کرو کہ یہ برکت والا درخت ہے۔'' (ابن ماجہ کتاب الاطعمہ باب ۳۴)

[35] یعنی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نورٌ علی نور ہیں مگر سب کو یہ نور نظر نہیں آتا بلکہ اللہ جسے چاہے اس نور کی طرف رہنمائی فرماتا ہے اور اللہ رہنمائی کے لئے مثالیں بیان فرماتا ہے جیسے اس نے ابھی طاق میں چراغ کی مثال بیان فرمائی۔

فِیۡ بُیُوۡتٍ اَذِنَ اللّٰہُ اَنۡ تُرۡفَعَ وَ یُذۡکَرَ فِیۡہَا اسۡمُہٗ ۙ یُسَبِّحُ لَہٗ فِیۡہَا

یہ نوران گھروں (مسجدوں) میں چمکتا ہے کہ اللہ نے انہیں بلند کرنے اور ان میں اپنے نام کے ذکر کیے جانے کا حکم فرمایا ہے۔[36]

بِالۡغُدُوِّ وَ الۡاٰصَالِ ﴿ۙ۳۶﴾ رِجَالٌ ۙ لَّا تُلۡہِیۡہِمۡ تِجَارَۃٌ وَّ لَا بَیۡعٌ عَنۡ ذِکۡرِ اللّٰہِ

وہاں ایسے مرد دن کے پہلے اور پچھلے پہر اللہ کی تسبیح کہتے ہیں جنہیں کوئی تجارت اور خرید وفروخت اللہ کے ذکر سے

وَ اِقَامِ الصَّلٰوۃِ وَ اِیۡتَآءِ الزَّکٰوۃِ ۪ۙ یَخَافُوۡنَ یَوۡمًا تَتَقَلَّبُ فِیۡہِ الۡقُلُوۡبُ

اور نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے سے غافل نہیں کرتی وہ اس دن سے ڈرتے ہیں جس میں دل اور آنکھیں

وَ الۡاَبۡصَارُ ﴿٭ۙ۳۷﴾ لِیَجۡزِیَہُمُ اللّٰہُ اَحۡسَنَ مَا عَمِلُوۡا وَ یَزِیۡدَہُمۡ مِّنۡ فَضۡلِہٖ ؕ

بدل جائیں گی۔ تاکہ اللہ انہیں ان کے عمل کی بہترین جزا دے اور ان پر اپنا مزید فضل فرمائے

وَ اللّٰہُ یَرۡزُقُ مَنۡ یَّشَآءُ بِغَیۡرِ حِسَابٍ ﴿۳۸﴾

اور اللہ جسے چاہے بے حساب عطا فرماتا ہے۔[37]

[36] یعنی قلب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صورت میں جو چراغِ نبوت روشن کیا گیا ہے اس کی روشنی کہاں نظر آتی ہے تو فرمایا یہ نوران گھروں (یعنی مسجدوں) میں روشن ہے جن کے بلند کرنے کا اور ان میں اللہ کے نام کے ذکر کئے جانے کا اللہ نے حکم فرمایا ہے۔ (مسجدوں کا بلند کرنا دونوں طرح سے ہے، ظاہری طور پر بلند کرنا، کہ ان کے اونچے منار بنائے جائیں اور روحانی طور پر بلند کرنا کہ انہیں صاف ستھرا رکھا جائے۔ وہاں خرید وفروخت، دنیوی گفتگو، شور وغل اور دیگر منافی آداب مسجد کاموں سے بچا جائے۔ یعنی ان کی عظمت اور قدر ومنزلت بلند کی جائے۔ اور مسجدوں کا بلند کرنا یہ بھی ہے کہ انہیں آباد کیا جائے اس طرح کہ نماز باجماعت کا شوق ہر مسلمان کے دل میں موجزن ہوجائے۔

[37] یعنی ان گھروں (مسجدوں) میں مردانِ خدا صبح وشام اللہ کی تسبیح کہتے ہیں مطلب یہ کہ نمازِ پنجگانہ کا اہتمام کرتے ہیں۔ غُدُوٌّ صیغہ واحد ہے یعنی صبح کا وقت اور آصال اصیلٌ کی جمع ہے یعنی شام کے اوقات، کیونکہ صبح کے وقت ایک نماز ہے نماز فجر اور شام کے وقت یعنی پچھلے پہر چار نمازیں ہیں۔ اس لیے صبح کو بصورت واحد اور شام کو بصورت جمع لایا گیا۔ اور یسبح له فیها اس لیے فرمایا گیا کہ نماز میں بکثرت تسبیح کہی جاتی ہے جیسے سبحانك اللهم وبحمدك، سبحان ربی العظیم سبحان ربی الاعلیٰ اور نماز کے بعد کہی جانے والی تسبیحات وغیرہ۔

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ۔ الخ یعنی یہ مردانِ خدا اس لئے مسجدوں میں نماز ادا کرنے آتے ہیں کہ انہیں کوئی تجارت اور خرید وفروخت اللہ کے ذکر اور اقامتِ صلوٰۃ اور ادائیگی زکوٰۃ سے روک نہیں سکتی کیونکہ ان کے دل میں روز قیامت کا ڈر ہے۔ یعنی وہ دن جب لوگوں کے دل اور ان کی آنکھیں بدل جائیں گی یعنی سب عزیز رشتہ دار اور احباب آنکھیں پھیر لیں گے کوئی کسی کے کام نہ آئے گا۔ (سوا پرہیز گاروں کے) اس لئے وہ مسجدوں میں نماز پنجگانہ کی حاضری دے کر اس دن کی کامیابی کے لئے تیاری کرتے ہیں۔

اس آیت سے تین فوائد حاصل ہوئے۔

(۱) نماز باجماعت کی اہمیت۔

اس آیت میں مسجدوں میں آ کر نماز پڑھنے والوں کی تعریف کی گئی۔ اس لئے کہ مسجد میں نماز ادا کرنے کی فضیلت گھر میں نماز پڑھنے پر بہت زیادہ ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''آدمی کی نماز با جماعت اپنے گھر میں نماز پڑھنے پر پچیس درجہ فضیلت رکھتی ہے۔'' (بخاری کتاب الاذان باب ۳۰)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اللہ نے ہدایت کے لیے تمہارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقے جاری کیے ہیں۔ ان میں نماز باجماعت بھی ہے۔ اگر تم بیماروں کی طرح گھر میں نماز پڑھنے لگو تو تم نے اپنے نبی کا طریقہ چھوڑ دیا۔ اور یوں تم گمراہ ہو جاؤ گے اور ہم نے وہ وقت بھی دیکھا ہے کہ نماز باجماعت سے منافق ہی پیچھے رہتا تھا، صحابہ میں سے اگر کوئی بیمار ہوتا تو وہ دو آدمیوں کے سہارے مسجد میں پہنچ جاتا اور اسے صف میں کھڑا کر دیا جاتا۔'' (مسلم کتاب المساجد حدیث ۲۵۷)

سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے عشاء کی نماز باجماعت پڑھی اسے نصف شب عبادت کا ثواب دیا جائے گا اور جس نے (اس کے بعد) فجر بھی جماعت کے ساتھ پڑھی اسے تمام رات عبادت کا ثواب دیا جائے گا۔'' (ترمذی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''منافقوں پہ سب سے بھاری نمازیں عشاء اور فجر ہیں اور اگر انہیں ان کی فضیلت کا علم ہوتا تو وہ گھٹنوں کے بل بھی چل کر مسجد میں ضرور آتے اور میں چاہتا ہوں کہ اپنی جگہ کسی کو مصلیٰ پہ کھڑا کروں اور کچھ لوگوں کے سروں پہ لکڑیاں اٹھوا کر

انہیں ساتھ لیجاؤں اور ان لوگوں کے گھروں کو آگ لگادوں جو نماز کے لیے (مسجد میں) نہیں آئے۔''
(بخاری کتاب الاذان باب ٢٩)

(٢) عورت کی نماز مسجد کی بجائے گھر میں افضل ہے

يُسَبِّحُ لَهٗ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ۝٣٦ سے معلوم ہوا کہ مردوں ہی کا مسجد میں آنا عند اللہ محبوب ہے۔ رہی عورتیں تو ان کا آنا اگرچہ جائز ہے مگر افضل یہ ہے کہ عورت گھر میں نماز پڑھے۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''عورتوں کی نماز کے لئے سب سے بہتر جگہ ان کے گھر کی بند کوٹھڑی ہے۔'' (مسند احمد جلد ٦ صفحہ ٢٩٧)
تاہم عورتوں کو مسجد میں آنے سے روکنا نہیں چاہیے کہ اس سے حدیث میں نہی وارد ہوئی ہے۔ البتہ از خود عورتوں کو احساس ہونا چاہیے کہ ان کے لیے گھر میں نماز کا ثواب زیادہ ہے۔

(٣) کاروبار چھوڑ کر نماز پڑھنا سب سے افضل نماز ہے

لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ سے معلوم ہوا کہ عین تجارت کے درمیان سے اٹھ کر نماز کے لئے مسجد میں پہنچنا بندے کی وہ ادا ہے جس کی تعریف اللہ قرآن میں فرماتا ہے۔ حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''روز قیامت ندا آئے گی کون ہیں وہ لوگ جنہیں تجارت اور بیع اللہ کے ذکر سے نہیں روکتی تھی تو وہ اٹھیں گے اور بلا حساب جنت میں چلے جائیں گے۔''
(تفسیر ابن ابی حاتم جلد ٨ صفحہ ٢٦١٠ حدیث ١٤٦٦٣)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دیکھا کہ وہ بازار میں خرید و فروخت میں مصروف تھے۔ مگر جیسے ہی اذان کی آواز آئی تو سب اپنی خرید و فروخت کو چھوڑ کر مسجد کی طرف دوڑ پڑے۔ آپ نے فرمایا: یہی وہ لوگ ہیں جن کی تعریف اللہ نے یوں فرمائی ہے: لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ
(ابن ابی حاتم جلد ٨ صفحہ ٢٦٠٧ حدیث ١٤٦٦٤)

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً ۚ حَتّٰٓى

اور جنہوں نے کفر کیا ان کے اعمال ایسے ہیں جیسے کھلے صحراء میں چمکتی ریت، جسے پیاسا آدمی (دور سے) پانی سمجھتا ہے۔ یہاں تک کہ

اِذَا جَآءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْـًٔا وَّوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ ۭ وَاللّٰهُ

جب کافر اس کے پاس آئے گا تو اسے کچھ نہ پائے گا اور وہاں اللہ کو پائے گا جو اس سے پورا پورا حساب لے گا اور اللہ

سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝ اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِيْ بَحْرٍ لُّـجِّيٍّ يَّغْشٰـىهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ

جلد حساب لینے والا ہے۔[38] یا (کافر کے اعمال) طوفانی سمندر میں تاریکیوں کی طرح ہیں جسے موج نے

مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ۭ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ۭ اِذَآ اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ

ڈھانپا ہے اس کے اوپر پھر موج ہے اس کے اوپر بادل ہیں۔ اوپر تلے تاریکیاں ہیں جب وہ اپنا ہاتھ نکالے تو قریب نہیں کہ اسے

يَكَدْ يَرٰىهَا ۭ وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ۝ ع

دیکھ سکے۔ اور جس کے لئے اللہ نور نہ بنائے اس کے لئے کوئی نور نہیں۔[39]

ع ۵ / ۱۱

[38] مومنین کے مسجدوں میں آ کر نماز پڑھنے کا اجر بتانے کے بعد اب کفار کی عبادات و صدقات اور دیگر نیکیوں کے ضیاع پر روشنی ڈالی جارہی ہے تو فرمایا کہ کفار کے اعمال ایسے ہیں جیسے پیاسے شخص کو ریگستان میں دور سے چمکتی ریت پانی کی طرح نظر آتی ہے مگر جب وہ قریب جاتا ہے تو وہاں گرم ریت کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ یہی حال کافر کا ہے روز قیامت اسے اپنے اعمال کی بربادی پر وہی حسرت و مایوسی ہوگی جو پیاسے کو پانی کی بجائے ریت دیکھ کر ہوتی ہے۔ وہاں انہیں اعمال کا اجر تو نہیں ملے گا مگر اللہ وہاں ضرور ہوگا جو ان کے کفر و شرک اور اسلام دشمنی کی انہیں پوری سزا دے گا اور وہ جلد حساب لینے والا ہے جو ساری مخلوق سے چھ گھنٹے میں حساب لے لے گا۔

[39] کفار کے اعمال کی بربادی اور ان کی گمراہی کی دوسری مثال یوں ہے کہ جیسے طوفانی سمندر کی تہہ جس کے اوپر موج پہ موج چڑھی ہے۔ اس کی تہہ میں شدید تاریکی ہے۔ کیونکہ سمندر کی تہہ خود ہی بے حد تاریک ہے پھر اس پر موج پہ موج چڑھ آئے پھر اس کے اوپر بادل چھا جائیں تو تاریکیاں تہہ در تہہ گہری ہو جاتی ہیں۔ یہی حال کفار کی گمراہی کا ہے کہ وہ خود گمراہ، ان کے آباء و اجداد گمراہ اور آس پاس کے سب اقرباء اور دوست گمراہ۔ اب ان میں سے روشنی اسے ہی مل سکتی ہے جسے اللہ روشنی دے۔ اور جسے اللہ روشنی نہ دے اسے کہیں سے روشنی نہیں مل سکتی۔ مروی ہے کہ یہ آیت عتبہ بن ربیعہ بن اُمیہ کے بارے میں اتری وہ جاہلیت میں سچے دین کی تلاش کرتا تھا وہ ٹاٹ کے کپڑے پہنتا تھا مگر جب نور

محمدی کا ظہور ہوا تو وہ کفر میں مبتلا ہو گیا۔ (بغوی جلد ۵ صفحہ ۸۲)

یہی حالت یہود کی ہے وہ ظہور نور محمدی ﷺ سے قبل آپ ﷺ کی آمد کا انتظار کرتے تھے مگر آپ ﷺ کی تشریف آوری پر وہ آپ کے دشمن ہو گئے اور مدینہ طیبہ کے بت پرستوں کو نورِ ایمان مل گیا اور وہ انصار کہلائے۔ گویا ہدایت کی روشنی اسے ہی ملتی ہے جسے اللہ دینا چاہے۔

| |
|---|
| اَلَمۡ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنۡ فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَالطَّيۡرُ صٰٓفّٰتٍ ؕ |
| کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ ہی کے لیے تسبیح کہتا ہے جو بھی آسمانوں اور زمین میں ہے۔ |
| كُلٌّ قَدۡ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسۡبِيۡحَهٗ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌۢ بِمَا يَفۡعَلُوۡنَ ﴿۴۱﴾ وَلِلّٰهِ |
| اور پرندے پر پھیلائے ہوئے اس کی تسبیح کہتے ہیں۔ ہر مخلوق اپنی نماز اور اپنی تسبیح سے واقف ہے اور اللہ |
| مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ۚ وَاِلَى اللّٰهِ الۡمَصِيۡرُ ﴿۴۲﴾ اَلَمۡ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُزۡجِىۡ |
| ان کے افعال سے واقف ہے۔ اور اللہ ہی کے لئے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے اور اللہ ہی کی طرف |
| سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيۡنَهٗ ثُمَّ يَجۡعَلُهٗ رُكَامًا فَتَرَى الۡوَدۡقَ يَخۡرُجُ مِنۡ |
| سب نے پلٹنا ہے۔ [40] کیا تم نے نہ دیکھا کہ اللہ بادلوں کو خراماں خراماں چلاتا ہے پھر انہیں جمع کرتا پھر انہیں تہہ بہ تہہ |
| خِلٰلِهٖ ۚ وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مِنۡ جِبَالٍ فِيۡهَا مِنۡۢ بَرَدٍ فَيُصِيۡبُ بِهٖ مَنۡ |
| کر دیتا ہے پھر تم دیکھتے ہو کہ اس کے اندر سے پانی بہہ نکلتا ہے اور اللہ آسمان سے برف کے پہاڑ جو اس میں ہیں اتارتا ہے |
| يَّشَآءُ وَيَصۡرِفُهٗ عَنۡ مَّنۡ يَّشَآءُ ؕ يَكَادُ سَنَا بَرۡقِهٖ يَذۡهَبُ بِالۡاَبۡصَارِ ﴿۴۳﴾ |
| پھر اسے جن لوگوں پر چاہے پہنچا دیتا ہے اور جن سے چاہے پھیر دیتا ہے۔ قریب ہے کہ اس کی بجلی کی چمک آنکھیں ضائع کر دے۔ [41] |
| يُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّيۡلَ وَالنَّهَارَ ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَعِبۡرَةً لِّاُولِى الۡاَبۡصَارِ ﴿۴۴﴾ |
| اللہ رات دن کو ادل بدل کر رہا ہے، بے شک اس میں آنکھوں والوں کے لیے عبرت ہے۔ [42] |

## اللہ کا ہر چیز پہ حق مالکیت و رازقیت

[40] گزشتہ رکوع میں نورِ محمدی ﷺ کو چراغ سے تشبیہ دی گئی اور اہل مساجد کی فضیلت بتائی گئی۔ اب اللہ رب

العزت اپنی قدرتیں اور عظمتیں بیان کر کے اپنے بندوں کو عبادت کی طرف متوجہ فرما رہا ہے تاکہ ان کے دل میں اپنے خالق و مالک کے حضور سجدہ ریز ہونے اور مسجدوں کی طرف کشاں کشاں آنے کی رغبت پیدا ہو۔ تو فرمایا کہ آسمان و زمین کی ہر چیز اللہ کی تسبیح کہتی ہے۔ مَنۡ فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ میں مَنۡ برائے ذوی العقول ہے مگر اس جگہ یہ ذوی العقول اور غیر ذوی العقول سب کو شامل ہے کیونکہ دوسری جگہ فرمایا گیا سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ (صف ۱) اور فرمایا گیا: وَاِنۡ مِّنۡ شَیۡءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمۡدِهٖ۔ (اسراء ۴۴)

اگر کہا جائے کہ کفار بھی مَنۡ فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ میں شامل ہیں مگر وہ کس طرح اللہ کی تسبیح کہتے ہیں تو جواب یہ ہے کہ قدرت خداوندی کے سامنے ان کی بے کسی و بے بسی ان کی زبان حال سے تسبیح الٰہی ہے اور ان کے سائے زمین پہ دائیں بائیں جھک کر اللہ کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہوتے ہیں یَّتَفَیَّؤُا ظِلٰلُهٗ عَنِ الۡیَمِیۡنِ وَالشَّمَآئِلِ سُجَّدًا لِّلّٰهِ۔ ''ہر چیز کا سایہ دائیں بائیں جھک کر اللہ کو سجدہ کرتا ہے۔'' (نحل، آیت: ۴۸)

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ پرندے پَر پھیلائے ہوئے اللہ کی تسبیح کہتے ہیں اور پرندے ہی نہیں ہر چیز کو اپنی صلوٰۃ یعنی طریقہ عبادت اور اپنی تسبیح کا علم ہے یعنی اللہ نے ہر مخلوق کو الگ ذکر عطا فرمایا ہے۔ چڑیوں کے چہچہے، بلبلوں کی آہ و فغاں، کوئل کے نغمے، کلیوں کا تبسم، موجوں کی روانی اور پہاڑوں کی بلندی سب اللہ ہی کی حمد و ثناء ہے اور اللہ سب کے حال سے آگاہ ہے۔ کیونکہ کائنات ارضی و سماوی میں اسی کی حکومت ہے اور سب نے اسی کی طرف پلٹنا ہے لہٰذا ہر کوئی اس کی تسبیح میں منہمک ہے معلوم ہوا جب ہر مخلوق اللہ کی عبادت و تسبیح میں لگی ہوئی ہے تو اشرف المخلوقات انسان کا اس کی عبادت سے منہ موڑنا کس قدر افسوسناک ہے۔

[41] اللہ تعالیٰ اپنے مستحق عبادت ہونے کی ایک دلیل بیان فرما رہا ہے کہ کیا تم دیکھتے نہیں کہ اللہ بادلوں کو ہوا کے دوش پر آہستہ آہستہ چلا کر لاتا ہے پھر انہیں اکٹھا کر کے انہیں تہہ بہ تہہ گہرا بادل بنا دیتا ہے پھر اس سے پانی برسنے لگتا ہے اور پانی سے ہر جاندار مخلوق کی زندگی وابستہ ہے۔ پانی نہ برسے تو دریا خشک، کنوئیں بند اور چشمے خاموش ہو جائیں۔ تو اللہ کے سوا کون ہے جو کروڑوں اربوں ٹن وزنی بادل بناتا اور ان سے پانی برساتا ہے۔

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَیُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مِنۡ جِبَالٍ فِیۡهَا مِنۡۢ بَرَدٍ. یعنی یہ بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے کہ بادلوں میں برف کے پہاڑ ہوتے ہیں جن سے زمین پر اولے پڑتے ہیں اور اللہ برف کے پہاڑوں کو جس قوم کی طرف چاہے لے جاتا ہے اور ان کی فصلیں تباہ ہو جاتی ہیں اور جس قوم سے چاہے ان کا رخ موڑ دیتا ہے اور وہ بچ جاتے ہیں۔ لہٰذا ہر وقت اس سے ڈرتے رہنا اور اس کی عبادت میں لگے رہنا چاہئے۔ آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بادلوں ہی

میں بجلی چمکتی ہے جو اس قدر روشن ہوتی ہے کہ ممکن ہے دیکھنے والوں کی آنکھیں اُچک لے تو پانی اور برف میں یہ آگ کہاں سے آئی ؟ یہ قدرتِ خداوندی نہیں تو کیا ہے۔

[42] اللہ ہی رات دن کو پھیر پھیر کر لا رہا ہے یعنی سلسلہ شب و روز اور نظام شمس و قمر اسی کے حکم سے چل رہا ہے۔ اس میں لامذہبیت کا مکمل رد ہے۔ تو جو لوگ خود کو مسلمان کہلانے کے باوجود غیر اسلامی نظریات سے متاثر اور اللہ کے بارے میں شکوک و شبہات کے قائل ہیں کیا وہ قرآن کا مطالعہ نہیں کرتے ؟۔ اگر وہ قرآن نہیں پڑھتے تو کم از کم اپنی عقل پہ زور دیں کہ جب ایک ادنیٰ سی مشین کسی کے چلائے بغیر از خود نہیں چلتی تو اتنا بڑا نظام شمسی اور سلسلہ شب و روز کسی تفاوت کے بغیر ایک لمحہ کی تقدیم و تاخیر سے پاک ہزاروں برس سے کیسے از خود چل رہا ہے۔

وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى بَطْنِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ

اور اللہ نے ہر جانور کو پانی سے پیدا کیا تو ان میں سے کوئی جانور اپنے پیٹ پہ چلتا ہے اور کوئی

مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى رِجْلَيْنِ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰٓى اَرْبَعٍ ؕ يَخْلُقُ اللّٰهُ

دو پاؤں پہ چلتا ہے اور کوئی چار پاؤں پہ چلتا ہے اللہ جو چاہے پیدا کرے۔ بے شک اللہ

مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۴۵﴾ لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ ؕ

ہر چیز پر قادر ہے [43] بلاشبہ ہم نے واضح آیات نازل فرمائیں اور اللہ جسے چاہے سیدھے راستہ

وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۴۶﴾ وَيَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ

کی طرف ہدایت فرماتا ہے اور منافقین کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور رسول پر

وَبِالرَّسُوْلِ وَاَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ؕ وَمَآ

ایمان لائے اور ان کا حکم مانا پھر ان میں سے ایک گروہ اس کے بعد منہ پھیر لیتا ہے اور وہ لوگ

اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾ وَاِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اِذَا

مومن نہیں ہیں۔[44] اور جب انہیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جائے تاکہ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَاِنْ يَّكُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ يَاْتُوْٓا اِلَيْهِ

ان کے مابین فیصلہ کردیں تو ان میں سے ایک گروہ منہ پھیر لیتا ہے اور اگر ان کے حق کی بات ہو تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف

مُذْعِنِيْنَ ﴿۴۹﴾ ؕ اَفِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَمِ ارْتَابُوْٓا اَمْ يَخَافُوْنَ اَنْ يَّحِيْفَ

دوڑے آتے ہیں۔[45] کیا ان کے دلوں میں مرض ہے یا ان کو شک ہوگیا ہے یا وہ ڈرتے ہیں کہ اللہ

اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَرَسُوْلُهٗ ؕ بَلْ اُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۵۰﴾ ع

اور اس کا رسول ان پر ظلم کریں گے؟ نہیں بلکہ وہی ظالم ہیں۔[46]

ع ۶ الثلثۃ ۱۲

[43] اللہ تعالیٰ نے ہر جانور کو پانی سے پیدا کیا کیونکہ ہر جانور نطفہ کے پانی سے پیدا ہوتا ہے اور گندگی میں پیدا ہونے والے حشرات الارض کی پیدائش میں بھی پانی کا دخل ہے اگر گندگی میں نمی نہ ہوتو کوئی کیڑا پیدا نہ ہو سکے۔ پھر زمین پہ چلنے والے جانوروں میں سے کوئی جانور اپنے پیٹ پر چلتا ہے جیسے سانپ اور سانپ جیسی چیزیں۔ بعض جانور دو پاؤں پہ چلتے ہیں جیسے مرغیاں، شترمرغ اور پرندے اور انسان بھی زمین پہ دوقدموں ہی سے چلتا ہے حقیقت میں وہ بھی ایک دابۃ ہے۔ اور بعض جانور چار قدموں پہ چلتے ہیں جیسے گھوڑے، خچر، گدھے، اونٹ وغیرہ۔ اسی سے لفظ چوپائے نکلا یعنی چار پاؤں والے جانور۔ تو اللہ جو چاہے پیدا کرے اس نے جسے جس طرح چاہا پیدا کر دیا یہ اس کی قدرت ہے۔ اللہ کے نہ ماننے والوں کے لئے یہاں بڑی عبرت ہے۔

اللہ کے منکرین کہتے ہیں ہر چیز کو فطرت پیدا کرتی ہے مگر سوال یہ ہے کہ فطرت کا تقاضا تو ایک جیسا ہوتا ہے جیسے انسان کی فطرت جس قسم کا کھانا کھانے کا تقاضا کرتی ہے وہ اس سے بدل نہیں سکتی کوئی انسان جانوروں کی طرح چارہ کھانے کی طرف رغبت نہیں رکھ سکتا اور کوئی جانور انسانوں جیسا کھانا کھانے کی طرف متوجہ نہیں ہوسکتا یعنی فطرت اپنا تقاضا بدل نہیں سکتی۔ اگر جانوروں کو فطرت نامی کوئی خیالی چیز پیدا کرتی ہے تو اس نے سب جانوروں کو ایک جیسا کیوں نہ بنایا۔

[44] یعنی اللہ تعالیٰ نے قرآن کی صورت میں واضح آیات اتاری ہیں مگر اس کے باوجود منافقین کے دلوں میں قرآن نہیں اترا۔ وہ زبان سے کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے ہیں مگر جب ان میں سے کسی گروہ کے مفاد میں زد پڑے تو وہ منہ پھیر کر چل دیتے ہیں دراصل وہ اللہ و رسول پر ایمان نہیں رکھتے وہ اپنے مفادات پر ایمان رکھتے ہیں۔

[45] حضرت حسن بصری ؓ سے مروی ہے کہ یہ آیات منافقین مدینہ میں سے ایک شخص کے بارے میں اتری۔ اگر اس کا کسی شخص سے جھگڑا ہو جاتا اور وہ منافق حق پر ہوتا تو وہ نبی اکرم ﷺ سے فیصلہ کرواتا اور اگر وہ ظالم ہوتا اور اسے کہا جاتا کہ چلو نبی کریم ﷺ سے فیصلہ کرواتے ہیں تو وہ منہ پھیر لیتا اور کہتا کہ فلاں شخص سے فیصلہ کرواتے ہیں۔ (اس سے یہودی سردار کعب بن اشرف مراد ہے) (درمنثور جلد ۶ صفحہ ۲۱۳)

یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا منافقین کا یہ حال ہے کہ اگر انہیں اللہ و رسول کے فیصلے کی طرف بلایا جائے تو وہ منہ موڑ لیتے ہیں لیکن اگر بات ان کے حق کی ہو تو پھر رسولِ خدا ﷺ کی طرف دوڑتے آتے ہیں۔ معلوم ہوا صرف مقصد کی نیکی کرنا منافقین کا کام ہے۔

[46] اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا ان منافقین کے دل میں کفر کا مرض ہے یا اب انہیں کوئی نیا شک پڑ گیا ہے یا وہ سمجھتے ہیں کہ اللہ و رسول ان سے انصاف نہیں کریں گے حالانکہ وہ تو کسی پر ظلم نہیں کرتے بلکہ منافقین خود ہی ظلم کرنے والے ہیں۔

اِنَّمَا كَانَ قَوۡلَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ اِذَا دُعُوۡۤا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ لِيَحۡكُمَ بَيۡنَهُمۡ

مومنوں کی بات تو یہی ہے کہ جب انہیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جائے تاکہ رسول ان کے درمیان فیصلہ فرمائے

اَنۡ يَّقُوۡلُوۡا سَمِعۡنَا وَاَطَعۡنَا ؕ وَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ﴿۵۱﴾ وَمَنۡ يُّطِعِ اللّٰهَ

تو وہ کہہ دیں کہ ہم نے حکم سنا اور مان لیا اور وہی لوگ کامیاب ہیں۔[47] اور جو شخص اللہ

وَرَسُوۡلَهٗ وَيَخۡشَ اللّٰهَ وَيَتَّقۡهِ فَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الۡفَآئِزُوۡنَ ﴿۵۲﴾ وَاَقۡسَمُوۡا بِاللّٰهِ

اور اس کے رسول کی اطاعت کرے اور اللہ سے ڈرے اور اس کی نافرمانی سے بچے تو یہی لوگ مقصد پانے والے ہیں۔[48]

جَهۡدَ اَيۡمَانِهِمۡ لَـئِنۡ اَمَرۡتَهُمۡ لَيَخۡرُجُنَّ ؕ قُلۡ لَّا تُقۡسِمُوۡا ۚ طَاعَةٌ مَّعۡرُوۡفَةٌ ؕ

اور منافقوں نے نام خدا پر مضبوط قسمیں اٹھائیں کہ اگر آپ انہیں حکم دیں تو وہ (جہاد کے لیے) ضرور نکلیں گے۔آپ فرمادیں قسمیں نہ اٹھاؤ،

اِنَّ اللّٰهَ خَبِيۡرٌۢ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۵۳﴾ قُلۡ اَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَاَطِيۡعُوا الرَّسُوۡلَ ۚ

بھلائی والی اطاعت مطلوب ہے۔[49] اللہ تمہارے اعمال سے خبردار ہے۔آپ فرمادیں کہ اللہ اور رسول کی اطاعت کرو۔

فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَاِنَّمَا عَلَيۡهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيۡكُمۡ مَّا حُمِّلۡتُمۡ ؕ وَاِنۡ تُطِيۡعُوۡهُ

پھر اگر تم منہ پھیر و تو رسول پر اس کی ذمہ داری لازم ہے اور تم پر تمہاری ذمہ داری، اور اگر تم اس کی اطاعت کرو تو

تَهۡتَدُوۡا ؕ وَمَا عَلَى الرَّسُوۡلِ اِلَّا الۡبَلٰغُ الۡمُبِيۡنُ ﴿۵۴﴾

ہدایت پالو گے۔اور رسول ﷺ کے ذمے تو صرف کھلے طور پر حکم کا پہنچانا ہے۔[50]

## اطاعتِ خداوندی اور اطاعت رسول ﷺ کا حکم

[47] گزشتہ آیات میں منافقین کی اللہ اور اس کے رسول سے نافرمانی بتائی جارہی تھی اب مومنین کی اللہ ورسول سے اطاعت بتائی جارہی ہے کہ جب اُنہیں عوت دی جائے کہ آؤ اللہ کے رسول ﷺ تمہارے درمیان فیصلہ فرمائیں تو وہ پکار اُٹھتے ہیں کہ ہم نے اللہ ورسول کا حکم دل کے کانوں سے سن کر اس کے آگے سر تسلیم خم کر دیا ہے۔

یہاں سے تین فوائد حاصل ہوئے:

(۱) کتاب وسنت کی حاکمیت

یعنی تا قیامت مومنین کا یہی طریقہ ہے کہ وہ اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت کی روشنی میں اپنے ہر جھگڑے کا فیصلہ کرتے ہیں۔لہذا کتاب وسنت کے ہوتے ہوئے وہ کسی اور قانون وآئین کو نہیں مانتے، نہ ہی کسی غیر اسلامی قانون کو اسلامی قانون پہ بالادستی دیتے ہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ اسلامی کورٹ کے جاری کردہ فیصلہ کو کسی غیر شرعی کورٹ میں چیلنج نہیں کیا جاسکتا۔

(۲) مومنوں کی کامیابی کا راز۔

وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کی کامیابی اللہ ورسول کی اطاعت میں ہے۔آج ہماری ذلت ونامرادی کا یہی سبب ہے کہ ہم نے اللہ ورسول کی اطاعت سے منہ موڑ لیا ہے۔ اگر آج بھی ہم ان کی غلامی واطاعت کا پٹہ گلے میں ڈال لیں تو ہر میدان میں کامیابی ہمارے قدم چومنے کو تیار ہے۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے خوب فرمایا۔ ؎

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں  یہ جہاں چیز ہے کیا لوح وقلم تیرے ہیں

(۳) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا جذبہ اطاعتِ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اِنَّمَا كَانَ قَوۡلَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ کے الفاظ اگرچہ تا قیامت سارے مومنوں کو شامل ہیں مگر یہ صحابہ کرام کے حق میں اترے اور بلاشبہ صحابہ کرام نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کا حق ادا کر دیا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما حج پر گئے تو انہوں نے میدان عرفہ میں اونٹنی کو ایک جگہ گھمایا لوگوں نے پوچھا یہ کیا؟ آپ رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس جگہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حج کے دن میدان عرفہ میں اپنی اونٹنی گمائی تھی میں نے ان کی سنت پوری کی ہے۔

[48] یعنی جو شخص اللہ ورسول کی اطاعت کرے اور اللہ کی نافرمانی سے بچے تو یہ لوگ دنیا وآخرت میں اپنا مقصد پا گئے۔

یہاں سے چار فوائد حاصل ہوئے:

(۱) ختم نبوت۔

اس رکوع میں اِذَا دُعُوۡۤا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ (آیت ۵۱) وَمَنۡ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ۔ (آیت ۵۲) قُلۡ اَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَاَطِيۡعُوا الرَّسُوۡلَ ۚ فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَاِنَّمَا عَلَيۡهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيۡكُمۡ مَّا حُمِّلۡتُمۡ ؕ وَاِنۡ تُطِيۡعُوۡهُ تَهۡتَدُوۡا ؕ (آیت ۵۴) اور وَاَطِيۡعُوا الرَّسُوۡلَ۔ (آیت ۵۶) کے الفاظ میں پانچ بار اطاعتِ مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم دیا گیا۔

معلوم ہوا اللہ کے بعد صرف آپ کی اطاعت ہی مسلمانوں پہ لازم ہے باقی سب امت خواہ صحابہ ہوں یا دوسرے لوگ سب مبلغ ہیں حتیٰ کہ عیسیٰ علیہ السلام بھی مبلغ ہی بن کر آئیں گے۔ اطاعت صرف اللہ عزوجل اور محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہے۔

اب اگر رسول اللہ ﷺ کے بعد کوئی اور رسول مانا جائے تو سوال یہ ہے کہ آپ کا حکم چھوڑ کر اس کا حکم مانا جا سکتا ہے یا نہیں۔ اگر نہیں مانا جا سکتا تو پھر وہ رسول ہی نہیں کیونکہ رسول تو اطاعت ہی کے لیے بھیجا جاتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ ''ہم کسی رسول کو اسی لیے بھیجتے ہیں تا کہ حکم الٰہی سے اس کی اطاعت کی جائے۔'' (نسآء، ۶۴)

جب اس کی اطاعت لازم نہیں تو وہ رسول ہی نہیں اور اگر رسول اللہ ﷺ کا حکم چھوڑ کر اس نئے نبی کا حکم مانا جا سکتا ہے تو پھر اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ کے حکم کو منسوخ ماننا پڑے گا۔ بلکہ اس مفہوم کی تمام آیات کو منسوخ ماننا پڑے گا اور کہنا پڑے گا کہ اب رسول اللہ ﷺ کی اطاعت ختم ہوگئی ہے بلکہ نئے رسول کی اطاعت لازم ہوگئی ہے اور آپ کی اطاعت کو لازم نہ ماننا آپ کی رسالت سے نفی کرنا ہے۔

پھر یہاں بار بار رسولہٗ اور الرسول کہا گیا۔ اور یہ دونوں معرفہ کے صیغے ہیں جو ایک ہی ذات پہ بولے جا سکتے ہیں۔ معلوم ہوا قرآن کے مخاطبین میں آپ ﷺ کے سوا لفظ رسول کا کوئی مصداق نہیں۔ اگر کوئی اور مصداق بھی ہوتا تو وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ اور مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ کہا جاتا۔

(۲) حجیت حدیث

اللہ ورسول دونوں کی اطاعت کا حکم دے کر بتایا گیا کہ اللہ تعالیٰ کی طرح نبی کا ہر حکم واجب الاطاعت ہے۔ مگر سب سے پہلے پرویز فرقہ نے اس سے انکار کرتے ہوئے کہا کہ ہمیں صرف قرآن کافی ہے حدیث کی ضرورت نہیں۔ حالانکہ حدیث رسول بھی اصل میں حکم خدا ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ ''جو رسول کی اطاعت کرے اس نے اللہ کی اطاعت کی۔'' (نساء ۸۵)

(۳) عصمت رسول اللہ ﷺ

رسول اللہ ﷺ کی مطلق اطاعت کا حکم اس لیے دیا جا رہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا کوئی قول وعمل نفسانی یا شیطانی خواہش کی بنیاد پہ نہیں ہو سکتا۔ نبی کا ہر حکم وحی خدا کی بنیاد پہ ہوتا ہے کیونکہ وہ اللہ کا بھیجا ہوا نمائندہ ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ معصوم ہونا رسول ہی کا خاصہ ہے کسی اور کو یہ منصب حاصل نہیں۔

(۴) شیعوں کی وضع کردہ امامتِ منصوصہ کا رد۔

یہ بھی معلوم ہوا کہ رسول ہی اللہ کا منتخب اور نص کردہ نمائندہ ہے اسی لیے صرف رسول کی اطاعت کو اللہ تعالیٰ اپنی اطاعت کی طرح مطلقاً فرض قرار دیتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے بعد کوئی انسان اللہ تعالیٰ کا منصوص ومنتخب نہیں ہے۔ لہٰذا اہلِ تشیع کا رسول ﷺ کے بعد بارہ (12) اماموں کو منصوص من اللہ کہنا قرآن کے ساتھ زیادتی کرنا ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو اللہ تعالیٰ سارے قرآن میں کسی جگہ یہ بھی فرماتا: و اطیعوا اللہ والرسول والامام، اللہ اور رسول اور امام کی

اطاعت کرو۔ مگر ایسا نہیں کہا گیا۔

[49] منافقین، اللہ تعالیٰ کے نام سے پکی قسمیں اٹھا کر حضور سید عالم ﷺ سے کہتے کہ اگر آپ نے انہیں جہاد کے لئے نکلنے کا حکم دیا تو وہ ضرور نکلیں گے مگر جب وہ وقت آتا تو وہ گھروں میں بیٹھ جاتے اور جھوٹے بہانے کر کے معذرتیں کر لیتے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے پیارے رسول ﷺ! آپ منافقین سے فرما دیں کہ قسمیں اٹھانے کی ضرورت نہیں دیگر مسلمانوں کی طرح تم بھی اطاعت بجالاؤ اللہ تمہارے اعمال سے واقف ہے۔ معلوم ہوا جھوٹی قسمیں اٹھانا منافقین کا کام ہے یہ بھی معلوم ہوا کہ مومن قسمیں اٹھانے کی بجائے کام کر کے دکھاتا ہے اور منافق صرف قسمیں اٹھاتا ہے۔

[50] یعنی سب مومنوں اور منافقوں سے کہا جا رہا ہے کہ اللہ و رسول کی اطاعت بجالاؤ اور اگر تم ان کی اطاعت سے منہ موڑ و تو رسول اللہ ﷺ کا کام صرف تم تک پیغام خدا کا پہنچانا ہے اور انہوں نے اپنا کام باحسن طریق ادا کر دیا ہے۔ اب تمہارا منہ موڑنا تمہیں لے ڈوبے گا۔

| |
|---|
| وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي |
| اللہ نے تم میں سے ایمان لانے اور اچھے اعمال کرنے والوں سے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ انہیں زمین میں |
| الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ |
| خلافت دے گا جیسے اس نے ان سے پہلے لوگوں کو خلافت عطا فرمائی۔ اور ان کے لیے انکا دین مضبوط کر دے گا |
| الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ؕ يَعْبُدُوْنَنِيْ |
| جو اس نے ان کے لیے پسند کیا ہے اور ضرور ان کو خوف کے بعد امن عطا فرما دے گا۔ وہ میری عبادت کریں گے |
| لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا ؕ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝۵۵ |
| میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں گے اور جو اس کے بعد کفر کرے تو یہی لوگ بدکردا رہیں۔[51] |
| وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝۵۶ |
| اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور رسول (ﷺ) کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے، یہ مت سمجھو کہ |
| لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۚ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ؕ |
| کفر کرنے والے (ہمیں) زمین میں بے بس کردیں گے ان کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ |
| وَلَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝۵۷ ع |
| اور وہ کیا ہی بُرا ٹھکانہ ہے۔[52] |

ع ۷ / ۱۲

## خلافتِ راشدہ کے دوران دین کی مضبوطی اور حصول امن کی بشارت

[51] گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ و رسول ﷺ کی اطاعت کا حکم دیا گیا۔ جس کا معنی یہ ہے کہ قرآن و سنت کی حکمرانی قائم کی جائے اور اس مقصد کے لئے ضروری تھا کہ حضور ﷺ کے بعد مسلمانوں میں ایسی خلافت جاری کی جائے جو آپ کے طریقہ (منہاج النبوۃ) کے مطابق قرآن و سنت کا قانون نافذ کرے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ نے مومنوں سے (صحابہ سے) وعدہ فرمایا ہے کہ وہ انہیں (نبی مکرم ﷺ کے بعد) زمین میں خلافت (رسول اللہ ﷺ کی

نیابت وجانشینی) دے گا جیسا کہ پہلے انبیاء کی امتوں میں ہوا کہ انبیاء کرام کے بعد ان کے جانشین ان کا دین قائم کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ کے خلفاء کے لئے اس دین کو مضبوط کردے گا جو اس نے ان کے لئے پسند کیا ہے (جیسے فرمایا گیا وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ط ''میں نے تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کرلیا۔'' (مائدہ، ۳) اور انہیں خوف کی جگہ امن دے گا اور اللہ جن کو یہ خلافت دے گا وہ صرف اللہ کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے یعنی اللہ کے قانون کے سوا کوئی دوسرا قانون نافذ نہیں کریں گے اور جو حاکم اس طریقہ سے انکار کرے یعنی قانون خدا کے ہوتے ہوئے نیا قانون جاری کرے تو یہ لوگ بدکردار ہیں۔

اس جگہ وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ میں لفظ مِنْکُمْ بتارہا ہے کہ خلافت دینے کا یہ وعدہ اللہ رب العزت نے ان لوگوں سے فرمایا جو اس آیت کے نزول کے موقع پہ موجود تھے۔ اور بلاشبہ وہ حضرت ابوبکر صدیق، عمر فاروق، عثمان غنی اور مولا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم ہیں۔ لہٰذا یہ آیت خلفاء راشدین کی خلافت حقہ پہ کھلی دلیل ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ پورا فرمایا اور رسول اللہ ﷺ کے بعد آپ کے خلفاء راشدین کے زمانہ میں خوف امن سے بدل گیا اور دین نہایت مضبوط طریقہ سے زمین پر نافذ ہوگیا۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا:

''جب رسول اللہ ﷺ اور مہاجرین مدینہ طیبہ آئے اور انصار نے انہیں پناہ دی تو سارے عرب نے ان پر حملے شروع کردیے (غزوات بدر واحد وخندق کی طرف اشارہ ہے) وہ رات کو سوتے ہوئے بھی اسلحہ بدن سے جدا نہ کرتے تھے، آخر وہ کہنے لگے کیا ایسا وقت بھی آئے گا کہ ہم امن سے رہیں گے اور ہمیں اللہ کے سوا کسی کا ڈر نہ ہوگا؟ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ فِی الْاَرْضِ۔'' الخ (مستدرک للحاکم جلد ۲ صفحہ ۴۳۵ کتاب التفسیر سورہ نور مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

ابوالعالیہ (تابعی) کہتے ہیں:

رسول اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مکہ معظمہ میں اللہ تعالیٰ کی عبادت خفیہ کرتے تھے۔ وہ خوف زدہ رہتے تھے۔ مگر انہیں اذن جہاد نہ تھا۔ پھر مدینہ طیبہ میں انہیں اذن جہاد دیا گیا۔ مگر انہیں صبح وشام اسلحہ زیب تن رکھنا پڑتا تھا جس سے انہیں بہت تشویش ہوتی، حتی کہ ان میں سے کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا ہم ہمیشہ اسی طرح خوف ہی میں رہیں گے؟ کیا ایسا دن نہیں آئے گا کہ ہمیں امن ملے گا اور ہم اسلحہ اتاریں گے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تشویش کا وقت کم ہی رہتا ہے۔ وہ وقت آنے والا ہے جب تم میں سے کوئی شخص بڑی محفل میں چوکڑی مار کر بیٹھے گا اور اسلحہ نام کی کوئی چیز وہاں نہیں ہوگی۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری: وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ۔ الخ۔

چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو جزیرۂ عرب پہ غلبہ دیدیا تو صحابہ کو امن ملا اور انہوں نے اسلحہ اتار دیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وفات دیدی تو صحابہ کرام کو خلافت ابو بکر و عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنہم میں یہی امن حاصل رہا۔ تا آنکہ وہ حادثات ہوئے (یعنی واقعات جمل و صفین) پھر بعد کے لوگوں نے اللہ کی نعمتوں کی ناقدری کی تو اللہ نے پھر ان پہ وہ خوف اتار دیا جو ان سے اٹھالیا تھا۔ (تفسیر ابن ابی حاتم جلد ۸ صفحہ ۲۶۲۹ حدیث ۱۴۷۷۲ مطبوعہ مکتبہ الباز مکہ)

گویا اس آیتِ مبارکہ میں جو وعدہ ہوا وہ عہد صحابہ میں خلافت راشدہ کے دوران دین کی مضبوطی کی صورت میں پورا کر دیا گیا۔

اسی لئے حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے ایک شخص نے آکر بھوک کی اور دوسرے نے آکر ڈاکہ زنی کی شکایت کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے عدی! اگر تمہاری زندگی لمبی ہوئی تو تم دیکھو گے کہ ایک عورت حیرہ (یمن) سے سونے میں لدی ہوئی چلے گی اور آکر کعبہ کا طواف کرے گی اور اسے اللہ کے سوا کسی کا ڈر نہ ہوگا۔ اور تم کسریٰ کے خزانے فتح ہوتے دیکھو گے۔

حضرت عدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں پھر میں نے دیکھا کہ حیرہ سے عورت دلہن بن کر نکلتی اور آکر طواف کعبہ کرتی اور اسے اللہ کے سوا کسی کا ڈر نہ ہوتا اور جن مجاہدین نے (دورِ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ میں) شاہِ ایران کسریٰ بن ہرمز کا خزانہ فتح کیا میں بھی ان میں شامل تھا۔ (بخاری کتاب المناقب باب ۲۵)

اس حدیث سے بھی واضح ہوگیا کہ اس آیت میں خلافت کے قیام، دین اسلام کی زمین پر مضبوطی اور خوف کے امن سے بدلنے کا وعدہ اللہ رب العزت نے خلافتِ راشدہ کی صورت میں پورا فرمایا کیونکہ اسی دور میں قیصر و کسریٰ کے تخت الٹائے گئے اور مسلمانوں کو خوف میں مبتلا کرنے والی تمام غیر اسلامی سیاسی قوتوں کا سر کچل دیا گیا۔

## آیتِ خلافت کی تفسیر کتب شیعہ سے

اس آیت کے تحت مشہور شیعہ مفسر علامہ فیض اللہ کاشانی ایرانی نے لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ کی تفسیر یوں کی لَیَجْعَلَنَّهم خلفاءَ بعدَ نبیّهم کہ اللہ مومنوں کو ان کے نبی (کے وصال) کے بعد خلافت دے گا۔
(تفسیر صافی جلد ۳ صفحہ ۱۷۷ مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ تہران ایران)

اور علامہ کاشانی نے آگے یہ بھی لکھا:

عن الباقر علیه السلام لقد قال الله فی کتابه لولاة الامر بعد محمد صلی الله علیه وسلم خاصة وعد الله الذین امنوا منکم۔ الخ یعنی امام باقر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ نے یہ آیت وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد حکومت سنبھالنے والوں ہی کے بارے میں ارشاد فرمائی۔ (تفسیر صافی جلد ۲ صفحہ ۱۷۷)

لہٰذا اب اہل تشیع کو بھی یہ ماننے بغیر چارہ نہیں کہ یہ آیت خلفاء راشدین کی خلافت کو اللہ کی قائم کردہ خلافت قرار دے رہی ہے۔

پھر ایک اور شیعہ مفسر ملا فیض اللہ کاسانی نے اس آیت کی تفسیر میں یوں لکھا:

''و در اندک وقت حق تعالیٰ بوعدۂ مومناں وفا نمودہ جزائر عرب و دیار کسریٰ و بلاد روم بایشاں ارزانی داشت''

یعنی پھر تھوڑے ہی عرصہ میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے وعدہ وفا کرتے ہوئے جزائر عرب، ممالک کسریٰ اور شہر ہائے روم پر ان کو حکومت عطا فرما دی۔ (تفسیر منہج الصادقین جلد ۶ صفحہ ۳۱۲ مطبوعہ تہران)

اب شیعہ علماء خود ہی بتائیں کہ جزائر عرب ممالک کسریٰ اور شہر ہائے روم اگر خلافت راشدہ میں فتح نہیں ہوئے تو کب فتح ہوئے اور اب اس میں کیا شک باقی رہ گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خلفاء راشدین کی خلافت کی صورت میں یہ قرآنی بشارت پوری فرمائی کہ وہ مومنوں کو زمین میں خلافت دے گا اور ان کے لیے اللہ کے پسندیدہ دین کو مضبوط کرے گا۔

## آیتِ خلافت کی تفسیر خود مولا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی زبانی

جب امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایران میں جاری جنگ میں بذاتِ خود شریک ہونے کا ارادہ کیا تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے انہیں منع کیا اور فرمایا:

ونحن علی موعودٍ من اللہ واللہُ منجزٌ وعدَہ وناصرٌ جندَہ.

اور ہمیں اللہ نے وعدۂ نصرت دے رکھا ہے اور اللہ اپنے وعدہ کو پورا کرنے والا اور اپنے لشکر کی مدد کرنے والا ہے۔

آگے آپ رضی اللہ عنہ نے اس روایت کے مطابق حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے یہ بھی فرمایا کہ آپ حاکم ہیں اور حاکم کا مقام حکومت میں ایسے ہوتا ہے جیسے دھاگے کا تسبیح کے دانوں میں، اگر دھاگہ ٹوٹ جائے تو دانے بکھر جاتے ہیں، تو آپ مرکز اسلام بن کر یہیں ٹھہریں اور جنگ کو کمان کریں۔ (نہج البلاغہ خطبہ ۱۴۶ صفحہ ۳۲۰ مطبوعہ دار البلاغہ بیروت)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ان الفاظ کہ اللہ نے ہمیں وعدہ دے رکھا ہے اور اللہ اپنے وعدہ کو پورا کرے گا، کے تحت مشہور شیعہ عالم علامہ کمال الدین میثم بن علی بن میثم متوفی 679ھ لکھتا ہے

ثم وعدنا بموعود وھو النصر والغلبة والاستخلاف فی الارض کما قال اللہ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ۔

پھر اللہ نے جو وعدہ کیا اس سے مدد، غلبہ اور زمین میں خلافت کا حصول مراد ہے۔ جیسا کہ اللہ نے فرمایا: وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ۔

(شرح نہج البلاغہ لابن میثم جلد ۳ صفحہ ۱۸۴ مطبوعہ دار الثقلین بیروت)

اسی طرح ایک اور شیعہ عالم حاجی سید علی نقی اپنی فارسی شرح فیض الاسلام میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اس خطبہ کی شرح میں لکھتا ہے:

وما بوعدہ ء از جانب خدا منتظر ایم درقرآن کریم سورہ 24 آیت 55 میفر ماید: وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ۔ ہم اللہ کے ایک وعدہ کے منتظر ہیں جو اللہ نے سورہ 24 آیت 55 میں یوں فرمایا: وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ الخ (شرح فیض الاسلام صفحہ ۴۴۴ مطبوعہ انتشارات فیض الاسلام تہران)

تو اب کیا شک باقی رہا کہ خود حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت کو قرآن کی اس پیشگوئی کا مصداق قرار دیتے ہیں۔ گویا ان کے نزدیک ان کی خلافت اللہ کی قائم کردہ خلافت تھی۔ پھر اہل تشیع مولا علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد کو پس پشت ڈال کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت کو کس منہ سے غاصبانہ قرار دیتے ہیں۔

## آیتِ خلافت کی تفسیر میں شیعہ مفسرین کی قلابازیاں

بعض شیعہ علماء کہتے ہیں کہ آیتِ خلافت کا مصداق حضرت علی اور امام حسن رضی اللہ عنہما ہیں۔ کیونکہ وہ اس آیت کے نزول کے وقت موجود تھے اور انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خلافت حاصل کی اور دین کو مضبوط کیا اور خوف کو امن سے بدلا۔ مگر ہم شیعہ علماء سے پوچھتے ہیں حضرت ابوبکر وعمر وعثمان رضی اللہ عنہم بھی اس آیت کے نزول کے وقت موجود تھے اور انہیں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد آپ کی جانشینی اور خلافت حاصل ہوئی اور انہوں نے استحکام دین اور قیام امن کا جو بے مثال نقشہ زمین پہ قائم کیا وہی حضرت علی اور امام حسن رضی اللہ عنہما کو ورثہ میں ملا، تو پھر شیعہ علماء کس منہ سے حضرت ابوبکر وعمر وعثمان رضی اللہ عنہم کو اس آیت کے مصداق سے نکالتے ہیں؟

## آیتِ استخلاف کے مصداق میں شیعی اقوال کا رَدّ

بعض شیعہ علماء کے نزدیک اس آیت کا مصداق امام مہدی ہیں کہ وہ قرب قیامت میں دین کو مستحکم کر کے امن قائم کریں گے۔ مگر یہ عذر لنگ ہے۔ اس آیت میں جمع کے صیغے ہیں جیسے لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ، وليمكنن لهم دينهم، وليبدلنهم وغیرہ، تو اکیلے امام مہدی ان کا مصداق کیسے بن سکتے ہیں۔ پھر اہل اسلام اس آیت کے نزول کے وقت کفار کی طرف سے جس شدید خوف وہراس میں مبتلا تھے انہیں قرب قیامت میں قیام امن کے وعدہ سے تسلی دینا اسے کون سمجھ دار قبول کر سکتا ہے؟ یارو کوئی معقول بات کرو، خوف اب ہے اور امن قرب قیامت میں آئے گا؟

بعض شیعہ علماء کے نزدیک اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس امت کو گزشتہ امتوں کی جگہ زمین میں خلافت دے گا یعنی اس میں گزشتہ امتوں کی خلافت مراد ہے نہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خلافت اور پوری امت کی خلافت مراد ہے نہ کہ چند خاص شخصیات کی مگر یہ تفسیر نہیں تحریف ہے اور الفاظ قرآن کے خلاف ہے۔ اس کے چند دلائل ہیں۔

اول: اس آیت میں ان مومنین سے خطاب ہے جو اس آیت کے نزول کے وقت موجود تھے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ، پھر مِنْكُمْ کہہ کر بتا دیا کہ ان مومنین میں سے بعض کو خلافت ملے گی سب کو نہیں، اگر پوری امت کی خلافت مراد ہوتی تو منکم نہ فرمایا جاتا۔

دوم: اگر پوری امت کی خلافت مراد ہوتی تو پھر عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کی قید نہ لگائی جاتی۔ کیا ساری امت عمل صالح کرنے والی ہے؟ اور کیا کوئی ذی ہوش انسان اس تاویل کو قبول کر سکتا ہے؟

سوم: قرآن میں چند جگہ امت محمدیہ کو گزشتہ امتوں کے لیے خلیفہ قرار دیا گیا ہے مگر وہاں پوری امت کا ذکر ہے اس میں عمل صالح کی یا کسی اور چیز کی قید مذکور نہیں۔ جیسے فرمایا گیا: وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ ط ''اللہ وہ ہے جس نے تمہیں زمین میں خلافت دی اور تم میں سے بعض کو بعض پہ درجات کی بلندی دی تا کہ اس نے تمہیں جو دیا اس میں تمہیں آزمائے۔'' (انعام، ۱۶۵) ایک اور جگہ فرمایا گیا: هُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ ط فَمَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ ط ''اللہ وہ ہے جس نے تمہیں زمین میں خلافت دی، تو جس نے کفر کیا اس کا کفر اسی پہ پڑے گا۔'' (فاطر، ۳۹) اگر آیت خلافت میں بھی ساری امت کی خلافت مراد ہوتی تو اس میں منکم اور عملوا الصالحات اور یعبدوننی وغیرہ کی قیدیں نہ لگائی جاتیں۔

چہارم: اگر اس میں ساری امت کی خلافت مراد ہے تو شیعی روایات کا وہ انبار کہاں گیا جو شیعہ تفاسیر صافی، منہج الصادقین، مجمع البیان، المیزان اور البرہان وغیرہ میں ائمہ اہل بیت کی طرف منسوب ہے جس میں کہا گیا ہے کہ اس آیت کا مصداق امام مہدی ہے کہ اسے اللہ خلافت دے گا اور وہ اپنے زمانہ میں دین کو مستحکم کرے گا؟ صاف معلوم ہوا کہ شیعہ موقف نہایت کمزور اور تضادات سے پُر ہے۔ نہ اس آیت میں امت کی خلافت مراد ہے نہ امام مہدی کی خلافت بلکہ اس میں خلفاء راشدین کی خلافت کی بشارت دی گئی ہے جو اس آیت کے نزول کے وقت موجود تھے۔

جب شیعہ علماء ہر طرف سے بے بس ہو جاتے ہیں تو کہتے ہیں ابو بکر و عمر و عثمان (رضی اللہ عنہم) اس آیت کا مصداق اس لیے نہیں بن سکتے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس میں فرمایا: يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا ط وہ خلفاء میری عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے۔ جبکہ یہ تینوں تو ماضی میں ایک عرصہ تک کفر و شرک میں مبتلا رہے۔

مگر یہ بھی سخت نامعقول بہانہ ہے۔ کیونکہ یہ آیت بطور پیش گوئی ہے جس کا مستقبل سے تعلق ہے ماضی سے نہیں۔

پھر جب ایک شخص اسلام لے آتا ہے تو اس کی سابقہ زندگی کا ہر نقش اسلام کی برکت سے مٹ جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ ''اے نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ کفار سے فرما دیں کہ اگر وہ کفر سے باز آ جائیں تو اس سے قبل جو ہو چکا وہ ان سے معاف کر دیا جائے گا۔'' (انفال، ۳۸)

اور یہاں يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا ط ایک خاص مفہوم میں ہے۔ یعنی وہ خلفاء اللہ ہی کا قانون نافذ

کریں گے اور مرضی مولا سے ہٹ کر کوئی حکم جاری نہیں کریں گے اور یہ بات خلفاء راشدین پہ جس طرح صادق آتی ہے اس میں کوئی منصف شک نہیں کرسکتا۔ کیونکہ شریعتِ اسلامیہ کے نفاذ کا جونقشہ خلافتِ راشدہ میں قائم ہوا دوبارہ امت کو وہ نظارہ اسطرح دکھائی نہیں دیا۔

## خلفاء راشدین کی خلافت حقہ پہ احادیث از کتب شیعہ

(۱) علامہ ابوالحسن علی بن حسین مسعودی متوفی 346ھ مشہور شیعہ مورخ ہے۔ اس نے حضرت امام حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی خلافت کو خلافتِ راشدہ میں سے شمار کرتے ہوئے کہا:

وصح الخبر عن رسول الله ﷺ قال الخلافةُ بعدی ثلاثونَ سنةً ۔ رسول اللہ ﷺ سے یہ صحیح خبر کے ساتھ ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: میرے بعد خلافت تیس برس رہے گی۔

اس کے بعد علامہ مسعودی نے تفصیل سے بتایا کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت دو برس تین ماہ آٹھ دن رہی، عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت دس برس چھ ماہ چار دن رہی، عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خلافت گیارہ برس گیارہ ماہ دس دن رہی، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت چار برس سات ماہ ایک دن کم رہی اور امام حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت آٹھ ماہ دس دن رہی۔ فذالك ثلاثون شهرا ۔ یوں تیس برس پورے ہوئے۔ (مروج الذہب جلد ۲ صفحہ ۴۷۸ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

علامہ مسعودی کٹر شیعہ ہے۔ چنانچہ غالی شیعہ مورخ قاضی نوراللہ شوستری نے علامہ مسعودی کو شیعہ مصنفین میں شمار کیا ہے اور بتایا ہے کہ شیعی عقیدہ امامت کے اثبات پہ متعدد کتابیں لکھی ہیں۔ جن میں سے بعض یہ ہیں، الصفوة فی اثبات الامامة، الهدایه فی تحقیق الولایہ اور ''اثبات الوصیۃ''۔
(مجالس المؤمنین جلد اول صفحہ ۴۲۷ مطبوعہ کتاب فروشی اسلامیہ تہران)

یہ ہم نے اس لیے لکھدیا کیونکہ آج کل بعض شیعہ علماء کج بحثی کرتے ہوئے علامہ مسعودی کو سنی مصنفین میں سے شمار کرتے ہیں۔

یہ حدیث کتب اہل سنت میں حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ سے یوں مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے بعد خلافت تیس برس رہے گی پھر اللہ جسے چاہے بادشاہی دے گا۔ (سنن ابی داود کتاب السنہ باب ۸ حدیث ۴۶۴۶)

اس حدیث سے خوب واضح ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں صحابہ کرام سے جس خلافت کا وعدہ کیا وہ صرف تیس سال تک چلنے والی تھی۔ کیونکہ وہ صحیح معنی میں رسول اللہ ﷺ کی خلافت (جانشینی و نیابت) تھی۔ اس کے بعد جو خلافتیں آئیں (امویہ، عباسیہ، سلجوقیہ اور عثمانیہ وغیرہ) وہ برائے نام خلافتیں تھیں حقیقت میں وہ بادشاہتیں تھیں۔

(۲) اہل تشیع کا شیخ الطائفہ علامہ ابوجعفر طوسی حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کی روایت سے اس حدیث کا ذکر کرتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک عورت آئی۔ آپ ﷺ نے اسے فرمایا کہ دوبارہ آنا، اس نے کہا اگر میں دوبارہ آؤں اور

آپ کو نہ پاؤں (آپ کا وصال ہو چکا ہو) تو میں کیا کروں؟ آپ نے فرمایا: ان لم یجدینی فاتی ابا بکر، اگر تم مجھے نہ پاؤ تو ابو بکر کے پاس چلی آنا۔ (تلخیص الشافی جلد ۳ صفحہ ۹ ۳ مطبوعہ قم)

(۳) ابو جعفر طوسی نے ایک اور حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے لکھا ہے کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہیں بیٹھے تھے۔ اتنے میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ آئے اور اندر آنے کی اجازت چاہی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: انہیں اندر آنے دو اور انہیں جنت کی اور میرے بعد خلافت کی بشارت دیدو۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ آئے اور اندر آنا چاہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا انہیں بھی جنت کی بشارت سنادو اور ابو بکر کے بعد خلافت کا مژدہ بھی سنادو۔ (تلخیص الشافی حوالہ مذکورہ)

ابو جعفر طوسی نے ان احادیث پر صرف یہ جرح کی کہ یہ اخبار احاد ہیں لہذا نا قابلِ حجت ہیں، مگر ابو جعفر طوسی کا یہ اعتراض غلط ہے۔ خبر واحد اگر حدیث صحیح ہو تو وہ قابلِ حجت ہے بلکہ اس کے ساتھ حلال وحرام اور واجبات شرعیہ کا ثبوت ہوتا ہے، اور یہ دونوں حدیثیں صحیح ہیں خصوصاً جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ والی حدیث بخاری و مسلم کی متفق علیہ ہے۔

(۴) شیخ ابراہیم بن حاجی حسین اربلی نے لکھا ہے:

فلما اشتدّ به المرَضُ اَمرَ ابا بکرٍ ان یصلّیَ بالناس، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مرض وصال شدت اختیار کر گیا تو آپ نے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ تو ابو بکر صدیق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دنیا میں موجودگی کے دوران دو دن تک آپ کے مصلیٰ پر نمازیں پڑھاتے رہے۔ (درہ نجفیہ شرح نہج البلاغہ صفحہ ۲۲۵ مطبوعہ تہران)

یہ حدیث کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنے مصلیٰ پہ کھڑے ہو کر نماز پڑھانے کا حکم فرمایا بخاری کتاب الاعتصام باب 5، ترمذی کتاب المناقب باب 16، اور ابن ماجہ کتاب الامامۃ باب 42 میں بھی مروی ہے۔

## خلفاءِ راشدین کی خلافتِ حقہ پہ اقوال مولا علی رضی اللہ عنہ از کتب شیعہ

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو متعدد خطوط لکھے۔ جن میں آپ نے اپنے موقف کی وضاحت کی تھی۔ ان میں سے ایک خط میں آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

اما بعد اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ لوگوں کو ہدایت دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد لوگوں نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا، پھر ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اپنی جگہ عمر رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا۔

واحسنا السیرۃ وعدلا فی الامۃ وقد وجدنا علیهما ان تولّیا الامرَ دوننا ونحن آل الرسول واحقُّ بالامر فغفرنا ذالك لهما۔ دونوں نے بہترین سیرت اپنائی اور امت میں عدل قائم کر دیا اور ہمیں ان سے گلہ تھا کہ انہوں نے ہمیں چھوڑ کر (ہمارے مشورہ کے بغیر) حکومت سنبھال لی جبکہ ہم آل رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہونے کی وجہ سے حکومت کے زیادہ حقدار تھے، تو ہم نے انہیں معاف کر دیا (اپنا گلہ ختم کر دیا)

(وقعۃ صفین صفحہ ۲۰۱ مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ عظمیٰ قم مصنف نصر بن مزاحم متوفی ۲۱۲ھ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس گلہ کا جواب بھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف سے کتب میں موجود ہے۔ وہ یہ کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خود حصولِ خلافت کا مطالبہ نہیں کیا تھا۔ اور نہ ہی انہوں نے اس کے لیے مجلس مشاورت بلائی تھی۔ اگر ایسا ہوتا تو وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سب سے پہلے مشاورت میں بلاتے۔

مگر واقعہ یہ ہوا کہ سقیفہ بنوساعدہ میں انصار نے جمع ہوکر کہا کہ ایک امیر ہم میں سے ہوگا ایک مہاجرین میں سے۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سنا تو سخت گھبرائے کہ یہ تو مسلمانوں کی قوت کو دو حصوں میں کاٹ دینے والی بات ہے، تو وہ دوڑتے ہوئے وہاں گئے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی ساتھ تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انصار سے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ خلفاء قریش میں سے ہونگے، لہٰذا خلیفہ کوئی قریشی ہی ہوگا تو تم سب لوگ عمر بن خطاب، ابوعبیدہ یا کسی شخص کو خلیفہ مقرر کرلو۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا: اے ابوبکر! جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو اپنے مصلی پہ کھڑا کر کے گئے ہیں تو آپ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانشینی کے سب سے زیادہ حقدار ہیں اور میں آپ کی بیعت کرتا ہوں۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیعت کی تو سب انصار ابوبکر صدیق کی بیعت کے لیے ٹوٹ پڑے اور کوئی ایسا شخص نہ رہا جس نے بیعت نہ کی ہو سوا حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے وہ اسی رائے پہ قائم رہے کہ ایک امیر انصار سے ہو ایک مہاجرین میں سے۔ پھر اسی وقت سب لوگ سقیفہ کی مجلس سے جو مسجد نبوی کے ساتھ ہی تھی، اٹھ کر مسجد میں آگئے اور وہاں موجود لوگوں کو جب پتہ چلا تو لوگ دھڑا دھڑ بیعت کرنے لگے۔

اس قدر ہجوم تھا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دونوں بازو پھیلانے پڑے۔ کچھ لوگ دائیں ہاتھ پہ بیعت کر رہے تھے کچھ بائیں پر، جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا سارا خاندان بنو ہاشم بھی شامل تھا۔ خود شیعہ مورخ فضل بن حسن طبرسی نے احتجاج طبرسی میں اس کا اعتراف کیا ہے کہ بنو ہاشم میں سے کوئی نہ رہا جس نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت نہ کی ہو۔

(احتجاج طبرسی جلد اول صفحہ ۷۳ مطبوعہ موسسۃ الاعلمی بیروت)

یہاں سوچنے کا مقام ہے کہ آخر سارے خاندان بنو ہاشم جو اہل بیت رسول کہلاتا ہے کیونکر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت میں جلدی دکھا رہا ہے۔ اس لیے کہ وہ سب جانتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایام مرض میں جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی کو اپنے مصلی پہ کھڑا کیا تھا۔

ایک اور خط میں حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں:

انه بايعني القوم الذين بايعوا ابا بكر وعمر وعثمان على ما بايعوهم عليه وانما الشورى للمهاجرين والانصار فان اجتمعوا على رجل وسموه اماما كان ذالك لله رضا۔

بیشک میری بیعت انہی لوگوں نے انہی شرائط پہ کی ہے جن پہ انہوں نے ابوبکر عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کی بیعت کی تھی اور مشورہ سے امیر مقرر کرنا مہاجرین وانصار کا حق ہے۔ جب وہ کسی شخص پہ اتفاق کرلیں اور اسے امام (خلیفہ) مقرر کردیں

تو وہ اللہ کا پسندیدہ امام ہوتا ہے۔ (نہج البلاغہ خط ٦ صفحہ ٥٢٦ مطبوعہ دار البلاغہ بیروت) حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔

اس موضوع پر سیر حاصل بحث کے لئے میرے والد گرامی محقق اسلام شیخ الحدیث علامہ محمد علی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1418ھ کی کتاب ''تحفہ جعفریہ'' جلد اول کا مطالعہ کیا جائے۔

یہاں سے صداقتِ قرآن بھی معلوم ہوئی۔ کہ قرآنِ مجید نے اہل ایمان کے نہایت سیاسی کمزوری کے دور میں ان کے لئے غلبہ کی پیش گوئی فرمائی جو چند ہی برس میں پوری ہوگئی۔ یہ قرآن کے منزل من اللہ ہونے کی دلیل ہے۔

[52] جب یہ آیت اتری کفار شجر اسلام کو جڑ سے اکھاڑ دینے کی کوشش کر رہے تھے یہ 5ھ کی بات ہے ایسے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اہل ایمان یہ مت سمجھیں کہ کفار اللہ کو عاجز کر سکتے ہیں۔ نہیں بلکہ اللہ اپنے دین کو غالب کرے گا اسی لئے اس سے قبل والی آیت میں خلافتِ راشدہ کے قیام اور اس میں غلبہ دین کی بشارت دی گئی۔ یہ آیت آج بھی مسلمانوں کو تسلی دیتی ہے کہ کفار کی ساری سیاسی طاقتیں اللہ کے سامنے لایعنی ہیں لہٰذا مسلمانوں کو مایوسی کا شکار نہیں ہونا چاہئے۔ بس وہ اللہ و رسول کی اطاعت بجا لائیں۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ وَالَّذِيْنَ

اے ایمان والو! تمہارے غلام اور باندیوں کو اور تمہارے اپنوں میں سے جو بلوغت کو نہیں پہنچے،

لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ ؕ مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَحِيْنَ

کو چاہیے کہ تین اوقات میں تم سے اجازت لے کر اندر آئیں نماز فجر سے قبل اور جب تم

تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِيْرَةِ وَمِنْۢ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ ؕ قف ثَلٰثُ

ظہر کے وقت (زائد) کپڑے اتار دیتے ہو اور نماز عشاء کے بعد ، یہ تین اوقات

عَوْرٰتٍ لَّكُمْ ؕ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌۢ بَعْدَهُنَّ ؕ طَوّٰفُوْنَ

تمہارے پردے کے ہیں ان کے بعد نہ تم پر کوئی گناہ ہے نہ ان پر (کیونکہ) تم ایک دوسرے کے پاس

عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ؕ

بکثرت آنے جانے والے ہو۔[53] اسی طرح اللہ تمہارے لیے اپنی آیات بیان فرماتا ہے

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۞۵۸ وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَاْذِنُوْا

اور اللہ علم والا حکمت والا ہے اور جب تم میں سے لڑکے بلوغت کو پہنچ جائیں تو وہ (ہر وقت) اجازت لے کر آئیں جیسے

كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ ؕ

ان سے پہلے لوگ اجازت لیتے آئے ہیں۔ اسی طرح اللہ تمہیں اپنی آیات بیان کرتا ہے

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۞۵۹

اور اللہ علم والا حکمت والا ہے۔[54]

## نوکروں چاکروں اور اولاد کو گھروں میں اجازت لے کر آنے کا حکم

[53] اس سورت کے رکوع 4 میں حکم ہوا تھا کہ دوسرے لوگوں کے گھروں میں اجازت لے کر جایا کرو اب فرمایا جا رہا ہے کہ اپنے گھر میں کیسے داخل ہونا چاہیے اس آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ حضرت سیدہ اسماء بنت مرشد رضی اللہ عنہا کا غلام ان

کے پاس ایسے وقت آیا جوان کے لئے باعثِ ناگواری بنا۔ وہ حضور ﷺ کے پاس حاضر ہوئیں اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہمارے خادمین اور غلام ہمارے پاس ایسے وقت میں آجاتے ہیں جو ہمیں ناگوار ہوتا ہے۔ تب یہ آیت نازل ہوئی: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِیَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِیْنَ مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ۔ (تفسیر بغوی جلد ۵ صفحہ ۸۸)

یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے مومنو! تمہارے غلام یعنی نوکر چاکر اور تمہارے اپنے اہل خانہ میں سے جو بچے ابھی بلوغت کو نہیں پہنچے یعنی تمہارے بیٹے، بیٹیاں، بھتیجے، بھانجے، بھتیجیاں، بھانجیاں جب تمہارے ہاں آئیں تو تین اوقات میں انہیں اجازت لے کر آنا چاہئے۔ اول: نماز فجر سے پہلے کیونکہ اس وقت تم عموماً بستر میں ہوتے ہو اور پوری طرح کپڑے زیب تن نہیں ہوتے۔ دوم: دوپہر کے وقت جب تم قیلولہ کے لئے آرام کرتے اور زائد کپڑے اتار دیتے ہو۔ سوم: نمازِ عشاء کے بعد یعنی جب تم سونے کے لئے بستر میں چلے جاتے ہو۔ کیونکہ یہ تینوں اوقات تمہارے پردے کے ہیں یعنی ان تین اوقات میں تم خود کو پردے میں (Privacy) میں رکھنا چاہتے ہو۔ ان اوقات کے بعد تم پر یا ان پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ تمہارے پاس بے اجازت آئیں جائیں۔

اس جگہ غلاموں جن میں نوکر چاکر بھی شامل ہیں سے نابالغ غلام اور نوکر مراد ہیں کیونکہ بالغ غلام کے لئے ہمہ وقت اجازت لے کر ہی آنا لازم ہے آگے آیت 59 میں اس کی وضاحت آ رہی ہے۔ یہاں نابالغ غلاموں اور بیٹوں بیٹیوں کو یہ حکم اس لئے دیا گیا کہ وہ اپنے مالکوں اور بزرگوں کے پاس ہر وقت آتے جاتے ہیں اور ناسمجھ بھی ہوتے ہیں اور بالغ غلاموں اور بچوں کی نسبت ان سے پیار بھی زیادہ ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ زیادہ کھلے ملے (Free) ہوتے ہیں اور وہ ناسمجھی کے سبب ایسے وقت بھی آ دھمکتے ہیں جب انسان مکمل لباس میں نہیں ہوتا۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت اتری اس وقت دروازوں پہ پردے نہیں ہوتے تھے۔ کسی شخص کا خادم بیٹا یا یتیم لڑکا اس کے پاس اچانک آ جاتا اور وہ اپنے اہل خانہ کے پاس (بستر میں) ہوتا۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان تین اوقات میں بچوں کو اجازت لے کر اندر آنے کا حکم فرمایا۔ پھر جب اللہ رب العزت نے لوگوں پر رزق کشادہ کر دیا تو انہوں نے دروازوں پر پردے لگا لئے اور انہیں ہمہ وقت اجازت لینے کی ضرورت نہ رہی۔ (تفسیر ابن ابی حاتم جلد ۸ صفحہ ۲۶۳۲ روایت ۱۴۷۸۷) گویا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک ان تین اوقات میں بچوں کے اجازت لے کر اندر آنے کا حکم استحبابی ہے اور لوگ اپنے حالات کو مدنظر رکھ کر اپنی پردہ داری کا اہتمام کر سکتے ہیں۔

اس آیت سے تین فوائد حاصل ہوئے:

(۱) اسلام ہر انسان کی خانگی زندگی (Private life) کا تحفظ کرتا ہے وہ بچوں کو بھی اجازت نہیں دیتا کہ والدین کی نجی زندگی میں مداخلت کریں۔

(۲) بچوں کو بچپن سے آدابِ زندگی و احکامِ اسلام کی تربیت دینی چاہئے تا کہ وہ بڑے ہو کر ان کی پابندی کریں جو

لوگ بچوں کو بچپن سے پردہ نہیں سکھاتے ان کی اولاد بڑی ہو کر دین سے باغی ہو جاتی ہے۔

(۳) نماز کی تاکید: اس آیت میں مذکورہ تین اوقات کو اوقاتِ نماز سے تعبیر کر کے لطیف پیرایہ میں نماز کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔

[54] یعنی جب تمہارے بچے بچیاں جوان ہو جائیں تو وہ مذکورہ تین اوقات کی قید کو بالائے طاق رکھ کر ہر وقت تمہارے پاس اجازت لے کر ہی آیا کریں۔ جیسے کہ ان سے قبل بالغ ہونے والے لوگ اجازت لے کر ہی آتے تھے تو جو طریقہ انہوں نے اختیار کیا وہ ان کے بعد بالغ ہونے والوں کو اپنانا چاہئے اس طرح آدابِ پردہ داری کا تحفظ نسل در نسل جاری رہنا چاہئے اور اللہ اپنے احکام بیان فرماتا ہے کیونکہ وہی سب علم وحکمت کا مالک ہے۔ پیچھے رکوع 4 کے تحت ہم حدیث نبوی لکھ آئے ہیں کہ ایک شخص نے نبی اکرم ﷺ سے پوچھا کیا میں اپنی والدہ کے پاس بھی اجازت کے ساتھ جایا کروں میں تو ہر وقت اس کی خدمت کرتا ہوں؟ آپ نے فرمایا کیا تم اسے ننگا دیکھ سکتے ہو؟ عرض کیا: نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا تو پھر اجازت ہی لے کر جایا کرو۔ (تفسیر ابن جریر جلد ۹ حدیث ۲۵۹۲۶)

| |
|---|
| وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِیْ لَا یَرْجُوْنَ نِكَاحًا فَلَیْسَ عَلَیْهِنَّ جُنَاحٌ |
| اور (جوانی سے گذر کر) بیٹھ جانی والی عورتیں جو نکاح کی امید نہیں رکھتیں ان پر کوئی گناہ نہیں کہ |
| اَنْ یَّضَعْنَ ثِیَابَهُنَّ غَیْرَ مُتَبَرِّجٰتٍۭ بِزِیْنَةٍ ؕ وَاَنْ یَّسْتَعْفِفْنَ خَیْرٌ لَّهُنَّ ؕ |
| (سرسے) اپنی چادریں اتار رکھیں جبکہ بناؤ سنگار نہ دکھائیں اور اگر وہ اس سے بچیں تو ان کے لیے بہتر ہے۔ |
| وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۶۰﴾ |
| اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔[55] |

[55] عورتوں کے لئے پردے کے احکام میں سے ایک چیز مستثنیٰ کی جا رہی ہے کہ جو خانہ نشیں عورتیں بڑھاپے کی وجہ سے نکاح کی عمر سے گزر گئی ہیں وہ اگر اپنے گھر میں اوپر والی موٹی چادر اتار دیں تو ان پر کوئی گناہ نہیں جب تک کہ اس کا مقصد اظہارِ زینت نہ ہو۔ البتہ اگر وہ اس سے بچیں یعنی اجنبی مردوں کے سامنے اپنے اوپر چادر ڈالے رکھیں تو یہ افضل اور زیادہ بہتر طریقہ ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس کی تفسیر یوں فرماتے ہیں:

لا جناح علیها ان تجلس فی بیتها بدرع وخمار وتضع عنها الجلباب مالم تتبرج ما یکره الله۔ بوڑھی عورت پہ کوئی حرج نہیں کہ وہ اپنے گھر میں قمیص اور دوپٹہ لیکر بیٹھے اور اوپر والی موٹی چادر اتار دے جب تک

کہ ایسی بات ظاہر نہ کرے جو اللہ کو ناپسند ہے۔ (تفسیر ابن ابی حاتم جلد ۸ صفحہ ۲۶۴۱ حدیث ۱۴۸۴۴ مطبوعہ مکتبۃ الباز مکہ) یہی تفسیر حضرت عبداللہ بن مسعود، سلیمان بن یسار، سعید بن جبیر، ابراہیم نخعی اور مجاہد رحمۃ اللہ علیہم سے مروی ہے۔

(تفسیر درمنثور، یہی مقام)

حضرت سدی (تابعی) فرماتے ہیں مجھے ایک شخص ملا جس کا نام مسلم تھا اس کے ہاتھ میں مہندی لگی تھی۔ میں نے سبب پوچھا اس نے کہا میں نے اپنی مالکہ کو مہندی لگائی ہے۔ وہ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کی بیوی کا غلام تھا۔ میں نے کہا یہ غلط ہے۔ وہ مجھے اپنی مالکہ کے پاس لے گیا۔ وہ ایک بزرگ خاتون تھیں۔ میں نے پوچھا یہ مسلم کہتا ہے کہ اس نے آپ کے بالوں میں مہندی لگائی ہے؟ وہ کہنے لگیں: ہاں درست ہے، اے میرے بیٹے! میں ان عورتوں میں سے ہوں جن کے بارے میں اللہ فرماتا ہے: وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِیْ لَا یَرْجُوْنَ نِکَاحًا۔

(تفسیر ابن ابی حاتم جلد ۸ صفحہ ۲۶۲۹ حدیث ۱۴۸۳۰)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کی بوڑھی بیوی اپنے گھر میں اپنے غلام سے اپنے سر کے بالوں کا پردہ نہیں کرتی تھیں۔

معلوم ہوا کہ اس آیت میں بوڑھی عورتوں کو یہ اجازت دی گئی کہ اپنے گھروں میں غیر مردوں کے سامنے اوپر والی چادر اتار لیں (جیسا کہ لفظ القواعد اس پہ دلالت کر رہا ہے) گویا جب بوڑھی عورتیں بازار میں آئیں تو انہیں بھی اوپر والی موٹی چادر کا سر پہ رکھنا ضروری ہے۔ جب بوڑھی عورت بھی بازار میں ننگے سر نہیں نکل سکتی تو جوان عورت کا ننگے سر بازار میں نکلنا کس قدر گناہ ہے، اسے سمجھا جا سکتا ہے۔

الّٰتِیْ لَا یَرْجُوْنَ نِکَاحًا کے تحت یاد رہے کہ نکاح کی عمر سے گزر جانا کہ جب عورت کو نکاح کی خواہش نہ رہے اور نہ کسی مرد کو ان سے نکاح کی رغبت رہے عموماً ساٹھ برس کے بعد متصور ہوتا ہے تاہم اس میں ہر عورت کی صحت کا بھی لحاظ رکھنا چاہئے۔

لَيۡسَ عَلَى الۡاَعۡمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الۡاَعۡرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الۡمَرِيۡضِ

نہ اندھے پر گناہ ہے نہ اپاہج پر اور نہ مریض پر ۔[56] اور نہ خود تم پر

حَرَجٌ وَّلَا عَلٰٓى اَنۡفُسِكُمۡ اَنۡ تَاۡكُلُوۡا مِنۡۢ بُيُوۡتِكُمۡ اَوۡ بُيُوۡتِ اٰبَآئِكُمۡ اَوۡ

کہ تم اپنے گھروں سے کھاؤ ۔[57] یا اپنے باپ دادا کے گھروں سے یا

بُيُوۡتِ اُمَّهٰتِكُمۡ اَوۡ بُيُوۡتِ اِخۡوَانِكُمۡ اَوۡ بُيُوۡتِ اَخَوٰتِكُمۡ اَوۡ بُيُوۡتِ اَعۡمَامِكُمۡ

اپنی ماؤں کے گھروں سے یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے یا اپنی بہنوں کے گھروں سے یا اپنے چچاؤں کے گھروں سے

اَوۡ بُيُوۡتِ عَمّٰتِكُمۡ اَوۡ بُيُوۡتِ اَخۡوَالِكُمۡ اَوۡ بُيُوۡتِ خٰلٰتِكُمۡ اَوۡ مَا مَلَكۡتُمۡ

یا اپنی پھوپیوں کے گھروں سے یا اپنے ماموؤں کے گھروں سے یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے۔[58]

مَّفَاتِحَهٗۤ اَوۡ صَدِيۡقِكُمۡ ؕ لَيۡسَ عَلَيۡكُمۡ جُنَاحٌ اَنۡ تَاۡكُلُوۡا جَمِيۡعًا اَوۡ

یا جس گھر کی چابیوں کے تم مالک ہو یا اپنے گہرے دوست کے گھر سے۔[59] تم پر گناہ نہیں کہ اکٹھے کھاؤ یا

اَشۡتَاتًا ؕ فَاِذَا دَخَلۡتُمۡ بُيُوۡتًا فَسَلِّمُوۡا عَلٰٓى اَنۡفُسِكُمۡ تَحِيَّةً مِّنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ

جدا جدا۔[60] پس جب تم گھروں میں داخل ہو تو اپنوں کو سلام کہو یہ اللہ کی طرف سے

مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الۡاٰيٰتِ لَعَلَّكُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ﴿٦١﴾ ع

بابرکت یا پاکیزہ دعا ہے۔ اسی طرح اللہ تمہارے لیے آیات بیان فرماتا ہے تاکہ تم عقل کرو۔[61]

[56] حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بعض لوگ کسی اندھے، معذور یا مریض کو اپنے ساتھ اپنے والدین اور دیگر اعزہ کے گھر لے جاتے (تاکہ ان کو کھانا کھلائیں) وہ لوگ کسی کے گھر میں اس کی دعوت کے بغیر جانا پسند نہ رکھتے، وہ کہتے: یہ لوگ ہمیں دوسروں کے گھروں میں یونہی لے جاتے ہیں۔ ہمیں نہیں جانا چاہئے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری اورانہیں رخصت عطا فرمائی کہ اندھے، اپاہج اور مریض کو ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

(تفسیر ابن ابی حاتم جلد ۸ صفحہ ۲۶۴۵ حدیث ۳۸۶۹)

یہ بھی مروی ہے کہ جب یہ آیت اتری: لَا تَاۡكُلُوۡۤا اَمۡوَالَكُمۡ بَيۡنَكُمۡ بِالۡبَاطِلِ. کہ ''آپس میں ایک

دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ" (بقرہ ۱۸۸) تو لوگ کسی اندھے اپاہج یا مریض کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھانا پسند نہیں رکھتے تھے۔ وہ کہتے کہ اندھا دیکھ نہیں سکتا اپاہج صحیح بیٹھ نہیں سکتا اور مریض زیادہ کھا نہیں سکتا اور اس کے ساتھ بیٹھ کر کھانے والا اگر صحت مند ہو تو زیادہ کھا لے گا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری: لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ

(ابن ابی حاتم جلد ۸ صفحہ ۴۳ حدیث ۱۴۵۸)

یعنی معذوروں اور ایسے مریضوں کے بارے میں جو خود کما نہیں سکتے ہدایت فرمائی گئی کہ اگر وہ معروف طریقہ سے کسی کے گھر میں جائیں تاکہ انہیں کھانا کھلایا جائے تو اس میں حرج نہیں، اور ان کے ساتھ بیٹھ کر کھانے میں بھی حرج نہیں بلکہ اس میں ان کی حوصلہ افزائی و عزت افزائی ہے۔

[57] اس جگہ مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ کا معنی یہ ہے کہ تم پر اپنے بیٹوں کے گھروں سے کچھ کھانے پر کوئی گناہ نہیں کیونکہ وہ تمہارے ہی گھر میں رہتے ہیں حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نوجوان سے فرمایا تم بھی اپنے باپ کے ہو اور تمہارا مال بھی تمہارے باپ کا ہے۔ (ابن ماجہ کتاب التجارۃ باب ۶۴)

[58] حضرت عطاء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ کئی مالدار صحابہ کرام اپنے فقیر رشتہ داروں کے گھر جاتے تو وہاں سے کچھ نہ کھاتے اور کہتے کہ ہم ان کے لئے کچھ حرج نہیں پیدا کرنا چاہتے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتار کر انہیں سمجھایا۔ (تفسیر ابن ابی حاتم جلد ۸ صفحہ ۲۶۴۶) گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم اپنے باپ دادا یعنی والدین دادا دادی، نانا نانی، یونہی اپنے بہن بھائیوں، چچاؤں، پھوپھیوں، ماموؤں اور خالاؤں کے گھروں سے کھا سکتے ہو اس میں کوئی حرج نہیں۔ آج بھی کئی لوگ اپنی بیٹی یا بہن کے گھر جائیں تو وہاں کچھ کھانا تو کجا پانی پینا بھی گوارا نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے اس جاہلانہ طرز عمل کا رد کرتے ہوئے ہمیں مروت و اخلاق کا درس دیا کہ رشتہ داروں کے گھر سے جب وہ کچھ کھلانا چاہیں تو کھا لینا چاہئے اور نہ کھانا قطع رحمی میں آتا ہے۔

[59] ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جہاد پر جاتے تو گھروں کی چابیاں اپنے قریبی رشتہ داروں یا دوستوں کو دے جاتے اور کہہ جاتے کہ ان کے گھر سے اگر وہ کچھ کھانے کی حاجت رکھتے ہوں تو کھا لیں مگر وہ کہتے کہ ہم امین ہیں ہمیں کچھ نہیں کھانا چاہئے تو یہ آیت نازل ہوئی اور بتایا گیا کہ تم ایسے گھروں سے کچھ کھا سکتے ہو۔ (ابن ابی حاتم جلد ۸ صفحہ ۲۶۴۶) گویا جب گھر والے نے اگر کسی کو اپنے گھر کی چابی دی ہو تاکہ وہ اس کی نگرانی رکھے اور گھر والے کی طرف سے اجازت ہو کہ وہاں سے کچھ کھایا جا سکتا ہے تو وہاں سے کھانے میں حرج نہیں۔

[60] مروی ہے کہ بعض قبائل اکٹھے کھانا کھانے کو معیوب جانتے تھے وہ الگ الگ کھانے پر زور دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس خیال باطل کا رد فرمایا۔

[61] یعنی جب تم مذکورہ رشتہ داروں کے گھر جاؤ تو سب سے پہلے اہل خانہ کو سلام کہو یہ سلام وہ دعا ہے جو اللہ تعالیٰ

نے جاری کی ہے جو بہت بابرکت اور پاکیزہ ہے یعنی اسے جس قدر پھیلایا جائے اسی قدر برکت پھیلتی ہے۔ یہ اس لئے فرمایا گیا کہ عموماً لوگ قریبی رشتہ داروں کو سلام کہنا ضروری نہیں سمجھتے یا اس کی زحمت گوارا نہیں کرتے وہ دوسرے لوگوں کو سلام کہہ لیتے ہیں حالانکہ قریبی اعزہ ہماری دعاؤں کے زیادہ حق دار ہیں۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: ''جب تم اپنے گھروں میں داخل ہو تو گھر والوں کو سلام کہو اور جب کھانا کھانے لگو تو بسم اللہ پڑھو۔ جب تم ایسا کرتے ہو تو شیطان اپنے ساتھیوں سے کہتا ہے نہ تمہیں یہاں رات گزارنے کو جگہ ملی نہ کھانے کو کچھ میسر آیا اور جو شخص گھر میں داخلہ کے وقت سلام نہیں کہتا اور کھانے پہ بسم اللہ نہیں پڑھتا تو شیطان اپنے ساتھیوں سے کہتا ہے: تمہیں رات گزارنے کو جگہ بھی مل گئی اور کھانا بھی۔''

(درمنثور جلد ۶ صفحہ ۲۲۶ بروایت حاکم)

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰٓى اَمْرٍ

مومن تو وہ لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر (صدق دل سے) ایمان لائے۔[62] اور جب وہ کسی اجتماعی معاملہ میں

جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوْا حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ اُولٰٓئِكَ

رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے ساتھ ہوں تو آپ کی اجازت کے بغیر کہیں نہیں جاتے بے شک جو لوگ آپ سے اجازت چاہتے ہیں

الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ

وہی اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھنے والے ہیں۔ لہٰذا جب وہ اپنے بعض کاموں کے لیے آپ سے اجازت مانگیں

فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۶۲﴾

تو آپ ان میں سے جس کے لیے چاہیں اجازت فرما دیں اور آپ ان کے لیے اللہ سے بخشش مانگیں بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔[63]

## صحابہ کرام کا احترام رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور منافقین کا گستاخانہ طرزِ عمل

[62] گزشتہ سے پیوستہ رکوع میں منافقین کے طرز عمل کی وضاحت کی گئی اب اس بات کو پھر دہرایا جا رہا ہے اور ساتھ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے سچی عقیدت و تعظیم پر روشنی ڈالی جا رہی ہے تاکہ اس کے مقابلہ میں منافقین کا منافقانہ طرزِ عمل کھل کر سامنے آئے تو تمہیداً فرمایا گیا کہ اہل ایمان تو وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر صحیح طرح صدقِ دل سے ایمان لائے ہیں۔ یعنی ان کے ہر حکم پر سر تسلیم خم کر دیتے ہیں نہ یہ کہ منافقوں کی طرح حیلے بہانے ڈھونڈتے اور فرار کی راہیں تلاش کرتے ہیں۔ یعنی صحابہ کرام کا طرزِ عمل بتایا گیا ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر

ایمان رکھنے کا حق ادا کرنے والے ہیں۔

[63] یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طرز عمل یہ ہے کہ جب وہ کسی اجتماعی معاملہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہوتے ہیں مثلاً آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خطبۂ جمعہ سنتے یا جنگ میں آپ کے ساتھ شریک ہوتے ہیں اور انہیں کہیں جانے کی ضرورت پیش آتی ہے تو وہ آپ سے اجازت لئے بغیر نہیں جاتے۔تو ان کا یہ اجازت لینا اس امر کی دلیل ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سچے دل سے ایمان لائے ہیں۔لہٰذا اے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب وہ آپ سے کسی کام کے لئے جانے کی اجازت مانگیں تو آپ جسے مناسب سمجھیں اسے اجازت دے دیں اور ان کے لئے بخشش مانگیں اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو لوگ آپ سے اجازت مانگے بغیر چلے جاتے ہیں حالانکہ آپ نے انہیں کسی اہم معاملہ کے لئے بلایا ہے تو یہ اس امر کی دلیل ہے کہ وہ مومن نہیں منافق ہیں۔

اسی لئے مروی ہے کہ خندق کھودنے کے دوران حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہیں جانے کے لئے اجازت مانگی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (منافقین کو سنانے کے لئے) بلند آواز سے فرمایا عمر جاؤ تم منافق نہیں ہو اور صحابہ کرام کا طریقہ یہ تھا کہ اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خطبہ ارشاد فرما رہے ہوتے اور کسی صحابی کو کوئی ماجرىٰ پیش آتا تو وہ انگلی کے اشارہ سے آپ سے اجازت طلب کرتا اور آپ ہاتھ کے اشارہ سے اسے اجازت دے دیتے مگر وہ بے اجازت نہیں جاتے تھے۔

(ابن ابی حاتم جلد ۸ صفحہ ۲۶۵۶ حدیث ۱۴۹۳۳)

اس آیت سے چار فوائد حاصل ہوئے:

(۱) اللہ تعالیٰ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ کے آداب سکھاتا ہے۔یعنی اللہ تعالیٰ نے صحابہ کو سکھایا کہ بارگاہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آداب کیا ہیں۔اگر وہاں سے اٹھنا پڑے تو کیسے اٹھا جائے؟ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ کو رَاعِنَا کہہ کر مت پکارو بلکہ اُنْظُرْنَا کہا کرو۔(بقرہ ۱۰۴) کہیں فرمایا اے مومنو! نبی کی آواز سے اپنی آواز مت اونچی کرو اور انہیں یوں بلند آواز سے مت پکارو جیسے تم ایک دوسرے کو پکار لیتے ہو۔اگر تم نے ایسا کیا تو تمہارے اعمال ضبط کر لئے جائیں گے اور تمہیں شعور تک نہ ہوگا۔(حجرات:۲)

دنیا میں بڑے بڑے بادشاہ گزرے اور موجود ہیں مگر ان کے درباروں کے آداب ان کے کارندے اور حکومتی افسران سکھاتے ہیں جبکہ حبیب خدا سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دربار وہ ہے جس کے آداب قرآنِ مجید میں اللہ رب العزت خود سکھاتا ہے۔اسی لئے کہا گیا۔

ادب گاہیست زیر آسمان از عرش نازک تر نفس گم کردہ مے آید جنید و بایزید ایں جا

(۲) تعظیم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اصل ایمان ہے

اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَاْذِنُوْنَكَ اُولٰٓىِٕكَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ''بے شک جو لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے

اجازت طلب کرتے ہیں وہی اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھنے والے ہیں''اس آیتِ مبارکہ سے معلوم ہوا کہ جو لوگ بارگاہ مصطفی ﷺ کا ادب ملحوظ رکھتے ہیں وہی ایمان والے ہیں۔ اسی لئے دوسری جگہ فرمایا گیا: فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوۡكَ فِيۡمَا شَجَرَ بَيۡنَهُمۡ۔ ''آپ کے رب کی قسم! لوگ مومن نہیں ہو سکتے جب تک اپنے ہر جھگڑے میں آپ کا حکم نہ مان لیں پھر آپ کے حکم کے بارے میں دل میں کوئی کھٹکا نہ پائیں اور یوں مانیں جیسے ماننے کا حق ہے۔'' (نساء:۶۵)

(۳) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا احترام رسول ﷺ:

اس آیت سے معلوم ہوا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کس طرح احترام رسول ﷺ کے تقاضے پورے کرتے تھے۔ احادیث میں ہے کہ وہ آپ کی بارگاہ میں ایسے بیٹھے ہوتے تھے جیسے ان کے سروں پر پرندے ہوں کہ اگر انہوں نے کچھ حرکت کی تو وہ پرندے اُڑ جائیں گے۔

(۴) شاگرد کو استاذ کی اجازت کے بغیر کلاس سے نہیں جانا چاہیے۔

صحابہ کرام حضور ﷺ کی مجلس سے بے اجازت نہیں نکلتے تھے کیونکہ آپ ان کو قرآن وحدیث کی تعلیم دیتے تھے۔ وَيُعَلِّمُهُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ (آل عمران ۱۶۴) تو آپ کے بعد قرآن وسنت کی تعلیم دینے والے مدرسین من جملہ حفاظ، قرآء، علماء، محدثین اور مشائخ آپ کے جانشین ہیں تو ان کے تلامذہ اور اہل مجلس کو بھی چاہیے کہ ان کی اجازت کے بغیر اٹھ کر نہ جائیں۔

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ؕ قَدْ يَعْلَمُ

رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی پکار کو اپنے مابین یوں (معمولی) نہ سمجھو جیسے تم ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔[64] اللہ انہیں

اللّٰهُ الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا ۚ فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ

خوب جانتا ہے جو تم میں سے کسی کی آڑ لے کر کھسکتے ہیں، تو آپ کے حکم سے مخالفت

اَمْرِهٖۤ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۶۳﴾ اَلَاۤ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي

کرنے والوں کو ڈرنا چاہیے کہ کہیں انہیں کوئی مصیبت یا دردناک عذاب نہ آپہنچے۔[65] خبردار اللہ ہی کے لیے ہے

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قَدْ يَعْلَمُ مَاۤ اَنْتُمْ عَلَيْهِ ؕ وَيَوْمَ يُرْجَعُوْنَ اِلَيْهِ

جو آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اللہ خوب جانتا ہے تم جس حالت پر ہو اور جس دن لوگ اس کی طرف لوٹائے جائیں

فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۶۴﴾ ع

تو وہ انہیں ان کے اعمال سے خبردار کرے گا اور اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔[66]

[64] اے مومنو! جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہیں پکاریں یعنی کسی کام کے لئے بلائیں تو آپ کی پکار کو یوں معمولی نہ سمجھو جیسے تم ایک دوسرے کی پکار کو سمجھتے ہو بلکہ آپ کی پکار پر لبیک کہتے ہوئے دوڑتے آؤ۔ دوسری جگہ فرمایا گیا: اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ۔ "جب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تمہیں بلائیں تو فوراً اللہ اور اس کے رسول کا حکم بجالاؤ۔" (انفال ۲۴) اور بخاری میں ہے کہ ایک شخص محو نماز تھا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے بلایا اس نے جلدی نماز ختم کی اور حاضر ہوا آپ نے فرمایا کیا تم نے قرآن نہیں سنا کہ جب اللہ اور اس کا رسول بلائیں تو فوراً حاضر ہو؟ اس نے کہا: جی ہاں سنا ہے اور آئندہ میں ایسے ہی کروں گا۔ (بخاری کتاب التفسیر سورہ انفال باب ۲)

## حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یا محمد کہہ کر پکارنے کی ممانعت

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی دوسری تفسیر یہ کی ہے کہ اے مومنو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یوں نام لے کر نہ پکارو جیسے تم آپس میں ایک دوسرے کو نام لے کر پکارتے ہو بلکہ آپ کو یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور یا نبی اللہ کہہ کر پکارو۔
(ابن ابی حاتم جلد ۸ صفحہ ۲۶۵۵ حدیث ۱۴۹۲۴ مطبوعہ مکہ)

اس تفسیر کے مطابق معلوم ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یا محمد کہہ کر نہیں پکارنا چاہئے نہ اس طرح درود وسلام بھیجنا چاہیے

بلکہ یارسول اللہ اور یا نبی اللہ کہنا چاہئے۔ اسی لئے اس آیت کے تحت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور متعدد تابعین منجملہ حضرت مقاتل اور حضرت مجاہد رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ صحابہ کرام پہلے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یا محمد اور یا ابا القاسم کہہ کر پکارتے تھے پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں اس آیت کے ذریعے ایسا کہنے سے منع کر دیا اور اس کی بجائے انہیں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہنے کا حکم فرمایا۔ (ابن ابی حاتم جلد ۸ صفحہ ۲۶۵۵ حدیث ۱۴۹۲۴۔ ابن جریر طبری جلد ۹ صفحہ ۳۶۵ حدیث ۲۶۶۳)

یادرہے پہلی امتیں اپنے انبیاء کو ان کا نام لے کر پکارتی تھیں جیسے وَاِذْ قُلْتُمْ یٰمُوْسٰی۔ (بقرہ ۵۵) اِذْ قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ یٰعِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ۔ (مائدہ ۱۱۲) مگر یہ طرز عمل ان کے لیے بدشگون ہوا۔ اور وہ گمراہ ہو گئے۔ اس لئے مومنین کو حکم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آپ کے نام سے نہ پکارا جائے۔ یہ بجا ہے کہ بعض احادیث قدسیہ میں اللہ تعالیٰ کا آپ کو یا محمد کہہ کر پکارنا موجود ہے مگر اللہ کا حق ہے کہ وہ آپ کو جیسے چاہے بلائے، تاہم قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو کہیں لفظ محمد سے نہیں پکارا بلکہ یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ اور یاایھا الرسول سے یاد فرمایا۔

تاہم بعض علماء نے اس جگہ یہ فرق کیا ہے کہ اگر یا محمد کہہ کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بلانا مقصود ہو تو یہ ممنوع ہے۔ کیونکہ اس میں سوئے ادب ہے۔ کوئی شخص اپنے باپ کو بھی اس کا نام لے کر نہیں بلاتا چہ جائیکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آپ کا نام لے کر بلایا جائے اور یہ حکم صحابہ کرام ہی سے خاص ہے۔ اور اگر یا محمد کہہ کر صرف آپ کو یاد کرنا یا آپ کی روح مبارک کو اپنی طرف متوجہ کرنا مقصود ہو تو یا محمد کہنا ممنوع نہیں۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک نابینا صحابی کو جو دعاء وسیلہ سکھائی تھی اس میں یہ الفاظ ہیں: یا محمد انی اتوجه بك الی ربی، یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں آپ کے وسیلہ سے اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔
(ترمذی کتاب الدعوات باب ۱۱۸، ابن ماجہ کتاب الاقامہ باب ۱۸۹، مسند احمد جلد ۴ صفحہ ۱۳۸)

جنگ یمامہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مدعی نبوت مسیلمہ کذاب سے گھمسان کی جنگ کی۔ جب حالات مشکل ہوئے تو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے حکم سے صحابہ کرام یہ نعرہ لگانے لگے: یا محمداہ۔
(البدایہ والنہایہ جلد ۶ صفحہ ۳۲۹ مقتل مسیلمة الکذاب مطبوعہ دار الریان قاہرہ مصر)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا پاؤں خراب ہوا تو آپ نے پکارا یا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)، تو آپ کا پاؤں درست ہو گیا۔ (الادب المفرد صفحہ ۲۵۰) ان احادیث سے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غائبانہ پکارنے کا جواز ثابت ہوتا وہاں آپ کو محض یاد کرنے کے لیے یا محمد کہہ کر پکارنا بھی جائز اور صحابہ کی سنت قرار پاتا ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی سے لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَکُمْ الخ کی تیسری تفسیر یہ بھی مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا کو ایسا نہ سمجھو جیسے تم ایک دوسرے کی دعا کو سمجھتے ہو یعنی آپ کی دل آزاری نہ کرو۔ اگر آپ نے تمہارے خلاف دعا کر دی تو تباہ کر دیئے جاؤ گے۔ (درمنثور جلد ۶ صفحہ ۲۳۱) الغرض مذکورہ تینوں تفاسیر کا مدعا یہی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ کا ادب سکھایا جائے۔

[65] مقاتل کہتے ہیں کہ منافقین کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خطبہ جمعہ سننا گوارا نہ ہوتا تو وہ بعض صحابہ کی آڑ لے کر ان کے پیچھے

چھپتے ہوئے مسجد سے نکل جاتے تھے۔ (ابن ابی حاتم جلد ۸ صفحہ ۲۶۵۶ حدیث ۱۴۹۳۴) اسی طرح حضرت محمد بن کعب قرظی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ خندق کھودنے کے دوران صحابہ کرام تو کسی کام کے لئے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے پوچھ کر جاتے اور منافقین آپ کو بتائے بغیر خود ہی کھسک جاتے تو یہ آیت صحابہ کی تعریف اور منافقین کی مذمت میں نازل ہوئیں۔ (درمنثور جلد ۵ صفحہ ۶۵ مطبوعہ دارالمعرفہ بیروت عن ابن اسحاق وابن منذر وغیرہ) یعنی اللہ تعالیٰ نے منافقین کو ڈرایا کہ انہیں دنیا میں کسی فتنہ میں پڑنے یا آخرت کے دردناک عذاب میں مبتلا ہونے سے ڈرنا چاہئے۔

[66]　یعنی اللہ تعالیٰ مالک ارض وسماء ہے اور اے منافقو! تم جس حالت میں ہو اللہ اس سے واقف ہے تم اس سے چھپ نہیں سکتے اللہ روز قیامت سب انسانوں کو ان کے اعمال سے آگاہ کرے گا کیونکہ وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

---

الحمدللہ آج 15 صفر المظفر 1429ھ مطابق 23 فروری 2008ء بروز ہفتہ نماز ظہر سے قبل سورہ نور کی تفسیر مکمل ہوئی۔

و صلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ خیر خلقہ محمد والہ وصحبہ اجمعین۔

# سورۃ الفرقان

ترتیب تلاوت کے اعتبار سے یہ قرآن کی 25 ویں اور ترتیب نزول کے اعتبار سے 42 ویں سورت ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے حضرت عطاء کی روایت کے مطابق سورۂ فرقان سورۂ یاسین کے بعد اور سورۂ ملائکہ (سورۂ فاطر) سے قبل نازل ہوئی۔ (اتقان فی علوم القرآن جلد ۱ صفحہ ۲۳)

اس سورت میں 6 رکوعات (77) آیات (892) کلمات اور (3730) حروف ہیں۔

اس کا نام سورۃ الفرقان اس لئے ہے کہ اس کا آغاز ان الفاظ سے ہوا: تَبٰرَكَ الَّذِیۡ نَزَّلَ الۡفُرۡقَانَ عَلٰی عَبۡدِهٖ لِیَكُوۡنَ لِلۡعٰلَمِیۡنَ نَذِیۡرَا ۙ﴿۱﴾ (فرقان: ۱) تو پہلی آیت میں لفظ فرقان کی مناسبت سے اسے سورۂ فرقان کہا گیا۔

یہ سورت حضور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام کو مختلف قراءات میں پڑھائی۔ ایک بار حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ہشام بن حکیم کو کسی مختلف قراءات پر یہ سورت پڑھتے دیکھا تو غصہ میں آ گئے اور انہیں پکڑ کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لے گئے اور عرض کیا کہ یہ شخص اس سے مختلف پڑھ رہا ہے جو آپ نے مجھے پڑھایا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دونوں سے یہ سورت سنی، دونوں نے مختلف قراءات پر اسے پڑھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ دونوں قراءات صحیح ہیں اور دونوں میں نے ہی پڑھائی ہیں اور یہ قرآن سات حروف پر یعنی سات قراءت پر اترا ہے۔

(بخاری کتاب فضائل القرآن باب ۵، نسائی کتاب الافتتاح باب ۳۷)

قرآن جن سات قرأت پر اترا ہے ان کی تشریح کیا ہے؟ اور سات قراءات متواترہ جو ساری دنیا میں پڑھی پڑھائی جاتی ہیں کیا ہیں؟ اس موضوع پر ہم نے تفسیر کے مقدمہ میں واضح روشنی ڈالی ہے۔ الحمد للہ راقم الحروف نے قراءات سبعہ متواترہ سبقاً سبقاً پڑھی اور آگے پڑھائی ہیں اور قراءات سبعہ کی مشہور عالم متداول درسی کتاب ''الشاطبیۃ'' کی شرح بھی لکھی ہے جو زیر طبع ہے۔

سورت فرقان مکمل مکی سورت ہے البتہ اس کی آیت 68 میں مختلف اقوال ہیں۔

## مضامین سورت

اس سورت کا آغاز عظمتِ قرآن وصاحبِ قرآن محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذکر جمیل سے ہوا اور قرآن و رسالت محمدیہ کی

حقانیت کو دلائل سے ثابت کیا گیا، پھر آپ ﷺ کی رسالت کے منکروں کے لیے نارِ جہنم کے عذابات بتائے گئے، پھر قرآن کے بارے میں کفار کے شبہات کا ازالہ کیا گیا، پھر قیامت کا ذکر لایا گیا، پھر خداوندی انعامات کا ذکر شروع ہوا، پھر رسالت موسیٰ علیہ السلام اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کی رسالت کا بیان ہوا، پھر انعاماتِ الٰہیہ کی بات ہوئی اور آخری رکوع میں اہل ایمان کی صفاتِ حمیدہ بتائی گئیں۔

## ماقبل سے مناسبت

دلائلِ توحید، حقانیتِ قرآن اور رسالت محمدیہ کے اثبات جیسے مضامین کے اعتبار سے یہ دونوں سورتیں ایک جیسی ہیں۔ دونوں ایک ہی مضمون کا تسلسل نظر آتی ہیں۔ خصوصاً دونوں میں قرآن کی عظمت وحقانیت کی بات زیادہ نمایاں ہے۔

راجی رحمۃ الرب عبدہ المذنب قاری محمد طیب غفرلہ

آیاتها ۷۷ ۲۵ سُوْرَةُ الْفُرْقَانِ مَكِّيَّةٌ ۴۲ رکوعاتها ٦

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا ۙ﴿۱﴾

برکت والا ہے وہ اللہ جس نے اپنے بندہ خاص پر (حق و باطل میں) فرق کرنے والی کتاب اتاری تا کہ وہ تمام جہانوں کے لئے ڈر سنانے والا ہو۔[1]

## قرآن اور نبوتِ محمدیہ کی صداقت

[1] کفارِ مکہ قرآنِ مجید اور نبوت محمدیہ کی حقانیت سے مسلسل انکار کر رہے تھے اور آج بھی مسلم و غیر مسلم میں فرق کی وجہ وجیہ اور اصل اصیل انہی دو چیزوں کا ماننا ہے انہیں ماننے والا مسلم ہے اور نہ ماننے والا غیر مسلم۔ تو اللہ رب العزت نے ان دونوں کی صداقت واضح کرنے کے لئے فرمایا کہ اللہ وہ ہے جس نے اپنے بندۂ خاص محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حق و باطل میں فرق کرنے والی کتاب قرآن کا نزول فرمایا تا کہ وہ کتاب یا وہ بندۂ خاص تمام جہانوں کے لئے ڈر سنانے والے بن جائیں۔

### حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ساری کائنات کے لیے رسول ہیں

لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا سے معلوم ہوا آپ تمام جہانوں کے لئے نذیر ہیں۔ اسی لئے دوسری جگہ فرمایا گیا: وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾ ''اور ہم نے تو آپ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔'' (انبیاء ۱۰۷) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: اُرْسِلْتُ الی الخلقِ کافۃً۔ ''مجھے تمام مخلوق کی طرف رسول بنایا گیا ہے۔ (ترمذی کتاب التفسیر باب ۵) اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کائنات کی کوئی ایسی چیز نہیں جو یہ نہ جانتی ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ (طبرانی کبیر جلد ۲۵ صفحہ ۵۰۷ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی) اور آپ پر نازل ہونے والے قرآن کے بارے میں فرمایا گیا: اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۷﴾ ''یہ قرآن تمام جہانوں کے لئے ذکر ہی تو ہے۔'' (صفحہ: ۸۷)

### آپ تمام مخلوق پر حاکم ہیں

جب آپ ساری کائنات کے رسول ہیں تو رسول کی اطاعت لازم ہے۔ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ ''ہم نے جو بھی رسول بھیجا وہ اسی لئے تھا تا کہ باذن اللہ اس کی اطاعت کی جائے۔'' (نساء ۶۴) اسی لئے

حضور ﷺ جس چیز کو حکم فرماتے ہیں وہ اطاعت بجالاتی ہے حضور ﷺ کے حکم پر درخت دوڑے آتے ہیں، جانور اطاعت بجالاتے ہیں۔ پتھر آپ کو سلام پیش کرتے ہیں۔ چاند آپ کے حکم پر دوٹکڑے ہوجاتا ہے بلکہ چاند آپ کی انگلی کے اشارے پر کرتا ہے۔ سورج آپ کے کہنے پر پلٹ آتا ہے۔ ان معجزات کی تفصیل ''الخصائص الکبریٰ''، ''دلائل النبوۃ'' لابی نعیم والبیہقی وغیرہ میں دیکھی جائے۔ اس لئے امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔

زمین و زماں تمہارے لئے مکین و مکان تمہارے لئے
چنیں و چناں تمہارے لئے بنے دوجہاں تمہارے لئے

## اللہ تعالیٰ اپنا تعارف آپ کے ذریعے کرواتا ہے

تَبٰرَكَ الَّذِیۡ نَزَّلَ الۡفُرۡقَانَ عَلٰی عَبۡدِهٖ میں اللہ تعالیٰ نے اپنا تعارف یوں کروایا کہ اللہ وہ ہے جس نے محمد عربی ﷺ پر قرآن اتارا۔ اسی طرح فرمایا گیا: هُوَ الَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ بِالۡهُدٰی وَدِیۡنِ الۡحَقِّ۔ ''اللہ وہ ہے جس نے اپنے رسول (ﷺ) کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا۔'' (توبہ، ۳۳) یاد رہے جب کوئی صاحب علم وفن اپنے علم وفن کا تعارف کروائے تو اپنی سب سے بہتر تخلیق کا حوالہ دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے علم وکمال کا حوالہ آپ کی تخلیق وترسیل سے دے کر بتادیا کہ آپ کارخانۂ قدرت کا سب سے حسین تر شاہکار ہیں:

رخِ مصطفیٰ ہے وہ آئینہ کہ ایسا کوئی بھی آئینہ نہ کسی کی چشم خیال میں نہ دکان آئینہ ساز میں

## ختمِ نبوت

جب حضور ختم المرسلین ﷺ تمام عالمین کے لیے رسول ہیں تو آپ کی موجودگی میں کسی دوسرے رسول کی ضرورت نہیں پہلے انبیاء کرام نجوم نبوت تھے آپ آفتاب نبوت ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: سِرَاجًا مُّنِیۡرًا ہم نے آپ کو چمکا دینے والا آفتاب بنا کر بھیجا ہے۔ (احزاب ۴۶) آفتاب کے طلوع کے بعد کسی ستارے کی ضرورت نہیں رہتی۔ مرزائی لوگ کہتے ہیں کہ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی موجودگی میں ہارون علیہ السلام، زکریا علیہ السلام کی موجودگی میں یحییٰ علیہ السلام اور داود علیہ السلام کی موجودگی میں سلیمان علیہ السلام نبی بن سکتے ہیں تو رسول اللہ ﷺ کی رسالت کی موجودگی میں سی اور رسول کی رسالت کیوں نہیں مانی جاسکتی؟ مگر یہ ملحدانہ وکافرانہ خیال ہے۔ رسول اکرم ﷺ فرماتے ہیں: اے علی! تمہارا مرتبہ میرے ساتھ ایسا ہے جیسا ہارون علیہ السلام کا مرتبہ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تھا مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔ (بخاری وترمذی عن سعد بن ابی وقاص)

جب باب مدینۃ العلم داماد رسول وشوہر بتول مولا علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ نبی نہیں بن سکتے تو ایک ناکام وکیل مرزا قادیانی کیسے نبی بن سکتا ہے۔ وجہ یہی ہے کہ اب آفتاب رسالت طلوع ہوچکا ہے جس کی ضوء نے سارے عالم کو گھیر رکھا ہے۔ لہٰذا اب کسی نئے نبی ورسول کو ماننا ایسے ہی ہے جیسے آفتاب کو چراغ دکھایا جائے۔

## آپ کا مقام عبدیت

اللہ تعالیٰ نے آپ کی ہر اہم فضیلت کا ذکر آپ کی عبدیت کے ساتھ کیا۔ جیسے یہاں فرمایا: نَزَّلَ الۡفُرۡقَانَ عَلٰی عَبۡدِہٖ اور فرمایا: سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ۔ (بنی اسرائیل، ۱) اور شب معراج مقام او ادنیٰ کی بلندی کا ذکر یوں کیا گیا: فَاَوۡحٰۤی اِلٰی عَبۡدِہٖ مَاۤ اَوۡحٰی ﴿۱۰﴾ (نجم ۱۰) اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ نے جو مقام پایا اپنی عبدیت سے پایا کیونکہ جو شخص جس قدر تواضع کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے اسی قدر بلندی دیتا ہے۔

حدیثِ مبارکہ ہے: من تواضع للہ رفعه الله. جو اللہ کے لئے تواضع کرے اللہ اسے بلند کر دیتا ہے۔ (مسند احمد جلد ۳ صفحہ ۷۶) اس میں ہمارے لئے بھی درسِ عبادت ہے کہ ہم بھی عبادت سے اللہ تعالیٰ کے ہاں بلندی پا سکتے ہیں اور اسی لئے فرمایا گیا: الصلوٰۃ معراج المومنین۔

| |
|---|
| الَّذِیۡ لَہٗ مُلۡکُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ لَمۡ یَتَّخِذۡ وَلَدًا وَّ لَمۡ یَکُنۡ لَّہٗ |
| وہ اللہ جس کے لئے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے اور اس نے کوئی اولاد نہیں بنائی اور اس کی بادشاہی میں |
| شَرِیۡکٌ فِی الۡمُلۡکِ وَ خَلَقَ کُلَّ شَیۡءٍ فَقَدَّرَہٗ تَقۡدِیۡرًا ﴿۲﴾ وَ اتَّخَذُوۡا مِنۡ |
| اس کا کوئی شریک نہیں۔ اس نے ہر چیز پیدا کی پھر اسے ایک مقرر انداز ے پر رکھا۔ [2] مشرکوں نے اس کے سوا |
| دُوۡنِہٖۤ اٰلِہَۃً لَّا یَخۡلُقُوۡنَ شَیۡئًا وَّ ہُمۡ یُخۡلَقُوۡنَ وَ لَا یَمۡلِکُوۡنَ لِاَنۡفُسِہِمۡ |
| کئی خدا بنا لیے جو کچھ پیدا نہیں کر سکتے بلکہ وہ پیدا کیے گئے ہیں اور وہ خود اپنے کسی نفع کے مالک ہیں |
| ضَرًّا وَّ لَا نَفۡعًا وَّ لَا یَمۡلِکُوۡنَ مَوۡتًا وَّ لَا حَیٰوۃً وَّ لَا نُشُوۡرًا ﴿۳﴾ |
| نہ نقصان کے اور نہ وہ کسی کی موت وحیات کے مالک ہیں نہ دوبارہ اٹھانے کے۔ [3] |

[2] یعنی جو اللہ ارض وسماء کا خالق و مالک ہے اگر اس نے اپنے محبوب کو ساری کائنات کے لئے رسول بنایا ہے تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے۔ اللہ کی کوئی اولاد نہیں نہ اس کی بادشاہی میں کوئی اس کا شریک ہے۔ اس نے ہر چیز کو پیدا کر کے اس کے لئے ایک اندازہ مقرر کر دیا یعنی لکھ دیا کہ کوئی شیء کب تک دنیا میں رہے گی اور اس کا کیا عمل ہوگا۔

[3] مشرکین نے اللہ کے سوا کئی خدا مان لئے مگر انہوں نے یہ کیوں نہ دیکھا کہ ان کے جھوٹے معبود کچھ پیدا نہیں کر سکتے بلکہ انہیں مشرکوں نے اپنے ہاتھ سے تراشا ہے اور ان کی بے بسی کا یہ عالم ہے کہ وہ اپنے کسی نفع ونقصان کے مالک نہیں ہیں تو وہ مشرکوں کا کیا نفع کر سکتے ہیں۔ نہ وہ کسی کی موت وحیات کے مالک ہیں نہ کسی کو دوبارہ اٹھا سکتے ہیں

جبکہ اللہ ہر کسی کی موت وحیات کا مالک ہے اور وہی سب کو دوبارہ زندہ کرے گا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: كُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۸﴾ ''حالانکہ تم مردہ تھے اس نے تمہیں زندگی دی پھر تمہیں مارے گا پھر تمہیں زندگی دے گا پھر تم اسی کی طرف لوٹ کر جاؤ گے۔'' (بقرہ:۲۸)

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اِفْكُ ِۨافْتَرٰىهُ وَاَعَانَهٗ عَلَيْهِ قَوْمٌ

اور کافروں نے کہا یہ (قرآن) تو ایک بہتان ہے جسے اس شخص نے گھڑ لیا ہے اور کچھ دوسرے لوگوں نے اس پر اس کی

اٰخَرُوْنَ ۚۛ فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا وَّزُوْرًا ﴿۴﴾ وَقَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا

مدد کی ہے، تو ایسا کہنے والوں نے ظلم اور جھوٹ کا ارتکاب کیا ہے، وہ کہتے ہیں یہ اگلے لوگوں کی کہانیاں ہیں جو اس نے لکھ لی ہیں

فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ﴿۵﴾ قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِيْ يَعْلَمُ السِّرَّ فِي

تو وہ اس پر صبح و شام پڑھی جاتی ہیں۔ آپ فرمائیں یہ قرآن اس رب نے نازل کیا ہے جو

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۶﴾

آسمانوں اور زمین میں ہر بھید جانتا ہے بے شک وہ بخشنے والا مہربان ہے۔[4]

[4] کفار عرب کہتے ہیں کہ محمد (ﷺ) نے قرآن کو اپنی طرف سے گھڑ کر اللہ پر افتراء کیا ہے اور آپ اکیلے ایسا نہیں کر سکتے تھے بلکہ کچھ دوسرے لوگوں نے اس میں آپ کی مدد کی ہے۔ دراصل مکہ میں جبر، بسار اور عداس وغیرہ ناموں کے چند یہود رہتے تھے۔ کفار مکہ سمجھتے تھے کہ یہ یہود آپ کو پہلے انبیاء کرام کے واقعات بتاتے ہیں جنہیں آپ لکھ لیتے ہیں اور یہود آپ کو وہ چیزیں صبح وشام بتاتے رہتے ہیں اور آپ لکھتے رہتے ہیں پھر انہیں قرآن قرار دے کر اللہ کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کفار نے یہ بات کہہ کر عظیم ظلم اور بڑے جھوٹ کا ارتکاب کیا ہے۔

## رسول اللہ ﷺ کا اُمّی ہونا آپ کے لیے دلیل نبوت ہے

یعنی کیا وہ دیکھتے نہیں کہ آپ اُمّی ہیں آپ نے کسی سے لکھنا پڑھنا نہیں سیکھا اور آپ ﷺ لکھنا پڑھنا کس سے سیکھتے آپ جس قوم میں پیدا ہوئے وہ سب اُمّی تھے۔ اللہ فرماتا ہے: هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا ۔ ''اللہ وہ ہے جس نے اَن پڑھ لوگوں میں رسول بھیجا۔'' (جمعہ ۲) چنانچہ مکہ یا اس کے گردونواح میں اس وقت کوئی مکتب کوئی سکول اور کوئی درس گاہ نہ تھی۔ پھر کفار کس منہ سے کہتے ہیں کہ آپ نے کچھ دوسرے لوگوں سے یہ باتیں سیکھ کر لکھ لی ہیں اور ان پر قرآن کا لیبل لگا دیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا سن لو قرآن کو اس رب نے اتارا ہے جو آسمان وزمین کا ہر راز جانتا ہے تو

اسی نے قرآن میں کائنات کے راز ہائے پنہاں واضح کئے ہیں اور اللہ غفور و رحیم ہے لہٰذا اے کفار! اگر تم اب بھی توبہ کر کے ایمان لے آؤ تو وہ تمہارا زندگی بھر کا کفر معاف فرما دے گا۔

ہم کہتے ہیں کہ کفار مکہ تو ان پڑھ جاہل تھے افسوس تو آج کے پڑھے لکھے یہود و نصاریٰ مستشرقین پر ہے جو کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ملک شام کی طرف اپنے تجارتی اسفار میں وہاں کے عیسائی راہبوں سے ملاقات کی تھی اور انہی سے آپ نے انبیاء کرام علیہم السلام کے واقعات سیکھے اور بعد میں انہیں قرآن میں شامل کر لیا اور کچھ باتیں مزید ملا لیں۔ گویا مستشرقین کی حالت جہلاء عرب سے بھی بدتر ہے۔

| وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ؕ |
|---|
| اور انہوں نے کہا اس رسول کے لئے کیا خصوصیت ہے؟ (ہماری طرح) کھانا کھاتا اور بازاروں میں چلتا ہے۔ |
| لَوْلَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا ۙ﴿۷﴾ اَوْ يُلْقٰۤى اِلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ |
| اس پر کوئی فرشتہ کیوں نہ اتارا گیا جو اس کے ساتھ ڈر سنانے والا ہوتا، یا اس پر کوئی خزانہ اُتارا جاتا یا اس کے لیے |
| لَهٗ جَنَّةٌ يَّاْكُلُ مِنْهَا ؕ وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا |
| کوئی باغ ہوتا جس سے یہ کھاتا۔[5] اور ظالموں نے (مومنوں سے) کہا تم بس ایک جادو زدہ شخص کی |
| مَّسْحُوْرًا ﴿۸﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ﴿۹﴾ ع |
| پیروی کرتے ہو۔ (اے محبوب) دیکھیے وہ آپ کے لیے کیسی مثالیں لاتے ہیں، وہ گمراہ ہو گئے ہیں اب وہ راہ نہیں پا سکتے۔[6] |

[5] کفارِ عرب حضور ﷺ کی نبوت میں یہ شبہ بھی پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہتے تھے کہ آپ میں اور ہم میں کیا فرق ہے؟ آپ بھی ہماری طرح کھانا کھاتے اور بازاروں میں طلب معاش کے لئے آتے جاتے اور خرید و فروخت کرتے ہیں اگر آپ نبی ہوتے تو آپ پر کوئی فرشتہ اتارا جاتا جو ہمیں آپ کی نبوت کے بارے میں آگاہ کرتا، یا آپ پر آسمان سے کوئی خزانہ اُتارا جاتا جو آپ کو طلب معاش کے لئے بازاروں میں آنے جانے سے بے نیاز کر دیتا یا آپ کے پاس کوئی لہلہاتا باغ ہوتا جس میں سے آپ جو چاہتے کھاتے تاکہ ہمیں آپ کی نبوت کا یقین آ جاتا۔

## کفارِ مکہ کا رسول اللہ ﷺ کو مال و دولت، حکومت اور شادی کی پیشکش کرنا

اس آیت کے تحت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ سردارانِ مکہ نے حضور سید کائنات ﷺ سے کہا کہ آپ اگر چاہیں تو ہم آپ کے پاس سونے چاندی کا ڈھیر لگا دیتے ہیں۔ آپ کو سارے عرب کا سردار بنا دیتے اور

عرب کی سب سے حسین عورت سے آپ کی شادی کر دیتے ہیں مگر آپ ہمارے خداؤں کے خلاف تبلیغ نہ کیا کریں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے مال و دولت اور سرداری سے کیا تعلق؟ میں تو اللہ کا رسول ہوں۔ اس نے مجھ پر کتاب اتاری ہے اور مجھے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے۔ کفار نے کہا: اچھا اگر آپ کو ہماری کوئی پیش کش قبول نہیں تو آپ اپنے رب سے سوال کریں وہ آپ پر کوئی فرشتہ اتارے جو آپ کی تصدیق کرے یا اللہ آپ کو کوئی باغ یا سونے چاندی کا محل دے تا کہ آپ ﷺ کی ہم پر برتری واضح ہو جائے کیونکہ آپ ہماری ہی طرح بازاروں میں فکر معاش کے لئے پھرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: میں اپنے رب سے ایسی کوئی چیز نہیں مانگوں گا نہ مجھے ایسی چیزوں کے لئے بھیجا گیا ہے۔ تب یہ آیت اتری: وَقَالُوۡا مَالِ هٰذَا الرَّسُوۡلِ۔ (تفسیر ابن جریر جلد ۹ صفحہ ۳۶۷ حدیث ۲۶۲۷۷)

اس روایت سے معلوم ہوا حضور ﷺ کا فقر و فاقہ اختیاری تھا۔ آپ نے اپنے رب سے سونے چاندی اور باغات طلب کرنے سے خود انکار فرمایا کیونکہ آپ فقیرانہ زندگی گزارنا چاہتے تھے ورنہ آپ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے پیش کش فرمائی کہ وہ میرے لئے وادیٔ مکہ کو سونے کی بنا دے۔ میں نے عرض کیا: نہیں یا رب! میں چاہتا ہوں کہ ایک دن مجھے پیٹ بھر کر کھانا ملے تو دوسرے دن بھوکا رہوں تا کہ بھوک میں تیری یاد کروں اور سیر شکمی میں تیرا شکر بجالاؤں۔
(ترمذی کتاب الزھد باب ۳۵ حدیث ۲۳۴۷)

[6] کفارِ مکہ نے مسلمانوں سے کہا: تم ایک جادو زدہ شخص کی پیروی کرتے ہو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے پیارے محبوب (ﷺ) دیکھیے کفار آپ کے لئے کیسی بُری مثالیں لاتے ہیں کہ کبھی آپ کو جادوگر کہتے ہیں پھر اسی زبان سے آپ کو جادو زدہ قرار دیتے ہیں کیونکہ وہ راہِ راست سے بھٹک گئے ہیں تو وہ جان نہیں سکتے کہ کیا کہیں، کدھر جائیں۔

تَبٰرَكَ الَّذِیْٓ اِنْ شَآءَ جَعَلَ لَكَ خَیْرًا مِّنْ ذٰلِكَ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ

برکت والا ہے وہ اللہ کہ اگر وہ چاہے تو آپ کے لیے اس سے بہتر باغات بنادے جن کے نیچے

تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَیَجْعَلْ لَّكَ قُصُوْرًا ۝۱۰ بَلْ كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ قف وَاَعْتَدْنَا لِمَنْ

نہریں بہتی ہوں اور آپ کے لیے عظیم محلات پیدا کر دے۔[7] بلکہ (اصل بات یہ ہے کہ) کفار قیامت کو

كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِیْرًا ۝۱۱ اِذَا رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍۭ بَعِیْدٍ سَمِعُوْا لَهَا تَغَیُّظًا

جھٹلاتے ہیں اور جو قیامت کو جھٹلائے ہم نے اس کے لیے بھڑکتی آگ تیار کی ہے۔ جب وہ انہیں دور سے دیکھے گی تو انہیں اس کا جوش غضب

وَّزَفِیْرًا ۝۱۲ وَاِذَآ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَیِّقًا مُّقَرَّنِیْنَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا ۝۱۳ ط

اور چنگھاڑ نا سنائی دے گا۔[8] اور جب وہ اس کے کسی تنگ مقام میں پابہ زنجیر پھینکے جائیں گے تو وہاں موت کو پکاریں گے (کہا جائے گا)

لَا تَدْعُوا الْیَوْمَ ثُبُوْرًا وَّاحِدًا وَّادْعُوْا ثُبُوْرًا كَثِیْرًا ۝۱۴ قُلْ اَذٰلِكَ خَیْرٌ اَمْ

آج ایک موت کو نہ پکارو بلکہ کئی موتوں کو پکارو۔ [9] آپ انہیں فرما دیں کہ عذاب بہتر ہے یا وہ ہمیشگی کی

جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ط كَانَتْ لَهُمْ جَزَآءً وَّمَصِیْرًا ۝۱۵ لَهُمْ

جنت جس کا پرہیز گاروں سے وعدہ کیا گیا ہے۔ وہ ان کی جزا اور ان کا انجام ہے ان کے لیے

فِیْهَا مَا یَشَآءُوْنَ خٰلِدِیْنَ ط كَانَ عَلٰی رَبِّكَ وَعْدًا مَّسْئُوْلًا ۝۱۶

وہاں وہ سب کچھ ہے جو وہ چاہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے یہ وعدہ آپ کے رب کے ذمے ہے جس کا سوال کیا جاتا ہے۔[10]

## روزِ قیامت کفار کیلئے جہنم کا جوش وغضب اور مومنوں کیلئے بہار جنت

[7] ابھی آیت 7 اور 8 میں کفار مکہ کی یہ بات نقل کی گئی کہ اس شخص (محمد عربی ﷺ) کے لئے کوئی باغ کیوں نہیں ہے جس سے یہ کھایا کرے۔ تو اب یہاں کفار کی اس بات کا جواب دیتے ہوئے کہا گیا ہے کہ اے پیارے نبی ﷺ! اگر اللہ چاہے تو دنیا میں آپ کے لئے کفار کے ذکر کردہ باغ سے بہتر کئی باغات بنا دے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں اور آپ کے لیے دنیا میں کئی محلات بنا دے۔ یعنی اللہ کے لئے ایسا کرنا کچھ مشکل نہیں

مگر یہ اس کی حکمت کے خلاف ہے۔

## رسول اللہ ﷺ کو سونے چاندی کے محلات وغیرہ کیوں نہ دیے گئے

یاد رہے حضور ﷺ کو (کفار کے مطالبہ کے باوجود) دنیا میں باغات و محلات کیوں نہ دیئے گئے؟ اس کے چند اسباب ہیں:

اول: دنیا میں ایمان بالغیب کا اعتبار ہے اور یہی مدار نجات ہے اور کفار کو یہ منظر دنیا میں دکھا دیا جانا ایمان بالغیب کے خلاف تھا۔

دوم: کفار کو اگر یہ چیزیں دکھا دی جاتیں تو پھر بھی وہ ایمان لانے والے نہ تھے اور جب وہ یہ دیکھ کر بھی ایمان نہ لاتے تو ان پر عذاب لازم ہو جاتا اور اللہ کو یہ پسند نہ تھا کہ اپنے محبوب کی بعثت کے بعد عذاب اتارے۔

سوم: نبی پاک ﷺ کو اپنے لئے مال دنیا کی کثرت پسند نہ تھی آپ نے اپنے لئے خود فقیرانہ زندگی پسند فرمائی۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ کے پاس خازنِ جنت فرشتہ رضوان حاضر ہوا اور ایک نورانی صندوق پیش کیا، کہنے لگا اس میں تمام دنیوی خزانوں کی چابیاں ہیں آپ نے جبرائیل علیہ السلام کی طرف دیکھا۔ انہوں نے زمین پر ہاتھ مارا یعنی اشارہ کیا کہ آپ تواضع اختیار کریں۔ آپ نے فرمایا: اے رضوان! مجھے ان چابیوں کی ضرورت نہیں۔ پھر آپ کی نظر آسمان کی طرف اٹھی تو آپ کو جنت میں تمام انبیاء کرام کے محلات نظر آئے اور ان میں آپ کا محل سب سے اونچا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اے اللہ! میں راضی ہوں تو اس موقع پر یہ آیت اتری: تَبٰرَكَ الَّذِیْۤ اِنْ شَآءَ جَعَلَ لَكَ خَیْرًا مِّنْ ذٰلِكَ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ. (درمنثور جلد ۶ صفحہ ۲۳ بروایت واحدی وابن عساکر)

حضرت خیثمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ سے فرمایا:

اگر آپ چاہیں تو ہم آپ کو زمین کے خزانے اور ان کی چابیاں دیدیتے ہیں۔ جو آپ ﷺ سے قبل کسی نبی کو نہ دی گئیں اور نہ آپ کے بعد کسی کو دی جائیں گی اور اس کی وجہ سے اللہ کے ہاں آپ کے اخروی مقام میں بھی کوئی فرق نہ آئے گا۔ اور اگر آپ چاہیں تو ہم انہیں آپ کی اُخروی نعمتوں کے ساتھ جمع کر دیتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اے اللہ انہیں اخروی نعمتوں کے ساتھ ہی جمع فرما دے۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری: تَبٰرَكَ الَّذِیْۤ اِنْ شَآءَ جَعَلَ لَكَ خَیْرًا مِّنْ ذٰلِكَ. (تفسیر ابن جریر طبری جلد ۹ صفحہ ۳۶۹ حدیث ۲۶۲۸۶) حضور ﷺ کی اس فقیرانہ زندگی میں ہمارے لئے درسِ فقر ہے۔

الغرض نبی اکرم ﷺ کو خود فقر پسند تھا۔ اس لیے کفار کا یہ مطالبہ پورا نہ کیا گیا کہ آپ کے پاس لمبے چوڑے باغات ہوں یا بڑے خزانے ہوں۔ اور اسمیں راز یہی تھا کہ آپ ﷺ امت کو صبر وقناعت کا درس دینا چاہتے تھے۔ کیونکہ اگر آپ کے پاس بہت سا مال ہوتا تو آپ کی امت کا ہر فرد آپ کی اتباع میں مال دنیا کو سمیٹنے میں لگ جاتا۔ حالانکہ مال اگر حلال بھی ہو تو بھی اس کی بہت سی آفات ہیں، مثلاً یہ کہ جتنا مال زیادہ، اسی قدر آخرت کا حساب زیادہ، پھر مال کی کثرت

انسان کے دل میں عموماً کبر وغرور پیدا کر دیتی ہے۔ خواہ وہ مال حلال ہو۔

[8] یعنی کفار کا اللہ کی کتاب اور اس کے رسول پر ایمان نہ لانے کی اصل وجہ یہ ہے کہ وہ قیامت پہ ایمان نہیں رکھتے۔ کیونکہ قیامت کا خوف ہی انسان کو شیطان کے راستہ پر چلنے سے روکتا ہے جب یہ نہ ہو تو انسان بڑے سے بڑا ظلم ڈھانے سے نہیں شرماتا۔ آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قیامت کے جھٹلانے والوں کے لئے ہم نے بھڑکتی آگ تیار کی ہے جو انہیں دیکھ کر جوشِ غضب میں چیخے گی چنگھاڑے گی۔ اور حدیث کے مطابق اس چنگھاڑ کا یہ عالم ہوگا کہ سب اہل محشر حتیٰ کہ انبیاء بھی ایک بار گھبرا جائیں گے تو کفار کی دہشت کا کیا عالم ہوگا۔

## روز قیامت جہنم کا بڑھکنا اور سب اہل محشر کا گھبرانا

حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ روز قیامت ستر ہزار فرشتے جہنم کو لوگوں کے سامنے لائیں گے۔ ابھی وہ لوگوں سے سو برس کی مسافت پر ہوگی تو ایک چنگھاڑ مارے گی جس سے لوگوں کے دل اڑنے لگیں گے پھر اس کی دوسری چنگھاڑ پر ہر فرشتۂ مقرب اور نبیِ مُرسل گھٹنوں کے بل جھک جائے گا اور ہر شخص نفسی نفسی پکارنے لگے گا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کہیں گے اے اللہ! مجھے اپنی خلت کی قسم میں تجھ سے صرف اپنے بارے میں سوال کرتا ہوں، حضرت موسیٰ علیہ السلام کہیں گے مجھے اپنی مناجات کی قسم! میں صرف اپنا سوال کرتا ہوں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کہیں گے اے اللہ! مجھے اس کرامت کی قسم جو تو نے مجھے دی میں صرف اپنا سوال کرتا ہوں۔ اس وقت شافع محشر رحمت اللعالمین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمائیں گے: امتی متی لا اسئلك الیوم لنفسی۔ ''اے اللہ میری امت میری امت آج میں تجھ سے اپنے بارے میں کوئی سوال نہیں کرتا۔'' تب اللہ رب العزت فرمائے گا آپ یاد رکھیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت میں سے جو میرے اولیاء ہیں ان پر کوئی خوف نہیں اور نہ وہ غمزدہ ہوں گے اور مجھے اپنی عزت کی قسم! آج آپ کی امت کے بارے میں میں آپ کی آنکھیں ٹھنڈی کروں گا۔ (درمنثور ملخصاً جلد ۶ صفحہ ۲۴۰ بروایت ابی نعیم فی الحلیہ)

[9] کفار کو روز قیامت جہنم کے تنگ مقامات میں ٹھونسا جائے گا تو وہ موت کو پکاریں گے۔ حدیثِ مبارکہ میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مجھے اس رب کی قسم! جس کے قبضہ میں میری جان ہے کفار کو جہنم میں یوں ٹھونسا جائے گا جیسے دیوار میں میخ ٹھونسی جاتی ہے۔ (تفسیر ابن ابی حاتم جلد ۸ صفحہ ۲۶۶۸ حدیث ۱۵۰۰۳ مطبوعہ مکہ) تب اللہ تعالیٰ کفار سے فرمائے گا آج تم ایک موت نہیں بہت سی موتوں کو پکارو یعنی آج تم پر ایک بار نہیں بار بار موت آئے گی مگر تم مرنہ سکو گے قرآن میں ہے: لَا یَمُوْتُ فِیْھَا وَلَا یَحْیٰی ﴿۱۳﴾ ''کافر جہنم میں نہ مر سکے گا نہ جی سکے گا۔'' (اعلیٰ ۱۳) حدیث میں ہے ''جہنم میں شیطان اور اس کے چہیتوں کو آگ کا لباس پہنایا جائے گا تو وہ موت کو پکاریں گے اللہ فرمائے گا آج ایک موت کو نہیں کئی موتوں کو پکارو۔'' (تفسیر ابن جریر طبری جلد ۹ صفحہ ۳۷۱ حدیث ۲۶۲۹۴)

[10] یعنی اے محبوب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کفار سے فرما دیں کہ کیا تمہیں اس جہنم میں جانا پسند ہے جس کا ذکر کیا گیا ہے

یا اس جنت میں جانا پسند ہے جس کا متقین سے وعدہ کیا گیا ہے اور متقین جنت میں جو مانگیں گے انہیں دیا جائے گا۔ اگر کہا جائے کہ اہل جنت اگر کسی بُری چیز کا مطالبہ کریں تو کیا وہ بھی وہاں پورا کیا جائے گا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ جنت میں کوئی بُری چیز نہیں مانگ سکیں گے کیونکہ نفس و شیطان کو ان سے دور کر دیا جائے گا اور ان کے دل میں صرف اچھائی ہی کی خواہش آئے گی۔

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: كَانَ عَلٰى رَبِّكَ وَعْدًا مَّسْـُٔوْلًا ﴿۱۶﴾ یعنی پرہیز گاروں کو جنت کا دیا جانا اللہ کا وہ وعدہ ہے جس کا وہ اللہ سے سوال کرتے رہتے ہیں جیسے وہ کہتے ہیں: رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴿۱۹۴﴾ ''اے ہمارے رب! تو نے اپنے رسولوں کی زبان پر ہم سے جو وعدہ جنت فرمایا وہ ہمیں عطا فرما اور روزِ قیامت ہمیں رسوا نہ فرما بے شک تو وعدہ کے خلاف نہیں فرماتا۔'' (آل عمران، ۱۹۴)

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَقُوْلُ ءَاَنْتُمْ اَضْلَلْتُمْ

اور جس دن اللہ کفار کو اور جن کو وہ اللہ کے سوا پوجتے تھے اٹھائے گا تو (ان کے جھوٹے خداؤں سے) فرمائے گا کیا تم نے

عِبَادِيْ هٰۤؤُلَآءِ اَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيْلَ ﴿۱۷﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ مَا كَانَ

میرے ان بندوں کو گمراہ کیا یا وہ خود راہ سے بھٹک گئے؟ وہ کہیں گے اے اللہ! تو پاک ہے ہمیں کوئی

يَنْبَغِيْ لَنَاۤ اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ دُوْنِكَ مِنْ اَوْلِيَآءَ وَلٰكِنْ مَّتَّعْتَهُمْ وَاٰبَآءَهُمْ

حق نہ تھا کہ تیرے مقابلہ میں اپنے مدد گار بنائیں بلکہ اے اللہ! تو نے انہیں اور ان کے آباء کو متاع دنیا دی

حَتّٰى نَسُوا الذِّكْرَ ۚ وَكَانُوْا قَوْمًۢا بُوْرًا ﴿۱۸﴾ فَقَدْ كَذَّبُوْكُمْ بِمَا تَقُوْلُوْنَ ۙ فَمَا

یہاں تک کہ وہ تیرا ذکر بھول گئے اور وہ ہلاک ہونے والے لوگ تھے۔ (کہا جائے گا) تمہارے معبودوں نے تو تمہاری بات

تَسْتَطِيْعُوْنَ صَرْفًا وَّلَا نَصْرًا ۚ وَمَنْ يَّظْلِمْ مِّنْكُمْ نُذِقْهُ عَذَابًا

جھٹلا دی ہے اب تم نہ عذاب کے پھیرنے کی طاقت رکھتے ہو نہ اپنی مدد کی اور جس نے تم میں سے ظلم کیا ہے ہم اسے بڑا عذاب

كَبِيْرًا ﴿۱۹﴾ وَمَاۤ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّاۤ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ

چکھائیں گے۔[11] اور ہم نے آپ سے قبل جتنے بھی رسول بھیجے وہ بہر حال کھانا کھاتے اور بازاروں میں چلتے تھے۔[12]

وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ ؕ وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً ؕ اَتَصْبِرُوْنَ ۚ

اور ہم نے تمہیں ایک دوسرے کے لئے آزمائش بنایا ہے اب کیا تم صبر کرو گے

وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيْرًا ﴿۲۰﴾ ع

اور تمہارا رب سب کچھ دیکھنے والا ہے۔[13]

۲ ع ۱۱ ۱۷

[11] روزِ قیامت اللہ رب العزت مشرکین اور ان کے جھوٹے خداؤں (بتوں، شمس وقمر وغیرہ) کو ایک جگہ آمنے سامنے جمع کرے گا پھر ان کے جھوٹے خداؤں سے پوچھے گا۔ کیا تم نے ان مشرکین کو حکم دیا تھا کہ وہ تمہاری عبادت کر کے گمراہی میں مبتلا ہوں یا وہ خود ہی گمراہ ہو کر تمہاری عبادت کرنے لگے تھے؟ وہ عرض کریں گے اے اللہ! ہمیں کوئی

حق نہ تھا کہ تیرے مقابلہ میں اپنے مددگار یعنی اپنے پجاری پیدا کریں مگر ماجرٰی یہ تھا کہ اے اللہ! تو نے انہیں اور ان کے باپ دادا کو نسل در نسل دنیوی آسائشیں دی حتیٰ کہ یہ تیری یاد سے غافل ہو گئے اور شیطان کے پیچھے چل کر گمراہ ہو گئے اور یہ تھے ہی ہلاک ہونے والے۔ یعنی انبیاء نے انہیں راہِ حق پہ چلنے کی بہت دعوت دی مگر انہوں نے خود ہی ہلاکت کا راستہ اختیار کیا۔

تب اللہ تعالیٰ کفار سے فرمائے گا کہ اے مشرکو! تمہارے جھوٹے خداؤں نے تو تمہیں جھٹلا دیا ہے یعنی تمہیں اللہ کا دشمن اور گمراہ قرار دیا ہے۔ لہٰذا اب تم خود سے عذاب کو کسی صورت نہیں پھیر سکتے نہ اپنی مدد کر سکتے ہو اور تم میں سے جو بڑے ظالم ہیں یعنی جنہوں نے خود شرک کرنے کے ساتھ دوسرے انسانوں کو بھی مشرک بنایا ہم انہیں بڑا عذاب چکھائیں گے۔

اس آیت سے معلوم ہوا مال و دولت دنیا کی کثرت انسان کو گمراہ کر کے کفر تک بھی لے جاتی اور اللہ کی یاد سے غافل کر دیتی ہے۔ خصوصاً جب بعض لوگوں پر نسل در نسل دنیوی آسائش کے دروازے کھلتے جائیں تو ان کے گمراہ ہونے کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اگر مال دے تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ والا دے، قارون اور ابی بن خلف والا مال نہ دے۔ آج بھی کئی لوگ نشۂ دولت میں کفر بکتے دیکھے جاتے ہیں۔

[12] جب کفارِ مکہ نے کہا: مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ۭ کہ اس مدعی رسالت (محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) میں کون سی خصوصیت ہے یہ ہماری طرح کھاتا اور بازاروں میں چلتا ہے جیسا کہ گزشتہ رکوع میں گزرا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا: اے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! ہم نے آپ سے قبل جتنے بھی رسول بھیجے وہ سب کھانا کھاتے اور بازاروں میں چلتے تھے۔ لہٰذا کھانا کھانا اور بازار میں چلنا نبوت و رسالت کے منافی نہیں ہے۔ یہی مفہوم قرآن میں یوں بھی بیان کیا گیا: وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ ''اور ہم نے انبیاء کو ایسے بے جان جسم نہیں بنایا کہ وہ کھانا نہ کھائیں۔'' (انبیاء، ۸)

[13] سردارانِ مکہ غریب مسلمانوں جیسے حضرت بلال حبشی، صہیب رومی، عمار یاسر، ابوذر غفاری، عبداللہ بن مسعود، عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہم کو بنظرِ حقارت دیکھ کر کہتے تھے کیا ہم مسلمان ہو کر ان کی سطح پر اتر آئیں اور ان کے ساتھ بیٹھیں؟ اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں فرمایا کہ ہم نے تم میں سے بعض کو دوسرے لوگوں کے لئے آزمائش بنایا ہے کہ وہ انہیں دیکھ کر گمراہی میں پڑ جاتے ہیں۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ

اور جن کو ہماری ملاقات کی امید نہیں وہ کہتے ہیں ہم پر فرشتے کیوں نہیں اتارے جاتے

نَرٰى رَبَّنَا ؕ لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْ عُتُوًّا كَبِیْرًا ﴿۲۱﴾ يَوْمَ

یا ہم اپنے رب کو دیکھتے۔ وہ اپنے آپ میں بڑے بنے ہیں اور بڑی سرکشی پہ اُتر آئے ہیں۔ [14] جس دن

يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ لَا بُشْرٰى يَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِیْنَ وَيَقُوْلُوْنَ حِجْرًا

وہ فرشتوں کو دیکھیں گے اس دن مجرموں کے لئے کوئی بشارت نہ ہوگی اور فرشتے کہیں گے تم پر جنت مکمل حرام

مَّحْجُوْرًا ﴿۲۲﴾ وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ﴿۲۳﴾

کر دی گئی ہے اور انہوں نے جو بھی عمل کیا ہم اسکی طرف توجہ کریں گے اور اسے اڑتی ہوئی دھول بنا دیں گے [15]

اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّاَحْسَنُ مَقِيْلًا ﴿۲۴﴾

جنت والے اس دن بہتر ٹھکانے اور بہتر آرام گاہ والے ہوں گے۔ [16]

## کفار کی سرکشی اور روزِ قیامت ان کا انجام بد

[14] کفار مکہ کہتے تھے کہ جو فرشتہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر اترتا ہے وہ سیدھا ہم پر کیوں نہیں اترتا۔ درمیان میں نبی کا وسیلہ کیوں رکھا گیا ہے اور کبھی وہ کہتے کہ فرشتے کے ذریعے قرآن کیوں اتارا جاتا ہے ہم سیدھا اللہ کو کیوں نہیں دیکھ سکتے درمیان میں فرشتے کے واسطہ کی کیا ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیا کہ ایسی باتیں وہی کہتے ہیں جنہیں قیامت کے آنے اور ہم سے ملاقات کرنے کی امید نہیں اور وہ اپنے آپ کو اتنا بڑا سمجھنے اور تکبر کرنے لگے ہیں کہ خود کو نبی کے وسیلے سے مستغنی گردانتے ہیں۔

معلوم ہوا نبی کے وسیلہ سے متکبر و سرکش کافر ہی مستغنی بنتا ہے جبکہ مومن تو سمجھتا ہے کہ اسے سب کچھ بوسیلہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی ملا ہے۔

[15] یعنی کفار آج تو فرشتوں کے دیکھنے اور ان سے براہِ راست پیغام لینے کے متمنی ہیں مگر جب وہ روز قیامت فرشتوں کو دیکھیں گے تو ان کے لئے کوئی خوشی اور خوش خبری کی بات نہ ہوگی کیونکہ فرشتے ان سے کہیں گے: حجرا محجورا، یعنی حراماً محرماً مطلب یہ کہ آج تم پر جنت مکمل حرام کر دی گئی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے

ہیں فرشتے کہیں گے: حراماً محرماً ان یدخله الجنة الا من قال لا اله الا الله۔ یعنی جس نے لا اله الا الله کہا ہے اس کے سوا سب پہ جنت مکمل حرام ہے۔ (بغوی جلد ۵ صفحہ ۹۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا۔ یعنی کفار نے دنیا میں جو بھی نیک عمل کیا ہم اسے روز قیامت اڑتی ہوئی دھول بنا دیں گے جو کسی کے قبضہ میں نہیں آ سکتی۔

معلوم ہوا روزِ قیامت کفار کی سب نیکیاں برباد ہیں۔ دوسری جگہ فرمایا گیا: وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ ؗ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ۝ جو شخص ایمان لانے سے انکار کرے اس کا سب عمل ضائع ہو گیا اور وہ آخرت میں خسارے والوں میں سے ہے۔ (مائدہ:۵)

[16] کفار کی اخروی بدبختی بتانے کے بعد اہل ایمان کی سعادتِ اخروی پر روشنی ڈالی جا رہی ہے تو فرمایا گیا کہ روزِ قیامت مومنین کے ٹھکانے اور ان کی آرام گاہیں کفار کے دنیوی مکانات اور آرام گاہوں سے بہت بہتر ہوں گی۔ مستقر (ٹھکانہ) وہ ہوتا ہے جہاں آدمی مستقل رہائش پذیر ہو اور مقیل (آرام گاہ) وہ جگہ ہے جہاں آدمی عارضی طور پر کچھ دیر کے لئے قیلولہ یا استراحت کرے یعنی اہل جنت کے لئے جنت میں مستقل رہائش گاہیں بھی ہوں گی اور عارضی آرام گاہیں بھی۔

وَيَوۡمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالۡغَمَامِ وَنُزِّلَ الۡمَلٰٓئِكَةُ تَنۡزِيۡلًا ﴿۲۵﴾ اَلۡمُلۡكُ يَوۡمَئِذِ

اس دن آسمان کو پھاڑ کر ایک بادل نکل آئے گا اور فرشتے پے در پے اتارے جائیں گے۔[17] اس دن سچی بادشاہی

الۡحَقُّ لِلرَّحۡمٰنِ ؕ وَكَانَ يَوۡمًا عَلَى الۡكٰفِرِيۡنَ عَسِيۡرًا ﴿۲۶﴾ وَيَوۡمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ

خدائے رحمان کے لئے ہوگی اور وہ دن کافروں پر بہت سخت ہوگا۔[18] اس دن ظالم اپنے ہاتھ چبائے گا کہے گا

عَلٰى يَدَيۡهِ يَقُوۡلُ يٰلَيۡتَنِى اتَّخَذۡتُ مَعَ الرَّسُوۡلِ سَبِيۡلًا ﴿۲۷﴾ يٰوَيۡلَتٰى لَيۡتَنِىۡ

اے کاش میں رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ راہ (اطاعت) اختیار کرتا۔ ہائے ہلاکت، کاش میں فلاں شخص کو دوست نہ پکڑتا۔

لَمۡ اَتَّخِذۡ فُلَانًا خَلِيۡلًا ﴿۲۸﴾ لَقَدۡ اَضَلَّنِىۡ عَنِ الذِّكۡرِ بَعۡدَ اِذۡ جَآءَنِىۡ ؕ

یقیناً اس نے مجھے ذکر (قرآن) سے غافل کردیا جب یہ ذکر میرے پاس آیا۔

وَكَانَ الشَّيۡطٰنُ لِلۡاِنۡسَانِ خَذُوۡلًا ﴿۲۹﴾

اور شیطان انسان کو دھوکہ دینے والا ہے۔[19]

[17] روزِ قیامت اللہ رب العزت کا نور ایک بادل کی صورت میں آسمانوں کو چیرتا ہوا اترے گا اور اس کے ساتھ سب آسمانوں کے فرشتے اتریں گے پھر اللہ تعالیٰ کرسی عدالت پہ جلوہ فرما ہو کر مخلوق کا حساب لے گا جیسے قرآن میں ہے: هَلۡ يَنۡظُرُوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡ يَّاۡتِيَهُمُ اللّٰهُ فِىۡ ظُلَلٍ مِّنَ الۡغَمَامِ وَالۡمَلٰٓئِكَةُ وَقُضِىَ الۡاَمۡرُ ؕ ''وہ کس چیز کے منتظر ہیں سوا اس کے کہ اللہ ان کے پاس بادل کے سایوں میں اتر آئے اور فرشتے اُتر آئیں اور فیصلہ کردیا جائے۔'' (بقرہ آیت ۲۱۰)

حضرت عبداللہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ روز قیامت سب سے پہلے پہلا آسمان پھٹے گا اور وہاں کے فرشتے زمین پر اُتر آئیں گے پھر دوسرا آسمان پھٹے گا اور وہاں کے فرشتے اُتریں گے۔ یوں سارے آسمانوں کے فرشتے اتر آئیں گے پھر اللہ تعالیٰ حاملین عرش کے ساتھ نزول فرمائے گا۔ (ابن جریر طبری جلد ۹ صفحہ ۳۸۳ حدیث ۲۶۳۴۳)

[18] جب سارے آسمانوں کے فرشتے اتر آئیں گے اور اللہ رب العزت کرسی عدالت لگائے گا اس وقت اللہ ہی کی سچی بادشاہی ہوگی اور باقی سب بادشاہوں کی بادشاہتوں کا نام ونشاں مٹ چکا ہوگا اور وہ دن کافروں پر بہت سخت ہوگا کیونکہ اس کی طوالت کفار کے لئے پچاس ہزار برس ہوگی۔ گویا مومن کے لئے روز قیامت سخت نہ ہوگا بلکہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اس رب کی قسم! جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ مومن کے لئے روز قیامت ایک فرض نماز پڑھنے سے بھی کم تر وقت

میں گزر جائے گا۔'' (مسند احمد عن ابی سعید الخدری جلد ۳ صفحہ ۷۵)

[19] کئی لوگ اپنے گمراہ دوستوں کی وجہ سے گمراہی بلکہ کفر میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ ان کو ان کے دوست اپنے ساتھ جہنم میں لے جاتے ہیں مثلاً جو شخص منکرین ختم نبوت کے پاس بیٹھے گا وہ انہی جیسا ہو جائے گا۔ جو منکرین خلافت راشدہ سے دوستی رکھے گا وہ بھی انہی کی طرح صحابہ کرام و امہات المومنین کو گالیاں دینے لگے گا۔ ایسے لوگ اپنی جانوں پہ ظلم کرتے ہیں اور وہ روزِ قیامت بصد حسرت کہیں گے اے کاش! میں فلاں شخص کو اپنا دوست نہ بناتا اس نے مجھے گمراہ کر دیا جب میرے پاس ذکر یعنی قرآن آ گیا تھا تو مجھے اس کی پیروی کرنا چاہیے تھی مگر افسوس میں نے قرآن کی بجائے شیطان کی بات مانی اور شیطان تو انسان کو دھوکہ ہی دیتا ہے۔

## عقبہ بن ابی معیط کی گستاخیٔ رسول اللہ ﷺ اور اس کا انجام

حضرت عبداللہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یہ آیات عقبہ بن ابی معیط کے بارے میں نازل ہوئیں، وہ جب بھی سفر تجارت سے واپس آتا تو سارے اہل مکہ کی دعوت کرتا تھا۔ اس نے ایک بار دعوت پر حضور ﷺ کو بھی بلایا۔ آپ ﷺ تشریف لے گئے۔ آپ ﷺ نے اسے فرمایا جب تک تم لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ نہ پڑھو گے میں کھانا نہیں کھاؤں گا اس نے یہ الفاظ (صرف زبان سے) پڑھ لئے۔ اُبی بن خلف اس کا گہرا دوست تھا اسے خبر ہوئی تو اس نے عقبہ سے کہا میں تم سے راضی نہ ہوں گا جب تک تم جا کر محمد (ﷺ) کے چہرے پر نہ تھوکو (معاذ اللہ) عقبہ گیا اور اس نے ایسا ہی کیا (حدیث میں ہے کہ وہ تھوک اس کے اپنے منہ پر واپس پڑی اور اس کا منہ جل گیا اور زندگی بھر اس کا نشان رہا۔ بغوی جلد ۵ صفحہ ۹۹) گویا عقبہ بن ابی معیط کو ابی بن خلف کی دوستی نے برباد کر دیا۔

اس آیت سے دو فوائد حاصل ہوئے:

(۱) گمراہ لوگوں کی دوستی سے دور رہنا لازم ہے۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''اچھے دوست کی مثال یوں ہے جیسے کستوری بیچنے والا کہ اس کے پاس بیٹھنے سے خوشبو ضرور ملے گی اور برے دوست کی مثال یوں ہے جیسے بھٹی چلانے والا کہ اس کے پاس بیٹھنے سے دھواں اور بدبو ضرور ملے گی۔'' (بخاری کتاب البیوع باب ۳۸، مسلم کتاب البر حدیث ۱۴۶)

(۲) عظمت قرآن

لَقَدْ اَضَلَّنِیْ عَنِ الذِّکْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِیْ ط سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید سے وابستگی انسان کو راہِ حق دکھاتی اور شیطان کو بھگاتی ہے۔ اسی لیے قرآن کو شفاء و رحمت قرار دیا گیا ہے۔

وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ﴿٣٠﴾ وَكَذٰلِكَ

اور رسول (ﷺ) کہیں گے اے میرے رب! میری قوم نے اس قرآن کو قابل ترک قرار دیا تھا اور اسی طرح

جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِیٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِیْنَ ؕ وَكَفٰى بِرَبِّكَ هَادِیًا

ہم نے ہر نبی کے لیے مجرموں کو دشمن بنایا اور تمہارا رب ہدایت دینے اور مدد کرنے میں

وَّنَصِیْرًا ﴿٣١﴾ وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَیْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً

کافی ہے [20] اور کافروں نے کہا اس شخص پر سارا قرآن ایک ہی بار کیوں نہیں

كَذٰلِكَ ۛۚ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِیْلًا ﴿٣٢﴾ وَلَا یَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا

اتارا جاتا؟ (مگر) یہ اس لیے ہے تاکہ اس سے آپ کا دل مضبوط کریں اور ہم نے اسے ٹھہر ٹھہر کر (آپ پر) پڑھا ہے۔ اور کفار آپ کے پاس

جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ تَفْسِیْرًا ؕ﴿٣٣﴾ اَلَّذِیْنَ یُحْشَرُوْنَ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ اِلٰى

جو بھی کہاوت لاتے ہیں تو ہم (اس کے مقابل) حق بات اور بہتر توجیہ لے آتے ہیں۔ [21] جن لوگوں کو جہنم کی طرف

جَهَنَّمَ ۙ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ سَبِیْلًا ﴿٣٤﴾ ع

چہروں کے بل لایا جائے گا ان کا ٹھکانہ بہت برا ہے اور وہ سب سے گمراہ تر ہیں۔

مع — ع ٣

[20] گزشتہ رکوع میں بھی قرآن و صاحب قرآن کی صداقت پہ بات ہو رہی تھی۔ وہی بات دہرائی جا رہی ہے کہ روزِ قیامت رسول اللہ ﷺ شکوہ کریں گے اے میرے رب! میری قوم نے اس قرآن کو مہجور (متروک) کر دیا تھا یعنی اس سے منہ موڑ لیا تھا۔ اس سے تین قسم کے لوگ مراد ہیں۔ اول: قرآن کو اللہ کی کتاب نہ ماننے والے۔ دوم: قرآن کو مان کر اس کی غلط تشریح کرنے اور گمراہی پھیلانے والے گمراہ فرقے۔ سوم: قرآن پہ عمل نہ کرنے والے۔ آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا۔ الخ یعنی اے پیارے رسول ﷺ! ہم نے ہر نبی کے لئے دشمن بنائے اور ہدایت و نصرت دینے والا اللہ ہے۔ لہٰذا آپ کفار کی دشمنی سے پریشان نہ ہوں۔

یہاں سے دو فوائد معلوم ہوئے:

(۱) اُخروی کامیابی کا راز قرآن پر عمل کرنے میں ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جس نے قرآن سیکھا اور اسے دیوار سے لٹکا دیا روز

قیامت قرآن اسے پکڑے گا اور کہے گا اے اللہ! تیرے اس بندے نے مجھ سے منہ موڑ لیا تھا اس کے اور میرے درمیان فیصلہ فرما۔" (قرطبی جلد ۱۳ صفحہ ۲۸ بحوالہ ثعلبی)

(۲) داعیانِ حق کے لئے مخالفین ضرور پیدا ہوتے ہیں

وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا سے معلوم ہوا جب اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کے لئے دشمن بنائے تو وارثانِ انبیاء یعنی علماء و مبلغین اسلام کے لئے دشمن کیوں نہ پیدا ہوں گے تو ان کی مخالفت سے گھبرانا نہیں چاہیے۔

[21] حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ مشرکین مکہ نے کہا اگر محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نبوت برحق ہے تو اس کا رب اسے عذاب میں کیوں رکھتا ہے۔ سارا قرآن اس پر ایک ہی بار کیوں نہیں اتار دیتا۔ ایک آیت اور دو آیت اور ایک سورت کر کے کیوں اتارتا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں یہ آیت اتاری وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ۔ الخ (ابن ابی حاتم جلد ۸ صفحہ ۲۶۸۹ حدیث ۱۵۱۲۶) یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کفار آپ سے قرآن کے اکٹھا نہ اتارے جانے کی وجہ پوچھتے ہیں۔ اے پیارے رسول! ہم آپ کا دل مضبوط کرتے ہیں اور ہم نے آپ پر اسی لئے قرآن کو آہستہ آہستہ یعنی تھوڑا تھوڑا کر کے پڑھا ہے اور کفار جب بھی قرآن پر اور آپ پر اعتراض کے لئے کوئی مثال پیش کرتے ہیں تو ہم اس کے مقابلہ میں سچائی اور بہتر تفسیر لے آتے ہیں۔ چنانچہ کفار نے قرآن کو کبھی جادو سے مثال دی، کبھی کاہن کا قول قرار دیا کبھی شاعری کہا۔ کبھی کہا کہ قرآن لانے والا فرشتہ ہمیں کیوں نظر نہیں آتا وغیرہ۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ہر سوال کے جواب میں قرآن اتارا۔ اسی لئے قرآن کو اکٹھا نہ اتارا گیا بلکہ جب بھی کفار کی طرف سے سوال یا اعتراض ہوا اس کے جواب میں چند آیات اتر آئیں اور یوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کے دل مضبوط کئے گئے۔

## قرآن کو تھوڑا تھوڑا نازل کرنے کی حکمتیں

قرآن کو تھوڑا تھوڑا نازل کرنے میں مزید کئی حکمتیں ہیں۔ مثلاً یہ کہ جب تورات کو اکٹھا اتارا گیا تو بنی اسرائیل پہ اسکے تمام احکام کا یکدم قبول کرنا بھاری ہو گیا اور انہوں نے اس کے لینے سے انکار کر دیا۔ اگر قرآن کو بھی اکٹھا اتارا جاتا تو ممکن تھا بعض لوگ قرآن کو قبول کرنے سے انکار کر دیتے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ایسا نہیں ہونے دیا۔ یہ اس کا اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہ احسان عظیم تھا۔

قرآن کو اکٹھا نازل نہ کرنیکا یہ سبب بھی تھا کہ قرآن میں ناسخ و منسوخ کا سلسلہ جاری ہونا اللہ تعالیٰ کو منظور تھا کہ اگر اسے اکٹھا اتار دیا جاتا تو یہ سلسلہ جاری نہ ہو سکتا اور نسخ کے اجراء میں اللہ کی کثیر حکمتیں پوشیدہ تھیں۔ جو ہم مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا۔ الخ (بقرہ، ۱۰۶) کے تحت بتا آئے ہیں۔ مثلاً یہ کہ پہلے بعض سخت احکام اتارے گئے۔ پھر ان میں نرمی کر دی گئی جیسے بیوہ عورت کی عدت پہلے ایک سال تھی پھر چار ماہ دس دن کر دی گئی۔ اسی طرح روزہ پہلے یوں تھا کہ اگر افطار کے بعد نیند آ گئی تو نیا روزہ شروع ہو گیا۔ پھر نرمی کر کے طلوع فجر تک کھانے پینے کی مستقل اجازت دیدی گئی تا کہ

اہل اسلام اللہ کا احسان مانیں اور نرم احکام پہ خوشی سے عمل کریں۔

پھر یہ بات بھی ہے کہ قرآن کو حسب حال اتارا گیا۔ مکی دور میں مسلمان مصائب و مظالم کا شکار تھے تو ان پہ تلقین صبر والی آیات اتاری گئیں۔ پھر ہجرت کا وقت قریب آیا تو انہیں ایسی آیات سے نوازا گیا جن سے ان میں ہجرت کا شوق و ولولہ پیدا کیا گیا اور انہیں ترک وطن میں لذت ایمان حاصل ہوئی۔ پھر ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ میں یہود کی مخالفت اور منافقین کی منافقت سے پالا پڑا تو یہود و منافقین کے مکائد کا پردہ چاک کرنے والی آیات کا نزول شروع ہوا۔ پھر جہاد کا سلسلہ شروع ہوا تو ہر غزوہ میں اللہ تعالیٰ کی آیات بارش کی طرح برسنے لگیں جن میں مجاہدینِ اسلام کو جہاد کا ثواب بتایا گیا جس کا یہ اثر ہوا کہ صحابہ کرام بڑی سے بڑی طاغوتی طاقت سے ٹکرا گئے۔

پھر یہ بھی دیکھو کہ جبرائیل امین علیہ السلام چھ ہزار چھ سو چھ آیات قرآن کو اتارنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کئی ہزار بار حاضر ہوئے۔ جس سے ان کے مرتبہ و مقام میں کئی گنا اضافہ ہوا۔ اگر وہ ایک ہی بار سارا قرآن لے آتے تو انہیں ایک ہی بار حاضری دربارِ رسالت نصیب ہوتی۔

پہلے انبیاء کرام کو ان کی کتاب ایک ہی بار دی جاتی اور اس کے حصول کے لیے بسا اوقات انہیں خود کسی جگہ چل کر جانا پڑتا۔ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حصولِ تورات کے لیے کوہِ طور پہ جانا پڑا اور وہاں چلہ کشی کرنا پڑی۔ مگر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پہ قرآن کو تھوڑا تھوڑا اتارا گیا اور جہاں آپ ہوتے تھے قرآن وہیں اتارا جاتا تھا۔ اگر آپ گھر میں ہوتے تو قرآن گھر میں آتا، اگر آپ سفر میں ہوتے تو قرآن سفر میں آتا، آپ مکہ معظمہ میں تھے تو قرآن مکہ میں آیا، آپ مدینہ طیبہ آئے تو قرآن یہاں آیا اور حتیٰ کہ اگر آپ اپنی بیوی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر ان کے بستر پہ جلوہ فرما ہوتے تو قرآن وہاں اترتا۔ اس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کے جو پہلو نمایاں ہوتے ہیں انہیں کوئی بیان نہیں کر سکتا۔

جب اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید کو آہستہ آہستہ اتارا ہے تو اسے آہستہ آہستہ ہی پڑھنا چاہئے۔ اسی لئے فرمایا گیا:
وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ۝ ''قرآن کو خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھو۔'' (مزمل، آیت:۱) یاد رہے کہ قرآنِ مجید کا اس قدر آہستہ پڑھنا کہ اس کے کھڑے پڑے اور مد و شد میں فرق نہ آئے، فرض عین ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنَا مَعَهٗۤ اَخَاهُ هٰرُوْنَ وَزِيْرًا ۚ﴿٣٥﴾ فَقُلْنَا

اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب دی اور ان کے ساتھ ان کے بھائی ہارون کو ان کا وزیر بنایا۔ تو ہم نے کہا:

اذْهَبَاۤ اِلَى الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ؕ فَدَمَّرْنٰهُمْ تَدْمِيْرًا ﴿٣٦﴾ؕ وَقَوْمَ

تم دونوں اس قوم کے پاس جاؤ جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا ہے، تو ہم نے انہیں مکمل تباہ کر دیا۔ [22] اور قوم نوح

نُوْحٍ لَّمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ اَغْرَقْنٰهُمْ وَجَعَلْنٰهُمْ لِلنَّاسِ اٰيَةً ؕ وَاَعْتَدْنَا

کو یاد کرو جب انہوں نے رسولوں کو جھٹلایا تو ہم نے انہیں غرق کر دیا اور انہیں لوگوں کے لئے نشان عبرت بنا دیا [23] اور ہم نے

لِلظّٰلِمِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا ۚ﴿٣٧﴾ وَّعَادًا وَّثَمُوْدَاۡ وَاَصْحٰبَ الرَّسِّ وَقُرُوْنًۢا بَيْنَ

ظالموں کے لیے دردناک عذاب تیار کیا ہے اور عاد و ثمود اور کنوئیں والوں اور ان کے درمیان بہت سی قوموں کو یاد کرو ہم نے

ذٰلِكَ كَثِيْرًا ﴿٣٨﴾ وَكُلًّا ضَرَبْنَا لَهُ الْاَمْثَالَ ۫ وَكُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِيْرًا ﴿٣٩﴾ وَلَقَدْ اَتَوْا

ان سب کے لیے (ہدایت کی) مثالیں بیان کیں اور سب کو مکمل تباہ کر دیا۔ [24] اور کفار اس بستی پر

عَلَى الْقَرْيَةِ الَّتِيْۤ اُمْطِرَتْ مَطَرَ السَّوْءِ ؕ اَفَلَمْ يَكُوْنُوْا يَرَوْنَهَا ۚ بَلْ

یقیناً گذرے ہیں جن پر بری بارش کی گئی کیا کفار اسے دیکھتے نہیں؟ بلکہ وہ

كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ نُشُوْرًا ﴿٤٠﴾

دوبارہ جی اٹھنے کی امید نہیں رکھتے۔ [25]

## گزشتہ انبیاء کرام سے کفار کی سرکشی اور ان پر عذاب الٰہی کا نزول

[22] حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دی جا رہی ہے کہ آپ کفار کی سرکشی سے نہ گھبرائیں آپ سے قبل انبیاء کرام ایسے ہی حالات سے دوچار رہے ہیں چنانچہ موسیٰ و ہارون علیہما السلام کا واقعہ دیکھیے۔ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی اور ان کے بھائی ہارون علیہ السلام کو ان کا وزیر بنایا یعنی ان کی کتاب کی تبلیغ کرنے والا نبی بنایا جیسے دوسری جگہ فرمایا گیا: وَوَهَبْنَا لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَاۤ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا ﴿٥٣﴾ ''اور ہم نے اپنی رحمت سے ان کا بھائی ہارون ان کو نبی بنا کر عطا کیا۔'' (مریم: ٥٣)

یاد رہے حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی حضور ﷺ کے لئے اسی طرح مددگار بھائی تھے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے جناب ہارون علیہ السلام مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نبی نہ بنایا گیا کیونکہ حضور ﷺ کے بعد بابِ نبوت بند کر دیا گیا ہے اور حضور ﷺ نے خود فرمایا: یا علی انت منی بمنزلة هارون من موسیٰ الا انه لانبی بعدی۔ ''اے علی! تم میرے لئے ایسے ہو جیسے موسیٰ کے لئے ہارون مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں۔'' (بخاری کتاب الفضائل باب ۹ ترمذی کتاب المناقب باب ۲۵)

مرزائی کہتے ہیں حضور ﷺ کے بعد ایسا نبی نہیں آ سکتا جو نئی کتاب اور نئی شریعت لے آئے البتہ آپ کی کتاب و شریعت کی تبلیغ کے لئے انبیاء آ سکتے ہیں مگر ہم کہتے ہیں کہ اس حدیث رسول کی روشنی میں آپ کے بعد آپ کی کتاب و شریعت کا تبلیغ کرنے والا نبی بھی نہیں آ سکتا۔ دیکھیے کتاب تو صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دی گئی اور ہارون علیہ السلام ان کے بھائی اور ان کی کتاب کے مبلغ نبی تھے مگر حضور ﷺ نے فرمایا کہ اے علی! تم ہارون علیہ السلام جیسے مبلغ نبی بھی نہیں بن سکتے کیونکہ میرے بعد کسی قسم کا کوئی نبی ہے ہی نہیں۔ کاش کوئی مرزائی شخص اس دعوت حق کو گوش دل سے سنے۔ بلکہ مرزائیوں کو یہ بھی سمجھنا چاہیے کہ جب مولا علی المرتضیٰ شیر خدا نبی نہیں بن سکتے جو باب مدینۃ العلم ہیں اور عم زاد رسول ہیں تو مرزا غلام احمد قادیانی کس طرح نبی کہلا سکتا ہے۔ اسمیں قادیانیوں کے لیے بہت بڑا درس عبرت وسامان ہدایت ہے۔

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے کہا اے موسیٰ و ہارون (علیہما السلام)! تم دونوں قوم فرعون کے پاس جاؤ جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا ہے یعنی تخلیق ارض وسما، سلسلہ شب و روز اور گردش شمس و قمر جیسی آیات قدرت کو دیکھ کر بھی ایک اللہ کو خدا ماننے کی بجائے انہوں نے کئی خدا مان لئے ہیں۔ یہ انسان کی بدبختی ہے کہ شیطان انسان کو وسوسوں کے ذریعے راہ حق سے ایسا دور کرتا ہے کہ وہ ہر طرح کے دلائل و براہین دینیہ پر بھی ایمان نہیں لاتا۔

یہاں آیات سے مراد معجزات موسویہ یا آیات تورات مراد نہیں ہیں کیونکہ ان کا ظہور تو بعد میں ہوا۔ حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام نے جا کر قوم فرعون کو دعوت توحید دی مگر وہ لوگ ایمان لانے کی بجائے مقابلے پر اُتر آئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تب ہم نے انہیں مکمل تباہ و برباد کر دیا یعنی ساری قوم کو اکٹھا ڈبو کر مار دیا۔

[23] قوم نوح علیہ السلام نے رسولوں کو جھٹلایا تو انہیں پانی میں ڈبو کر تا قیامت نشانِ عبرت بنا دیا گیا اور ہر دور کے ظالموں کے لئے ایسا ہی دردناک عذاب تیار کیا گیا ہے اس میں تا قیامت آنے والی اسلام دشمن طاقتوں کو تنبیہ کی گئی ہے کہ اگر وہ اسلام کی بیخ کنی کے خبط سے کنارہ کش نہ ہوئے تو ان کا حال بھی پہلی منکر قوموں جیسا ہوگا یعنی ان کا نام و نشان مٹا دیا جائے گا: وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ﴿٦٢﴾ (احزاب: ٦٢)

یاد رہے قوم نوح علیہ السلام نے صرف ایک رسول نوح علیہ السلام ہی کو جھٹلایا تھا مگر اللہ رب العزت کا فرمانا: كَذَّبُوا الرُّسُلَ انہوں نے رسولوں کو جھٹلایا اس لئے ہے کہ ایک رسول کا جھٹلانا سب رسولوں کا جھٹلانا ہے کیونکہ سب رسولوں کی ایک ہی دعوت اور سب کا ایک ہی دین ہے۔ یہ اسی طرح ہے جیسے کہا گیا کہ جس نے ایک جان کا ناحق قتل کیا اس نے گویا سب

انسانوں کو قتل کر دیا۔ (مائدہ ۳۲) کیونکہ سب انسانوں کی جانیں یکساں قیمتی ہیں۔

یہاں سے معلوم ہوا کہ دین کے کسی ایک حصے سے انکار پورے دین سے انکار ہے۔

[24] یعنی ہم نے عاد اور ثمود کو اور کنوئیں والوں کو اور ان سے پہلے اور قوم نوح کے بعد درمیان میں دیگر کئی قوموں کو ان کی سرکشی کے باعث یوں مکمل تباہ کر دیا کہ آج تاریخ میں ان کا نام بھی نہیں ہے۔ اصحاب الرس (کنوئیں والے) کون تھے۔ حضرت وہب بن منبہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس سے قوم شعیب علیہ السلام مراد ہے۔ کلبی کے نزدیک اس سے اہل یمامہ مراد ہیں ان میں ایک نبی بھیجا گیا۔ انہوں نے اسے قتل کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاں ایک کنوئیں سے ایسا سیلاب جاری کیا کہ سب اس میں ڈوب مرے اور حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے بقول اس سے ایک قوم مراد ہے جن میں عورتیں عورتوں سے مباشرت کرتی تھیں۔ (درمنثور جلد ۶ صفحہ ۲۵۷)

[25] یعنی کفار مکہ بستی سدوم کے پاس سے تو گزرتے ہی ہیں اس بستی پر پتھروں کی برسات کی گئی تو کفار اسے دیکھ کر عبرت کیوں نہیں پکڑتے؟ مگر بات یہ ہے کہ انہیں دوبارہ جی اٹھنے کی امید ہی نہیں۔ یعنی قیامت پر ان کا ایمان نہیں، جب یہ نہیں تو پھر انہیں کسی بھی برائی سے کچھ حیا نہیں۔ بستی سدوم فلسطین میں ہے اس میں حضرت لوط علیہ السلام بھیجے گئے۔

وَاِذَا رَاَوْكَ اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ؕ اَهٰذَا الَّذِىْ بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلًا ﴿۴۱﴾

اور جب کفار آپ کو دیکھتے ہیں تو آپکو نشانہ مذاق ہی بناتے ہیں (کہتے ہیں) کیا اسکو اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے؟

اِنْ كَادَ لَيُضِلُّنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا لَوْلَاۤ اَنْ صَبَرْنَا عَلَيْهَا ؕ وَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ

یقیناً قریب تھا کہ یہ ہمیں ہمارے خداؤں سے گمراہ کر دیتا اگر ہم ان پر صبر نہ کرتے۔

حِيْنَ يَرَوْنَ الْعَذَابَ مَنْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿۴۲﴾ اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ

عنقریب جب وہ عذاب کو دیکھیں گے تو جان جائیں گے کہ کون راستہ سے بھٹکنے والا ہے۔ [26] کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا

هَوٰىهُ ؕ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا ﴿۴۳﴾ اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُوْنَ اَوْ

جس نے اپنی خواہش کو اپنا خدا بنا لیا ہے۔ کیا آپ اسے بچانے کے ذمہ دار ہیں؟ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ ان میں سے اکثر حق سن لیں گے

يَعْقِلُوْنَ ؕ اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿۴۴﴾ ع

یا عقل کریں گے؟ وہ تو جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے گمراہ تر ہیں۔ [27]

ع ۴

[26] کفار مکہ تمسخر اڑاتے ہوئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر کہتے: کیا اس شخص کو اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے؟ یعنی اس

کے پاس تو نہ دولت ہے نہ سرداری۔ ایک غریب شخص ہے یہ کیسے رسول بن گیا؟ اور اس نے ہمارے بتوں کے خلاف ایسی تحریک چلائی ہے کہ اگر ہم اپنے بتوں سے صبر کے ساتھ چمٹے نہ رہتے تو یہ ہمیں ضرور ان سے دور ہٹا دیتا اور ہمیں گمراہ کر دیتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا عنقریب موت کے بعد کفار جان لیں گے جب انہیں عذاب نظر آئے گا کہ کون گمراہ ہے۔ معلوم ہوا دولت واقتدار کا نشہ بسا اوقات انسان کو کفر تک لے جاتا ہے۔

[27] اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ بت پرست لوگوں نے اپنی خواہش کو اپنا خدا بنایا ہوا ہے وہ کسی بت کے نہیں بلکہ اپنی خواہش کے پجاری ہیں ورنہ اپنے ہاتھ کے تراشیدہ پتھر کو اپنا حاجت روا ماننا خبط کے سوا کیا ہے۔ اس آیت کے تحت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کفار عرب ایک پتھر کو عرصہ دراز پوجتے رہتے پھر انہیں اس سے بہتر پتھر مل جاتا تو پہلے پتھر کو پھینک کر نئے پتھر کی عبادت شروع کر دیتے۔ ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری کہ انہوں نے اپنی خواہش کو اپنا خدا بنالیا ہے۔ (ابن ابی حاتم جلد ۸ صفحہ ۲۶۹۹ حدیث ۱۵۱۹۹)

آج بھی ہندوؤں کے مندروں میں جب لکڑی کے بھگوان پرانے ہو جاتے ہیں تو انہیں ٹھکانے لگا کر نئے بھگوان تراش لئے جاتے ہیں۔ ہم یہاں برطانیہ میں ہندو دکانوں پہ بت برائے فروخت دیکھتے ہیں۔ یعنی ہر ورائٹی اور ہر سائز کا خدا دستیاب ہے۔ ہر خدا کی قیمت ساتھ میں لکھی ہے۔ ہندو انہیں خرید کر گھر لے جاتے اور پوجنا شروع کر دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آخر میں فرمایا اے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا آپ ایسے گمراہ لوگوں کو راہِ راست پر لانے کے ذمہ دار ہیں؟ نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کام صرف پیغام پہنچانا ہے اور کیا آپ سمجھتے ہیں کہ ان میں سے اکثر لوگ حق کی بات سن لیں گے یا عقل کی راہ پکڑیں گے؟ نہیں۔

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنۡ هُمۡ اِلَّا كَالۡاَنۡعَامِ۔ یہ جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی گئے گزرے ہیں، کیونکہ جانور بھی اپنے بُرے بھلے کی تمیز رکھتے ہیں مگر انہیں یہ تمیز بھی نہیں۔ پھر ہر جانور اس تسبیح میں لگا ہوا ہے جو اسے دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: كُلٌّ قَدۡ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسۡبِيۡحَهٗ ''ہر جانور کو اپنی نماز اور اپنی تسبیح کا علم ہے۔'' (نور، ۴۱) تو جس انسان کو اپنی عبادت کا علم نہیں وہ جانوروں سے بدتر ہے۔

| |
|---|
| اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ وَلَوْ شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا ۚ ثُمَّ جَعَلْنَا |
| کیا آپ نے دیکھا کہ آپکے رب نے رات کا سایہ کس طرح پھیلایا اور اگر وہ چاہتا تو اسے ٹھہرا دیتا۔ پھر ہم نے اس پر |
| الشَّمْسَ عَلَيْهِ دَلِيْلًا ۙ﴿۴۵﴾ ثُمَّ قَبَضْنٰهُ اِلَيْنَا قَبْضًا يَّسِيْرًا ﴿۴۶﴾ وَهُوَ الَّذِيْ |
| سورج کو دلیل بنایا پھر ہم نے اسے آہستہ سے اپنی طرف کھینچ لیا۔[28] اور اللہ وہ ہے |
| جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِبَاسًا وَّالنَّوْمَ سُبَاتًا وَّجَعَلَ النَّهَارَ نُشُوْرًا ﴿۴۷﴾ وَهُوَ |
| جس نے تمہارے لیے رات کو لباس اور نیند کو آرام بنایا اوردن کو پھر جی اٹھنے کا ذریعہ بنایا۔[29] اور اللہ |
| الَّذِيْٓ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ۚ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ |
| وہ ہے جس نے اپنی رحمت سے قبل بشارت والی ہوائیں بھیجیں‌اور ہم نے آسمان سے پاک کرنے والا |
| مَآءً طَهُوْرًا ۙ﴿۴۸﴾ لِّنُحْيِۦَ بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا وَّنُسْقِيَهٗ مِمَّا خَلَقْنَآ اَنْعَامًا |
| پانی اتارا تاکہ ہم اس سے کوئی مردہ علاقہ زندہ کردیں اور اسے اپنی مخلوق میں سے جانوروں |
| وَّاَنَاسِيَّ كَثِيْرًا ﴿۴۹﴾ |
| اور بہت سے انسانوں کو پلائیں[30] |

## اللہ کی قدرتوں اور نعمتوں کا بیان اور درس توحید

[28] یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنی پانچ بڑی نعمتیں اور قدرتیں گنوائی ہیں۔ ہم ان کو تھوڑا تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ تاکہ ان کی اہمیت واضح ہوکر سامنے آسکے۔

پہلی قدرت: رات اور دن کا آنا جانا ہے۔ اکثر صحابہ وتابعین کے نزدیک اس جگہ مَدَّ الظِّلَّ میں رات کا سایہ مراد لیا ہے یعنی کیا تم نے نہ دیکھا کہ اللہ کس طرح رات کا سایہ پھیلا دیتا ہے اور ہر چیز اس میں چھپ جاتی ہے۔ دراصل رات زمین کے اپنے سائے کا نام ہے۔ زمین کا آدھا حصہ سورج کے سامنے ہونے کی وجہ سے ہمیشہ روشن رہتا ہے اور آدھا حصہ تاریک۔ اور یہ تاریک حصہ خود زمین کے اپنے سائے میں ہوتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے رات کو سائے کے پھیلنے سے تعبیر فرمایا اور یہ قرآنِ مجید کی شانِ بلاغت ہے۔

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اگر اللہ چاہتا تو اس سائے کو ٹھہرا دیتا یعنی کبھی سورج کو نکلنے نہ دیتا گویا ہر روز سورج کا نکل آنا اللہ کی نعمت ہے۔ اس کا شکر بجالاؤ۔ دوسری جگہ ارشاد ہوا: قُلۡ اَرَءَیۡتُمۡ اِنۡ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَیۡكُمُ الَّیۡلَ سَرۡمَدًا اِلٰی یَوۡمِ الۡقِیٰمَةِ مَنۡ اِلٰهٌ غَیۡرُ اللّٰهِ یَاۡتِیۡكُمۡ بِضِیَآءٍ ؕ ''آپ فرمادیں تمہارا کیا خیال ہے اگر اللہ تم پر تا قیامت رات کو دائمی کردے تو اللہ کے سوا کون سا خدا تمہیں روشنی دے سکتا ہے؟'' (قصص ۷۱)

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ثُمَّ جَعَلۡنَا الشَّمۡسَ۔ الخ کہ پھر ہم نے سورج کو رات کے سائے پر دلیل بنایا (یعنی اگر سورج نہ چڑھے تو کیسے پتہ چلے کہ پہلے رات تھی (اب دن ہے) اور ہم رات کے سائے کو سورج کے نکلنے پر آہستہ سے اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں۔ یعنی ایسا نہیں ہوتا کہ یکدم رات کی جگہ دن کی تیز روشنی آجائے بلکہ آہستہ آہستہ رات کا سایہ دن کی روشنی میں یوں ڈھل جاتا ہے کہ انسان کو خبر بھی نہیں ہوتی۔ اگر ایسا ہوتا کہ رات کی تاریکی کی جگہ یکدم دن کی روشنی آجاتی تو انسانوں کے معمولاتِ زندگی سخت مضطرب (Distrub) ہوا کرتے۔

یاد رہے زمین اپنے مدار پر لٹو کی طرح یوں گھوم رہی ہے کہ چوبیس گھنٹوں میں ایک چکر پورا کرلیتی ہے۔ جس کی وجہ سے دنیا کے ہر حصہ پر دن رات آتے جاتے رہتے ہیں۔ زمین کی اس گردش کی رفتار اہل فلکیات کے نزدیک فی گھنٹہ ایک لاکھ سات ہزار دو سو چالیس کلومیٹر ہے۔ (فلکیات جدیدہ صفحہ ۵۸ مطبوعہ انڈیا)

اگر گردش زمین کی یہ رفتار اس سے آہستہ ہوتی تو زمین کے کچھ حصہ پر کئی ہفتوں مہینوں بلکہ برسوں تک دن ہی رہتا اور دوسرے حصوں پر رات۔ اس طرح دن والے حصوں پر گرمی اور رات والے حصوں پر سردی اتنی بڑھ جاتی کہ انسان کا جینا ناممکن ہوجاتا اور اگر زمین کے گھومنے کی رفتار موجودہ رفتار سے تیز تر ہوتی تو پھر ہر چوبیس گھنٹوں میں کئی دن اور کئی راتیں آنے جانے لگتیں پھر انسان آرام سے سوسکتا نہ جاگ سکتا۔ الغرض سلسلہ شب و روز کی موجودہ رفتار میں قدرت کے عجیب کرشمے کارفرما ہیں۔

[29] اب اللہ تعالیٰ اپنی دوسری قدرت ارشاد فرمارہا ہے کہ اس نے رات کو تمہارا لباس بنایا کہ جیسے لباس جسم کو ڈھانپ لیتا ہے۔ رات بھی آدمی کو ڈھانپ لیتی ہے اور اللہ نے نیند کو باعث آرام بنایا تاکہ انسان تازہ دم ہوجائے اور دن کو دوبارہ جی اٹھنے کا ذریعہ بنایا کیونکہ نیند انسان پر ایک طرح کی موت طاری کردیتی ہے اور دن چڑھنے سے لوگ گویا پھر جی اٹھتے ہیں۔

اس میں یہ اشارہ ہے کہ جس طرح انسان دن چڑھنے پر نیند کی موت سے دوبارہ جی اٹھتا ہے اسی طرح روز قیامت وہ حقیقی موت سے جی اٹھے گا اور مروی ہے کہ روز قیامت لوگ یوں محسوس کریں گے جیسے انہیں گہری نیند سے بیدار کردیا گیا ہے۔ گویا نیند انسان کو موت کی یاد دلاتی ہے۔

[30] اب تیسری قدرت بتائی جارہی ہے کہ اللہ اپنی رحمت یعنی بارش سے قبل خوشخبری والی ہوائیں بھیجتا ہے یعنی ان

ہواؤں کی خوشخبری سے پیاسے ہونٹوں پہ خوشی کی مسکراہٹ کھیلنے لگتی ہے پھر اللہ تعالیٰ بارش برسا کر لوگوں کو وہ پانی عطا فرماتا ہے جو طھود ہے یعنی انہیں ہر طرح کی ظاہری و باطنی نجاست سے پاک کرنے والا ہے اور یہ پانی اس لئے اتارا جاتا ہے تاکہ کسی مردہ یعنی خشک علاقہ کو زندہ کر دیا جائے اور اس سے بہت سے جانوروں اور انسانوں کو سیراب کیا جائے۔

## کس پانی سے وضوء و غسل جائز ہے کس سے نہیں۔ چند احکام

(۱) دریاؤں، نہروں، چشموں اور کنوؤں کا پانی بے دلیل پاک ہے۔

وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا ﴿۴۸﴾ سے معلوم ہوا کہ بارش کے ذریعے پاک کرنے والا پانی اتارا گیا اور یہی بارشی پانی دریاؤں، نہروں، چشموں، کنوؤں اور نلکوں کے ذریعے ہم تک پہنچتا ہے کیونکہ بارشی پانی زمین میں اتر جاتا ہے زمین اسے جذب کر لیتی ہے اور وہ پانی زمین میں موجود آبی تہہ میں چلا جاتا ہے۔ پھر وہاں سے چشموں، نلکوں اور کنوؤں کے ذریعہ باہر آتا ہے۔ لہٰذا کسی دریا، نہر، چشمے یا کنویں سے وضو کرنے سے قبل یہ پوچھنے کی ضرورت نہیں کہ اس پانی کے پاک ہونے کی کیا دلیل ہے۔ یہ آیت ہی اس پانی کی طہارت کی دلیل ہے۔ ہاں اگر کوئی کہے کہ یہ پانی پاک نہیں ہے تو اسے دلیل لانا ہوگی کہ پانی میں کیا چیز گری ہے جس نے اسے پاک نہیں رہنے دیا؟

(۲) ہر اس پانی سے وضو و غسل جائز ہے جسے مطلقاً پانی کہا جائے۔

اللہ تعالیٰ نے مَآءً طَهُوْرًا فرمایا۔ تو جس پانی میں بعض چیزیں یوں شامل کر دی جائیں کہ اس کا نام پانی کی بجائے کوئی اور ہو جائے اس سے وضو و غسل جائز نہیں کیونکہ اب وہ مآء (پانی) نہیں ہے جیسے شربت، جوس، لسی، چائے وغیرہ۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے پانی کو طہور بنایا ہے۔ نہ کہ لسی، چائے اور شربت وغیرہ۔ تو جب تک پانی کا لفظ موجود ہے، وضوء جائز ہے اور جب یہ لفظ نہ رہے تو وضو ناجائز ہو گیا۔

(۳) جب پانی میں بہاؤ نہ رہے تو اس سے وضو و غسل جائز نہیں۔

کیونکہ مَآءً (پانی) وہ ہوتا ہے جسکی فطرت میں بہنے کی صفت ہو۔ اگر یہ نہ رہے تو وہ پانی نہیں ہے۔ مثلاً پانی میں جب بہت سی مٹی مل جائے اور بہنے کے قابل نہ رہے تو اسے پانی نہیں، گارا کہتے ہیں اور عربی میں وہ مآء کی بجائے طِین کہلاتا ہے تو اس کا اعضاء پر مل لینا بھی وضو نہیں کہلا سکتا۔ اور جب تک پانی میں بہاؤ کی فطرت موجود ہے اس سے وضوء و غسل جائز ہے، مثلاً دریاؤں، نہروں اور سمندروں کے پانی میں مٹی ریت وغیرہ چیزیں مل جاتی ہیں، جس سے ان کی رنگت اور ذائقہ میں تبدیلی آ جاتی ہے۔ پھر بھی اس سے وضوء و غسل جائز ہے۔ کیونکہ اس پانی میں بہاؤ کی فطرت موجود ہے۔ تو اس سے فقہاء نے ضابطہ مرتب کیا ہے کہ جب پانی میں کوئی ٹھوس چیز جو پاک ہو کر مل جائے اور پانی کا بہاؤ برقرار رہے تو اس سے طہارت جائز ہے۔ (نور الایضاح، قدوری)

وَلَقَدْ صَرَّفْنٰهُ بَیْنَهُمْ لِیَذَّكَّرُوْا ۖ فَاَبٰۤى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿۵۰﴾

اور ہم لوگوں میں اسکا رخ پھیرتے ہیں تاکہ وہ نصیحت پکڑیں، مگر اکثر لوگوں نے انکار کے سوا کچھ

وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِیْ كُلِّ قَرْیَةٍ نَّذِیْرًا ﴿۵۱﴾ ۖ فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِیْنَ وَجَاهِدْهُمْ

نہ مانا[31] اور اگر ہم چاہتے تو ہر بستی میں ایک ڈرانے والا بھیج دیتے تو آپ کافروں کی بات مت مانیں اور قرآن

بِهٖ جِهَادًا كَبِیْرًا ﴿۵۲﴾ وَهُوَ الَّذِیْ مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ

کے ذریعہ ان کے ساتھ بڑا جہاد کریں۔[32] اور اللہ وہ ہے جس نے دو سمندر باہم ملائے ۔ یہ خالص میٹھا ہے

وَّهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ۚ وَجَعَلَ بَیْنَهُمَا بَرْزَخًا وَّحِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿۵۳﴾

اور یہ سخت نمکین اور دونوں کے درمیان پردہ اور ناقابل عبور رکاوٹ بنادی۔[33]

[31] یعنی ہم بارش کا رخ پھیرتے رہتے ہیں چنانچہ مشرق کو جانے والے بادل بحکم الٰہی اچانک مغرب کا رخ کر لیتے ہیں اور مغرب کو جانے والی ہوا بادلوں کو لے کر اچانک مشرق کی طرف چل پڑتی ہے اور اہل موسمیات کی پیش گوئیاں دھری کی دھری رہ جاتی ہیں۔ یہ اس لئے ہے تاکہ لوگ نصیحت پکڑیں مگر اکثر لوگ نصیحت پکڑنے کی بجائے انکار ہی کی راہ پکڑتے ہیں۔

[32] قدرت ہائے ربانی کا بیان کرتے ہوئے درمیان میں عظمتِ رسالت محمدی کا بیان لایا گیا۔ کیونکہ توحید تک رسائی رسالت کے بغیر ممکن نہیں۔ تو فرمایا کہ اگر ہم چاہتے تو پہلے کی طرح ہر بستی میں علیحدہ رسول بھیجتے جو نذیر بن کر لوگوں کو نافرمانی خدا سے ڈراتا یعنی ایسا کرنے کی بجائے اب ہم نے محمد عربی ﷺ کو زمین پر قائم تمام بستیوں کے لئے نذیر (یعنی ڈرانے والا رسول) بنا کر بھیج دیا ہے جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا گیا: وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا ۔ ''اور ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے لئے بشیر ونذیر ہی بنا کر بھیجا ہے۔'' (سباء:٢٨)

معلوم ہوا اب آپ کے بعد کسی بستی میں کوئی نذیر نہیں بھیجا جائے گا کیونکہ اب آپ ہی دنیا کی تمام بستیوں کے لیے نذیر بن کر تشریف لائے ہیں۔ اسی لئے آپ ﷺ نے فرمایا: وَاُوْحِیَ اِلَیَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ''تاکہ میں تمہیں اس قرآن کے ذریعے ڈراؤں اور ہر اس کو ڈراؤں جس تک یہ قرآن (تا قیامت) پہنچے۔'' (انعام:١٩)

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا ''تاکہ آپ بستیوں کی اصل (مکہ مکرمہ) کو اور جو شخص اس کے آس پاس (تمام جہان میں) رہتا ہے اسے ڈرائیں۔'' (انعام:٩٢)

آ گے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ۔ الخ۔ اے پیارے حبیب ﷺ آپ کافروں کی کسی بات پر کان دھرنے کی بجائے ان سے بڑا جہاد کریں۔ اس سے تبلیغی جہاد مراد ہے کیونکہ سورہ فرقان مکی سورت ہے اور تلوار کا جہاد مدنی دور میں جاری کیا گیا۔ چنانچہ اس آیت پر عمل کرتے ہوئے حضور ﷺ نے تبلیغ دین کے خلاف کفار کی کسی پیش کش کو قبول نہ کیا۔ انہوں نے آپ کو مال و دولت، سرداری اور خوبصورت عورتوں سے نکاح کی پیش کش کی تاکہ آپ ان کے جھوٹے خداؤں کے خلاف تبلیغ سے باز آ جائیں مگر اللہ کا رسول ہر لالچ کو ٹھکراتے ہوئے اسلام کا نور پھیلاتا رہا تا آنکہ دین غالب آ گیا۔

[33] اب چوتھی قدرت الٰہی بتائی جارہی ہے کہ اللہ دو سمندروں کو باہم ملاتا ہے ایک میٹھا یعنی قابلِ نوش ہے اور دوسرا سخت کڑوا جو نا قابلِ نوش ہے اور دونوں میں اللہ نے ایسی آڑ بنادی ہے کہ دونوں باہم مل نہیں سکتے اور یہ کیفیت سمندر میں ہر اس جگہ موجود ہوتی ہے جہاں کوئی بڑا دریا سمندر میں گرتا ہے اور دونوں کے پانی باہم مختلط (Mixed) نہیں ہوتے۔

## دو سمندروں کا باہم مختلط نہ ہونا

حضرت ابن جریج رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں دریائے دجلہ جہاں سمندر (خلیج عرب) میں گرتا ہے تو اس میں پھیل نہیں جاتا بلکہ سفید لکیر کی صورت میں دور تک چلا جاتا ہے۔ (درمنثور جلد ٦ صفحہ ٢٦٦ مطبوعہ دارالفکر بیروت)

مرآۃ الممالک میں امیر البحر سید علی رئیس ترکی نے لکھا ہے کہ خلیج فارس کے نیچے میٹھے پانی کا ایک چشمہ ہے۔ سمندر میں سفر کرنے والے وہاں غوطہ زن ہو کر نیچے سے میٹھا پانی نکالتے ہیں اور وہ خود بھی وہاں سے پانی نکالتے رہے ہیں۔ سبحان اللہ یہ اللہ کی قدرتِ کاملہ ہے۔

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ ﴿١٩﴾ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ ﴿٢٠﴾ ''اس نے دو سمندر بہائے جو باہم ملتے ہیں ان کے درمیان آڑ ہے کہ ایک دوسرے کی طرف بڑھ نہیں سکتے۔'' (رحمن:١٩) یہ کیسی عظیم الشان قدرت ربانی ہے کہ دو سمندر اکٹھے بہیں اور جدا جدا رہیں۔ اس پہ مزید گفتگو سورہ الرحمان کے تحت آئے گی ان شاء اللہ۔

وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا ؕ وَكَانَ رَبُّكَ

اور اللہ وہ ہے جس نے پانی سے انسان بنایا پھر اس کے لیے نسبی اور سسرالی رشتے بنائے اور تمہارا رب قادر ہے۔ [34]

قَدِیْرًا ۝٥٤ وَیَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَنْفَعُهُمْ وَلَا یَضُرُّهُمْ ؕ وَكَانَ

اور کفار اللہ کے سوا اسے پوجتے ہیں جو انہیں کچھ نفع دے نہ نقصان اور کافر اپنے رب کے مقابلہ میں

الْكَافِرُ عَلٰی رَبِّهٖ ظَهِیْرًا ۝٥٥ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا ۝٥٦ قُلْ مَآ

شیطان کا مددگار ہے [35] اور ہم نے آپکو بشارت سنانے اور ڈرانے والا ہی بنا کر بھیجا ہے۔ آپ فرمائیں میں تم سے

اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ اِلَّا مَنْ شَآءَ اَنْ یَّتَّخِذَ اِلٰی رَبِّهٖ سَبِیْلًا ۝٥٧

اس (تبلیغ) پر کوئی اجر نہیں مانگتا مگر جو اپنے رب کی طرف راہ پکڑنا چاہے (وہ پکڑے)۔ [36] اور آپ اس رب

وَتَوَكَّلْ عَلَی الْحَیِّ الَّذِیْ لَا یَمُوْتُ وَسَبِّحْ بِحَمْدِهٖ ؕ وَكَفٰی بِهٖ بِذُنُوْبِ

پر بھروسہ رکھیں جسے کبھی موت نہ آئے گی اور اسکی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کہیں اور اللہ اپنے بندوں کے گناہوں پہ

عِبَادِهٖ خَبِیْرًا ۝٥٨ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ

خبر رکھنے میں کافی ہے۔ جس نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، کو چھ دنوں میں پیدا کیا

مع ٨

اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ ۚ اَلرَّحْمٰنُ فَسْـَٔلْ بِهٖ خَبِیْرًا ۝٥٩

پھر رحمان نے (اپنی شان کے مطابق) عرش پر جلوہ گری فرمائی تو اس بارے میں اللہ سے پوچھو جو خبر رکھنے والا ہے [37]

[34] اللہ کی پانچویں قدرت بتائی جارہی ہے کہ اس نے پانی کے چند قطروں سے انسان بنایا اور اس کے لئے نسبی و سسرالی رشتے بنائے اور اللہ ہر چیز پہ قادر ہے اور انسان اس کی قدرت کا شاہکار ہے۔ یہاں پہلے آفاق میں اللہ کی آیات قدرت بیان کی گئیں اور آخر میں خود انسان کے اندر اسے آیات قدرت دکھائی گئی ہیں۔ اسی لئے فرمایا گیا: سَنُرِیْهِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَفِیْٓ اَنْفُسِهِمْ۔ (فصلت:۵۳)

یاد رہے کہ انسان کو کئی رشتوں میں منسلک کیا گیا ہے۔ نسبی طور پر وہ کسی کا بیٹا کسی کا بھائی کسی کا ماموں کسی کا چچا کسی کا دادا اور کسی کا نانا ہے اگر وہ عورت ہے تو کسی کی ماں کسی کی بیٹی کسی کی بہن کسی کی چچی کسی کی ممانی کسی کی نانی اور کسی کی

دادی ہے اور سسرالی رشتوں کے اعتبار سے ایک انسان کسی کا شوہر کسی کا سسر کسی کا سالہ کسی کا سمدھی اور کسی کا داماد ہے اور اگر وہ عورت ہے تو کسی کی ساس کسی کی بیوی کسی کی سالی کسی کی سمدھن اور کسی کی بہو ہے اور ہر رشتے کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ نے انسان پر مختلف حقوق و فرائض عائد کئے ہیں۔

[35] یہ انسان کی بدبختی ہے کہ وہ اتنی قدرتوں کے مالک اللہ کو چھوڑ کر بے جان و بے حس بتوں کے آگے سجدہ ریز ہوتا ہے جو اس کا کچھ نفع یا نقصان نہیں کر سکتے یوں وہ اللہ کے مقابلہ میں شیطان کا مددگار بن جاتا ہے یہ کیسی بدنصیبی ہے۔

[36] کفار کی یہ زبوں حالی و بدبختی دیکھ کر حضور رحمت عالم ﷺ کا دل سخت کڑھتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی تسلی قلب کے لئے فرمایا کہ اے پیارے حبیب (ﷺ) آپ کی ذمہ داری یہ ہے کہ کفار کو ڈرائیں اور ایمان لانے کی صورت میں انہیں جنت کی بشارت سنائیں اور آپ نے اپنی ذمہ داری خوب نبھائی ہے۔ لہٰذا آپ پریشان نہ ہوں۔ البتہ کفار سے فرمادیں کہ میں اس تبلیغ و دعوت کے بدلے میں تم سے کوئی معاوضہ نہیں چاہتا۔ میرا معاوضہ صرف یہ ہے کہ تم اپنے رب کی راہ پر آ جاؤ۔

[37] یعنی اے پیارے حبیب ﷺ! آپ اپنے دائمی حی و قیوم رب پر بھروسہ رکھ کر اپنا پیغام پہنچاتے رہیں۔ رہا کفار کا اس کے بدلے آپ کو ایذاء دینا تو اللہ اپنے بندوں کے گناہوں سے خوب واقف ہے۔ کیونکہ اللہ وہ ہے جس نے کائنات ارض و سما کو صرف چھ دنوں میں پیدا فرما دیا۔ پھر خدائے رحمٰن نے عرش پر اپنی شان کے مطابق جلوہ گری فرمائی تو ایسے عظمت والے رب کی بجائے پتھروں پہ بھروسہ کرنا کفار کی کیسی حماقت ہے لہٰذا آپ اپنی جملہ حاجات کا سوال اللہ سے کریں جو ہر چیز سے خبردار ہے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا وَمَا الرَّحْمٰنُ ۚ اَنَسْجُدُ لِمَا

اور جب ان سے کہا جائے کہ رحمان کو سجدہ کرو تو وہ کہتے ہیں رحمان کیا ہے؟ کیا ہم اسی کو سجدہ کر دیں

تَاْمُرُنَا وَزَادَهُمْ نُفُوْرًا ۩ ﴿٦٠﴾

جس کے لیے تو ہمیں حکم دے؟ اور اس سے ان کی نفرت بڑھ جاتی ہے۔ [38]

السجدۃ ٧ ع ٥

[38] کفار عرب اللہ تعالیٰ کی صفات و اسماء سے ناواقف تھے۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ اللہ کو رحمان و رحیم بھی کہا جاتا ہے۔ انہیں صرف اللہ کا لفظ معلوم تھا اور اللہ کا تصور بھی ان کے ذہنوں میں بہت غلط تھا۔ حدیث میں ہے کہ حدیبیہ میں جب رسول اللہ ﷺ نے صلح نامہ پر بسم الله الرحمن الرحيم لکھوایا تو کفار نے کہا ہم نہیں جانتے کہ رحمان کیا ہے اور رحیم کیا ہے۔ آپ اسی طرح باسمك اللهم لکھیں تو حضور ﷺ نے اسی طرح لکھوا دیا۔ (بخاری کتاب الشروط باب ١٥) گویا یہ اسلام کا احسان ہے کہ اس نے انسان کو اللہ کی صفات و اسماء سے متعارف کروایا۔

| تَبٰرَكَ الَّذِيْ جَعَلَ فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّجَعَلَ فِيْهَا سِرٰجًا وَّقَمَرًا |
|---|
| برکت والا ہے وہ اللہ جس نے آسمان پر برج بنائے اور آسمان میں سورج اور روشن |
| مُّنِيْرًا ﴿٦١﴾ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ يَّذَّكَّرَ |
| چاند بنایا۔[ 39] اللہ وہ ہے جس نے رات اور دن کو ایک دوسرے کے پیچھے لگایا۔ یہ اسکے لیے نشانی ہے |
| اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا ﴿٦٢﴾ |
| جو نصیحت پکڑنا اور شکر بجالانا چاہے۔[40] |

[39] حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں آسمان میں بارے مقامات ہیں یہی بروج ہیں۔ان کے یہ نام ہیں۔ حمل، ثور، جوزا، سرطان، اسد، سنبلہ، میزان، عقرب، قوس، جدی، دلو، حوت (درمنثور جلد ٦ صفحہ ٢٦٩ بروایت کتاب النجوم للخطیب، مطبوعہ دارالفکر بیروت) پیچھے سورہ حجر میں فرمایا گیا: وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّزَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿١٦﴾ ''ہم نے آسمان میں بروج بنائے اور انہیں دیکھنے والوں کے لئے آراستہ کیا۔'' (حجر،١٦)

## آسمانی بروج کی تفصیل

اہل فلکیات کے نزدیک زمین سورج کے گرد شمسی سال میں ایک چکر پورا کرتی ہے۔اور اس چکر کی بارہ (12) منازل ہیں اور زمین ہر شمسی ماہ میں ایک منزل میں ہوتی ہے اسے برج کہتے ہیں۔تو کون سے مہینے میں کون سا برج ہوتا ہے اس کا نقشہ ہم سورہ حجر کے تحت لکھ آئے ہیں اور ان بروج کے مذکورہ نام اس مناسبت سے ہیں کہ ہر برج والے مہینے میں آسمان پرستاروں کے جھرمٹ کی ایک خاص شکل سی بن جاتی ہے کبھی اسد نظر آتا ہے کبھی عقرب کبھی قوس کبھی میزان وغیرہ تو ہر شکل کی مناسبت سے برج کا نام رکھا گیا ہے۔تو یہ اللہ ہے جس نے شمس وقمر اور نجوم و بروج بنائے پھر اس کے سوا کون معبود ہے۔

[40] رات دن کا ایک دوسرے کے پیچھے ہزار ہا برس سے لگاتار چلتے آنا نصیحت پکڑنے والے شکرگزار بندوں کے لئے بڑی نشانی ہے۔کیونکہ متعصب اور ناشکرے لوگوں کو کوئی نشانی مفید نہیں۔

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ

اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر آہستہ چلتے ہیں اور جب جاہل ان سے مخاطب ہوں تو وہ کہتے ہیں تم کو سلام ہو [41]

الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ۝ وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا ۝

اور جو اپنے رب کے لیے سجدہ اور قیام کرتے ہوئے رات گزار دیتے ہیں [42]

وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ

اور جو کہتے ہیں اے ہمارے رب ہم سے عذاب جہنم کو پھیر دے بے شک اس کا عذاب بڑا سخت ہے۔

غَرَامًا ۝ اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ۝ وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا

بے شک وہ بری جگہ ہے ٹھہرنے اور رہنے کی جگہ کے لحاظ سے [43] اور جب وہ خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں

وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ۝

نہ کنجوسی اور ان کے درمیان توازن رکھتے ہیں [44]

## اہل ایمان کے گیارہ اوصافِ حمیدہ

[41] اس سے قبل آیات قدرت بیان کی گئیں اور ان کے منکرین کے اوصاف شنیعہ کا بیان ہو گیا اب مومنین کے اوصاف حمیدہ اور ان کا انعام بتایا جا رہا ہے تو یہاں ان کی گیارہ صفات بتائی گئیں۔

**پہلی صفت:** (تواضع) بتائی گئی فرمایا گیا کہ خدائے رحمٰن کے حقیقی فرمانبردار بندے زمین پر آہستہ چلتے ہیں۔ یعنی ان کی رفتار میں تکبر و خود نمائی کی بجائے انکسار و تواضع ہوتا ہے۔

### تکبر کی مذمت

دوسری جگہ ارشاد ہوا: وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۚ اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا ۝ "اور زمین میں اکڑ کر نہ چلو تم زمین کو پھاڑ سکتے ہو نہ پہاڑوں کی بلندی کو پہنچ سکتے ہو" (بنی اسرائیل ۳۷)

معلوم ہوا کہ متکبرانہ انداز میں گردن اکڑا کر سینہ چوڑا کر کے کندھے مٹکاتے ہوئے چلنا مومن کا شیوہ نہیں ہے۔
آج ہمارے وطن عزیز پاکستان میں اگر کسی کو کوئی سرکاری عہدہ مل جائے یا بن بیٹھا جائے تو وہ متکبر بن جاتا اور زمین پر

پاؤں مار مار کر چلتا ہے۔
اسی طرح پیروں فقیروں اور سجادہ نشینوں کو دیکھا گیا ہے کہ ان کی رفتار میں تکبر ہوتا ہے۔ وہ مریدین کی فوج کے آگے یوں گردن اکڑا اکڑ کر چلتے ہیں جیسے ساری زمین پہ انہی کا قبضہ ہے۔ مریدین کی دست بوسی اور حد سے زیادہ احترام انہیں اس قدر متکبر بنا دیتا ہے کہ وہ کسی سے سیدھے منہ بات نہیں کرتے۔ یونہی بعض علماء اپنی علمی زعم میں ڈوب کر کسی کو پلے نہیں باندھتے۔ ان سب لوگوں کے لیے اس آیت میں درس ہدایت ہے۔
دوسری صفت (حلم) بیان کی گئی اور فرمایا گیا کہ عبادالرحمن (رحمان کے بندے) سے اگر کوئی جاہل شخص جاہلانہ انداز میں مخاطب ہو تو وہ اسے سلام کہتے ہیں یعنی اسے بھی دعا دیتے ہیں اور اس سے جھگڑا نہیں کرتے کیونکہ جاہلوں سے جھگڑنا بھی جہالت ہے یہاں وہ طویل حدیث ہے جس میں نبی ﷺ کا حلم بیان کیا گیا ہے کہ جب کوئی جاہل آپ ﷺ سے شدت سے پیش آتا تو آپ کے حلم میں مزید اضافہ ہو جاتا اور جب تورات میں آپ کی یہ صفت پڑھ کر حضرت زید بن سعنہ رضی اللہ عنہ آپ کے پاس حاضر ہوئے تو آزمانے کے لئے آپ ﷺ سے سخت درشت کلام کیا اور آپ کا گریبان پکڑ لیا۔ صحابہ کو یہ دیکھ کر سخت طیش آیا مگر آپ ﷺ نے انہیں روک دیا زید بن سعد رضی اللہ عنہ سے محبت بھری باتیں کیں۔ یہ دیکھ کر حضرت زید بن سعد رضی اللہ عنہ نے فوراً یہودیت سے تائب ہو کر ایمان قبول کر لیا۔ (مواہب لدنیہ جلد ۲ صفحہ ۳۳۴ بروایت حاکم وطبرانی)
[42] عبادالرحمن کی تیسری صفت (شب بیداری) ہے کہ وہ اپنے رب کے حضور قیام وسجود میں رات گزار دیتے ہیں۔ گویا ان کا دن تواضع وحلم سے عبارت ہے اور رات شب بیداری سے۔ یا یہ کہ مخلوق کے ساتھ وہ متواضع وحلیم ہیں اور خالق کے ساتھ ساجد وعابد۔ رات کو قیام وسجود میں گزارنے کا ایک مفہوم یہ ہے کہ عشاء اور فجر کی دونوں نمازیں باجماعت پڑھی جائیں۔ کیونکہ حدیث میں ہے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے نماز عشاء جماعت کے ساتھ پڑھی اس کا یہ عمل نصف رات کی عبادت کے برابر ہے اور جس نے فجر بھی جماعت کے ساتھ پڑھی تو یہ ساری رات کی عبادت کے برابر ہے۔'' (مسلم کتاب المساجد حدیث ۲۶۵)
اس کا دوسرا معنی یہ ہے کہ رحمٰن کے بندے رات کو غفلت کی نیند نہیں سوتے بلکہ رات کو عبادت کے لئے اٹھتے اور نماز تہجد ادا کرتے ہیں۔ کیونکہ اللہ کو تہجد کی نماز بہت محبوب ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا ''مومنوں کے پہلو بستروں سے جدا ہو جاتے ہیں اور وہ اپنے رب کو خوف وامید کے ساتھ پکارتے ہیں۔'' (سجدہ: ۱۶) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''فرض نمازوں کے بعد سب سے افضل نماز پچھلی رات کی نماز (تہجد) ہے۔'' (مسند احمد جلد ۲ صفحہ ۵۳۵)
[43] عبادالرحمن کی چوتھی صفت (خوفِ خدا) ہے یعنی وہ اپنی شب بیداری پہ نازاں نہیں ہوتے بلکہ عاجز ہو کر دعا کرتے ہیں اے ہمارے رب! ہم سے عذاب جہنم دور کر دے کہ وہ بُرا ٹھکانہ اور بُری جائے قیام ہے۔ یاد رہے جہنم میں

مجرموں کے لئے کہیں مستقر (مستقل ٹھکانہ) ہے اور کہیں عارضی مقام اور وہ دونوں بہت خوفناک ہیں دنیا کے کسی بدترین عقوبت خانے سے انہیں تشبیہ نہیں دی جاسکتی۔ اس لئے فرمایا گیا: اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ﴿٦٦﴾

اس آیت سے معلوم ہوا اللہ کے نیک بندے یعنی اولیاء کاملین اپنے جنتی ہونے کا دعویٰ نہیں کرتے (حالانکہ وہ جنتی ہیں) بلکہ خوف خدا کے باعث وہ عذاب جہنم سے بچنے کی دعا کرتے ہیں تو وہ یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ جو ہمارا مرید ہو جائے یا ہمارے دروازے سے گزر جائے وہ پکا جنتی ہے۔

## اولیاء اللہ کی طرف منسوب بعض دعاوی کا مفہوم

حضرت سیّدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ سے جو یہ قول منسوب ہے کہ جو میرا مرید ہو جائے یا قیامت تک میرے سلسلہ میں آ جائے میں اسے اپنے ساتھ جنت لے کر جاؤں گا۔ اس کا انتساب محل نظر ہے۔ یونہی قطب عالم حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب یہ قول کہ جو میرے اس دروازے سے گزر گیا وہ پکا جنتی ہے۔ بھی وضاحت طلب ہے۔ اگر یہ اقوال درست ہیں تو ان کا یہی معنی ہے کہ جو ان بزرگانِ دین کے طریقہ پر چلے وہ حقدار جنت ہے۔ مگر ظاہر بین لوگوں نے انہیں ظاہر پہ محمول کر لیا۔ حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کا تو یہ عاجزانہ و متواضعانہ قول مشہور ہے کہ فرمایا ''اے اللہ اگر میں قابل بخشش نہیں ہوں تو مجھے روز قیامت نابینا اٹھانا تاکہ میں صالحین کے سامنے شرمندہ نہ ہوں۔ (گلستانِ سعدی) اور ایسا کہنا ہی ان کی شان بندگی و مقام عجز کے موافق ہے۔

[44] عباد الرحمن کی پانچویں صفت (خرچ کرنے میں اعتدال) ہے یعنی وہ راہ خدا میں دیتے ہوئے نہ تو اتنا اسراف کرتے ہیں کہ بیوی بچوں کے لئے بھی کچھ نہ چھوڑیں، نہ یہ بخیلی کہ زکوٰۃ بھی نہ دیں۔ یا یہ معنی ہے کہ وہ بیوی بچوں پر خرچ کرتے ہوئے نہ تو فضول خرچی سے کام لیتے ہیں جو دولت کی نمائش بن جائے نہ اس قدر کنجوسی کرتے ہیں کہ ضروری خرچہ بھی نہ دیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اسراف (فضول خرچی) اللہ کی معصیت میں خرچ کرنا ہے خواہ وہ قلیل ہو اور اقتار (کنجوسی) اللہ کا واجب کردہ حق نہ دینا ہے تو وہ دینا چاہیے خواہ و [illegible]غیر ہو۔ افسوس آج کئی مسلمان شادی بیاہوں میں ناچنے والوں پر نوٹوں کی بارش کر دیتے ہیں مگر زکوٰۃ دینا ان [illegible] لئے مصیبت ہے۔

وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ

اور جو اللہ کے ساتھ کسی دوسرے خدا کو نہیں پوجتے اور جس جان کا مارنا اللہ نے حرام کیا ہے اسے ناحق

اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ﴿٦٨﴾ يُّضٰعَفْ لَهُ

قتل نہیں کرتے اور نہ زنا کرتے ہیں اور جو شخص یہ گناہ کرے وہ اس کی سزا پائے گا اس کے لئے روز قیامت

الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا ﴿٦٩﴾ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ

عذاب دوگناہ کر دیا جائیگا اور وہ اس میں ذلیل ہو کر رہے گا[45] سوا اس کے جو توبہ کرے اور ایمان لائے اور

عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ

اچھے اعمال کرے تواللہ ان کی برائیوں کو اچھائیوں میں بدل دے گا اور اللہ

غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿٧٠﴾ وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا ﴿٧١﴾

بخشنے والا مہربان ہے۔ اور جو توبہ کرے اور اچھے اعمال بجا لائے تو وہ اللہ کی طرف خوب پلٹتا ہے۔[46]

[45] اللہ تعالیٰ کے بندوں کی چھٹی صفت (برائیوں سے اجتناب) ہے۔ اللہ کے بندے تو کسی بھی برائی کے قریب نہیں جاتے مگر یہاں شرک، قتل اور زناء کا ذکر اس لئے خصوصاً کیا گیا کہ نزولِ قرآن کے وقت یہ برائیاں عرب معاشرہ میں ہر طرف پھیلی ہوئی تھیں۔ اہلِ عرب بت پرست ہونے کے ساتھ ساتھ زنا کو معمولی چیز سمجھتے تھے۔ ہر علاقے میں زنا کار عورتوں نے اپنے چھتوں پر جھنڈے گاڑے ہوتے تھے جو سب کو دعوتِ گناہ دیتے تھے اور قتل بھی ان کے ہاں عام تھا وہ اپنی بچیوں کو زندہ درگور کرنے سے باز نہ آتے تھے۔ تو عرب معاشرہ میں پھیلی ہوئی خرابیوں اور ظلم وتعدی کے خاتمہ کے لیے مذکورہ گناہوں کا رد کیا گیا۔ اسی لیے جب نبی اکرم ﷺ سے پوچھا گیا کہ سب سے بڑا گناہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''شرک''، پوچھا گیا پھر کون سا بڑا گناہ ہے؟ فرمایا ''اپنی اولاد کا قتل''، پوچھا گیا اس کے بعد کیا گناہ ہے؟ فرمایا ''تمہارا اپنے ہمسائے کی بیوی سے زنا کرنا'' پھر آپ نے یہی آیت پڑھی: وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ ۚ (بخاری کتاب التفسیر سورہ فرقان)

یہ آپ ﷺ نے اس لئے فرمایا کہ قتل بہر حال کبیرہ گناہ ہے مگر اپنی اولاد کا قتل نہایت خوفناک قتل ہے۔ یونہی ہمسائے کی بیوی سے بے حیائی زنا کی سب سے گھناؤنی صورت ہے کیونکہ مومن کو اپنے ہمسایوں کی عزت کا پہریدار ہونا

چاہئے۔ آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو شخص شرک، قتل اور زنا جیسی برائیوں کا مرتکب ہو وہ ہمیشہ جہنم میں ذلیل ہو کر رہے گا۔ سوا اس کے کہ توبہ کرے جیسا کہ اگلی آیت ہے۔

[46] اب مومنوں کی ساتویں صفت (توبہ) بیان کی جارہی ہے۔ یعنی جو شخص شرک سے توبہ کر کے ایمان لے آئے اور قتل و زنا جیسی برائیوں سے توبہ کر کے اچھے اعمال اپنا لے اور دوسرے انسانوں کی جان و مال اور آبرو کا محافظ بن جائے تو اللہ ایسے لوگوں کی برائیوں کو نہ صرف معاف کرتا ہے بلکہ انہیں نیکیوں سے بدل دیتا ہے۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جہنم سے نکلنے والے سب سے آخری شخص کو لایا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا اس کے بڑے گناہوں کو رہنے دو اس کے چھوٹے گناہوں کا اس سے سوال کرو۔ تو کہا جائے گا کیا تم نے فلاں گناہ کیا اور فلاں گناہ کیا؟ وہ اقرار کرتا جائے گا اللہ اسے فرمائے گا تمہیں تمہارے ہر گناہ کے عوض (اس کے برابر) ایک نیکی دی جاتی ہے وہ کہے گا اے اللہ! میں نے تو فلاں بڑے بڑے گناہ بھی کیے تھے وہ کیوں نہیں بتائے جار ہے؟ یہ کہہ کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر مسکرائے کہ آپ کی مبارک داڑھیں ظاہر ہوگئیں۔ (مسلم کتاب الایمان حدیث ٣١٤)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ہم ایک عرصہ تک یہ آیت وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ پڑھتے رہے پھر چند برس کے بعد اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ۔ الخ نازل ہوئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس آیت کی اس قدر خوشی ہوئی جس قدر اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ① (سورہ فتح ١) کے نزول پر ہوئی تھی۔ (بغوی جلد ۵ صفحہ ١۵۵)

وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ ۙ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ۝ وَالَّذِيْنَ

اور جو جھوٹی گواہی نہیں دیتے اور جب وہ کسی بے ہودہ کام پر گذریں تو عزت داروں کی طرح گذر جاتے ہیں۔ [47] اور جب ان کے پاس

اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا ۝

ان کے رب کی آیات پڑھی جائیں تو وہ ان پر بہرے اندھے بن کر نہیں گرتے۔ [48]

[47] مومنوں کی آٹھویں صفت (جھوٹی گواہی سے بچنا) ہے یعنی وہ سچے ہوتے ہیں۔ جھوٹ بہر حال گناہ ہے مگر جھوٹی گواہی دینا ظلم بالائے ظلم ہے کیونکہ اس سے مجرم کو بے گناہ اور بے گناہ کو مجرم بنا دیا جاتا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کیا میں تمہیں سب سے بڑے گناہوں کے بارے میں نہ بتاؤں؟ ہم نے عرض کیا کیوں نہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ یہ ہیں کہ ''اللہ کے ساتھ شرک کیا جائے اور والدین سے نافرمانی کی جائے۔ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم ٹیک لگا کر بیٹھے ہوئے تھے پھر آپ سیدھے بیٹھ گئے اور فرمایا'' سن لو جھوٹی گواہی دینا بھی بڑا گناہ ہے۔'' پھر آپ یہ الفاظ دہراتے چلے گئے حتیٰ کہ ہم جی میں کہنے لگے کاش آپ بس کر دیں'' (کہ اس سے آپ کو تکلیف ہو رہی ہے)۔ (مسلم کتاب الایمان حدیث ١٤٣)

یہ ظلم کی انتہاء ہے کہ آج ہمارے وطن عزیز میں عدالتوں کے باہر کرائے کے گواہ دستیاب ہیں۔ جھوٹی گواہی ان کا کاروبار ہے۔ ان سے رقم طے کرلو اور جس قسم کی جھوٹی گواہی چاہو ان سے دلوالو۔ وہ چند پیسوں کے بدلے اپنا ایمان بیچنے کے لیے تیار بیٹھے ہیں۔ یہ لوگ اپنی عاقبت کے ساتھ معاشرے کا بھی بیڑا اغرق کررہے ہیں۔

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا۞ یعنی مومنوں کی نوویں صفت (لغو باتوں سے دور رہنا) ہے یعنی جس کام سے انہیں کچھ دنیوی یا اخروی فائدہ نہیں مومنین اس میں ملوث نہیں ہوتے بلکہ اپنی عزت بچا کر اس کے پاس سے گزر جاتے ہیں۔

اس کی مثال یوں ہے جیسے تاش کھیلنا، لڈو کھیلنا اور یونہی لہو ولعب کی کوئی مجلس سجانا جس میں وقت برباد ہو۔ گویا مومن اگر فارغ ہو تو وہ بے کار کاموں میں لگنے کی بجائے ذکر وفکر، عبادت، غریبوں کی مدد اور دوسرے نیک کاموں میں اپنا وقت لگاتا ہے۔

[48] مومنوں کی دسویں صفت (کلام الٰہی میں غور وخوض) ہے یعنی جب انسان کے سامنے آیاتِ خداوندی پڑھی جائیں تو وہ بہرے اندھے ہوکر گرنہیں پڑتے یعنی انکار نہیں کرتے بلکہ انہیں دل کے کانوں سے سنتے اور عبرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ دوسرا معنی یہ ہے کہ وہ انہیں غافلانہ نہیں سنتے بلکہ کان اور آنکھیں کھول کر ان میں غور وخوض کرتے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا

اور جو کہتے ہیں اے ہمارے رب! ہمیں ہماری بیویوں اور اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک دے اور ہمیں پرہیزگاروں

لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا۞ اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا وَيُلَقَّوْنَ فِيْهَا

کا پیشوا بنا۔ [49] یہی وہ لوگ ہیں جن کو ان کے صبر کے سبب (جنتی) بالاخانے دیے جائیں گے اور انہیں

تَحِيَّةً وَّسَلٰمًا۞ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا۞ قُلْ مَا

وہاں آداب وسلام پیش کیا جائے گا اور وہ وہاں ہمیشہ رہیں گے، وہ بہترین ٹھکانہ اور جائے قیام ہے۔ [50] آپ فرمائیں

يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْلَا دُعَآؤُكُمْ ۚ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا۞

میرے رب کو تمہاری کیا پرواہ ہے اگر تم اسے نہ پکارو۔ تم نے اسے جھٹلایا تو عنقریب عذاب لازم ہوگا۔ [51]

[49] رحمان کے بندوں کی گیارہویں صفت اہل وعیال کی اصلاح ہے یعنی وہ دعا کرتے ہیں اے اللہ! ہمیں اپنی اولاد اور ازواج کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک دے مطلب یہ کہ انہیں اپنی محبت واطاعت عطا فرما تا کہ ان کی بخشش

سے ہماری آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور ہمیں پرہیز گاروں کا پیشوا بنا یعنی ہمیں اور ہمارے اہل وعیال کو پرہیز گار بنا کیونکہ ہر شخص اپنے بچوں اور اپنی بیوی کا پیشوا ہے۔ اس کا یہ معنی بھی ہے کہ اے اللہ! ہماری اولاد و ازواج کو ہماری اطاعت عطا فرما کیونکہ جس کی اولاد یا بیوی نافرمان ہے اس کے لئے زندگی ایک عذاب ہے۔

حضرت مقداد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآنِ مجید لے کر آئے تو باپ اور اس کی اولاد میں جدائی ہوگئی۔ ایک شخص اسلام لے آتا مگر اس کا باپ، اس کا بھائی اور اس کا دیگر خاندان کفر پہ ہوتا۔ تو وہ مسلمان یہ سوچ کر کہ اس کا خاندان دوزخ میں جائے گا پریشان ہوجاتا اور اس کی آنکھیں ٹھنڈی نہ ہوتیں۔ اس لیے یہ آیت نازل ہوئی: وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ''اور جو کہتے ہیں اے ہمارے رب! ہمیں ہماری بیویوں اور اولاد سے ٹھنڈک دے اور ہمیں پرہیز گاروں کا پیشوا بنا۔''

(مسند احمد جلد ٦ صفحہ ٣)

[50] یعنی جو بندگانِ خدا مذکورہ گیارہ صفات حمیدہ سے متصف ہو جائیں اللہ انہیں ان کے صبر و استقامت کے عوض جنت کے بالاخانے (محلات) عطا فرمائے گا جہاں فرشتے اور حوران و غلمان جنت انہیں آداب و تسلیمات پیش کیا کریں گے۔ یہ محلات ان کا بہترین مستقر (مستقل رہائش گاہ) اور بہترین جائے قیام ہیں۔ جنت میں مومنین کی مستقل رہائش گاہیں بھی ہوں گی اور عارضی مقامات بھی اور یہ جنتی مکانات و مقامات اس قدر اعلیٰ ہیں کہ دنیا کی کسی بہتر سے بہتر رہائش گاہ سے انہیں تشبیہ نہیں دی جاسکتی۔ پیچھے منکرین کی جہنم کا ذکر یوں کیا گیا: سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا۔ اب مومنین کی جنت کا ذکر حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا سے کیا جارہا ہے۔

[51] یہاں دعا بمعنی عبادت ہے کیونکہ بقول حدیث دعا عبادت کا مغز ہے۔ تو معنی یہ ہے کہ اے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! آپ لوگوں سے فرمادیں اگر تم میرے رب کی عبادت نہیں کرتے تو اللہ کو تمہاری کیا پرواہ ہے یعنی اس میں اس کا کیا نقصان ہے اگر تم نے اس کی بات ماننے کی بجائے اسے جھٹلایا ہے تو اس کے بدلے میں عنقریب تم پر عذاب لازم ہوگا۔ اللہ تعالیٰ سب کو توفیق ایمان و عمل خیر عطا فرمائے۔

---

الحمدللہ آج 29 صفر 1429ھ مطابق 7 مارچ 2008ء بروز جمعۃ المبارک بعد نماز فجر سورہ فرقان کی تفسیر مکمل ہوئی۔

و صلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ محمد و آلہ و صحبہ اجمعین۔

# سورۃ الشعرآء

ترتیب تلاوت کے اعتبار سے یہ قرآن کریم کی 26 ویں اور ترتیب نزول کے اعتبار سے 27 ویں سورت ہے۔
اسے سورہ شعراء اس لئے کہتے ہیں کہ اس کی آیت (224) میں شعرآء کا ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ﴿۲۲۴﴾ اور شعرآء کی پیروی گمراہ لوگ کرتے ہیں۔ یہ مکمل مکی سورت ہے۔ اس میں گیارہ (11) رکوعات، دوسوستائیس (227) آیات، ایک ہزار دوسوا ناسی (1279) کلمات اور پانچ ہزار پانچ سو چالیس (5540) حروف ہیں۔

## فضیلت

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''مجھے الواح موسیٰ علیہ السلام کے بدلے میں سورہ طٰہٰ اور طواسین دی گئی ہیں۔'' (بغوی جلد ۵ صفحہ ۱۱۲) طواسین وہ سورتیں ہیں جن کے شروع میں طٰسٓ یا طٰسٓمّٓ ہے۔
سورہ شعرآء کا آغاز طٰسٓمّٓ سے ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''مجھے تورات کی جگہ سبع طوال (سات لمبی) سورتیں دی گئیں۔ انجیل کی جگہ راءات اور طواسین دی گئیں اور زبور کی جگہ طواسین کے بعد سے حوامیم سے قبل تک سورتیں دی گئیں اور حوامیم اور مفصل کے ساتھ مجھے فضیلت دی گئی۔ مجھ سے قبل کسی نبی کو یہ نہ دی گئیں۔'' (کنز العمال جلد ا صفحہ ۵۷۲ حدیث ۲۵۸۱) حوامیم وہ سورتیں ہیں جو حٰمٓ سے شروع ہوتی ہیں۔ اور مفصل سورتیں سورہ حجرات سے شروع ہوتی ہیں۔

## مضامین

اس سورت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے احوال پہ تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے۔ جیسے آپ علیہ السلام کا فرعون کے گھر پرورش پانا، پھر بڑے ہوکر اس کے دعویٰ خدائی کے خلاف کھڑے ہونا، جادوگروں سے مقابلہ کرنا اور ان کا آپ پہ ایمان لانا، پھر آپ کا اپنی قوم بنی اسرائیل کو لیکر مصر سے نکلنا، فرعون کا ان کے پیچھے آنا اور سمندر میں ڈوب کر ہلاک ہونا اور بنی اسرائیل

کا سمندر سے پار ہونا وغیرہ۔ اس کے بعد ابراہیم علیہ السلام، نوح علیہ السلام، ہود علیہ السلام، صالح علیہ السلام، لوط علیہ السلام اور شعیب علیہ السلام کی تبلیغی سرگرمیاں بیان کی گئیں اور سب سے آخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا بیان ہے۔ جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری رسول ہونا بھی معلوم ہو رہا ہے۔

## ماقبل سے مناسبت

اس سے قبل سورہ فرقان ہے۔ جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رسالت بیان کی گئی۔ کسی اور رسول کی نہیں، اور سورہ شعراء میں سب سے پہلے موسیٰ علیہ السلام ہی کے ذکر سے بات شروع کی گئی۔ یہ ان دونوں سورتوں کے مابین بڑی وجہ سے مناسبت ہے۔ علاوہ ازیں حقانیتِ قرآن اور دلائلِ توحید جیسے اہم مضامین ان سورتوں کا مشترکہ موضوع ہیں۔

راجی رحمۃ الرب عبدہ المذنب قاری محمد طیب غفرلہ

ایاتها ٢٢٧ ٢٦ سُوْرَةُ الشُّعَرَآءِ مَكِّيَّةٌ ٤٧ رکوعاتها ١١

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

طٰسٓمّٓ ﴿١﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ﴿٢﴾ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا

طاء ، سین ، میم۔[1] یہ روشن کتاب کی آیات ہیں۔ شائد آپ خود کو اس غم میں ہلاک کر لیں گے کہ

مُؤْمِنِيْنَ ﴿٣﴾ اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰيَةً فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ

کفار ایمان نہیں لائے۔ اگر ہم چاہیں تو ان پر آسمان سے نشانی اتاریں جس کے آگے ان کی

لَهَا خٰضِعِيْنَ ﴿٤﴾ وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنَ الرَّحْمٰنِ مُحْدَثٍ اِلَّا كَانُوْا

گردنیں جھک جائیں۔[2] اور ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے جو بھی نیا ذکر آتا ہے۔ وہ اس سے

عَنْهُ مُعْرِضِيْنَ ﴿٥﴾ فَقَدْ كَذَّبُوْا فَسَيَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿٦﴾

ضرور منہ پھیرتے ہیں، انہوں نے حق کو جھٹلایا تو عنقریب انہیں اس کی خبریں پہنچیں گی جسے وہ

اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الْاَرْضِ كَمْ اَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ﴿٧﴾ اِنَّ فِيْ

جھٹلاتے تھے۔[3] کیا انہوں نے زمین کی طرف نہ دیکھا کہ ہم نے اس میں کتنی قسم کے عمدہ جوڑے پیدا کیے ہیں بے شک اس میں

ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٨﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿٩﴾ ع

بڑی نشانی ہے مگر ان میں سے اکثر ایمان لانے والے نہیں ہیں اور بے شک آپ کا رب ہی غالب ہے رحم والا ہے۔[4]

## کفار کی گمراہی پر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دکھ اور اللہ کی طرف سے تسلی

[1] طٰسٓمّٓ حروف مقطعات ہیں۔ ان کے متعلق ہم سورہ بقرہ کے آغاز میں مفصل گفتگو کر آئے ہیں۔ وہاں دیکھیں۔ کچھ نئی باتیں یہ ہیں کہ مختلف سورتوں کے اوائل میں ۷۹ حروف مقطعات ہیں جو حذف تکرار کے بعد چودہ رہ

جاتے ہیں۔ان کا مجموعہ سر حصین قطع کلامہ ہے یعنی وہ مضبوط راز جس نے اللہ کا کلام قطعی کر دیا۔اور یہ مجموعہ بھی ہے۔ نَصٌّ حکیم قاطعٌ لہٗ سِرٌّ حکیم مطلق اللہ تعالیٰ کی نص قاطع ہے جس میں راز ہے۔ان میں سب سے زیادہ تکرار والاحرف میم ہے۔(جو اسم محمد ﷺ سے رمز بھی ہے) اور کم تر تکرار نون میں ہے جو صرف ایک ایک بار آیا ہے جیسے نٓ وَالۡقَلَمِ۔

طٰسٓمّٓ کے بارے میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یہ اسم قرآن ہے محمد بن کعب قرظی کہتے ہیں اس کا معنی ہے قسم ہے اللہ تعالیٰ کے طول (قوت) اس کے سنا (جمال) اور اس کے ملک کی۔طاء طول سے سین سناء سے اور میم ملک سے رمز ہے۔(بغوی جلد ۵ صفحہ ۱۱۲) امام نجم الدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں طاء حضور ﷺ کی طہارت، سین آپ ﷺ کی سیادت اور میم آپ ﷺ کے مشاہدہ جمال رب العالمین سے اشارہ ہے یعنی قسم ہے ان چیزوں کی۔(روح البیان جلد ۶ صفحہ ۲۵۹)

[2] کفار کی سرکشی اور اسلام دشمنی سے حضور ﷺ کا قلب مبارک شدید اذیت محسوس کرتا تھا۔اللہ تعالیٰ نے آپ کی تسلی کے لئے فرمایا اے محبوب ﷺ شائد آپ ﷺ اس غم میں خود کو ہلاک کر لیں گے کہ کفار ایمان کیوں نہیں لاتے۔ اے پیارے حبیب ﷺ اگر ہم چاہیں تو آسمان سے ایسی نشانی اتار دیں جسے دیکھ کر سب کفار کی گردنیں خود جھک جائیں اور وہ اسلام لانے پر مجبور کر دیئے جائیں مگر ایسا کرنا ہماری حکمت کے خلاف ہے یعنی ہماری حکمت یہ ہے کہ سب پر راہِ حق واضح کر دی جائے پھر جو چاہے اپنی خوشی سے ایمان لائے اور جو چاہے نہ لائے۔لہٰذا آپ ﷺ کا کام راہِ حق دکھانا ہے وہ آپ نے دکھا دی آپ کا فرض ادا ہو گیا۔اب اللہ جانتا ہے کس کے نصیب میں ایمان ہے کس کے نصیب میں نہیں۔لہٰذا آپ ان کی سرکشی سے پریشان نہ ہوا کریں۔

## محبوبیتِ مصطفیٰ ﷺ بدرگاہِ خدا جل وعلا

معلوم ہوا آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے ایسے محبوب ہیں کہ آپ کی پریشانی اللہ کو گوارا نہیں۔حضور ﷺ پریشان ہوں تو اللہ تعالیٰ آپ کی تسلی اور خاطر داری کے لئے فوراً قرآن اتار دیتا ہے اور قرآن کا بڑا حصہ آپ کی خاطر داری میں اتارا گیا ہے۔کہیں فرمایا گیا:

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفۡسَكَ عَلٰۤى اٰثَارِهِمۡ اِنۡ لَّمۡ يُؤۡمِنُوۡا بِهٰذَا الۡحَدِيۡثِ اَسَفًا۞ (کہف:۶) کہیں فرمایا گیا وَضَآئِقٌۢ بِهٖ صَدۡرُكَ اَنۡ يَّقُوۡلُوۡا لَوۡلَاۤ اُنۡزِلَ عَلَيۡهِ كَنۡزٌ (ہود: ۱۲) کہیں فرمایا گیا: لَا يَحۡزُنۡكَ الَّذِيۡنَ يُسَارِعُوۡنَ فِى الۡكُفۡرِ۔ (آل عمران: ۱۷۶) اور کہیں ارشاد ہوا:

قَدۡ نَـعۡلَمُ اِنَّهٗ لَيَحۡزُنُكَ الَّذِىۡ يَقُوۡلُوۡنَ۔ (انعام: ۳۳) الغرض اس مضمون سے قرآن بھرا پڑا ہے اسی لئے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

جناب محمد برائے الٰہی جناب الٰہی برائے محمد
خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم خدا چاہتا ہے رضائے محمد

## مبلّغ کو لوگوں کی مخالفت سے کبیدہ خاطر (پریشان) نہیں ہونا چاہیے

حضور ﷺ لوگوں کی مخالفت سے پریشان ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو بتایا کہ مخالفت تو ضرور ہوگی لہٰذا اس سے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ مبلغ کا کام ہے لوگوں تک پیغام حق کا پہنچانا ہے۔ وہ اسے پہنچاتے رہنا چاہیے۔ اور منکرین کی مخالفت کے سبب اسے چھوڑ نہیں دینا چاہیے۔ کیونکہ مبلغ کے لیے اس کے کام کی اجرت اللہ کے ہاں لکھی جارہی ہے جو اسے بہر حال ملے گی۔ اگر وہ باطل پرستوں کی مخالفت سے تنگ آ کر اپنا کام چھوڑ دیتا ہے تو سمجھو کہ وہ اللہ کی رضا کے لیے نہیں بلکہ اپنی شہرت کے لیے تبلیغ میں لگا ہوا ہے۔

## انسان کی اختیاری عبادت ہی اسے تمام مخلوق سے برتر کرتی ہے

اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو آسمان سے نشانی اتار کر سب انسانوں کو ایمان لانے پر مجبور کر دیتا مگر اللہ رب العزت نے ایسا نہ کیا کیونکہ اللہ تعالیٰ ان سے اختیاری عبادت دیکھنا چاہتا ہے جو وہ اپنی مرضی سے کرے۔ اور مزہ ہی اختیاری عبادت میں ہے اور یہ صرف انسان کو دی گئی ہے۔

چنانچہ جب انسان تمام شیطانی ونفسانی وساوس اور موانع کے باوجود اللہ تعالیٰ کے ہاں سجدۂ عبادت بجالاتا ہے تو اسکا ایک سجدہ فرشتوں کی لاکھوں غیر اختیاری تسبیحات وسجدات پہ بھاری ہوجاتا ہے۔ اسی لیے انسان کے سر پہ تاجِ تکریم سجایا گیا۔ ارشاد ہوا: وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ۔ ''اور ہم نے اولاد آدم کو تکریم عطا فرمائی۔'' (بنی اسرائیل: ۷۰)

[3] یعنی کفار پر جب بھی قرآن کا نیا حصہ اترتا ہے تو وہ اس کا مذاق اڑانا شروع کر دیتے ہیں اور اگر وہ باز نہ آئے تو عنقریب انہیں اس کے انجام کی خبریں ملیں گی چنانچہ جب بدر سے کفار کی ذلت آمیز ہزیمت کی خبریں مکہ میں پہنچیں تو ہر گھر میں کہرام مچ گیا۔

[4] کفار کیوں نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین سے کیسے عمدہ جوڑے پیدا کئے ہیں یعنی متضاد قسم کے پھل جیسے کڑوے میٹھے، گرم سرد، خشک تر، چھلکے دار بلا چھلکہ اور گٹھلی والے بغیر گٹھلی وغیرہ۔ اس میں قدرت کی بڑی نشانی ہے کہ آخر اللہ کے سوا یہ تضاد وتغیر کس نے بنایا بلاشبہ وہ غالب ورحیم ہے مگر اکثر لوگ اتنی بڑی نشانیاں دیکھ کر بھی ایمان نہیں لاتے۔

وَاِذْ نَادٰى رَبُّكَ مُوْسٰۤى اَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۙ﴿۱۰﴾ قَوْمَ فِرْعَوْنَ ؕ

اور جب تمہارے رب نے موسیٰ (علیہ السلام) کو پکارا کہ ظالم قوم یعنی قوم فرعون کے پاس جاؤ، کیا وہ تقویٰ اختیار نہیں

اَلَا يَتَّقُوْنَ ﴿۱۱﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّيْۤ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ ؕ﴿۱۲﴾ وَيَضِيْقُ صَدْرِيْ

کرتے؟۔[5] موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا اے میرے رب! مجھے ڈر ہے کہ وہ مجھے جھٹلائیں گے، میرا سینہ تنگ ہوجائے گا

وَلَا يَنْطَلِقُ لِسَانِيْ فَاَرْسِلْ اِلٰى هٰرُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنْۢبٌ فَاَخَافُ

اور میری زبان نہ چلے گی۔ تو اے اللہ! تو ہارون کو بھی رسول بنا دے۔ [6] اور فرعونیوں کا مجھ پر ایک الزام ہے، تو

اَنْ يَّقْتُلُوْنِ ۚ﴿۱۴﴾ قَالَ كَلَّا ۚ فَاذْهَبَا بِاٰيٰتِنَاۤ اِنَّا مَعَكُمْ مُّسْتَمِعُوْنَ ﴿۱۵﴾ فَاْتِيَا

مجھے ڈر ہے کہ وہ مجھے مار ڈالیں گے۔ اللہ نے فرمایا ایسا ہرگز نہ ہوگا۔ تم دونوں ہماری نشانیاں لیکر جاؤ ہم تمہارے ساتھ سنتے ہیں۔

فِرْعَوْنَ فَقُوْلَاۤ اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۙ﴿۱۶﴾ اَنْ اَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ ؕ﴿۱۷﴾

تم فرعون کے پاس جا کر اسے کہو کہ ہم رب کائنات کے رسول ہیں، ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دو [7]

## موسیٰ علیہ السلام کا رسول بن کر فرعون کے پاس جانا اور اس کا انکار کرنا

[5] یہاں سے انبیاء سابقین کا ذکر خیر شروع ہو رہا ہے جو اس سورت کے اختتام تک چلا گیا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی قلب کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا گیا کہ پہلے انبیاء سے ان کی قوموں نے کیا کیا دشمنیاں روا رکھیں اور آخر انبیاء کرام صلی اللہ علیہ وسلم ہی کامیاب ہوئے۔ اسی طرح کامیابی آپ ہی کے قدم چومے گی اور منکرین کو خسارے کے سوا کچھ نہ ملے گا۔ تو سب سے پہلے موسیٰ علیہ السلام کا ذکر لایا گیا کیونکہ ان کے احوال نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال سے بہت زیادہ ملتے جلتے ہیں۔ دونوں کو اپنے ساتھیوں سمیت اپنے وطن سے ہجرت کرنا پڑی۔ دونوں کو پہاڑ پر نبوت عطا کی گئی۔ دونوں کو نئی کتاب اور نئی شریعت دی گئی۔ دونوں نے غلبۂ اسلام کے لئے جہاد کیا اور دونوں کو اپنے وطن میں مغلوبیت کے بعد غلبہ عطا فرمایا گیا۔ البتہ بعض سورتوں میں احوال انبیاء کا بیان حضرت نوح علیہ السلام سے شروع کیا گیا ہے جیسے اعراف وھود میں، اس لئے کہ وہ پہلے نبی ہیں جو کفار کی طرف مبعوث فرمائے گئے۔

الغرض فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو (مدین سے مصر واپس آتے ہوئے راستے میں کوہِ طور کی دائیں جانب ایک درخت میں سے) پکارا کہ اے موسیٰ (علیہ السلام) قوم فرعون جو کفر و شرک کے ظلم میں گرفتار ہے ان کے پاس جاؤ اور انہیں

عذابِ الٰہی سے ڈراؤ کیا وہ ڈرنا نہیں چاہتے۔ یاد رہے حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل اور قوم فرعون دونوں کے لئے رسول تھے۔ بنی اسرائیل تو اسی دن ایمان لے آئے جب جادوگروں نے کلمہ پڑھا تھا اور قوم فرعون کفر پہ ڈٹ گئی آخر انہیں سمندر میں غرق کر دیا گیا۔

[6] حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب فرعون جیسے جابر و ظالم کی طرف بھیجا گیا تو آپ نے دل میں خوف محسوس کیا آپ نے عرض کیا اے اللہ تعالیٰ قوم فرعون مجھے جھٹلائے گی ایسے میں میرا سینہ تنگ ہوگا اور میری زبان رُک جائے گی (کیونکہ جس کی زبان میں کچھ رکاوٹ ہو تو ذہنی دباؤ کی صورت میں اس کی زبان زیادہ رکنے لگتی ہے اور بات کرنا مشکل ہو جاتا ہے) تو اے اللہ! میرے ساتھ میرے بھائی ہارون کو بھی رسول بنا دے تا کہ وہ میری مدد کرے۔ دوسری جگہ آپ کی یہ دعا یوں بیان ہوئی: رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ ﴿٢٥﴾ وَيَسِّرْ لِيْٓ اَمْرِيْ ﴿٢٦﴾ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ ﴿٢٧﴾ يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ ﴿٢٨﴾ وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ ﴿٢٩﴾ هٰرُوْنَ اَخِي ﴿٣٠﴾ اشْدُدْ بِهٖٓ اَزْرِيْ ﴿٣١﴾ ''اے میرے رب میرے لئے میرا سینہ کھول دے۔ میرا معاملہ آسان فرما دے اور میری زبان سے گرہ کھول دے تا کہ لوگ میری بات سمجھ سکیں اور میرے گھر والوں میں سے میرے بھائی ہارون (علیہ السلام) کو میرا وزیر بنا دے اس کے ذریعے میری قوت بڑھا۔'' (طٰہٰ:٢٥) چنانچہ آپ علیہ السلام کی یہ دعا قبول کی گئی اور اللہ نے فرمایا: قَدْ اُوْتِيْتَ سُؤْلَكَ يٰمُوْسٰى ﴿٣٦﴾ ''اے موسیٰ آپ کا سوال آپ کو عطا کیا جاتا ہے۔'' (طٰہٰ:٣٦)

[7] حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مزید کہا اے اللہ! قوم فرعون کا مجھ پر الزام ہے کہ میں نے ان کا آدمی مار دیا تھا تو مجھے ڈر ہے کہ وہ اس کے بدلے میں مجھے قتل کر دیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ایسا ہرگز نہیں ہوگا لہٰذا تم اور ہارون دونوں فرعون کے پاس جاؤ اسے کہو کہ ہم رب العالمین کے رسول ہیں اور اللہ کا حکم ہے کہ بنی اسرائیل کو آزاد کر کے ہمارے ساتھ بھیج دو۔ معنی یہ ہے کہ اے فرعون پہلے تم ایمان لاؤ پھر بنی اسرائیل کو آزاد کر کے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت بجا لاؤ۔ اس کا یہ معنی نہیں کہ تم اپنے کفر ہی پہ قائم رہو بس بنی اسرائیل کو آزاد کر دو۔ تمہارے ایمان سے ہمیں کوئی واسطہ نہیں اس لئے کہ موسیٰ علیہ السلام فرعونی قوم کی طرف بھی بھیجے گئے تھے اور آپ کا ان سے پہلا تقاضا ایمان لانے ہی کا تھا۔

## طبعی خوف وجہ اعتراض نہیں

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی طرف بھیجا گیا تو آپ علیہ السلام کو خوف محسوس ہوا جو طبعی و فطری خوف تھا۔ جو مبلغ کے دل میں تھوڑی دیر رہتا ہے پھر تائید ربانی کے ذریعے ختم ہو جاتا ہے۔ شیعہ لوگ کہتے ہیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہجرت کے موقع پر غار ثور میں روتے چلاتے تھے (حالانکہ یہ مبالغہ آرائی ہے) حتیٰ کہ قرآن میں ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو کہنا پڑا: لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ اے ابوبکر ڈرو نہیں اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ (توبہ:٤٠) بقول شیعہ اگر ابوبکر کے دل میں اخلاص ہوتا تو اس گھبراہٹ کی کیا وجہ تھی؟ ہم کہتے ہیں یہ گھبراہٹ طبعی امر ہے جو موسیٰ علیہ السلام جیسے جلیل القدر رسول کو بھی لاحق

ہوسکتا ہے۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نبی و رسول نہیں ہیں پھر انہیں اس طبعی خوف کے لاحق ہونے پر کس طرح موردِ طعن بنایا جاسکتا ہے۔

خود شیعہ کتب میں ہے کہ شبِ ہجرت جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اپنے بستر پہ لٹایا تو انہوں نے کہا: او تسلمن بمبیتی۔ ''کیا آپ میرے یہاں سونے پہ مطمئن ہیں؟'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''ہاں،'' تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کھل کھلا کر ہنس پڑے۔ لما انبأہ بہ رسول اللہ ﷺ من سلامتہ۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں ان کی سلامتی کی خبر دے دی تھی۔ (بحار الانوار جلد ۱۹ صفحہ ۶۹ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

معلوم ہوا کہ شب ہجرت بستر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہ سونے سے قبل حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی ایک بار گھبرائے۔ پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں سلامتی کی خبر دی تو وہ خوشی سے ہنس پڑے۔ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ گھبرائیں تو اس پہ کوئی اعتراض نہیں اگر جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ گھبرائیں تو اہل تشیع کا اس پہ اعتراض کیوں ہے؟

اور سچی بات تو یہ ہے کہ غار میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنی فکر سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فکر تھی۔ اگر اپنی فکر ہوتی تو اس قدر کٹھن سفر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہی نہ چلتے۔ بلکہ بخاری کے مطابق وہ کبھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آگے چلتے تھے کبھی پیچھے کبھی دائیں کبھی بائیں، الغرض جدھر سے انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہ حملہ کا خطرہ محسوس ہوتا وہ اس طرف چلنا شروع کر دیتے۔

## قرآن میں کبھی ذنب بمعنی الزام بھی آتا ہے

ولھم علی ذنب کا معنی یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا مجھ پر قوم فرعون کا ایک الزام ہے۔ معلوم ہوا کہ ذنب کا معنی ہر جگہ گناہ ہی نہیں ہوتا بلکہ کبھی ذنب بمعنی الزام بھی قرآن میں مستعمل ہے۔ تو اس آیت کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ جہاں قرآن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف لفظ ذنب کی نسبت ہے وہاں اس کا معنی الزام لیا جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ۔ (فتح، ۲)

اس کا ایک معنی یہ بھی کیا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ہم نے آپ کو فتح مکہ کی صورت میں فتح مبین دیدی ہے تاکہ اللہ تعالیٰ آپ سے اگلے پچھلے الزام دور کر دے اور آپ کی نبوت خوب چمک اٹھے۔'' چنانچہ ایسا ہی ہوا جو لوگ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو الزام دیتے تھے کہ آپ جھوٹے نبی ہیں اور اللہ کی طرف معاذ اللہ جھوٹی وحی منسوب کرتے ہیں وہ لوگ فتح مکہ کے بعد دھڑا دھڑ اسلام لانے لگے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۝۱ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۝۲

قَالَ اَلَمْ نُرَبِّكَ فِيْنَا وَلِيْدًا وَّلَبِثْتَ فِيْنَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِيْنَ ﴿١٨﴾ وَفَعَلْتَ

فرعون نے کہا اے موسیٰ کیا ہم نے تجھے بچپن میں پالا نہ تھا؟ اور تم ہمارے درمیان اپنی عمر کے کئی برس رہے اور تم نے

فَعْلَتَكَ الَّتِيْ فَعَلْتَ وَاَنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿١٩﴾ قَالَ فَعَلْتُهَآ اِذًا وَّاَنَا مِنَ

وہ کام کیا جو کیا اور تم ناشکرے ہو موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا میں نے اس وقت جو کیا تب میں

الضَّآلِّيْنَ ﴿٢٠﴾ فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ فَوَهَبَ لِيْ رَبِّيْ حُكْمًا وَّجَعَلَنِيْ

بے خبر تھا۔ پھر جب میں تم سے ڈرا تو تمہارے یہاں سے نکل گیا، تب اللہ نے مجھے حکم عطا فرمایا اور مجھے رسول بنایا اور یہ نعمت

مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٢١﴾ وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿٢٢﴾

جس کا تم مجھ پر احسان رکھتے ہو اس بنیاد پر ہے کہ تم نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے [8]

[8] جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کو ساتھ لے کر فرعون کے پاس پہنچے اور اسے پیغام حق دیا تو اس نے ایمان اختیار کرنے کی بجائے آپ علیہ السلام پر اعتراض کیا کہ اے موسیٰ! کیا ہم ہی نے تمہاری پرورش نہیں کی تھی پھر تم اپنی زندگی کے کثیر برس ہمارے درمیان رہے (موسیٰ علیہ السلام فرعونی قوم میں تیس برس رہے) پھر تم نے قتل جیسا جرم کیا۔ اب تم نبی بن کر ہمیں دعوتِ ایمان دینے آگئے ہو، تم ناشکرے ہو ہمارے احسان کا بدلہ تم نے قتل کے ساتھ دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اے فرعون! جب مجھ سے قتل واقع ہوا میں اس وقت بے خبر تھا یعنی مجھے گمان نہ تھا کہ میرے ایک مکہ مارنے سے وہ شخص قتل ہو جائے گا اور نہ ہی مکے سے کبھی کوئی مرتا ہے، مگر وہ شخص مر گیا۔ لہٰذا میں اس قتل میں بے قصور ہوں۔ آگے فرمایا: فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ۔ یعنی پھر جب مجھے خوف لاحق ہوا کہ تم مجھے قتل کر دو گے تو میں مصر سے چلا گیا اور تم سے عرصہ غائب رہا۔ اس دوران اللہ نے مجھے حکم دیا یعنی علوم نبوت سے نوازا اور مجھے رسول بنایا۔

آگے موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: وَتِلْكَ نِعْمَةٌ۔ الخ یعنی اے فرعون! تمہارا کہنا کہ تم نے مجھے پالا تھا تو تمہارا یہ احسان بھی ظلم کی بنیاد پر استوار ہوا۔ کیونکہ تم نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے۔ دوسرے لفظوں میں آپ علیہ السلام اسے یہ کہہ رہے ہیں کہ اے فرعون! میری ولادت کو روکنے کے لئے تم نے بنی اسرائیل کے ہزاروں نومولود بچے ان کی ماؤں کے سامنے ذبح کر دیئے پھر میری ولادت کو تم سے خفیہ رکھنے کے لئے مجھے صندوق میں ڈال کر بہایا گیا تو تم نے وہ صندوق پکڑ لیا اور

میری تربیت کی۔ گویا میں تم سے اس احسان کے لئے کوئی بھیک مانگنے نہیں آیا تھا تم نے خود ہی تربیت کی اور میری قوم کے ہزاروں بچے ذبح کرنے کے بعد اگر تم نے میری تربیت کی ہے تو اس پر احسان جتلاتے ہوئے تمہیں شرم آنی چاہئے۔ اس کا یہ معنی بھی ہے کہ تم ہزاروں بچے ذبح کردو تو تمہیں اس پر کوئی افسوس نہیں اور مجھ سے ایک شخص بلا ارادہ مارا گیا تو اس پر تمہیں بہت اعتراض ہے۔ یہ انسانیت ہے تمہاری؟

| |
|---|
| قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۞٢٣ قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا |
| فرعون نے کہا: یہ رب العالمین کیا ہے؟ آپ (علیہ السلام) نے فرمایا وہ آسمانوں اور زمین کا اور جو ان کے |
| بَيْنَهُمَا ۭ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ۞٢٤ قَالَ لِمَنْ حَوْلَهٗٓ اَلَا تَسْتَمِعُوْنَ ۞٢٥ قَالَ |
| درمیان ہے کا رب ہے اگر تم یقین لاؤ۔ فرعون نے اپنے آس پاس والوں سے کہا: کیا تم سنتے نہیں ہو؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا |
| رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ۞٢٦ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِيْٓ اُرْسِلَ |
| وہ تمہارا اور تمہارے پہلے باپ دادا کا رب ہے۔ فرعون نے کہا بے شک تمہاری طرف جو رسول بھیجا گیا ہے |
| اِلَيْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ ۞٢٧ قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۭ اِنْ |
| مجنون ہے۔ آپ (علیہ السلام) نے فرمایا وہ مشرق ومغرب اور جو کچھ ان کے درمیان ہے کا رب ہے، اگر تم |
| كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ۞٢٨ قَالَ لَىِٕنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِيْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ |
| عقل کرو۔ فرعون نے کہا: اگر تم نے میرے سوا کوئی خدا مانا تو میں تمہیں ضرور قید میں |
| الْمَسْجُوْنِيْنَ ۞٢٩ |
| ڈال دوں گا۔ [9] |

[9] جب فرعون سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی باتوں کا جواب نہ بن پڑا تو اس نے کہا اے موسیٰ! ابھی تم نے کہا: اِنَّا رسولُ ربِّ العالمین ہم رب العالمین کے رسول ہیں۔ تو یہ رب العالمین کیا ہے؟ (وہ صفاتِ خداوندی سے مطلق نابلد تھا یا مچلا بن کر تغافلِ عارفانہ کر رہا تھا) آپ علیہ السلام نے فرمایا اگر تم یقین لاؤ تو وہی کائنات ارض وسماء کا مالک وخالق ہے۔ فرعون نے ازراہِ تضحیک وتمسخر اپنے ساتھیوں سے کہا: سنتے ہو یہ شخص کیا کہہ رہا ہے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فوراً کہا

اے فرعون اور فرعون کے ساتھیو! اللہ تعالیٰ تمہارا اور تمہارے پچھلے سب باپ دادا کا خدا ہے۔ یعنی اے فرعون! تم اسی کے حکم سے پیدا ہوئے اور اسی کی زمین پہ چل کر اسی کا رزق کھا کر دعوائے خدائی کر رہے ہو۔ اب فرعون! کا پارہ چڑھ گیا کیونکہ اس کے اندر کا جھوٹ اس کے سامنے رکھ دیا گیا۔ اس نے خفت مٹانے کے لئے کہا: اے اہل دربار! لگتا ہے تمہاری طرف بھیجا جانے والا رسول مجنون ہے۔ تب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک اور ایمانی حملہ کرتے ہوئے کہا اے فرعون وہ مشرق و مغرب اور ان کے مابین جو کچھ ہے اس سب کا رب ہے یعنی اسی کے حکم سے سورج کا طلوع و غروب اور سلسلہ شب و روز ہے۔ فرعون لاجواب ہو کر دھمکی دینے پہ آ گیا کہنے لگا اے موسیٰ! اگر تم نے میرے سوا کسی کو خدا مانا تو میں تمہیں قید کر دوں گا۔

مروی ہے کہ اس نے خوفناک جیل بنا رکھی تھی۔ اس میں جو جاتا اس کی لاش ہی باہر آتی۔ فرعون نے اسی قید خانہ کی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دھمکی دی۔ مگر وہ نہیں جانتا تھا کہ جس کو میں دھمکیاں دے رہا ہوں اس کے ہاتھ پہ میری موت لکھی ہوئی ہے۔

یہاں سے دو فوائد حاصل ہوئے:

(۱) جھوٹے لوگ لاجواب ہو کر دھمکیوں پر اُتر آتے ہیں۔

فرعون نے لاجواب ہو کر موسیٰ علیہ السلام کو قید و بند کی دھمکی دی اور جھوٹے لوگوں کا یہی طریقہ ہے لہٰذا سچے لوگوں کو ڈٹے رہنا چاہیے آخر کامیابی انہی کو ملتی ہے۔ جھوٹے لوگوں کی دھمکیاں اصل میں ان کے اندرونی خوف کا مظہر ہوتی ہیں۔ کیونکہ ان میں سچائی کا مقابلہ کرنے کی جرأت نہیں ہوتی۔

(۲) ہمیشہ جھوٹے لوگ سچوں کا مذاق اُڑاتے ہیں۔

فرعون موسیٰ علیہ السلام کی باتوں کا مذاق اڑاتا اور آپ علیہ السلام کو مجنون کہتا تھا اور یہی جھوٹے لوگوں کا طریقہ ہے اور ایک دن یہ مذاق ان کے لئے موت کا پھندا بن جاتا ہے۔

قَالَ اَوَلَوْ جِئْتُكَ بِشَیْءٍ مُّبِیْنٍ ﴿۳۰﴾ قَالَ فَاْتِ بِهٖۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ

آپ (علیہ السلام) نے فرمایا اگرچہ میں تمہارے پاس واضح دلیل لاؤں؟ اس نے کہا اگر تم سچے ہو تو اسے لاؤ

الصّٰدِقِیْنَ ﴿۳۱﴾ فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِیَ ثُعْبَانٌ مُّبِیْنٌ ﴿۳۲﴾ وَّنَزَعَ یَدَهٗ فَاِذَا

آپ (علیہ السلام) نے اپنا عصا پھینکا تو وہ کھلا اژدھا بن گیا اور آپ نے (بغل سے) ہاتھ کھینچ کر نکالا تو وہ

هِیَ بَیْضَآءُ لِلنّٰظِرِیْنَ ﴿۳۳﴾

دیکھنے والوں کے سامنے چمک رہا تھا۔[10]

[10] حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کی دھمکی سے مرعوب نہیں ہوئے اور یہی اہل حق کا شیوہ ہے آپ علیہ السلام نے فرمایا اے فرعون میں تمہارے پاس اپنی رسالت پر واضح دلیل لایا ہوں۔فرعون نے کہا اگر تم سچے ہو تو اسے پیش کرو۔آپ علیہ السلام نے اپنا عصا ان کے سامنے پھینکا تو وہ عظیم خوفناک اژدھا بن گیا جس کا ایک جبڑا زمین پہ تھا اور دوسرا فرعونی دربار کی چھت تک جارہا تھا اور وہ اژدھا فرعون کی طرف متوجہ ہوا تو وہ بڑے بڑے گوز مارنے لگا اور چیخ کر بھاگا پھر موسیٰ علیہ السلام نے اپنا ہاتھ بغل میں دبا کر نکالا تو وہ آفتاب کی طرح چمک رہا تھا۔

قَالَ لِلْمَلَاِ حَوْلَهٗۤ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ﴿٣٤﴾ يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ

فرعون نے اپنے آس پاس والے سرداران قوم سے کہا یہ بڑا علم والا جادوگر ہے، تمہیں اپنے جادو کے ساتھ

اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهٖ ۖ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ﴿٣٥﴾ قَالُوْۤا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَابْعَثْ فِي

تمہارے علاقہ سے نکالنا چاہتا ہے تو تمہاری کیا رائے ہے؟ وہ کہنے لگے اسے اور اسکے بھائی کو ٹھہراؤ اور شہروں میں

الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿٣٦﴾ يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سَحَّارٍ عَلِيْمٍ ﴿٣٧﴾ فَجُمِعَ السَّحَرَةُ

(لوگوں کو) جمع کرنے والے بھیجو تا کہ وہ تمہارے پاس ہر دانا جادوگر کو لے آئیں۔ [11] تو ایک مقرر دن کی مدت پر

لِمِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿٣٨﴾ وَّقِيْلَ لِلنَّاسِ هَلْ اَنْتُمْ مُّجْتَمِعُوْنَ ﴿٣٩﴾ لَعَلَّنَا

جادوگر جمع کر لیے گئے اور لوگوں سے کہا گیا کیا تم جمع ہوگے؟ تا کہ ہم

نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ اِنْ كَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿٤٠﴾ فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالُوْا

جادوگروں کی پیروی کریں اگر وہ غالب آئیں۔ [12] پھر جب جادوگر آ گئے تو فرعون سے کہنے لگے

لِفِرْعَوْنَ اَئِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿٤١﴾ قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ اِذًا

اگر ہم غالب آجائیں تو کیا ہمارے لیے کوئی جزاء ہے؟ فرعون نے کہا: ہاں بے شک تب تم

لَّمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿٤٢﴾

ہمارے قریبی ساتھی ہوگے۔ [13]

## جادوگروں کا موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں شکست کھا کر ایمان لانا

[11] عصا کے سانپ بننے اور ید بیضاء کے چمکنے جیسے معجزات دیکھ کر بھی فرعون راہِ ہدایت پر نہ آیا بلکہ اس نے کہا موسیٰ بہت بڑا جادو سیکھ کر آیا ہے۔ یعنی یہ ہم سے دس برس غائب رہ کر جادو ہی سیکھتا رہا ہے اور اب جادو کی طاقت سے ہمیں ہمارے علاقہ سے بے دخل کر کے اس پر اپنی حکومت قائم کرنا چاہتا ہے۔ پھر اس نے اپنے آس پاس بیٹھے سرداران قوم سے کہا کہ بتاؤ اس بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ وہ کہنے لگے اے فرعون! موسیٰ اور اس کے بھائی کو ابھی کچھ دیر

ٹھہراؤ یعنی ان سے کوئی مقابلہ نہ کیا جائے بلکہ ان کا مقابلہ بھرپور تیاری کے ساتھ کیا جانا چاہئے۔ اس طرح کہ اے فرعون! تم شہروں میں آدمی بھیجو جو ہر ماہر جادوگر کو لے آئیں پھر مجمعِ عام میں موسیٰ کے جادو کا توڑ کیا جائے۔

[12] چنانچہ اعلان کیا گیا کہ فلاں دن کو فلاں وقت پر موسیٰ علیہ السلام اور وقت کے ماہر جادوگروں کی ایک بڑی جماعت کے مابین مقابلہ ہوگا اور اس کے لئے جادوگروں کو بلا لیا گیا اور لوگوں سے بھی کہا گیا کہ وہ بھی سب آئیں تاکہ جادوگروں کا غلبہ دیکھ کر ان کی پیروی کی جائے اور موسیٰ علیہ السلام کے پیچھے کوئی شخص نہ چلے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّيْنَةِ وَاَنْ يُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى ﴿۵۹﴾ ''موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا اے قوم فرعون! یوم زینت تمہارا مقرر وقت ہے اور لوگوں کو صبح کے وقت جمع ہو جانا چاہیے۔'' (طٰہٰ ۵۹) یوم زینت فرعونی قوم کے ایک سالانہ تہوار کا نام تھا۔

[13] چنانچہ وقت مقرر پر جادوگر بھی میدان میں آ گئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی۔ جادوگروں نے اس وقت فرعون سے کہا: اگر ہم غالب آ جائیں تو کیا ہمارے لئے کوئی انعام ہے؟ فرعون نے کہا ہاں کیوں نہیں۔ اگر تم غالب آ گئے تو تمہیں ہم اپنے مقرب ساتھیوں میں داخل کر لیں گے۔ مروی ہے کہ اس وقت فرعون کے لئے میدان میں اونچی کرسی بچھائی گئی اور اس کے آس پاس اس کے حواریوں اور ارکان سلطنت کی کرسیاں تھیں۔

قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰۤى اَلْقُوْا مَاۤ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ﴿۴۳﴾ فَاَلْقَوْا حِبَالَهُمْ وَعِصِيَّهُمْ

موسیٰ (علیہ السلام) نے ان سے فرمایا تم نے جو ڈالنا ہے ڈالو، انہوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں ڈالیں

وَقَالُوْا بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ اِنَّا لَنَحْنُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۴۴﴾ فَاَلْقٰى مُوْسٰى عَصَاهُ فَاِذَا

اور کہا عزت فرعون کی قسم! بے شک ہم ہی غالب ہیں۔ [14] تب موسیٰ (علیہ السلام) نے

هِيَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ﴿۴۵﴾ فَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ﴿۴۶﴾ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِرَبِّ

اپنا عصا ڈالا تو وہ ان کے بنائے ہوئے جھوٹ کو نگلنے لگا۔ چنانچہ جادوگر سجدے میں گر گئے، کہنے لگے ہم رب کائنات پر

الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۷﴾ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۴۸﴾

ایمان لائے جو موسیٰ و ہارون کا رب ہے۔ [15]

[14] جادوگروں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا تم نے جو جادوئی کرتب دکھانا ہے اسے میدان میں اتارو اور دوسری جگہ قرآنِ مجید میں ہے کہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا: اِمَّاۤ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّاۤ اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ ''یا تم کچھ (میدان میں) ڈالو یا ہم ڈالتے ہیں۔'' (اعراف: ۱۱۵) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: تم ڈالو چنانچہ انہوں نے کثیر رسیاں

اور لاٹھیاں میدان میں پھینکیں اور کہا کہ عزتِ فرعون کی قسم آج ہم ہی غالب آئیں گے۔ روایات کے مطابق وہ اَسّی (80) اونٹوں کا بوجھ تھا۔ قرآن میں ہے: سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ۔ ''انہوں نے لوگوں کی آنکھوں پہ جادو کر کے انہیں ڈرا دیا۔'' (اعراف:١١٦) فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى ﴿٦٦﴾ جادوگروں کی رسیاں اور لاٹھیاں موسیٰ علیہ السلام کو ان کے جادو کی وجہ سے یوں لگیں جیسے وہ (سانپوں کی طرح) دوڑ رہی ہیں۔ (طٰہٰ:٦٦)

## غیر خدا کی قسم اٹھانا جائز نہیں

وَقَالُوْا بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ سے معلوم ہوا غیر خدا کی قسم اٹھانا مومنوں کا شیوہ نہیں۔ جادوگروں نے قبول اسلام سے قبل بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ کہا کیونکہ اس وقت وہ کافر تھے۔ اسلام میں غیر خدا کی قسم اٹھانا جائز نہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک شخص کو کعبہ کی قسم اٹھاتے ہوئے سنا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا تھا جو شخص غیر خدا کی قسم اٹھائے اس نے شرک کیا۔ (ترمذی کتاب النذور باب ٩) یہ شرک اس صورت میں ہے جب وہ غیر خدا کو الٰہ جان کر اس کی قسم اٹھائے جیسے کفار کہتے تھے مجھے عزیٰ کی قسم مجھے لات کی قسم وغیرہ۔ اگر الٰہ نہ سمجھا جائے تو غیر خدا کی قسم شرک نہیں مگر ممنوع ہے۔

غیر اللہ کی قسم کی ممانعت پہ یہ حدیث بھی وارد ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''تم اپنے باپ دادا کی قسم نہ اٹھاؤ اور نہ ان بتوں کی جن کو اللہ کا شریک بنایا گیا۔ قسم صرف اللہ کی اٹھاؤ اور سچی قسم اٹھاؤ'' (سنن ابوداود کتاب الایمان والنذور حدیث ٣٢٤٨)

[15] تب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا میدان میں پھینکا تو وہ بڑا اژدھا بن کر جادوگروں کی تمام رسیوں اور لاٹھیوں کو جو لوگوں کو سانپوں کی صورت میں نظر آرہی تھیں نگلنے لگا اور دیکھتے ہی دیکھتے ہزاروں من وزنی لاٹھیوں اور رسیوں کو نگل گیا۔ پھر اسے موسیٰ علیہ السلام نے پکڑا تو وہ پہلے جیسا عصا ہی تھا۔ یہ دیکھ کر جادوگر سجدے میں گر گئے اور پکارے کہ ہم (فرعون کی ربوبیت سے توبہ کر کے) اللہ کی ربوبیت پر ایمان لاتے ہیں۔ جو سب کائنات کا رب ہے اور خصوصاً موسیٰ و ہارون علیہما السلام کا رب ہے۔

یہاں سے تین فوائد حاصل ہوئے:

(١) حق دیکھ کر اسے فوراً قبول کرنے میں تاخیر نہیں کرنی چاہئے۔

جب جادوگروں پر حق واضح ہوگیا تو انہوں نے قبول اسلام سے ایک لحہ تاخیر نہیں کی اور فرعون کے سابقہ انعامات کا کچھ لحاظ نہیں کیا اور یہی شیوۂ مردانِ حق ہے۔

(٢) نبی کا معجزہ حسب حال ہوتا ہے

زمانہ فرعونی میں جادوگری کا زور تھا تو اس کے مقابلہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے معجزۂ عصا دکھایا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں اطباء اپنے زورطب پر اپنے اندر خدائی طاقتوں کا دعویٰ کر رہے تھے تو حضرت عیسیٰ کو معجزہ شفا دیا گیا جس کے سامنے اطباء عاجز آ گئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ پاک میں اہل عرب اپنی فصاحت پہ نازاں تھے تو آپ کو معجزہ قرآن دیا گیا جس کے مقابلہ میں فصحاء عرب کی زبانیں گنگ ہوگئیں۔ یہاں ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ سچے انبیاء کرام کی شان ہے۔ نبوت کے جھوٹے دعویداروں کی حالت عجیب ہے۔ دیکھو چودھویں صدی ہجری میں سائنس کا زور ہوا اگر مرزا قادیانی نبی تھا تو اسے سائنس کا توڑ کرنے والا معجزہ ملنا چاہئے تھا مگر وہ جھوٹی پیش گوئیوں کے سوا کچھ نہ دکھا سکا کیونکہ حضور خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد باب نبوت ہی بند ہے۔

(۳) انبیاء مظہر ربوبیت خدا ہیں۔ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ﴿۴۸﴾ کے الفاظ میں ربوبیت خدا کو موسیٰ و ہارون کے ساتھ متعلق کر کے بتایا گیا کہ انبیاء ربوبیت خدا کا مظہر خاص ہیں ورنہ رب العالمین کہنے کے بعد رب موسیٰ و ہارون کہنے کی کیا ضرورت تھی؟

قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ

فرعون نے ان سے کہا کیا تم میری اجازت دینے سے قبل ہی موسیٰ پر ایمان لے آئے ہو۔ بے شک وہی تمہارا بڑا ہے جس نے تمہیں

السِّحْرَ ۚ فَلَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۬ؕ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ

جادو سکھایا، اب تم جلدی جان لوگے۔ میں ضرور تمہارے ہاتھ پاؤں مخالف سمت سے

خِلَافٍ وَّلَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۴۹﴾ ۚ قَالُوْا لَا ضَيْرَ ۫ اِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴿۵۰﴾ ۚ

کاٹ دوں گا اور تم سب کو سولی چڑھا دوں گا۔ وہ کہنے لگے کچھ نقصان نہیں ہم اپنے رب کیطرف لوٹ جائیں گے

اِنَّا نَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطٰيٰنَاۤ اَنْ كُنَّاۤ اَوَّلَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۱﴾ ؕ ع

ہم چاہتے ہیں کہ ہمارا رب ہماری خطائیں بخش دے کہ ہم ہی پہلے مومن ہیں۔ [16]

[16] فرعون نے جادوگروں سے کہا تم میری اجازت کے بغیر موسیٰ پر ایمان کیوں لائے۔ لگتا ہے یہ تمہاری باہمی ملی بھگت ہے۔ موسیٰ تمہارا بڑا استاذ ہے۔ اس نے تمہیں جادو سکھایا اور تم نے خفیہ سازش کے ساتھ میرے خلاف ڈرامہ کیا ہے۔ لہٰذا میں تمہارے ہاتھ پاؤں مخالف سمت سے کاٹوں گا یعنی دائیں ہاتھ اور بائیں پاؤں، پھر تمہیں سولی دیدوں گا۔ سابقہ جادوگروں نے کہا اس میں ہمیں کچھ نقصان نہ ہوگا۔ ادھر تم ہمیں مارو گے ادھر ہم جنت میں اپنے رب سے جا

ملیں گے اور ہم چاہتے ہیں کہ اس سے قبل جو ہم موسیٰ علیہ السلام کی مخالفت میں خطائیں کرتے رہے ان پر اللہ ہمیں معاف کر دے۔ کیونکہ ہم اپنی قوم میں پہلے مومن ہیں۔ چنانچہ انہیں دیکھ کر سب بنی اسرائیل ایمان لائے تھے ان سے پہلے کوئی ایمان نہ لایا تھا۔ آخر فرعون نے انہیں سولی دے دی تو وہ صبح کو حالتِ کفر میں تھے اور شام کو باغ ہائے جنت میں سیر کر رہے تھے۔

## اہلِ تشیع کے عقیدۂ تقیہ کا رد

سابقہ جادوگروں نے جان دے دی مگر اظہارِ حق سے باز نہیں آئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس عظیم کردار کو قرآنِ مجید میں بار بار ذکر فرمایا۔ کیونکہ اس سے مظلوم لوگوں کو ظالموں کے سامنے کلمۂ حق کہنے کا حوصلہ ملتا ہے۔ اور مجاہدینِ اسلام کو طاغوتی طاقتوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پیغامِ حق پہنچانے کا ڈھنگ آتا ہے۔ ان کا یہ کردار تا قیامت اہلِ ایمان کے خون کو گرماتا رہے گا اور ان میں جرأتِ حق گوئی پیدا کرتا رہے گا۔ ورنہ کیا ضرورت تھی کہ اس واقعہ کو قرآن میں بار بار بیان کیا جائے

اس کے مقابلہ میں اہلِ تشیع نے تقیہ واجب قرار دیا ہے۔ بلکہ کہا ہے کہ جس نے تقیہ چھوڑ دیا اس کا کوئی دین ہی نہیں۔ (اصول کافی کتاب الایمان)

اس کا معنیٰ یہ ہوا کہ قومِ فرعون کے جادوگر ایمان لانے کے باوجود ایمان سے محروم ہی رہے۔ اب اس سے بڑا الحاد کیا ہوگا۔ بلکہ ہم اہلِ تشیع سے سوال کرتے ہیں کہ امام عالی مقام امام حسین رضی اللہ عنہ نے تقیہ کی دھجیاں اڑاتے ہوئے میدانِ کربلا میں اعلانِ حق فرمایا۔ کیا امام حسین بھی معاذ اللہ مسلمان نہیں رہے تھے۔ اگر وہ مسلمان ہی تھے بلکہ مسلمانوں کے امام تھے تو پھر کدھر گئیں اہلِ تشیع کی من گھڑت روایات جن میں کہا گیا ہے کہ تقیہ کے بغیر کوئی دین ہی نہیں۔ کاش! اہلِ تشیع حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کریں۔

## ایمان کی قوت ہر چیز سے زیادہ ہے

فرعون اپنی ساری طاقت کے باوجود جادوگروں کو ان کے ایمان سے نہ پھیر سکا یہی قوتِ ایمان ہے جس کے ساتھ صحابہ کرام نے قیصر و کسریٰ کے تخت الٹ دیئے۔ آج ملتِ اسلامیہ کو اسی قوتِ ایمان کی ضرورت ہے۔ صحابہ کرام میں وہی جذبۂ ایمانی پیدا ہوا جو حق دیکھ کر اسے قبول کرنے کا جذبہ جادوگروں کے دل میں پیدا ہوا تھا۔ پھر ان پہ اہلِ مکہ نے ظلم کے پہاڑ توڑے مگر وہ ان کو راہِ حق سے ہٹا نہ سکے۔

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰى اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْٓ اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ﴿۵۲﴾ فَاَرْسَلَ

اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو وحی فرمائی کہ میرے بندوں کو راتوں رات مصر سے لے چلو۔ بے شک تمہارا پیچھا

فِرْعَوْنُ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿۵۳﴾ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِيْلُوْنَ ﴿۵۴﴾

کیا جائے گا۔[17] تب فرعون نے جمع کرنے والے لوگ شہروں میں بھیجے کہ یہ (بنی اسرائیل) چھوٹی سی جماعت ہے

وَاِنَّهُمْ لَنَا لَغَآئِظُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَاِنَّا لَجَمِيْعٌ حٰذِرُوْنَ ﴿۵۶﴾ فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ

اور یہ ہمارے غضب کو للکار رہے ہیں اور ہم سب (ان کے خلاف) مستعد ہیں چنانچہ ہم نے فرعونیوں کو ان کے باغات چشموں

وَّعُيُوْنٍ ﴿۵۷﴾ وَّكُنُوْزٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ﴿۵۸﴾ كَذٰلِكَ ۭ وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۵۹﴾

خزانوں اور معزز مقام سے نکالا۔ اسی طرح ہوا اور ہم نے بنی اسرائیل کو ان کا وارث بنا دیا۔[18]

## بنی اسرائیل کیلئے سمندر کا پھٹنا اور قوم فرعون کا اس میں غرق ہونا

[17] جادوگروں کے ایمان لانے کے بعد تمام بنی اسرائیل ایمان لے آئے مگر فرعونی قوم فرعون کے ساتھ کھڑی ہوگئی۔ ان کا تکبر انہیں اس سے روکتا تھا کہ وہ اپنی غلام قوم کے ایک فرد کو رسول مان کر اس کی پیروی کریں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام عرصہ دراز انہیں دعوت حق دیتے رہے مگر وہ ماننے کی بجائے دشمنی کرتے گئے اور بنی اسرائیل پہ مظالم کا سلسلہ مزید تیز کر دیا۔ اس دوران فرعونیوں پر مینڈکوں، جوؤں، خون اور طوفان وغیرہ کے عذابات بھی بھیجے گئے مگر وہ راہِ راست پر نہ آئے۔ تب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ وہ بنی اسرائیل کو ساتھ لے کر فلاں دن راتوں رات مصر سے نکل جائیں اور فرمایا کہ تمہارا پیچھا ضرور کیا جائے گا مگر گھبرانے کی ضرورت نہیں۔

### بنی اسرائیل کن حالات میں فرعونیوں سے بچ کر مصر سے نکلے

حضرت سدی اور ابن جریج رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وحی فرمائی کہ آج رات اہل مصر پہ موت اُترے گی آپ بنی اسرائیل سے کہیں کہ وہ جانوروں کو ذبح کر کے ان کا خون اپنے دروازوں پہ لگائیں جس گھر کے دروازہ پر خون ہوگا اس میں ملائکہ موت داخل نہ ہوں گے۔ چنانچہ اس رات فرعونیوں کے گھروں میں کثیر اموات ہوئیں کوئی گھر نہ رہا جس سے چیخ و پکار نہ اٹھی ہو۔ فرعونی قوم اس ناگہانی آفت میں یوں کھوئی کہ انہیں پتہ نہ چلا بنی اسرائیل کب مصر چھوڑ کر راتوں رات نکل گئے۔ (ابن ابی حاتم جلد ۸ صفحہ ۲۷۶۸ حدیث ۱۵۶۴۹)

حضرت کعب الاحبار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آل یعقوب علیہ السلام زمانہ یوسف علیہ السلام میں مصر آئی تو وہ 86 افراد تھے اور جب وہ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مصر سے نکلے تو ان کی تعداد چھ لاکھ سے متجاوز تھی۔ (ابن ابی حاتم جلد ۸ صفحہ ۲۷۷۰ حدیث ۱۵۶۵۸)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بنی اسرائیل مصر سے نکلے تو راستہ بھول گئے۔ علماء بنی اسرائیل نے کہا حضرت یوسف علیہ السلام نے وصیت فرمائی تھی کہ جب بنی اسرائیل مصر سے نکلیں تو ان کا تابوت ساتھ لے کر جائیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ ان کی قبر کہاں ہے؟ کسی کو علم نہ تھا سوائے ایک بوڑھی عورت کے۔ اس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قبر یوسف علیہ السلام کا پتہ پوچھا اس نے کہا آپ مجھ سے وعدہ کریں کہ جنت میں آپ علیہ السلام مجھے اپنے ساتھ اپنے درجہ میں رکھیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی کہ اس بڑھیا کو یہ وعدہ دے دیا جائے۔ تب اس نے جگہ بتائی، وہ دریائے نیل کے کنارے پر تھی اس پر پانی چڑھ آیا تھا۔ پانی کو ہٹا کر ان کا تابوت نکالا گیا اور بنی اسرائیل اسے لے کر چلے تو راستہ نصف النہار کی طرح واضح ہو گیا۔ (درمنثور جلد ۶ صفحہ ۳۰۲ بروایت حاکم)

[18] اگلے دن جب فرعونی قوم کو بنی اسرائیل کے یوں خاموشی سے نکل جانے کا پتہ چلا تو وہ بہت سٹپٹائے۔ فرعون نے کہا یہ بنی اسرائیل ہیں کیا؟ ایک حقیر جماعت ہے جس نے ہمارے غضب کو للکارا ہے اور ہم انہیں پکڑ کر سزا دینے کے لئے مستعد ہیں۔ تو چلو ان کو پکڑ کر لائیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے یوں ہم نے فرعونی قوم کو ان کے باغات، چشموں، خزانوں اور معزز مقام یعنی جائے اقتدار سے نکالا تاکہ انہیں سمندر میں ڈبویا جائے اور بعد میں بنی اسرائیل کو ان باغات چشموں اور خزانوں کا وارث بنایا۔

## ظلم کی بنیاد پر کوئی معاشرہ پنپ نہیں سکتا

فرعونی قوم نے بنی اسرائیل پر ظلم کا بازار گرم کر رکھا تھا۔ آخر اللہ تعالیٰ نے انہیں پکڑ کر سمندر میں غرق کیا اور بنی اسرائیل کو ان کے محلات و باغات کا وارث بنا دیا۔ اسی لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول مشہور ہے کہ "کوئی قوم کفر کی بنیاد پر تو زندہ رہ سکتی ہے مگر ظلم کی بنیاد پر زندہ نہیں رہ سکتی۔" آج امریکی قوم مسلمانوں پر ظلم ڈھا کر انہیں اپنا غلام اور تابع فرمان رکھنا چاہتی ہے مگر یہ سلسلہ اگر ایسے ہی جاری رہا تو عنقریب روس کی طرح امریکہ کے بھی ٹکڑے ہو جائیں گے۔ کیونکہ امریکہ کا ظلم بڑھتا جا رہا ہے۔ آج امریکہ مسلمانوں پہ اسی طرح ظلم ڈھا رہا ہے جس طرح فرعون نے بنی اسرائیل پہ بازار ظلم گرم کیا تھا اور قرآن میں یہ واقعات بتا کر امت مسلمہ کو حوصلہ دیا گیا ہے کہ وہ کسی دور میں بھی ہمت نہ ہاریں۔ عہد رسالت میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پہ کفار مکہ نے بھی فرعونی کردار ادا کیا مگر وہ جلد پکڑ لیے گئے۔

## تدبیر کند بندہ تقدیر کند خندہ

فرعون اپنی طاقت کے گھمنڈ میں بڑے تکبر سے کہہ رہا تھا کہ بنی اسرائیل نے مصر سے بھاگ کر ہمارے غضب کو

للکارا ہے چلو ان کو پکڑ لائیں اور عبرت ناک سزا دیں مگر تقدیر کہہ رہی تھی کہ ہاں فرعون نکلو۔ موت تمہاری منتظر ہے تم نے ہمارے غضب کو للکارا ہے۔ اب ہم تمہیں پکڑ کر عبرت ناک سزا دیں گے۔ اسی لیے مظلوم کی آہ سے ڈرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں ہے۔

## فرعونی قوم کے بعد مصر کو بنی اسرائیل نے سنبھالا

وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۵۹﴾ کے تحت عصر حاضر کے محقق مفسر شیخ الحدیث علامہ غلام رسول سعیدی مدظلہ نے اس بات پہ زور دیا ہے کہ بنی اسرائیل جس سرزمین کے وارث ہوئے وہ فلسطین ہے نہ کہ مصر (تبیان القرآن جلد ۸ صفحہ ۳۲۴) مگر ہم بصد ادب عرض کرتے ہیں کہ ان کا یہ فرمانا درست نہیں ہے۔ دیکھیے اللہ تعالیٰ یہاں کھلے لفظوں میں فرما رہا ہے۔

فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۵۷﴾ وَّكُنُوْزٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ﴿۵۸﴾ كَذٰلِكَ ؕ وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۵۹﴾ یعنی ہم نے فرعونیوں کو باغوں، چشموں، خزانوں اور مقام عزت (محلات) سے نکالا اور بنی اسرائیل کو ان چیزوں کا وارث بنا دیا۔ (شعراء، ۵۹)

اس سے صاف معلوم ہوا کہ فرعونیوں کی غرقابی کے بعد اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو فرعونیوں کے محلات و باغات و عیون کا وارث بنایا اور فرعونیوں کے باغات، چشمے اور محلات مصر میں تھے۔ فلسطین میں نہیں تھے۔ اور اللہ نے فرعونیوں کو غرق کرنے کے لیے فلسطین سے نہیں نکالا تھا مصر سے نکالا تھا۔ تو جہاں سے فرعونیوں کو نکالا گیا اسی علاقہ کا بنی اسرائیل کو بحکم قرآن وارث بنایا گیا۔ اس واضح نص قرآنی کے بعد کسی دوسری دلیل کی ضرورت ہی نہیں۔ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

كَمْ تَرَكُوْا مِنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۲۵﴾ وَّزُرُوْعٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ﴿۲۶﴾ وَّنَعْمَةٍ كَانُوْا فِيْهَا فٰكِهِيْنَ ﴿۲۷﴾ كَذٰلِكَ ۫ وَاَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ﴿۲۸﴾ "فرعونی لوگ کتنے ہی باغات، چشمے، کھیت، عزت کا مقام اور نعمتیں (اپنے پیچھے) چھوڑ گئے جہاں وہ مزے اڑاتے تھے۔ اسی طرح ہوا اور ہم نے دوسری قوم کو ان کا وارث بنا دیا۔" (دخان، ۲۸)

اس آیت میں وَاَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ کے تحت مشہور تابعی حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: یعنی بنی اسرائیل، مطلب یہ کہ جس قوم کو فرعونیوں کے محلات، باغات اور چشموں کا وارث بنایا گیا وہ بنی اسرائیل تھے۔

(درمنثور جلد ۷ صفحہ ۴۱۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

رہا علامہ غلام رسول سعیدی مدظلہ کا فرمانا کہ بنی اسرائیل تو غرقابی فرعون کے بعد موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ صحرائے سینا کی طرف گئے تھے وہیں انہیں کتاب ملی پھر چالیس برس تک وہ میدان تیہ میں بھٹکتے رہے تو مصر کے باغات و محلات کے وارث کب بنے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ کسی جگہ اس بات کی تصریح نہیں ہے کہ وہ فرعونی محلات و باغات کے کب وارث بنے، مگر مذکورہ قرآنی نصوص کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ ممکن ہے موسیٰ علیہ السلام واپس مصر آئے ہوں اور اپنے کچھ

ساتھیوں کو یہاں کا انتظام سونپ کر آپ نے باقی بنی اسرائیل کو ساتھ لے کر صحرائے سینا کا رخ کیا ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ آپ نے کچھ لوگ مصر کا انتظام سنبھالنے کو بھیج دیئے ہوں اور خود صحرائے سینا کا رخ کیا ہو۔

فَاَتْبَعُوْهُمْ مُّشْرِقِيْنَ ۝ فَلَمَّا تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰٓى اِنَّا

تو فرعونی لوگ دن چڑھے ان کے پیچھے جا پہنچے۔ جب دونوں جماعتیں آمنے سامنے ہوئیں تو اصحاب

لَمُدْرَكُوْنَ ۝ قَالَ كَلَّا ۚ اِنَّ مَعِيَ رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ ۝ فَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى

موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا یقیناً ہم پکڑے گئے ہیں۔ آپ نے فرمایا ہرگز نہیں، میرے ساتھ میرا رب ہے وہ ضرور

اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ ؕ فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ

مجھے راہ دے گا۔ تو ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو وحی فرمائی کہ سمندر پہ عصا مارو، چنانچہ سمندر پھٹ گیا اور (پانی کا) ہر

الْعَظِيْمِ ۝ وَاَزْلَفْنَا ثَمَّ الْاٰخَرِيْنَ ۝ وَاَنْجَيْنَا مُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ ۝

حصہ بڑے پہاڑ کی طرح ہو گیا اور ہم وہیں دوسروں کو قریب لے آئے اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) اور ان کے ساتھیوں کو

ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ۝ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ

نجات دے دی پھر ہم نے دوسروں کو غرق کر دیا۔ بے شک اس میں بڑی نشانی ہے اور ان میں سے اکثر

مُّؤْمِنِيْنَ ۝ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝

ایمان لانے والے نہیں ہیں اور بیشک آپ کا رب ہی غالب ہے رحمت والا ہے۔ [19]

[19] فرعون اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ بنی اسرائیل کے پیچھے نکلا اور صبح کے وقت انہیں جا پایا۔ قوم بنی اسرائیل بحر احمر کی مغربی شاخ جسے خلیج سوئیس کہتے ہیں، کے مغربی کنارے پر کھڑی تھی۔ آگے سمندر تھا پیچھے فرعونی لشکر آ گیا۔ بنی اسرائیل کہنے لگے اب ہم پکڑے گئے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ڈرو نہیں اللہ میرے ساتھ ہے وہ مجھے راہ دے گا کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبی بنا کر فرعون کی طرف بھیجتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا: اِنَّنِيْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰى ۝ ''اے موسیٰ و ہارون میں تم دونوں کے ساتھ ہوں سنتا اور دیکھتا ہوں۔'' (طٰہٰ: ۴۶) تب اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کو سمندر پہ عصا مارنے کا حکم دیا۔ آپ کے عصا مارتے ہی سمندر پھٹ گیا اور دونوں طرف کا پانی عظیم پہاڑوں کی صورت میں قدرتِ الٰہیہ کے ساتھ پتھر بن کر کھڑا ہو گیا۔ بنی اسرائیل اس میں سے گزر کر پار ہو گئے۔ فرعون نے جب یہ منظر دیکھا تو واپس بھاگنے کی کوشش

کی مگر اللہ تعالیٰ نے اس کے گھوڑے کو زبردستی پانی میں ڈال دیا۔حضرت جبرائیل علیہ السلام گھوڑی پر بیٹھ کر آئے اور اسے اس کے گھوڑے کے آگے لگا دیا۔گھوڑی کی بوسونگھ کر گھوڑا اس کے پیچھے بھاگا آیا اور سمندر میں بنے خشک راستے میں اتر گیا۔پیچھے ساری فرعونی قوم بھی اتر آئی۔تب اللہ رب العزت نے پانی کو باہم مل جانے کا حکم دے دیا۔

(درمنثور جلد ۶ صفحہ ۲۹۵)

وقف لازم

وَاتۡلُ عَلَيۡهِمۡ نَبَاَ اِبۡرٰهِيۡمَ ۘ‏ ﴿۶۹﴾ اِذۡ قَالَ لِاَبِيۡهِ وَقَوۡمِهٖ مَا تَعۡبُدُوۡنَ ﴿۷۰﴾ قَالُوۡا

اور ان پر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ابراہیم (علیہ السلام) کی خبر پڑھیں جب انہوں نے اپنے (عرفی) باپ اور اپنی قوم سے کہا تم کس کی

نَعۡبُدُ اَصۡنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِيۡنَ ﴿۷۱﴾ قَالَ هَلۡ يَسۡمَعُوۡنَكُمۡ اِذۡ

عبادت کرتے ہو؟ انہوں نے کہا ہم چند بتوں کی عبادت کرتے اور ان کے پاس ڈیرہ جماتے ہیں۔[20] آپ علیہ السلام نے فرمایا جب تم

تَدۡعُوۡنَ ۙ‏ ﴿۷۲﴾ اَوۡ يَنۡفَعُوۡنَكُمۡ اَوۡ يَضُرُّوۡنَ ﴿۷۳﴾ قَالُوۡا بَلۡ وَجَدۡنَاۤ اٰبَآءَنَا كَذٰلِكَ

انہیں پکارتے ہو تو کیا وہ تمہاری بات سنتے ہیں یا تمہیں کچھ نفع یا نقصان دیتے ہیں؟ کہنے لگے: نہیں بلکہ ہم نے اپنے باپ دادا کو

يَفۡعَلُوۡنَ ﴿۷۴﴾ قَالَ اَفَرَءَيۡتُمۡ مَّا كُنۡتُمۡ تَعۡبُدُوۡنَ ۙ‏ ﴿۷۵﴾ اَنۡتُمۡ وَاٰبَآؤُكُمُ

ایسے ہی کرتے پایا ہے۔[21] آپ نے فرمایا تو پھر تم خود ہی دیکھو کہ تم اور تمہارے اگلے باپ دادا کس (بے معنی) چیز کی

الۡاَقۡدَمُوۡنَ ۖ‏ ﴿۷۶﴾ فَاِنَّهُمۡ عَدُوٌّ لِّىۡۤ اِلَّا رَبَّ الۡعٰلَمِيۡنَ ۙ‏ ﴿۷۷﴾

عبادت کرتے تھے۔بے شک وہ میرے دشمن ہیں سوا رب العالمین کے۔

## ابراہیم علیہ السلام کی اپنی قوم کی بت پرستی کے خلاف تبلیغی سرگرمیاں

[20] حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد اب حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر خیر لایا گیا ہے اور بت پرستی کے خلاف ان کی جدوجہد اور تبلیغی مساعی بیان کی جا رہی ہیں۔یہ اس لئے ہے کہ سورہ شعراء مکی ہے اور اہل مکہ (جو اکثر قبیلہ قریش سے تھے) نزول قرآن کے وقت بت پرستی میں مبتلا تھے اور اس کے ساتھ وہ خود کو اولادِ ابراہیم علیہ السلام کہلانے پر فخر بھی رکھتے تھے۔انہیں بتایا گیا کہ اولادِ ابراہیم ہو کر تمہیں بت پرستی کرتے ہوئے شرم آنی چاہئے کیونکہ ابراہیم علیہ السلام کی تو ساری زندگی بت پرستی کے خلاف جدوجہد کرتے گزری تھی۔تو فرمایا گیا کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے عرفی باپ یعنی چچا آزر سے اور اپنی ساری قوم سے کہا تم کن بے جان چیزوں کی عبادت کرتے ہو؟ ان کی کیا حقیت ہے؟ کہنے لگے بس ہم چند بتوں کو پوجتے اور ان کے

گرد ڈیرہ جماتے ہیں۔

[21] آپ نے قوم سے فرمایا جن بے جان بتوں کی تم عبادت کرتے ہو کیا وہ تمہیں کچھ نفع یا نقصان دے سکتے ہیں یا تمہاری فریاد سن سکتے ہیں؟ جب وہ سن نہیں سکتے تو ان کے سامنے سجدہ ریز ہونے اور ان سے حاجات مانگنے کا کیا معنیٰ ہے؟ کہنے لگے ہم نے اپنے باپ دادا کو ان کی عبادت کرتے پایا ہے تو بس ہم بھی کر رہے ہیں۔ بس یہی ہماری دلیل ہے۔

یہاں سے تین فوائد حاصل ہوئے:

(۱) کافر اپنا بھی بیگانہ ہے اور مومن بیگانہ بھی اپنا: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم اور اپنے چچا پر نفرین فرمائی اور ان سے اظہار براءت فرمایا۔ معلوم ہوا ایمان سے محروم قریبی رشتہ دار بھی مومن کے لئے بیگانے ہیں اور ایمان والے اجنبی لوگ بھی اس کے اپنے مومن بھائی ہیں۔

ہزار خویش کہ بیگانہ از خدا باشد فدائے یک تنے بیگانہ کاشنا باشد

(۲) رد تقیہ: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تنہا ساری قوم کو للکارا اور ان کے باطل عقائد پر تردید فرمائی تو تقیہ کی فضیلت بتانے والے کہاں ہیں۔ ذرا کردار ابراہیمی سے سبق سیکھیں۔

(۳) دین کے خلاف اندھی تقلید شیوۂ کفار ہے: حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اہل قوم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اپنے باپ دادا کی اندھی تقلید میں بت پرستی کر رہے تھے آپ نے ان پر نفرین فرمائی۔ معلوم ہوا جب اللہ اور اس کے رسول کا واضح حکم آجائے تو اس کے مقابلہ میں والدین اور خاندان کی اندھی تقلید جائز نہیں بلکہ ابراہیمی کردار ادا کرتے ہوئے اس کے خلاف بغاوت کرنا ہی شیوہ مردانِ حق ہے۔

الَّذِیْ خَلَقَنِیْ فَهُوَ یَهْدِیْنِ ﴿۷۸﴾ وَالَّذِیْ هُوَ یُطْعِمُنِیْ وَ یَسْقِیْنِ ﴿۷۹﴾ وَاِذَا

جس نے مجھے پیدا کیا تو وہ مجھے راہ دکھاتا ہے۔[22] اور وہی ہے جو مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے اور جب

مَرِضْتُ فَهُوَ یَشْفِیْنِ ﴿۸۰﴾ وَالَّذِیْ یُمِیْتُنِیْ ثُمَّ یُحْیِیْنِ ﴿۸۱﴾ وَالَّذِیْۤ اَطْمَعُ

میں بیمار ہوں تو وہ مجھے شفا دیتا ہے اور جو مجھے مارے گا پھر جلائے گا۔[23] اور جس سے مجھے امید ہے کہ

اَنْ یَّغْفِرَ لِیْ خَطِیْٓــٴَـتِیْ یَوْمَ الدِّیْنِ ﴿۸۲﴾ رَبِّ هَبْ لِیْ حُكْمًا وَّ اَلْحِقْنِیْ

روز انصاف میری خطا بخشے گا۔[24] اے میرے رب مجھے حکمت عطا فرما اور مجھے صالحین میں شامل فرما اور میرے لیے

بِالصّٰلِحِیْنَ ﴿۸۳﴾ وَاجْعَلْ لِّیْ لِسَانَ صِدْقٍ فِی الْاٰخِرِیْنَ ﴿۸۴﴾ وَاجْعَلْنِیْ

پچھلے لوگوں میں سچی نیک نامی رکھ دے اور مجھے نعمت والی جنت کے وارثوں میں سے بنا دے۔[25] اور میرے (عرفی)

مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِیْمِ ﴿۸۵﴾ وَاغْفِرْ لِاَبِیْۤ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّیْنَ ﴿۸۶﴾ وَلَا

باپ کی بخشش فرما وہ گمراہوں میں سے ہے۔[26] اور مجھے اس وقت

تُخْزِنِیْ یَوْمَ یُبْعَثُوْنَ ﴿۸۷﴾ یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ﴿۸۸﴾ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ

رسوا نہ فرما جب لوگ اٹھائے جائیں گے جس دن نہ مال نفع دے گا نہ بیٹے، سوا اس کے جو اللہ کے پاس سلامتی

بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ ﴿۸۹﴾

دل کے ساتھ آیا[27]

[22] حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قوم سے فرمایا جن بتوں کی تم عبادت کرتے ہو اور تمہارے باپ دادا عبادت کرتے تھے ذرا تم ان کی حالت پر تو غور کرو کیا وہ عبادت کے قابل ہیں؟ اور میرے تو یہ دشمن ہیں صرف رب العالمین سے میری دوستی ہے اور وہی لائق عبادت ہے۔ اسی نے مجھے پیدا کیا اور وہی مجھے راہ دکھاتا ہے جبکہ بت تو لوگوں کے اپنے تراشیدہ ہیں اور وہ خود بے شعور ہیں کسی کو کیا راہ دکھا سکتے ہیں تو پھر وہ کس طرح لائق عبادت ہیں۔ بتوں کو آپ نے اپنا دشمن کیوں کہا؟ حالانکہ بت تو کسی عداوت یا محبت سے بے خبر ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ آپ یہ فرما رہے ہیں کہ اگر میں بتوں کی عبادت کروں تو یہ روزِ قیامت میرے خلاف گواہی دیں گے اور میرے دشمن ہوں گے۔ قرآنِ مجید میں ہے:

سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ﴿٨٢﴾ ''عنقریب جھوٹے خدا اپنے پجاریوں کی عبادت سے انکار کردیں گے اوران کے مخالف ہوجائیں گے۔'' (مریم:۸۲) یا ابراہیم علیہ السلام کے اس قول کا یہ معنی ہے کہ میں بتوں سے دشمنوں والا سلوک کروں گا یعنی موقع ملنے پران کے ٹکڑے کرڈالوں گا۔ چنانچہ ایک دن آپ علیہ السلام نے ان کے ٹکڑے کرڈالے۔

[23] یعنی میری عبادت کے لائق میرا وہ رب ہے جو مجھے کھلاتا ہے اور پلاتا ہے یعنی میری ہر نعمت اسی کی طرف سے آتی ہے وہ آسمان سے بارش برسا کر زمین سے اناج اُگاتا اور چشمے بہاتا ہے جس سے میرے کھانے پینے کا بندوبست ہوتا ہے اور جب میں بیمار ہوجاؤں تو وہ مجھے شفا دیتا ہے یعنی میری صحت ومرض اس کے ہاتھ میں ہے اور وہی مجھے مارے گا اور قیامت کے دن اٹھائے گا۔

یہاں سے تین فوائد حاصل ہوئے:

(۱) برائی کی نسبت اللہ کی طرف کرنا سوئے ادب ہے: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہ مجھے شفا دیتا ہے یہ نہیں کہا کہ وہ مجھے بیمار کرتا اور شفا دیتا ہے۔ اس میں یہ تعلیم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف صرف اچھی چیزوں کی نسبت کی جائے۔ بری چیزوں کی نہیں۔ حالانکہ بری چیزیں بھی اللہ کی طرف سے ہیں۔ اسی لیے فرمایا گیا: بِيَدِكَ الْخَيْرُ ؕ (آل عمران،۲۶) یہ نہ فرمایا گیا: بیدك الخیر والشر، حالانکہ خیر وشر سب اللہ کی طرف سے ہے۔ اس میں تعلیم ادب ہے اور جس نے ادب نہیں سیکھا اس نے کچھ نہیں سیکھا، اور یہ دولت اللہ نے اہل سنت کو عطا فرمائی ہے۔

(۲) شفاء من جانب اللہ ہے: وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ ﴿٨٠﴾ کا یہ معنی نہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بیمار ہونے پر کوئی دوا ہی لیتے تھے اور اللہ تعالیٰ ہی انہیں شفا دیتا تھا۔ بلکہ معنیٰ یہ ہے کہ دواء میں شفا بھی من جانب اللہ ہے کیونکہ ہر چیز میں جو تاثیر ہے وہ اسی کی پیدا کردہ ہے۔ لہٰذا ہمیں بیماریوں میں دوا کے ساتھ دعا کی طرف بھی توجہ کرنی چاہئے کہ مصیبت میں بھی اللہ کو یاد نہ کرنے والا بہت بدبخت ہے۔

(۳) درس توکل: یہ الفاظ درس دیتے ہیں کہ بندے کی ہر حالت اللہ کی طرف سے ہے لہٰذا بندے کو چاہئے کہ اللہ پر بھروسہ رکھے اور اس کی رضاء پر راضی رہے۔

[24] اس سے آپ کا اشارہ ان باتوں کی طرف ہے جنہیں آپ روز قیامت اپنے تین جھوٹوں سے تعبیر کریں گے۔ حالانکہ وہ جھوٹ نہ تھے تعریض تھے مگر مقربین خدا اپنی معمولی خلاف اولیٰ بات کو بھی بڑی خطا سے تعبیر کرتے ہیں اور اس میں ہمارے لئے درس استغفار ہے۔

[25] حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا فرمائی اے اللہ! دنیا میں مجھ پر علم وحکمت کے مزید دروازے کھول اور آخرت میں مجھے صالحین کا درجہ عطا فرما۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول کی اور آپ کے بارے میں فرمایا: وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا ۚ وَإِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿١٣٠﴾ ''ہم نے ابراہیم (علیہ السلام) کو دنیا میں (نبوی علم وحکمت کے ساتھ) چن

لیا اور وہ آخرت میں صالحین میں سے ہیں۔'' (بقرہ ۱۳۰)

آگے آپ علیہ السلام نے دعا فرمائی: وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿٨٤﴾ اے اللہ! پچھلے لوگوں میں میرے لئے سچی نیک نامی رکھ دے یعنی مجھے ایسے اعمال کی توفیق دے جو بعد والے لوگوں کے لئے باعثِ ہدایت ہوں اور وہ ہدایت پا کر میرے لئے دعائے خیر کریں۔ آپ علیہ السلام کی یہ دعا بھی قبول ہوئی۔ چنانچہ آپ علیہ السلام نے کعبہ بنایا۔ آپ کے ہاتھ پر مناسک حج جاری ہوئے اور جانوروں کی قربانی شروع ہوئی اور ختنہ وحجامت کے احکام جاری ہوئے جو تا قیامت آپ علیہ السلام کے لئے باعث نیک نامی ہیں اور قیامت تک آپ علیہ السلام پہ یہ درود پڑھا جاتا ہے: کما صلیت علی ابراھیم وعلیٰ آل ابراھیم، معلوم ہوا نیک نامی کی دعا مانگنا برا نہیں۔ یہ شہرت طلبی نہیں ہے بلکہ زبان خلق سے اپنے لئے دعائے خیر کا چاہنا ہے۔

[26] آپ علیہ السلام کی یہ دعا اپنے سگے باپ کے لئے نہیں بلکہ عرفی باپ یعنی چچا آزر کے لئے تھی جس کا معنی یہ ہے کہ اے اللہ! اسے ایمان عطا فرما۔ تاکہ وہ قابل بخشش ہو جائے، کیونکہ وہ گمراہوں میں سے ہے۔ آپ کے چچا آزر نے آپ علیہ السلام کو پالا تھا تو عرف میں وہ آپ کا باپ ہی کہلاتا تھا اور عربی میں اَبٌ ہر بزرگ کو کہہ دیتے ہیں۔ آج بھی اہل عرب ہر بزرگ کو اَبُوِی (میرا باپ) کہہ کر پکارتے ہیں۔ لہٰذا واغفر لابی سے کسی کو یہ وہم نہ ہو کہ آپ کا سگا باپ بت پرست اور گمراہ تھا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ یہ آزر تو آپ کے دور قیام عراق ہی میں مر گیا تھا پھر آپ ہجرت کر کے فلسطین گئے پھر ارضِ مکہ میں آئے یہاں عمر کے آخری حصہ میں آپ نے کعبہ بنایا اور اس کے بعد دعا کی: ربنا اغفر لی ولوالدی۔ ''اے اللہ! میری اور میرے والدین کی بخشش فرما۔'' (ابراہیم: ۴۱) یہ دعا آزر کے لئے نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ اس سے پہلے کفر پہ مر چکا تھا اور فلما تبین لہ انہ عدو للہ تبرأ منہ۔ (توبہ ۱۱۴) کے مطابق آپ اس کے لئے یہ دعا نہیں کر سکتے تھے۔ یقیناً یہ دعا آپ کے سگے ماں باپ کے لئے تھی اسی لئے اَبٌ کی بجائے وَالِدَیَّ فرمایا گیا اور والد صرف سگے باپ کو کہتے ہیں۔

آگے ابراہیم علیہ السلام نے مزید دعاء فرمائی کہ اے اللہ وَلَا تُخْزِنِيْ يَوْمَ يُبْعَثُوْنَ ﴿٨٧﴾ مجھے روز قیامت رسوا نہ فرمانا جس دن سب لوگ اٹھائے جائیں گے۔ یہ دعاء تعلیم امت کے لیے ہے ورنہ انبیاء کرام تو روز قیامت بلاشبہ عزت وعظمت کے اعلیٰ مقام پر ہونگے۔ یعنی اس میں تعلیم دی گئی ہے کہ ہر مسلمان کو روز قیامت کی شرمندگی سے بچنے کے لیے کس طرح دعاء کرنی چاہیے۔

اسی طرح خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تعلیم امت کے لیے کثرت استغفار فرماتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فو اللہ انی لاستغفر اللہ واتوب الیہ فی الیوم اکثر من سبعین مرۃ

''اللہ کی قسم! میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں روزانہ ستر بار سے زیادہ توبہ واستغفار کرتا ہوں۔'' (بخاری کتاب الدعوات حدیث ٦٣٠٧) یہ محض تعلیم امت کے لیے ہے تاکہ امت کوتوبہ واستغفار کی اہمیت معلوم ہواور وہ کثرت سے استغفار کیا کریں۔ ورنہ رسول اللہ ﷺ تو روز قیامت بخشوانے والے ہیں۔ آپ ﷺ ہی کے دست کرم سے روز قیامت باب شفاعت کھلے گا۔

تو اس میں یہ تعلیم ہے کہ امت میں سے کسی بڑے سے بڑے شخص کو بھی یہ دعویٰ کرنے کی اجازت نہیں کہ میں روز قیامت لوگوں کو یوں بخشواؤں گا اور یوں ان کو جنت میں لیجاؤں گا۔ یہ دعویٰ تو کوئی پیغمبر کرسکتا ہے جو معصوم ہے، اور جس کو بذریعہ وحی احوال آخرت بتائے گئے ہیں۔ ایسا دعویٰ کسی صحابی رسول ﷺ نے نہ کیا کہ میں اپنے ساتھیوں کو یوں بخشواؤں گا وغیرہ۔ حالانکہ صحابہ کرام کے لیے قرآن کریم نے اعلان بخشش فرمایا۔

(وکلاً وعد اللہ الحسنیٰ، حدید، ١٠)

[27] روز قیامت کافر کو اس کا مال اور اس کی اولاد کچھ فائدہ نہیں دے گی مگر جو اللہ کے پاس کفر وشرک سے پاک اور ایمان سے بھرپور دل لے کر آیا اس کا یہ حال نہ ہوگا۔ یعنی مومن کو روز قیامت اس کا مال بھی نفع دے گا اور اس کی اولاد بھی۔ جیسے فرمایا گیا: وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ ط ''تم اپنے لئے جو چیز بھی آگے بھیجو گے اسے اللہ کے ہاں پالوگے۔'' (بقرہ: ١١٠)

اور حدیثِ مبارکہ میں ہے کہ مومن کے تین اعمال منقطع نہیں ہوتے۔ ''نیک اولاد جو اسکے لئے دعا کرے، صدقہ جاریہ اور نفع رساں علم۔'' (مسلم کتاب الوصیہ حدیث ١٤)

وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿٩٠﴾ وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِلْغٰوِيْنَ ﴿٩١﴾ وَقِيْلَ لَهُمْ

اور جنت پرہیز گاروں کے قریب کر دی جائیگی اور جہنم کو گمراہوں پر ظاہر کیا جائیگا [28] اور انہیں کہا جائے گا

اَيْنَمَا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ﴿٩٢﴾ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ هَلْ يَنْصُرُوْنَكُمْ اَوْ يَنْتَصِرُوْنَ ﴿٩٣﴾

جنہیں تم اللہ کے سوا پوجتے تھے وہ کدھر ہیں کیا وہ تمہاری مدد کر سکتے یا خود کو بچا سکتے ہیں؟

فَكُبْكِبُوْا فِيْهَا هُمْ وَالْغٰوٗنَ ﴿٩٤﴾ وَجُنُوْدُ اِبْلِيْسَ اَجْمَعُوْنَ ﴿٩٥﴾ قَالُوْا وَهُمْ

تو جہنم میں انہیں اور گمراہوں کو اوپر تلے پھینکا جائے گا اور ابلیس کے سب لشکروں کو بھی۔ [29] تب گمراہ لوگ

فِيْهَا يَخْتَصِمُوْنَ ﴿٩٦﴾ تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿٩٧﴾ اِذْ نُسَوِّيْكُمْ بِرَبِّ

وہاں (اپنے بتوں سے) جھگڑتے ہوئے کہیں گے، اللہ کی قسم ہم کھلی گمراہی میں تھے۔ جب ہم تمہیں رب کائنات سے

الْعٰلَمِيْنَ ﴿٩٨﴾

برابر ٹھہراتے تھے۔[30]

[28] متقین کو دور چل کر جنت تک نہیں جانا پڑے گا بلکہ جنت ان کے قریب کر دی جائے گی اور دوزخ کو کفار پر ظاہر کیا جائے گا تو وہ اس کی دہشت سے کانپ اٹھیں گے پھر انہیں مار مار کر وہاں لے جایا جائے گا اور وہ نہیں جانا چاہیں گے۔

[29] بت پرستوں، ان کے بتوں اور انہیں بت پرستی پہ لگانے والے شیاطین کو اکٹھا اوپر تلے جہنم میں پھینکا جائے گا۔ بُت جہنم میں سزا پانے کے لئے نہیں جائیں گے کیونکہ وہ بے شعور و بے گناہ ہیں بلکہ وہ بت پرستوں کو عذاب دینے کے لئے جائیں گے۔ بتوں کو تپا تپا کر ان سے ان کے پوجنے والوں کے جسم داغے جائیں گے۔

[30] بت پرست جہنم میں اپنے بتوں سے کہیں گے واللہ جب ہم تمہیں دنیا میں ر العالمین کے برابر ٹھہراتے تھے یعنی اللہ تعالیٰ کی طرح تمہاری عبادت کرتے اور اللہ کی طرح تمہیں درجۂ خدائی پہ فائز جانتے تھے۔ اس وقت ہم بہت ہی گمراہ تھے۔ معلوم ہوا شرک یہ ہے کہ غیر خدا کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ برابر کیا جائے اور ایسا کوئی کافر ہی کر سکتا ہے جبکہ اللہ اور اس کے رسول کا کلمہ پڑھنے والا ہر شخص جانتا ہے کہ تمام قوتوں کا مالک اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے نیک بندے انبیاء و اولیاء اور ملائکہ اللہ کے ہاں ہمارے لئے صرف وسیلہ بن سکتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے ہمارے لئے دعا کر سکتے ہیں رہا مشکل کا آسان کرنا تو یہ اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔ اس لئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ قسم بخدا مجھے یہ ڈر نہیں کہ میرے بعد میری امت شرک میں مبتلا ہوگی۔ (بخاری کتاب الجنائز حدیث ١٣٤٤)

وَمَآ اَضَلَّنَآ اِلَّا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۹۹﴾ فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِيْنَ ﴿۱۰۰﴾ وَلَا صَدِيْقٍ

اور ہمیں مجرم لوگوں ہی نے گمراہ کیا، اب ہمارے لیے کوئی سفارشی نہیں اور نہ کوئی غمخوار دوست ہے۔ اگر ہمیں

حَمِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾ فَلَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ

واپس پلٹنے دیا جاتا تو ہم مومنین میں سے ہوتے۔[31] بے شک اس میں بڑی نشانی ہے

وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۰۴﴾ ع

اور کفار میں سے اکثر ایمان لانے والے نہیں ہیں اور بے شک آپکا رب ہی غالب ہے رحمت والا ہے۔[32]

[31] کفار جب دیکھیں گے کہ مومنوں کے لئے باب شفاعت کھلا ہوا ہے تو وہ حسرت سے کہیں گے آج ہمارا کوئی شفاعت کرنے والا یا غمخوار دوست نہیں۔ یعنی روز قیامت شفاعت صرف اہل ایمان کے لئے ہوگی۔ اس لئے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''ایک شخص جنت میں کہے گا میرا فلاں دوست کہاں گیا؟ وہ جنت میں نہیں۔ معلوم ہوگا وہ دوزخ میں ہے وہ پریشان ہو جائے گا اللہ تعالیٰ فرمائے گا اس کے دوست کو بھی جنت میں لے آؤ پھر دوزخ میں وہی (کافر لوگ) رہ جائیں گے جن کا کوئی سفارشی اور غمخوار دوست نہ ہوگا۔'' (بغوی جلد ۵ صفحہ ۱۴۱)

اسی لئے حضرت حسن تابعی فرمایا کرتے تھے کہ ''مومن دوست زیادہ بنایا کرو کہ روز قیامت انہیں حق شفاعت ملے گا'' (اور کسی نہ کسی کی شفاعت کام آ ہی جائے گی) (حوالہ مذکورہ)

[32] یعنی واقعہ ابراہیم علیہ السلام میں بت پرستوں اور کفار کے لئے بڑی نشانی ہے مگر ان میں سے اکثر ایمان لانے والے نہیں ہیں اور آپ کا رب غالب ہے وہ انہیں عذاب دے گا اور وہ رحیم ہے اس لئے اس نے انہیں دنیا میں مہلت دے رکھی ہے۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ ِۨالْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٠٥﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ نُوْحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿١٠٦﴾

قوم نوح (علیہ السلام) نے رسولوں کو جھٹلایا۔ جب ان سے ان کے قومی بھائی نوح (علیہ السلام) نے کہا کیا تم ڈرتے نہیں ہو؟

اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ﴿١٠٧﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوْنِ ﴿١٠٨﴾ وَ مَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ

میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوں تو اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ [33] اور میں اس پر تم سے

مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿١٠٩﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوْنِ ﴿١١٠﴾

کوئی اجر نہیں مانگتا، میرا اجر تو رب کائنات کے ذمے ہے تو اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔

قَالُوْۤا اَنُؤْمِنُ لَكَ وَ اتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ ﴿١١١﴾ قَالَ وَ مَا عِلْمِیْ بِمَا كَانُوْا

وہ کہنے لگے کیا ہم تیری بات مانیں جبکہ ذلیل لوگوں نے تیری پیروی کی ہے۔ آپ نے کہا مجھے کیا علم کہ

یَعْمَلُوْنَ ﴿١١٢﴾ اِنْ حِسَابُهُمْ اِلَّا عَلٰی رَبِّیْ لَوْ تَشْعُرُوْنَ ﴿١١٣﴾ وَ مَاۤ اَنَا بِطَارِدِ

وہ کیا کرتے ہیں، ان کا حساب تو میرے رب کے ذمے ہے اگر تم سمجھو اور میں مومنوں کو (اپنے پاس سے)

الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿١١٤﴾ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿١١٥﴾

اٹھا نہیں سکتا۔ میں تو کھلے طور پر ڈرانے والا ہوں۔ [34]

## قوم نوح علیہ السلام کی سرکشی اور تباہی

[33] حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر فرمایا گیا وہ اگرچہ ابراہیم علیہ السلام سے پہلے گزرے ہیں مگر ابراہیم علیہ السلام کی فضیلت کے باعث ان کا ذکر پہلے کیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نوح علیہ السلام کی قوم نے رسولوں سے انکار کیا۔ حالانکہ انہوں نے ایک ہی رسول (حضرت نوح) سے انکار کیا تھا مگر اسے سب رسولوں سے انکار قرار دیا گیا کیونکہ سب رسولوں کی ایک ہی دعوت ہے (توحید ورسالت کا ماننا) تو ایک رسول سے انکار سب رسولوں سے انکار ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ قوم نوح کے قومی بھائی نوح علیہ السلام نے انہیں کہا تم شرک وکفر کرتے ہوئے عذاب الٰہی سے کیوں نہیں ڈرتے؟ میں تمہارے لئے امانت دار رسول ہوں یعنی اللہ کے پیغام کو پہنچانے میں کوئی خیانت نہیں کرتا یا یہ معنی ہے کہ میں نے آج تک کسی انسان سے خیانت نہیں کی تو اللہ کے بارے میں کیسے خیانت کر سکتا ہوں لہٰذا اللہ سے ڈرو اور

میری اطاعت کرو یعنی اللہ کی توحید اور میری رسالت پر ایمان لاؤ۔

یہاں سے تین فوائد حاصل ہوئے:

(۱) دین کے ایک حصہ سے انکار سارے دین سے انکار ہے۔

ایک رسول کے جھٹلانے کو سارے رسولوں کا جھٹلانا قرار دیا گیا۔ معلوم ہوا دین کے کسی حصہ سے انکار سارے دین سے انکار ہے۔ مثلاً قرآن مجید کی ایک آیت کا نہ ماننا سارے قرآن کا نہ ماننا ہے۔ اسی پہ قیاس کر کے ہم کہتے ہیں کہ جو شخص تمام عقائد اہل سنت کو مانے اور ایک عقیدۂ اہلسنت سے انکار کرے تو وہ اہل سنت سے خارج ہے۔ جیسے افضلیت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اہل سنت کا اجماعی عقیدہ ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے مذہب اہل سنت کے بارے میں پوچھا گیا: آپ نے فرمایا: ان تُفضّلَ الشیخین و تُحبَّ الختنین و تمسح علی الخفین۔ مذہب اہل سنت یہ ہے کہ تم ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو سب پہ فضیلت دو، عثمان و علی رضی اللہ عنہما سے محبت رکھو اور موزوں پہ مسح کو جائز جانو۔
(شرح فقہ اکبر صفحہ ۱۲۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

(۲) کفار کو انسانی بنیاد پر بھائی کہا جا سکتا ہے

اَخُوْهُمْ نُوْحٌ میں نوح علیہ السلام کو ان کی کافر قوم کا بھائی کہا گیا اور یہ ایمانی اخوت نہیں۔ انسانی اور جسمانی اخوت ہے۔ اور اس کا مقصد یہ ہے کہ کفار کو بھائی کہہ کر پکارا جائے تاکہ وہ اس حکیمانہ محبت بھرے انداز کو سن کر اسلام کے قریب آئیں۔

(۳) کوئی نبی پیغام حق کے پہنچانے میں کوئی کوتاہی نہیں کر سکتا۔

اس جگہ حضرت نوح علیہ السلام کو رسول امین کہا گیا۔ آگے آیت 125 میں ہود علیہ السلام کو، آیت 143 میں صالح علیہ السلام کو، آیت 162 میں لوط علیہ السلام کو اور آیت 178 میں شعیب علیہ السلام کو رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ کہا گیا۔ گویا کوئی نبی پیغام حق کی تبلیغ میں کوتاہی نہیں کر سکتا۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آخری وقت میں خلافت علی رضی اللہ عنہ کا پروانہ لکھنا چاہتے ہوں اور لوگوں کے ڈر سے نہ لکھوائیں؟ یقیناً آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایسا کوئی ارادہ نہ تھا اور اس بارے میں اہل تشیع کا نظریہ قطعاً غلط ہے۔

[34] حضرت نوح علیہ السلام نے کفار سے فرمایا میں تم سے اس تبلیغ پر کوئی اجر یعنی تنخواہ یا معاوضہ نہیں چاہتا۔ میرا اجر میرے رب کے ذمے ہے لہٰذا تمہیں میری اطاعت بجا لانا چاہیے۔ قوم کے سردار و سرمایہ دار لوگوں نے متکبرانہ انداز میں کہا اے نوح (علیہ السلام)! تمہاری پیروی کرنے والے ذلیل لوگ ہیں ہم ان کے ساتھ نہیں بیٹھ سکتے۔ پہلے ان کو اپنے پاس سے اٹھاؤ تاکہ ہم تمہارے پاس بیٹھ سکیں۔ مروی ہے کہ آپ علیہ السلام پر ایمان لانے والوں میں سے کچھ موچی، کچھ بھنگی (پانی بھرنے والے) اور کچھ رنگساز تھے (بغوی، خازن، مظہری وغیرہ) نوح علیہ السلام نے فرمایا: میں کیا جانوں کہ یہ لوگ کیا کام کرتے ہیں۔ یعنی مجھے کسی کے پیشے سے کوئی سروکار نہیں۔ ان کا حساب اللہ تعالیٰ کے پاس ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان میں سے

کون افضل ہے اور میں ایسا نہیں کر سکتا کہ ان ایمان والے غرباء کو اپنے پاس سے اٹھا کر تمہیں اپنے پاس بٹھاؤں۔ میں تو کھلا ڈرانے والا رسول ہوں یعنی میں کوئی سیاسی لیڈر نہیں ہوں کہ سرمایہ دار طبقہ کو اپنے ساتھ ملانا میری مجبوری ہو۔ لہٰذا اگر تم ان غرباء کے ساتھ بیٹھنا چاہو تو بیٹھو ورنہ چلے جاؤ۔

یہاں سے تین فوائد حاصل ہوئے:

(١) مذمت تکبر: قوم نوح کے امراء نے غریب مسلمانوں کو بنظر حقارت دیکھا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر قرآن میں پھٹکار ڈالی۔

(٢) کسی پیشہ کو حقیر سمجھنا طریقۂ کفار ہے: قوم نوح علیہ السلام کے سرمایہ داروں نے موچیوں، بھنگیوں اور رنگسازوں کو اپنے سے کم تر جانا مگر اللہ اور اس کے رسول نے ایمان کی وجہ سے انہیں ان سرمایہ داروں سے بہتر قرار دے کر قرب خاص دیا اور سرمایہ داروں کو دھتکار کر بارگاہ سے نکال دیا۔

(٣) امراء کے پیچھے بھاگنے والے علماء و مشائخ کی مذمت: نوح علیہ السلام نے سرداروں اور مالداروں کو بھگا دیا اور غریب مومنوں کو اپنے قرب سے محروم نہ کیا۔ آج زر پرست علماء و مشائخ بدعمل امرآء و حکام کے گرد طواف کر کے ان کی بدعملی اور تکبر میں اضافہ کرتے اور دین کی اہانت کا سبب بنتے ہیں۔ اللہ ہدایت دے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی کفار مکہ نے یہی کہا تھا کہ ہم ان غریب و نادار مسلمانوں کے ساتھ مل کر نہیں بیٹھ سکتے لہذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو تھوڑی دیر کے لیے اٹھا دیں۔ اللہ نے فوراً آیت نازل کر کے آپ سے فرمایا: وَلَا تَطۡرُدِ الَّذِیۡنَ یَدۡعُوۡنَ رَبَّهُمۡ بِالۡغَدٰوةِ وَالۡعَشِیِّ یُرِیۡدُوۡنَ وَجۡهَهٗ ؕ "اے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ ان مومنوں کو مت دور کریں جو صبح و شام اپنے رب کو پکارتے اور رضاء الٰہی کے طلبگار رہتے ہیں۔" (انعام، ٥٢)

قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰنُوْحُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمَرْجُوْمِيْنَ ﴿١١٦﴾ قَالَ رَبِّ اِنَّ

انہوں نے کہا اے نوح! اگر تم باز نہ آئے تو تم سنگسار کر دیئے جاؤ گے، آپ نے کہا: اے میرے رب!

قَوْمِيْ كَذَّبُوْنِ ﴿١١٧﴾ فَافْتَحْ بَيْنِيْ وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا وَّنَجِّنِيْ وَمَنْ مَّعِيَ مِنَ

میری قوم نے مجھے جھٹلا دیا توتو میرے اور ان کے مابین فیصلہ کر دےاور مجھے اور میرے مومن

الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١١٨﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿١١٩﴾ ثُمَّ اَغْرَقْنَا

ساتھیوں کو بچا لے۔ توہم نے نوح اور ان کے ساتھیوں کو بھری کشتی میں بچالیا پھر اس کے بعد ہم نے

بَعْدُ الْبٰقِيْنَ ﴿١٢٠﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٢١﴾ وَاِنَّ

باقی لوگوں کو غرق کر ڈالا۔ بے شک اس میں بڑی نشانی ہے اور کفار میں سے اکثر ایمان لانے والے نہیں ہیں اور آپ کا

رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿١٢٢﴾

رب غالب ہے رحم والا ہے۔[35]

[35] قوم کے سرداروں نے نوح علیہ السلام کو دھمکی دی کہ اگر تم ہمارے بتوں کے خلاف تبلیغ سے باز نہ آئے تو ہم تمہیں پتھر مار مار کر ختم کر دیں گے۔ آپ علیہ السلام نے دعا کی اے اللہ! اب میرے اور میری قوم کے درمیان فیصلہ کر دے۔ یعنی کفار پر اپنا عذاب اتار دے اور مجھے اور مومنوں کو بچالے۔ کیونکہ کفار نے مجھے مکمل جھٹلا دیا ہے اور آپ علیہ السلام کی ساڑھے نوسوسالہ تبلیغ سے صرف 72 یا 80 افراد ایمان لائے

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَاَنْجَيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ یعنی اللہ نے اس کشتی میں آپ علیہ السلام کو اور مومنوں کو نجات دی جو ہر قسم کے جانوروں، درندوں اور پرندوں کے ایک ایک جوڑے سے بھری ہوئی تھی اور پھر باقی سب انسانوں اور جانوروں کو ہلاک کر دیا گیا۔ انسان تو اپنے کفر کی وجہ سے ہلاک ہوئے اور انسانوں کا وبال جانوروں پہ بھی آ جاتا ہے۔

جیسا کہ اللہ رب العزت ارشاد فرماتا ہے:

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ: ''لوگ جو کرتوت کرتے ہیں اس کی وجہ سے خشکی اور سمندر میں فساد ظاہر ہوتا ہے۔'' (روم:۴۱)

كَذَّبَتْ عَادُ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٢٣﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ هُوْدٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿١٢٤﴾ اِنِّیْ

قوم عاد نے رسولوں کو جھٹلایا۔[36] جب ان سے ان کے قومی بھائی ہود (علیہ السلام) نے کہا کیا تم اللہ سے ڈرتے نہیں ہو بے شک

لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿١٢٥﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿١٢٦﴾ وَمَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ

میں امانت دار رسول ہوں تو اللہ سے ڈرو اور میری پیروی کرو اور میں اس پر تم سے کوئی

مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٢٧﴾ اَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ رِيْعٍ اٰيَةً

اجر نہیں مانگتا میرا اجر تو صرف رب کائنات کے ذمے ہے۔[37] کیا تم ہر بلندی پر نشان تعمیر کرتے ہو کہ

تَعْبَثُوْنَ ﴿١٢٨﴾ وَتَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ ﴿١٢٩﴾ وَاِذَا بَطَشْتُمْ

عبث کام کرو اور مضبوط مکانات بناتے ہو۔تا کہ ہمیشہ رہو اور جب (کسی قوم کو) پکڑتے ہو تو

بَطَشْتُمْ جَبَّارِيْنَ ﴿١٣٠﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿١٣١﴾ وَاتَّقُوا الَّذِیْٓ اَمَدَّكُمْ بِمَا

بے رحمانہ پکڑتے ہو؟[38] تو اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اور اس رب سے ڈرو جس نے تمہاری مدد کی جو تم

تَعْلَمُوْنَ ﴿١٣٢﴾ اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّبَنِيْنَ ﴿١٣٣﴾ وَجَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿١٣٤﴾ اِنِّیْٓ اَخَافُ

جانتے ہو، اس نے جانوروں ، بیٹوں، باغات اور چشموں سے تمہاری مدد کی۔ میں ڈرتا ہوں کہ تم پر

عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿١٣٥﴾ قَالُوْا سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَوَعَظْتَ اَمْ لَمْ

بڑے دن کا عذاب آجائے گا۔ کہنے لگے: اے ہود ہمارے لیے برابر ہے کہ تم ہمیں نصیحت

تَكُنْ مِّنَ الْوٰعِظِيْنَ ﴿١٣٦﴾ اِنْ هٰذَآ اِلَّا خُلُقُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿١٣٧﴾ وَمَا نَحْنُ

کرو یا نہ کرو، یہ تو صرف پہلے لوگوں کی گھڑی ہوئی باتیں ہیں اور ہم پر کوئی عذاب نہیں

بِمُعَذَّبِيْنَ ﴿١٣٨﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاَهْلَكْنٰهُمْ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ

آنے والا۔[39] انہوں نے ہود (علیہ السلام) کو جھٹلایا تو ہم نے انہیں ہلاک کر دیا۔ بے شک اس میں بڑی نشانی ہے اور اکثر لوگ

اَكۡثَرُهُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ﴿۱۳۹﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الۡعَزِيۡزُ الرَّحِيۡمُ ﴿۱۴۰﴾ ع

ایمان نہیں لانے والے اور بے شک آپ کا رب غالب ہے رحمت والا ہے۔[40]

## دین اسلام کے خلاف عاد وثمود کی سرکشی اور ان کی تباہی

[36] قوم نوح علیہ السلام کی غرقابی کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس کی جگہ مزید قومیں بسائیں۔قوم نوح حدودِ عراق اور اس کے آس پاس جزیرۃ العرب میں پھیلی ہوئی تھی۔ جب یہ قوم غرق ہوگئی تو اللہ رب العزت نے انہی علاقوں میں نئی قومیں آباد کیں۔قوم نوح کا زمانہ 3800 قبل مسیح کے قریب ہے۔

مروی ہے کہ عاد اور ثمود نوح علیہ السلام کے دو پوتے تھے۔ عاد یمن میں آباد ہوا اور ثمود شام میں ان سے دو قومیں آباد ہوئیں اور دونوں کا نام ان کے بزرگوں کے نام سے پکارا گیا۔دونوں قوموں کو اللہ تعالیٰ نے مال و دولت کی فراوانی عطا کی،چشمے،باغات،کھیت جانوروں اور اولاد وغیرہ کی کثرت ہوئی۔اسباب دنیا کی کثرت نے ان میں اخلاقی و اعتقادی بگاڑ پیدا کر دیا۔اور یہی قوموں کے عروج وزوال کی کہانی ہے جب بھی کوئی قوم فتنہ فساد میں حد سے گزرتی ہے تو اللہ ان کی تباہی کے اسباب بنا دیتا ہے۔

تب قوم عاد میں سے ایک نیک سیرت انسان حضرت ہود علیہ السلام کو اور قوم ثمود میں ایک متقی شخص حضرت صالح علیہ السلام کو نبوت عطا فرمائی گئی۔اس جگہ اخوھم ھودٌ اور اخوھم صالحٌ کہہ کر کفار مکہ کو متنبہ کیا گیا کہ اگر انہی میں سے ایک شخص (محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو منصب رسالت سے نوازا گیا ہے تو یہ مقام تعجب نہیں۔ پہلے انبیاء بھی اپنی اپنی قوم ہی کے افراد ہوتے تھے۔

[37] حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تم اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے ڈرتے کیوں نہیں؟ میں تمہارے پاس امانت دار رسول بن کر آیا ہوں لہٰذا اللہ سے ڈرتے ہوئے اس کی توحید پر ایمان لاؤ اور میری رسالت پر ایمان لاتے ہوئے میری اطاعت کرو۔ میں اس تبلیغ پر تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتا میرا اجر مجھے میرا رب دے گا۔یعنی تم ایک بے لوث مخلص سچے داعی حق کی بات کیوں نہیں سنتے؟ یہی الفاظ گزشتہ رکوع میں حضرت نوح علیہ السلام کے حوالے سے مذکور ہوئے اور آئندہ رکوعات میں صالح علیہ السلام،لوط علیہ السلام اور شعیب علیہ السلام کے حوالوں سے مذکور ہوں گے۔گویا ہر نبی کا ایک ہی طریقہ دعوت تھا۔

### بلا معاوضہ تبلیغ دین اصل وراثت نبوت ہے

وَمَآ اَسۡـَٔلُكُمۡ عَلَيۡهِ مِنۡ اَجۡرٍ‌ ۚ کے الفاظ یہاں قصۂ نوح،قصۂ ہود،قصۂ صالح،قصۂ لوط اور قصۂ شعیب

ﷺ میں بار بار دہرایا گیا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ کسی نبی نے تبلیغ دین کو حصولِ معاش کا ذریعہ نہیں بنایا اور انبیاء کے سچے وارث علماء کا بھی یہی شیوہ ہے۔ للہذا تبلیغ پر سودے بازی کرنے والوں کا وراثتِ انبیاء سے کوئی تعلق نہیں۔ تاہم علماء و مدرسین اپنی امامت وخطابت اور تدریس کے بدلہ میں جو تنخواہ لیتے ہیں وہ اصل میں ان کے وقت کا معاوضہ ہے جو انہوں نے امامت و تدریس کے سلسلہ میں صرف کیا۔ اس پہ کئی بار بحث ہو چکی ہے۔

## سچا نبی دین کو حصولِ مال کا ذریعہ نہیں بناتا

جھوٹے نبی حصولِ مال ہی کے لئے دعویٰ نبوت کرتے ہیں جیسے مرزا قادیانی لکھتا ہے کہ کبھی مجھے دس روپے ماہوار ملنے کی توقع نہیں ہوتی تھی اور اب تین لاکھ کے قریب روپیہ آ چکا ہے۔

(حقیقۃ الوحی مندرجہ روحانی خزائن جلد ٢٢ صفحہ ٢٢١ مطبوعہ لندن)

یعنی اس کا حقیقی مقصد اس کی زبان پر آ ہی گیا۔ نبی اکرم ﷺ کے بعد نبوت کا دروازہ ویسے ہی بند کر دیا گیا ہے، اب آپ ﷺ کے بعد جو بھی دعویٰ نبوت کرے وہ کذاب ہی ہے اور اللہ تعالیٰ کذابین کے کذب کو ان کی حالت ہی سے ظاہر فرما دیتا ہے۔

[38] قوم عاد کے لوگ بلند مقامات مثلاً پہاڑوں کی چوٹیوں پر مکانات تعمیر کرتے تھے جو بیکار و بے مقصد ہوتے کوئی ان میں رہتا نہ تھا۔ وہ صرف اظہار فخر و کبر کے لئے بنائے جاتے تھے جبکہ رہائش کے لئے وہ دوسرے مضبوط و مرتفع مکانات بناتے تھے گویا وہ متکبر لوگ تھے اور دوسری قوموں کو جب پکڑتے تو بے رحمانہ پکڑتے۔

## اونچا اور اچھا مکان بنانا کہاں درست ہے کہاں نہیں

اس جگہ سے معلوم ہوا کہ محض شہرت و ناموری کے لئے بلند مکانات بنانا گناہ اور اللہ تعالیٰ کے ہاں ناپسندیدہ ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ایک اونچا قبہ دیکھ کر اظہار ناراضگی فرمایا تو اس کے مالک نے اسے فوراً گرا دیا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہر عمارت ایک وبال ہے سوا اس کے جو ضرورت کے لئے ہو اور اس کے بغیر چارہ نہ ہو۔'' (ابوداؤد کتاب الادب باب ١٥٧) شارحین حدیث کے مطابق وہ قبہ بے مقصد بنایا گیا تھا۔ محض اظہار بڑائی کے لئے اس لئے وہ آپ ﷺ کو ناپسند آیا ورنہ اپنے رہنے کے لئے اچھا مکان بنانا برا نہیں۔ ارشاد رسول ﷺ ہے: ''جب اللہ تجھے مال دے تو تجھ پر اللہ کی نعمت کا اثر بھی نظر آنا چاہیے۔'' (ابوداؤد کتاب اللباس باب ١٣) للہذا اگر کسی شخص کو اللہ تعالیٰ نے مال حلال دیا ہے اور وہ اس میں سے اچھا مکان بناتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

[39] حضرت ہود علیہ السلام نے قوم عاد کو اللہ کے عذاب سے بہت ڈرایا اور انہیں کفر و معاصی سے روکنے کی کوشش کی اور

اللہ کی نعمتوں کی فراوانی یاد دلا کر بھی انہیں اللہ کی بندگی کی طرف متوجہ کرنا چاہا مگر اس متکبر ضدی قوم نے کہا اے ہود! تمہارا ہمیں وعظ کرنا یا نہ کرنا ہمارے لئے برابر ہے اور جو تم عذاب کی باتیں کرتے ہو یہ پہلے لوگوں کی گھڑی ہوئی باتیں ہیں یعنی ہمارے آباء واجداد کو بھی تمہارے جیسے بعض لوگ عذاب کی ایسی ہی دھمکیاں دیتے تھے مگر کچھ بھی نہ ہوا۔ لہٰذا ہم پر بھی کوئی عذاب نہیں آنے والا۔

[40] آخر قوم عاد پر عذاب آ گیا اور طوفانی ہوا نے انہیں اٹھا اٹھا کر زمین پر سر کے بل مارا اور ان کے سروں کے بھیجے بکھر گئے۔ سورہ احقاف رکوع 3 میں اس کا مفصل ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ اس قوم کی ہلاکت میں منکرین کے لئے بڑا نشان عبرت ہے مگر اکثر منکرین ایمان نہیں لاتے اور تمہارا رب غالب ہے یعنی انہیں دنیا میں عذاب دے سکتا ہے مگر نہیں دیتا کیونکہ وہ رحیم بھی ہے اس نے اپنی رحمت سے کفار کو دنیا میں ڈھیل دے رکھی ہے۔

کفار کا طریقہ نہیں اپنانا چاہیے۔

[43] حضرت صالح علیہ السلام نے کہا اے قوم! اس اونٹنی کو تکلیف مت پہنچانا ورنہ تمہیں عذاب آ پکڑے گا مگران پر بدبختی غالب آئی۔ انہوں نے اونٹنی کے پاؤں کاٹ دیئے اور وہ تڑپ تڑپ کر مرگئی۔ تب اس قوم پر شدید زلزلہ آیا۔ اوپر سے ایک فرشتے نے زوردار چیخ ماری جس کی دہشت سے ساری قوم کے کلیجے پھٹ گئے اور کوئی زندہ نہ بچا اس طرح یہ بدبخت قوم اپنے انجام کو پہنچی۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطِ ۣالْمُرْسَلِيْنَ ۝١٦٠ۚ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ لُوْطٌ اَلَا

لوط (علیہ السلام) کی قوم نے رسولوں کو جھٹلایا۔ جب ان سے ان کے قومی بھائی لوط (علیہ السلام) نے کہا کیا تم ڈرتے

تَتَّقُوْنَ ۝١٦١ۚ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ۝١٦٢ۙ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝١٦٣ۚ وَمَآ

نہیں ہو؟۔ [44] میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوں۔ تو اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اور میں اس (تبلیغ) پر

اَسْـَٔــلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰي رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝١٦٤ۭ اَتَاْتُوْنَ

تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا میرا اجر رب کائنات کے سوا کسی پر نہیں ہے۔ کیا تمام جہانوں میں سے تم ہی

الذُّكْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝١٦٥ۙ وَتَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ

مردوں سے ہم جنسی کرتے ہو اور تمہاری بیویوں میں تمہارے رب نے تمہارے لیے جو پیدا کیا اسے

اَزْوَاجِكُمْ ۭ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُوْنَ ۝١٦٦

چھوڑتے ہو؟ بلکہ تم حد سے بڑھنے والی قوم ہو۔ [45]

## حضرت لوط علیہ السلام اور شعیب علیہ السلام کی قوموں کی سرکشی اور بربادی

[44] حضرت لوط علیہ السلام ابراہیم علیہ السلام کے بھائی ہاران کے بیٹے ہیں جب ابراہیم علیہ السلام نے نارِ نمرود سے نجات پائی تو لوط علیہ السلام کو ساتھ لیکر وہاں سے ہجرت کر کے فلسطین چلے آئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَنَجَّيْنٰهُ وَلُوْطًا اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا لِلْعٰلَمِيْنَ ۝٧١ ''اور ہم نے ابراہیم (علیہ السلام) اور لوط (علیہ السلام) کو اس زمین کی طرف نجات دی جس میں ہم نے جہانوں کے لئے برکت رکھی ہے۔'' (انبیاء:۷۱) پھر لوط علیہ السلام کو نبوت دی گئی اور ابراہیم علیہ السلام نے انہیں بستی سدوم میں تبلیغ کے لئے بھیجا۔ یہ بستی فلسطین کے قریب ہی تھی۔ اس جگہ اخوھم لوطٌ میں اخوتِ نسبی مراد نہیں بلکہ اخوتِ صحبت مراد

ہے اور ہر زبان میں ساتھی کو بھائی کہا جاتا ہے۔ یہ وضاحت اس لئے ضروری ہے کہ لوط علیہ السلام اہل سدوم میں سے نہ تھے بلکہ باہر سے وہاں تشریف لے گئے تھے۔

[45] اہل سدوم کفر و شرک کے علاوہ ہم جنس پرستی میں مبتلا تھے یعنی مرد مردوں سے جنسی فعل کرتے تھے۔اس کے علاوہ وہ اپنی بیویوں سے بھی پچھلا راستہ استعمال کرنے کی گندی عادت رکھتے تھے۔ اس لئے حضرت لوط علیہ السلام نے ان سے فرمایا تمام جہانوں میں صرف تم ہی ہو جو مردوں سے جنسی فعل کرتے ہو اور اللہ تعالیٰ نے تمہاری عورتوں میں تمہارے لئے جو حلال ذریعہ بنایا ہے اسے ترک کرتے ہوئے حرام ذریعہ اختیار کرتے ہو۔ تم حد سے بڑھنے والے ہو۔ یعنی تمہارے سوا تمام جہان میں کوئی مخلوق یہ فعل نہیں کرتی۔ کوئی جانور یہ عمل نہیں کرتا گویا تم جانوروں سے بھی بدتر ہو۔ البتہ سنا گیا ہے کہ خنزیروں میں نر نر سے جنسی فعل کرتے ہیں گویا اہل سدوم میں خنزیروں کی صفت آگئی تھی۔

## بیوی سے لواطت کی حرمت اور اہل تشیع کا اسے جائز سمجھنا

وَتَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ ؕ سے معلوم ہوا بیوی سے اسی ذریعہ سے مباشرت حلال ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس مقصد کے لئے پیدا کیا ہے۔ دوسرا راستہ اختیار کرنا جائز نہیں ہے۔ اسی لئے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ وہ شخص ملعون ہے جو بیوی کی دُبر استعمال کرے۔

(ابو داؤد کتاب النکاح باب ۴۵، مسند احمد جلد ۲ صفحہ ۴۴۴)

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ اس شخص کی طرف نظر (رحمت) نہیں فرمائے گا جو کسی مرد یا عورت کے پچھلے راستہ کو استعمال کرے۔'' (سنن ترمذی کتاب النکاح حدیث ۱۱۶۵)

جبکہ اہل تشیع بیوی سے لواطت کرنے کو حلال سمجھتے ہیں اور یہ بڑی گمراہی ہے۔ چنانچہ شیعہ راوی کہتا ہے میں نے امام جعفر سے پوچھا کہ میں اپنی لونڈی کی دبر استعمال کرتا ہوں پھر میں نے نذر مانی کہ اگر میں آئندہ ایسا کروں تو میں ایک درہم صدقہ کروں گا۔ اب میں صدقہ نہیں کرسکتا۔ آپ نے فرمایا: ''تجھ پہ صدقہ لازم نہیں کیونکہ یہ تجھ پہ ویسے ہی حلال ہے۔'' ایک اور شخص روایت کرتا ہے کہ امام جعفر صادق نے فرمایا: ''جب کوئی شخص اپنی بیوی کی دبر استعمال کرے اور بیوی نے روزہ رکھا ہو تو نہ بیوی کا روزہ ٹوٹے گا نہ اس پہ غسل لازم ہے۔'' ایک اور شخص نے امام جعفر سے پوچھا کہ جو شخص اپنی بیوی کے پچھلے راستہ کو استعمال کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟ انہوں نے کہا: هو احد المأتين فيه الغسل، ''دبر بھی وطی کے دو مقامات میں سے ایک مقام ہے۔ بس اس پہ غسل لازم ہے۔''

(تہذیب الاحکام جلد ۲ صفحہ ۴۳۲ کتاب النکاح مطبوعہ دار المجتبیٰ نجف اشرف)

ایک شیعہ راوی حسین بن علی بن یقطین کہتا ہے میں نے امام ابوالحسن (امام نقی رحمۃ اللہ علیہ) سے پوچھا کہ جو شخص بیوی کا پچھلا راستہ استعمال کرے اس کا کیا حکم ہے؟ انہوں نے کہا: اس کو تو قرآن کی آیت نے حلال کیا ہے۔ لوط علیہ السلام نے قوم سے کہا: هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِيْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ یہ میری بیٹیاں لے لو (ان سے نکاح کرلو) یہ تمہارے لیے پاکیزہ تر ہیں اور

حضرت لوط جانتے تھے کہ وہ لوگ بیوی کے اگلے راستہ کے طلبگار ہی نہیں ہیں۔ (تفسیر عیاشی جلد ۲ صفحہ ۱۵۷ مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ تہران)

بہر حال یہ شیعوں کی من گھڑت روایات ہیں جو وہ اپنی طرف سے گھڑ کر ائمہ اہل بیت کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔ جبکہ وہ ائمہ کرام ان غلیظ روایات کی تہمت سے بہت دور ہیں۔

## متعہ کی حرمت

وَتَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ ؕ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جنسی عمل صرف بیوی کے ساتھ حلال ہے اور کسی مرد یا عورت سے حلال نہیں ہے۔ جبکہ اہل تشیع متعہ والی عورت کو بیوی نہیں سمجھتے نہ اسے بیوی کے حقوق دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک متعہ والی عورت مرد کی وارث نہیں ہے۔ اسے طلاق دینے کی ضرورت نہیں بلکہ متعہ کے لئے جتنا وقت طے ہوا تھا اس کے ختم ہونے سے متعہ ختم ہو جاتا ہے اور متعہ کے لئے چار عورتیں رکھنے کی پابندی نہیں بلکہ چار بیویوں کے علاوہ متعہ کے لئے ہزار عورتیں رکھی جا سکتی ہیں۔ جب اسے بیوی والے حقوق حاصل نہیں تو وہ بیوی کیسے قرار پا سکتی ہے اور قرآن نے ازواج کے سوا کسی عورت سے جنسی عمل کا جواز نہیں رکھا۔ تو پھر متعہ کی حرمت میں کیا شک ہے؟

قَالُوْا لَىِٕنْ لَّمْ تَنْتَهِ یٰلُوْطُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِیْنَ ﴿۱۶۷﴾ قَالَ اِنِّیْ

وہ کہنے لگے اے لوط! اگر تم باز نہ آئے تو ضرور تم بستی سے نکال دیے جاؤ گے آپ نے فرمایا بے شک میں

لِعَمَلِكُمْ مِّنَ الْقَالِیْنَ ﴿۱۶۸﴾ؕ رَبِّ نَجِّنِیْ وَاَهْلِیْ مِمَّا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ فَنَجَّیْنٰهُ

تمہارے عمل سے سخت بیزار ہوں، اے میرے رب! مجھے اور میرے اہل کو انکے عمل سے نجات دے دے۔ [46] تو ہم نے

وَاَهْلَهٗۤ اَجْمَعِیْنَ ﴿۱۷۰﴾ۙ اِلَّا عَجُوْزًا فِی الْغٰبِرِیْنَ ﴿۱۷۱﴾ۚ ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِیْنَ ﴿۱۷۲﴾ۚ

اسے اور اس کے تمام اہل کو بچا لیا سوا بوڑھی عورت کے جو پیچھے رہ جانے والوں میں سے تھی۔ پھر ہم نے دوسروں کو تباہ کر دیا

وَاَمْطَرْنَا عَلَیْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِیْنَ ﴿۱۷۳﴾ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً ؕ

اور ہم نے ان پر (پتھروں کی) بارش کی تو جنہیں ڈرایا گیا تھا ان کی بارش کتنی بری تھی۔ بے شک اس میں بڑی نشانی ہے

وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱۷۴﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ﴿۱۷۵﴾ ع

اور کفار میں سے اکثر ایمان نہیں لانے والے اور بے شک آپ کا رب ہی غالب ہے رحم والا ہے۔ [47]

[46] اہل سدوم نے کہا اے لوط (علیہ السلام) اگر تم اپنی تبلیغ سے باز نہ آئے تو ہم تمہیں اپنی بستی سے نکال دیں گے۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا میں پہلے ہی تمہارے عمل سے بہت بیزار ہوں پھر آپ علیہ السلام نے دعا کی اے اللہ! مجھے اور میرے اہل یعنی گھر والوں اور متبعین کو اس قوم کے عمل سے نجات دے دے یعنی ایسی جگہ پہنچا دے کہ ہمیں ان کے عمل بد کی خبر نہ ہو۔

[47] تو اللہ تعالیٰ نے لوط علیہ السلام کو آپ کے اہل خانہ اور متبعین کے ساتھ اس بستی سے بحفاظت نکال لیا۔ البتہ آپ کی بوڑھی بیوی نہ بچ سکی کیونکہ وہ قوم کے فعل بد سے راضی تھی۔ اسی لئے جب جبرائیل و میکائیل علیہما السلام دو خوبرو نوجوانوں کی صورت میں مہمان بن کر حضرت لوط علیہ السلام کے پاس آئے تو اسی بوڑھی عورت نے جا کر قوم کو خبر دی کہ حضرت لوط علیہ السلام کے پاس دو خوبرو نوجوان آئے ہیں۔ چنانچہ جب اہل سدوم پر عذاب آیا تو اس بوڑھی عورت کو بھی ایک پتھر آ لگا اور وہ ڈھیر ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ کے فرشتے نے اس بستی کو اپنے پر پر اٹھایا اور واپس الٹا کر پھینک دیا اور جو لوگ ان میں سے کہیں باہر گئے ہوئے تھے وہ جہاں جہاں تھے ان پر آسمان سے پتھر آ گرے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ''ہم نے اس بستی کو اوپر سے نیچے کر دیا اور اس پر کنکر کے پتھروں کی برسات کی۔'' (ہود ٨٢)

اس سے معلوم ہوا لواطت پسند شخص کی سزا قتل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس قوم کو مار دیا جو اس فعل میں مبتلا تھی اور جو شخص برغبت لواطت کروائے اس کی بھی یہی سزا ہے البتہ جس سے قتل یا قطع اعضاء کی دھمکی سے لواطت کی جائے یا کم سن بچہ جو اپنی رغبت نہیں بتا سکتا وہ اس سے مستثنیٰ ہے۔

كَذَّبَ اَصْحٰبُ لْئَيْكَةِ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٧٦﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿١٧٧﴾

ایکہ والوں نے رسولوں کو جھٹلایا۔ جب ان سے شعیب (علیہ السلام) نے کہا کیا تم ڈرتے نہیں ہو؟۔[48]

اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ﴿١٧٨﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوْنِ ﴿١٧٩﴾ وَ مَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ

میں تمہارے لیے امانت والا رسول ہوں۔ تو اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرواور میں اس پرتم سے

مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿١٨٠﴾ اَوْفُوا الْكَیْلَ وَ لَا تَكُوْنُوْا

کوئی اجر نہیں مانگتا میرا اجر رب کائنات کے سوا کسی کے ذمے نہیں ہے ناپ پورا کرو اور کمی کرنے والوں میں سے

مِنَ الْمُخْسِرِیْنَ ﴿١٨١﴾ وَ زِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِیْمِ ﴿١٨٢﴾ وَ لَا تَبْخَسُوا

مت بنو اور سیدھے ترازو سے وزن کیا کرو اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم کر کے

النَّاسَ اَشْیَآءَهُمْ وَ لَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ ﴿١٨٣﴾ وَ اتَّقُوا الَّذِیْ

مت دو اور زمین میں فساد نہ پھیلاتے پھرو۔[49] اور اس رب سے ڈرو

خَلَقَكُمْ وَ الْجِبِلَّةَ الْاَوَّلِیْنَ ﴿١٨٤﴾ قَالُوْۤا اِنَّمَاۤ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِیْنَ ﴿١٨٥﴾ وَ مَاۤ

جس نے تمہیں اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا۔ وہ کہنے لگے تم ایک جادو زدہ شخص کے سوا کچھ نہیں ہو اور تم

اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَ اِنْ نَّظُنُّكَ لَمِنَ الْكٰذِبِیْنَ ﴿١٨٦﴾

ہمارے جیسے ایک بشر ہو اور ہم تمہیں جھوٹا سمجھتے ہیں۔[50]

[48] ایکہ درختوں کے جھنڈ کو کہتے ہیں۔ یہ بستی شہر مدین سے جہاں حضرت شعیب علیہ السلام رہتے تھے، پچاس کلومیٹر دور تھی۔ حضرت شعیب علیہ السلام نسباً اہل مدین میں سے تھے۔ البتہ مدین سے قریب ہونے کی وجہ سے ایکہ والوں کی طرف بھی آپ ہی کو مبعوث کیا گیا۔ اسی لئے یہاں ایکہ والوں کی نسبت سے اخوھم شعیبؑ نہیں کہا گیا بلکہ اِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ کہا گیا اور چونکہ آپ نسباً اہل مدین میں سے تھے اس لئے قرآن میں فرمایا گیا: وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۔ (ھود: ۸۴) یہ وہی حضرت شعیب علیہ السلام ہیں جن کے پاس حضرت موسیٰ علیہ السلام دس برس رہے اور انہوں نے اپنی بیٹی کا موسیٰ علیہ السلام سے نکاح کیا۔

[49] اہل مدین اور اہل ایکہ دونوں ناپ تول میں کمی کی برائی میں مبتلا تھے۔ چونکہ یہ سرسبز علاقہ تھا (اسی لئے اس بستی کا نام ایکہ پڑا یعنی درختوں کا جھنڈ) اور یہاں اناج اور پھل بکثرت ہوتا تھا تو آس پاس کے لوگ یہاں خریداری کے لئے آتے تھے ان لوگوں نے وزن کے پیمانوں کو رگڑ کر چھوٹا کیا ہوا تھا۔ شعیب علیہ السلام نے فرمایا اے اہل ایکہ! لوگوں کا ناپ پورا کیا کرو سیدھے ترازو سے وزن کیا کرو اور لوگوں کو ان کا سودا کم کر کے نہ دیا کرو اس طرح زمین پر فساد پھیلے گا کیونکہ خرید وفروخت میں دھوکہ دہی کرنے سے لڑائی جھگڑے اور خوں ریزی بھی ہوسکتی ہے اور ایسی قوم سے اللہ برکت اٹھالیتا ہے۔

## ناپ تول میں کمی کرنے کا گناہ

قرآنِ مجید میں ہے: وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ۝ وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ ۝ اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ۝ ''ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لیے عذاب ہے، کہ جب وہ لوگوں سے ناپ کرلیں تو پورا لیتے ہیں اور جب ان کو تول یا ناپ کر دیں تو اس میں کمی کر دیتے ہیں، کیا یہ لوگ جانتے نہیں کہ انہوں نے قیامت کے دن اٹھایا جانا ہے؟'' (مطففین ۱،)

یعنی اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے جھنجھوڑا ہے کہ کیا ناپ تول میں کمی کرنے والوں کو علم نہیں کہ روز قیامت آنے والا ہے جب ایک ایک پائی کا حساب ہوجائے گا؟ مگر افسوس آج ناپ تول میں کمی مسلمانوں میں عام پھیل گئی ہے مگر ان پر وہ عذاب اس لیے نہیں آرہا جو قوم شعیب علیہ السلام پر آیا تھا کیونکہ حضور رحمتِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد کے بعد تباہ کن عذابات کا نزول کفار پر بھی بند کردیا گیا ہے۔ چہ جائے کہ اہل ایمان ہوں۔ لیکن عذاب آخرت تیار ہے۔

[50] الْجِبِلَّةَ کا معنی جماعت ہے جیسے قرآن میں ہے: وَلَقَدْ اَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِيْرًا ''شیطان نے تم میں سے بہت سی جماعتوں کو گمراہ کردیا۔'' (یٰس: ۶۲) یعنی حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا اے لوگو! اس رب سے ڈرو جس نے تمہیں اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا۔ لوگوں نے کہا اے شعیب! تم ہمیں بس ایک جادوزدہ شخص نظر آتے ہو یعنی بہکی بہکی باتیں کرتے ہو اور تم ہمارے ہی جیسے ایک بشر ہو تم میں اور ہم میں کوئی فرق نہیں لہٰذا ہم تمہیں جھوٹا سمجھتے ہیں۔

فَاَسۡقِطۡ عَلَيۡنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ اِنۡ كُنۡتَ مِنَ الصّٰدِقِيۡنَ ﴿١٨٧﴾ؕ قَالَ

(شعیب علیہ السلام کی قوم نے آپ سے کہا) اگر تم سچے ہو تو ہم پر آسمان سے ایک ٹکڑا گرادو آپ نے فرمایا میرا رب تمہارے عمل سے واقف ہے۔

رَبِّیۡۤ اَعۡلَمُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿١٨٨﴾ فَكَذَّبُوۡهُ فَاَخَذَهُمۡ عَذَابُ يَوۡمِ الظُّلَّةِ ؕ

انہوں نے آپ کو جھٹلایا تو انہیں سائبان والے دن کے عذاب نے آپکڑا۔

اِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ يَوۡمٍ عَظِيۡمٍ ﴿١٨٩﴾ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكۡثَرُهُمۡ

بے شک وہ بڑے دن کا عذاب تھا۔ بے شک اس میں بڑی نشانی ہے اور ان میں اکثر

مُّؤۡمِنِيۡنَ ﴿١٩٠﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الۡعَزِيۡزُ الرَّحِيۡمُ ﴿١٩١﴾ ع

ایمان لانے والے نہیں ہیں اور بے شک آپ کا رب ہی غالب ہے رحم والا ہے۔ [51]

[51] اہل ایکہ نے کہا اے شعیب! اگر تم سچے نبی ہو تو اللہ سے کہو ہم پر آسمان سے ایک ٹکڑا گرا کر ہمیں تباہ کردے۔ وہ کیسے بدعقل تھے انہیں یوں کہنا چاہئے تھا اے شعیب! اگر تم سچے نبی ہو تو اللہ تعالیٰ سے کہو وہ ہمیں ہدایت کے راستے پر لے آئے اگر وہ ایسا کہتے تو ہدایت پا جاتے۔ جب انہوں نے اپنے لئے عذاب مانگا تو حضرت شعیب علیہ السلام نے کہا میرا رب تمہارے اعمال سے خوب واقف ہے یعنی وہ جب چاہے گا عذاب لے آئے گا۔ چنانچہ ان پر عذاب آ گیا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر جہنم کی گرم ہوا بھیجی جوان پر سات دن تک مسلسل چلتی رہی ان کے گھر تپ گئے چشمے اور کنوئیں ابلنے لگے، لوگ گھروں سے بھاگ اٹھے اور بھاگتے پھرے ان کے پاؤں کے چمڑے اتر گئے تب اللہ تعالیٰ نے ان پر سیاہ بادل بھیجا وہ سمجھے بارش ہونے والی ہے وہ سب بادل کے نیچے آ گئے تب وہ ان پر گر پڑا اور وہ ہلاک ہو گئے انہوں نے خود کہا تھا اے شعیب! ہم پر آسمان سے ایک ٹکڑا گرا دے تو اللہ تعالیٰ نے ایسا ہی کر دیا۔ (درمنثور جلد ٦ صفحہ ٣١٨ مطبوعہ دارالفکر بیروت)

وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۹۲﴾ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ﴿۱۹۳﴾ عَلٰى قَلْبِكَ

اور بلا شبہ یہ قرآن رب کائنات کی طرف سے نازل کردہ ہے اسے روح امین (علیہ السلام) لے کر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے دل پر اترے

لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ﴿۱۹۴﴾ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ﴿۱۹۵﴾

تا کہ آپ ڈرسنانے والے ہوں، فصیح عربی زبان میں۔[52]

## صداقتِ قرآن اور حقانیت رسالتِ محمدیہ

[52] گزشتہ رکوعات میں انبیاء سابقین کا ذکر ہو رہا تھا اب اس سورت کے آخری رکوع میں سب انبیاء کے آخر میں آخری پیغمبر محمد مصطفی احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر ہو رہا ہے اور یہ آپ کے آخری نبی و رسول ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ تو اللہ نے فرمایا کہ قرآن مجید رب کائنات کی اتاری ہوئی کتاب ہے جسے اللہ تعالیٰ نے روح الامین حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ذریعے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب انور پر فصیح عربی زبان میں اتارا ہے تا کہ آپ لوگوں کو ڈرسنانے والے بنیں۔ جبرائیل علیہ السلام کو روح امین کہنا اس لئے ہے کہ آپ سراپا روح ہیں کیونکہ آپ صاحب وحی ہیں آپ نے سب انبیاء پر وحی اتاری اور آپ فرشتوں پر اللہ کی وحی مسلسل اتارتے رہتے ہیں اور وحی کو اللہ تعالیٰ نے روح قرار دیا ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: يُلْقِي الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ۔ ''اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے اپنے حکم سے روح اتارتا ہے۔'' (غافر ۱۵) یاد رہے وحی کو اس لئے روح کہتے ہیں کہ جیسے روح سے جسموں کی زندگی ہے یونہی وحی سے قلوب کی زندگی ہے۔ تو وحی لانے والے فرشتے کو سراپا روح کہا گیا اور وہ امین ہے وحی کے لانے میں کوئی خیانت نہیں کرسکتا۔

### قرآن کو صحت لفظی کے ساتھ پڑھنے کی ضرورت

یہاں نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ﴿۱۹۳﴾ عَلٰى قَلْبِكَ میں اگر قَلْبِكَ کے قاف کو کاف پڑھا جائے جیسا کہ عموماً عجمی لوگ پڑھتے ہیں تو آیت کا معنی یہ بنتا ہے کہ جبرائیل علیہ السلام اس قرآن کو لے کر آپ کے کتے پر اترے ہیں (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) گویا قرآن کو صحیح تلفظ کے ساتھ نہ پڑھنے سے اس کا معنی بعض اوقات کفر کی حد تک بدل جاتا ہے۔ تو ہر مسلمان پر لازم اور فرض عین ہے کہ وہ قرآن کو صحتِ لفظی کے ساتھ پڑھنے کی کوشش کرے۔ اسی طرح قل ھو اللہ احد کا معنی ہے کہ ''کہہ دو اللہ ایک ہے۔'' مگر عام لوگ اسے کل ھو اللہ احد پڑھتے ہیں جس کا معنی ہے کہ کھا جاؤ اللہ ایک ہے (معاذ اللہ) اس لیے ہر مسلمان پہ لازم ہے کہ قرآن کو صحت لفظی کے ساتھ پڑھنا سیکھے، یہ فرض عین ہے۔

## قلب رسول ﷺ کا پہاڑوں سے مضبوط تر ہونا

اللہ تعالیٰ نے قرآن کو آپ کے قلب پر اتارا اور دوسری جگہ فرمایا گیا: لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰی جَبَلٍ لَّرَاَیْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ ''اگر ہم قرآن کو کسی پہاڑ پر اتارتے تو تم دیکھتے کہ وہ اللہ کے خوف اور عاجزی کے ساتھ گر جاتا۔'' (حشر:٢١)

معلوم ہوا قلب رسول ﷺ نے وہ بوجھ اٹھالیا جسے پہاڑ نہ اٹھا سکتے تھے۔ اور وہ جو حدیث میں ہے کہ پہلی وحی کے نزول پر رسول اللہ ﷺ گھبرائے ہوئے گھر تشریف لائے اور فرمایا کہ مجھے کمبل اوڑھادو مجھے کمبل اوڑھادو۔ وہ اس لیے تھا کہ پہلی بار ایسے پُرجلال کلام کے نزول نے آپ ﷺ پہ ہیبت طاری کردی تھی۔

## قرآن صرف عربی میں ہے غیر عربی میں قرآن کا ترجمہ ہوتا ہے

بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ﴿۱۹۵﴾ میں قرآن کی زبان عربی قرار دی گئی ہے۔ اسی لئے نماز میں قرآن کا ترجمہ پڑھنے سے نماز ادا نہیں ہوتی کیونکہ قرآن کا ترجمہ قرآن نہیں ہے اور ترجمہ کتنا ہی عمدہ ہو بہر حال وہ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ﴿۱۹۵﴾ کی جگہ نہیں لے سکتا۔

امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا پہلا فتویٰ یہ تھا کہ قرآن کو غیر عربی میں پڑھا جا سکتا ہے مگر بعد میں انہوں نے قول صاحبین کی طرف رجوع کرلیا۔ اب اس پہ اجماع ہے کہ قرآن کو غیر عربی میں پڑھنا جائز نہیں ہے۔ (درمختار)

البتہ نسبت قرآن کی وجہ سے ترجمہ کو بھی بے وضو نہیں چھونا چاہئے۔ اور قرآن کی زبان کو صرف عربی اس لیے رکھا گیا تاکہ یہ ہر تحریف سے محفوظ رہے۔ اگر قرآن کی زبان ایک نہ رکھی جاتی تو اس میں بھی وہی ردوبدل ہوجاتا جو پہلی کتابوں میں ہوا۔ انکا ترجمہ کرنے والوں نے ترجمہ در ترجمہ کرتے کرتے انہیں کچھ سے کچھ بنادیا۔ مگر الحمد للہ قرآنِ مجید اس سے محفوظ ہے۔ اس کی زبر زیر میں بھی فرق نہیں آسکتا۔

وَ إِنَّهُ لَفِي زُبُرِ الْأَوَّلِينَ ﴿١٩٦﴾ أَوَلَمْ يَكُن لَّهُمْ آيَةً أَن يَعْلَمَهُ عُلَمَاءُ بَنِي

اور یہ پہلے انبیاء کی کتابوں میں مذکور ہے،کیا ان کے لیے یہ نشان صداقت نہیں کہ اسے بنی اسرائیل کے علماء

إِسْرَائِيلَ ﴿١٩٧﴾ وَلَوْ نَزَّلْنَاهُ عَلَىٰ بَعْضِ الْأَعْجَمِينَ ﴿١٩٨﴾ فَقَرَأَهُ عَلَيْهِم مَّا

جانتے ہیں[53] اور اگر ہم اسے عجمی لوگوں میں سے کسی پر اتارتے پھر وہ اسے ان پر پڑھتا تو بھی وہ اس پر ایمان

كَانُوا بِهِ مُؤْمِنِينَ ﴿١٩٩﴾ كَذَٰلِكَ سَلَكْنَاهُ فِي قُلُوبِ الْمُجْرِمِينَ ﴿٢٠٠﴾ لَا يُؤْمِنُونَ

لانے والے نہ تھے۔[54] اسی طرح ہم نے اس (انکار) کو مجرموں کے دلوں میں جاری کر دیا ہے وہ اس پر ایمان نہیں لائیں گے

بِهِ حَتَّىٰ يَرَوُا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ ﴿٢٠١﴾ فَيَأْتِيَهُم بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿٢٠٢﴾

جب تک درد ناک عذاب نہ چکھ لیں جوان پر اچانک آجائے گا اور انہیں شعور بھی نہ ہوگا۔

فَيَقُولُوا هَلْ نَحْنُ مُنظَرُونَ ﴿٢٠٣﴾ أَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُونَ ﴿٢٠٤﴾ أَفَرَأَيْتَ إِن

تب وہ کہیں گے کیا ہم کو مہلت مل سکتی ہے؟ کیا وہ ہمارا عذاب جلد چاہتے ہیں۔ ذرا دیکھو اگر ہم انہیں

مَّتَّعْنَاهُمْ سِنِينَ ﴿٢٠٥﴾ ثُمَّ جَاءَهُم مَّا كَانُوا يُوعَدُونَ ﴿٢٠٦﴾ مَا أَغْنَىٰ عَنْهُم

کئی برس تک متاع دنیا دیدیں پھران پر وہ عذاب آجائے جسکا ان سے وعدہ کیا گیا ہے تو انہیں جو متاع دی گئی

مَّا كَانُوا يُمَتَّعُونَ ﴿٢٠٧﴾ وَمَا أَهْلَكْنَا مِن قَرْيَةٍ إِلَّا لَهَا مُنذِرُونَ ﴿٢٠٨﴾

وہ انہیں کچھ فائدہ نہ دے گی اور ہم نے جو بستی بھی ہلاک کی اس کے لئے ڈرانے والے ضرور تھے۔

مع ٩

ذِكْرَىٰ ۛ وَمَا كُنَّا ظَالِمِينَ ﴿٢٠٩﴾

یہ نصیحت ہے اور ہم ظالم نہ تھے۔[55]

[53] یعنی صداقت قرآن کی یہ دلیل بھی ہے کہ اس کا ذکر پہلے انبیاء کی کتابوں میں موجود ہے اور علماء بنی اسرائیل اسے جانتے ہیں کہ یہ وہی کتاب مبین ہے جس کا تذکرہ اللہ رب العزت نے ان کی کتابوں میں فرمایا ہے۔ اس کے باوجود ان کا اسے نہ ماننا ان کی ضد ہے چنانچہ تورات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں: اور خداوند نے مجھ سے کہا ہے کہ

میں ان کے لئے (بنی اسرائیل کے لئے) انہی کے بھائیوں (بنی اسرائیل) میں سے تیری مانند ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام (قرآن) اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اسے حکم دوں گا وہ ان سے وہی کچھ کہے گا۔ (تورات کتاب استثناء باب ۱۸ آیت ۱۸، صفحہ ۱۸۴ مطبوعہ بائبل سوسائٹی انارکلی لاہور) اب بنی اسماعیل میں حضور ﷺ کے سوا کوئی نبی نہیں آیا لہٰذا یہ کلام موسیٰ علیہ السلام قرآن مجید اور صاحب قرآن رسول کی آمد کی صریح بشارت ہے۔

[54] مطلب یہ ہے کہ اگر ہم قرآن کو کسی عجمی شخص پر اتارتے جس کی زبان عربی نہ ہوتی اور ہم اپنی قدرت سے اس کی زبان پر قرآن جاری کر دیتے تو منکرین یہ دیکھ کر بھی ایمان نہ لاتے بلکہ کہتے کہ اس شخص پر ہم کیوں ایمان لائیں یہ تو عربی نہیں ہے یہ عجمی ہے اور ہم سے گھٹیا ہے، یا وہ کہتے اس پہ کسی عربی جن نے قبضہ کرلیا ہے جو اس قدر فصیح عربی بول رہا ہے، اس لئے ہم نے قرآن کو محمد عربی ﷺ جیسے مادر زاد عربی پر نازل کیا ہے تاکہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ یہ کسی جن یا شیطان کا کلام ہے بلکہ ہر کسی کو ماننا پڑے کہ یہ اللہ کا نازل کردہ کلام ہے اسی لئے تمام فصحائے عرب اس کی مثال لانے سے عاجز رہے ہیں۔

[55] یعنی ہم ان لوگوں کے دلوں میں جو قرآن سے مسلسل انکار کرنے کے مجرم ہیں یہ انکار جاری کر دیتے ہیں اور وہ اسے تب مانتے ہیں جب دردناک عذاب دیکھ لیں اور عذاب دیکھنے کے بعد ایمان لانا مفید نہیں۔ اور وہ عذاب ان پر اچانک آجائے گا اور انہیں شعور تک نہیں ہوگا۔ چنانچہ کفارِ مکہ پر بدر میں یوں اچانک عذاب آیا کہ وہ اس کا تصور تک نہ کرسکتے تھے وہ اس زعم میں مکہ سے نکلے تھے کہ وہ مسلمانوں کو رسیوں سے باندھ کر لے آئیں گے۔ مگر ہوا یہ کہ اُن کی لاشوں کو رسیوں سے گھسیٹ کر کنوئیں میں پھینکا گیا یا یہ معنی ہے کہ کفار تب ایمان لاتے ہیں جب ان پر اچانک موت آجاتی ہے مگر موت کے وقت ایمان لانا غیر مفید ہے۔ آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب کفار پر اچانک عذاب آجائے تو اس وقت وہ کہتے ہیں کہ کیا ہمیں کچھ مہلت مل سکتی ہے یعنی اگر ہمیں مہلت مل جائے تو ہم ایمان لے آئیں گے مگر اس وقت مہلت نہیں دی جاتی۔

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: افرأیت ان متعناھم سنین، یعنی اگر ہم کفار کو برس ہا برس تک مہلت دے دیں تو کیا اس سے انہیں کچھ فائدہ ہوگا؟ یعنی کیا وہ اس مہلت سے فائدہ اٹھا کر ایمان لے آئیں گے؟ نہیں، اور ہم نے اس سے قبل جو بستیاں تباہ کیں انہیں مہلت دیئے بغیر ہلاک نہیں کیا گیا بلکہ ان میں ہم نے ڈرانے والے انبیاء کرام بھیجے مگر وہ عرصہ دراز تک انبیاء کی بات سننے کی بجائے ان کی مخالفت کرتے رہے تب ان پر تباہ کن عذاب آیا اور ہم نے ان پر کچھ ظلم نہ کیا۔

وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيٰطِيْنُ ﴿۲۱۰﴾ وَمَا يَنْبَغِيْ لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿۲۱۱﴾ اِنَّهُمْ

اور قرآن کو شیاطین نے نہیں اتارا اور نہ ان کے لائق ہے اور نہ وہ اس کی طاقت رکھتے ہیں، بیشک

عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ ﴿۲۱۲﴾ فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَكُوْنَ مِنَ

وہ سننے سے روکے گئے ہیں۔[56] تو تم اللہ کے ساتھ کسی دوسرے خدا کو مت پوجو ورنہ تم کو

الْمُعَذَّبِيْنَ ﴿۲۱۳﴾

عذاب دیا جائے گا۔[57]

[56] کفار مکہ حضور ﷺ کو ایک کاہن تصور کرتے تھے اور سمجھتے تھے کہ بعض جنات اور شیاطین آپ ﷺ پر یہ قرآن القاء کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا رد کرتے ہوئے فرمایا کہ شیاطین نے قرآن نہیں اتارا کیونکہ۔

اول: یہ ان کے لائق ہی نہیں وہ گندے ہیں اور قرآن پاک کلام ہے۔کوئی شخص کھانے پینے کی چیز کو گندے برتن میں نہیں ڈالتا تو وحی الٰہی جو روح کی غذا ہے اسے شیاطین کے گندے قلوب میں کیسے ڈالا جا سکتا ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے۔

دوم: قرآن کا اٹھانا شیطان کی طاقت سے باہر ہے۔ اسے تو پہاڑ بھی نہیں اٹھا سکتے۔ شیاطین کیسے قرآن کریم کا بوجھ اٹھا سکتے ہیں۔

سوم: شیاطین کو قرآن کے سننے سے ہی روک دیا گیا ہے۔قرآن میں ہے کہ عالم الغیب۔خدا اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا سوا اس رسول کے جسے وہ پسند کرے تو اس کے آگے پیچھے پہرے لگا دیتا ہے (تا کہ اس القاء غیب کو شیاطین نہ سنیں) (جن:٢٧)

[57] حضور ﷺ کو کسی دوسرے خدا کی پرستش نہ کرنے کا حکم دیا جانا اسی طرح ہے جیسے کہا گیا: وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ "اگر بالفرض آپ نے اللہ کا حکم نہ پہنچایا تو آپ نے اللہ کی رسالت کا حق ادا نہیں کیا۔" (مائدہ ٦٧)

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ﴿۲۱۴﴾ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ

اور اے پیارے حبیب! آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیں اور اپنے بازو آپ کی پیروی کرنے والے

الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۱۵﴾ فَاِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۱۶﴾

مومنوں کے لیے بچھا دیں، پھر اگر وہ آپ کی بات نہ مانیں تو آپ فرما دیں میں تمہارے اعمال سے بری ہوں۔[58]

[58] اے پیارے محبوب ﷺ! آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیں اور جو لوگ ایمان لے آئیں ان کے لئے

اپنے رحمت والے بازو بچھادیں تا کہ وہ آپ پر جان و مال قربان کرنے کو تیار ہو جائیں اور اگر آپ کے قریبی عزیز آپ کی دعوت نہ مانیں تو ان سے کہہ دیجئے کہ میں تمہارے اعمال سے بری ہوں۔ یہاں حضور ﷺ کے قریبی رشتہ داروں سے تمام قریش مراد ہیں کیونکہ وہ نسبی تعلق کی بنیاد پر دوسرے تمام لوگوں کی نسبت آپ سے قریب تر تھے۔

## حضور ﷺ کا آغازِ اسلام میں اپنے قبیلہ کو دعوت اسلام دینا

یہ آیت ابتداءِ ظہور اسلام میں نازل ہوئی اور اس کے نزول پر حضور ﷺ نے تمام قریش کو کوہِ صفا پر بلا کر انہیں پیغام حق سنایا۔ پھر اس کے بعد ایک بار آپ ﷺ نے اولادِ عبدالمطلب کو خصوصی دعوت پر بلا کر انہیں پیغام حق دیا۔ پھر ایک موقع پر آپ ﷺ نے قریب ترین رشتہ داروں کو انفرادی طور پر بھی دعوت حق دی۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ﴿٢١٤﴾ کے نزول پر حضور ﷺ کوہِ صفا پر تشریف لے گئے اور فرمایا اے بنی فہر، اے بنی عدی، آپ نے قریش کے ہر قبیلے کا نام لے کر پکارا۔ سب قریش جمع ہو گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اگر میں کہوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے ایک لشکر تم پر حملہ آوری کے لئے تیار کھڑا ہے تو کیا تم میری بات مانو گے؟ سب نے کہا: کیوں نہیں ہم نے آج تک آپ کو جھوٹ بولتے نہیں دیکھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا "تو سنو میں تمہیں عذاب شدید سے قبل ڈرانے آیا ہوں۔" ابولہب نے کہا: تبالك الهذا جمعتنا۔ تمہاری ہلاکت ہو کیا تم نے ہمیں اس لئے جمع کیا ہے؟ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ﴿١﴾ (بخاری کتاب التفسیر باب ٢ حدیث ٤٧٧٠)

اسی طرح حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ﴿٢١٤﴾ کے نزول پر حضور سید عالم ﷺ نے اولادِ عبدالمطلب کو جمع کیا۔ چالیس افراد جمع ہو گئے جن میں آپ ﷺ کے چچا ابو طالب، حمزہ، عباس اور ابو لہب بھی تھے سب نے گوشت کھایا اور دودھ پیا۔ وہ گوشت اور دودھ اتنا کم تھا کہ ان میں ایک اکیلا آدمی اسے ختم کر سکتا تھا مگر وہ چالیس آدمی کھا گئے اور دودھ اور گوشت میں کمی نہ آئی۔ پھر اس سے قبل کہ حضور ﷺ بات کرتے ابولہب نے بات شروع کر دی اور کہا کہ تمہارا ساتھی (محمد مصطفیٰ ﷺ) تم سے جو کہتا ہے اس میں ہم اسے کامیاب نہیں ہونے دیں گے۔ پھر دوسرے دن ان کی دعوت کی گئی ابولہب نے اس بار بھی ایسا ہی کیا۔ پھر تیسرے دن اسی طرح کی دعوت کی گئی اور لوگوں کے کھانا ختم کرنے سے قبل ہی حضور ﷺ نے اٹھ کر فرمایا اے اولادِ عبدالمطلب میں تمہارے پاس دنیا و آخرت کی بھلائی لے کر آیا ہوں۔ (ابن کثیر جلد ٣ صفحہ ٣٦٤)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ﴿٢١٤﴾ کے نزول پر نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اے قریش، اے اولادِ عبد مناف، اے عباس بن عبدالمطلب، اے صفیہ، اے فاطمہ بنت محمد خود کو نار جہنم سے بچالو، میں (مرضی خدا کے بغیر) تمہیں اللہ سے بچا نہیں سکتا۔ (بخاری کتاب التفسیر حدیث ٤٧٧١) اس آیت اور ان احادیث سے معلوم ہوا مبلغ کو کار تبلیغ کا آغاز اپنے قریبی عزیزوں سے کرنا چاہیے۔

## کیا وانذر عشیرتک الاقربین میں خلافت علی المرتضیٰ کا اعلان مراد ہے؟

اس جگہ اہل تشیع امام بغوی کی تفسیر معالم التنزیل سے یہ عبارت پیش کرتے ہیں کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب یہ آیت اتری: وانذر عشیرتك الاقربین تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم فرمایا کہ دعوت کا اہتمام کرو۔ چنانچہ چالیس افراد جمع ہوگئے جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچے اور ان کی اولادیں بھی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب کو کھانا کھلانے کے بعد فرمایا: اے بنی عبدالمطلب! میں تمہارے پاس دنیا وآخرت کی بھلائی لے کر آیا ہوں۔ تو کون ہے جو اس بارے میں میری مدد کرے تو وہ میرا بھائی میرا وصی اور تم میں میرا خلیفہ ہوگا۔ تو سب لوگ خاموش ہوگئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ میں قوم میں سب سے چھوٹا تھا۔ میں نے اٹھ کر کہا: اے اللہ کے نبی! میں اس دین میں آپ کا وزیر بنوں گا۔ تب آپ نے میری گردن پہ ہاتھ رکھ کر فرمایا: هذا اخی ووصیی ووزیری فیکم فاسمعوا له واطیعوه۔ یہ میرا بھائی، میرا وصی اور تم میں میرا خلیفہ ہے۔ تو اس کا حکم مانو اور اس کی اطاعت کرو۔ تو لوگ ہنستے ہوئے کھڑے ہوگئے۔ وہ ابوطالب سے کہنے لگے: تمہیں حکم کیا گیا ہے کہ علی کی اطاعت کرو۔ (تفسیر معالم التنزیل جلد ۵ صفحہ ۱۲۷ مطبوعہ دارالفکر بیروت)

اہل تشیع اس روایت سے دلیل پکڑتے ہیں کہ معلوم ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم ہوا تھا کہ جہاں اپنے دین کی دعوت اپنے خاندان کو دیں وہاں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت کا اعلان بھی کر دیں۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ اعلان کر دیا۔ اب جو اس اعلان کو نہیں مانتا وہ خود سمجھ لے کہ کہاں کھڑا ہے۔

ہم عرض کرتے ہیں ہم بخاری ومسلم کی روایت سے ابھی لکھ چکے ہیں کہ یہ آیت صرف اس لیے نازل ہوئی تا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے خاندان کو دعوت دین دیں۔ سو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان تک دعوت پہنچا دی، رہا اس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کا ذکر تو اس طرح کی روایات اہل تشیع کی گھڑی ہوئی ہیں۔

رہا یہ کہ امام بغوی تو اہل سنت کے عظیم محدث ومفسر ہیں۔ انہوں نے اپنی تفسیر میں یہ روایت درج کی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے اس روایت کی جو سند لکھی ہے ذرا وہ دیکھ لیں تو سارا مغالطہ دور ہو جائے گا۔ امام بغوی نے اس کی سند یوں لکھی ہے: روی محمد بن اسحاق عن عبدالغفار بن القاسم عن المنهال بن عمرو عن عبداللہ بن الحارث بن نوفل بن الحارث بن عبدالمطلب عن ابن عباس عن علی بن ابی طالب۔

اس سند کا پہلا راوی محمد بن اسحاق بھی متکلم فیہ ہے۔ اسے کئی لوگ دجال تک کہتے ہیں اور اس کا دوسرا راوی عبد الغفار بن قاسم ہے۔ جو غالی شیعہ ہے اور یہ روایت اسی کی گھڑی ہوئی ہے۔ اس کے بارے میں امام عبداللہ بن محمد ذہبی متوفی 748ھ فرماتے ہیں:

عبدالغفار بن القاسم ابو مریم الانصاری رافضی لیس بثقة قال علی المدائنی کان یضع الحدیث ویقال کان من رءوس الشیعة۔ عبدالغفار بن قاسم ابومریم انصاری رافضی ہے، ثقہ نہیں ہے، علی بن

مدائنی نے کہا: وہ حدیث گھڑتا تھا اور کہا جاتا ہے کہ وہ سرداران شیعہ میں سے تھا۔ آگے امام ذھبی نے مزید فرمایا کہ امام ابوداود کہتے ہیں کہ یہ عبد الغفار یہ بھی روایت کرتا تھا کہ رسول اللہ ﷺ دنیا میں دوبارہ آئیں گے (اور یہ شیعی عقیدہ رجعت کی ترجمانی ہے) اور امام ابوداود کہتے ہیں: میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ ابومریم عبد الغفار بن قاسم کذاب ہے۔

(میزان الاعتدال جلد ٢ صفحہ ٦٤٠ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اسی لیے شیعہ علماء اس عبد القاسم بن قاسم کو مقبول راوی قرار دیتے ہیں۔

چنانچہ مشہور شیعہ عالم محمد بن علی اردبیلی حائری جو ملا باقر مجلسی کا شاگرد ہے اپنی کتاب ''جامع الرواۃ'' میں لکھتا ہے:

عبد الغفار بن القاسم ابو مریم الانصاری روی عن ابی جعفر وابی عبد الله علیهما السلام ثقة۔ یعنی عبد الغفار ابومریم انصاری امام باقر وامام جعفر سے روایت کرتا ہے اور ثقہ راوی ہے۔

(جامع الرواۃ جلد اول صفحہ ٤٦١ مطبوعہ مکتبہ آیت اللہ مرعشی قم ایران)

اسی طرح مشہور شیعہ عالم قاضی نور اللہ شوستری نے مجالس المؤمنین میں کہا کہ عبد الغفار بن قاسم مقبول راویوں میں سے ہے۔ (مجالس المؤمنین جلد اول صفحہ ٢٠٣)

علاوہ ازیں ایک اور مشہور شیعہ عالم احمد بن علی نجاشی متوفی 450ھ نے کہا: عبد الغفار بن القاسم ابو مریم الانصاری روی عن ابی جعفر وابی عبد الله ثقة۔ عبد الغفار بن قاسم امام باقر وامام جعفر کا راوی ہے اور ثقہ ہے۔ (رجال النجاشی صفحہ ٢٣٦ مطبوعہ شرکت اعلمی بیروت)

تو شیعہ علماء کا اس کی توثیق وتحقیق کرنا بھی ایک سند ہے کہ عبد الغفار بن قاسم مستند شیعہ راوی ہے۔ تو ایسے مستند پکے شیعہ راوی نے اگر یہ روایت گھڑ لی ہو کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا علی میرا وصی اور خلیفہ ہے تو کچھ بعید از قیاس نہیں۔ مگر یہ روایت اہل سنت کے خلاف حجت نہیں بن سکتی۔

وَتَوَکَّلۡ عَلَی الۡعَزِیۡزِ الرَّحِیۡمِ ﴿۲۱۷﴾ لا الَّذِیۡ یَرٰىكَ حِیۡنَ تَقُوۡمُ ﴿۲۱۸﴾ لا وَتَقَلُّبَكَ

اور خدائے غالب ورحیم پر بھروسہ رکھیں جو آپ کو دیکھتا ہے جب آپ (عبادت کے لیے) کھڑے ہوتے ہیں اور وہ

فِی السّٰجِدِیۡنَ ﴿۲۱۹﴾ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ ﴿۲۲۰﴾ هَلۡ اُنَبِّئُكُمۡ عَلٰی مَنۡ تَنَزَّلُ

آپ کا سجدہ گذاروں میں منتقل ہونا دیکھتا ہے۔[59] بے شک وہ سننے والا جاننے والا ہے کیا میں تمہیں بتاؤں کہ

الشَّیٰطِیۡنُ ﴿۲۲۱﴾ ط تَنَزَّلُ عَلٰی كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِیۡمٍ ﴿۲۲۲﴾ لا یُّلۡقُوۡنَ السَّمۡعَ وَاَكۡثَرُهُمۡ

شیاطین کس پر اترتے ہیں؟ وہ ہر دھوکہ باز بدکار پر اترتے ہیں ان پر سنی سنائی باتیں ڈالتے ہیں اور وہ

كٰذِبُوۡنَ ﴿۲۲۳﴾ ط

اکثر جھوٹے ہیں۔[60]

[59] معنی یہ ہے کہ اے پیارے محبوب ﷺ! آپ اس رب پر بھروسہ رکھیں جو آپ کو دیکھتا ہے جب آپ قیام اللیل یا تبلیغ کے لئے کھڑے ہوتے ہیں اور جب آپ سجدہ گزار مسلمانوں میں آتے جاتے ہیں۔

## رسول اللہ ﷺ کے نسب مبارک کی طہارت

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: **و تقلبك من نبی الی نبی**، یعنی آپ کا ایک نبی سے دوسرے نبی کی طرف منتقل ہونا بھی اللہ کی نگاہ میں ہے۔ (مظہری جلد ۷ صفحہ ۸۹، روح البیان جلد ۶ صفحہ ۳۱۳)

یعنی آپ کا نور انبیاء کرام علیہم السلام کی پشتوں میں منتقل ہوتا ہوا آیا۔ آپ کے نسب مبارک میں چھ انبیاء آتے ہیں۔ آدم، شیث، ہود، نوح، ابراہیم اور اسماعیل علیہم السلام۔ اس تفسیر کے مطابق حضور سید عالم ﷺ کے والد گرامی سے لے کر حضرت آدم علیہ السلام تک سب آباء رسول ساجدین یعنی اللہ کے حضور سجدہ کرنے والے ہیں۔

اور اس حقیقت پہ یہ احادیث بھی دلالت کرتی ہیں۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

**بُعثتُ من خیر قرون بنی آدم قرناً فقرناً حتی بُعثتُ من القرن الذی کنتُ فیه**، میں ہر دور میں بنی آدم میں سب سے اچھے لوگوں میں اٹھایا جاتا رہا ہوں۔ تا آنکہ میں اس دور میں اٹھایا گیا جس میں میں پیدا ہوا۔ (بخاری کتاب المناقب باب ۲۳ حدیث ۳۵۵۷)

اور حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اولاد ابراہیم علیہ السلام میں سے

اولادِ اسماعیل کو چنا، پھر ان میں سے بنی کنانہ کو چنا پھر بنی کنانہ میں سے بنی ہاشم کو چنا، پھر مجھے بنی ہاشم میں سے چنا۔
(مسلم کتاب الفضائل حدیث ۱)

یعنی نبی اکرم ﷺ فرمارہے ہیں کہ میرے نسب میں جتنے لوگ آئے ہیں وہ سب خیر والے تھے شر والے نہ تھے۔ اب ایمان سے بڑی خیر کون ہے اور کفر سے بڑی شر کون ہے۔ معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کے تمام آباء ایمان والے تھے کفر والے نہ تھے۔

یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ رسول اللہ ﷺ اور حضرت عبد المطلب اور ان کے آباء زمانۂ فطرت میں تھے۔ جس میں کسی رسول کی تعلیمات زندہ نہیں تھیں۔ ایسے دور میں صرف اللہ کی توحید پہ ایمان رکھنا ہی مومن ہونے کے لیے کافی ہے اور ہم بانگِ دہل علی الاعلان کہتے ہیں کہ بتاؤ رسول اللہ ﷺ کے آباء کرام میں سے کون مشرک اور منکر توحید تھا۔ جب وہ سارے اہل توحید و اہل ایمان تھے تو انہیں کافر و مشرک کہنا شدید ایذاء مصطفی ﷺ ہے۔

## آبائے رسول ﷺ کے ایمان پہ مفسر کی لکھی ہوئی ایک خوبصورت نعت

منبعِ افضلِ ایمان ہیں آبائے رسول — مخزنِ اکملِ ایقان ہیں آبائے رسول
پڑھ لو قرآں و تقلبك خدا فرمائے — موردِ آیۂ قرآن ہیں آبائے رسول
منتقل ان میں ہوا نور حبیب داور — ایسے خوش بخت ہیں ذیشان ہیں آبائے رسول
شرک سے پاک ہیں اور افضلِ اہلِ فترت — دینِ توحید کے نگران ہیں آبائے رسول
ان کی پیشانیاں تھیں نور نبی سے روشن — جلوۂ مطلعِ عرفان ہیں آبائے رسول
قصۂ فیل میں وہ جد نبی کا کردار — بیت رحمان کے دربان ہیں آبائے رسول
قصۂ تقوائے عبداللہ کو سن لو طیبؔ — کیسے ارباب وجدان ہیں آبائے رسول

[60] آیت 215 کے تحت گزرا کہ کفار کہتے تھے حضور ﷺ پر شیاطین یہ قرآن اتارتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کے جواب میں فرمارہا ہے کہ شیاطین حضور ﷺ جیسے صادق و امین شخص پر نہیں اترتے بلکہ وہ مکار دھوکہ باز بدکار کاہنوں پر اترتے ہیں اور انہیں آسمانی فرشتوں سے جو بات کسی حد تک سن پاتی ہے اسے لے کر کاہنوں کے پاس جاتے ہیں اور اس کے ساتھ سو جھوٹ ملا کر بتاتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''شیاطین ملائکہ کی گفتگو سے کوئی چیز اُچک لیتے ہیں جیسے مرغ کوئی دانہ اُچک لے پھر اس کے ساتھ سو جھوٹ ملا کر اسے اپنے ساتھی کاہنوں پر ڈالتے ہیں۔''
(بخاری کتاب الطب باب ۴۶ مسلم کتاب السلام حدیث ۱۲۲)

وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ﴿٢٢٤﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِیْ كُلِّ وَادٍ یَّهِیْمُوْنَ ﴿٢٢٥﴾

اور (جھوٹے) شعراء کی پیروی گمراہ لوگ کرتے ہیں کیا تم نہیں دیکھتے کہ وہ ہر وادی میں بھٹکتے پھرتے ہیں

وَاَنَّهُمْ یَقُوْلُوْنَ مَا لَا یَفْعَلُوْنَ ﴿٢٢٦﴾ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

اور جو کچھ وہ نہیں کرتے اس کا دعوی کرتے ہیں[61] سوا ان (شعرآء) کے جو ایمان لائے اور اچھے اعمال کیے

وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِیْرًا وَّانْتَصَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا ؕ وَسَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ

اور انہوں نے کثرت سے اللہ کا ذکر کیا اور مظلومیت کے بعد بدلہ لیا۔ اور عنقریب ظالموں کو

ظَلَمُوْۤا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ ﴿٢٢٧﴾

پتہ چل جائے گا وہ کس کروٹ بدلتے ہیں۔[62]

## شاعری کونسی اچھی ہے اور کونسی بری

[61] یہاں اللہ تعالیٰ جھوٹی شاعری کی مذمت فرما رہا ہے۔تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مبالغہ آرائی کرنے والے جھوٹے شعرآء کے پیچھے گمراہ لوگ چلتے ہیں اور ایسے شعراء ہر وادی میں بھٹکتے پھرتے ہیں یعنی جب انہیں کسی شخص سے مفاد ہو تو اس کی تعریف میں مدحیہ شاعری کرتے ہوئے اسے آسمان پر بٹھا دیتے ہیں خواہ وہ کتنا برا شخص ہو اور جس شخص سے ان کی دشمنی ہو جائے اس کی ہجو اور ذم میں ایسا مبالغہ کرتے ہیں کہ اسے آسمان سے زمین پر پٹخ دیتے ہیں خواہ وہ کتنا اچھا آدمی ہو اور شعراء اپنے اشعار میں جو کچھ کہتے ہیں وہ ان کے عمل میں نہیں ہوتا بلکہ وہ محض مبالغہ آرائی اور شاعرانہ تخیل ہوتا ہے۔ جیسے ایک شاعر کہتا ہے۔

رات بھر میں اس طرح رویا تھا ہجر یار میں      چار ندیاں آٹھ نالے دو سو دریا بہہ گئے

مشہور ہے کہ مزاحیہ شاعر امام دین گجراتی کے پاس ایک شاعر نے ایسا ہی ایک مبالغہ آمیز شعر برائے اصلاح پیش کیا۔شعر یہ تھا۔

زمیں بیچتا ہوں زماں بیچتا ہوں      محبت میں سارا جہاں بیچتا ہوں

امام دین گجراتی نے کہا یہ سارا شعر ہی غلط ہے اس میں سب جھوٹ اور مبالغہ ہے کیونکہ زمین و زماں اور سارے جہاں کو کون بیچ سکتا ہے۔ البتہ اگر اس کی جگہ پر یوں کہا جا سکتا ہے آگے امام دین نے اپنی مزاحیہ شاعری کی جوت

جگاتے ہوئے کہا:

میں مجھ بیچتا ہوں میں گاں بیچتا ہوں حویلی کی ساری میں تھاں بیچتا ہوں

الغرض عموماً شاعروں کا کام مبالغہ آرائی کرنا ہے اور قرآن کے مطابق ان کے دعوے کے ساتھ عمل نہیں ہوتا گویا جھوٹ پر مبنی شاعری اللہ تعالیٰ کے ہاں ناپسندیدہ ہے۔ ایسی شاعری کے بارے میں نبی پاک ﷺ نے فرمایا اگر تم میں سے کسی کا پیٹ پیپ سے بھر جائے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ اس کا پیٹ شعروں سے بھرے۔

(بخاری کتاب الادب باب ۹۲، مسلم کتاب الشعر حدیث ۷)

[62] یعنی وہ شعرآء جو ایمان لائیں، اچھے اعمال کریں اور اپنے اشعار میں کثرت سے اللہ کا ذکر کریں یعنی حمد ونعت پر مبنی شاعری کریں (کیونکہ نعت رسول ﷺ کہنا بھی حقیقت میں ذکرِ خدا ہے) اور وہ ظلم سہنے کے بعد بدلہ لیں یعنی اپنے اشعار سے دشمنانِ خدا اور رسول کی مذمت کریں تو ایسے شعرآء وہ نہیں ہیں جو ہر وادی میں بھٹکتے پھریں بلکہ ان کا مقام بہت عظیم ہے۔

## حمد ونعت اور حمایت دین پہ مشتمل شاعری کی فضیلت

جب یہ آیت وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ﴿۲۲۴﴾ اتری تو حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ (جو شاعر دربار رسالت تھے) عرض کرنے لگے یا رسول اللہ ﷺ میرا کیا بنے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا مومن اپنی تلوار سے بھی جہاد کرتا ہے اور اپنی زبان سے بھی اور تمہارے اشعار کفار کے سینوں میں نیزوں سے گہرے گھاؤ کرتے ہیں۔ (تفسیر بغوی جلد ۵ صفحہ ۱۳۰)

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے لئے مسجد میں (خصوصی طور پر) منبر رکھواتے جس پر بیٹھ کر وہ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے جواب دیتے اور آپ ﷺ فرماتے جب تک حسان اللہ کے رسول کی طرف سے دفاع کرتا ہے اللہ تعالیٰ جبرائیل کے ذریعے اس کی مدد کرتا ہے۔ (بخاری کتاب المناقب باب ۱۶، مسلم کتاب الفضائل حدیث ۱۵۴) اور حضور ﷺ کا ارشاد ہے: ان من الشعر لحکمةً۔ بے شک شعر میں حکمت ہے۔

(بخاری کتاب الادب باب ۹۰)

معلوم ہوا کہ حمد ونعت والی شاعری ایک جہاد ہے۔ اور دعوت وتبلیغ دین کا بہترین ذریعہ ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کچھ شعراء دربار رسالت تھے۔ جن میں سے حضرت حسان بن ثابت، کعب بن مالک، کعب بن زہیر اور عباس بن عبد المطلب ودیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کے اسماء گرامی سیرت النبی ﷺ میں درخشندہ ستاروں کی مثل تاباں ہیں۔ پھر ہر زمانہ میں ایسے شعراء اسلام آتے رہے جن کے اشعار نے دفاع اسلام میں وہ کام کیا جو مجاہدین کی تلواریں اور نیزے کرتے ہیں۔ جیسے امام بوصیری، شیخ سعدی، مولانا رومی ملا جامی، اور امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہم۔

راقم الحروف محمد طیب غفرلہ کو بھی حمد ونعت کی شاعری کا ایک ذوق ہے۔ جب کبھی تنہائی میسر ہو، طبیعت حاضر ہو اور

محبت جوش پہ ہوتو کچھ اشعار دل پہ اترنے لگتے ہیں۔ اب تک میں نوے کے قریب مختلف کلام لکھ چکا ہوں جو حمد، نعت، منقبت اور عقائد اسلامیہ سے متعلق ہیں۔ حال ہی میں میں نے پورے قصیدہ بردہ شریف کا منظوم ترجمہ بھی لکھا ہے جو 161 اشعار پہ مشتمل ہے۔ جس کا ہر شعر میم پہ ختم ہوا ہے۔ جیسا کہ خود قصیدہ بردہ کا ہر شعر میم پہ ختم ہوتا ہے۔ اس جگہ بطور نمونہ میں اپنی لکھی ہوئی وہ نعت پیش کرنا چاہتا ہوں جو میں نے امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تتبع میں چار زبانوں میں لکھی ہے۔ ہر شعر کا پہلا مصرعہ عربی میں، دوسرا فارسی میں تیسرا پنجابی اور آخری اردو میں ہے۔ اس کے بعض اشعار یوں ہیں۔

## مفسر کے قلم سے لکھی ہوئی چار زبانوں پہ مشتمل ایک نعت شریف

| | |
|---|---|
| من نورك خُلق جميعُ الورٰى | شد پیدا ز نورت شمس وقمر |
| تیرے نور توں چمکی سب دنیا | تیرے نور سے چمکا ہر اختر |
| سمّاك الله المصطفٰى | انسانے نہ زادہ مثل شما |
| کوئی تیرے ورگا نئیں بنیا | تیرا مثل نہیں ہے کوئی بشر |
| ما رُءِی مثيلك فی العالم | اے سید جملہ بنی آدم |
| رب چارے خاک پا دی قسم | کوئی تم سا کسی کو نہ آیا نظر |
| تأتيك الغِزلةُ تستلجی | تو پناہِ شتر غمزدہ ای |
| ہر شے اے کلمہ تیرا پڑھدی | تیرے آگے جھکیں سب شجر وحجر |
| احكامُك نافذةٌ فی الدنيا | اے حاکم ملک ارض وسما |
| کل عرشاں فرشاں تے راج تیرا | تیری مِلک میں ہے سب بحر وبر |
| لك اخبار بجميع الورٰى | چشم تو بیند ہر شے را |
| تیری نظراں وچ وے سب دنیا | تجھے ارض وسما کی ساری خبر |
| الشمسُ بامرك قد رجعت | شد قمر دوپارہ باشارت |
| تیری بدلاں تے نافذ ہے حکومت | محکوم تیرے سب جن وبشر |
| يا شفيع الامة يوم الجزا | اے مالک جملہ ملک خدا |
| تسیں کھولو گے در جنت دا | ہیں آپ ہی شافع روز حشر |
| هذا فضل الله الاعلٰى | منم و توصیف شاہ ہُدیٰ |
| میں کون تے کتھے کلام رضا | نہیں مجھ میں تو کچھ بھی علم وہنر |

العبد حزین بذنوبه شد حالت او ناگفته به

اے طیبؐ کھاندا ٹکڑے تیرے یہی نسبت ہے میرا زاد سفر

آخر میں اللہ نے فرمایا ظلم کرنے والوں یعنی اپنے اشعار کے ذریعے اسلام سے لوگوں کو بدظن کرنے والوں کو عنقریب پتہ چل جائے گا کہ وہ کس کروٹ پر بدلتے ہیں یعنی ان کے اشعار غالب آتے ہیں یا اللہ کا قرآن غالب آتا ہے۔

---

الحمدللہ آج 8 ربیع الاول 1429ھ مطابق 16 مارچ 2008ء بروز پیر بعد نماز ظہر سورہ شعرآء کی تفسیر ختم ہوئی۔

وصلی اللہ علی حبیبہ خیر خلقہ محمد والہ وصحبہ اجمعین۔

# سورۃ النمل

سورۃ النمل ترتیب تلاوت کے اعتبار سے قرآن کریم کی 28 ویں سورت ہے اور ترتیب نزول کے اعتبار سے 47 ویں سورت ہے۔ یہ مکہ میں نازل ہوئی اس میں سات رکوعات ترانوے (93) آیات، تین سوسترہ (317) کلمات اور چار ہزار سات سو نناویں (4790) حروف ہیں۔ اسے سورہ نمل اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں ایک نمل (چیونٹی ANT) کا ذکر ہے۔ اس کی آیت 18 اور 19 میں مذکور ہے کہ ایک بار ایک وادی میں چیونٹیوں کی ملکہ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکر کو دور سے آتا دیکھ کر حکم دیا کہ جلدی سے اپنے اپنے سوراخوں میں داخل ہو جاؤ کہیں لشکر سلیمانی تمہیں کچل نہ دے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام چیونٹی کی یہ بات سن کر مسکرا پڑے۔ یہ واقعہ اسی سورت میں مذکور ہے کسی اور سورت میں نہیں۔ اس مناسبت سے اسے سورۂ نمل کہا گیا۔

## مضامین

اس سورت کے پہلے رکوع میں موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا ذکر ہے۔ دوسرے رکوع میں داؤد اور سلیمان علیہما السلام کا ذکر خیر اور چیونٹی کا واقعہ ہے تیسرے رکوع میں سلیمان علیہ السلام کے حکم پر ایک ولی کامل کا ملکہ بلقیس کے تخت کو چشم زدن میں یمن سے عراق میں حاضر کرنے کا واقعہ مذکور ہے اور چوتھے رکوع میں مختلف انبیاء کی تبلیغی مساعی کا اجمالی بیان ہے اور پانچویں چھٹے اور ساتویں رکوع میں توحید و رسالت، حقانیتِ قرآن اور اثباتِ قیامت کا بیان ہے۔

## ماقبل سے مناسبت

اس سے قبل سورہ شعراء ہے جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا زیادہ ذکر ہے۔ پھر دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کے تذکرے بھی ہیں۔ اور سورہ نمل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام ہی سے بات شروع کی گئی، پھر حضرت داود علیہ السلام، سلیمان علیہ السلام اور دیگر انبیاء کرام کا ذکر خیر ہے۔ گویا دونوں سورتوں کا ایک ہی انداز بیان ہے۔

راجی رحمۃ الرب عبدہ المذنب قاری محمد طیب غفرلہ

اٰیاتها ٩٣ ٢٧ سُوْرَةُ النَّمْلِ مَكِّيَّةٌ ٤٨ رکوعاتها ٧

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

طٰسٓ قف تِلْكَ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ وَكِتَابٍ مُّبِيْنٍ ۙ ① هُدًى وَّبُشْرٰى

طاء سین یہ قرآن اور روشن کتاب کی آیات ہیں جو ان مومنوں کے لیے ہدایت

لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ ② الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ

اور بشارت ہیں۔ جو نماز قائم کرتے زکوٰۃ دیتے اور آخرت پہ

هُمْ يُوْقِنُوْنَ ③ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ زَيَّنَّا لَهُمْ اَعْمَالَهُمْ

یقین رکھتے ہیں۔[1] بے شک جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے ہم نے ان کے لیے ان کے اعمال

فَهُمْ يَعْمَهُوْنَ ۗ ④ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْعَذَابِ وَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ

آراستہ کیے ہیں تو وہ بھٹک رہے ہیں۔ ان لوگوں کے لیے (دنیا میں) بُرا عذاب ہے اور آخرت میں وہ سب سے

هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ⑤ وَاِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْاٰنَ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ عَلِيْمٍ ⑥

زیادہ خسارے میں ہوں گے۔[2] اور آپ کو حکمت وعلم والے رب کی طرف سے قرآن سکھایا جاتا ہے۔[3]

الثلثة

## قرآن کی صداقت اور ایمان بالآخرت کی اہمیت

[1] طاء اور سین حروف مقطعات ہیں جن کا حقیقی مفہوم اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ آگے فرمایا گیا کہ یہ سورہ نمل قرآن کی آیات ہیں اور روشن کتاب یعنی لوح محفوظ کی آیات ہیں کیونکہ قرآن پہلے لوح محفوظ میں تھا پھر وہاں سے حضور ﷺ پر اتارا گیا اور یہ آیات قرآنیہ ان مومنوں کے لئے ہدایت اور بشارت ہیں جو نماز وزکوۃ کی پابندی کریں اور آخرت پہ یقین رکھیں۔ اسی لئے سورہ بقرہ کے آغاز میں کہا گیا۔ قرآن ان پرہیز گاروں کے لئے ہدایت ہے جو غیب پر ایمان لاتے نماز قائم کرتے اور جو ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں اور جو کچھ آپ کی طرف یا آپ

سے قبل اتارا گیا اس پر ایمان لاتے اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ اصل میں قرآن ساری انسانیت کے لئے ہدایت ہے مگر اس ہدایت سے پرہیز گار لوگ ہی فائدہ اٹھاتے ہیں جو خوفِ خدا کے ساتھ احکامِ خداوندی بجالائیں اور روزِ آخرت کا ڈر بھی دل میں رکھتے ہوں۔

[2] جب کہا گیا کہ قرآن آخرت پر یقین رکھنے والوں کے لئے ہدایت ہے تو ساتھ ہی فرمایا گیا کہ آخرت پر یقین نہ رکھنے والوں کا حال یہ ہے کہ ان کے لئے ان کے اعمال آراستہ کئے گئے ہیں وہ اپنے بُرے اعمال کو عمدہ سمجھتے ہیں وہ آخرت پر ایمان لانے کو پاگل پن تصور کرتے ہیں۔ اس طرح وہ ضلالت کی وادیوں میں بھٹکتے پھرتے ہیں۔ ان کے لئے دنیا میں بُرا عذاب ہے کہ وہ ایمانی تشکیک میں مبتلا ہیں۔ ان پر قتل وجزیہ کی سزائیں نافذ ہیں اور مرتے ہوئے انہیں دردناک موت کا سامنا کرنا پڑتا ہے جبکہ آخرت وہ سب سے زیادہ خسارہ میں ہوں گے کیونکہ انہوں نے آخرت کے تصور ہی سے انکار کیا تو آخرت میں اس انکار کا بدتر مزہ بھی وہی چکھیں گے۔

[3] عارفِ ربانی امام نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس آیت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سب انبیاء پر برتری معلوم ہوتی ہے کیونکہ دیگر انبیاء کو جبرائیل علیہ السلام کے ذریعے کتاب دی گئی اور آپ کو قرآن کے الفاظ تو جبرائیل علیہ السلام کے ذریعے دیئے گئے مگر اس کے اسرار اور اس کی گہری حکمتیں براہ راست اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب پر اتاریں اور جبرائیل علیہ السلام کو ان کی خبر تک نہیں اسی لئے مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ عَلِيْمٍ کہہ کر ان حکمتوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ (روح البیان جلد ۶ صفحہ ۳۲۵) یعنی یہ حکمتیں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان راز کی باتیں ہیں۔ جن کی خبر فرشتۂ وحی حضرت جبرائیل علیہ السلام کو بھی نہیں ہے۔

معلوم ہوا حضرت جبرائیل کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا استاذ کہنا صحیح نہیں ہے وہ استاذ نہیں خادم ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ڈاک آپ تک پہنچاتے ہیں مگر ڈاک میں پیغام کیا ہے وہ اس کی خبر نہیں رکھتے۔ انگلش میں کہتے ہیں:

Post man delivers letter, but doesn't know the matter.

یعنی ڈاک والا خط پہنچاتا ہے مگر خط کے مضمون کا علم نہیں رکھتا۔ یہی حال جبرائیل امین علیہ السلام کا ہے۔

| |
|---|
| اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِاَهْلِهٖۤ اِنِّیْۤ اٰنَسْتُ نَارًا ؕ سَاٰتِیْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ اٰتِیْكُمْ |
| یاد کرو جب موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنے گھر والوں سے کہا میں نے آگ دیکھی ہے۔ میں ابھی اس کی خبر لاتا ہوں یا کوئی |
| بِشِهَابٍ قَبَسٍ لَّعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ۝ فَلَمَّا جَآءَهَا نُوْدِیَ اَنْۢ بُوْرِكَ |
| چمکتی چنگاری۔ تاکہ تم آگ تاپ سکو۔ [4] جب آپ آگ پر پہنچے تو ندا کی گئی کہ برکت والا ہے |
| مَنْ فِی النَّارِ وَ مَنْ حَوْلَهَا ؕ وَ سُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ یٰمُوْسٰۤى اِنَّهٗۤ |
| جو آگ میں ہے اور جو اس کے گرد ہے اور پاک ہے اللہ، رب کائنات ۔ اے موسیٰ |
| اَنَا اللّٰهُ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝ وَ اَلْقِ عَصَاكَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ |
| میں اللہ ہوں، غالب ودانا، [5] اور آپ اپنا عصا پھینک دیں، جب آپ نے اسے حرکت کرتے دیکھا جیسے وہ سانپ ہو |
| وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّ لَمْ یُعَقِّبْ ؕ یٰمُوْسٰى لَا تَخَفْ ۫ اِنِّیْ لَا یَخَافُ لَدَیَّ |
| تو آپ اُلٹے پاؤں بھاگے اور مڑ کر نہ دیکھا (اللہ تعالیٰ نے فرمایا) اے موسیٰ! ڈرو نہیں میرے حضور رسول |
| الْمُرْسَلُوْنَ ۝ اِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًۢا بَعْدَ سُوْٓءٍ فَاِنِّیْ غَفُوْرٌ |
| نہیں ڈرتے۔ سوا اس شخص کے جو ظلم کرے، [6] پھر برائی کے بعد اچھائی کرے تو میں بخشنے والا |
| رَّحِیْمٌ ۝ |
| مہربان ہوں۔ [7] |

## حضرت موسیٰ علیہ السلام کے منصب نبوت پر فائز کیے جانے کا واقعہ

[4] دیگر متعدد مکی سورتوں کی طرح سورہ نمل میں بھی انبیاء سابقین کا ذکر فرمایا گیا ہے تاکہ کفار یہ سمجھیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رسول بن کر آنا نئی بات نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہر زمانہ میں انسانیت کی ہدایت کے لئے انبیاء بھیجے ہیں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بات شروع کی جارہی ہے۔ آپ جب مدین میں حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس دس برس گزار کر واپس مصر کو لوٹے تو راستہ میں کوہِ طور کے قریب سے گزر ہوا۔ آپ کے ساتھ آپ کی بیوی صفورا بنتِ شعیب علیہ السلام بھی تھیں۔ شدید

سرد موسم تھا تاریک رات تھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تاریکی میں دور سے آگ دکھائی دی۔ آپ نے بیوی سے فرمایا ٹھہرو مجھے آگ نظر آ رہی ہے میں آگ کی خبر لاتا ہوں اور اگر ہو سکا تو آگ سے چنگاری لے آؤں گا تاکہ اس سے تم آگ جلا کر خود کو تاپ سکو۔ آپ کی بیوی اس وقت امید سے تھیں اور سفر اور سردی کی صعوبت نے انہیں نڈھال کر رکھا تھا۔

## بیوی اہل بیت میں شامل ہے اور اس کے لیے جمع مذکر کے صیغے بولے جاتے ہیں

اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِاَهْلِهٖ سے معلوم ہوا بیوی اہل بیت میں سے ہوتی ہے اور اسے جمع مذکر کے صیغوں سے یاد کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ خود لفظ اہل جمع مذکر کے معنی میں ہے۔ تو اس کی طرف لوٹنے والی ضمیریں بھی جمع مذکر کی لائی جاتی ہیں۔ اس لیے یہاں کہا گیا: سَاٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ اٰتِيْكُمْ بِشِهَابٍ قَبَسٍ لَّعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ۝

اسی طرح دوسری جگہ فرمایا گیا: قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّيْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ۝٢٩ ''موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی بیوی سے فرمایا ٹھہرو میں آگ محسوس کرتا ہوں۔ شائد میں تمہارے لیے آگ کی خبر لاؤں، یا آگ کی چنگاری، تاکہ تم اسے تاپ سکو۔'' (قصص، ٢٩)

اسی طرح اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ۝٣٣ (احزاب: ٣٣) کا مصداق ازواج رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اگرچہ یہ جمع مذکر کے صیغے ہیں۔ مگر بعض لوگ مغالطہ ڈالنے کے لیے انہیں اس آیت سے نکالتے ہیں۔ جو قرآن کے ساتھ زیادتی ہے۔

[5] حضرت موسیٰ علیہ السلام جب آگ کی طرف گئے تو دیکھا کہ وہ بیری کا ایک درخت ہے جس پر نور ہی نور چھایا ہوا ہے۔ جو آگ کی مانند دکھائی دیتا ہے مگر درخت جلتا نہیں بلکہ گہرا سبز ہوتا جا رہا ہے۔ پھر درخت میں سے آواز آئی کہ برکت والا ہے جو آگ میں ہے اور جو اس کے آس پاس ہے۔ اکثر مفسرین کے نزدیک جو آگ میں ہے اس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام مراد ہیں کیونکہ وہ اس وقت آگ کی روشنی میں گم تھے اور جو آس پاس ہے اس سے فرشتے مراد ہیں جنہوں نے اس وقت اس ماحول کو گھیر رکھا تھا تاکہ وحی الٰہی میں شیاطین دخل اندازی نہ کر سکیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا ۝٢٧ اللہ رسول کے آگے پیچھے پہرہ بٹھا دیتا ہے۔ (جن: ٢٧) اور درخت سے آواز آئی اے موسیٰ! میں اللہ ہوں غالب و دانا۔ دوسری جگہ فرمایا گیا: نُوْدِيَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَيْمَنِ فِي الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ يّٰمُوْسٰٓى اِنِّيْٓ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝٣٠ ''وادی ایمن کے کنارے سے بقعہ مبارکہ میں درخت سے آواز آئی اے موسیٰ! میں اللہ رب العالمین ہوں۔'' (قصص: ٣٠)

حدیث میں ہے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ کا حجاب نور ہے اگر حجاب اٹھا دیا جائے تو اس کی ذات کی تابانیاں ہر چیز کو جلا دیں۔ پھر راوی نے یہی آیت پڑھی: اَنْۢ بُوْرِكَ مَنْ فِي

النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا ؕ (مسلم کتاب الایمان حدیث ۲۹۳) یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو آگ دیکھی وہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ کا حجاب نور تھا۔

[6] اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ علیہ السلام اپنا ہاتھ والا عصا زمین پر پھینک دیں جب آپ نے پھینکا تو وہ سانپ بن کر لہرانے لگا۔ آپ یہ منظر دیکھ کر ڈر گئے اور اُلٹے پاؤں پیچھے ہٹے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ علیہ السلام ٹھہریں خوف نہ کریں آپ میرے رسول ہیں اور رسولوں کو میرے حضور کوئی خوف نہیں رکھنا چاہئے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس سانپ کو پکڑا تو وہ پھر پہلے والا عصا بن گیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ منظر اس لئے دکھایا تاکہ جب آپ دربار فرعون میں جا کر عصا پھینکیں اور وہ اژدھا بنے تو آپ گھبرائیں نہیں کیونکہ جو چیز ایک بار دیکھ لی جائے خواہ وہ کس قدر خوفناک ہو اسے دوبارہ دیکھنے سے وہ خوف لاحق نہیں ہوتا۔

[7] یعنی اے موسیٰ علیہ السلام میرے ہاں رسولوں کو خوف نہیں رکھنا چاہئے مگر جو شخص بُرائی کر کے پھر اچھائی کرے یعنی توبہ کی طرف مائل ہو اسے میرے ہاں خوف رکھنا چاہیے کہ کہیں اس پر گناہ کی پکڑ نہ آئے مگر اسے اس کے ساتھ رحمت کی امید بھی رکھنی چاہئے کیونکہ میں بخشنے والا مہربان ہوں۔ یعنی اے موسیٰ جب آپ رسول ہیں تو آپ کو کیسا خوف؟ کیونکہ رسول تو گناہ سے پاک ہوتا ہے۔ تو اِنِّیْ لَا یَخَافُ لَدَیَّ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۱۰﴾ سے مرسلین کے معصوم ہونے پہ استدلال کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ اس کے بعد اِلَّا مَنْ ظَلَمَ کہہ کر اسی بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

وَاَدْخِلْ يَدَكَ فِيْ جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ قف فِيْ

اور آپ اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈالیں تو وہ کسی بیماری کے بغیر چمکتا ہوا نکلے گا یہ

تِسْعِ اٰيٰتٍ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَقَوْمِهٖ ط اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿١٢﴾ فَلَمَّا

نو نشانیوں میں سے ہے، جو فرعون اور اس کی قوم کی طرف ارسال کردہ ہیں بے شک وہ بدکردار لوگ تھے۔[8] جب

جَآءَتْهُمْ اٰيٰتُنَا مُبْصِرَةً قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿١٣﴾ ج وَجَحَدُوْا بِهَا

ان کے پاس ہماری کھلی نشانیاں آگئیں تو وہ کہنے لگے یہ تو کھلا جادو ہے۔ انہوں نے (زبان سے)

وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا ط فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ

ان سے انکار کیا اور ان کے دل ان پر یقین رکھتے تھے یہ ان کے ظلم اور سرکشی سے تھا تو دیکھو کہ فسادیوں کا انجام

الْمُفْسِدِيْنَ ﴿١٤﴾ ع

کیسا تھا[9]

[8] اور اے موسیٰ علیہ السلام آپ اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈالیں تو وہ چمکتا ہوا باہر نکلے گا اور ہاتھ کو کوئی تکلیف یا مرض لاحق نہ ہوگی۔ چنانچہ آپ نے ایسا ہی کیا تو آپ کا ہاتھ سورج کی طرح تیز چمکنے لگا پھر آپ نے اسے گریبان میں ڈالا تو اس کا نور جاتا رہا۔ اگر کہا جائے کہ ایک جگہ قرآن میں ہے: وَاضْمُمْ يَدَكَ اِلٰى جَنَاحِكَ۔ اے موسیٰ اپنا ہاتھ اپنے بازو کے نیچے (بغل میں) دباؤ۔ (طٰہٰ ٢٢) اور یہاں فرمایا گیا ہے کہ اپنا ہاتھ گریبان میں ڈالو، یہ تضاد ہے، تو اس کا کیا جواب ہے؟

تو اس کا جواب مفسرین نے یوں دیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس وقت چوغہ پہن رکھا تھا جس کا گریبان کھلا تھا تو آپ کو یہ حکم ہوا کہ گریبان میں ہاتھ ڈال کر اپنی بغل کے اندر دبائیں۔

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ علیہ السلام یہ دو نشانیاں ان نو نشانیوں میں سے ہیں جو ہم نے آپ کو فرعون اور اس کی قوم کو دکھانے کے لئے دی ہیں وہ بہت بدکردار لوگ ہیں چنانچہ باقی سات نشانیاں بعد میں ظاہر کی گئیں یعنی طوفان، مکڑیاں، جوئیں، مینڈک، خون، قحط سالی اور سمندر کا پھٹنا۔

معلوم ہوا پہلے انبیاء کو گن کر معجزات دیئے گئے مگر سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات ان گنت ہیں بلکہ معجزات کو آپ

کے تابع کر دیا گیا ہے۔جس کسی نے آپ سے جو معجزہ مانگا آپ نے دکھا دیا۔ بشرطیکہ اس کے دکھانے میں اللہ تعالیٰ کی مرضی شامل ہو۔ جب کسی نے کہا کہ اگر یہ درخت آپ کے پاس چل کر آ جائے تو میں کلمہ پڑھ لوں گا تو آپ نے فوراً درخت کو حکم دیا اور وہ چل کر آپ کے پاس حاضر ہو گیا۔ جب کسی نے کہا کہ بتائیں میری مٹھی میں کیا ہے تو اس کی مٹھی کی کنکریاں کلمہ پڑھنے لگیں۔

[9]، چنانچہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون اور اس کی قوم کے پاس پہنچے تو آپ کے ہاتھ پر اللہ کی کھلی نشانیاں ظاہر ہوئیں عصا سانپ بنا اور جادوگروں کی سب رسیاں اور لکڑیاں کھا گیا آپ کا ہاتھ مثل آفتاب چمکا، پھر فرعونیوں پر طوفان، مکڑیاں اور جوئیں وغیرہ ظاہر ہوئیں اور وہ شدید اذیت میں مبتلا ہوئے مگر ایمان لانے کی بجائے ظلم و سرکشی سے یہی کہتے رہے کہ یہ کھلا جادو ہے حالانکہ ان کے دل یقین رکھتے تھے کہ آپ جادوگر نہیں ہیں وہ سمجھتے تھے کہ اگر آپ جادوگر ہوتے تو آپ کا عصا سارے سانپوں کو کھا نہ جاتا کیونکہ جادو تو صرف فریب نظر ہوتا ہے۔ جب وہ ایمان نہ لائے تو دیکھو ان فسادیوں کا انجام کیسا خوفناک تھا۔

اس میں کفار مکہ اور قیامت تک آنے والے دیگر دشمنان اسلام کے لئے تنبیہ ہے کہ وہ اسلام دشمنی سے باز رہیں ورنہ ان کا انجام خوفناک ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ عِلْمًا ۚ وَقَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ فَضَّلَنَا عَلٰى

اور بلاشبہ ہم نے داؤد اور سلیمان (علیہما السلام) کو علم عطا فرمایا اور دونوں نے کہا سب تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے ہمیں

كَثِيْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵﴾ وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ وَقَالَ يٰۤاَيُّهَا

اپنے بہت سے مومن بندوں پر فضیلت عطا فرمائی۔[10] اور سلیمان (علیہ السلام) داؤد (علیہ السلام) کے وارث ہوئے۔[11] اور

النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ وَاُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ؕ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ

انہوں نے کہا اے لوگو! ہمیں پرندوں کی بولی سکھائی گئی اور ہمیں ہر نعمت میں سے حصہ دیا گیا، بے شک یہ اللہ کا

الْفَضْلُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۶﴾ وَحُشِرَ لِسُلَيْمٰنَ جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالطَّيْرِ

کھلا فضل ہے اور سلیمان (علیہ السلام) کے لیے جنوں انسانوں اور پرندوں کے لشکر اکٹھے کیے گئے تو وہ

فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ﴿۱۷﴾

روکے جاتے تھے۔[12]

## حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام پر اللہ تعالیٰ کی نعمتیں

[10] حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد حضرت داؤد و سلیمان علیہما السلام کا ذکر خیر فرمایا جا رہا ہے ان کے ذکر خیر میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے سامان تسلی ہے کہ جیسے ان دونوں باپ بیٹا کو اللہ تعالیٰ نے نبوت کے ساتھ حکومت عطا فرمائی ایک دن آنے والا ہے کہ آپ کے لئے بھی نبوت کے ساتھ حکومت جمع ہو جائے گی۔ یونہی مکی دور میں آپ سے جو معجزات ظاہر ہوئے جیسے شق القمر، تکثیر طعام اور تکلیم احجار و حیوانات وغیرہ کفار مکہ انہیں جادوگری کہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد و سلیمان علیہما السلام کے معجزات بیان کر کے بتایا کہ ایسے نشانات پہلے انبیاء کرام کے ہاتھ پر بھی ظاہر ہوتے رہے ہیں۔ ان سے انکار کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

تو آغاز میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ داؤد اور سلیمان علیہما السلام کو اللہ نے علم عطا فرمایا اس سے علم نبوت مراد ہے جو عرفان الٰہی، معرفتِ حقوق اللہ و حقوق العباد اور علم احکام سے عبارت ہے۔ علاوہ ازیں حضرت داؤد علیہ السلام کو پہاڑوں کی تسبیح اور زرہیں بنانے کا علم اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو جنات و حیوانات و طیور کی بولیاں سمجھائی گئیں۔ اور باپ بیٹا دونوں حصول علم

پر حمدِ الٰہی بجالاتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے کثیر مومن بندوں پر فضیلت دی ہے۔ یہاں مومن بندوں سے انبیاء مراد ہیں یعنی حضرت داوٗد و سلیمان علیہما السلام کو کثیر انبیاء پر فضیلت دی گئی کیونکہ انہیں نبوت کے ساتھ ظاہری حکومت دی گئی جو اکثر انبیاء کو نہ دی گئی پھر انہیں جانوروں کی بولیاں سکھائی گئیں جو اکثر انبیاء کو نہ سکھائی گئیں۔ یہاں مومن بندوں سے عام مومنین مراد نہیں ہیں کیونکہ اللہ کا نبی تمام غیر نبی مومنین سے افضل ہوتا ہے نہ کہ اکثر سے۔

[11] حضرت داوٗد علیہ السلام کے وصال کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام ان کے علوم نبوت اور ان کی حکومت کے وارث ہوئے اور لوگوں سے کہا اے لوگو! ہم دونوں باپ بیٹے کو پرندوں کی بولیاں سکھائی گئیں اور ہمیں ہر قابلِ ذکر نعمت سے وافر حصہ دیا گیا اور یہ سب اللہ تعالیٰ کا فضل مبین ہے۔

## حضرت داوٗد و سلیمان علیہما السلام کی حکومت کب اور کہاں قائم ہوئی

حضرت داوٗد علیہ السلام حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے یہودا کی نسل میں نوویں پشت میں 1010 قبل مسیح پیدا ہوئے۔ اس سے قبل بنی اسرائیل محکوم تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت شمویل علیہ السلام کے ذریعہ انہیں آزادی دی اور ان میں سے ایک شخص طالوت کو ان کا بادشاہ بنایا۔ اُس نے حضرت شمویل کی ہدایت و سرپرستی میں جہاد کیا اور کفار کو بیت المقدس سے نکال کر وہاں اسلامی حکومت قائم کی۔ طالوت کے بعد حضرت داوٗد علیہ السلام کو حکومت ملی۔ اس کی تفصیل پارہ دوم رکوع آخری کے تحت گزر چکی ہے۔ حضرت داوٗد علیہ السلام کے دورِ حکومت میں بنی اسرائیل کی حکومت شمال میں دمشق اور جنوب میں تمام صحرائے سینا تک پھیل گئی۔ ان کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام نے حکومت سنبھالی تو اسے عراق و یمن تک پھیلا دیا۔

## انبیاء کی مالی میراث پہ شیعی استدلال کا رد

**وَوَرِثَ سُلَیْمٰنُ دَاوٗدَ** سے اہلِ تشیع نے استدلال پکڑا کہ اگر سلیمان علیہ السلام اپنے باپ حضرت داوٗد علیہ السلام کے وارث ہیں تو خاتونِ جنت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اپنے باپ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وارثہ کیوں نہیں ہیں لہٰذا جب انہوں نے وصالِ نبوی کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے اپنے باپ کی میراث میں سے حصہ مانگا تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا انہیں یہ کہہ کر ٹال دینا کہ انبیاء کی میراث نہیں ہوتی۔ غلط تھا اور یوں بنتِ رسول کا حق غصب کر لیا گیا۔ مگر اہلِ تشیع کا یہ استدلال غلط ہے حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے باپ کے مالی وارث نہ تھے بلکہ ان کے علوم نبوت اور ان کی حکومت کے وارث ہوئے یعنی ان کی جگہ پر تخت نشین ہوئے۔ گویا حضرت سلیمان علیہ السلام کو علمی و قانونی وراثت حاصل ہوئی، نہ کہ مالی، اور یہاں مال کا کوئی لفظ ہی نہیں۔ کیا کوئی شیعہ عالم دکھا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہو: **و ورث سلیمان مال داود**، کہ سلیمان علیہ السلام داود علیہ السلام کے مال کے وارث ہوئے؟ بلکہ گزشتہ آیت میں **وَلَقَدْ اٰتَیْنَا دَاوٗدَ وَسُلَیْمٰنَ عِلْمًا** میں یہ واضح اشارہ موجود ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نبوی علوم کے وارث ہوئے۔

علاوہ ازیں قرآن کریم میں جہاں بھی پیغمبرانِ گرامی کی وراثت کا ذکر آیا ہے تو وہاں کتاب کا ذکر کیا گیا ہے کہ لوگ ان کی کتاب کے وارث ہوئے، مال کا کہیں ذکر نہیں۔ جیسے وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْهُدٰى وَاَوْرَثْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ ﴿٥٣﴾ ''اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو راہنمائی دی اور بنی اسرائیل کو کتاب کا وارث بنایا۔'' (غافر، ۵۳) وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْرِثُوا الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ﴿١٤﴾ ''اور جن لوگوں کو انبیاء کرام کے بعد کتاب کی وراثت دی گئی وہ اس میں گہرے شک میں مبتلا ہیں۔'' (شوریٰ، ۱۴) ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۚ ''اور ہم نے اپنے برگزیدہ بندوں کو کتاب کا وارث بنایا۔'' (فاطر، ۳۲)

## کتبِ شیعہ سے انبیاء کی مالی وراثت نہ ہونے کا ثبوت

انبیاء کے لئے مالی میراث کا نہ ہونا تو اسے خود ائمہ اہل بیت اطہار بیان کرتے ہیں۔ چنانچہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ اپنے والد امام باقر رضی اللہ عنہ سے اور وہ اپنے باپ دادا کے ذریعے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص حصول علم کی راہ پر چلے اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کا راستہ آسان کر دیتا ہے اور طالب علم کے لئے ارض و سما کی ہر چیز استغفار کرتی ہے اور عالم کی عابد پر یوں فضیلت ہے جیسے چودھویں کے چاند کی فضیلت ستاروں پر اور انبیاء اپنے پیچھے درہم و دینار نہیں چھوڑتے وہ اپنے پیچھے علم چھوڑتے ہیں جس نے ان کا علم لے لیا اس نے بڑی دولت پالی
(امالی شیخ صدوق صفحہ ۳۷ مجلس ۱۵ مطبوعہ قم)

اسی طرح امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: العلماء ورثۃ الانبیاء وان الانبیاء لم یورثوا درهما ولا دیناراً وانما ورثوا احادیث فمن اخذ من احادیثهم شیئا فقد اخذ حظا وافرا۔ علماء وارثانِ انبیاء ہیں اور انبیاء اپنے پیچھے درہم یا دینار نہیں چھوڑتے وہ اپنی احادیث چھوڑتے ہیں جس نے ان کی احادیث کا کچھ حصہ لے لیا اس نے بڑی دولت پالی۔ (اصول کافی جلد اول صفحہ ۳۲ کتاب فضل العلم مطبوعہ تہران)

## حضور سید کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حیوانات کے علاوہ جمادات و نباتات کی بولیاں بھی جانتے ہیں

عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ سے معلوم ہوا کہ حضرت داود و سلیمان علیہما السلام کو جانوروں کی بولیاں سکھائی گئیں۔ جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ شان ہے کہ آپ حیوانات کے علاوہ نباتات و جمادات کی بولیاں بھی جانتے ہیں۔ اونٹ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فریاد کرتے ہیں۔ ہرنی آپ سے مدد مانگنے آتی ہے، استوانہ حنانہ آپ کے ہجر و فراق میں روتا ہے تو آپ اس کو تسلی دیتے ہیں، جس سے وہ سکون پاتا ہے۔ جیسا کہ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما نے روایت کیا۔ (بخاری کتاب المناقب حدیث ۳۵۸۴) پتھر اور کنکر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سلام پیش کرتے ہیں اور آپ سمجھتے ہیں کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں۔

یہاں سے دو فوائد حاصل ہوئے:

(١) فضیلت علم: وَلَقَدۡ اٰتَيۡنَا دَاوٗدَ وَسُلَيۡمٰنَ عِلۡمًا ۚ اور عُلِّمۡنَا مَنۡطِقَ الطَّيۡرِ سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے صفت علم کے ذریعے انبیاء کی فضیلت بیان فرمائی اور بلاشبہ سب سے پہلے انسان (حضرت آدم علیہ السلام) نے بھی علم سے فضیلت پائی تھی وَعَلَّمَ اٰدَمَ الۡاَسۡمَآءَ كُلَّهَا۔ (بقرہ:۳۱) یاد رہے ہر علم مفید ہے خواہ دینی ہو یا دنیوی بشرطیکہ اس کا استعمال درست ہوحتیٰ کہ جادوگروں کا زور توڑنے کیلئے جادو سیکھنا مفید بلکہ بسا اوقات فرض ہے تاہم قرآن وحدیث کا علم سید العلوم ہے۔

(٢) اہمیتِ شکر: حضرت سلیمان علیہ السلام حصول نعمت پر ساری قوم کے سامنے یوں شکر ادا کرتے ہیں: يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمۡنَا مَنۡطِقَ الطَّيۡرِ اور شکر سے نعمت بڑھ جاتی ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: لَئِنۡ شَكَرۡتُمۡ لَاَزِيۡدَنَّكُمۡ ''اگر تم شکر کرو تو میں نعمت بڑھا دوں گا۔'' (ابراہیم:۷)

[12] حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے جنات، انسانوں اور پرندوں کے ایسے عظیم لشکر جمع کئے گئے کہ انہیں روکا جاتا تھا یعنی وہ اس قدر طویل تھے کہ ان کے پچھلے حصہ کو سنبھالنے کے لئے اگلے حصہ کو روکنا پڑتا تھا۔ یاد رہے اس کے مقابلہ میں حکومت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کہیں وسیع تر ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو صرف جنات، انسانوں اور پرندوں پر حکومت دی گئی۔ مگر سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت ساری مخلوق پر جاری ہے چڑیوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے فریاد کی۔ جانور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدے کرتے تھے۔ درخت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر دوڑے آتے تھے۔ پتھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ پڑھتے تھے۔ حتیٰ کہ شمس وقمر آپ کے حکم پر اطاعت بجالائے۔

زمین و زماں تمہارے لئے مکین و مکاں تمہارے لئے
چنین و چناں تمہارے لئے بنے دو جہاں تمہارے لئے

اللہ اللہ شہ کونین جلالت تیری
فرش کیا عرش پہ جاری ہے حکومت تیری

حَتّٰۤى اِذَاۤ اَتَوْا عَلٰى وَادِ النَّمْلِ ۙ قَالَتْ نَمْلَةٌ يّٰۤاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا

یہاں تک کہ آپ چیونٹیوں کی وادی پر آئے تو شاہ چیونٹی نے کہا اے چیونٹیو! اپنے سوراخوں میں داخل ہو جاؤ

مَسٰكِنَكُمْ ۚ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ ۙ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۸﴾

کہیں تمہیں سلیمان (علیہ السلام) اور ان کا لشکر کچل نہ دے اور انہیں خبر نہ ہو۔

فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا وَقَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْۤ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ

تو آپ نے اس کی بات سے خوش ہو کر تبسم کیا۔[13] اور کہا اے میرے رب! مجھے توفیق دے کہ تیری اس نعمت کا شکر کروں

الَّتِيْۤ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰى وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَدْخِلْنِيْ

جو تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر فرمائی اور میں تیرے پسندیدہ نیک اعمال بجا لاؤں اور مجھے اپنی رحمت کے ساتھ

بِرَحْمَتِكَ فِيْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۹﴾

اپنے نیک بندوں میں شامل فرما لے۔[14]

[13] حضرت سلیمان علیہ السلام کی جانوروں پہ حکومت کا ایک نمونہ دکھایا جا رہا ہے کہ ایک بار آپ کا تخت ہوا میں اُڑ رہا تھا ادھر چیونٹیوں کی ایک وادی میں شاہ چیونٹی نے اپنی رعایا سے کہا کہ سب اپنے سوراخوں میں داخل ہو جاؤ کہیں تمہاری وادی میں لشکر سلیمان اتر کر تمہیں بے خبری میں کچل نہ ڈالے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام ہوا میں اڑتے ہوئے اس کی یہ بات سن کر مسکرا پڑے اور شکر بجا لائے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر اور ان کے والدین پر کیسی نعمت فرمائی کہ اتنا عظیم ملکہ عطا فرمایا۔ یعنی احساس ہوا کہ چیونٹیاں بھی آپ کی تعظیم بجا لاتی ہیں۔

حضرت وہب بن منبہ رضی اللہ عنہ حضرت کعب بن احبار رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے اہل خانہ، خدام اور اہل لشکر کے ساتھ تخت پر بیٹھے اصطخر سے یمن کی طرف محو پرواز تھے۔ راستہ میں مدینہ طیبہ آیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا یہ وہ جگہ ہے جہاں نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت کر کے آئیں گے

پھر آپ علیہ السلام کا گزر کعبۃ اللہ کے اوپر سے ہوا آپ نے دیکھا کہ وہاں بت پرستی ہو رہی ہے آپ آگے گزر گئے۔ کعبۃ اللہ رو پڑا کہنے لگا اے اللہ! تیرا نبی سلیمان میرے اوپر سے گزر گیا اور میرے پاس نہ اترا کیونکہ میرے پاس بت پرستی ہو رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے کعبہ! نہ رو، وہ وقت آنے والا ہے جب میں تمہارا صحن سجدہ گزاروں کی

پیشانیوں سے بھر دوں گا۔ تمہارے پاس آخری نبی کو پیدا کروں گا جو مجھے سب انبیاء میں سے محبوب ہے۔ پھر ساری دنیا سے اہل ایمان تمہارے پاس دوڑے آئیں گے۔ پھر حضرت سلیمان علیہ السلام آگے گئے تو طائف آ گیا جس سے قریب ایک وادی تھی جسے وادی نمل کہا جاتا تھا۔ وہاں چیونٹیوں کی ملکہ نے کہا اے چیونٹیو! اپنے سوراخوں میں داخل ہو جاؤ۔
(تفسیر مظہری جلد ۶ صفحہ ۱۰۶)

## دور سے سن لینا انبیاء کا معجزہ اور اولیاء کی کرامت ہے

حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہوا میں اڑتے ہوئے زمین پہ رینگنے والی چیونٹی کی آواز سن لی۔ حالانکہ آج تک سائنس اپنی ساری ترقی کے باوجود چیونٹی کی آواز کو ریکارڈ نہیں کر سکی اور اگر بالفرض ریکارڈ کر لے تو اسے سمجھ نہیں سکتی۔ بلکہ اگر کوئی شخص چیونٹی کو اپنے کان میں ڈال لے تو بھی اس کی آواز کو سن نہیں سکتا مگر اللہ رب العزت اپنے انبیاء کو وہ عظمت دیتا ہے جس کے آگے سائنس بے بس ہے۔

یہاں ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر حضرت سلیمان علیہ السلام اتنی مسافت سے چیونٹی کی آواز سن سکتے ہیں تو ہمارے آقا و مولیٰ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ طیبہ میں لیٹے ہوئے دنیا بھر سے اپنے غلاموں کا درود بھی سن سکتے ہیں اور یہی حدیث صحیح کا مضمون ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ما من احد یسلم علیّ الا رد اللہ علیّ روحی حتی ارد علیہ السلام. ''جب بھی کوئی شخص مجھ پہ درود وسلام بھیجتا ہے تو اللہ میری روح کو اسکی طرف متوجہ کرتا ہے تا آنکہ میں اسے اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔''
(سنن ابوداود کتاب المناسک باب ۹۶ حدیث ۲۰۴۱)

## ردِ شیعیت۔ عظمت صحابہ

چیونٹی نے کہا: وَّهُمۡ لَا يَشۡعُرُوۡنَ کہ اگر لشکر سلیمانی نے تمہیں کچل دیا تو وہ مجرم نہ ہوں گے کیونکہ انہیں خبر نہ ہوگی گویا وہ جانتی تھی کہ جان بوجھ کر اصحاب سلیمان علیہ السلام چیونٹیوں پہ ظلم نہیں کر سکتے مگر افسوس کہ اہل تشیع کا گمان ہے کہ اصحاب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کی بیٹی پر ظلم کیا اور اس کا حق چھین لیا۔ کیا ان لوگوں کو چیونٹی کے برابر بھی شعور نہیں؟

[14] حضرت سلیمان علیہ السلام کی یہ دعا تعلیم امت کے لئے ہے تا کہ آپ کو دیکھ کر آپ کے ماننے والے بھی یہ دعا سیکھ لیں ورنہ انبیاء کرام علیہم السلام سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کا شکر گزار اور صالح بندہ کون ہو سکتا ہے۔

وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَا لِيَ لَآ اَرَى الْهُدْهُدَ ۖ اَمْ كَانَ مِنَ

اور سلیمان (علیہ السلام) نے پرندوں کو جانچا تو فرمایا مجھے کیا ہے میں ہد ہد کو نہیں دیکھ رہا ہوں؟ کیا وہ غیر حاضر

الْغَآئِبِيْنَ ۝۲۰ لَاُعَذِّبَنَّهٗ عَذَابًا شَدِيْدًا اَوْ لَاَاذْبَحَنَّهٗٓ اَوْ لَيَاْتِيَنِّيْ

ہے۔ میں اسے سخت عذاب دوں گا یا اسے ذبح کردوں گا یا وہ میرے پاس

بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝۲۱ فَمَكَثَ غَيْرَ بَعِيْدٍ فَقَالَ اَحَطْتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ

معقول عذر لائے۔[15] تو وہ تھوڑی ہی دیر غیر حاضر رہا پھر اس نے (حاضر ہوکر) کہا میں جس چیز پر مطلع ہوا ہوں اس پر آپ مطلع نہیں ہوئے

وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَاٍۭ بِنَبَاٍ يَّقِيْنٍ ۝۲۲ اِنِّيْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ وَاُوْتِيَتْ

اور میں آپکے پاس قوم سبا سے یقینی خبر لایا ہوں۔ میں نے ان پر ایک عورت کو حکمرانی کرتے پایا ہے اسے ہر نعمت سے

مِنْ كُلِّ شَيْءٍ وَّلَهَا عَرْشٌ عَظِيْمٌ ۝۲۳ وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ

حصہ ملا ہے اور اس کے پاس ایک عظیم تخت ہے۔[16] میں نے اسے اور اس کی قوم کو دیکھا کہ اللہ کی بجائے

لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ

سورج کو سجدہ کرتے ہیں شیطان نے ان کے (برے) اعمال انہیں آراستہ کر دکھائے ہیں ، انہیں

السَّبِيْلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُوْنَ ۝۲۴ اَلَّا يَسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ يُخْرِجُ الْخَبْءَ فِي

سیدھی راہ سے روک دیا ہے تو وہ ہدایت پر نہیں ہیں۔ یعنی اللہ کو سجدہ نہیں کرتے جو آسمانوں

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ۝۲۵ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا

اور زمین میں چھپی چیزیں ظاہر کرتا ہے اور جانتا ہے جو تم چھپاتے اور جو ظاہر کرتے ہو۔ وہ اللہ ہے اس کے کوئی معبود نہیں۔

هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ۝۲۶ السجدة

وہ صاحب عرش عظیم ہے۔[17]

السجدۃ ۵

## سلیمان علیہ السلام کا ملکۂ یمن کو ہُد ہُد پرندے کے ذریعے حکم اطاعت بھیجنا

[15] حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں پرندوں کے نمائندے بھی حاضر ہوتے تھے۔ ابھی پیچھے گزرا: وَحُشِرَ لِسُلَيْمٰنَ جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالطَّيْرِ۔ (نمل: ١٧) آپ نے ایک دن ہُد ہُد کو غیر حاضر پایا تو کہا وہ کیوں غیر حاضر ہے اگر اس نے اپنی غیر حاضری کی معقول وجہ نہ پیش کی تو اسے سخت سزا دی جائے گی اور اسے ذبح بھی کیا جاسکتا ہے۔

### ہدہد پرندے کی فضیلت وافادیت

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ دورانِ سفر حضرت سلیمان علیہ السلام ہُد ہُد کو بُلاتے تھے وہ زمین پہ چونچ مار کر جان لیتا کہ پانی زمین میں کتنی گہرائی پر ہے پھر آپ جنات سے زمین کھدواتے پانی نکال کر اس سے وضو کرتے اور نماز ادا کرتے۔ ایک بار آپ نے جنگل میں تخت اتارا اور پانی کی ضرورت ہوئی تو ہُد ہُد نظر نہ آیا تب آپ نے اس کے بارے میں یہ سخت ارشاد فرمایا۔ (ابن کثیر جلد ٣ صفحہ ٣٧٢، مظہری جلد ٧ صفحہ ١٠٧)

مروی ہے کہ جب حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ہدہد زمین پہ چونچ مار کر جان جاتا ہے کہ اس کی گہرائی میں کتنا پانی ہے تو ایک خارجی شخص نے کہا دیکھو ہم ہدہد کو پکڑنے کے لیے زمین پہ جال بچھا کر اس پہ مٹی بکھیر دیتے ہیں اور اس پر دانے ڈال دیتے ہیں۔ جب ہدہد دانے چگنے کو آتا ہے تو جال میں پھنس جاتا ہے۔ جب اسے ذرا سی مٹی کے نیچے جال نظر نہیں آتا تو زمین کی تہہ میں پانی کیسے نظر آجاتا ہے؟ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس کا جواب دینے کی ضرورت تو نہیں۔ لیکن اگر جواب نہ دیا تو یہ باتیں بنائے گا۔ آپ رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یاد رکھو جب تقدیر خداوندی آجاتی ہے تو آنکھیں اندھی ہوجاتی ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر جلد ٣ صفحہ ٣٧٢ مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)

ہُد ہُد چڑیا سے کچھ بڑا پرندہ ہے اس کی چونچ لمبی اور اس کے سر پہ اونچی لمبی کلغی ہوتی ہے۔ رنگت عموماً سیاہ و سرخ ہوتی ہے۔ ہدہد مبارک جانور ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چیونٹی، شہد کی مکھی، ہدہد اور لٹورے کو مارنے سے منع فرمایا ہے۔ (ابوداؤد کتاب الادب باب ١٦٤) حالانکہ ہدہد حلال پرندہ ہے مگر اس کے مارنے سے ممانعت اس کے بابرکت ہونے کی وجہ سے ہے۔

مروی ہے کہ حضرت امام عبدالملک بن محمد رقاش رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت سے قبل ان کی والدہ نے خواب میں دیکھا جیسے ان سے ایک ہدہد نے جنم لیا ہے۔ انہوں نے یہ خواب ایک معبر کو بتایا تو اس نے کہا: آپ کے ہاں ایک شب زندہ دار عبادت گزار بچہ پیدا ہوگا۔ چنانچہ امام عبدالملک پیدا ہوئے جو روزانہ چار سو نوافل پڑھتے تھے اور انہیں ہزاروں احادیث زبانی یاد تھیں، سن وصال 276ھ ہے۔ (روح البیان جلد ٦ صفحہ ٣٤٠ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

[16] حضرت سفیان بن عُیینہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب ہد ہد حاضر ہوا تو دوسرے پرندوں نے اسے بتایا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے تمہارے ذبح کرنے کا ارادہ کرلیا ہے؟ اس نے کہا کیا آپ نے کچھ استثناء بھی کیا تھا؟ کہنے لگے: ہاں آپ نے فرمایا تھا بشرطیکہ وہ اپنی غیر حاضری کی معقول وجہ بتائے۔ ہد ہد کہنے لگا اب میری جان بچ گئی (ابن کثیر جلد ۳ صفحہ ۲۷۳) تب ہد ہد نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو اپنی حاضری میں تاخیر کی وجہ بتائی کہ وہ قوم سباء کو دیکھ کر آیا ہے۔ جن پر ایک عورت حکومت کرتی ہے اور اس کے پاس بہت بڑا تخت ہے۔

## یمن کی ملکہ بلقیس اور اس کے تخت کا تذکرہ

یاد رہے قوم سبا یمن میں آباد تھی اور اس وقت ان کی ملکہ کا نام بلقیس تھا۔ (آج بھی اہل یمن کے دلوں میں بلقیس کی یاد تازہ ہے۔ آج سے چار برس قبل ایک بار سفر حج کے دوران میں یمن کے دارالحکومت صنعاء کے ایئر پورٹ پر اترا تو وہاں ریسٹ ہاؤس کے دروازے پر اس کا نام صالۃُ بلقیس لکھا ہوا تھا)۔ مروی ہے کہ بلقیس کا باپ شراجیل یعرب بن قحطان کی نسل سے تھا۔ اس کی عظیم سلطنت تھی اور اس کی ایک ہی بیٹی تھی یعنی بلقیس۔ جب وہ مرا تو ایک ظالم شخص حکومت پر قابض ہو گیا اور اس نے اہل یمن پر بازارِ ظلم گرم کر دیا وہ یمنی عورتوں کی عزتوں سے کھیلنے لگا۔ بلقیس کو یہ دیکھ کر غیرت آئی اس نے اس شخص کو پیغام نکاح بھیجا وہ خوش ہوا۔ چنانچہ نکاح ہو گیا جب پہلی رات وہ بلقیس کے پاس آیا تو بلقیس نے اسے کثیر شراب پلائی وہ مدہوش ہو گیا بلقیس نے اس کا سر تن سے جدا کر دیا۔ اہل یمن اس کارنامے سے بہت خوش ہوئے اور بلقیس کو ملکہ یمن بنا دیا گیا۔ (مظہری جلد ۷ صفحہ ۱۱۰)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ملکہ بلقیس کا تخت اسّی ہاتھ لمبا، چالیس ہاتھ چوڑا اور چالیس ہاتھ اونچا تھا اور دیگر روایات کے مطابق اس پر سونے کا پانی چڑھا ہوا تھا اور یاقوت وزبرجد سے اس پر جڑاؤ کیا گیا تھا اور وہ سات دروازوں میں مقفل رہتا تھا۔ (مظہری جلد ۷ صفحہ ۱۱۱)

مروی ہے کہ ایک بار حضرت سلیمان علیہ السلام کا تخت حدود یمن میں اترا۔ ہد ہد نے آپ علیہ السلام کو مصروف دیکھا تو آس پاس کا جائزہ لینے کے لئے اُڑا تو اسے ایک یمنی ہد ہد ملا، اس نے اسے بتایا کہ یمن پر ایک ملکہ کی حکومت ہے جس کے پاس بڑے لشکر ہیں اور اس کے پاس ایک بڑا تخت ہے۔ پھر یمنی ہد ہد نے سلیمانی ہد ہد کو ملکہ بلقیس کی حکومت اور اس کا تخت دکھایا۔ ادھر حضرت سلیمان علیہ السلام کو نماز عصر کے لئے وضو کی ضرورت ہوئی اور ہد ہد نظر نہ آیا جو پانی کی خبر دیتا تھا۔ پھر جب ہد ہد آیا تو دربار سلیمانی میں ڈرتا ہوا حاضر ہوا اس کے پر زمین پر گھسٹ رہے تھے پھر اس نے سارا ماجرا عرض کیا۔ (مظہری جلد ۷ صفحہ ۱۰۹)

## عورت کے سربراہ مملکت بننے کی دلیل کا رد

اِنِّیْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ سے بعض لوگوں نے دلیل پکڑی ہے کہ عورت کو سربراہ مملکت بنایا جا سکتا ہے۔ مگر

یہ دلیل غلط ہے۔ ملکۂ بلقیس اس وقت کافرہ تھی۔ قرآن کہتا ہے کہ ہدہد نے کہا: وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ۔ "میں نے اس ملکہ اور اس کی قوم کو دیکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا سورج کو پوجتے ہیں۔" (نمل، ۲۴) تو کفار کے عمل کو مسلمانوں کے لیے کیسے حجت بنایا جاسکتا ہے۔ جبکہ قرآن فرماتا ہے: اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ "شوہر بیویوں پر حاکم ہیں۔" (نساء، ۳۴) یعنی گھر میں شوہر حاکم ہے، بیوی نہیں۔ اب گھروں سے شہر اور شہروں سے ملک بنتے ہیں۔ جب معاشرہ کی سب سے چھوٹی سطح پہ عورت سربراہ نہیں بن سکتی تو سب سے بڑی سطح پہ کیسے بن سکتی ہے، جو موٹر سائیکل نہیں چلا سکتا اسے ٹرک چلانے کی اجازت کیسے ہوسکتی ہے؟ اور ابو بکرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لن يفلح قوم ولوا امرهم امرأة. "وہ قوم فلاح نہیں پاسکتی جنھوں نے اپنی امارت کسی عورت کے سپرد کردی۔" (بخاری کتاب الفتن، حدیث ۷۰۹۹)

یہاں سے دو فوائد حاصل ہوئے:

(۱) جانوروں میں بھی کچھ جذبہ معصیت ہوتا ہے: حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہدہد کو سزا دینے بلکہ ذبح کرنے کا ارادہ فرمایا اور نبی کسی ظلم کا خواہاں نہیں ہوتا۔ معلوم ہوا جانوروں میں بھی کسی درجہ میں جذبہ معصیت ہوتا ہے جس پر انہیں سزا دی جاسکتی ہے تاہم جانوروں میں ایسی معصیت نہیں ہوتی کہ وہ اُخروی سزا کے مستحق ہوں۔

(۲) معذرت کا قبول کرنا سنت انبیاء ہے: حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہدہد پر اظہار ناراضگی کے ساتھ ہی فرمادیا: اَوْ لَيَاْتِيَنِّيْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۱﴾ یہ بھی معلوم ہوا کہ حاکم کو حتی المقدور رعایا سے عفو و درگزر سے کام لینا چاہئے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو معافی دینا پسند ہے۔ دعا نبوی ہے: اللهم انك عفو تحب العفو فاعف عنا۔ "اے اللہ! تو معاف فرمانے والا تجھے معافی دینا پسند ہے تو تُو ہمیں معافی عطا فرما۔" (ترمذی کتاب الدعوات باب ۸۴)

[17] ہُد ہُد نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو خبر دی کہ ملکہ یمن بلقیس اور اس کی قوم کے لوگ سورج کی پوجا کرتے ہیں۔ آگے ہدہد نے اپنی طرف سے ایک ایمانی جذبہ ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ شیطان نے یہ بُرا عمل انہیں خوب صورت بنا کر دکھادیا ہے اس لئے وہ راہ ہدایت پر نہیں آرہے۔ انہیں چاہئے تھا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے جو آسمان و زمین کی چھپی چیزیں ظاہر کرتا ہے یعنی آسمان سے بارش برسا کر زمین سے اناج اُگاتا ہے یا وہ آسمان سے وحی اتار کر مومنوں کے سینوں سے ایمان کے پُودے اُگاتا اور ان پر عمل صالح کے پھل لگاتا ہے اور وہ لوگوں کے تمام ظاہری و خفیہ اعمال سے واقف ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ عرش عظیم کا مالک ہے۔ یعنی پیچھے ہدہد نے کہا تھا کہ بلقیس کے پاس بڑا تخت ہے اب وہ کہہ رہا ہے کہ بلقیس کو اپنے تخت پر نازاں نہیں ہونا چاہئے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے پاس سب سے بڑا عرش عظیم ہے کیونکہ اللہ وہ ہے جس کی کرسی نے ارض و سما کو گھیر رکھا ہے۔ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ (بقرہ: ۲۵۵)

## اہلِ تشیع کے لیے درسِ عبرت

یہاں سے ہمیں عظمتِ اصحابِ رسول ﷺ کا پتہ چلتا ہے۔ جب ایک پرندہ صحبت رسول سے اس قدر پختگی ایمان حاصل کرتا ہے تو انسانوں کا کیا کہنا۔ اندازہ کریں ہد ہد پرندہ ہے اور صحبت رسول نے اسے عقائد اسلامیہ کی اس قدر سمجھ دے دی ہے کہ وہ اثبات توحید و ردِ شرک پر بلیغ خطبہ دے رہا ہے۔ مگر افسوس کہ اہل تشیع کے نزدیک اصحاب رسول ﷺ کے دل طویل صحبت رسول کے باوجود پاک نہ ہوئے اور تین صحابیوں حضرت ابوذر غفاری، سلمان فارسی اور مقداد رضی اللہ عنہم کے سوا سب صحابہ حضور ﷺ کے وصال کے فوراً بعد دین چھوڑ کر کفر کی طرف لوٹ گئے کیونکہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو چھوڑ کر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی تھی۔ (تفسیر عیاشی جلد اول صفحہ ۱۹۹ مطبوعہ تہران) صحبت حضرت سلیمان علیہ السلام ایک پرندے پہ اتنا اثر کر دے اور صحبت محبوب رحمان ﷺ انسانوں پہ کچھ بھی اثر نہ کرے؟ مَا لَكُمْ ۖ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ۔

قَالَ سَنَنْظُرُ اَصَدَقْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝۲۷ اِذْهَبْ بِّكِتٰبِيْ

سلیمان (علیہ السلام) نے کہا ہم دیکھیں گے کہ تم نے سچ کہا ہے یا تم جھوٹوں میں سے ہو میرا یہ خط

هٰذَا فَاَلْقِهْ اِلَيْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ فَانْظُرْ مَاذَا يَرْجِعُوْنَ ۝۲۸ قَالَتْ

لے جاؤ اسے ان کی طرف پھینک آؤ پھر ان سے ہٹ کر دیکھو کہ وہ کیا ردعمل کرتے ہیں۔ ان کی ملکہ نے کہا:

يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا اِنِّيْۤ اُلْقِيَ اِلَيَّ كِتٰبٌ كَرِيْمٌ ۝۲۹ اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَ اِنَّهٗ بِسْمِ

اے سرداران قوم! میری طرف ایک بڑا معزز خط ڈالا گیا ہے۔ وہ شاہ سلیمان کی طرف سے ہے اور وہ اللہ رحمان و رحیم کے

اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝۳۰ اَلَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ وَاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ۝۳۱ ع

نام سے لکھا گیا ہے۔ (لکھا ہے) کہ میرے خلاف سرکشی نہ کرو اور اطاعت کناں میرے پاس حاضر ہو جاؤ [18]

ع ۲ / ۱۷

[18] حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہد ہد کی ساری بات سن کر کہا جو خبر تم لائے ہو ہم اس کی تحقیق کریں گے۔ اس کے بعد ہد ہد نے پانی کا پتہ دیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے وضو کیا نماز پڑھی اس کے بعد آپ نے ملکہ بلقیس کے نام خط لکھا جس کا مضمون یہ تھا:

”من عبداللہ سلیمان بن داؤد الی بلقیس ملکۃ سبا۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم السلام علی من اتبع الھدی۔ اما بعد، فلا تعلوا علیّ وا تونی مسلمین۔ اللہ کے بندے سلیمان بن داؤد (علیہ السلام) کی طرف سے فرماں روائے سبا بلقیس کے نام۔ سلام ہو اس پر جو ہدایت کی اتباع کرے۔ اما بعد۔ تم لوگ مجھ پر سرکشی نہ

کرواور میرے پاس اطاعت گزار بن کر حاضر ہو جاؤ۔''

خط کے آخر میں آپ نے اپنی سرکاری مہر لگائی اور ہد ہد سے فرمایا میرا یہ خط ملکہ سباء کو پہنچا آؤ۔ اس نے خط کو چونچ میں دبایا اور لے اُڑا۔ وہ ملکہ بلقیس کے محل کے کسی روشن دان میں سے داخل ہو کر بلقیس کی خوابگاہ تک پہنچا۔ وہ سو رہی تھی اس نے خط اس کے پیٹ پر پھینکا اور واپس اُڑ آیا۔ جب وہ نیند سے اٹھی تو یہ خط پا کر حیران رہ گئی۔ کیونکہ دروازہ مقفل تھا اور دروازے کی چابی اس نے اپنے سر کے نیچے رکھی تھی۔ پھر یہ خط اس تک کیسے پہنچا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے زمانہ کے معروف بادشاہ تھے۔ آپ کی عبادت، رعایا پروری اور عدل گستری نے آپ کا شہرہ دور دور تک پہنچا دیا تھا اور آپ کے مذکورہ خط کا مضمون بھی بہت پُر جلال تھا اور آخر میں سرکاری مہر سلیمانی بھی لگی ہوئی تھی۔ ان چیزوں نے ملکہ بلقیس کو رعشہ براندام کر دیا۔

اس جگہ سے معلوم ہوا خط کا آغاز بسم اللہ شریف سے کرنا سنت انبیاء ہے۔ حدیث مبارکہ میں ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پہلے خط کا آغاز بسمك اللهم سے کرتے تھے پھر جب یہ آیت اتری: اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝۳۰ تو آپ خط کے آغاز میں پوری بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھنے لگے۔ (درمنثور جلد ٦ صفحہ ٣٥٤ بروایت عبدالرزاق، ابن سعد وغیرہما) اور حدیث میں ہے کہ جو اچھا کام بسم اللہ سے شروع نہ کیا جائے وہ بے برکت ہو جاتا ہے۔ (ابن ماجہ کتاب النکاح باب ١٩)

قَالَتْ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَفْتُوْنِيْ فِيْٓ اَمْرِيْ ۚ مَا كُنْتُ قَاطِعَةً اَمْرًا

کہنے لگی اے سرداران! میرے معاملہ میں مجھے مشورہ دو میں کوئی فیصلہ نہیں کرتی

حَتّٰى تَشْهَدُوْنِ ۝۳۲ قَالُوْا نَحْنُ اُولُوْا قُوَّةٍ وَّاُولُوْا بَاْسٍ شَدِيْدٍ ۙ۵

جب تک تم موجود نہ ہو۔ وہ کہنے لگے ہم قوت والے اور شدید جنگجو لوگ ہیں

وَّالْاَمْرُ اِلَيْكِ فَانْظُرِيْ مَاذَا تَاْمُرِيْنَ ۝۳۳ قَالَتْ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا

اور فیصلہ تمہارے ہاتھ میں ہے اب تم دیکھ لو کہ کیا حکم کرنا چاہتی ہو۔ [19] وہ بولی: بے شک جب بادشاہ کسی بستی میں داخل ہوں

قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً ۚ وَكَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ۝۳۴

تو اسے اُجاڑ دیتے اور وہاں کے معزز لوگوں کو ذلیل کر ڈالتے ہیں اور وہ ایسا ہی کرتے ہیں۔ [20]

[19] ملکہ بلقیس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کا خط اپنے ارا کین سلطنت کو دکھایا اور ان سے مشورہ لیا کہ اب کیا کرنا

چاہئے۔ملکہ بلقیس نے کہا: اُلْقِيَ اِلَيَّ كِتٰبٌ كَرِيْمٌ ﴿٢٩﴾ میری طرف ایک خط ڈالا گیا ہے، یہ نہ کہا: اُرسِل الیّ کہ میری طرف خط بھیجا گیا ہے کیونکہ خط اس کی طرف پھینکا گیا تھا۔ اراکین سلطنت نے کہا ہم اتنے کمزور لوگ نہیں کہ کسی حکمران کے ایک خط کے آگے جھک جائیں ہم جنگجو لوگ ہیں اگر ہمیں لڑنے کا حکم دیا گیا تو ہم بہادری کے جوہر دکھائیں گے تاہم فیصلہ ملکہ کے ہاتھ میں ہے وہ جو چاہے حکم دے۔

[20] بلقیس نے اراکین سلطنت کی باتیں سن کر کہا شاہانِ زمانہ جب کسی بستی میں فاتحانہ داخل ہوں تو اسے اُجاڑ دیتے ہیں اور وہاں کے عزت والوں کو رسوا کر دیتے ہیں۔لہٰذا شاہِ سلیمان سے ٹکر لینا مناسب نہیں، بلکہ اس کے لئے کوئی اور تدبیر کرنی چاہئے گویا ملکہ بلقیس بہت دانا عورت تھی اس نے جوش کی بجائے ہوش سے کام لیا۔

وَاِنِّيْ مُرْسِلَةٌ اِلَيْهِمْ بِهَدِيَّةٍ فَنٰظِرَةٌۢ بِمَ يَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿٣٥﴾ فَلَمَّا جَآءَ

اور میں ان کی طرف ایک بڑا ہدیہ بھیجتی ہوں پھر دیکھتی ہوں کہ فرستادہ لوگ کیا جواب لے کر مڑتے ہیں جب اس کا بھیجا ہوا شخص سلیمان (علیہ السلام) کے

سُلَيْمٰنَ قَالَ اَتُمِدُّوْنَنِ بِمَالٍ ۫ فَمَآ اٰتٰىنِۦَ اللّٰهُ خَيْرٌ مِّمَّآ اٰتٰىكُمْ ۚ بَلْ

پاس آیا تو آپ نے فرمایا کیا تم مال سے میری مدد کر رہے ہو؟ [21] تو جو اللہ نے مجھے دیا وہ اس سے بہتر ہے جو اس نے تمہیں دیا۔ بلکہ

اَنْتُمْ بِهَدِيَّتِكُمْ تَفْرَحُوْنَ ﴿٣٦﴾ اِرْجِعْ اِلَيْهِمْ فَلَنَاْتِيَنَّهُمْ بِجُنُوْدٍ لَّا قِبَلَ

تم اپنے ہدیہ پر خوش ہو رہے ہو، انکی طرف پلٹ جاؤ اب ہم ان پر وہ لشکر لے کر آرہے ہیں جن کا مقابلہ

لَهُمْ بِهَا وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِّنْهَآ اَذِلَّةً وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿٣٧﴾

وہ نہیں کر سکتے اور ہم انہیں وہاں سے ذلیل کر کے نکال دیں گے اور وہ رسوا ہیں۔ [22]

## سلیمان علیہ السلام کا تختِ بلقیس کو ایک لمحہ میں منگوانا اور اس کا آپ پر ایمان لانا

[21] شاہزادیٔ یمن ملکہ بلقیس نے ارکانِ سلطنت سے کہا کہ میں شاہ سلیمان سے ٹکر لینے کی بجائے اسے ایک بڑا تحفہ بھیجتی ہوں پھر دیکھتی ہوں کہ تحفہ لے جانے والے لوگ کیا جواب لے کر مڑتے ہیں یعنی اگر شاہ سلیمان اور ان کے ساتھیوں نے سونا چاندی کے تحائف قبول کر لئے تو میں سمجھوں گی کہ وہ دنیا دار لوگ ہیں اور ان کی نظر ہماری دولت اور حکومت پر ہے پھر ہم ان کا مقابلہ کریں گے اور اگر انہوں نے ہمارے قیمتی تحائف رد کر دیے تو پھر سمجھو کہ سلیمان علیہ السلام نبی ہیں اور نبی سے مقابلہ نہیں کیا جا سکتا یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ دنیا دار حاکم مالِ دنیا لے کر راضی ہو سکتا ہے اور نبی اپنی اتباع

کے سوا کسی چیز پر راضی نہیں ہوتا۔

چنانچہ بروایت سدی ملکہ بلقیس نے کثیر لونڈیاں، غلام، سونے کی اینٹیں اور سونے کا ایک خاص قیمتی پیالہ بھیجا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ان کے آنے سے قبل جنات کو حکم دیا کہ شہر کی دیواروں پہ سونے اور چاندی کا پانی چڑھا دیا جائے۔ جب ملکہ بلقیس کے نمائندوں نے شہر بابل میں سونے اور چاندی کی دیواریں کھڑی دیکھیں تو وہ اپنے سونے اور چاندی کے تحائف پر شرمندہ ہوگئے۔ ملکہ بلقیس نے لونڈیوں کو غلاموں کی صورت میں اور غلاموں کو لونڈیوں کی صورت میں بھیجا تھا تاکہ سلیمان علیہ السلام کی عقل کو آزمائے مگر آپ نے انہیں فوراً پہچان لیا۔ اور اس نے کہا تھا کہ ہم جو پیالہ بھیج رہے ہیں اسے ایسے پانی سے بھرا جائے جو نہ آسمان سے ہو نہ زمین سے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے گھوڑوں کو دوڑایا انہیں خوب پسینہ آیا آپ نے حکم فرمایا کہ ان کا پسینہ پونچھ کر اس پیالے میں ڈال دیا جائے۔ ملکہ بلقیس کے نمائندے آپ علیہ السلام کی دانائی سے دنگ رہ گئے۔ (درمنثور جلد ٦ صفحہ ٣٥٨)

[22] حضرت سلیمان علیہ السلام نے یمنی نمائندوں سے فرمایا تم اپنا سونا چاندی واپس لے جاؤ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس سے بہتر دے رکھا ہے ہمیں تمہارے سونے چاندی کی نہیں تمہارے ایمان لانے اور اطاعت اختیار کرنے کی طلب ہے۔ اب ہم تم پر ایسے لشکر لے کر آئیں گے جن کا مقابلہ تمہارے بس میں نہیں ہے تم اپنے ہدیے پر خود ہی خوش ہو لو۔ ہم اس سے بے نیاز ہیں۔

## ہدیہ قبول کرنا چاہئے بشرطیکہ رشوت نہ ہو

اگر ہدیہ بطورِ رشوت اور مذموم مقصد کے لئے ہو تو اسے رد کر دینا چاہئے جیسے ملکہ بلقیس نے اس لئے ہدیہ بھیجا تاکہ حضرت سلیمان علیہ السلام ہدیہ قبول کر کے بلقیس کی کافرانہ حکومت کے خلاف کوئی کارروائی نہ کریں۔ تو آپ علیہ السلام نے ہدیہ رد کر دیا۔ اگر ایسی بات نہ ہو تو ہدیہ دینا اور قبول کرنا سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: تہادوا تحابُّوا۔ ''ایک دوسرے کو ہدیہ دو یوں تمہارے درمیان محبت بڑھے گی۔'' (موطا امام مالک کتاب حسن خلق باب ١٦)

قَالَ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَيُّكُمْ يَاْتِيْنِيْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ﴿۳۸﴾

آپ نے فرمایا اے ارکان سلطنت! تم میں سے کون اس کا تخت میرے پاس لا سکتا ہے اس سے قبل کہ وہ میرے پاس اطاعت گزار

قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ ۚ

بن کر آئیں؟۔[23] ایک طاقتور جن نے کہا: میں اسے آپ کے پاس لاتا ہوں اس سے قبل کہ آپ اپنے اجلاس سے اٹھیں۔

وَاِنِّيْ عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ اَمِيْنٌ ﴿۳۹﴾ قَالَ الَّذِيْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا

اور میں اس پر قوی و امین ہوں (پھر) اس شخص نے کہا جسکے پاس کتاب کا کچھ علم تھا کہ میں اسے آپکے پاس لا سکتا ہوں اس سے

اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ ۭ فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ

قبل کہ آپکی طرف آپکی نظر پلٹے۔[24] جب آپ نے تخت کو اپنے پاس موجود پایا تو کہا

هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ ڗ لِيَبْلُوَنِيْٓ ءَاَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ ۭ وَمَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ

یہ میرے رب کے فضل سے ہے تا کہ وہ مجھے آزمائے کہ میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری؟ تو جو شکر کرے وہ اپنے فائدہ کو

لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّيْ غَنِيٌّ كَرِيْمٌ ﴿۴۰﴾

شکر کرتا ہے اور جو ناشکری کرے تو میرا رب بے پرواہ کرم نواز ہے[25]

[23] محمد بن اسحاق نے حضرت یزید بن رومان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب یمنی نمائندے واپس گئے اور بلقیس کو ماجرا سنایا تو وہ کہنے لگی میں پہچان گئی کہ سلیمان کوئی بادشاہ نہیں (بلکہ نبی ہے) اور ہم اس سے لڑ نہیں سکتے۔ اس نے آپ کو پیغام بھیجا کہ میں آپ کے پاس اپنے ارکان سلطنت کے ساتھ خود آ رہی ہوں کہ دیکھوں آپ کس دین کی دعوت دیتے ہیں۔ پھر اس نے اپنے تخت کی حفاظت کا بندوبست کیا جس پر وہ بیٹھتی تھی۔ اس نے اسے سات دروازوں میں مقفل کیا۔ ہر دروازہ ایک دوسرے کے بعد آتا تھا۔ پھر وہ بارہ ہزار سرداران یمن کو ساتھ لے کر حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس حاضری کے لئے چلی۔ جنات اس کے آنے کی خبریں آپ کے پاس مسلسل لا رہے تھے۔ (ابن کثیر جلد ۳ صفحہ ۳۷۶) جب وہ آپ کے شہر کے قریب آ گئی تو آپ نے اپنے درباریوں سے فرمایا: تم میں سے کون ہے جو ملکہ بلقیس کے میرے پاس پہنچنے سے قبل یمن سے اس کا تخت یہاں لے آئے تا کہ وہ اپنے تخت کو دیکھ کر حیرت زدہ ہو جائے اور اسے اطاعت قبول کرنے اور ایمان لانے کے بغیر کوئی چارہ نہ رہے۔

[24] عفریت کا معنی طاقتور اور سرکش ہے یعنی ایک طاقتور وسرکش جن نے جس کا قد کاٹھ روایات کے مطابق پہاڑ جیسا تھا۔ (درمنثور جلد ٦ صفحہ ٣٥٩) کہا اے سلیمان علیہ السلام میں آپ کی مجلس کے برخاست ہونے سے قبل وہ تخت یہاں لاسکتا ہوں آپ کی مجلس صبح سے دوپہر تک رہتی تھی۔ عفریت جن نے کہا میں طاقتور اور امین ہوں۔ یعنی اس تخت پر لگے ہوئے سونے اور چاندی میں سے کوئی چیز نہیں چراؤں گا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا: تم بیٹھ جاؤ مجھے وہ تخت اس سے جلدی چاہئے یعنی مجلس کی برخاستگی سے قبل نہیں بلکہ بلقیس کے آنے سے قبل اس کا تخت یہاں ہونا چاہئے اور وہ ابھی آرہی ہے۔ تب ایک انسان نے جس کے پاس کتاب تورات کا علم تھا اٹھ کر کہا: اے سلیمان علیہ السلام میں وہ تخت آپ کے پاس آپ کے پلک جھپکنے سے پہلے لاسکتا ہوں۔

## حضرت آصف بن برخیا تخت بلقیس کو یمن سے عراق میں کیسے لائے

قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ ۚ کا معنی یہ ہے کہ آپ اپنی نظر کو پلٹیں یعنی جھپکائیں چنانچہ آپ نے پلک جھپکی تو دیکھا وہ عظیم تخت آپ کے دربار میں پڑا تھا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یہ تخت کے لانے والے آصف بن برخیا رحمۃ اللہ علیہ تھے جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے کاتب تھے۔ (ابن ابی حاتم جلد ٩ صفحہ ٢٨٨٥ حدیث ١٦٣٧٨) حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضرت آصف بن برخیا رحمۃ اللہ علیہ کے پاس اسم اعظم کا علم تھا جس کے ذریعے ہر دعا قبول ہو جاتی ہے۔

(درمنثور جلد ٦ صفحہ ٣٦١ بروایت ابن ابی شیبہ، عبد بن حمید و ابن جریر وغیرہ)

حضرت وہب بن منبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آصف بن برخیا نے وضو کیا دو نوافل پڑھے پھر عرض کیا اے اللہ کے نبی! ادھر دیکھیں آپ نے یمن کی طرف نظر اٹھائی۔ آصف بن برخیا نے دعا کی تو تخت وہاں سے معدوم ہو کر یہاں موجود ہو گیا۔ (ابن جریر طبری جلد ٩ صفحہ ٥٢٥ حدیث ٢٧٠١٥)

شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

حضرت آصف رحمۃ اللہ علیہ نے تخت کو یمن سے معدوم کر کے حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس موجود کر دیا کیونکہ ولی کامل کا کُن کہنا اللہ کے کُن کہنے کی طرح ہے۔ (روح المعانی جلد ١٩ صفحہ ٢٠٥) اگر سوال کیا جائے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نبی ہیں آپ نے خود وہ تخت کیوں نہ منگوالیا، آصف بن برخیا کے ذریعے کیوں منگوایا تو اس کا جواب یہ ہے کہ آپ دکھانا چاہتے تھے اگر آپ کی اتباع کرنے والے ایک شخص کی یہ قوتِ روحانیہ ہے تو خود آپ کی قوتِ روحانیہ کا کیا عالم ہوگا۔ اور ولی کی کرامت اس کے نبی ہی کا معجزہ ہوتی ہے۔

## کرامت کی حقانیت

حضرت آصف بن برخیا رحمۃ اللہ علیہ کا یمن سے عراق میں تخت بلقیس کو پلک جھپکنے میں لانا بتاتا ہے کہ ولی کامل کی کرامت

برحق ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کے ہاتھوں پر ایسے امور ظاہر کرتا ہے جو عقل انسانی سے ورآء ہیں اور ولی کو یہ مقام تب ملتا ہے جب وہ اپنے نبی کی اتباع میں فنا ہو جائے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاتھوں پہ بھی کرامات ظاہر ہوئیں۔ جیسے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بتایا تھا کہ ان کے وصال کے بعد ان کی بیوی کے ہاں لڑکی پیدا ہوگی تو آپ کی حاملہ بیوی نے آپ کے وصال کے بعد لڑکی ہی جنی۔ (موطاء امام مالک کتاب الاقضیہ حدیث ۴۵)

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے خط سے دریائے نیل بہہ پڑا تھا۔

اہل مصر ایک خوبصورت لڑکی کو پانی میں بہاتے تھے تو نیل کا پانی طغیانی میں آتا تھا۔ جب مصر فتح ہوا تو نیل خشک تھا۔ مجاہدین نے یہ ماجرٰی لکھ کر امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو بھیجا آپ نے دریائے نیل کو خط لکھا کہ اے دریا اگر تو اپنی مرضی سے چلتا ہے تو ہمیں تیری ضرورت نہیں اور اگر تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے چلتا ہے تو میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ ابھی اللہ کے نام سے چل پڑو۔ جب یہ خط دریا میں ڈالا گیا تو اسی رات اس کا پانی سولہ ہاتھ تک بلند ہو گیا اور آج تک دوبارہ دریائے نیل خشک نہیں ہوا۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۷ صفحہ ۱۰۲ مطبوعہ دار الریان بیروت)

یونہی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا مسجد نبوی میں دورانِ خطبہ جمعہ یا ساریۃُ الجبلَ فرمانا اور حضرت ساریہ رضی اللہ عنہ کا عراق میں دوران جنگ آپ کی یہ آواز سنکر پہاڑ کے پیچھے ہو جانا اور دشمن سے بچ جانا بھی آپ کی عظیم کرامت ہے۔
(دلائل النبوۃ لابی نعیم جلد ۲ صفحہ ۴۴۷ فصل ۲۹)

## قوتِ ولی کے سامنے جنات کی قوت کچھ نہیں ہے

جو کام عفریت جن نہیں کر سکتا تھا وہ حضرت آصف نے کر دکھایا۔ وجہ یہ ہے کہ جنات کے پاس جسمانی یا شیطانی قوت ہے اور اولیاء کاملین کے پاس روحانی و ایمانی بلکہ رحمانی قوت ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

''بندہ نوافل کے ذریعہ میرے قریب آ جاتا ہے۔ تب میں اس کے کان بن جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے۔ آنکھیں بن جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے۔ ہاتھ بن جاتا ہوں جن سے وہ پکڑتا ہے اور پاؤں بن جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے۔'' (بخاری کتاب الرقاق باب ۳۸، مسند احمد بن حنبل جلد ۶ صفحہ ۱۵۱) تو جس کے ہاتھ میں خدائی قوت ہو وہ کیا نہیں کر سکتا۔ یہ بات ہر شخص کو جاننی چاہیے۔

اور اس میں کیا شک ہے انسان اشرف المخلوقات ہے، لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ۝۴ جب ایک بندۂ مومن اللہ کی اطاعت میں خود کو گم کر دیتا ہے تو اس کی قوت و طاقت اور اس کا اختیار و تصرف جنات کیا فرشتوں سے بھی بڑھ جاتا ہے

## عظمتِ قرآن کریم

قَالَ الَّذِیْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْکِتٰبِ سے پتہ چلا کہ تورات کا پڑھنے اوراس پر عمل کرنے والا ولی پلک جھپکنے میں یمن سے تخت بلقیس لے آیا تو جوقرآن کا پڑھنے اوراس پر عمل کرنے والا ولی ہوتو کیا اسکی قوتِ روحانی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے؟لہذا جولوگ امت سلیمان علیہ السلام کے ولی کی کرامت کو مانتے ہیں انہیں امت مصطفیٰ ﷺ کے اولیاء کی کرامات سے انکار کرتے ہوئے شرم آنی چاہیے۔

[25] جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے تخت بلقیس کوایک لمحے میں اپنے سامنے موجود پایا تو کہا یہ میرے رب کا فضل ہے۔یعنی یہ کہ اس نے میرے بعض متبعین کو یہ قوت عطا فرمائی ہے اور یہ میری آزمائش ہے کہ میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری۔توشکر کرنے والا اپنے شکر سے فائدہ اٹھاتا ہے اورناشکری کرنے والا اپنا ہی نقصان کرتا ہے ورنہ اللہ تو بے نیاز و کریم ہے اسے کسی کے شکر کی حاجت نہیں۔

قَالَ نَكِّرُوْا لَهَا عَرْشَهَا نَنْظُرْ اَتَهْتَدِیْٓ اَمْ تَكُوْنُ مِنَ الَّذِیْنَ

جناب سلیمان نے فرمایا ملکہ کے لیے اس کا تخت بدل دو ہم دیکھیں کہ وہ ہدایت پاتی ہے یا ہدایت نہ پانے والوں

لَا یَهْتَدُوْنَ ﴿۴۱﴾ فَلَمَّا جَآءَتْ قِیْلَ اَهٰكَذَا عَرْشُكِ ؕ قَالَتْ كَاَنَّهٗ هُوَ ۚ

میں سے ہے۔ جب وہ آئی تو کہا گیا کیا ایسا ہی تمہارا تخت ہے؟ کہنے لگی: لگتا ہے کہ یہ وہی ہے

وَاُوْتِیْنَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا وَكُنَّا مُسْلِمِیْنَ ﴿۴۲﴾ وَصَدَّهَا مَا كَانَتْ تَّعْبُدُ

اور ہمیں پہلے ہی اس کا علم تھا اور ہم اطاعت گزار تھے اور اسے (قبول حق سے) اس چیز نے روکا جو وہ

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ كٰفِرِیْنَ ﴿۴۳﴾ قِیْلَ لَهَا ادْخُلِی

اللہ کے سوا پوجتی تھی، وہ کافر قوم میں سے تھی۔ [26] ملکہ سے کہا گیا کہ صحن میں داخل ہو، جب اس نے

الصَّرْحَ ۚ فَلَمَّا رَاَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَّكَشَفَتْ عَنْ سَاقَیْهَا ؕ قَالَ اِنَّهٗ

صحن دیکھا تو اسے گہرا پانی گمان کیا اور اپنی پنڈلیوں سے کپڑا اٹھالیا۔ آپ نے فرمایا یہ شیشوں سے

صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِیْرَ ۬ؕ قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ وَاَسْلَمْتُ

جڑا ہوا صحن ہے۔ کہنے لگی اے میرے رب! میں نے خود پر ظلم کیا اور میں سلیمان (علیہ السلام) کے ساتھ

مَعَ سُلَیْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۴۴﴾ ع

اللہ رب العالمین کے حضور سر جھکاتی ہوں۔ [27]

ع ۳ / ۱۸

[26] بلقیس نے لونڈیوں کو غلاموں اور غلاموں کو لونڈیوں کی شکل میں بھیج کر حضرت سلیمان علیہ السلام کی عقل و فراست کا امتحان لینا چاہا تھا۔ اب حضرت سلیمان علیہ السلام نے بھی یہی جوابی عمل کیا آپ نے فرمایا بلقیس کے آنے سے قبل اس کے تخت میں تبدیلی کر دو مثلاً سبز جواہرات کی جگہ سرخ اور سرخ جواہرات کی جگہ سبز لگا دو کہ آیا وہ اپنے تخت کو پہچانتی ہے یا نہیں اور پھر وہ اپنے تخت کو پہچان کر اور یہاں موجود پا کر ہدایت پاتی ہے یا وہ ہدایت نہ پانے والوں میں سے ہے۔ جب بلقیس آئی تو اسے کہا گیا کہ یہ تمہارا تخت ہے؟ کہنے لگی لگتا تو وہی ہے اور ہمیں پہلے ہی سلیمان علیہ السلام کی قوت و شوکت کا علم تھا۔ کیونکہ جب آپ کا خط ہم تک بند دروازوں میں سے پہنچا تو ہم آپ علیہ السلام کی قوت کے اس وقت ہی قائل ہو گئے تھے اور

اب اپنے تخت کو یہاں دیکھ کر مزید قائل ہو گئے ہیں۔

یعنی بلقیس پہلے ہی دل سے آپ کی نبوت کا اقرار کر چکی تھی۔صرف اپنے باپ دادا کی تقلید میں جھوٹے خداؤں کی پرستش اسے آپکی اطاعت کے قبول کرنے سے مانع تھی۔کیونکہ اپنی قوم والا دین چھوڑنا آسان نہیں ہوتا مگر جب اس کا تخت اس کے آنے سے قبل یہاں آ گیا تو وہ ایمان لانے پر مجبور ہو گئی۔

[27] جنات نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو بتایا تھا کہ بلقیس جنات میں سے ہے اور اس کی پنڈلیاں جنات والی ہیں جن پر لمبے بال ہیں اور اس کے پاؤں گدھوں جیسے ہیں اور بلقیس غیر شادی شدہ تھی۔جب وہ ایمان لے آئی تو آپ نے اسے پیغام نکاح دیا جو اس نے قبول کیا۔تب آپ نے اس کی پنڈلیاں دیکھنا چاہیں اور پاؤں ملاحظہ کرنا چاہے۔آپ نے اپنے دربار کے صحن میں تالاب بنوایا اس میں مچھلیاں چھوڑ دیں اور تالاب کے اوپر شیشے کا ایسا صاف شفاف فرش بچھایا جو نظر نہیں آتا تھا۔پھر آپ نے بلقیس کو اپنے دربار میں اس صحن کی طرف سے بلوایا جب وہ قریب آئی تو پانی کو دیکھ کر اس نے پنڈلیوں سے اپنا دامن کچھ اونچا کر لیا تا کہ اس میں سے گزر جائے۔آپ نے دیکھا کہ اس کے پاؤں اور پنڈلیاں بالکل انسانوں کی طرح ہیں تب آپ کے دل سے جنات کا ڈالا ہوا وسوسہ ختم ہو گیا اور ملکہ بلقیس نے صدق دل سے اسلام قبول کر لیا۔پھر صحیح روایات کے مطابق حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس سے شادی کر لی۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ فَاِذَا هُمْ فَرِيْقٰنِ

اور یقیناً ہم نے قوم ثمود کی طرف ان کے قومی بھائی صالح (علیہ السلام) کو بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو تو وہ دو گروہ بن کر

يَخْتَصِمُوْنَ ۝ قَالَ يٰقَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُوْنَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ ۚ لَوْلَا

باہم جھگڑنے لگے [28] آپ نے فرمایا: اے میری قوم! تم اچھائی سے قبل برائی کیوں جلد مانگ رہے ہو؟ تم اللہ سے بخشش کیوں

تَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝ قَالُوا اطَّيَّرْنَا بِكَ وَبِمَنْ مَّعَكَ ۗ

نہیں مانگتے تاکہ تم پر رحم کیا جائے؟ [29] کہنے لگے (اے صالح) ہم تمہاری اور تمہارے ساتھیوں کی وجہ سے نحوست میں پڑ گئے ہیں

قَالَ طٰٓئِرُكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُوْنَ ۝ وَكَانَ فِي الْمَدِيْنَةِ

آپ نے فرمایا تمہاری نحوست اللہ کی طرف سے ہے بلکہ تم لوگوں کی آزمائش کی گئی ہے۔ [30] اور شہر میں

تِسْعَةُ رَهْطٍ يُّفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ ۝ قَالُوْا تَقَاسَمُوْا

نو گروہ تھے جو زمین میں فساد کرتے تھے اور اصلاح نہیں چاہتے تھے وہ باہم اللہ کی قسم اٹھا کر کہنے لگے کہ ہم صالح

بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهٗ وَاَهْلَهٗ ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ لِوَلِيِّهٖ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ اَهْلِهٖ وَاِنَّا

اور اس کے گھر والوں کو رات کے وقت قتل کر دیں گے پھر اسکے وارث سے کہیں گے ہم تو اسکے گھر والوں کی ہلاکت پر حاضر نہ تھے اور ہم

لَصٰدِقُوْنَ ۝ وَمَكَرُوْا مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ فَانْظُرْ

سچے ہیں [31] انہوں نے اپنا داؤ کیا اور ہم نے اپنی تدبیر کی اور انہیں (ہماری تدبیر کا) شعور تک نہ تھا۔ تو دیکھو

كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ ۙ اَنَّا دَمَّرْنٰهُمْ وَقَوْمَهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ فَتِلْكَ

ان کے داؤ کا کیا انجام ہوا کہ ہم نے انہیں اور ان کی تمام قوم کو تباہ کر دیا تو یہ ان کے گھر ہیں جو ان کے

بُيُوْتُهُمْ خَاوِيَةًۢ بِمَا ظَلَمُوْا ۗ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝ وَاَنْجَيْنَا

ظلم کی وجہ سے گرے پڑے ہیں اس میں جاننے والے لوگوں کے لئے بڑی نشانی ہے [32] اور ہم نے

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۝

ایمان والوں کونجات دی اور وہ اللہ سے ڈرتے تھے۔[33]

## قتل صالح علیہ السلام کی سازش کرنے والوں پر عذاب الٰہی

[28] حضرت صالح علیہ السلام کا واقعہ متعدد سورتوں میں وارد ہوا ہے۔ یہاں خصوصاً آپ کے قتل کی سازش کرنے والوں کا انجام بتایا جارہا ہے۔آپ علیہ السلام نے جب قوم کو بت پرستی چھوڑ کر اللہ واحد کی عبادت کرنے کا درس دیا تو قوم کے دو گروہ بن گئے۔ کمزور لوگوں کی بڑی تعداد ایمان لے آئی جو روایات کے مطابق چار ہزار بتائی گئی ہے اور مالدار لوگوں کی اکثریت اپنے لاکھوں ساتھیوں سمیت کفر وشرک پہ ڈٹ گئی جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ''صالح (علیہ السلام) کی قوم میں سے متکبر لوگوں نے کمزور لوگوں سے جو آپ پر ایمان لائے تھے، کہا کیا تم سمجھتے ہو کہ صالح اپنے رب کا سوال ہے؟ کمزور لوگوں نے کہا ہم اس کی رسالت پر ایمان لائے ہیں۔متکبروں نے کہا تم جس پر ایمان لائے ہو ہم اس سے منکر ہیں۔''

(اعراف ۷۵)

[29] آپ کی قوم کے متکبر مالداروں نے کہا: يٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ ''اے صالح! جس عذاب سے تم ہمیں ڈراتے ہو اگر تم سچے ہو تو ہم پر وہ عذاب لے آؤ۔'' (اعراف: ۷۷) تو حضرت صالح علیہ السلام نے انہیں فرمایا تم اچھائی سے پہلے برائی کیوں جلد مانگتے ہو۔یعنی تم چاہتے ہو کہ جب عذاب آئے گا تب تم توبہ کرو گے تو توبہ سے قبل عذاب مانگنے کا کیا مقصد ہے؟ تم ابھی توبہ کیوں نہیں کرتے اور اللہ سے بخشش کیوں نہیں مانگتے تاکہ اللہ تم پر رحم فرمائے۔

[30] قوم ثمود کی اکثریت جب ایمان نہ لائی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں قحط سالی میں مبتلا کر دیا۔انہوں نے اس سے عبرت پکڑنے کی بجائے یہ کہنا شروع کر دیا کہ جب سے صالح اور اس کے ساتھیوں نے ہمارے علاقہ میں اپنا دین پھیلانا شروع کیا ہے تب سے ہم پر نحوست آ گئی ہے حضرت صالح علیہ السلام نے انہیں فرمایا تمہاری نحوست اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔اللہ تعالیٰ نے تمہیں آزمائش میں ڈالا ہے کہ تم اس قحط سے عبرت پذیر ہو کر ایمان لاتے ہو یا نہیں۔

یہاں سے دو فوائد حاصل ہوئے:

(۱) برے لوگ صالحین کو اپنے لئے وجہ نحوست قرار دیتے ہیں۔قوم ثمود نے حضرت صالح علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں کو وجہ نحوست قرار دیا حالانکہ وجہ نحوست وہ خود تھے اس میں یہ درس ہے کہ انسان کو اپنی بدبختی کا ذمہ دار دوسروں کو ٹھہرانے کی بجائے اپنے اعمال کا محاسبہ کرنا چاہیے۔

(٢) ہر انسان کی خیر و شر اللہ کی طرف سے ہے۔ طٰٓئِرُکُمۡ عِنۡدَ اللّٰهِ میں سے یہ درس ہے کہ ہر آدمی کی خیر و شر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ انسان کو چاہئے کہ شر آنے پر اللہ تعالیٰ کے حضور گڑ گڑائے۔

[31] بستی حجر (جو حدودِ تبوک میں تھی، میں حضرت صالح علیہ السلام مبعوث ہوئے۔ آپ کی قوم کے منکرین میں نو افراد ان کے سرغنہ تھے اور ان کے ساتھ ان کے قبیلے تھے۔ انہوں نے زمین میں فساد پھیلا رکھا تھا۔ انہی نے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کے پاؤں کاٹے ان کے یہ نام تھے قدار، مصدع، اسلم، دسم، زعم، زعیم، قتال، صداق اور ذھیم (قرطبی جلد ١٣ صفحہ ٢١٥) جب انہوں نے اونٹنی کے پاؤں کاٹے تو حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا تم پر عنقریب اللہ تعالیٰ کا عذاب آنے والا ہے۔ انہوں نے کہا اس سے قبل کہ صالح ہم پر عذاب لائے ہمیں اسے اور اس کے گھر والوں کو قتل کر دینا چاہئے۔ پھر جب ان کے ورثاء ہم پر دعویٰ قتل کریں گے تو ہم قسم اٹھا کر کہہ دیں گے کہ ہمیں کیا خبر انہیں کس نے قتل کر دیا ہم تو وہاں موجود نہ تھے اور ہم سچ کہہ رہے ہیں۔ معلوم ہوا جھوٹ ایسا گناہ ہے جو انسانوں کو قتل جیسے جرم پر دلیر کر دیتا ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جھوٹی قسم اٹھانا کافروں کا کام ہے مسلمانوں کا نہیں۔

[32] مروی ہے کہ انہوں نے رات کے وقت حضرت صالح علیہ السلام کے گھر کا محاصرہ کر لیا کہ جیسے ہی آپ باہر آئیں وہ آپ کو قتل کر ڈالیں۔ ابھی وہ وہیں کھڑے تھے کہ فرشتوں نے ان پر پتھر برسائے۔ پتھر برستے تھے مگر برسانے والا نظر نہ آتا تھا۔ یوں وہ آن واحد میں ڈھیر کر دیئے گئے۔ (قرطبی جلد ١٣ صفحہ ٢١٧) ان نو (9) افراد کے یوں مارے جانے کے بعد ان کی ساری قوم پر عذاب آیا اور فرشتے نے ان پر ایسی خوفناک چیخ ماری کہ سب کے کلیجے پھٹ گئے اور کوئی زندہ نہ بچا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے اب ان کے گھر منہدم پڑے ہیں اور اس میں جاننے والوں کے لئے بہت بڑا نشانِ عبرت ہے چنانچہ غزوہ تبوک پر جاتے ہوئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بستی حجر کے کھنڈرات دیکھے اور اس چشمہ سے پانی بھی پیا جس سے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی پیتی تھی۔

[33] جب قوم ثمود پر عذاب آنے والا تھا تو حضرت صالح علیہ السلام بحکم الٰہی اپنے ساتھیوں کو لے کر بستی سے نکل گئے اور حضر موت کی طرف روانہ ہو گئے۔ آپ جونہی وہاں حاضر ہوئے تو آپ کو موت آ گئی اس لئے اس جگہ کا نام حضر موت پڑ گیا۔ (قرطبی جلد ١٣ صفحہ ٢١٨)

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ۝ اَىِٕنَّكُمْ

اور لوط (علیہ السلام) کو یاد کرو جب آپ نے اپنی قوم سے فرمایا کیا تم بے حیائی کرتے ہو اور سر عام کرتے ہو؟ کیا تم

لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ۝

عورتوں کی بجائے مردوں کے پاس شہوت کے ساتھ آتے ہو؟ بلکہ تم جاہل لوگ ہو۔[34]

فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْۤا اَخْرِجُوْۤا اٰلَ لُوْطٍ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ

تو آپ کی قوم کا اس کے سوا جواب نہ تھا کہ کہنے لگے لوط کے گھر والوں کو اپنی بستی سے نکال دو

اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ۝ فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗۤ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۫ قَدَّرْنٰهَا مِنَ

یہ پاک باز بننے والے لوگ ہیں تو ہم نے آپکو اور آپکے گھر والوں کو بچالیا سوائے انکی بیوی کے۔ ہم نے اسے پیچھے رہ جانے والوں

الْغٰبِرِيْنَ ۝ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ ۝ قُلِ

میں لکھ دیا تھا۔[35] اور ہم نے ان پر (پتھروں کی) بارش کی تو تنبیہ یافتہ لوگوں پر کتنی بری بارش ہوئی، تو کہو

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ؕ آٰللّٰهُ خَيْرٌ اَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ؕ

سب تعریف اللہ کے لیے اور اس کے ان بندوں پر سلام ہو جنہیں اس نے چن لیا۔ کیا اللہ بہتر ہے یا وہ جسے وہ شریک ٹھہراتے ہیں[36]

## قوم لوط علیہ السلام پر آنے والی تباہی کا بیان

[34] حضرت لوط علیہ السلام بستی سدوم میں نبی بنا کر بھیجے گئے۔ یہ بستی حدودِ شام میں تھی اب یہ جگہ بحیرہ لوط کے نیچے چلی گئی ہے۔ اس بستی کے لوگ عورتوں کی بجائے مردوں سے جنسی فعل کرتے تھے خصوصاً نوعمر لڑکوں کو اپنے ظلم کا نشانہ بناتے تھے اور باہر سے آنے والے مہمان ان کا شکار ہوتے تھے۔ جب حضرت لوط علیہ السلام یہاں آئے تو ایک شخص نے آپ سے اپنی بیٹی کا نکاح کر دیا اس سے آپ کی دو بچیاں ہوئیں۔ ایک روایت کے مطابق ان دو بچیوں کے سوا کوئی شخص آپ پر ایمان نہ لایا حالانکہ آپ ان میں بیس برس تک رہے۔ آپ نے انہیں مذکورہ بے حیائی سے روکنے میں پوری کوشش کی آپ نے فرمایا تم سرعام بے حیائی کرتے ہو اور عورتوں کی بجائے مردوں سے شہوت پوری کرتے ہو تم سے بڑا بے حیا اور

جاہل کون ہوسکتا ہے۔

[35] بے حیاو بے غیرت اہل سدوم نے حضرت لوط علیہ السلام کے ناصحانہ کلام کے جواب میں جاہلانہ گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ آلِ لوط کو اپنی بستی سے نکال باہر کرو۔ یہ پاک باز بنتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ تب ہم نے لوط علیہ السلام اور آپ کے گھر والوں کو بچالیا سوا آپ کی بیوی کے، کیونکہ وہ قوم کی بے حیائی پر راضی تھی۔ اور مروی ہے کہ جب حضرت جبرائیل و میکائیل علیہما السلام نوجوان لڑکوں کی صورت میں حضرت لوط علیہ السلام کے گھر گئے تو آپ کی بیوی نے اپنی قوم کو آکر خبر دی کہ لوط علیہ السلام کے پاس دوخوبرو نوجوان آئے ہیں تو قوم دوڑی آئی۔ چنانچہ جب قوم پر پتھر برسے تو ایک پتھر اس عورت کو بھی آلگا۔

[36] بعض انبیاء سابقین کی منکر قوموں کی تباہی بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اے محبوب! آپ اللہ کی حمد بجالائیں یعنی اس بات پر کہ اس نے آپ کی امت کو ایسے عذابات سے بچالیا ہے اور اللہ جن بندوں کو نبوت یا ایمان کے ساتھ چن لیتا ہے ان پر اللہ کی طرف سے سلامتی ہے۔ اب کفار سے پوچھا جائے کہ اللہ بہتر ہے یا جن چیزوں کی وہ عبادت کرتے ہیں وہ بہتر ہیں۔ جب اللہ ہی بہتر ہے تو اسی کی عبادت کی جانی چاہیے۔

اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَنْۢبَتْنَا

تو بھلا کون ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور تمہارے لیے آسمان سے پانی اتارا پھر اسکے ساتھ

بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ ۚ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ

ہم نے خوش منظر باغات اُگائے۔ تمہارے لیے اس کا ایک درخت اُگانا بھی ممکن نہ تھا۔ تو کیا اللہ کیساتھ کوئی اور خدا ہے

اللّٰهِ ؕ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ ﴿٦٠﴾ اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّجَعَلَ خِلٰلَهَآ

(نہیں) بلکہ وہ راہ حق سے ہٹے ہوئے لوگ ہیں۔ [37] بھلا کون ہے جس نے زمین کو جائے قرار بنایا اور اس میں

اَنْهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ

نہریں چلائیں اور اس کے لئے میخیں بنائیں اور دو سمندروں کے درمیان آڑ بنائی کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟ (نہیں)

بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٦١﴾ اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ

بلکہ ان میں سے اکثر نہیں جانتے۔ [38] بھلا کون ہے جو مجبور کی فریاد سنتا ہے جب وہ اسے پکارے اور اس سے مصیبت دور کرتا ہے۔

السُّوْٓءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿٦٢﴾

اور تمہیں نسل در نسل زمین کے جانشین بناتا ہے کیا اللہ کے سوا کوئی معبود ہے تم کیا ہی کم نصیحت پکڑتے ہو [39]

## اللہ کی پانچ عظیم الشان قدرتوں کا بیان

[37] یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنی پانچ عظیم الشان قدرتیں بیان فرمائیں ہیں۔ جن کی تفصیل یوں ہے:

پہلی قدرت تخلیق ارض و سما: اللہ تعالیٰ نے ارض و سما کو پیدا کیا پھر آسمان سے انسانوں کے لئے بارش اُتار کر اس کے ذریعے زمین سے خوش منظر باغات اُگائے جبکہ انسان اپنی طاقت سے ایک درخت بھی نہیں اُگا سکتا تھا۔ تو کیا اللہ کے سوا بھی کوئی معبود ہے جو یہ قدرتیں رکھتا ہو؟ پھر کفار راہِ حق سے کیوں ہٹتے ہیں اور اللہ کو چھوڑ کر دوسرے معبود کیوں پکڑتے ہیں۔

[38] دوسری قدرت نہروں اور سمندروں کا چلانا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ بتاؤ کون ہے جس نے زمین کو انسان کے لئے جائے قرار بنایا اور انسان کے لئے نہریں چلائیں۔ پھر زمین پر بڑے بڑے پہاڑوں کی میخیں گاڑیں تاکہ زمین جمی رہے اور اس میں زلزلہ نہ ہو پھر اللہ نے دو سمندروں کے درمیان آڑ بنا دی۔ یعنی ایک سمندر میٹھا اور دوسرا

کڑوا ہوتا ہے اور دونوں کے درمیان ایسی آڑ ہوتی ہے کہ وہ ایک دوسرے سے خلط ملط (Mix) نہیں ہوتے تو کیا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود ہے جو یہ سارے کام کرتا ہے؟ نہیں بلکہ وہ اللہ ہی ہے جو یہ ساری قدرتیں ظاہر فرما رہا ہے تو کفار میں سے اکثر لوگ یہ باتیں دیکھ کر بھی حق نہیں جانتے یعنی اس پر ایمان نہیں لاتے۔

## ساری کائنات انسان کے لیے بنائی گئی ہے

ان آیات سے معلوم ہوا ساری کائنات ارض وسما انسان کے لئے بنائی گئی ہے۔ جیسا کہ وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً فرمایا گیا۔ اس میں یہ درس ہے کہ سارا جہان انسان کے لئے بنا ہے اور انسان خدا کے لئے بنا ہے۔ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ﴿۵۶﴾ ''میں نے جنات اور انسانوں کو اپنی عبادت کے سوا کسی مقصد کے لئے نہیں پیدا کیا۔'' (ذاریات:۵۶)

اسی لئے جب انسان اللہ کا مطیع بندہ بن جاتا ہے تو سارا جہان اس کے تابع ہو جاتا ہے اور یہی باب کرامت ہے۔ اولیاء کے حکم پہ دیواریں چل پڑتی ہیں، پتھر اڑنے لگتے ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لشکر کے گھوڑے فتح مدائن کے وقت دور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ میں پانی پہ دوڑنے لگتے ہیں۔ (ناسخ التواریخ)

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں      یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

[39] تیسری قدرت مظلوموں بے بسوں کی فریاد رسی: جب انسان مجبور ہو کر اللہ کو پکارتا ہے تو اللہ ایسے مظلوم و مقہور انسان کی مدد فرماتا ہے اور اس کی تکلیف دور کرتا ہے۔ (اگر وہ چاہے) اور اللہ انسانوں کو نسل در نسل ایک دوسرے کا جانشیں بناتا ہے۔ کیا اللہ کے سوا کوئی معبود ہے جو یہ کام کر سکے تو پھر انسان کس قدر کم نصیحت پکڑتے ہیں۔

## مظلوم کی آہ سے بچنا چاہیے

جب اللہ تعالیٰ بے بس ولاچار کی فریاد سنتا ہے تو کسی مظلوم کی آہ نہیں لینی چاہیے۔ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب حضرتِ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو قاضئ یمن بنا کر بھیجا تو انہیں جو ہدایات فرمائیں ان میں سے یہ بھی تھی کہ مظلوم کی فریاد سے ڈرو کیونکہ اس کے اور اللہ تعالیٰ کے مابین کوئی حجاب نہیں ہے۔ (بخاری کتاب الزکوۃ باب ۶۳)

علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں

حافظ ابن عساکر نے لکھا ہے کہ دمشق کا ایک باشندہ مسافروں کو کرایہ پہ دور دور چھوڑنے جاتا تھا۔ ایک بار وہ ایک مسافر کو کسی دور منزل کی طرف لے گیا۔ راستہ میں ایک سنسان جگہ پہ مسافر نے اسے رکنے کو کہا۔ جب وہ رکا تو اس نے خنجر نکال لیا۔ وہ شخص کہتا ہے کہ میں بھاگ اٹھا وہ میرے پیچھے بھاگا۔ میں نے اسے کہا میری سواری اور میرا سب مال واسباب لے لو اور میری جان بخش دو۔ مگر وہ نہ مانا۔ میں نے ہر طرف سے مایوس ہو کر اسے کہا کہ مجھے دو رکعت نماز

پڑھنے کی مہلت دیدو۔ اس نے کہا جلدی کرو، میں نماز میں کھڑا ہوگیا مگر خوف کے سبب میرے منہ سے قرآن کریم کی کوئی آیت ادا نہیں ہورہی تھی اور وہ مجھے للکار رہا تھا کہ جلدی کرو۔ آخر میری زبان پہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت جاری کردی: اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَیَكْشِفُ السُّوْٓءَ۔ ''کہ (اللہ کے سوا) کون ہے جو مجبور کی فریاد سنے جب وہ اسے پکارے اور وہ اس سے مصیبت دور کردے۔ میرے یہ آیت پڑھنے کی دیر تھی کہ ایک گھڑ سوار نمودار ہوا اس کے ہاتھ میں بھالا تھا۔ اس نے وہ بھالا اس کے سینے میں اتار دیا اور وہ وہیں ڈھیر ہوگیا۔ میں نے اس کا دامن پکڑ لیا کہ خدارا بتاؤ تم کون ہو؟ اس نے کہا میں اس رب کا بھیجا ہوا ہوں جو مجبور کی فریاد سنتا ہے جب وہ مجبور اسے پکارے تو وہ اس کی مصیبت دور کرتا ہے۔'' (تفسیر ابن کثیر جلد ۳ صفحہ ۳۸۳)

## مشکلات میں اللہ تعالیٰ ہی کو پکارنا چاہئے

مشکلات اللہ تعالیٰ ہی بھیجتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہی دور فرماتا ہے لہٰذا بندے کو مصائب میں مجبور ہوکر اللہ تعالیٰ ہی کو پکارنا چاہئے۔ البتہ اللہ کے نیک بندوں انبیاء و اولیاء کا وسیلہ ضرور پیش کرنا چاہئے۔ اور جو لوگ مصائب میں انبیاء اولیاء کو مدد کے لیے پکارتے ہیں وہ بھی ان کا وسیلہ ہی پکڑتے ہیں تاکہ ان کی ارواح متوجہ ہوکر اللہ تعالیٰ سے دعاء کریں اور اللہ تعالیٰ مصائب دور کردے۔ کیونکہ کوئی مسلمان کسی نبی ولی کے بارے میں یہ عقیدہ نہیں رکھتا کہ وہ از خود اللہ کے اذن کے بغیر اپنی طاقت سے کسی کی کوئی مدد کرسکتا ہے۔ کیونکہ سب انبیاء و اولیاء حکم الٰہی کے آگے بے بس اور اس کی رحمت کے محتاج بندے ہیں۔ تاہم اللہ تعالیٰ ان کی عبادت کی وجہ سے ان پر بہت مہربان ہے۔ لہٰذا وہ ان کی دعاء کو اکثر رد نہیں فرماتا۔

اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کو مشکلات میں پکارنا خود رسول اللہ ﷺ نے سکھایا ہے۔ حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اذا ضلت دابة احدکم فی ارض لیس له بها انیس فلیقل اعینونی عباد الله فان لله عبادا لاترونهم۔ ''جب تم میں سے کسی کی سواری ایسی جگہ گم ہوجائے جہاں کوئی اس کی فریاد سننے والا نہ ہو تو اسے یوں پکارنا چاہیے اے اللہ کے بندو میری مدد کرو۔ کیونکہ اللہ کے بعض ایسے غیبی بندے ہیں جن کو تم نہیں دیکھ سکتے۔''

(طبرانی کبیر جلد ۱۷ صفحہ ۱۱۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اب یہ غیبی بندے کون ہیں جو بے بس لوگوں کی مدد کرتے ہیں؟ تو وہ انبیاء و اولیاء کی ارواح بھی ہوسکتی ہیں اور مومن جنات اور فرشتے بھی۔ گویا ان کو پکارنا حقیقت میں اللہ تعالیٰ کو پکارنا ہے۔ کیونکہ وہ اللہ ہی کے حکم سے ہماری مدد کرتے ہیں۔

اَمَّنْ يَّهْدِيْكُمْ فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَنْ يُّرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ

بھلا کون ہے جو تمہیں خشکی و سمندر کی تاریکیوں میں راہ دکھاتا ہے اور کون ہے جو اپنی رحمت سے قبل

يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ؕ﴿۶۳﴾ اَمَّنْ يَّبْدَؤُا

خوشخبری کی ہوائیں چلاتا ہے کیا اللہ کے سوا کوئی اور معبود ہے؟ تو اللہ انکے شرک سے بلند ہے[40] بھلا کون ہے

الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَمَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ

جو مخلوق کو پیدا کرتا پھر اسے لوٹاتا ہے اور کون ہے جو تمہیں آسمان و زمین سے رزق دیتا ہے کیا اللہ کے سوا کوئی اور

اللّٰهِ ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۶۴﴾ قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي

معبود ہے۔ آپ فرمائیں اگر تم سچے ہو تو اپنی دلیل لاؤ۔[41] آپ فرمائیں کہ آسمانوں اور زمین میں

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ؕ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ﴿۶۵﴾

اللہ کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا اور لوگ نہیں جانتے کہ وہ کب اٹھائے جائیں گے۔[42]

بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ ۚ بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْهَا ۚ بَلْ هُمْ

بلکہ آخرت میں ان کا علم مکمل ہوگا، بلکہ وہ آخرت کے بارے میں شک میں ہیں ۔ بلکہ وہ

مِّنْهَا عَمُوْنَ ﴿۶۶﴾ ع

اس سے اندھے ہیں۔[43]

[40] چوتھی قدرت بحر و بر میں مسافروں کی رہنمائی اور نظام باد و باراں: یعنی اللہ ہی خشکی و سمندر میں سفر کرنے والوں کو ان کی منزل کی راہ دکھاتا ہے۔ چنانچہ رات کی تاریکی میں خشکی و تری میں آسمان پر جگمگانے والے ستاروں سے مسافروں کو رہنمائی ملتی ہے اور اللہ بارش سے قبل ٹھنڈی ہوا چلاتا ہے جو رحمت الٰہی یعنی بارش سے پہلے اس کی بشارت لے کر آتی ہے۔ کیا اللہ کے سوا کوئی معبود ہے جو ایسا کرسکتا ہے؟ نہیں تو ثابت ہوا کہ اللہ مشرکین کے شرک سے بہت بلند ہے۔

[41] پانچویں قدرت نظامِ موت و حیات اور نظام رزق: یعنی اللہ کے سوا کون ہے جو مخلوق کو پیدا کرتا اور پھر

اسے عدم کی طرف لے جاتا ہے؟ وہ اللہ ہی ہے جو ہر جاندار چیز کو دنیا میں لاتا ہے پھر اسے لے جاتا ہے بلکہ اس نے ہر چیز کو پیدا کیا اور قیامت سے قبل وہ ہر چیز کو عدم میں لے جائے گا اور اللہ ہی انسانوں کو آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے یعنی آسمان سے بارش برسا کر زمین سے اُناج اور پھل وغیرہ پیدا کرتا ہے۔ تو کیا اللہ کے سوا کوئی معبود ہے جو ایسا کر سکے۔ لہٰذا اے منکرو اگر تمہارے پاس کوئی دلیل ہے تو لاؤ اگر تم سچے ہو۔

[42] یعنی اللہ کے سوا زمین و آسمان میں ذاتی طور پر کوئی شخص غیب نہیں جانتا اسی لئے کسی کو معلوم نہیں کہ قیامت کب آئے گی اور لوگوں کو کب اٹھایا جائے گا۔ یعنی اللہ ہر غیب کا جاننے والا ہے اور وہ انسانوں کے مخفی دلی ارادوں سے بھی واقف ہے۔ تو انسان کو ہر وقت اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے ڈرتے رہنا چاہیے۔

## علم غیب کے بارے میں سوال کا جواب

اگر کہا جائے کہ حضور ﷺ نے غیب کی کثیر خبریں دیں مثلاً آپ ﷺ نے ایک مجلس میں کھڑے ہو کر قیامت تک آنے والے تمام اہم واقعات، حادثات بتا دیئے۔ (ابوداؤد کتاب الفتن باب ۱) اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے تھے میں تمہیں بتاتا ہوں تم لوگ کیا کھا کر آئے اور کیا اپنے گھروں میں چھپا کر آئے ہو۔ (آل عمران: ۴۹) تو پھر یہ کہنا کیسے صحیح ہے کہ اللہ کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ ذاتی طور پر اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی شخص غیب نہیں جانتا اور انبیاء اولیاء جو غیب کی خبریں دیتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ علم سے دیتے ہیں وہ ذاتی طور پر کچھ نہیں جانتے۔ یہی معنی علامہ محمود آلوسی بغدادی، قاضی ثناء اللہ پانی پتی، امام خفاجی اور دیگر ائمہ نے بیان فرمایا ہے۔ لہٰذا جب اللہ تعالیٰ چاہے تو وہ اپنے مقرب و محبوب بندوں کو جس قدر چاہے غیب کی خبریں عطا فرماتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ”اللہ تعالیٰ تم (عام لوگوں) کو غیب پہ مطلع نہیں کرنے والا، مگر وہ اپنے رسولوں میں سے جسے چاہے (علم غیب کے لیے) منتخب فرمالیتا ہے۔“

(آل عمران، ۱۷۹)

چنانچہ اس نے رسول اکرم ﷺ پہ غیب کے سب خزانے کھول دیے اور فرمایا: وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ”اور اللہ نے آپ کو وہ سب کچھ بتا دیا جو آپ نہیں جانتے تھے اور آپ پہ اللہ کا فضل عظیم ہے۔“ (النساء، ۱۱۳)

حضرت عمرو بن اخطب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز فجر کے بعد منبر پہ بیٹھ کر وعظ فرمانے لگے حتیٰ کہ ظہر ہو گئی، آپ نے اتر کر ظہر پڑھی، پھر منبر پہ بیٹھ کر عصر تک وعظ فرمایا، پھر نماز کے بعد منبر پہ تشریف لے گئے اور وعظ فرمایا حتیٰ کہ سورج غروب ہو گیا۔ فاخبرنا بما كان وبما هو كائن فاعلمنا احفظنا، تو آپ نے ہمیں ما کان وما یکون کی خبریں دیں۔ (یعنی جو ہو چکا اور جو ہو گا سب کچھ بتا دیا) تو ہم میں سے بڑا عالم وہ ہے جو آپ کی باتوں کو زیادہ

یادر کھے۔ (مسلم کتاب صفۃ الجنۃ حدیث ۲۸۹۲)

[43] یعنی منکرین قیامت کا قیامت کے بارے میں علم قیامت میں مکمل ہو جائے گا۔ آج وہ شک میں ہیں بلکہ جان بوجھ کر اندھے بنے ہوئے ہیں۔

وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا وَّاٰبَآؤُنَآ اَىِٕنَّا لَمُخْرَجُوْنَ ﴿۶۷﴾ لَقَدْ

اور کفار نے کہا جب ہم اور ہمارے باپ دادا مٹی ہوجائیں گے تو کیا ہمیں پھر نکالا جائے گا؟ تحقیق

وُعِدْنَا هٰذَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۶۸﴾

یہ وعدہ ہم سے اور قبل ازیں ہمارے باپ دادا سے کیا گیا تھا۔ یہ اگلے لوگوں کی کہانیوں کے سوا کچھ نہیں ہے۔ [44]

قُلْ سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِیْنَ ﴿۶۹﴾

آپ فرما دیں کہ تم زمین میں چلو پھرو اور دیکھو کہ مجرموں کا انجام کیا ہوا؟ اور آپ ان پر

وَلَا تَحْزَنْ عَلَیْهِمْ وَلَا تَكُنْ فِیْ ضَیْقٍ مِّمَّا یَمْكُرُوْنَ ﴿۷۰﴾

غم نہ کریں اور ان کے مکر کرنے سے تنگی محسوس نہ کریں۔ [45]

## قرآن اور قیامت کی حقانیت کا بیان

[44] منکرین قیامت کو یہ شبہ ہے کہ جب ہم مر کر مٹی میں مل جائیں گے تو ہمیں دوبارہ کیسے اٹھایا جاسکتا ہے اور کیا ہمارے پرانے باپ دادا کو بھی اٹھایا جائے گا؟ یہ کیسے ممکن ہے اور یہ وعدہ ہم سے قبل ہمارے باپ دادا سے بھی کیا گیا کہ قیامت آنے والی ہے مگر آج تک اس کی کوئی خبر نہیں۔ تو یہ تصور قیامت اگلے لوگوں کی گھڑی ہوئی کہانی ہے جو نسل در نسل لوگوں میں منتقل ہو رہی ہے۔

[45] اللہ تعالیٰ نے منکرین قیامت کے مذکورہ شبہ کے جواب میں فرمایا: اے پیارے محبوب ﷺ! آپ ان سے فرما دیں کہ تم زمین میں چل پھر کر دیکھو کہ مجرموں یعنی قیامت کے منکروں کا کیا انجام ہوا۔ مطلب یہ کہ انہوں نے انبیاء کی دعوت پر ایمان لانے کی بجائے ان سے دشمنی کی اور قیامت کے ماننے کی بجائے تصور قیامت کا مذاق اڑایا تو اللہ نے کس طرح انہیں تباہ کر ڈالا لہذا انہیں ان کے انجام سے عبرت پکڑنا چاہیے اور اے پیارے محبوب ﷺ آپ منکرین کی دشمنانہ کارروائیوں سے دل تنگ نہ ہوں آپ کی ذمہ داری صرف پیغام کا پہنچانا ہے۔

اس جگہ سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ سے معلوم ہوا کہ حصول عبرت کے لئے سیر وسیاحت اللہ تعالیٰ کو پسند ہے کیونکہ اس سے انسان کو قوموں کے عروج وزوال سے آگاہی ملتی ہے جس سے وہ راہِ ہدایت کا تعین کرسکتا ہے۔

وَيَقُولُونَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ قُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ

کفار (مومنوں سے) کہتے ہیں اگر تم سچے ہو تو یہ وعدہ (عذاب) کب پورا ہوگا؟ آپ فرمادیں قریب ہے کہ تمہارے پیچھے

رَدِفَ لَكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ تَسْتَعْجِلُوْنَ ۝ وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى

آ پہنچا وہ عذاب جس کی تم جلدی مچا رہے ہو اور بلا شبہ آپ کا رب لوگوں پہ فضل فرمانے والا ہے۔ مگر اکثر لوگ

النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ۝ وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَعْلَمُ مَا تُكِنُّ

شکر نہیں بجا لاتے۔ [46] اور یقیناً آپ کا رب جانتا ہے جو کچھ ان کے سینے

صُدُوْرُهُمْ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۝ وَمَا مِنْ غَآئِبَةٍ فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِلَّا فِيْ

چھپاتے ہیں اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں اور آسمان وزمین میں غائب ہونے والی کوئی چیز ایسی نہیں جو

كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝ اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَقُصُّ عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَكْثَرَ

روشن کتاب میں نہ ہو۔ [47] بے شک یہ قرآن بنی اسرائیل کو اکثر وہ باتیں بتاتا ہے

الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝ وَاِنَّهٗ لَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ اِنَّ

جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں اور بے شک قرآن مومنوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے۔ [48] بے شک

رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ بِحُكْمِهٖ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ۝ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ

آپ کا رب ان کے مابین اپنے حکم سے فیصلہ فرماتا ہے اور وہ غالب وعلیم ہے تو آپ اللہ پر بھروسہ رکھیں

اِنَّكَ عَلَى الْحَقِّ الْمُبِيْنِ ۝

بے شک آپ روشن حق پر ہیں۔ [49]

[46] جب کفار مکہ کو بتایا گیا کہ گزشتہ قوموں پہ ان کی اسلام دشمنی کی وجہ سے عذابات آئے تو وہ از راہِ مذاق پوچھتے

لگے کہ ہم پر وہ عذاب کب آئے گا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے پیارے محبوب ﷺ! انہیں فرما دیں کہ ممکن ہے اس عذاب کا کچھ حصہ تمہارے عقب میں قریب آ گیا ہو۔ چنانچہ چند ہی برس بعد ہجرت کے دوسرے سال بدر میں کفار مکہ پر عذاب الٰہی آ گیا۔ آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ کا رب لوگوں پہ فضل فرمانے والا ہے یعنی وہ کفار پر دنیا میں عذاب اتارنے کی جلدی نہیں فرماتا ہے اور مومنوں کی خطائیں معاف کر کے انہیں جہنم سے بچاتا ہے مگر اکثر لوگ شکر نہیں بجالاتے۔

[47] یعنی اللہ رب العزت نہ صرف لوگوں کے ہر ظاہری و خفیہ حال سے آگاہ ہے بلکہ آسمان و زمین میں جو چیز بھی چھپی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی تیار کردہ روشن کتاب (لوح محفوظ) میں لکھی ہوئی ہے۔ لہٰذا اللہ رب العزت لوگوں کی خفیہ نیات کے مطابق روز قیامت ان کے اعمال کی انہیں جزا دے گا۔ چنانچہ اس دن کئی نیکیاں گناہ اور کئی گناہ نیکیاں بن جائیں گے۔ مثلاً فتنہ پیدا کرنے کی نیت سے بولا جانے والا سچ گناہ شمار ہوگا اور فتنہ ختم کرنے اور صلح کے لئے بولا جانے والا جھوٹ نیکی بن جائے گا۔

[48] بنی اسرائیل میں یہود بھی ہیں اور نصاریٰ بھی کیونکہ حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام دونوں بنی اسرائیل میں سے ہیں اور ان کے درمیان جن امور پہ اختلاف ہے قرآن اس بارے میں سچی بات واضح فرماتا ہے مثلاً یہود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نبی و رسول ماننے کی بجائے ان کو گالیاں بکتے ہیں اور نصاریٰ ان کی تعظیم میں غلو کر کے انہیں درجہ خدائی پہ بٹھاتے ہیں۔ قرآن نے آ کر حق واضح فرمایا کہ آپ علیہ السلام کو گالی دینا بھی کفر ہے اور درجہ خدائی تک پہنچانا بھی کفر۔ راہِ حق یہ ہے کہ انہیں رسول مانا جائے۔ اس کا معنی یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہود و نصاریٰ جن سچائیوں سے اختلاف کرتے ہیں جیسے حقانیت قرآن، صداقت و رسالتِ محمدی اور توحید ربانی، قرآن ان چیزوں میں ان پر راہِ حق واضح کرتا ہے اور قرآن مومنوں کے لئے ہدایت و رحمت ہے یعنی دنیا میں ہدایت اور آخرت میں رحمت ہے کیونکہ قرآن کی ہدایت اپنانے سے انہیں آخرت میں دائمی رحمت ملے گی۔

[49] یعنی اللہ لوگوں کے مابین ہر معاملہ میں فیصلہ فرماتا ہے اور اے پیارے محبوب! آپ اللہ کا فیصلہ لوگوں کو سناتے رہیں اور آپ اللہ پر بھروسہ رکھیں کیونکہ آپ واضح حق پر ہیں۔

اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿۸۰﴾

آپ مُردوں کو نہیں سنا سکتے اور نہ بہروں کو پکار سنا سکتے ہیں جب وہ پیٹھ پھیر کر چلیں

وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِی الْعُمْیِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ؕ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ یُّؤْمِنُ

اور نہ آپ اندھوں کو ان کی گمراہی سے ہدایت دینے والے ہیں۔ آپ تو انہی کو سنا سکتے ہیں جو ہماری

بِاٰیٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۸۱﴾ وَاِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَیْهِمْ اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً

آیات پر ایمان لائیں اور وہ سر جھکانے والے ہیں۔[50] اور جب ان پر قول ٹھہر جائے گا تو ہم ان کے لیے

مِّنَ الْاَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ ۙ اَنَّ النَّاسَ كَانُوْا بِاٰیٰتِنَا لَا یُوْقِنُوْنَ ﴿۸۲﴾ ع

انہی میں سے ایک جانور نکالیں گے جو ان سے باتیں کرے گا۔ کیونکہ لوگ ہماری آیات پہ یقین نہیں رکھتے۔[51]

[50] بعض ناسمجھ لوگوں نے ان آیات کا مفہوم یہ بیان کیا کہ اے محبوب ﷺ! جو لوگ فوت ہو جاتے ہیں آپ انہیں کچھ سنا نہیں سکتے اور جب آپ کسی مردہ کو کچھ نہیں سنا سکتے تو کوئی دوسرا کون سنا سکتا ہے۔ حالانکہ یہ مفہوم غلط ہے۔ صحیح مفہوم یہ ہے کہ اے پیارے محبوب ﷺ! جن لوگوں کے دل مر گئے یعنی ان پر کفر کی مہر لگ گئی آپ انہیں حق نہیں سنا سکتے اور نہ ہی آپ دل کے بہروں کو جب وہ حق سے منہ موڑ کر چل دیئے، اپنی بات سنا سکتے ہیں اور نہ آپ کسی دل کے اندھے کو راہِ حق دکھا سکتے ہیں آپ تو صرف اسی شخص کو قولِ حق سنا سکتے ہیں جو ہماری آیات پہ ایمان لانا چاہے اور وہ سر جھکانے والا ہو اور جو ایسا مردہ بہرہ اور اندھا ہو کہ حق دیکھنے سے آنکھیں بند کرے حق سننے سے کان بند کر لے اور حق سمجھنے سے دل بند کر لے اسے کون قولِ حق سنا سکتا ہے۔ سورج کا نور حق ہے مگر جو خود آنکھیں بند کر لے اور کہنے کے باوجود نہ کھولے اسے کون راہ دکھا سکتا ہے۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے یہ مثال کافروں کے لئے بیان فرمائی ہے۔ (ابن ابی حاتم جلد ۹ صفحہ ۲۹۲۱ حدیث ۱۶۸۱)

اگر سوال کیا جائے کہ جب اللہ نے کفار کو مردوں سے تشبیہ دی ہے تو اس تشبیہ کا یہی معنیٰ ہے کہ جس طرح مردے کچھ نہیں سنتے اسی طرح کافر بھی نہیں سنتے۔ تو اس آیت کا یہی مفہوم ہوا کہ مُردے نہیں سن سکتے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ دراصل یہاں مُردوں کی ظاہری حالت سے کفار کو تشبیہ دی گئی ہے۔ کیونکہ ظاہری طور پہ مُردے کو پکارنے سے بلکہ اس کے ہاتھ پاؤں کاٹنے سے بھی اس میں کوئی جنبش وحرکت پیدا نہیں ہوتی، مگر حقیقت میں ایسا نہیں ہوتا، بلکہ وہ ہر آواز کو سنتا اور ہر لمس کو محسوس کرتا ہے۔ البتہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے کسی حرکت وجنبش کی اجازت نہیں ہوتی۔

## احادیث طیّبات کی روشنی میں مُردوں کا سننا برحق ہے

چنانچہ جو لوگ مر کر قبور میں چلے جاتے ہیں وہ سنتے ہیں یا نہیں اور اگر انہیں کوئی زخم لگایا جائے تو وہ الم محسوس کرتے ہیں یا نہیں تو آیئے حدیث مبارکہ نے اس پر واضح روشنی ڈالی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بدر کے کنوئیں پر (جس میں ابوجہل، عتبہ، شیبہ وغیرہ کی لاشیں پھینکی گئی تھیں) کھڑے ہو کر فرمایا: کیا تم نے اپنے رب کا وعدہ (عذاب) پالیا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا گیا: کیا آپ مُردوں کو پکار رہے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ما انتم باسمع منهم ولکن لا یجیبون۔ تم (میری بات کو) ان سے زیادہ نہیں سن رہے۔ مگر وہ جواب نہیں دے سکتے۔ (بخاری کتاب الجنائز باب ۸۶ حدیث ۱۳۷۰)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے اس موقع پر عرض کیا تھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ ایسے جسموں کو پکار رہے ہیں جن میں روح نہیں ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ما انتم باسمع لما اقول غیرانهم لایستطیعون ان یردّوا علی شیئا۔ تم میری بات کو ان سے زیادہ نہیں سنتے مگر وہ مجھے جواب دینے کی طاقت نہیں رکھتے۔

(مسلم کتاب الجنہ حدیث ۷۶، نسائی کتاب الجنائز باب ۱۱۷، مسند احمد جلد ۱ صفحہ ۲۶)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جب میت کو قبر میں رکھ دیا جاتا ہے تو وہ واپس جانے والوں کی جوتیوں کی آہٹ بھی سنتی ہے۔''

(بخاری کتاب الجنائز باب ۶۷، مسلم کتاب الجنہ حدیث ۷۱ ابوداؤد کتاب السنۃ باب ۲۴، مسند احمد جلد ۲ صفحہ ۲۳۳)

ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

کسرُ عَظمِ المیّت ککسرہ حیّا۔ ''بیشک کسی مُردے کی ہڈی توڑنا اسی طرح ہے جیسے کسی زندہ کی ہڈی توڑنا۔'' (ابوداود کتاب الجنائز باب ۶۰ حدیث ۳۲۰۷)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جب لوگ جنازہ کو کندھوں پہ اٹھا کر لیجاتے ہیں تو اگر وہ نیک ہو تو کہتا ہے: عجّلُونی عجلونی مجھے جلدی لے چلو مجھے جلدی لے چلو۔ اور اگر نیک نہ ہو تو کہتا ہے ہائے خرابی مجھے کہاں لیجا رہے ہو، مجھے کہاں لیجا رہے ہو۔ اس کی آواز کو انسانوں کے سوا ہر مخلوق سنتی ہے اور اگر انسان سُن لیں تو بے ہوش ہو جائیں۔'' (بخاری کتاب لاجنائز باب ۵۰، نسائی کتاب الجنائز باب ۴۴ مسند احمد جلد ۳ صفحہ ۴۱)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''میت جانتی ہوتی ہے کہ اسے کون غسل دے رہا ہے، اسے کون اٹھا رہا اور کون کفن پہنا رہا اور کون لحد میں اتار رہا ہے۔'' (مسند احمد جلد ۳ صفحہ ۶۸)

کیا ان تمام احادیث مبارکہ کے بعد کوئی شخص یہ سمجھ سکتا ہے کہ مردے نہیں سنتے؟ اگر ایسا ہے تو پھر ہدایت کا دروازہ

اللہ تعالیٰ ہی کھولنے والا ہے۔

[51] یعنی جب قیامت کے قائم کرنے کا فیصلہ ہو جائے گا تو اس سے قبل اللہ تعالیٰ زمین سے ایک عجیب وغریب جانور پیدا کرے گا جو قیامت کی نشانی ہوگا۔اور جب قیامت قائم ہونے والی ہوگی تو اس سے قبل چند بڑی نشانیاں ظاہر ہونگی، جیسے دجال کا نکلنا، یاجوج وماجوج کا نکلنا، سورج کا مغرب سے طلوع ہونا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اترنا وغیرہ، انہی نشانیوں میں سے ایک نشانی زمین سے ایک جانور کا نکلنا بھی ہے۔اسی کا یہاں ذکر فرمایا جارہا ہے۔

## دابۃ الارض سے کیا مراد ہے

حضرت حذیفہ بن یمانی رضی اللہ عنہ نے پوچھا یارسول اللہ وہ دابتہ الارض (زمین سے نکلنے والا جانور) کہاں ظاہر ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس مسجد سے جو اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے معزز ہے۔(یعنی مسجد حرام) اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام محوطواف کعبہ ہوں گے۔اہل ایمان ان کے ساتھ ہوں گے۔اچانک زمین قندیل کی طرح ڈھلے گی اور کوہ صفا کے قریب ایک شگاف ہوگا جس سے وہ جانور نکلے گا جس کے بال و پر ہوں گے اور وہ اتنا تیز ہوگا کہ اسے کوئی نہ پکڑ سکے گا۔وہ ہر مومن کے چہرے پر ایک نشان لگائے گا جس سے اس کا چہرہ چمکتے ستارے جیسا ہو جائے گا اور کافر کے ماتھے پر سیاہ نشان لگادے گا جس سے اس کا کافر ہونا ہر کسی پر ظاہر ہو جائے گا۔(تفسیر ابن جریر طبری جلد ۱۰ صفحہ ۱۵ حدیث ۲۷۱۰۰)

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ جانور لوگوں سے کلام کرے گا کیونکہ وہ اللہ کی آیات یعنی قرآن پہ یقین نہیں رکھتے۔تو اس جانور کے خروج پر وہ قیامت پہ یقین لائیں گے اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کی پہلی نشانی سورج کا مغرب سے نکلنا اور ایک جانور کا ظاہر ہونا ہے۔ان دونوں میں سے جو بھی پہلے ظاہر ہو دوسری نشانی ساتھ ہی ظاہر ہوگی۔(مسلم کتاب الفتن حدیث ۳۹)

وَ يَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ فَوْجًا مِّمَّنْ يُّكَذِّبُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ﴿۸۳﴾

اور وہ دن یاد کرو جب ہم ہر امت سے ان لوگوں کی فوج اٹھائیں گے جو ہماری آیات کو جھٹلاتے ہیں تو انہیں روکا جائے گا۔

حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْ قَالَ اَكَذَّبْتُمْ بِاٰيٰتِيْ وَلَمْ تُحِيْطُوْا بِهَا عِلْمًا اَمَّاذَا

یہاں تک کہ جب سب آجائیں گے تو اللہ فرمائے گا کیا تم نے میری آیات کو جھٹلا دیا اور تم نے اپنے علم سے

كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَوَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ بِمَا ظَلَمُوْا فَهُمْ لَا يَنْطِقُوْنَ ﴿۸۵﴾

انکا احاطہ بھی نہ کیا تھا، تو تم اور کیا کرتے تھے؟[52] اور انکے ظلم کے سبب ان پر فیصلہ ٹھہر جائے گا پھر وہ بول نہ سکیں گے۔[53]

اَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا الَّيْلَ لِيَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ

کیا انہوں نے نہ دیکھا کہ ہم نے رات اس لیے بنائی تاکہ لوگ اس میں سکون کریں اور دن کو روشن کرنے والا بنایا

لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۸۶﴾ وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ

اس میں ایمان لانے والے لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں۔[54] اور جس دن صور پھونکا جائے گا تو آسمانوں

وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَكُلٌّ اَتَوْهُ دٰخِرِيْنَ ﴿۸۷﴾ وَتَرَى

اور زمین میں جو بھی ہے وہ گھبرا جائے گا۔ سوا اس کے جسے اللہ (بچانا) چاہے اور سب اس کے پاس عاجز ہو کر حاضر ہوں گے۔[55]

الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ ؕ صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِيْٓ

اور تم پہاڑوں کو سمجھتے ہو کہ ٹھہرے ہوئے ہیں اور وہ (اُس وقت) بادلوں کی طرح چلیں گے۔ یہ اللہ کی کارسازی ہے

اَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ ؕ اِنَّهٗ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۸۸﴾

جس نے ہر چیز حکمت سے بنائی، بے شک وہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔[56]

## قیامِ قیامت کے چند احوال اور مشرکین کو دعوتِ توحید

[52] روزِ حشر ہر امت کے منکرین کو فوج کی صورت میں لایا جائے گا اور ان کے لیڈروں کے پیچھے انہیں روکا جائے گا یعنی جمع کیا جائے گا۔ مثلاً فرعون کے پیچھے اس کی قوم، نمرود کے پیچھے اس کی قوم اور ابوجہل کے پیچھے کفارِ مکہ کی فوج کھڑی

ہوگی۔ یونہی ہر زمانہ وعلاقہ کے کفار اپنے پیشواؤں کے پیچھے فوج بن کر کھڑے ہوں گے بلکہ ہر زمانہ کے داعیان حق کے پیچھے ان کے متبعین کی فوجیں بھی جمع ہوں گی۔ اسی لئے فرمایا گیا: یَوْمَ نَدْعُوْا کُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِهِمْ ۚ ہم اس دن ہر گروہ کو ان کے امام کے ساتھ پکاریں گے۔ (بنی اسرائیل:۷۱) اس وقت اللہ تعالیٰ منکروں سے فرمائے گا کیا تم نے میری آیات یعنی قرآن اور دوسری الہامی کتابوں کا اپنے علم سے احاطہ کئے بغیر (انہیں سمجھے بغیر) ہی ان سے انکار کر دیا؟ اگر یہ نہیں تو پھر تم اور کیا کرتے تھے؟

[53] اللہ تعالیٰ کے مذکورہ سوال کے جواب میں کفار کچھ نہ کہہ سکیں گے اور ان پر عذاب کا فیصلہ ٹھہر جائے گا۔

[54] اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ دیکھو ہم نے رات بنائی تاکہ تم اس میں سکون سے سو سکو۔ کیونکہ رات کی تاریکی اور اس کا سناٹا انسانوں کو سونے اور آرام کرنے میں مدد دیتا ہے اور ہم نے دن کو روشن بنایا تاکہ رات کے آرام کے بعد تازہ دم ہو کر لوگ دن میں کام کر سکیں۔ اس میں ایمان والوں کیلئے ہدایت کی بڑی نشانیاں ہیں۔ مثلاً اگر مسلسل رات رہتی تو سردی اس قدر ہو جاتی کہ انسان زندہ نہ رہ سکتے اور اگر مسلسل دن ہوتا تو سورج کی گرمی انسانوں کو جُھلسا کر مار دیتی مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے سلسلہ شب و روز بنایا۔ لہٰذا اس کا شکر بجالانا چاہیے اور جو اللہ انسانوں کو نیند سے بیدار کر سکتا ہے وہ انہیں موت سے بھی بیدار کر سکتا ہے۔ کیونکہ نیند موت کی بہن ہے اور جس طرح آفتاب پوری آب و تاب کے ساتھ چمک کر آخر غروب ہو جاتا ہے اس میں انسان کے لئے نشانِ عبرت ہے کہ اس کی زندگی کا سورج بھی ایک دن غروب ہونے والا ہے اور انسان کو اس سے پہلے اس کی تیاری کر لینی چاہئے۔

هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ سے معلوم ہوا مومن کا سونا بھی عبادت ہے جب وہ رات کو اس لئے سوتا ہے تاکہ دن کو اٹھ کر عبادت اور طلب رزقِ حلال کرے گا تو وہ سونا بھی عبادت شمار ہوتا ہے اور حدیث مبارکہ میں ہے ''جو شخص عشاء باجماعت پڑھ کر اس نیت سے سوئے کہ صبح فجر باجماعت پڑھے گا تو اس کی نیند بھی عبادت ہے۔''
(کنز العمال کتاب الصلوٰۃ)

[55] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صُور کیا ہے؟ آپ نے فرمایا یہ ایک بڑا سینگ ہے جس میں تین بار پھونکا جائے گا۔ (پہلی اور دوسری بار کا پھونکا جانا باہم اس قدر قریب ہوں گے کہ انہیں دیگر آیات و احادیث میں ایک ہی بار پھونکا جانا شمار کیا گیا ہے)۔ پہلے صور سے لوگوں پر گھبراہٹ طاری ہوگی دوسرے سے سب پر موت طاری ہو جائے گی اور تیسرے صور سے سب انسان زندہ ہو کر رب العالمین کے حضور کھڑے ہو جائیں گے۔

آگے فرمایا گیا کہ روز قیامت ہر کوئی گھبرا جائے گا۔ مگر جسے اللہ تعالیٰ چاہے وہ نہیں گھبرائے گا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الا من شاء اللہ کہہ کر کن لوگوں کو قیامت کی گھبراہٹ سے مستثنیٰ کیا گیا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا وہ شہداء ہیں۔ (تفسیر ابن جریر طبری جلد ۱۰ صفحہ ۱۹)

معنی یہ ہے کہ جو لوگ اللہ کی توحید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کی گواہی دیتے اور اس کے مطابق اپنی زندگیوں کو

ڈھال لیتے ہیں ایسے مقربین روز قیامت کی گھبراہٹ سے محفوظ ہونگے۔ انہی کو اولیاء اللہ کہا جاتا ہے۔

[56] یعنی آج انسان سمجھتا ہے کہ پہاڑ اس قدر مضبوط ہیں کہ اپنی جگہ سے ہل نہیں سکتے مگر یہی پہاڑ صور کے پھونکے جانے پر زمین سے اُکھڑ کر فضا میں یوں اُڑنے لگیں گے جیسے بادل ہوا کے دوش پر اُڑتے ہیں دوسری جگہ فرمایا گیا: وَاِذَا الْجِبَالُ سُیِّرَتْ ﴿۳﴾ اور جب پہاڑ چلا دیئے جائیں گے۔ (تکویر ۳) اور یہ اللہ کی کارسازی ہے وہ ہر شئے کو حکمت کے ساتھ بناتا ہے اور وہ بندوں کے اعمال سے باخبر ہے۔

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَیْرٌ مِّنْهَا ۚ وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ یَّوْمَىِٕذٍ اٰمِنُوْنَ ﴿۸۹﴾

جو شخص بھلائی (ایمان) لایا تو اس کے لیے اس سے بہتر بھلائی ہے اور یہ لوگ اس دن گھبراہٹ سے امن میں ہوں گے۔

وَمَنْ جَآءَ بِالسَّیِّئَةِ فَكُبَّتْ وُجُوْهُهُمْ فِی النَّارِ ؕ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا

اور جو برائی (کفر) لایا تو ان کے منہ جہنم میں اوندھے کر دیئے جائیں گے۔ تمہیں وہی جزا دی جائے گی جو تم

كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۰﴾ اِنَّمَاۤ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِیْ

عمل کرتے تھے۔ [57] مجھے تو یہی حکم دیا گیا ہے کہ اس شہر مکہ کے رب کی عبادت کروں جس نے

حَرَّمَهَا وَلَهٗ كُلُّ شَیْءٍ ۫ وَّاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۹۱﴾ وَاَنْ

اس شہر کو حرمت دی اور ہر چیز اسی کی ہے۔ اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ اطاعت گزاروں میں سے ہوں [58] اور یہ کہ

اَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰی فَاِنَّمَا یَهْتَدِیْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَقُلْ

قرآن پڑھوں تو جو ہدایت پائے وہ اپنے ہی نفع کے لیے ہدایت پائے گا اور جو گمراہ ہو تو آپ فرما دیں کہ میں

اِنَّمَاۤ اَنَا مِنَ الْمُنْذِرِیْنَ ﴿۹۲﴾ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ سَیُرِیْكُمْ اٰیٰتِهٖ فَتَعْرِفُوْنَهَا ؕ

تو بس ڈرانے والوں میں سے ہوں۔ [59] اور کہو کہ سب تعریف اللہ کی ہے۔ وہ جلد تمہیں اپنی نشانیاں دکھائے گا تم انہیں پہچانو گے

وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾ ع

اور تمہارا رب تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں [60]

[57] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ۔ میں نیکی سے لا الٰہ

الا اللہ مراد ہے اور مَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ سے شرک مراد ہے۔ (تفسیر ابن جریر طبری جلد ۱۰ صفحہ ۲۲ حدیث ۲۷۱۳۰) اور حضرت صفوان بن عسال ﷺ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''روز قیامت ایمان اور شرک عاجزانہ حاضر ہوں گے اللہ فرمائے گا اے ایمان! تم اپنے ساتھیوں (مومنوں) کو لے کر جنت کی طرف جاؤ اور اے شرک! تم اپنے ساتھیوں (کافروں) کو لے کر دوزخ کو جاؤ پھر حضور ﷺ نے یہی آیت پڑھی: مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ ؕ (درمنثور جلد ۶ صفحہ ۳۸۶ بروایت حاکم)

تو آیت کا مفہوم یہ ہے کہ صور پھونکے جانے کے وقت کی گھبراہٹ یا جہنم میں ہمیشہ کے لیے ڈالے جانے کی گھبراہٹ سے مومنین محفوظ رہیں گے اور کفار کو منہ کے بل گھسیٹ کر جہنم میں ڈالا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا جو تم نے عمل کیا وہی جزا تمہیں دی گئی ہے۔ معلوم ہوا کفار کے چھوٹے بچے جو سن شعور سے قبل مرجائیں دوزخ میں نہ جائیں گے کیونکہ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۰﴾ کے مطابق جہنم اسی کے لئے ہے جو اپنی مرضی سے جہنم والا عمل کرے جبکہ غیر ذی شعور بچہ کسی کفر یا شرک سے قاصر ہے۔

[58] یعنی جب شہر مکہ کو اللہ تعالیٰ نے حرمت دی ہے تو اس شہر کو اسی کی عبادت سے آباد کیا جانا چاہئے اور اسے بت پرستی سے پاک رہنا چاہئے۔ یاد رہے اللہ تعالیٰ نے شہر مکہ کو اس طرح سے حرمت دی کہ یہاں کعبہ بنایا گیا جو ساری زمین کا مرکز عبادت ہے۔ یہاں جد الانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لاکر ٹھہرایا گیا۔ یہاں ان کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے قدموں سے آب زمزم جیسا مبارک چشمہ آب چلایا گیا، یہاں حضرت سیدہ ہاجرہ علیہا السلام کے قدموں کی برکت سے صفا و مروہ کو مقدس نشانیاں بنایا گیا، یہاں سید الانبیاء ﷺ کو مبعوث فرمایا گیا اور آپ پر یہاں ستاسی (87) سورت ہائے قرآن کا نزول فرمایا گیا اور یہاں حدودِ حرم میں لڑائی، جانور کا شکار اور خود رو درخت کا کاٹنا حرام ٹھہرایا گیا اور اس شہر کو قرآن میں اللہ تعالیٰ کی قسم کا مصداق بنایا گیا۔ چنانچہ فرمایا گیا: لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ﴿۱﴾ (بلد،۱) وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ ﴿۳﴾ (تین،۱)

[59] نبی کریم ﷺ کی ذمہ داری ہے کہ قرآن کی تلاوت کر کے امت کو اس کا مفہوم سمجھائیں پھر جو ہدایت پالے تو اس کا اپنا فائدہ ہے اور جو گمراہ رہے اس کا اپنا نقصان ہے۔

[60] چنانچہ اللہ تعالیٰ نے معجزات رسول ﷺ اور فتوحاتِ اسلامیہ کی صورت میں کفار کو اپنی نشانیاں دکھائیں۔

---

الحمد للہ آج بروز اتوار 21 ربیع الاول 1429 مطابق 30 مارچ 2008ء بعد نماز عشاء سورہ نمل کی تفسیر مکمل ہوئی۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ محمد وآلہ وصحبہ اجمعین۔

# سورۃ القصص

ترتیب تلاوت کے اعتبار سے یہ قرآن کریم کی 28ویں سورت ہے اور ترتیب نزول کے اعتبار سے 48ویں سورت ہے۔ یہ مکی سورت ہے۔ اس میں نو رکوعات، اٹھاسی (88) آیات، چار سو اکتالیس (441) کلمات اور پانچ ہزار آٹھ سو (5800) حروف ہیں۔ اسے سورۃ القصص اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں حیات موسیٰ علیہ السلام کے قصص (واقعات) بالتفصیل مذکور ہیں اور اس میں لفظ القصص بھی ہے۔ وَقَصَّ عَلَيْهِ الْقَصَصَ ۙ (قصص:۲۵)

## مضامین

اس سورت کے ابتدائی پانچ رکوعات میں یہ موضوعات ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت، آپ علیہ السلام کا شیر خوارگی کے دوران تابوت میں ڈال کر دریا میں بہایا جانا، تابوت کو فرعون کے اہل خانہ کا پکڑ لینا، فرعون کا آپ کے قتل کا ارادہ کرنا پھر اس کی بیوی آسیہ کا اسے اس سے باز رکھنا، پھر آپ کی رضاعت کے لیے دودھ پلانے والی عورتوں کا جمع ہونا اور آپ کا کسی عورت کے پاس نہ جانا، پھر آپ کی والدہ ہی کا کسی طرح پہنچنا اور انہیں دودھ پلانے کی ذمہ داری کا سونپا جانا، پھر آپ کا فرعون کے گھر میں بچپن اور جوانی کا دور گزارنا، پھر آپ کے ہاتھوں فرعونی قوم کے ایک شخص کا قتل ہونا، یوں ساری فرعونی قوم کا آپ کے خلاف ہو جانا اور آپ کا رات کی تاریکی میں مصر سے مدین کی طرف ہجرت کرنا، وہاں آپ کا حضرت شعیب علیہ السلام کی بیٹی سے نکاح کرنا اور وہاں دس برس گزارنا، پھر وہاں سے واپس آنا اور راستہ میں کوہِ طور کے قریب حصولِ نبوت فرمانا اور مصر میں آکر تبلیغی سرگرمیوں کا آغاز کرنا، ان سب امور پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ چھٹے رکوع میں حضور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کفار کا معاندانہ رویہ بتایا گیا ہے۔ ساتویں رکوع میں ردِ شرک ہے۔ آٹھویں رکوع میں قصۂ قارون سے عبرت دلائی گئی ہے اور آخری رکوع میں قیام قیامت کا حال بتایا گیا ہے۔

## ماقبل سے مناسبت

سورہ فرقان سے لیکر یہی مضمون آرہا ہے کہ مختلف انبیاء کرام علیہم السلام کے تذکرے ہوتے ہیں۔ ان کی تبلیغی مساعی کا بیان ہوتا ہے۔ جس کے ضمن میں دلائلِ توحید حقانیتِ قیامت اور صداقتِ کلام خداوندی وغیرہ مضامین آجاتے ہیں۔ سورہ قصص میں بھی یہی مضامین ہیں اور زیادہ تر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر خیر ہے جیسا کہ اس سے قبل سورہ شعراء و نمل میں تھا۔ پھر یہ بات ملحوظ ہے کہ شعراء، نمل اور قصص تینوں سورتیں طواسین کہلاتی ہیں۔ یعنی ان کے شروع میں طا، سین یا طا، سین، میم ہے اور یہ تینوں اکٹھی ہی عطا فرمائی گئیں۔ اسی لیے ان تینوں کو اکٹھا رکھا گیا اور حدیث مبارکہ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ نے مجھے انجیل کے بدلہ میں سورہ طٰہٰ اور طواسین سورتیں عطا فرمائیں۔" (تفسیر بغوی)

راجی رحمۃ الرب عبدہ المذنب قاری محمد طیب غفرلہ

اٰیَاتُهَا ۸۸ ۲۸ سُوْرَةُ الْقَصَصِ مَكِّيَّةٌ ۴۹ رُكُوْعَاتُهَا ۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

طٰسٓمّٓ ① تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ② نَتْلُوْا عَلَيْكَ مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰى

طا سین میم یہ روشن کتاب کی آیات ہیں۔ [1] ہم آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر موسیٰ (علیہ السلام)

وَفِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ③ اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْاَرْضِ

اورفرعون کی خبر سچائی کے ساتھ ایمان لانے والوں کے لئے پڑھتے ہیں [2] بے شک فرعون نے زمین میں سرکشی کی

وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ

اور اہل زمین کو گروہوں میں بانٹ دیا، ان میں سے ایک گروہ پر وہ ظلم ڈھاتا تھا۔ ان کے بچوں کو ذبح کرتا

وَيَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ④

اوران کی بچیوں کوزندہ چھوڑتا تھا۔ وہ فسادیوں میں سے تھا۔ [3]

## حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت، رضاعت اور بچپن

[1] یہ حروف مقطعات ہیں جن کا حقیقی مفہوم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان راز ہے۔ البتہ بعض علماء نے فرمایا کہ طاء اللہ کے طَول (قوت) سین اس کے سِر (راز) اور میم اس کے مَن (احسان) کی طرف اشارہ ہے۔ (روح البیان جلد ۶ صفحہ ۳۸۰) یعنی اللہ تعالیٰ ان چیزوں کی قسم اٹھا کر فرما رہا ہے کہ یہ سورہ قصص روشن کتاب (قرآن) کی آیات ہیں۔

[2] یعنی جن کے دلوں میں قبول حق کی کوئی چنگاری ہے ان کے لئے قصہ موسیٰ وفرعون میں ہدایت کا سامان ہے کہ دیکھو کس طرح اللہ تعالیٰ نے دین اسلام سے ٹکر لینے والی اپنے وقت کی عظیم طاغوتی طاقت کے ٹکڑے کر ڈالے۔

[3] فرعون نے لوگوں کے دو گروہ بنا لئے قبطی اور اسرائیلی، قبطی قوم میں سے وہ خود تھا اور وہ ان کے ذریعے

اسرائیلیوں یعنی بنی اسرائیل پر ظلم ڈھاتا تھا۔ دراصل مصر میں پہلے زمانہ یوسف علیہ السلام سے بنی اسرائیل کی حکومت چلی آرہی تھی پھر جب ان میں بدعملی اور دین سے دوری پھیلی تو باہر سے آنے والی قبطی قوم ان پر غالب آگئی اور انہیں محکوم بنالیا۔ بنی اسرائیل دعا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ان میں کوئی نجات دہندہ پیدا کرے جو انہیں قبطیوں یعنی قوم فرعون کے تسلط وتشدد سے آزادی دلائے۔ ادھر فرعون کو نجومیوں نے بتایا کہ عنقریب بنی اسرائیل میں ایک بچہ پیدا ہونے والا ہے جو فرعون اور اس کی قوم کی ہلاکت کا سبب بنے گا۔ اس نے حکم دے دیا کہ بنی اسرائیل میں جو لڑکا پیدا ہو اسے ذبح کر دیا جائے۔ چنانچہ ہزاروں اسرائیلی بچے قتل کر دیئے گئے۔

وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِي الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً

اور ہم چاہتے تھے کہ ان لوگوں پہ احسان کریں جنہیں زمین میں مظلوم رکھا گیا تھا

وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ ۝۵ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ

اور ہم انہیں پیشوا اور (زمین کے) وارث بنائیں اور انہیں زمین پر قبضہ دیں اور ہم فرعون و ہامان

وَجُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ ۝۶

اور ان کے لشکروں کو وہ کچھ دکھا دیں جس سے وہ ڈرتے تھے۔ [4]

[4] اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ فرعونیوں نے جن لوگوں یعنی بنی اسرائیل کو مظلوم بنا کر رکھا تھا ہم نے فیصلہ کیا کہ انہیں اپنے فضل واحسان سے نوازیں انہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے رسول اور تورات جیسی کتاب کے ذریعے وہ علم دیں جس کے ساتھ وہ دوسری قوموں کے پیشوا بنیں اور ہم نے فیصلہ کیا کہ فرعونی قوم کو تباہ کر کے بنی اسرائیل کو ان کی جگہ زمین میں حکومت واقتدار کا وارث بنائیں اور فرعون اور اس کے وزیر ہامان اور ان کے لشکروں کو وہ چیز دکھا دیں جس سے وہ ڈرتے تھے۔ یعنی نجومیوں نے انہیں بتایا تھا کہ بنی اسرائیل میں وہ بچہ پیدا ہونے والا ہے جو فرعونی قوم کی ہلاکت کا سبب بنے گا اور وہ بہت ڈرے ہوئے تھے اور انہوں نے اسی ڈر کے مارے ہزاروں اسرائیلی نومولود بچے ذبح کر دیئے مگر اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ وہ بچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شکل میں ضرور پیدا ہو جس کی ولادت سے وہ لرزہ براندام تھے۔

## اس آیت کے تحت شیعہ مفسرین کی حضرت ابوبکر صدیق وعمر فاروق رضی اللہ عنہما کے خلاف زہر افشانی

اس جگہ شیعہ مفسرین نے وہ زہر گھولا ہے کہ الامان۔ انہوں نے اس آیت کی تفسیر یوں کی ہے۔ وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِي الْاَرْضِ یعنی ہم چاہتے ہیں کہ آل محمد پہ احسان کریں جنہیں ظلم کا نشانہ بنایا گیا۔ اور

رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد ان سے خلافت چھین لی گئی۔ وَنَجۡعَلَهُمۡ اَئِمَّةً اور ہم انہیں امام بنائیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان میں بارہ (12) امام بنائے۔ وَّنَجۡعَلَهُمُ الۡوٰرِثِيۡنَ ۝ وَنُمَكِّنَ لَهُمۡ فِى الۡاَرۡضِ چنانچہ جب امام مہدی ظاہر ہوں گے تو آل محمد زمین میں وارث بنیں گے اور حکومت کریں گے، وَنُرِىَ فِرۡعَوۡنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوۡدَهُمَا الخ، چنانچہ امام مہدی اس امت کے فرعون وہامان کو دوبارہ زندہ کر کے ان سے آل محمد کا بدلہ لیں گے۔

(تفسیر قمی صفحہ ۴۸۲۔ تفسیر صافی جلد دوم صفحہ ۲۵۲)

اس جگہ وَنُرِىَ فِرۡعَوۡنَ وَهَامٰنَ کے تحت ملا باقر مجلسی ایرانی نے اپنے چہرے سے تقیہ کا نقاب اتار کر کھلے لفظوں میں لکھا ہے کہ اس آیت میں یہاں لفظ فرعون وہامان سے ابوبکر وعمر مراد ہیں جنہوں نے آل محمد کا حق غصب کیا۔

(حق الیقین باب ۵ در بیان رجعت صفحہ ۲۱۶ مطبوعہ تہران)

اس کے جواب میں ہم یہی کہہ سکتے ہیں کہ اے اللہ! جو لوگ تیرے محبوب کریم ﷺ کے سچے جانثاروں پہ لعن طعن کرتے ہیں تو ان پہ لعنت فرما۔ اور ایسے لوگ یقیناً ملعون ہیں۔ کیونکہ جس شخص پر لعنت کی جائے اگر وہ لعنت کا مستحق نہ ہو تو لعنت لوٹ کر اس آدمی پہ پڑتی ہے جس نے لعنت کی ہو۔ اب سیدنا صدیق اکبر وسیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما تو پہلو مصطفیٰ کریم ﷺ میں محو آرام ہیں۔ جہاں ہر وقت رحمتوں کے پہرے ہیں۔ ستر ہزار فرشتے صبح اور ستر ہزار فرشتے شام کو اترتے ہیں اور درودوں کے انوار کی بارش ہو رہی ہے، وہاں لعنت کیسے جا سکتی ہے۔ تو لعنت واپس انہی لوگوں پہ پڑتی رہتی ہے جو اسے بھیجتے رہتے ہیں۔

یہاں سے تین فوائد حاصل ہوئے۔

(۱) اللہ تعالیٰ کی تقدیر ہر چیز پر غالب ہے: فرعون سمجھتا تھا وہ ہر کسی پر غالب ہے مگر تقدیر الٰہی نے اس کا سر کچل کر رکھ دیا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور اس کے قہر وغضب سے ہر وقت ڈرتے رہنا چاہیے۔ وہ چھوٹے چھوٹے ابابیل سے بڑے بڑے لشکروں کو تباہ کر ڈالتا ہے۔

(۲) ظلم ہمیشہ نہیں چل سکتا: ظالم خواہ کتنا طاقتور ہو اسے مظلوم کی آہ تباہ کر ڈالتی ہے جیسے فرعون اور اس کی قوم کو بنی اسرائیل کی آہیں لے ڈوبیں۔

ظلم ظالم کے لیے وجہ فنا ہوتا ہے ظالمو ظلم کا انجام بُرا ہوتا ہے

(۳) مسلم قوم ہمیشہ مغلوب نہیں رہے گی ظلم کی رات چھٹنے والی ہے: بنی اسرائیل اہل ایمان اور اولاد انبیاء تھے۔ پھر جب ان میں بدعملی پھیلی تو اللہ تعالیٰ نے بطور سزا ان پر فرعونیوں کو مسلط کر دیا جب انہوں نے توبہ کی تو ان کی نجات کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھیج دیا گیا۔ آج امت مسلمہ کی بدعملی کی وجہ سے ان پر غیر مسلم طاغوتی طاقتوں کو مسلط کر دیا گیا ہے مگر عنقریب ظلم کی شب تاریک ختم ہونے والی ہے اور ان میں جلد ہی وقت کا کوئی موسیٰ پیدا ہونے والا ہے جو فرعون وقت کا سر کچل کر رکھ دے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے: اَلَاۤ اِنَّ حِزۡبَ اللّٰهِ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ۝ ''خبردار اللہ کا گروہ

ہی کامیاب ہونے والا ہے۔'' (مجادلہ: ۲۲) اور حدیث رسول ﷺ ہے: الاسلام یعلو ولا یُعلیٰ علیه. ''اسلام غالب آتا ہے (ہمیشہ) مغلوب نہیں رہ سکتا۔ (بخاری ومسلم)

شب گریزاں ہوگی آخر جلوۂ خورشید سے
یہ چمن معمور ہو گا نغمۂ توحید سے

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ ۚ فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَاَلْقِيْهِ فِى

اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کی والدہ کی طرف الہام کیا کہ اسے دودھ پلاؤ پھر جب تم اس کے متعلق خوف کروتو اسے

الْيَمِّ وَلَا تَخَافِىْ وَلَا تَحْزَنِىْ ۚ اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝

دریا میں ڈال دو اور ڈرو نہیں اور غم نہ رکھو، ہم اسے ضرور تمہاری طرف لوٹائیں گے اور اسے رسول بنائیں گے [5]

فَالْتَقَطَهٗٓ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا ۭ اِنَّ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ

تو اسے فرعون کے کارندوں نے اٹھا لیا تاکہ وہ ان کے لئے دشمن اور باعث غم بنے، بے شک فرعون اور ہامان

وَجُنُوْدَهُمَا كَانُوْا خٰطِـِٕيْنَ ۝ وَقَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَيْنٍ لِّىْ

اور ان کے لشکر ہی غلطی پر تھے [6] اور فرعون کی بیوی نے (اس سے) کہا یہ میری

وَلَكَ ۭ لَا تَقْتُلُوْهُ ڰ عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝

اور تمہاری آنکھ کی ٹھنڈک ہے۔ اسے قتل نہ کرو شائد یہ ہم کو نفع دے یا ہم اسے بیٹا بنالیں اور وہ نہ جانتے تھے [7]

[5] جب بنی اسرائیل کے ہزاروں نومولود بچے قتل ہو گئے (جن کی تعداد بعض روایات کے مطابق ستر ہزار ہے) تو فرعونیوں کو خطرہ لاحق ہوا کہ کہیں بنی اسرائیل کی نسل ہی ختم نہ ہو جائے اگر ایسا ہوا تو ہماری خدمت کون کرے گا عمارتیں کون بنائے گا اور دیگر مشقتیں کون اٹھائے گا۔ تو فرعون نے حکم دیا کہ ایک سال ان کے بچے قتل کئے جائیں اور ایک سال چھوڑ دیئے جائیں۔ چنانچہ جس برس بچے قتل نہیں ہو رہے تھے اس میں حضرت ہارون علیہ السلام پیدا ہوئے اور اس سے اگلے ہی برس جب بچے قتل ہو رہے تھے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی۔ (تفسیر ابن کثیر جلد ۳ صفحہ ۳۹۶)

## حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بوقت ولادت قتل سے کیسے بچایا گیا

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تو آپ علیہ السلام کی آنکھوں کے درمیان سے وہ نور نکلا جسے دیکھ کر وہ فرعونی دائی جو آپ کے قتل پر مامور تھی آپ پر فریفتہ ہوگئی اس کا دل آپ کی محبت سے

لبریز ہوگیا (جیسے قرآنِ مجید میں ہے: وَاَلْقَیْتُ عَلَیْكَ مَحَبَّةً مِّنِّیْ ''اے موسیٰ! میں نے تمہارے (چہرے) پر اپنی طرف سے محبت ڈالی تھی۔'' (طٰہٰ:۳۹) جب وہ دائی آپ کو قتل کئے بغیر باہر نکلی تو گھر کے باہر جو فرعونی پہرے دار کھڑے تھے انہوں نے اس سے ماجریٰ پوچھا۔ وہ کوئی معقول جواب نہ دے سکی۔ وہ تفتیش کے لئے اندر آ گئے، آپ کی والدہ تنور کے پاس بیٹھی تھیں، فرعونی سپاہیوں کو دیکھ کر وہ گھبرا گئیں اور بچہ ان کے ہاتھ سے نکل کر تنور میں جا گرا۔ جب لوگ تفتیش کر کے واپس لوٹ گئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے اوسان بحال ہوئے۔ انہوں نے اپنی بیٹی سے پوچھا بچہ کدھر ہے؟ وہ کہنے لگی میں نہیں جانتی۔ اتنے میں تنور سے بچے کے رونے کی آواز آئی وہ دوڑ کر ادھر گئیں تو دیکھا کہ دھکتے تنور کو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر ٹھنڈ اور سلامتی والا کر دیا تھا (جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر نارِ نمرود کو ٹھنڈی اور سلامتی والا بنا دیا گیا تھا)

روایات کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کی والدہ نے تین ماہ دودھ پلایا، اس دوران موسیٰ علیہ السلام نہ روتے تھے نہ حرکت کرتے تھے۔ پھر جب تفتیش مزید سخت ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں یہ بات ڈالی کہ اے موسیٰ کی والدہ! تم ایک تابوت بنا کر اس میں یہ بچہ رکھو اور تابوت کو دریائے نیل میں بہا دو اور یہ خوف نہ رکھو کہ وہ دریا میں ضائع ہو جائے گا اور نہ یہ غم کرو کہ فرعون اسے پکڑ کر قتل کر دے گا بلکہ ہم اس بچے کو تمہارے ہی پاس لوٹا کر لائیں گے کیونکہ ہم نے اسے رسول بنایا ہے اور ہم نے اس سے اپنے دین کی سربلندی اور اپنے دشمنوں کے خاتمہ کا کام لینا ہے۔

اس جگہ وَاَوْحَیْنَآ اِلٰٓی اُمِّ مُوْسٰٓی میں وحی کا لغوی معنی مراد ہے یعنی دل میں بات ڈالنا اور خفیہ طریقہ سے خبر دینا۔ اس سے وحی نبوت مراد نہیں ہوسکتی کیونکہ کسی عورت کو اللہ تعالیٰ نے نبوت نہیں عطا کی۔ بلکہ اس کی مثال یوں ہے کہ فرمایا گیا: وَاَوْحٰی رَبُّكَ اِلَی النَّحْلِ ''اور تمہارے رب نے شہد کی مکھی کے دل میں بات ڈالی۔'' (نحل:۶۸) اور وَاِنَّ الشَّیٰطِیْنَ لَیُوْحُوْنَ اِلٰٓی اَوْلِیٰٓـِٕهِمْ۔ ''اور شیاطین اپنے ساتھیوں کے دلوں میں بات ڈالتے ہیں۔'' (انعام:۱۲۱)

چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ سیدہ یوحائذ نے ایک چھوٹا سا تابوت بنوایا اس میں موسیٰ علیہ السلام کو ڈالا اور اسے رات کے وقت دریائے نیل میں بہا دیا۔ جو چلتے چلتے فرعون کے محل تک جا پہنچا جسے فرعون کے اہل خانہ نے اٹھالیا۔ یوں موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے گھر میں پرورش پائی۔ یعنی جس بچے کی ولادت کو روکنے کے لیے ظالم وسفاک فرعون نے بنی اسرائیل کے ہزاروں معصوم بچے ذبح کیے وہ بچہ فرعون کی گود میں پرورش پا رہا ہے۔

## تابوت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کا اٹھانا

[6] روایات کے مطابق ان کا گھر دریائے نیل کے کنارے ہی پہ تھا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں فرعون کے ہاں صرف ایک بیٹی ہی تھی جو اسے ساری دنیا سے محبوب تھی اس بچی کو شدید برص لاحق تھا۔ اطباء اس کے علاج سے عاجز آ چکے تھے پھر اہل نجوم نے خبر دی تھی کہ اے بادشاہ! کسی روز اس دریا میں انسانی شکل کی کوئی چیز بہتی ہوئی

آئے گی اس کی تھوک سے اس بچی کا برص جاتا رہے گا اور وہ صبح کا وقت ہوگا۔ چنانچہ ایک دن پیر کا روز تھا فرعون اپنی بچی اور بیوی آسیہ کے ساتھ صبح کے وقت دریا کے کنارے بیٹھا تھا۔ اتنے میں فرعون کی نظر پڑی اس نے کہا دیکھو یہ پانی پر کوئی چیز بہتی آ رہی ہے اور درخت کے ساتھ اٹک گئی ہے۔ کارندے کشتیوں کے ذریعے اس کی طرف لپکے اور اسے اٹھالائے۔

وہ ایک بند تابوت تھا حضرت آسیہ (جو بعد میں ایمان لائی تھیں) نے تابوت کھولا۔ اس میں ایسا حسین بچہ تھا جس کی پیشانی سے چمکنے والے نور نے حضرت آسیہ کی آنکھیں خیرہ کر دیں اور ان کا دل بچے کی محبت سے لبریز ہو گیا۔ فرعون کی بیٹی نے بڑھ کر بچے کو تابوت سے اٹھایا اور سینے سے چمٹا لیا۔ بچے کے منہ سے جو رال بہہ رہی تھی وہ اس کے ہاتھوں پر پڑی تو اسے محسوس ہوا جیسے اس کے ہاتھ درست ہو گئے ہیں اس نے وہ رال اپنے تمام زخموں پہ لگانا شروع کر دی تو اس کے سارے زخم مندمل ہو گئے۔ فرعون کے گھر میں خوشی کی لہر دوڑ گئی حضرت آسیہ نے کہا اس کا نام موسیٰ رکھو۔ (ان کی زبان میں مو کا معنی پانی اور سیٰ کا معنی درخت تھا) کیونکہ یہ ہمیں پانی میں درخت کے پاس سے ملا تھا۔

(تفسیر بغوی جلد ۵ صفحہ ۱۶۴)

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے فرعون کی آل یعنی اس کے پیروکاروں اور کارندوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پانی میں سے اس لئے اٹھایا تھا کہ اس کے نتیجے میں آپ ان کے لئے دشمن اور وجہ غم بن جائیں یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت دکھائی کہ اپنے رسول کی پرورش دشمنوں کے ہاتھوں کروائی۔ جس بچے کے قتل کے لئے انہوں نے ہزاروں اسرائیلی بچے قتل کر دیئے تھے آج وہ اسی بچے کو اٹھا کر اس سے پیار کر رہے تھے اور نہ جانتے تھے کہ اسی بچے کے ہاتھ پر ان کی موت لکھی ہوئی ہے۔

## لفظ آل کسی کے پیروکاروں کو بھی شامل ہوتا ہے

اس جگہ فَالْتَقَطَهٗ اٰلُ فِرْعَوْنَ سے معلوم ہوا لفظ آل پیروکاروں پر بھی بولا جاتا ہے۔ کیونکہ جن کارندوں نے تابوت موسیٰ علیہ السلام کو پانی سے نکالا تھا وہ فرعون کے پیروکار تھے۔ فرعون کی اولاد نہ تھے۔ لہٰذا اللّٰھم صل علیٰ محمد و علیٰ آل محمد میں لفظ آل محمد میں امت محمدیہ بھی شامل ہے کیونکہ وہ سب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیروکار ہیں۔ پھر درود شریف میں سے ہر کسی کو اسی قدر حصہ ملتا ہے جس قدر وہ آپکی پیروی کرتا ہو۔ یاد رہے کہ لفظ آل عربی میں آل یئول سے ہے۔ جس کا معنی کسی کی طرف لوٹنا یا منسوب ہونا ہے۔

چنانچہ امام لغت عرب علامہ محب الدین زبیدی اپنی مشہور زمانہ عربی کی لغت تاج العروس میں فرماتے ہیں:

الآل اهل الرجل وعياله واتباعه واولياء ه ومنه سلمان منا اهل البيت وقال الله عزوجل كدأب آل فرعون وقال ابن عرفة من آل اليه بدين او مذهب او نسب۔ یعنی آل کسی کے

اہل خانہ وعیال کو بھی کہتے ہیں اور اس کے پیروکاروں اور دوستوں مددگاروں کو بھی کہتے ہیں۔ اسی سے یہ حدیث مبارکہ ہے کہ سلمان ہمارے اہل بیت میں سے ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جیسے آل فرعون کا طریقہ تھا اور ابن عرفہ نے کہا: کسی کی آل وہ لوگ ہوتے ہیں جو دین مذہب یا نسب کے لحاظ سے اس کی طرف منسوب ہوں۔

(تاج العروس جلد ۷ صفحہ ۲۱۶ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

لہٰذا درود شریف میں سادات کرام کو دوہرا حصہ ملتا ہے۔ وہ رسول اللہ ﷺ کی اولاد بھی ہیں اور پیروکار بھی اور باقی امت کو صرف پیروکار ہونے کی حیثیت سے درود شریف سے حصہ ملتا ہے، مگر جو سادات بدعقیدگی کا شکار ہو کر خلفاء راشدین وامہات المؤمنین کو گالیاں دیں ان کا رسول اللہ ﷺ سے رشتہ ایمان کٹ گیا۔ وہ آپ کی آل میں سے نکل گئے بلکہ اسلام وایمان ہی سے نکل گئے۔ اللہ تعالیٰ نے پسر نوح علیہ السلام کے بارے میں فرمادیا تھا: اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ (ھود ۱۱، ۴۶)

[7] فرعون کی بیوی آسیہ کی گود نرینہ اولاد سے خالی تھی۔ انہوں نے چاہا کہ موسیٰ علیہ السلام کو اپنا بیٹا بنا لیں۔ ادھر قبطی لوگوں نے فرعون کے کان بھرے کہ یہ وہی بچہ لگتا ہے جو بقول اہل نجوم ہماری قوم کی ہلاکت کا سبب بنے گا۔ فرعون نے آپ کے قتل کا ارادہ کیا مگر حضرت آسیہ درمیان میں آگئیں کہ اے فرعون! اس بچے کو مت قتل کرو ممکن ہے یہ ہمیں نفع دے یعنی ہماری بہتر خدمت کرے اور اسے ہم اپنا بیٹا بھی بنا سکتے ہیں کیونکہ ہمارے ہاں نرینہ اولاد نہیں ہے۔ اور یہ بھی کہا کہ اے فرعون! یہ بچہ میری اور تمہاری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ فرعون نے کہا مگر یہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک تو نہیں ہے۔ اور اگر وہ کہہ دیتا کہ ہاں میری آنکھوں کی بھی ٹھنڈک ہے تو اللہ تعالیٰ اسے بھی حضرت آسیہ کی طرح توفیق ایمان دے دیتا مگر اس کے نصیب میں ایمان نہ تھا۔

الغرض جس کے نصیب میں ایمان نہ ہو اس کے منہ سے ایسی ہی باتیں نکلتی ہیں اور جس کے نصیب میں ایمان ہو وہ حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا والی بولی بولتا ہے۔

وَاَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰى فٰرِغًا ؕ اِنْ كَادَتْ لَتُبْدِيْ بِهٖ لَوْلَاۤ اَنْ رَّبَطْنَا

اور موسیٰ (علیہ السلام) کی والدہ کا دل بے قرار ہو گیا۔ قریب تھا کہ وہ اس کا راز فاش کر دیتی اگر ہم اس کے دل کو

عَلٰى قَلْبِهَا لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۱۰ وَقَالَتْ لِاُخْتِهٖ قُصِّيْهِ ۫ فَبَصُرَتْ

مضبوط نہ کرتے، تاکہ وہ ایمان لانے والوں میں سے ہو اور اس نے موسیٰ (علیہ السلام) کی بہن سے کہا: اس کے پیچھے جاؤ،

بِهٖ عَنْ جُنُبٍ وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝۱۱ وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ

تو وہ اسے دور سے دیکھتی تھی اسطرح کہ لوگ نہ جان سکیں [8] اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) پر پہلے سے دودھ پلانے والیاں حرام کر رکھی تھیں۔

فَقَالَتْ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰۤى اَهْلِ بَيْتٍ يَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ وَهُمْ لَهٗ نٰصِحُوْنَ ۝۱۲

تو آپ کی بہن ان سے کہنے لگی کیا میں تمہیں ایسا گھرانہ نہ بتاؤں جو اس بچے کو پالیں اور اس کے خیرخواہ ہوں؟۔

فَرَدَدْنٰهُ اِلٰۤى اُمِّهٖ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ وَلِتَعْلَمَ اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ

اس طرح ہم نے آپ کو آپ کی والدہ کی طرف لوٹا دیا تاکہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ غم نہ کرے۔

وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۱۳ ع

اور جان لے کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے مگر اکثر لوگ نہیں جانتے۔ [9]

[8] ادھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا دل بیقرار تھا کہ نہ جانے میرے بچے کا کیا بنا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے اگر ہم اس کا دل مضبوط نہ کرتے تو قریب تھا کہ وہ خاموش نہ رہ سکتیں اور چیخ وپکار کر کے اپنا راز فاش کر دیتیں مگر اللہ تعالیٰ نے انہیں پہلے ہی بتا دیا تھا: وَلَا تَخَافِيْ وَلَا تَحْزَنِيْ ۚ اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝۷ (قصص:۷) کہ کچھ خوف اور غم نہ رکھو ہم موسیٰ کو تمہارے ہی پاس لوٹا لائیں گے اور اسے رسول بنائیں گے۔ لہٰذا وہ ایمان رکھتی تھیں کہ ان کا بچہ انہی کے پاس واپس آئے گا اور اللہ تعالیٰ نے انہیں دکھایا بھی تھا کہ ان کا بچہ دھکتے تنور میں محفوظ رہا تھا تو وہ پانی میں کیوں محفوظ نہ رہے گا۔ البتہ انہوں نے اپنی بیٹی سے کہا جاؤ پتہ چلاؤ کہ تابوت کا کیا بنا تو وہ تابوت کی خبر لینے نکلیں مگر اس طرح کہ کسی کو خبر نہ ہو کہ انہیں اس تابوت سے کوئی خصوصی تعلق ہے۔ انہیں معلوم ہوا کہ تابوت تو فرعون کے ہاتھ لگ گیا ہے۔

[9] ادھر جب حضرت آسیہ نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنا بیٹا بنا لیا تو کہا اسے کون عورت دودھ پلائے گی؟ چنانچہ کئی دودھ

پلانے والی عورتیں آئیں مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کسی کا دودھ نہ پیا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر پہلے ہی سے دودھ پلانے والیوں کا دودھ حرام قرار دیا تھا۔ گویا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو علم دے دیا گیا تھا کہ آپ نے ان عورتوں کا دودھ نہیں پینا ہے، یہ آپ پر حرام ہے۔ تب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن حضرت کلثوم نے حاضر ہو کر حضرت آسیہ سے کہا: میں تمہیں ایک گھرانہ بتاتی ہوں جو اس بچے کو بہتر دودھ پلائیں گے بہتر تربیت اور خیر خواہی کریں گے۔ تو وہ اپنی والدہ کو لے آئیں۔ تب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی والدہ کا دودھ پی لیا۔

مروی ہے کہ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کی والدہ یوحائذ سے پوچھا کیا تمہارے پاس کوئی بچہ ہے؟ یعنی تمہاری چھاتی میں دودھ کیسے ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں میرے پاس ایک سال کا بچہ ہارون ہے اور میری چھاتی میں اسی کا دودھ ہے۔ فرعون مطمئن ہو گیا اور ہمیشہ اس دھوکہ میں رہا کہ موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل میں سے نہیں ہیں بلکہ کہیں بہت دور سے دریا میں بہتے ہوئے آئے ہیں۔ (کیونکہ دریائے نیل مختلف افریقی ممالک میں سے بہتا ہوا مصر میں داخل ہوتا ہے) گویا ایک سال قبل جب بچوں کا قتل بند تھا اللہ تعالیٰ نے اس دوران حضرت ہارون علیہ السلام کو اسی لئے پیدا کیا تھا تاکہ بنی اسرائیل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت پر پردہ پڑ جائے۔ یوں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو آپ کی والدہ کی طرف لوٹا دیا تاکہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ جان لیں کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہوتا ہے مگر اکثر لوگ یہ بات نہیں جانتے۔ اور اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ سے کیا ہوا وعدہ پورا کر دکھایا اور وہ سرکاری خرچہ پر اپنے بیٹے کو دودھ پلانے لگیں۔

## اللہ تعالیٰ کا نبی شیر خوارگی ہی سے منبع علم ہوتا ہے

حضرت موسیٰ علیہ السلام تین ماہ کی عمر میں جانتے تھے کہ ان کے لئے کس عورت کا دودھ پینا حلال ہے کس کا نہیں۔ گویا پیغمبر مہلو مادر ہی میں سب کچھ جانتا ہوتا ہے۔ یہ اسی طرح ہے جیسے عیسیٰ علیہ السلام اپنی والدہ کی گود میں فرماتے ہیں کہ میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں، اللہ تعالیٰ نے مجھے کتاب دی ہے اور پیغمبر بنایا ہے، اور اللہ نے مجھے برکت والا بنایا ہے جہاں بھی میں رہوں اور اللہ تعالیٰ نے مجھے نماز قائم کرنے اور زکوۃ دینے کا حکم فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی والدہ کا فرماں بردار بنایا ہے۔ (مریم، ۳۰)

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا نے اپنی ایک چھاتی سے دودھ پلایا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پی لیا جب دوسری طرف سے پلانا چاہا تو آپ نے انکار کر دیا۔ کیونکہ حضرت حلیمہ سعدیہ کی گود میں ان کا اپنا بیٹا بھی تھا (حجۃ اللہ علی العالمین فی معجزات سید المرسلین) تو آقائے کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوسری طرف سے دودھ نہ پی کر بتا دیا کہ آپ بندوں کے حقوق ضائع کرنے نہیں آئے بلکہ حقوق العباد کے تحفظ کے لیے آئے ہیں اور یہ نبی کا علم اس کی شیر خوارگی میں ہوتا ہے۔

## پیغمبر کا محرمات سے معصوم ہونا

وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب ایک نبی سن لاشعور میں یوں حرام سے بچنے والا ہوتا ہے تو سن شعور میں داخل ہو کر اس کے حرام سے بچنے کا کیا عالم ہوگا۔ اس سے انبیاء کا محرمات سے معصوم ہونا واضح ہوتا ہے۔ یعنی پتہ چلا کہ پیغمبر اعلان نبوت سے قبل بھی محرمات کے قریب نہیں جا سکتا، اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت فرماتا ہے۔ اسی لیے یہاں اللہ تعالیٰ نے حرمت کی نسبت اپنی طرف فرمائی اور ارشاد فرمایا: وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ یعنی ہم نے موسیٰ علیہ السلام پہ دودھ پلانے والی عورتوں کو حرام کیا۔

## انبیاء کا میلاد بیان کرنا اللہ تعالیٰ کی سنت ہے

اس رکوع میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت، رضاعت اور بچپن کا حال بیان فرمایا ہے کہ اس دوران اللہ تعالیٰ نے اپنی کیا کیا قدرتیں ظاہر فرمائیں۔ یعنی یہ بیان کیا گیا کہ جب موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تو انہیں فرعون کے ظلم سے بچایا گیا، انہیں تابوت میں ڈال کر پانی میں بہایا گیا جس کو آل فرعون نے اٹھالیا اور اللہ تعالیٰ نے والدۂ موسیٰ علیہ السلام کے دل میں بات ڈالی کہ ہم اس بچے کو لوٹا کر تمہارے پاس لائیں گے، پھر بتایا گیا کہ موسیٰ علیہ السلام کی ہمشیرہ تابوت کے پیچھے پیچھے گئیں، پھر جب تابوت فرعون کے پاس پہنچ گیا تو موسیٰ علیہ السلام کسی دائی کا دودھ نہیں پیتے تھے اور یوں ان کو لوٹا کر ان کی والدہ کے پاس پہنچایا گیا۔ گویا اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا میلاد بیان فرمایا۔

یہی کچھ محافل میلاد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت، سیدہ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے ہاں آپ کی رضاعت اور آپ کے بچپن کے احوال بلکہ آپ کی زندگی کے تمام اہم پہلوؤں پہ روشنی ڈالی جاتی ہے۔ اسی کا نام ذکر میلاد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ اگر میلاد موسیٰ علیہ السلام بیان کیا جائے تو وہ قرآن ہے اور اگر میلاد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیان کیا جائے تو یہ ہمارا ایمان ہے۔

| |
|---|
| وَلَمَّا بَلَغَ أَشُدَّهُ وَاسْتَوَىٰ آتَيْنَاهُ حُكْمًا وَعِلْمًا ۚ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي |
| اور جب موسیٰ (علیہ السلام) اپنی پختہ عمر کو پہنچے تو ہم نے انہیں حکمت اور علم سے نوازا اور ہم نیکوکاروں کو اسی طرح |
| الْمُحْسِنِينَ ﴿١٤﴾ |
| جزا دیتے ہیں [10] |

[10] حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے گھر میں پل کر جوان ہوئے مگر اس کے باوجود آپ کسی کافرانہ رسم یا عقیدہ سے متاثر نہیں ہوئے کیونکہ جب آپ اپنی پختہ عمر یعنی جوانی کو پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکمت و علم سے نواز دیا اور اللہ نیکوکاروں کو ایسے ہی جزا دیتا ہے اور ہر نبی کو اللہ تعالیٰ نے کفار میں بچپن و جوانی گذارنے کے باوجود ہر گناہ سے دور رکھا

کیونکہ اسے پہلے ہی سے علم وحکمت سے نواز دیا جاتا تھا جیسے یوسف علیہ السلام کے بارے میں کہا گیا: وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗۤ اٰتَیْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ؕ وَ كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ۝۲۲ ''اور جب یوسف (علیہ السلام) اپنی پختہ عمر کو پہنچے تو ہم نے انہیں حکمت اور علم سے نوازا اور ہم نیکوکاروں کو یونہی جزا دیتے ہیں۔'' (یوسف:۲۲)

گویا اس حکمت وعلم سے مراد علم نبوت نہیں ہے۔ کیونکہ وہ تو موسیٰ علیہ السلام کو مدین سے واپسی پہ کوہ طور کے قریب دیا گیا بلکہ اس سے یہ مراد ہے کہ آپ کو شروع ہی سے قوت فیصلہ اور امور خیر کا علم دیا گیا۔

وَدَخَلَ الْمَدِیْنَةَ عَلٰی حِیْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا فَوَجَدَ فِیْهَا رَجُلَیْنِ

اور (ایک بار) آپ شہر میں وہاں کے باشندوں کی غفلت کے وقت داخل ہوئے تو وہاں دو آدمیوں کو

یَقْتَتِلٰنِ ۗ هٰذَا مِنْ شِیْعَتِهٖ وَهٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ ۚ فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِیْ مِنْ

باہم لڑتے پایا۔ یہ آپ کے گروہ میں سے تھا اور یہ آپ کے دشمنوں میں سے۔ تو آپ کے گروہ والے نے اس کے

شِیْعَتِهٖ عَلَی الَّذِیْ مِنْ عَدُوِّهٖ ۙ فَوَكَزَهٗ مُوْسٰی فَقَضٰی عَلَیْهِ ۗ قَالَ

مقابلہ میں جو آپ کے دشمنوں میں سے تھا آپ سے مدد مانگی۔ تو موسیٰ (علیہ السلام) نے اسے گھونسہ مارا تو اس کا کام تمام کر دیا۔ پھر کہا

هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِیْنٌ۝۱۵ قَالَ رَبِّ اِنِّیْ

یہ شیطان کا کام ہے وہ دشمن اور کھلا گمراہ کرنے والا ہے [11] اور کہا اے میرے رب! میں نے اپنی جان پر

ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْ لِیْ فَغَفَرَ لَهٗ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ۝۱۶ قَالَ

ظلم کیا ہے۔ تو تو مجھے بخش دے۔ تو اللہ نے انہیں بخش دیا بے شک وہ بخشنے والا مہربان ہے موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا

رَبِّ بِمَاۤ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ فَلَنْ اَكُوْنَ ظَهِیْرًا لِّلْمُجْرِمِیْنَ۝۱۷

اے میرے رب! چونکہ تو نے مجھ پر انعام کیا ہے اس لیے میں کبھی مجرموں کا مددگار نہ بنوں گا۔ [12]

## موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں ایک فرعونی شخص کا غیر ارادی قتل اور آپ کا مصر چھوڑنا

[11] حضرت موسیٰ علیہ السلام بظاہر فرعون کے بیٹے مشہور تھے مگر آپ جانتے تھے کہ آپ کا بنی اسرائیل سے تعلق ہے اور آپ اپنے بھائی اور اپنی والدہ کو بھی جانتے تھے۔ اس لئے آپ بنی اسرائیل سے محبت رکھتے تھے اور ان پر فرعونی قوم

کے مظالم دیکھ کر آپ کو بہت غصہ آتا تھا اور فرعون سمجھتا تھا کہ آپ کی بنی اسرائیل سے یہ محبت اس لئے ہے کہ آپ کی تربیت بنی اسرائیل میں ہوئی ہے اور ایک اسرائیلی عورت نے آپ کو دودھ پلایا ہے۔ مروی ہے کہ آپ علیہ السلام کی کوشش سے بنی اسرائیل کو ہر ہفتہ کے دن کام سے چھٹی ملی ورنہ اس سے قبل ان سے ساتوں دن کام لیا جاتا تھا۔ چنانچہ بنی اسرائیل کا ہر آدمی آپ پر جان چھڑکنے لگا۔ (تالمود صفحہ ۱۲۹)

## حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں فرعونی کا واقعہ قتل قرآنِ مجید میں اور بائبل میں

فرعون کا گھر شہر ممفس سے باہر نیل کے کنارے واقع تھا۔ ایک دن آپ وہاں سے شہر ممفس میں آئے۔ دوپہر کی گرمی تھی لوگ اپنے کاموں سے غافل ہو کر آرام کر رہے تھے۔ آپ نے دیکھا فرعون کا شاہی باورچی ایک اسرائیلی کو بیدردی سے مار رہا اور کہہ رہا ہے کہ یہ لکڑیاں اٹھا کر شاہی باورچی خانہ تک پہنچاؤ۔ اسرائیلی نے آپ کو مدد کے لیے پکارا۔ آپ کا دل فرعونیوں کے مظالم پر پہلے ہی غصہ سے بھرا ہوا تھا۔ آپ نے فرعون کے باورچی کو محض سزا دینے کے لئے ایک گھونسہ دے مارا۔ آپ کا مقصد اسے قتل کرنا نہ تھا مگر آپ بھرپور جوان اور صحت مند تھے آپ کے ایک گھونسے نے اس کا کام تمام کر دیا (اسی لیے آپ کی ضرب کلیم مشہور ہے) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا یہ شیطان کا عمل ہے یعنی فرعونی باورچی کا اسرائیلی شخص کو مارنا شیطانی کام ہے۔ کیونکہ شیطان انسان کا دشمن اور اسے کھلا گمراہ کرنے والا ہے۔

اس جگہ میں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شان میں ایک منقبت لکھی ہے۔ جس میں آپ کے فضائل جمع کیے گئے ہیں۔

عالم میں کیا بلند ہے رتبہ کلیم کا — قرآن میں سب سے بڑھ کے ہے قصیدہ کلیم کا
میلادِ موسیٰ مولا نے قرآں میں ہے لکھا — میرا خدا ہے چاہنے والا کلیم کا
خوں کے پیاسے دشمن کے گھر میں ہیں وہ پلے — قدرت کا اک نشان ہے جلوہ کلیم کا
اعجاز خوب تر ہے عصائے کلیم میں — ہے خوب معجزہ ید بیضا کلیم کا
حق نے نوازا ان کو شرف کلام سے — یوں مرتبہ خدا نے بڑھایا کلیم کا
دیتے تھے وہ بشارتِ سرکار کائنات — یہ بھی ہے ایک مرتبۂ بالا کلیم کا
اک مکے سے ہی قبطی ٹھکانے لگا دیا — کس قدر زبردست ہے مکہ کلیم کا
تھپڑ سے اک نکال دی آنکھ عزرائیل کی — ہے موت کو بھگاتا غصہ کلیم کا
ان کے حضور جھک گئے جادوگروں کے سر — اللہ نے ایسا ڈنکا بجایا کلیم کا
ہے فلک بحر مظہر اعجازِ موسوی — خالق نے یہ مقام بنایا کلیم کا
پتھر سے بارہ چشمے بہائے ہیں آپ نے — طیبؔ یہ حق نے رتبہ دکھایا کلیم کا

اس واقعہ کو بائبل میں بہت بھونڈے انداز میں یوں لکھا گیا ہے: ایک دن موسیٰ نے دیکھا کہ اس کے ایک عبرانی بھائی کو ایک مصری مار رہا ہے۔ موسیٰ نے ادھر ادھر نگاہ کی اور جب دیکھا کہ وہاں کوئی دوسرا آدمی نہیں ہے تو اس مصری کو

جان سے مار کر اسے ریت میں چھپا دیا۔ (بائبل کتاب خروج باب ۲ صفحہ ۱۲) اب آپ خود اندازہ کر لیں کہ شانِ نبوت کے مطابق کس کا بیان ہے قرآنِ مجید کا یا بائبل کا؟

[12] حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا اے اللہ تعالیٰ میں نے خود پر ظلم کیا یعنی ایک فرعونی شخص کو غیر ارادی طور پر مار دیا اب فرعونی لوگ مجھے مار دیں گے تو گویا میں نے خود اپنے قتل کا سامان کر دیا۔ تو اے اللہ تعالیٰ مجھے بخش دے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بخش دیا کیونکہ وہ بخشنے والا مہربان ہے اور موسیٰ علیہ السلام نے کہا اے اللہ تعالیٰ تو نے مجھ پر بہت انعامات کئے ہیں کہ مجھے ولادت کے بعد قتل سے بچایا اور عزت و شوکت دی۔ لہٰذا میں مجرموں یعنی فرعونیوں کا کبھی ساتھی نہ بنوں گا۔

## عصمتِ انبیاء اور یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کوئی گناہ صادر نہیں ہوا

دراصل انبیاء سے کسی نامناسب فعل کا غیر ارادی طور پر صادر ہونا بھی ان کے لئے باعث حجاب بن جاتا ہے پھر وہ اللہ تعالیٰ کے حضور گڑگڑاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کا وہ حجاب دور کر دیتا ہے اور یہ ان کا تواضع اور کسرِ نفسی ہے۔ اسے حقیقت پہ محمول نہیں کرنا چاہئے۔ لہٰذا اس آیت سے یہ استدلال جائز نہیں کہ انبیاء سے بھی گناہ ہو جاتا ہے پھر وہ معافی مانگتے ہیں تو اللہ معاف کر دیتا ہے۔ اور فَاغْفِرْ لِیْ فَغَفَرَ لَهٗ ط میں مغفرت کا معنی چھپانا بھی ہو سکتا ہے جیسے عربی میں کہتے ہیں: غفر شیبہٗ بالخضاب اب اس نے خضاب سے اپنا بڑھاپا چھپا دیا۔ اور جنگ میں سر پہ پہنے جانے والے خود کو عربی میں مِغْفَرْ کہتے ہیں کیونکہ وہ سر کو چھپا دیتا ہے (منجد) تو گویا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی اے اللہ تعالیٰ میرے اس عمل کو یا مجھے فرعون سے چھپا دے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو چھپا دیا اور بحفاظت مصر سے نکال کر مدین پہنچا دیا۔

یاد رہے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کوئی گناہ صادر نہ ہوا کیونکہ

اول: گناہ یہ ہے کہ آدمی نفس و شیطان کے بہکانے پر جان بوجھ کر حرام کام کرے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعونی شخص کے قتل کا ارادہ نہ کیا تھا صرف بطورِ سزا اسے مُکا مارا اور عموماً مکے سے کوئی شخص مرتا نہیں ہے۔ اگر آپ علیہ السلام نے اسے مارنا ہوتا تو کسی آلۂ قتل کا استعمال کرتے۔ جب گناہ کا ارادہ ہی نہ تھا تو گناہ کا کیا تصور؟

دوم: اگر یہ گناہ ہوتا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام مقتول کے ورثاء سے معافی مانگتے یا خود کو فرعون کے سامنے پیش کر دیتے۔ صرف زبانی معافی مانگنا کافی نہ ہوتا۔

سوم: فرعونی قوم نے بنی اسرائیل کے ہزاروں شیر خوار بچے قتل کر دیئے تو وہ اہل حرب تھے ان کے کسی شخص کو موسیٰ علیہ السلام کا قصداً مار دینا بھی گناہ نہ تھا چہ جائیکہ بلا ارادہ مارنے کو گناہ کہا جائے۔ لہٰذا حضرت موسیٰ علیہ السلام کا رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ کہنا محض تواضعاً اور تعلیم امت کے لئے ہے۔

## معلوم ہوا انبیاء کرام علیہم السلام تواضع کا مجسمہ ہوتے ہیں

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ کہنا بتاتا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام اپنے کسی خلاف اولی اور غیر ارادی

عمل کو بھی ظلم سے تعبیر کرتے ہیں اور استغفار میں لگ جاتے ہیں۔ جسے گمراہ لوگ ان کی عدمِ عصمت پہ محمول کر لیتے ہیں۔ اسی معنی میں حضرت آدم علیہ السلام نے کہا: رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا۔ (اعراف، ۲۳) حالانکہ حضرت آدم علیہ السلام نے کوئی گناہ نہیں کیا تھا۔ کیونکہ انہوں نے جو کیا بھول کر کیا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ﴿۱۱۵﴾ ''وہ بھول گئے اور ہم نے ان کا کوئی ارادہ نہ پایا۔'' (طٰہٰ، ۱۱۵) اور حضرت یونس علیہ السلام نے کہا: لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۷﴾ (انبیاء، ۸۷) اور حضرت یونس علیہ السلام سے بھی کوئی گناہ سرزد نہیں ہوا تھا، بلکہ ان سے خطاء اجتہادی ہوئی۔

## مظلوم کا ساتھ دیا جائے ظالم کا نہیں خواہ ظالم محسن ہو

حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے گھر میں پلے بڑھے، اسی نے آپ کو پالا پوسا تھا، مگر جب آپ نے اس کے مظالم دیکھے تو آپ اس کے خلاف ہو گئے اور ایک دن اس کی قوم کے ایک شخص کو ایسا گھونسا رسید کیا کہ کام تمام کر دیا۔ اس میں یہ سبق ہے کہ مومن حق کا ساتھی ہوتا ہے ناحق کا نہیں، وہ ظالم کا ساتھی نہیں بنتا، خواہ ظالم بظاہر اس کا محسن ہی ہو۔

فَاَصْبَحَ فِي الْمَدِيْنَةِ خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ فَاِذَا الَّذِي اسْتَنْصَرَهٗ بِالْاَمْسِ

تو اگلی صبح آپ شہر میں ڈرتے ہوئے خوف زدہ داخل ہوئے تو دیکھا کہ وہ شخص جس نے کل آپ کو مدد کے لئے

يَسْتَصْرِخُهٗ ؕ قَالَ لَهٗ مُوْسٰٓى اِنَّكَ لَغَوِيٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۸﴾ فَلَمَّآ اَنْ اَرَادَ اَنْ

پکارا تھا آپ سے (پھر) فریاد کر رہا تھا۔ موسیٰ (علیہ السلام) نے اسے کہا: تم کھلے گمراہ انسان ہو۔ پھر جب آپ نے

يَّبْطِشَ بِالَّذِيْ هُوَ عَدُوٌّ لَّهُمَا ۙ قَالَ يٰمُوْسٰٓى اَتُرِيْدُ اَنْ تَقْتُلَنِيْ كَمَا

اسے پکڑنا چاہا جو ان دونوں کا دشمن تھا تو اس نے کہا اے موسیٰ! کیا تم مجھے اسی طرح قتل کرنا چاہتے ہو

قَتَلْتَ نَفْسًۢا بِالْاَمْسِ ۖ اِنْ تُرِيْدُ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ جَبَّارًا فِي الْاَرْضِ وَمَا

جیسے تم نے کل ایک جان مار دی تھی۔ تم تو بس زمین میں ایک جابر انسان بننا چاہتے ہو اور

تُرِيْدُ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْمُصْلِحِيْنَ ﴿۱۹﴾

اصلاح کار نہیں بننا چاہتے [13]

[13] اگلی صبح حضرت موسیٰ علیہ السلام شہر میں ڈرتے ہوئے آئے کہ کہیں فرعون تک اس واقعہ قتل کی خبر نہ پہنچ جائے اور فرعون اور اس کی قوم کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بنی اسرائیل کے ساتھ بڑھتے ہوئے روابط پہلے سے کھٹک رہے تھے اور ان

کے دلوں میں آپ کے خلاف غصہ بھر رہا تھا اور یہ واقعہ قتل جلتی پر تیل کا کام کر سکتا تھا۔ اس لئے آپ گھبرائے ہوئے تھے۔ آپ نے دیکھا کہ وہ اسرائیلی شخص جس کی مدد کرتے ہوئے کل آپ سے ایک فرعونی شخص مارا گیا تھا۔ آج پھر ایک فرعونی شخص سے لڑ رہا تھا۔ اس نے آپ کو دیکھ کر پھر مدد کے لئے پکارا۔ آپ نے فرمایا تم کھلے گمراہ انسان ہو یعنی ہر روز کسی نہ کسی سے لڑ رہے ہوتے ہو۔ پھر آپ نے فرعونی شخص کو پکڑنے کا ارادہ کیا جو آپ کا اور اس اسرائیلی شخص دونوں کا مشترکہ دشمن تھا۔ اسرائیلی نے اپنے حق میں آپ کے ان الفاظ اِنَّكَ لَغَوِيٌّ مُّبِيْنٌ سے غلط اندازہ کیا کہ شائد آپ فرعونی شخص کی بجائے اسے پکڑنا چاہتے ہیں۔ تو وہ ڈر گیا اس نے آپ کے ایک گھونسے کی طاقت دیکھی ہوئی تھی۔ وہ کہنے لگا اے موسیٰ! کیا تم مجھے بھی اسی طرح قتل کرنا چاہتے ہو جیسے تم نے کل ایک شخص کو قتل کر ڈالا تھا؟ تم ایک جابر انسان بننا چاہتے ہو اصلاح کار نہیں۔

اسرائیلی کی اس بات سے فرعونی شخص کو معلوم ہو گیا کہ ایک روز قبل ان کا جو شخص مارا گیا تھا اسے موسیٰ علیہ السلام نے مارا تھا۔ وہ فوراً بھاگ کر گیا اور فرعونی گورنمنٹ کے افسران کو بتایا کہ کل جو ہمارا آدمی مارا گیا وہ موسیٰ کے ہاتھوں قتل ہوا تھا۔ فرعونی لوگ پہلے ہی آپ کے خلاف غصہ میں تھے اس خبر نے آپ کے خلاف ان کے طیش کو دوبالا کر دیا انہوں نے طے کیا کہ موسیٰ (علیہ السلام) کو زندہ نہ چھوڑا جائے گا۔

وَجَآءَ رَجُلٌ مِّنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ يَسْعٰى ۫ قَالَ يٰمُوْسٰٓى اِنَّ الْمَلَاَ

اور شہر کے پرلے کنارے سے ایک شخص دوڑتا ہوا آیا کہنے لگا اے موسیٰ! قوم کے سرداران تمہارے قتل کا

يَاْتَمِرُوْنَ بِكَ لِيَقْتُلُوْكَ فَاخْرُجْ اِنِّىْ لَكَ مِنَ النّٰصِحِيْنَ ۝٢٠ فَخَرَجَ مِنْهَا

باہم مشورہ کر رہے ہیں تو تم یہاں سے نکل جاؤ میں تمہارا خیرخواہ ہوں تو آپ وہاں سے ڈرتے ہوئے

خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ ۫ قَالَ رَبِّ نَجِّنِىْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝٢١

نکل کھڑے ہوئے۔ کہا اے میرے رب! مجھے ظالم قوم سے نجات دیدے [14]

[14] فرعون کا ایک چچازاد بھائی حزقیل نامی تھا وہ موسیٰ علیہ السلام سے سچی محبت رکھتا تھا اور بعد میں وہی شخص آل فرعون میں سے آپ پر خفیہ طور پر ایمان لایا تھا۔ اس کا ذکر سورہ مومن کے چوتھے رکوع میں تفصیلاً آئے گا۔ وہ بھاگ کر آپ کے پاس آیا اور بتایا کہ فرعونی قوم کے سرداران آپ کے قتل کا مشورہ کر رہے ہیں لہٰذا آپ فوراً شہر سے نکل جائیں۔ تو آپ فوراً شہر ممفس سے نکل کھڑے ہوئے اور دعا کر رہے تھے کہ اللہ آپ کو ظالم فرعونی لوگوں سے نجات دے دے۔ تو اللہ تعالیٰ کے فرشتوں نے آپ کی راہنمائی کی اور آپ بحفاظت وہاں سے مدین شہر کی طرف روانہ ہو گئے۔ ممفس فرعونی

حکومت کا دارالخلافہ تھا۔ آج قاہرہ سے بارہ کلومیٹر مشرق میں اس کے کھنڈرات موجود ہیں۔ اور ممفس اور مدین کے درمیان ہزار بارہ سو کلومیٹر کا فاصلہ ہے درمیان میں دو چھوٹے سمندر بحر سوئیس اور بحر عقبہ بھی پڑتے ہیں۔ نقشہ میں اس کی وضاحت ہے۔

یہاں سے دو فوائد معلوم ہوئے:

(۱) بے گناہ شخص کو سزا سے بچانے کا ثواب:

فرعونی قوم کے اس شخص (حزقیل) نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خبر دار کر کے آپ کی جان بچائی اور قرآنِ مجید نے یہ واقعہ بتا کر ہمیں خیر خواہی کی ایک عمدہ مثال پیش کی ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: الدین النصیحۃ۔ یعنی دین خیر خواہی ہی کا نام ہے۔ (مسلم کتاب الایمان، حدیث ۹۵) اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد میں ہو تب تک اللہ تعالیٰ اس کی مدد میں ہوتا ہے۔

(۲) نیکی ہر کسی سے کرنی چاہئے خواہ وہ اپنی قوم سے ہو یا غیروں سے

حزقیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مدد کی اور آپ کو مصر سے عافیت کے ساتھ نکلنے کا راستہ دیا۔ حالانکہ آپ اس کی قوم میں سے نہ تھے۔ اس میں یہ درس ہے کہ کسی کی مدد کے لیے اس کی قومیت دیکھنے کی ضرورت نہیں بلکہ اپنی قوم سے مخالفت کرتے ہوئے مظلوم کا ساتھ دینا چاہئے۔

| |
|---|
| وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يَّهْدِيَنِيْ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿٢٢﴾ |
| اور جب آپ مدین کی طرف متوجہ ہوئے تو کہا: قریب ہے کہ میرا رب مجھے سیدھی راہ چلائے گا[15] اور جب آپ مدین کے |
| وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ ۫ وَوَجَدَ |
| چشمہ پر پہنچے تو وہاں لوگوں کے ایک گروہ کو (جانوروں کو) پانی پلاتے دیکھا اور ان سے الگ دو عورتوں کو دیکھا جو (اپنے جانوروں کو) |
| مِنْ دُوْنِهِمُ امْرَاَتَيْنِ تَذُوْدٰنِ ۚ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا ۭ قَالَتَا لَا نَسْقِيْ |
| روک رہی تھیں۔ آپ نے پوچھا تمہارا کیا ماجرا ہے؟ کہنے لگیں ہم پانی نہیں پلا سکتیں جب تک سارے چرواہے (اپنے جانوروں کو) |
| حَتّٰى يُصْدِرَ الرِّعَآءُ ٚ وَاَبُوْنَا شَيْخٌ كَبِيْرٌ ﴿٢٣﴾ فَسَقٰى لَهُمَا ثُمَّ تَوَلّٰٓى اِلَى |
| لے نہ جائیں اور ہمارا باپ بڑا بوڑھا ہے[16]۔ تو آپ نے ان دونوں کے جانوروں کو پانی پلا دیا پھر آپ سائے کی طرف |
| الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ اِنِّيْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيْرٌ ﴿٢٤﴾ فَجَآءَتْهُ |
| پلٹے اور کہا اے میرے رب! جو خیر تو نے میرے لئے اتاری ہے میں اس کا محتاج ہوں[17] پھر ان دونوں میں سے |
| اِحْدٰىهُمَا تَمْشِيْ عَلَى اسْتِحْيَآءٍ ۡ قَالَتْ اِنَّ اَبِيْ يَدْعُوْكَ لِيَجْزِيَكَ |
| ایک عورت آپ کے پاس حیاء کے ساتھ چلتی ہوئی آئی، کہنے لگی میرے والد آپ کو بلاتے ہیں تاکہ آپ نے جو ہمارے جانوروں کو |
| اَجْرَ مَا سَقَيْتَ لَنَا ۭ فَلَمَّا جَآءَهٗ وَقَصَّ عَلَيْهِ الْقَصَصَ ۙ قَالَ لَا |
| پانی پلایا ہے اس پر آپ کو اجرت دیں۔ چنانچہ جب آپ ان کے پاس گئے اور انہیں سارے واقعات سنائے تو انہوں نے کہا |
| تَخَفْ ۣ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٢٥﴾ |
| ڈرو نہیں تم نے ظالموں سے نجات پالی ہے۔[18] |

## موسیٰ علیہ السلام کا مدین میں شعیب علیہ السلام کے ہاں دس برس رہنا

[15] حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس مصر سے مدین جاتے ہوئے کوئی زادِ راہ نہ
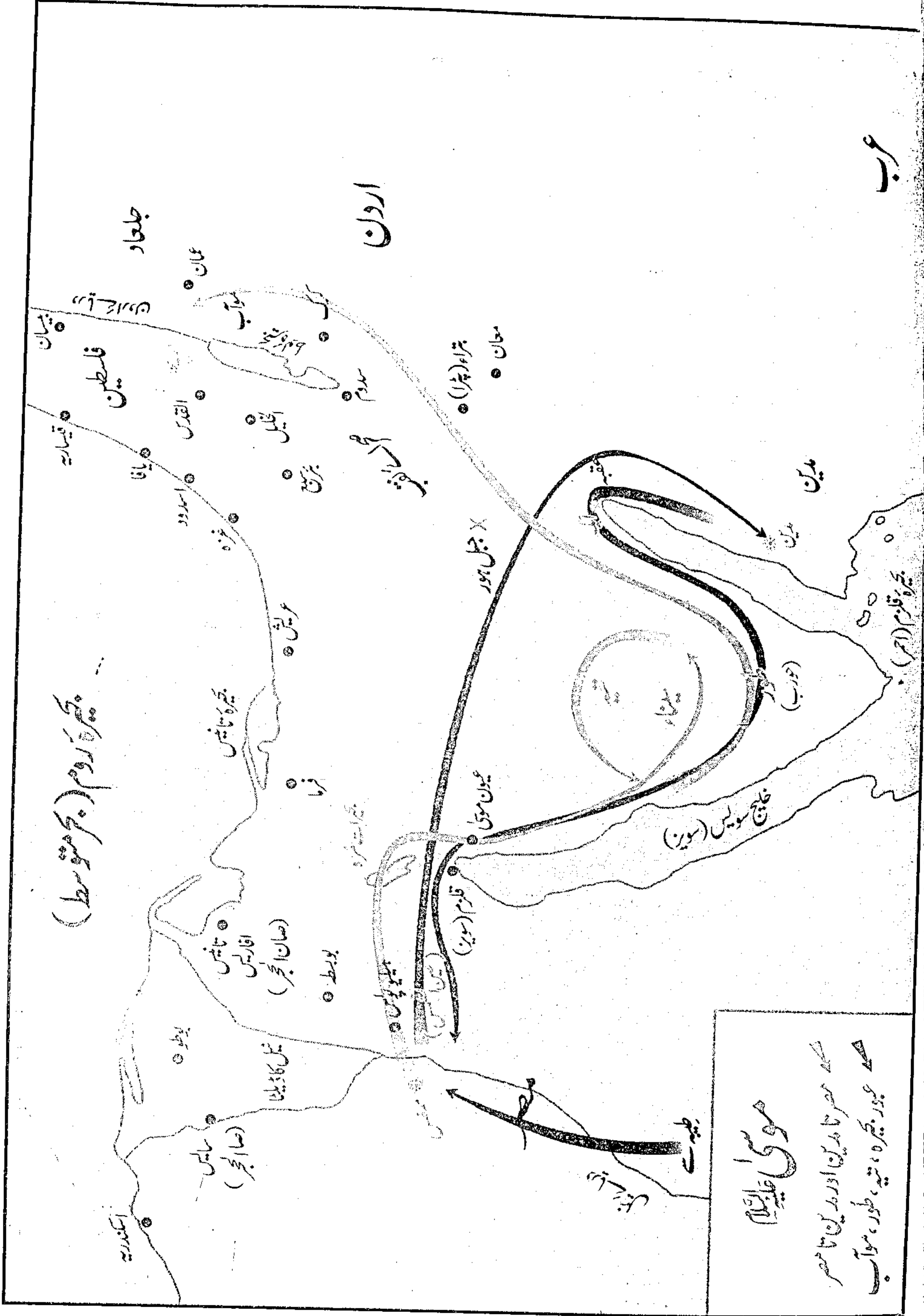
تھا آپ درختوں کے پتے اور سبزیاں کھاتے وہاں تک پہنچے، جوتی بھی ٹوٹ گئی اور ننگے پاؤں چلتے ہوئے تلوے زخمی ہو گئے۔ (درمنثور جلد ۶ صفحہ ۴۰۵) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے کہ مدین پہنچنے تک آپ کا پیٹ کمر سے لگ گیا اور بطن کی آنتیں نظر آنے لگیں۔ (ابن ابی حاتم جلد ۹ صفحہ ۲۹۶۹ حدیث ۱۶۸۱۰) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس سے قبل شاہانہ زندگی گزاری تھی اب اچانک آپ پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹ پڑے مگر آپ کی استقامت پہاڑوں سے بلند تھی۔

[16] جب حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین پہنچے تو وہاں گاؤں سے باہر چشمہ پر چرواہے اپنی بکریوں کو پانی پلا رہے تھے اور ان سے کچھ فاصلے پر دولڑکیاں اپنی بکریوں کو روکے کھڑی تھیں۔ آپ نے ان سے ان کی پریشانی پوچھی۔ کہنے لگیں جب تک یہ چرواہے اپنی بکریوں کو پانی پلا کر ہٹ نہ جائیں تب تک یہ ہمیں پانی نہیں پلانے دیں گے اور ہمارے والد بہت بوڑھے شخص ہیں یعنی وہ بکریوں کی رکھوالی خود نہیں کر سکتے اور گھر میں کوئی دوسرا مرد نہیں لہٰذا مجبوراً ہمیں یہ ڈیوٹی دینی پڑتی ہے۔

## عورت کو بلاضرورت کام کے لئے گھر سے نہیں نکلنا چاہئے

یہ لڑکیاں حضرت شعیب علیہ السلام کی بیٹیاں تھیں آگے احادیث میں اس کی وضاحت آ رہی ہے۔ اور وہ اس لئے بکریوں کو چرانے نکلیں کہ گھر میں کوئی مرد اس کام کے لئے میسر نہ تھا۔ اسی لیے انہوں نے کہا: وَاَبُوْنَا شَیْخٌ کَبِیْرٌ۔ کہ ہمارا باپ بہت بوڑھا آدمی ہے۔ گویا اگر گھر سے باہر والے کاموں کے لئے مرد میسر ہو تو عورت کو گھر ہی میں رہنا چاہئے۔ اسی میں اس کی عزت کی حفاظت ہے۔ جب عورت دفتروں، کارخانوں اور فیکٹریوں میں اجنبی مردوں میں گھل مل کر کام کرتی ہے تو عموماً اس کی عزت خطرے میں پڑ جاتی ہے اور ہزاروں فتنے جنم لیتے ہیں۔ اسلامی تعلیم یہ ہے کہ مرد کسب معاش کرے اور عورت اس کا گھر سنبھالے۔ قرآن مجید میں ہے: وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ ''اے ازواج رسول! تم گھروں میں ٹھہرو۔'' (احزاب:۳۳) فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَیْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰہُ ''تو نیک بیویاں شوہروں کی اطاعت گزار ہوتی ہیں اور ان کی پیٹھ پیچھے ان کے گھر کی حفاظت کرتی ہیں جیسے اللہ نے حفاظت کا حکم دیا۔'' (نساء:۳۴)

## اگر عورت مجبوراً کسب معاش کے لئے نکلے تو مردوں سے الگ رہے:

دختران شعیب علیہ السلام بکریوں کو پانی پلانے نکلیں تو لوگوں سے الگ کھڑی ہوئیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَوَجَدَ مِنْ دُوْنِہِمُ امْرَاَتَیْنِ۔ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قوم سے الگ دو عورتیں دیکھیں۔ گویا اگر مسلم عورت کو بامر مجبوری کام کاج کے لیے گھر سے نکلنا ہی پڑے تو وہ مردوں کے ساتھ گھل مل نہ جائے۔ بلکہ ایسی جگہ کام کرے جہاں وہ مردوں سے الگ تھلگ رہے۔ اور اسلامی حکومتوں کو چاہئے کہ عورتوں کے تعلیمی ادارے، طبی مراکز اور دیگر سرگرمیوں کے ادارے جُداگانہ بنائیں جہاں وہ مردوں سے الگ رہ کر ملک و ملت اور معاشرہ کی بہتری میں اپنا کردار ادا

کرسکیں۔ کیونکہ عورتوں کا مردوں کے ساتھ گھل مل کر دفتروں اور فیکٹریوں میں کام کرنا اور لڑکیوں کا لڑکوں کے ساتھ گھل مل کر کالجوں یونیورسٹیوں میں پڑھنا عظیم مفاسد کو جنم دیتا ہے اور معاشرہ اخلاقی طور پر تباہی کا شکار ہو جاتا ہے۔

[17] مروی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دختران شعیب علیہ السلام سے پوچھا کیا یہاں کوئی دوسرا کنواں نہیں؟ انہوں نے کہا: ہاں ہے، مگر اس کے منہ پر ایک عظیم پتھر رکھا ہے اور اسے صرف گرمیوں میں کھولا جاتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس بڑے پتھر کو اکیلے ہی ہٹا کر لڑکیوں کو بکریوں کے لئے پانی مہیا کر دیا۔

## حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دختران شعیب علیہ السلام کی مدد کرنا

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اس پتھر کو دس آدمی مل کر ہلا سکتے تھے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے اکیلے ہٹا دیا اور صرف ایک ڈول پانی نکالا وہی اتنا بابرکت تھا کہ ساری بکریاں سیراب ہو گئیں۔ (تفسیر ابن ابی حاتم جلد ۹ صفحہ ۲۹۶۳)

بلاشبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بڑی جسمانی وروحانی قوت کے مالک تھے آپ کے ایک مُکّا نے فرعونی شخص کی جان نکال دی اور آپ کے ایک تھپڑ سے ملک الموت کی آنکھ نکل گئی۔ (مسلم کتاب الفضائل حدیث ۱۵۷ باب فضائل موسیٰ علیہ السلام)

حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کے بعد ایک درخت کے سائے میں بیٹھ گئے ایک طویل سفر سے تھکے ہوئے تھے پھر بھوکے اور غریب الوطن تھے اس کے باوجود آپ نے کسی انسان سے کھانا مانگنے کی بجائے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا اے مولیٰ! میرے لئے جو خیر تو نے اتاری ہے میں اس وقت اس کا شدید محتاج ہوں۔ تو اللہ تعالیٰ نے فوراً آپ کی حاجت روائی فرمائی۔ اس طرح کہ نہ صرف کھانا دیا بلکہ گھر اور بیوی کا بھی بندوبست کر دیا۔ سبحان اللہ! معلوم ہوا جب بندہ بے بس ہو کر اللہ تعالیٰ کو پکارتا ہے تو اللہ تعالیٰ ضرور اس کی حاجت روائی فرماتا ہے۔ اور اسے اس کی حاجت سے بہت زیادہ عطا فرماتا ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہجرت کرتے ہیں اللہ انہیں غریب الوطنی میں گھر بار سب کچھ عطا فرماتا ہے۔

[18] جب بیٹیوں نے حضرت شعیب علیہ السلام کو جا کر بتایا کہ ایک مسافر نے ان کی بکریوں کو پانی پلایا ہے تو انہوں نے اپنی چھوٹی بچی کے ذریعے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنے ہاں بلا بھیجا۔ وہ لڑکی آپ کے پاس شرم وحیا میں ڈوبی ہوئی آئی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اس نے اپنا چہرہ ڈھانپ رکھا تھا۔ (درمنثور جلد ۶ صفحہ ۴۰۵) معلوم ہوا اگر عورت ضرورتاً گھر سے نکلے تو حجاب میں نکلے۔

بہرحال وہ جناب موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگی میرے والد گرامی آپ کو بلاتے ہیں تاکہ آپ نے جو ہماری بکریوں کو پانی پلایا ہے اس پر آپ کو اجرت دیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس بات پہ ضرور معذرت کر لیتے۔ مگر چونکہ آپ اس وقت شدید مشکلات میں گھرے تھے اس لئے نہ چاہتے ہوئے بھی خاموشی سے لڑکی کے پیچھے چل پڑے۔ راستہ میں تیز ہوا کے باعث لڑکی کی چادر اس کے جسم سے چپک گئی اور اس کے نقوش بدن دکھائی دیئے تو آپ نے اسے کہا: تم میرے پیچھے چلو

اور آواز دے کر بتاتی رہو کہ کدھر جانا ہے۔ جب آپ شعیب علیہ السلام کے پاس گئے اور اپنے سارے واقعات بتائے تو انہوں نے کہا اے نوجوان اب تم فرعون کی پہنچ سے دور آ گئے ہو بے فکر ہو جاؤ۔

قَالَتْ اِحْدٰىهُمَا يٰۤاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ ۬ اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ

ان دونوں (لڑکیوں) میں سے ایک نے کہا ابا جان اسے نوکر رکھ لیں سب سے بہتر نوکر وہی ہے جو طاقتور

الْاَمِيْنُ ﴿۲۶﴾ قَالَ اِنِّيْۤ اُرِيْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَى ابْنَتَيَّ هٰتَيْنِ عَلٰۤى اَنْ

اور امین ہو [19] انہوں نے آپ سے کہا میں چاہتا ہوں کہ اپنی ان دو بیٹیوں میں سے ایک کا تم سے

تَاْجُرَنِيْ ثَمٰنِيَ حِجَجٍ ۚ فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ ۚ وَمَاۤ اُرِيْدُ اَنْ

نکاح کر دوں اس شرط پر کہ تم آٹھ برس تک میرے ہاں نوکری کرو اور اگر تم دس برس مکمل کر دو تو وہ تمہاری خوشی، اور میں تمہیں

اَشُقَّ عَلَيْكَ ؕ سَتَجِدُنِيْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۲۷﴾ قَالَ ذٰلِكَ

مشکل میں نہیں ڈالنا چاہتا، جلد ہی تم مجھے ان شآء اللہ نیکوکار پاؤ گے۔ آپ نے فرمایا یہ میرے

بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ ؕ اَيَّمَا الْاَجَلَيْنِ قَضَيْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَيَّ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى

اور آپ کے درمیان معاہدہ ہے۔ میں ان دو میں سے جو بھی مدت پوری کر دوں تو مجھ پر مزید کوئی مطالبہ نہیں ہوگا اور جو کچھ ہم

مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ﴿۲۸﴾ ع

کہتے ہیں اس پر اللہ نگہبان ہے۔ [20]

[19] حضرت شعیب علیہ السلام کی چھوٹی بیٹی کا نام صفورا اور بڑی کا نام لیا تھا۔ چھوٹی نے کہا ابا جان بکریاں چرانے کے لئے ہمیں کسی چرواہے کی ضرورت ہے آپ اس مسافر کو چرواہا رکھ لیں اس کام کے لئے کسی طاقتور اور امین شخص کی ضرورت ہے۔ اور اس مسافر کی طاقت یہ ہے کہ اکیلے نے کنوئیں کے منہ سے پتھر ہٹا دیا اور امین ایسا ہے کہ اس نے میرے پیچھے چلنا باعث شرم جانا تو مجھے اپنے پیچھے کر دیا۔ (درمنثور جلد ۶ صفحہ ۴۰۵)

اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ سے معلوم ہوا کہ کسی کام کے لیے ایسا شخص ملازم رکھنا چاہیے جو اس کام کی طاقت بھی رکھتا ہو اور امین بھی ہو۔ نا اہل یا بد دیانت شخص کو ملازمت دینا ظلم ہے۔

[20] لڑکی کے مشورہ پر حضرت شعیب علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ملازم رکھ لیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا مجھے صرف

پیٹ بھرنے کو روٹی اور تن ڈھانپنے کو کپڑا دے دیا جائے اس سے زائد اجرت کی مجھے ضرورت نہیں (ابن ماجہ کتاب الرھون باب ۵) پھر حضرت شعیب علیہ السلام کو خیال آیا کہ گھر میں جوان بچیاں ہیں زمانہ کیا کہے گا کہ انہوں نے گھر میں اجنبی نوجوان شخص کو جگہ دے رکھی ہے۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا اے موسیٰ! میں اپنی ان دو بیٹیوں میں سے ایک کا نکاح تم سے کرنا چاہتا ہوں شرط یہ ہے کہ تم آٹھ برس ہمارے ہاں بکریوں کی غلہ بانی کرو گے اور اگر دس برس تک غلہ بانی کرو تو تمہاری خوشی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا مجھے منظور ہے اور جب میں آٹھ یا دس برس گزار لوں تو پھر میرے واپس مصر جانے اور بیوی کو ساتھ لے جانے پر آپ کو کوئی اعتراض نہ ہو گا حضرت شعیب علیہ السلام نے حامی بھر لی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا ہماری باتوں پہ اللہ شاہد و نگران ہے چنانچہ نکاح ہو گیا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دس برس حضرت شعیب علیہ السلام کی خدمت کی۔ (ابن ماجہ کتاب الرھون باب ۵)

## کیا بیوی یا سسر کی خدمت کرنے کو حق مہر بنایا جا سکتا ہے؟

اس جگہ عَلٰٓی اَنۡ تَاۡجُرَنِیۡ ثَمٰنِیَ حِجَجٍ (اے موسیٰ! میں تجھ سے اپنی بیٹی کا نکاح اس بات پہ کرتا ہوں کہ تم آٹھ برس میرے یہاں نوکری کرو) سے استدلال کرتے ہوئے امام احمد، امام مالک اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہم نے فرمایا کہ عورت کا حق مہر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ شوہر اپنی بیوی یا اسکے باپ کی کوئی خدمت بجالائے گا یا ان کا کوئی کام کر دے گا۔ ضروری نہیں کہ حق مہر مال ہی کی شکل میں ہو۔ جیسے حضرت شعیب علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت کے بدلے میں ان سے بیٹی کا نکاح کیا۔

وہ اس بات سے بھی استدلال کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک عورت کا نکاح ایک شخص سے کرنا چاہا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس شخص سے پوچھا: کیا تمہارے پاس کوئی چیز ہے۔ اس نے کہا نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیا تمہیں قرآن میں سے کچھ یاد ہے؟ اس نے کہا ہاں، آپ نے فرمایا: فقد ملّکتکھا بما معك من القرآن۔ تمہارے پاس جو قرآن ہے میں تمہیں اس کے عوض اس عورت کا مالک بناتا ہوں۔ (بخاری کتاب النکاح باب ۱۴، مسلم کتاب النکاح حدیث ۷۶)

مگر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ضروری ہے کہ حق مہر مال ہو یعنی پیسے یا کوئی قابل فروخت چیز ہو۔ اس لیے کہ اللہ نے حق مہر میں مال ہی کا ذکر فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اَنۡ تَبۡتَغُوۡا بِاَمۡوَالِکُمۡ۔ تم اپنے اموال کے ساتھ بیوی حاصل کرو۔ (نساء، ۲۴) دوسری جگہ فرمایا: وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِہِنَّ نِحۡلَۃً ؕ فَاِنۡ طِبۡنَ لَکُمۡ عَنۡ شَیۡءٍ مِّنۡہُ نَفۡسًا فَکُلُوۡہُ ہَنِیۡٓــًٔا مَّرِیۡٓــًٔا ﴿۴﴾ ''عورتوں کو ان کا حق مہر خوش دلی سے ادا کر دو۔ پھر اگر وہ تمہیں اس میں سے کچھ معاف کر دیں تو تم اسے کھاؤ تمہارے لیے رچتا پچتا ہے۔'' (النساء، ۴) یہ آیات بتا رہی ہیں کہ حق مہر کا مال ہونا ضروری ہے۔ رہا حضرت شعیب علیہ السلام والا واقعہ تو اس میں حضرت شعیب علیہ السلام نے نکاح کے لیے صرف شرط رکھی تھی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کے ہاں آٹھ برس کام کریں گے۔ یہاں حق مہر کا کوئی ذکر نہیں، ممکن ہے ان کی شریعت میں حق مہر ہی نہ ہو۔ اور

اگران کی شریعت میں خدمت کوحق مہر بنایا جاتا ہوتو یہ ہمارے لیے حجت نہیں ہے۔ ہماری شریعت میں قرآنِ مجید سب سے بڑی حجت ہے۔اور قرآنِ مجید نے حق مہر میں مال کا ذکر کیا ہے۔

رہارسول اللہ ﷺ کا اس صحابی کوقرآن کریم کے بدلے عورت سے بیاہنا تو اس میں ممکن ہے کہ یہ رسول اللہ ﷺ سے خاص ہو یعنی آپ کو اختیار ہے کہ جس چیز کو چاہیں کسی کے لیے حق مہر بنا دیں۔ یہ جواب امام عینی نے عمدۃ القاری میں دیا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ بما معك من القرآن میں ما برائے سببیت ہو یعنی چونکہ تم قرآن کا اس قدر حصہ حفظ رکھتے ہوتو اس اعزاز میں تمہاری شادی کی جاتی ہے۔اس کی مزید تحقیق میں نے اپنی عربی تصنیف "اسعاف الحاجة فی شرح ابن ماجة" میں حدیث 1889 کے تحت کی ہے۔الغرض اس بارے میں امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا موقف قوی تر ہے۔

یاد رہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے آٹھ یا دس برس غلہ بانی کرنے کی شرط اس لئے لگائی تا کہ موسیٰ علیہ السلام شادی کے بعد بیوی کو لے کر جلدی مصر واپس نہ چلے جائیں حالانکہ ابھی وہاں ان کو جان کا خطرہ ہے۔ کچھ وقت گزرنا چاہئے تا کہ حالات بدلیں پھر حضرت شعیب علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو غلہ بانی کے لئے وہ عصا عنایت فرمایا جو بقول حضرت عکرمہ (تابعی) حضرت آدم علیہ السلام جنت سے اپنے ساتھ لائے تھے پھر وہ انبیاء کے ساتھ متوارثاً آتا رہا اور حضرت شعیب علیہ السلام کے ذریعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تک پہنچا۔ (بغوی جلد ۵ صفحہ ۱۷۲) پھر اسی عصا کی ضرب سے سمندر پھٹا۔ اسی کے پتھر پر مارنے سے بارہ چشمے پھوٹے اور یہی عصا سانپ بن کر جادوگروں کے سانپوں کو نگل گیا۔ پھر دس برس کے بعد جب حضرت موسیٰ علیہ السلام واپس مصر جانے لگے تو حضرت شعیب علیہ السلام نے انہیں بہت سی بکریاں دے کر رخصت کیا۔ آپ اپنی بیوی اور بکریوں کو لے کر مصر کو روانہ ہوئے۔

یہاں سے چار فوائد حاصل ہوئے۔

(۱) کسی لڑکے کو اپنا داماد بنانے کے لئے اس کا ایمان وعمل دیکھنا چاہئے نسب یا مال نہیں:

حضرت شعیب علیہ السلام نے ایک غریب الوطن بے سہارا تہی دست نوجوان سے اپنی بیٹی بیاہ دی کیونکہ اس کا ایمان و عمل بہت مضبوط تھا۔ یہی سنت انبیاء ہے افسوس آج ہم یہ سبق بھول گئے ہیں۔آج ہم صرف دیکھتے ہیں کہ لڑکے کے پاس مال کتنا ہے کاروبار یا جاب کیا ہے اور حسب ونسب کیا ہے ہم یہ کم ہی دیکھتے ہیں کہ لڑکا نمازی ہے یا نہیں سنت کا پابند ہے یا نہیں۔

(۲) لڑکی کا نکاح والدین ہی کو کرنا چاہئے: خواہ وہ بالغہ ہو۔

اگر چہ بالغہ لڑکی قانوناً اپنا نکاح خود کر سکتی ہے مگر سنت انبیاء یہی ہے کہ والدین لڑکیوں کا نکاح کریں حضرت شعیب علیہ السلام نے کہا: اِنِّیٓ اُرِیۡدُ اَنۡ اُنۡكِحَكَ یعنی اے موسیٰ میں اپنی بیٹیوں میں سے ایک کا نکاح تجھ سے کرنا چاہتا ہوں۔ اسی

طرح اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَلَا تُنۡكِحُوا الۡمُشۡرِكِيۡنَ۔ اپنی بیٹیوں کا نکاح مشرکین سے نہ کرو۔ (بقرہ:۲۲۱) گویا اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں کہ عورت اپنی شادی خود کرے اور اسے والدین پہ نہ چھوڑے۔ کیونکہ ایسا کرنا عورت کی طبعی شرم وحیاء کے خلاف ہے اور عورت ناقصۃ العقل ہے۔ اگر یہ معاملہ اس پہ چھوڑ دیا جائے تو وہ اکثر اپنا نقصان ہی کرے گی۔ تاہم والدین کو اپنی اولاد کی رائے کا بھی لحاظ رکھنا چاہیے زبردستی کرنا جائز نہیں۔

(۳) لڑکی کا ولی کسی صالح شخص کو اپنی لڑکی کا رشتہ پیش کرسکتا ہے:

جیسے حضرت شعیب علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو از خود رشتہ پیش کیا اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنی بیٹی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا رشتہ پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پھر حضرت عثمان غنی کو پیش کیا مگر آخر میں یہ رشتہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے استوار ہوگیا۔ (بخاری)

(۴) جوان بیٹیوں اور بیوی کے ساتھ گھر میں اجنبی مرد کو نہیں ٹھہرانا چاہئے:

ورنہ اس سے مسائل جنم لیتے ہیں۔ اسی لئے حضرت شعیب علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بیٹی کا نکاح کردیا تا کہ لوگوں کو اعتراض کا موقع نہ ملے۔ اس میں ہمارے لیے درس عمل ہے۔ جب معصومین کا یہ تقویٰ ہے تو ہم غیر معصومین کیوں اسقدر بے پرواہ ہیں۔

فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ وَسَارَ بِاَهْلِهٖۤ اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ

پھر جب موسیٰ (علیہ السلام) نے مدت پوری کر دی اور اپنی بیوی کو لے کر (مصر کو) چلے تو (راستہ میں) آپ نے طور کی جانب سے

نَارًا ۚ قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْۤا اِنِّیْۤ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّیْۤ اٰتِیْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ

ایک آگ محسوس کی۔ آپ نے بیوی سے کہا ٹھہرو میں آگ محسوس کرتا ہوں شائد میں تمہارے پاس وہاں سے کوئی خبر یا

جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ۝۲۹ فَلَمَّاۤ اَتٰىهَا نُوْدِیَ مِنْ شَاطِئِ

آگ کی چنگاری لے آؤں تاکہ تم تاپ سکو[21] جب آپ آگ کے قریب آئے تو وادی کے

الْوَادِ الْاَیْمَنِ فِی الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ یّٰمُوْسٰۤى اِنِّیْۤ اَنَا اللّٰهُ

دائیں کنارے سے مبارک مقام میں درخت سے پکارا گیا کہ اے موسیٰ! میں

رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ۝۳۰ وَاَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰى

اللہ رب العالمین ہوں اور تم اپنی لاٹھی پھینک دو۔ پھر جب آپ نے اسے سانپ کی طرح لہراتے دیکھا تو پیٹھ پھیر کر چلے اور پلٹ کر

مُدْبِرًا وَّلَمْ یُعَقِّبْ ؕ یٰمُوْسٰۤى اَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ ۫ اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِیْنَ ۝۳۱

نہ دیکھا (اللہ نے فرمایا) اے موسیٰ! واپس آؤ ڈرو نہیں [22] تم امن میں ہو،

اُسْلُكْ یَدَكَ فِیْ جَیْبِكَ تَخْرُجْ بَیْضَآءَ مِنْ غَیْرِ سُوْٓءٍ ۫ وَّاضْمُمْ اِلَیْكَ

اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈالو تو وہ کسی بیماری کے بغیر چمکتا ہوا نکلے گا۔ اور اپنا بازو خوف کے سبب اپنی بغل میں ضم کر لیں

جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ ؕ

تو یہ تمہارے رب کی طرف سے فرعون اور اس کے ارکان سلطنت کے لئے دو نشانیاں ہیں۔

اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِیْنَ ۝۳۲

بے شک وہ بدکردار لوگ ہیں۔[23]

## موسیٰ علیہ السلام کا مدین سے واپس مصر آنا اور راستے میں نبوت کا پانا

[21] جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس دس برس گزار لئے تو آپ علیہ السلام نے اپنے وطن مصر واپس جانے کا ارادہ کیا۔ آپ کو اپنی والدہ اور بھائی کی یاد ستا رہی تھی۔ آپ نے اپنی بکریاں لیں، رختِ سفر باندھا اور بیوی کو ساتھ لے کر عازم مصر ہو گئے۔ راستے میں ایک جگہ شدید سردی، بارش اور تیز ہوا نے آلیا جس سے آپ کی بکریاں تتر بتر ہو گئیں آپ علیہ السلام کی زوجہ کو اس وقت حمل تھا اور سردی سے اُن کا بُرا حال تھا اور گہری تاریک رات میں کچھ نظر نہ آرہا تھا۔ اچانک آپ نے دور کہیں آگ دیکھی یہ صحرائے سینا میں کوہ طور کا علاقہ تھا آپ اس کے دائیں طرف کھڑے تھے اور آپ کے بائیں طرف بحر احمر تھا۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت دیکھیے اس وقت آپ کے پاس جو چقماق تھا جس کے رگڑنے سے آگ پیدا ہوتی ہے وہ بھی جواب دے گیا۔ آپ نے بیوی سے کہا۔ ٹھہرو مجھے آگ نظر آرہی ہے میں وہاں سے راستہ کی کوئی خبر یا آگ کی چنگاری لاتا ہوں تاکہ تم کچھ گرمی حاصل کر سکو۔

یہاں لِاَهْلِهٖ اصل میں لاھل بیتہ ہے، معلوم ہوا بیوی لفظ اہل بیت کا اصل مصداق ہے۔ اس لئے جو لوگ یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ۔ (احزاب: ٣٣) سے ازواج رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نکالتے ہیں وہ قرآن سے زیادتی کرتے ہیں۔

[22] حضرت موسیٰ علیہ السلام طور پہاڑ کے دامن کے قریب کھڑے تھے۔ جب آپ علیہ السلام آگ کی طرف گئے اور پہاڑ کے دامن میں پہنچے تو آپ کو ایک درخت آگ میں جلتا ہوا نظر آیا مگر آگ جس قدر بلند ہوتی درخت اسی قدر سبز و شاداب ہو رہا تھا۔ آپ کو درخت میں سے آواز آئی اے موسیٰ! میں اللہ رب العالمین ہوں۔ دوسری جگہ قرآنِ مجید میں ہے کہ آواز آئی: اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ ۙ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِیْ ﴿١٤﴾ ''میں ہی اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو تم میری عبادت کرو اور میری یاد میں نماز قائم کرو۔'' (طٰہٰ: ١٤) پھر اللہ نے درخت میں سے فرمایا: اے موسیٰ! اپنا عصا پھینک دو۔ آپ نے اسے پھینکا تو وہ سانپ بن کر لہرانے لگا آپ ڈر گئے اور واپس پلٹے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ واپس پلٹ آؤ خوف نہ رکھو کیونکہ تمہیں ہر طرح سے امن ہے آپ علیہ السلام نے اپنی لاٹھی کو دوبارہ پکڑا تو وہ سانپ سے بدل کر پھر لاٹھی ہی بن گئی، یہ اس لئے کیا گیا تاکہ جب دربار فرعونی میں جا کر آپ علیہ السلام کا عصا سانپ بنے تو آپ پر گھبراہٹ نہ طاری ہو۔

### درخت نورِ الٰہی کا مظہر کیسے بنا؟

یاد رہے یہ درخت سے نظر آنے والی نار حقیقت میں اللہ تعالیٰ کا نور تھا۔ حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حجاب نور ہے اگر وہ اپنا حجاب الٹ دے تو اس کی ذات کی تابانیاں ہر چیز کو جلا دیں۔ (مسلم کتاب الایمان حدیث ٢٩٣) اسی لئے حضرت

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں ہے کہ ’’شب معراج جب حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بارگاہ ربوبیت میں حاضر ہونے گئے تو ستر ہزار نوری حجابات اٹھتے گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بڑھتے گئے۔‘‘ (مواہب لدنیہ جلد ۳ صفحہ ۸۷ مطبوعہ شام) گویا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا نوری حجاب دیکھا بس جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو سب حجابات سے گزر کر بے حجاب دیکھا اور اس حجاب کی کیفیت ہم نہیں جانتے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے وہ درخت دیکھا تھا جس میں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے پکارا اور میں نے وہاں کھڑے ہو کر درود و سلام کی کثرت کی۔ (تفسیر ابن جریر طبری جلد ۱۰ صفحہ ۶۹ حدیث ۲۷۴۲۶ مطبوعہ بیروت)

2005ء میں راقم الحروف محمد طیب غُفر لہٗ نے سیاحتِ مصر کے دوران صحرائے سینا کا سفر کیا اور کوہ طور کی چوٹی پر چڑھنے کا شرف حاصل کیا۔ اس کے دامن میں آج عیسائیوں نے اپنا چرچ بنا رکھا ہے۔ وہاں ایک برآمدے میں بیری کا درخت ہے جو دوسری منزل کی طرف جانے والی سیڑھیوں کے نیچے اُگا یا ہوا ہے وہاں چرچ کے عیسائی نمائندوں نے بتایا کہ اس درخت سے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو پکارا تھا مگر اسی برآمدے میں ایک کنواں ہے جس کا منہ بند ہے اور چرچ کے نمائندے بتا رہے تھے کہ یہ حضرت شعیب علیہ السلام کا کنواں ہے جس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کی بچیوں کو پانی مہیا کیا تھا۔ حالانکہ یہ ناممکن بات ہے کہاں شعیب علیہ السلام کا شہر مدین اور کہاں کوہ طور۔ درمیان میں قریباً سات آٹھ سو کلو میٹر کا سفر ہے۔ تو ہم کو اس درخت کے بارے میں بھی شک ہو گیا۔ یوں لگتا ہے جیسے عیسائیوں نے خود کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا وارث بتانے کے لئے یہ ڈھونگ رچا رکھا ہے۔

[23] درخت میں سے اللہ تعالیٰ نے مزید فرمایا: اے موسیٰ علیہ السلام! آپ اپنا دایاں ہاتھ اپنے گریبان میں ڈالیں اور بغل میں دبائیں پھر اسے نکالیں تو وہ سورج کی طرح چمک رہا ہوگا۔ اور ہاتھ میں اس وجہ سے کوئی بیماری نہ آئے گی۔ پھر اسے دوبارہ بغل میں دبا کر بھینچیں تو آپ کا خوف دور ہو جائے گا اور ہاتھ اپنی پہلی حالت پر ہو جائے گا لہٰذا آپ یہ عصا اور ید بیضاء کی دو نشانیاں لے کر فرعون کے پاس جائیں اور اسے دعوت حق دیں۔ یاد رہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ایک ہاتھ کسی خاص وقت میں چمکتا تھا مگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سارے جسم مقدس کو اللہ تعالیٰ نے نورانی بنایا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دندان مبارک سے نور پھوٹتا تھا۔ آپ کے رخ تاباں کی روشنی سے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو اندھیرے میں گم شدہ سوئی مل جاتی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بغلوں سے نور پھوٹتا تھا اور سجدے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نظر آتا تھا۔

قَالَ رَبِّ اِنِّیۡ قَتَلۡتُ مِنۡهُمۡ نَفۡسًا فَاَخَافُ اَنۡ یَّقۡتُلُوۡنِ ﴿۳۳﴾ وَ اَخِیۡ هٰرُوۡنُ

موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا اے میرے رب میں نے ان میں سے ایک آدمی کو مار دیا تھا مجھے ڈر ہے کہ وہ مجھے مار دیں گے اور میرا بھائی مجھ

هُوَ اَفۡصَحُ مِنِّیۡ لِسَانًا فَاَرۡسِلۡهُ مَعِیَ رِدۡاً یُّصَدِّقُنِیۡۤ ۫ اِنِّیۡۤ اَخَافُ اَنۡ

سے زیادہ صاف زبان ہے۔ تو اے اللہ! اسے میری مدد کے لئے میرے ساتھ رسول بنادے تاکہ میری تصدیق کرے۔ مجھے ڈر ہے کہ

یُّکَذِّبُوۡنِ ﴿۳۴﴾ قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَکَ بِاَخِیۡکَ وَ نَجۡعَلُ لَکُمَا سُلۡطٰنًا فَلَا

وہ مجھے جھٹلا دیں گے۔ اللہ نے فرمایا ہم یقیناً تمہارے بھائی کے ذریعے تمہارے بازو مضبوط کریں گے۔ اور تم دونوں کو غلبہ دیں گے تو فرعونی

یَصِلُوۡنَ اِلَیۡکُمَا ۚۛ بِاٰیٰتِنَاۤ ۚۛ اَنۡتُمَا وَ مَنِ اتَّبَعَکُمَا الۡغٰلِبُوۡنَ ﴿۳۵﴾

لوگ ہماری آیات کے سبب تم تک نہ پہنچ سکیں گے اور تم دونوں اور تمہارے پیروکار ہی غالب ہیں۔ [24]

معانقة ۱۱

[24] جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو رسالت سے سرفراز کیا اور فرعون کے پاس جا کر اسے دعوت حق دینے کا حکم فرمایا تو وہ عرض کرنے لگے اے اللہ! میرے ہاتھوں فرعونی قوم کا ایک شخص قتل ہو گیا تھا اس لئے وہ میری بات کا سننا تو درکنار وہ میرے قتل کے درپے ہوں گے اور میرا بھائی ہارون مجھ سے زیادہ صاف زبان رکھتا ہے اے اللہ! اسے بھی میرے ساتھ رسالت دے دے تاکہ وہ میری مدد کرے۔

## حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حضرت ہارون علیہ السلام کی نبوت کے لیے دعاء مانگنا

دراصل بچپن میں ایک بار حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کی گود میں کھیلتے ہوئے اس کے منہ پر طمانچہ دے مارا جو ایسا طاقتور تھا کہ اس کے ہوش اُڑ گئے اس نے کہا لگتا ہے یہ وہی بچہ ہے جو میری سلطنت تباہ کرے گا لہٰذا اسے ابھی قتل کرو۔ حضرت آسیہ نے کہا یہ ناسمجھ بچہ ہے تم تجربہ کر کے دیکھ لو۔ تو دو تھال منگوائے گئے ایک میں انگارے اور دوسرے میں چمکتے جواہر تھے۔ دونوں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے رکھے گئے آپ علیہ السلام نے جواہر کی طرف ہاتھ بڑھانا چاہا تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آپ کا ہاتھ انگاروں کی طرف کر دیا۔ آپ نے ایک انگارہ اٹھا کر منہ میں رکھ لیا جس سے آپ کی زبان جل گئی اور کچھ لکنت آ گئی تھی۔ (بغوی جلد ۴ صفحہ ۲۶۸)

چنانچہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو رسالت دی گئی تو انہوں نے یہ دعا بھی کی تھی: وَاحۡلُلۡ عُقۡدَةً مِّنۡ لِّسَانِیۡ ﴿۲۷﴾ یَفۡقَهُوۡا قَوۡلِیۡ ﴿۲۸﴾ وَاجۡعَلۡ لِّیۡ وَزِیۡرًا مِّنۡ اَهۡلِیۡ ﴿۲۹﴾ هٰرُوۡنَ اَخِی ﴿۳۰﴾ یعنی "موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا اے اللہ! میری زبان سے گرہ کھول دے تاکہ لوگ میری بات سمجھ سکیں اور میرے گھر والوں میں سے میرے بھائی ہارون کو میرا وزیر بنا۔"

(طٰہٰ ۲۷،تا۳۰)اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول کرتے ہوئے آپ کی لکنت دور فرما دی اور فرمایا کہ ہم تمہارے بھائی کو تمہارا مددگار بنا رہے ہیں لہٰذا تم دونوں بے دھڑک فرعون کے پاس جاؤ ہم نے تمہیں وہ نشانیاں دے دی ہیں جن کے ہوتے ہوئے وہ تمہارا کچھ بگاڑ نہیں سکتے۔

## حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا کلام کیسے سنا؟

یادرہے! کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا یہ کلام کانوں سے نہیں سنا کیونکہ کانوں سے الفاظ وحروف سنے جاتے ہیں جو کہ حادث ہیں اور اللہ تعالیٰ کا کلام ازلی ابدی ہے بلکہ بقول امام ابو اسحاق اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام میں ایسی کیفیت پیدا کردی جس سے انہوں نے کلام اللہ کا ادراک کرلیا اور آپ نے اللہ تعالیٰ کا کلام ہر جہت سے سنا صرف ایک جہت سے نہیں اور سارے وجود سے سنا صرف کانوں سے نہیں۔ (تفسیر قرطبی جلد ۱۰ صفحہ ۲۸۳) اسی لیے امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے قصیدہ معراجیہ میں اللہ عزوجل اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شب معراج گفتگو کا نقشہ یوں کھینچتے ہیں۔

وہاں جو کہنا تھا کہہ لیا تھا جو بات سننی تھی سن چکے تھے زبان کو انتظار گفتن تو کان کو حسرت شنیدن

مروی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب کوہ طور سے واپس اس جگہ آئے جہاں وہ اپنی بیوی کو بٹھا کر گئے تھے تو بیوی نے کہا کیا آپ آگ لے آئے؟ آپ نے فرمایا آگ تو نہیں ملی مگر اللہ تعالیٰ سے نبوت لے آیا ہوں۔ چنانچہ آپ بیوی کو لیکر وہاں سے چلے اور مصر پہنچے تو وہاں ماحول بدلا ہوا تھا آپ علیہ السلام اپنے گھر کو نہ پہچان سکے۔ گھر کے سامنے کھڑے ہو کر کہنے لگے میں مسافر رات گزارنا چاہتا ہوں۔ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے ہارون علیہ السلام سے کہا جاؤ اس مسافر کو اندر لے آؤ اور اسے کھانا کھلاؤ شائد اسکی برکت سے کوئی شخص میرے بیٹے موسیٰ کو بھی کھانا کھلا دے اور اس پر مہربانی کرے۔ یہ سن کر حضرت موسیٰ علیہ السلام اندر داخل ہوئے اور اپنی والدہ سے لپٹ کر بہت روئے اور ساری صورت حال بتائی۔ پھر اپنے بھائی ہارون علیہ السلام سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اور تمہیں دونوں کو نبوت سے سرفراز کیا ہے اور ہم دونوں کو فرعون کے پاس جا کر اسے دعوتِ توحید ورسالت سنانے کا حکم فرمایا ہے۔ چنانچہ دونوں بھائی فوراً تیار ہو گئے اور فرعون کی طرف چل پڑے۔

(روح البیان جلد ۶ صفحہ ۴۵۵)

فَلَمَّا جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّفْتَرًى وَّمَا

پھر جب موسیٰ (علیہ السلام) ان کے پاس ہماری واضح نشانیاں لے کر آئے تو انہوں نے کہا یہ من گھڑت جادو کے سوا کچھ نہیں اور ہم نے

سَمِعْنَا بِهٰذَا فِىْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۶﴾ وَقَالَ مُوْسٰى رَبِّىْٓ اَعْلَمُ بِمَنْ جَآءَ

یہ بات اپنے اگلے باپ دادا میں بھی نہ سنی تھی۔ موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا میرا رب اسے خوب جانتا ہے جو اس کی طرف سے

بِالْهُدٰى مِنْ عِنْدِهٖ وَمَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ

ہدایت لائے اور جس کے لئے آخرت کا گھر (جنت) ہے۔ بیشک ظالم لوگ

الظّٰلِمُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَاُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ

کامیابی نہیں پاتے [25]۔ فرعون نے کہا اے اہل دربار! میں اپنے سوا تمہارے لیے کوئی خدا

غَيْرِىْ ۚ فَاَوْقِدْ لِىْ يٰهَامٰنُ عَلَى الطِّيْنِ فَاجْعَلْ لِّىْ صَرْحًا لَّعَلِّىْٓ

نہیں جانتا [26]۔ تو اے ہامان! تم میرے لئے مٹی سے (اینٹیں) بناؤ پھر میرے لئے اونچی عمارت تعمیر کرو تاکہ میں

اَطَّلِعُ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى ۙ وَاِنِّىْ لَاَظُنُّهٗ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۳۸﴾ وَاسْتَكْبَرَ هُوَ

موسیٰ کے خدا پر جھانک سکوں اور میں تو اسے جھوٹا ہی سمجھتا ہوں، تو فرعون

وَجُنُوْدُهٗ فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اِلَيْنَا لَا يُرْجَعُوْنَ ﴿۳۹﴾

اور اس کے لشکروں نے زمین میں ناحق تکبر کیا اور وہ سمجھے کہ وہ ہماری طرف نہیں لوٹنے والے [27]

[25] جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دربار فرعونی میں جا کر انہیں دعوت حق دی اور اپنے عصا کو اژدھا اور اپنے ہاتھ کو چمکتا چراغ بنا کر دکھایا تو انہوں نے کہا یہ تمہارا بنایا ہوا جادو ہے اور ہم نے اپنے پہلے باپ دادا کے زمانہ سے کبھی نہیں سنا کہ کسی انسان کو رسول بنایا گیا ہو یا یہ معنی ہے کہ ایسا بڑا جادو ہم نے اپنے باپ دادا سے بھی نہیں سنا جو تم بنا کر لائے ہو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا میرا رب خوب جانتا ہے کہ کون اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت کا پیغام لے کر آتا ہے اور کس کو آخرت کا گھر (جنت) ملتا ہے یعنی اللہ جسے چاہے رسول بنا کر اسے پیغام ہدایت دے کر بھیجتا ہے اور جن کے نصیب میں جنت ہوتی ہے وہ رسول کی پیروی کرتے ہیں۔

[26] فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پر از ہدایت باتوں کے جواب میں نہایت جاہلانہ دعویٰ کرتے ہوئے کہا اے اہل دربار! میرے سوا تمہارا کوئی خدا نہیں ہے۔ اس نے یہ بھی کہا اے موسیٰ! اگر تم نے میرے سوا کسی کو خدا مانا تو میں تمہیں جیل میں ڈال دوں گا۔ (شعرآء:٢٩) اور اس نے کہا: اَنَا رَبُّكُمُ الۡاَعۡلٰى ''میں تمہارا سب سے بڑا خدا ہوں۔'' (نازعات:٢٤) یاد رہے کہ فرعون کا خود کو خدا کہنا ایک تو اس معنی میں تھا کہ وہ خود کو حلال وحرام کا مالک سمجھتا تھا اور یہ کہ اسکے منہ سے نکلا ہوا ہر لفظ قانون ہے۔ یہ اسی طرح ہے جیسے فرمایا گیا: اِتَّخَذُوۡۤا اَحۡبَارَهُمۡ وَرُهۡبَانَهُمۡ اَرۡبَابًا مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ کہ یہود ونصاریٰ نے اپنے علماء ومشائخ کو اللہ کے سوا خدا بنا لیا۔ (توبہ:٣١) یعنی انہیں حلال وحرام کا مالک سمجھ لیا اور دوسرا اس معنی میں کہ وہ خود کو سجدے کرواتا تھا، بلکہ اس نے اپنی شکل کے بت بنوا کر پورے مصر میں پھیلا رکھے تھے کہ جو لوگ فرعون کے پاس حاضر نہیں ہو سکتے وہ اس کی شکل پہ بنے ہوئے بتوں کو سجدے کیا کریں۔

[27] فرعون نے اپنے وزیر ہامان سے کہا تم کسی بلند ترین جگہ پر بہت اونچا مینار (TOWER) بناؤ تاکہ میں اس پر چڑھ کر دیکھوں کہ موسیٰ کا خدا کہاں ہے اور مجھے تو موسیٰ جھوٹا ہی نظر آتا ہے (معاذ اللہ) یوں فرعون اور اس کے لشکروں نے ناحق تکبر کیا اور وہ سمجھتے تھے کہ وہ مر کر دوبارہ نہیں اٹھائے جائیں گے اور نہ اللہ کے حضور پیش کئے جائیں گے۔

## فرعون کے بناء کردہ بلند ترین ٹاور کا تباہ ہونا

مروی ہے کہ فرعون کے حکم پر ہامان نے ہزار ہا معمار اور مزدور جمع کئے لاکھوں اینٹیں پکائی گئیں پھر کسی بلند تر جگہ پر اس قدر اونچی عمارت کھڑی کی گئی کہ خلق خدا میں سے کسی نے اتنی بلند عمارت نہ بنائی تھی۔ پھر فرعون اس پر چڑھا اس نے وہاں سے آسمان کی طرف تیر پھینکے، جو خون آلود واپس لوٹے، فرعون نے کہا: میں نے موسیٰ کے خدا کو قتل کر دیا ہے، (معاذ اللہ) تب حضرت جبرائیل علیہ السلام نے بحکم خدا اس عمارت کو اپنا ایک پر مارا تو اس کے تین ٹکڑے ہو گئے ایک فرعونی لوگوں پر گرا اور ہزاروں انسان اس کے نیچے دب کر مر گئے ایک سمندر میں جا گرا (ممکن ہے سمندر سے یہاں دریائے نیل مراد ہو) اور ایک جانبِ مغرب گر گیا۔ (بغوی جلد ۵ صفحہ ۱۷۴)

فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِی الْیَمِّ ۚ فَانْظُرْ كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ

لہٰذا ہم نے فرعون اور اس کے لشکروں کو پکڑ کر سمندر میں پھینک دیا تو دیکھو ظالموں کا انجام کیسا

الظّٰلِمِیْنَ ۝ وَجَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً یَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚ وَیَوْمَ الْقِیٰمَةِ لَا

(برا) تھا۔ اور ہم نے انہیں ایسے پیشوا بنایا جو دوزخ کی طرف بلاتے ہیں اور روز قیامت ان کی

یُنْصَرُوْنَ ۝ وَاَتْبَعْنٰهُمْ فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا لَعْنَةً ۚ وَیَوْمَ الْقِیٰمَةِ هُمْ مِّنَ

مدد نہ کی جائے گی اور ہم نے اس دنیا میں ان کے پیچھے لعنت لگا دی اور روز قیامت وہ ذلیل

الْمَقْبُوْحِیْنَ ۝ ع

کئے جائیں گے۔[28]

[28] جب فرعون اور اس کی قوم کی سرکشی یہاں تک بڑھی تو اللہ تعالیٰ نے ان سب کو اٹھا کر سمندر میں پھینک دیا اور ظالموں کا یہی انجام ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ہم نے فرعون اور اس جیسے لوگوں کو پیشوایان کفر بنایا تھا جو لوگوں کو جہنم کی طرف بلاتے تھے اس لئے روز قیامت ہرگز ان کی مدد نہ کی جائے گی۔ یاد رہے اللہ تعالیٰ ازخود کسی کو پیشوائے کفر اور داعیِ جہنم نہیں بناتا۔ مگر جب کفار اپنے کفر پر جان بوجھ کر یوں ڈٹ جاتے ہیں کہ دوسرے لوگوں کو بھی دعوت کفر دینے لگتے ہیں تو ان کے دلوں پر اللہ تعالیٰ مہر لگا دیتا ہے اور وہ پکے داعیِ جہنم بن جاتے ہیں۔ پھر ایسے لوگوں پر دنیا میں بھی لعنت برستی رہتی ہے اور آخرت میں ان کی ذلت الگ ہے چنانچہ فرعون اور اس کے لشکروں پر آج لعنت برس رہی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ اُولٰٓىِٕكَ عَلَیْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓىِٕكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ ۝ ''جنہوں نے کفر کیا اور کفر ہی پر مر گئے ان پر اللہ اور فرشتوں اور سب انسانوں کی لعنت ہے۔'' (بقرہ:١٦١)

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ مِنْ بَعْدِ مَآ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى بَصَآئِرَ

اور بلاشبہ ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب دی بعد ازاں کہ ہم نے پہلی قوموں کو ہلاک کیا اور اس کتاب کو لوگوں کے لئے

لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۳﴾ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ

درس عبرت اور ہدایت اور رحمت بنایا تاکہ وہ نصیحت پکڑیں [29] اور (اے نبی اکرم ﷺ) آپ اس وقت (طور کی)

الْغَرْبِيِّ اِذْ قَضَيْنَآ اِلٰى مُوْسَى الْاَمْرَ وَمَا كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۴۴﴾ وَلٰكِنَّآ

مغربی جانب میں نہ تھے جب ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کا معاملہ مکمل کیا اور آپ وہاں حاضر نہ تھے مگر ہم نے

اَنْشَاْنَا قُرُوْنًا فَتَطَاوَلَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ۚ وَمَا كُنْتَ ثَاوِيًا فِيْٓ اَهْلِ

(اس کے بعد) کئی قومیں پیدا کیں تو لوگوں پر ایک طویل زمانہ گزر گیا اور آپ اہل مدین میں مقیم نہ تھے کہ انہیں

مَدْيَنَ تَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۙ وَلٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ﴿۴۵﴾ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ

ہماری آیات سنا رہے ہوتے۔ مگر ہم ہی رسولوں کے بھیجنے والے ہیں [30] اور آپ طور کے پاس

الطُّوْرِ اِذْ نَادَيْنَا وَلٰكِنْ رَّحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰهُمْ مِّنْ

نہ تھے جب ہم نے ندا کی، مگر آپ کے رب کی رحمت سے (آپ کو یہ سب کچھ معلوم ہوا) تاکہ آپ اس قوم کو ڈرائیں

نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَلَوْلَآ اَنْ تُصِيْبَهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۢ بِمَا

جن کے پاس آپ سے قبل کوئی نذیر نہ آیا تھا تاکہ وہ نصیحت پکڑیں [31] اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ کفار کو ان کے پہلے سے کئے ہوئے

قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ فَيَقُوْلُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ

گناہوں کے سبب کوئی مصیبت آئے تو وہ کہنے لگیں کہ اے اللہ تو نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہ بھیجا تاکہ ہم تیری آیات کی پیروی کرتے۔

وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾

اور مومن بنتے (تو ہم ان پر آپ سے پہلے ہی عذاب اتار دیتے) [32]

## تورات اور قرآن کا ہدایت کے لئے نازل ہونا

[29] فرعونی قوم کی غرقابی کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی گئی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے اس سے قبل کئی قوموں کو ان کی دین دشمنی کے سبب ہلاک کیا اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام کو مبعوث فرما کر انہیں کتاب تورات دی جو لوگوں کے لے عبرت، ہدایت اور رحمت کا باعث تھی یعنی اس کی آیاتِ عذاب پڑھنے سے لوگوں کو عبرت اور آیاتِ احکام پڑھنے سے زندگی گزارنے کی ہدایت اور آیاتِ عقائد پڑھ کر رحمت یعنی جنت حاصل ہوتی تھی تاکہ نئی قومیں اس کتاب سے نصیحت حاصل کریں۔

[30] اب حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے اثبات پر زور دیا جا رہا ہے تو فرمایا کہ اے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! جب ہم نے موسیٰ علیہ السلام کا معاملہ مکمل کیا یعنی انہیں کتاب سے نوازا اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم طور پہاڑ کی جانب مغرب میں وہاں موجود نہیں تھے۔ یعنی جب آپ وہاں موجود نہ تھے تو پھر آپ کو یہ ساری باتیں وحی الٰہی کے بغیر کیسے معلوم ہوئیں تو یہ چیز آپ کے لئے دلیل نبوت ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کے بعد کئی قومیں اٹھائیں اور طویل زمانہ گزرنے کے سبب لوگ تورات کو بھول گئے اور تعلیمات موسیٰ علیہ السلام کے نقوش مٹ گئے۔ تب ہم نے آپ کو مبعوث فرمایا۔ اور آپ اہل مدین کی خبریں دیتے ہیں کہ کس طرح انہوں نے شعیب علیہ السلام سے مخالفت کی اور ان پر عذاب آیا حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو ان میں مبعوث نہ ہوئے تھے کہ انہیں اللہ کی آیات سناتے۔ آپ تو اس سے ہزاروں برس بعد مکہ میں مبعوث ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اہل مدین کی خبریں کیسے معلوم ہوئیں سوا اس کے کہ ہم نے آپ کو رسول بنایا اور ان واقعات سے آگاہ کیا ہے۔ اگر کہا جائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ واقعات یہود و انصاریٰ سے بھی سن سکتے تھے تو اس کا جواب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں یہ واقعات سنائے وہاں کوئی یہودی یا عیسائی نہ تھا۔ اسی لئے اہلِ مکہ نے بھی کبھی نہ کہا تھا کہ آپ کو کسی یہودی یا عیسائی نے یہ باتیں بتائی ہیں۔

[31] اور اے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ اس وقت طور پہاڑ کے قریب موجود نہ تھے جب ہم نے ندا کی تھی۔ مگر ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی رحمت سے یہ باتیں بتائیں تاکہ آپ ان لوگوں کو اللہ کی طرف سے ڈر سنائیں جن کے پاس اس سے قبل کوئی ڈرانے والا نہ آیا تھا۔ یہ اس لئے فرمایا کہ اہل مکہ میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد کوئی نبی مبعوث نہ ہوا تھا۔ اور یہاں کفر و شرک کی تاریکی بہت گہری ہوگئی تھی۔ یہاں اِذۡ نَادَیۡنَا سے کون سی ندا مراد ہے اس کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام نے طور پر عرض کیا اے اللہ! کیا تجھے مجھ سے بڑھ کر کوئی نبی اور بنی اسرائیل سے بڑھ کر کوئی امت پسند ہے؟ جبکہ تو نے مجھ سے کلام فرمایا اور بنی اسرائیل کے لئے سمندر کو پھاڑا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہاں مجھے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم سے بڑھ کر محبوب ہیں اور ان کی امت بنی اسرائیل سے بڑھ کر پیاری ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے امت

محمدیہ کوندا کی تو امت محمدیہ کی ارواح نے اپنے آباء کے اصلاب سے پکار کر جواب دیا اے اللہ! تو ہمارا رب ہے ہم تیرے بندے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم میں سے جو شخص لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھے گا وہ جنت میں جائے گا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اِذْ نَادَيْنَا میں یہاں ہمیں وہ ندا یاد دلائی ہے۔
(درمنثور بروایت ابن مردویہ جلد ۶ صفحہ ۴۱۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

[32] یعنی اگر یہ بات نہ ہوتی کہ کفار مکہ روز قیامت کہیں گے اے اللہ تعالیٰ تو نے ہمارے درمیان کسی رسول کے مبعوث کرنے سے قبل ہی ہمیں ہلاک کر دیا اور ہمیں ایمان لانے کا موقع ہی نہ دیا تو ہم انہیں آپ کی بعثت سے قبل ہلاک کر چکے ہوتے۔ کیونکہ ان کے جرائم عذاب الٰہی کو دعوت دے رہے تھے جیسے ان کا بچیوں کو زندہ درگور کرنا، حرم کعبہ میں تین سو ساٹھ بت کھڑے کر دینا اور برہنہ طواف کعبہ کرنا وغیرہ۔ اس لئے ہم نے انہیں ہلاک کرنے کی بجائے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان میں مبعوث کیا اور ان پر اتمام حجت کر دی اب انہیں چاہئے کہ کفر و شرک چھوڑ کر ایمان لائیں۔

یہاں سے دو فوائد معلوم ہوئے:

(۱) زمانہ فترت کے موحدین کے لئے عذابِ جہنم نہیں ہے:

کیونکہ اس آیت کے مطابق رسول کی بعثت کے بغیر عذاب نہیں دیا جاتا۔ تو جو شخص زمانہ فترت میں توحید پر قائم ہو وہ کسی لحاظ سے مستحق عذاب نہیں ہے اور حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین بھی اسی زمرہ میں ہیں۔ وہ بھی زمانہ فترت میں تھے اور موحدین میں سے تھے ان کا شرک کہیں ثابت نہیں۔

(۲) اللہ تعالیٰ اپنے انکار سے عذاب نہیں اتارتا البتہ رسول سے انکار پر عذاب اتارتا ہے:

جیسا کہ یہ بات لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا سے ظاہر ہے۔ اسی لئے فرمایا گیا: وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ⑮ (بنی اسرائیل: ۱۵)

فَلَمَّا جَآءَهُمُ الۡحَقُّ مِنۡ عِنۡدِنَا قَالُوۡا لَوۡلَاۤ اُوۡتِیَ مِثۡلَ مَاۤ اُوۡتِیَ مُوۡسٰی ط

اور جب ان کے پاس ہماری طرف سے حق آ گیا تو انہوں نے کہا اس شخص کو ایسے معجزات کیوں نہیں ملے جیسے موسیٰ (علیہ السلام) کو دیئے گئے؟

اَوَ لَمۡ یَکۡفُرُوۡا بِمَاۤ اُوۡتِیَ مُوۡسٰی مِنۡ قَبۡلُ ج قَالُوۡا سِحۡرٰنِ تَظٰهَرَا قف

کیا انہوں نے اس سے قبل موسیٰ (علیہ السلام) کو دیئے گئے معجزات سے انکار نہ کیا تھا؟ انہوں نے کہا یہ دونوں ایک دوسرے کے مددگار جادوگر ہیں

وَقَالُوۡۤا اِنَّا بِکُلٍّ کٰفِرُوۡنَ ﴿۴۸﴾ قُلۡ فَاۡتُوۡا بِکِتٰبٍ مِّنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ هُوَ اَهۡدٰی

اور کہا کہ ہم ان سب سے انکار کرتے ہیں [33]۔ آپ فرمائیں تم اللہ کی طرف سے کتاب لاؤ جو تورات و قرآن سے بڑھ کر

مِنۡهُمَاۤ اَتَّبِعۡهُ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ﴿۴۹﴾ فَاِنۡ لَّمۡ یَسۡتَجِیۡبُوۡا لَکَ فَاعۡلَمۡ

ہدایت دینے والی ہو تو میں اس کی اتباع کروں گا اگر تم سچے ہو، پھر اگر وہ آپ کی بات نہ مانیں

اَنَّمَا یَتَّبِعُوۡنَ اَهۡوَآءَهُمۡ ط وَمَنۡ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَیۡرِ هُدًی

تو آپ جان لیں کہ وہ بس اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں اور جو اللہ کی ہدایت چھوڑ کر اپنی خواہش کے پیچھے چلے

مِّنَ اللّٰهِ ط اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهۡدِی الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۵۰﴾ ع

اس سے بڑا گمراہ کون ہے۔ بے شک اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔ [34]

ع ۵ ۸

[33] یعنی جب اہل مکہ کے پاس قرآن کی صورت میں حق آ گیا تو انہوں نے کہا اس شخص (محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) کو اس طرح کے معجزات کیوں نہیں دیئے گئے جیسے موسیٰ علیہ السلام کو دیئے گئے مثلاً عصا اور ید بیضاء وغیرہ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ کفار مکہ اس سے قبل موسیٰ علیہ السلام کی نبوت سے بھی انکار کر چکے ہیں اور کہہ چکے ہیں کہ محمد اور موسیٰ دونوں جادوگر ہیں جو ایک دوسرے کے مددگار ہیں۔ پھر وہ موسیٰ علیہ السلام کے معجزات کو کس منہ سے معیار بنا کر پیش کر رہے ہیں۔

اس کا پس منظر کلبی یوں روایت کرتے ہیں کہ کفار مکہ نے مدینہ طیبہ کے بعض علماء یہود سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں پوچھا۔ انہوں نے کہا: ہاں ہم ان کی تعریف اپنی کتاب تورات میں پاتے ہیں۔ تب کفار مکہ نے کہا یہ دونوں (حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور موسیٰ علیہ السلام) جادوگر ہیں (معاذ اللہ) اور ہم سب رسولوں سے انکار کرتے ہیں۔ تو اس آیت میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ یہاں سِحۡرٰنِ تَظٰهَرَا کا یہ معنی بھی ہوسکتا ہے کہ کفار مکہ نے کہا قرآن اور تورات دونوں جادو

ہیں۔ جو ایک دوسرے کے مددگار ہیں اور ہم ان سب سے انکار کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا: اے پیارے نبی ﷺ ان سے فرمائیں اگر بالفرض تورات اور قرآن سے زیادہ ہدایت دینے والی کوئی کتاب ہے تو تم اسے اللہ تعالیٰ کے ہاں سے اتر والاؤ تو میں اس کی پیروی کروں گا۔

[34] لیکن اے پیارے رسول ﷺ! اگر کفار قرآن سے بڑھ کر کوئی کتاب ہدایت نہ لا سکیں تو جان لیجئے کہ یہ لوگ محض اپنی خواہشات کے پیچھے چلنا چاہتے ہیں اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ ہدایت چھوڑ کر اپنی خواہش کی اتباع کرے اس سے بڑا گمراہ کون ہوسکتا ہے۔ اور ایسے ظالموں کو ہدایت نہیں دی جاتی۔ معلوم ہوا قرآن سے بڑھ کر کوئی کتاب ہدایت پیش نہیں کی جاسکتی لہٰذا یہ آخری آسمانی کتاب ہے اور اس کے لانے والے نبی محمد عربی ﷺ اللہ تعالیٰ کے آخری رسول ہیں۔

وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۱﴾ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ

اور بلاشبہ ہم نے ان کے لئے جامع کلام (قرآن) اتارا ہے تاکہ وہ نصیحت پکڑیں۔ جن لوگوں کو ہم نے اس سے قبل

مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَاِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ

کتاب دی وہ قرآن پر ایمان لاتے ہیں اور جب ان پر ہماری آیات پڑھی جائیں تو کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے

مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ ﴿۵۳﴾ اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ

یہ ہمارے رب کی طرف سے حق ہے، ہم تو پہلے ہی اطاعت کرنے والے تھے [35] ان لوگوں کو ان کا دوہرا اجر دیا جائے گا

بِمَا صَبَرُوْا وَيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۵۴﴾ وَاِذَا

کیونکہ انہوں نے صبر کیا اور وہ برائی کو بھلائی کے ساتھ دور کرتے ہیں اور جو ہم نے انہیں دیا اس میں سے (ہماری راہ میں) خرچ کرتے ہیں

سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَقَالُوْا لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ز سَلٰمٌ

اور جب وہ بیہودہ بات سنیں تو اس سے درگزر کرتے اور کہتے ہیں: ہمارے لئے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لئے تمہارے اعمال، تم

عَلَيْكُمْ ز لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ ﴿۵۵﴾

پر سلام ہو ہم جاہلوں کا طریقہ نہیں چاہتے۔ [36]

## جب حبشہ کے عیسائی ایمان لے آئے اور مکہ کے قریش کفر پہ اڑے رہے

[35] اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ہم نے وصل کرنے والا کلام کفار کی ہدایت کے لئے اتارا ہے وصل کا معنی ملانا ہے یعنی یہ ایسا کلام ہے جو ماضی کو حال اور حال کو مستقبل سے ملاتا ہے۔ کیونکہ وہ ماضی کے واقعات بتا کر حال کو بہتر بنانے کی دعوت دیتا ہے تاکہ ان کا مستقبل یعنی آخرت سنور جائے یونہی یہ قرآن دنیا کو آخرت سے ملا دیتا ہے اور اس پر عمل کرنے والا دنیا و آخرت دونوں جہانوں میں کامیاب رہتا ہے۔

یعنی قرآن کی صداقت کی یہ دلیل بھی بتائی جارہی ہے کہ اہل کتاب میں سے بہت سے لوگ قرآن پر ایمان لے آتے ہیں کیونکہ تورات وانجیل میں حضور سید عالم ﷺ اور قرآن کے بارے میں پیش گوئیاں موجود ہیں اور اس میں شک نہیں کہ آج بھی عیسائیوں کی ایک بڑی تعداد اسلام قبول کر رہی ہے صرف برطانیہ میں عیسائیت چھوڑ کر اسلام میں آنے

والوں کی تعداد تیرہ ہزار سے تجاوز کر چکی ہے باقی سارا یورپ اس کے سوا ہے اور امریکہ میں یہ تعداد لاکھوں میں ہے۔ رہے یہود تو اگرچہ وہ متعصب قوم ہے مگر ان میں سے بھی کئی لوگ اسلام لائے ہیں اور عموماً کوئی یہودی اپنا مذہب ترک نہیں کرتا لیکن اگر کرے تو وہ سیدھا اسلام میں آتا ہے اور کہیں نہیں جاتا الغرض اہل کتاب کا ایمان لانا بھی صداقتِ قرآن کی دلیل ہے۔

[36] حضرت مقاتل کہتے ہیں یہ آیات ان اہل انجیل کے حق میں اتریں جو حبشہ سے آئے اور نبی کریم ﷺ پر ایمان لائے (تفسیر بغوی جلد ۵ صفحہ ۱۷۷) محمد بن اسحاق کہتے ہیں جب صحابہ کرام ہجرت کر کے حبشہ گئے اور وہاں کے نصاریٰ نے نبی کریم ﷺ کے بارے میں ان سے خبر سنی تو ان میں سے بیس آدمی حضور ﷺ کی زیارت کے لئے مکہ آئے۔ جب انہوں نے حضور سید کائنات ﷺ کی زبان مبارک سے قرآن سنا تو ان کی آنکھوں سے آنسو برسنے لگے اور یہ آیت وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ یعنی جب وہ اس کلام کو سنتے ہیں جو رسول اللہ ﷺ پہ اتارا گیا ہے تو آپ دیکھتے ہیں کہ انکی آنکھوں سے آنسو بہتے ہیں۔ (مائدہ: ۸۳) بھی اسی بارے میں نازل ہوئی۔ اور وہ ایمان لے آئے۔ ابوجہل نے انہیں کہا تم احمق لوگ ہو۔ انہوں نے اسے کہا تمہیں معلوم ہے ہم تم سے جاہلانہ گفتگو نہیں کرنا چاہتے ہمارے لئے ہمارا دین ہے اور تمہارے لئے تمہارا چنانچہ یہ آیات اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ ...... لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ اسی بارے میں نازل ہوئیں۔

(سیرت ابن ہشام صفحہ ۱۸۰ مطبوعہ دار ابن حزم بیروت)

گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو اہل کتاب ایمان لاتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں دوہرا اجر دے گا ایک تورات یا انجیل پر ایمان لانے کا دوسرا قرآن پر ایمان لانے کا۔ اور یہ لوگ بُرائی کو اچھائی سے دور کر دیتے ہیں یعنی کفر کی جگہ اسلام لے آتے ہیں۔ اور وہ ہمارے دیئے ہوئے مال میں سے ہماری راہ میں خرچ کرتے ہیں چنانچہ مروی ہے کہ اہل حبشہ میں سے ایمان لانے والے مذکورہ بیس نومسلم مالدار لوگ تھے جب انہوں نے مکہ میں مسلمانوں کی کمزور مالی حالت دیکھی تو پریشان ہوئے وہ حبشہ گئے بہت سا مال لائے اور غرباءِ اہلِ اسلام میں تقسیم کیا۔ (بغوی جلد ۵ صفحہ ۱۷۷) اللہ تعالیٰ نے مزید فرمایا: کہ جب اہل کتاب ایمان لے آتے ہیں تو جو کافر ان سے بیہودہ گوئی کے ذریعے انہیں قبول اسلام پر ملامت کرے جیسے ابوجہل نے مذکورہ حبشی نومسلمانوں سے کیا تو وہ اس سے اعراض کرتے ہیں اور کہتے ہیں ہمارے لئے ہمارا دین ہے اور تمہارے لئے تمہارا، ہم کسی جاہلانہ گفتگو میں شامل نہیں ہونا چاہتے۔

یہاں سے دو فوائد حاصل ہوئے:

(۱) جب اسلام کسی کے دل میں صحیح اتر جاتا ہے تو کسی کے نکالے سے نکلتا نہیں: اور ایسا کم ہی ہوتا ہے کہ کوئی اسلام لا کر اسے چھوڑ دے ہاں اگر کسی نے اسلام کو صحیح طرح سمجھا نہ ہو اور کسی مقصد کے لئے زبانی اسلام لایا ہو تو اس کے پھر

جانے کا امکان ہوتا ہے مگر سمجھ لینے کے بعد کوئی نہیں پھرتا۔

(۲) جاہلوں سے جھگڑنا جہالت ہے: وہ اگر جھگڑیں تو انہیں کہنا چاہئے: سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ۫ لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ ﴿۵۵﴾ ''تم پر سلام ہو، ہم جاہلوں کا طریقہ نہیں اپناتے۔''

| |
|---|
| اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ |
| اے محبوب (ﷺ) آپ جسے چاہیں ہدایت نہیں دیتے بلکہ اللہ جسے چاہے ہدایت دیتا ہے اور وہ ہدایت پانے والوں کو |
| بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۵۶﴾ وَقَالُوْٓا اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ اَرْضِنَا ؕ |
| خوب جانتا ہے [37] اور کفار مکہ نے کہا اگر ہم تمہارے ساتھ ہدایت کی پیروی کریں تو ہمیں ہمارے علاقہ سے اٹھالیا جائے گا، |
| اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا يُّجْبٰٓى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَيْءٍ رِّزْقًا مِّنْ |
| کیا ہم نے انہیں امن والے حرم میں جگہ نہیں دی ہے جس کی طرف ہر طرح کا پھل کھینچ کر لایا جاتا ہے جو ہماری |
| لَّدُنَّا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۷﴾ |
| طرف سے رزق ہے؟ مگر ان میں سے اکثر نہیں جانتے۔ [38] |

[37] جب حبشہ کے عیسائی ایمان لائے اور مکہ کے قریش جو نبی اکرم ﷺ سے نسبی تعلق رکھتے تھے کفر پر ڈٹے رہے تو نبی اکرم ﷺ کو سخت کوفت ہونے لگی اور بخاری و مسلم میں مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے غمگسار چچا ابو طالب کو دعوت اسلام پیش کی تو انہوں نے پس و پیش کیا تب اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے پیارے محبوب! آپ جسے چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے بلکہ اللہ جسے چاہے ہدایت دے دیتا ہے۔ اور وہ خوب جانتا ہے کون ہدایت لینے والا ہے کون نہیں۔

## ابو طالب کی موت کی کیفیت

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں تمام جلیل القدر مفسرین کا اجماع ہے یہ آیت اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۚ نبی اکرم ﷺ کے چچا ابو طالب کے حق میں اتری اور بخاری و مسلم کی حدیث اس پر نص ہے۔

(قرطبی جلد ۱۳ صفحہ ۲۹۹ مطبوعہ دار احیاء بیروت)

چنانچہ حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ جب ابو طالب کو موت آئی تو رسول اللہ ﷺ نے اسے کہا اے چچا لا الہ الا اللہ (یعنی کلمۂ طیبہ) پڑھو، میں اس کے ذریعے تمہاری شفاعت کروں گا۔ ابو جہل اور عبداللہ بن ابی امیہ وہاں بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے اسے کہا تم مرتے ہوئے عبدالمطلب کا دین چھوڑ دو گے؟ آخر ابو

طالب کی زبان سے آخری الفاظ یہ نکلے اَنَا عَلٰی مِلَّۃِ عَبۡدِ الۡمُطَّلِب میں عبد المطلب کے دین پر ہوں۔ پھر نبی کریم ﷺ نے اس کے حق میں استغفار کرنا چاہی تو یہ آیات اتریں: مَا کَانَ لِلنَّبِیِّ وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنۡ یَّسۡتَغۡفِرُوۡا لِلۡمُشۡرِکِیۡنَ وَلَوۡ کَانُوۡۤا اُولِیۡ قُرۡبٰی۔ نبی اکرم ﷺ اور اہل ایمان کے لیے جائز نہیں کہ مشرکین کے لیے استغفار کریں خواہ وہ ان کے قریبی رشتہ دار ہوں۔ (توبہ:۱۱۳) اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا اِنَّکَ لَا تَہۡدِیۡ مَنۡ اَحۡبَبۡتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَہۡدِیۡ مَنۡ یَّشَآءُ ۚ (بخاری کتاب التفسیر سورۃ القصص باب ۱، مسلم کتاب الایمان حدیث ۱۹: مسند احمد جلد ۵ صفحہ ۴۳۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے چچا ابو طالب کو اس کے آخری وقت میں دعوت ایمان دی مگر اس نے کہا اگر مجھے ڈر نہ ہوتا کہ قریش مجھے شرم دلائیں گے تو میں تمہاری آنکھیں ٹھنڈی کر دیتا۔ تو اسی بارے میں یہ آیت اتری: اِنَّکَ لَا تَہۡدِیۡ مَنۡ اَحۡبَبۡتَ۔ الخ

(مسلم کتاب الایمان حدیث ۴۲، ترمذی کتاب التفسیر سورہ قصص، مسند احمد جلد ۲ صفحہ ۴۳۴)

ممکن ہے کہ حبشہ سے آنے والے اہل کتاب کے ایمان لانے کا واقعہ اور ابو طالب کی موت دونوں ایک ہی دور میں قریب قریب واقع ہوئے ہوں اور ان دونوں کے وقوع پہ یہ آیت اِنَّکَ لَا تَہۡدِیۡ الخ نازل ہوئی ہو۔

## ابو طالب کے ایمان لانے یا نہ لانے کی بحث

خلاصہ یہ ہے کہ حضور ﷺ کی شدید خواہش کے باوجود آپ کے چچا ابو طالب کے ایمان لائے بغیر مر جانے پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے محبوب! ہدایت دینا آپ ﷺ کے ہاتھ میں نہیں میرے ہاتھ میں ہے۔ اگر سوال کیا جائے کہ ابو طالب کے آخری الفاظ انا علی ملۃ عبد المطلب۔ کہ میں عبد المطلب کے دین پر ہوں کا کیا معنی ہے کیا عبد المطلب بھی مشرک تھے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ عبد المطلب صرف توحید کے ماننے والے تھے رسالت کے نہیں۔ کیونکہ اس وقت کوئی رسول مبعوث نہ تھا۔ اور جب حضور ﷺ مبعوث ہو گئے تو اس وقت انا علی ملۃ عبد المطلب کہنا نجات کے لئے کافی نہیں تھا۔ بلکہ با قاعدہ کلمہ اسلام کا قبول کرنا ضروری تھا۔

اس جگہ اگر یہ سوال کیا جائے کہ سیرت ابن ہشام میں ہے کہ عباس بن عبد المطلب نے ابو طالب کے ہونٹ آخری وقت میں ہلتے دیکھے تو کان لگایا تو حضور ﷺ سے کہا بھتیجے! میرے بھائی نے وہ بات کہدی ہے جو تم اس سے مانگ رہے تھے (یعنی کلمہ پڑھ لیا ہے) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نے تو نہیں سنا۔ (سیرت ابن ہشام صفحہ ۱۹۲ مطبوعہ دار ابن حزم شام) تو اس کا جواب یہ ہے کہ اولاً یہ روایت مجہولہ ہے اسکی روایت یوں ہے: حدثنی العباس بن عبد اللہ بن معبد بن عباس عن بعض اھلہ عن ابن عباس، عباس بن عبد اللہ بن معبد بن عباس نے اپنے بعض گھر والوں سے اور انہوں نے حضرت عبد اللہ بن عباس سے روایت کیا ہے۔ اب وہ گھر والے کون ہیں اس کا کچھ علم نہیں ہے۔ تو بخاری و مسلم کی متفق علیہا صحیحہ مرفوعہ متصلہ روایات کے مقابلہ میں اس مجہول روایت کی کیا حیثیت ہے۔

ثانیاً خود حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپکا چچا ابو طالب آپکی حفاظت کرتا اور آپ کے لیے لوگوں سے لڑتا تھا تو آپ نے اسے کیا فائدہ پہنچایا ہے؟ آپ نے فرمایا: ھو فی ضحضاح من النار ولولا انا لکان فی الدرك الاسفل من النار۔ وہ تھوڑی سی آگ میں ہے اور اگر میں نہ ہوتا تو وہ جہنم کے سب سے گہرے مقام میں ہوتا۔

(بخاری کتاب مناقب الانصار باب ۴۰ مسلم کتاب الایمان حدیث ۳۵۷، مسند احمد بن حنبل جلد ۱ صفحہ ۲۰۶)

اگر حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ نے ابو طالب سے اسکی موت کے وقت کلمہ اسلام سن لیا ہوتا تو وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ سوال نہ کرتے اور نہ ہی آپ یہ جواب دیتے۔ بخاری و مسلم کی یہ متفق علیہ حدیث بتا رہی ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہما نے ابو طالب کی موت کے وقت اس کی زبان سے کوئی ایسی بات نہیں سنی تھی۔

ہم یہ بحث بادل نخواستہ کر رہے ہیں۔ کیونکہ ابو طالب کا ایمان نہ لانا ایک بڑا المیہ ہے جو خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے بھی باعث تکلیف تھا۔ کیونکہ ابو طالب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جس قدر محبت کی اور آپ کی حمایت میں سارا زور لگایا وہ کسی سے مخفی نہیں ہے۔ مگر وہ محبت وحمایت خونی رشتہ کی بنیاد پہ تھی۔ اس میں رسالت کا اقرار شامل نہ تھا۔ اگر وہ شامل ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ابو طالب کے وقت آخر میں انہیں دعوت اسلام دینے کی کیا ضرورت تھی؟ ہمیں یہ بحث اس لیے کرنا پڑتی ہے تاکہ اسلام کی ان اعتقادی بنیادوں میں تزلزل نہ آئے جن پر عقائدِ اسلامیہ کی عمارت استوار ہے۔ اس بارے میں ہم مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ (توبہ، ۱۱۳) کے تحت بھی معتد بہ کلام کر آئے ہیں۔ وہاں بھی ایک نظر دیکھ لیں تاکہ ساری معلومات یکجا ہو جائیں۔

آج بھی کئی عیسائی اہل اسلام کے پُرزور حامی ہیں۔ جیسے برطانیہ میں ریسپیکٹ پارٹی (Respect Party) کا لیڈر جارج گیلوے برطانیہ کی پارلیمینٹ میں کھڑے ہو کر فلسطینی و کشمیری اور عراقی وافغانی مسلمانوں کے حق میں آواز بلند کرتا ہے اور جو باتیں آج تک کسی مسلمان حکمران کو کہنے کی توفیق نہیں ہوئی وہ کہتا ہے۔ مگر جب اسے دعوت اسلام دی جاتی ہے تو وہ بات گول کر جاتا ہے۔ ظاہر ہے اگر ایسا آدمی باقاعدہ اسلام نہ لائے تو صرف مسلمانوں سے ہمدردی بخشش کے لیے کافی نہیں ہے۔

بہر حال یہ آیت اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ بتا رہی ہے کہ ہدایت اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے۔ نبی کا کام ہدایت کا پہنچانا ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مختار کل کہا جانا اس معنی میں ہے کہ آپکا اختیار کائنات میں اللہ تعالیٰ کے بعد سب سے زیادہ ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ سے برابری مقصود نہیں ہے اور یہ آیت اور ابو طالب کا یہ واقعہ اس پر دلیل ہے۔ گویا مختار کل کہنا کلی اضافی ہے کلی حقیقی نہیں۔

[38] کفار مکہ نے بہانہ بناتے ہوئے حضور ﷺ سے کہا اگر ہم ایمان لے آئیں تو دوسری قومیں ہمیں اٹھا کر لے جائیں گی اور ہمیں ہماری سرزمین سے بے دخل کر دیں گی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا کیا اہل مکہ کو ہم نے امن والے حرم میں جگہ نہیں دی؟ یعنی دوسری قومیں تو اہل حرم کا احترام کرتی ہیں وہ ان سے لڑائی کیسے کر سکتی ہیں۔ تو یہ اہل مکہ کا جھوٹا بہانہ ہے۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب اہل حرم میں سے کوئی شخص باہر جاتا اور کہتا کہ وہ حرم مکہ کا باشندہ ہے تو کوئی شخص اس سے تعرض نہ کرتا سب اسے امن دیتے۔ (ابن ابی حاتم جلد ۹ صفحہ ۲۹۹۹ مطبوعہ مکہ)

مزید اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اہل حرم کے پاس تمام اطراف عالم سے پھل پہنچائے جاتے ہیں اور یہ ان کے لئے دعاء ابراہیم علیہ السلام کا اثر ہے جو انہوں نے کہا تھا: وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ۔ اے اللہ! یہاں کے باشندوں کو پھلوں کا رزق دے۔ (ابراہیم: ۳۷) تو اہل مکہ کو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرتے ہوئے اس رسول پر ایمان لانا چاہئے جس کی یہاں آمد کے لئے یہاں کعبہ بنایا گیا۔ اس علاقہ کو امن والا حرم قرار دیا گیا اور یہاں پھلوں کی بارش کی گئی۔

وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍۭ بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهَا ۚ فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ لَمْ

اور ہم نے کتنی ہی بستیاں ہلاک کر دیں جو اپنی معیشت پر اتراتی تھیں۔ تو یہ ان کے بسیرے ویران پڑے ہیں

تُسْكَنْ مِّنْۢ بَعْدِهِمْ اِلَّا قَلِيْلًا ؕ وَكُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِيْنَ ۝۵۸ وَمَا كَانَ رَبُّكَ

جہاں ان کے بعد تھوڑا ہی رہا جا سکا تھا اور ہم ہی وارث ہیں اور آپ کا رب بستیوں کو

مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْۤ اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۚ وَمَا

ہلاک نہیں کرتا جب تک ان کے مرکزی مقام میں کوئی رسول نہ بھیجے جو ان پر ہماری آیات پڑھے اور ہم

كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰۤى اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ ۝۵۹ وَمَاۤ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ

بستیوں کو ہلاک نہیں کرتے سوا اس کے کہ وہاں کے باشندے ظلم کرنے والے ہوں [39] اور تمہیں جو کچھ دیا گیا

الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَزِيْنَتُهَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝۶۰ ع

وہ دنیوی زندگی کا سامان ہے اور جو اللہ کے پاس ہے وہ بہتر اور لازوال ہے کیا تم عقل نہیں کرتے۔ [40]

ع ۶

[39] جب اہل مکہ نے یہ بہانہ بنایا کہ اگر ہم ایمان لائیں تو دوسری قومیں ہمیں تباہ کر دیں گی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا یاد رکھو ہم نے اس سے قبل کئی بستیاں تباہ کر دیں جو اپنی معیشت پر ناز کرتی تھیں۔ پھر وہاں کوئی کم ہی آباد ہو سکا۔ اور ہم ہی

وارث (مالک) ہیں یعنی ہم جس قوم کو چاہیں زمین پہ آباد رکھیں جسے چاہیں تباہ کر دیں گویا فرمایا کہ اے اہل مکہ! تم دوسری قوموں سے ڈرتے ہو تمہیں اس کی بجائے اللہ سے ڈرنا چاہئے کہیں وہ تمہیں تباہ نہ کر دے۔ آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ بستیوں کو یونہی بے گناہ تباہ نہیں کر دیتا بلکہ وہ ان میں سے کسی مرکزی مقام پر اپنا رسول بھیجتا ہے جو لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی آیات سناتا ہے پھر جب وہ ظلم کا راستہ اپناتے ہیں یعنی اسلام اور اہل اسلام پر مظالم روا رکھتے ہیں تب اللہ انہیں ہلاک کرتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہر علاقہ کے کسی مرکزی شہر میں رسول بھیجتا تھا تا کہ اسکا پیغام آس پاس کی تمام بستیوں اور شہروں تک پہنچ جائے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم ﷺ کو ساری روئے زمین کے لیے رسول بنا کر بھیجنا چاہا تو آپ کو روئے زمین کے سنٹر مکہ المکرمہ میں مبعوث فرمایا۔ اسی لیے اسے اُم القری کہا گیا۔ (انعام:۹۲) اور بلا شبہ مکہ مکرمہ ساری دنیا کا سنٹر ہے اور تمام ساتوں براعظم اسکے گرد میں واقع ہیں۔

[40] یعنی اے انسانو! تمہیں دنیا میں جو کچھ دیا گیا یہ چند روزہ زندگی کا سامان ہے جو جلد ختم ہو جائے گی جبکہ اللہ نے تمہارے لئے آخرت میں جو کچھ رکھا ہے وہ دنیوی نعمتوں سے کہیں بہتر اور لازوال ہے تو پھر تم عقل سے کام لیتے ہوئے اُخروی نعمتوں کے حصول کی کوشش کیوں نہیں کرتے اور وہ کوشش یہ ہے کہ ایمان اور عمل صالح کو اپنایا جائے۔

| |
|---|
| اَفَمَنْ وَّعَدْنٰهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِيْهِ كَمَنْ مَّتَّعْنٰهُ مَتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا |
| تو جسے ہم نے اچھا وعدہ دیا ہے جو اسے جلد ملنے والا ہے کیا وہ اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جسے ہم نے سامان دنیا کا برتاؤ دیا |
| ثُمَّ هُوَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ۝ وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ اَيْنَ |
| پھر وہ روز قیامت (سزا کے لئے) حاضر کیا جائے گا؟ [41] اور وہ دن یاد کرو جب اللہ کفار کو پکار کر فرمائے گا: کہاں ہیں |
| شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ۝ قَالَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ رَبَّنَا |
| وہ میرے (جھوٹے) شریک جو تم نے گمان کر رکھے تھے؟ ۔تو وہ لوگ جن پر خدائی فیصلہ نافذ ہو چکا وہ کہیں گے: |
| هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَغْوَيْنَا ۚ اَغْوَيْنٰهُمْ كَمَا غَوَيْنَا ۚ تَبَرَّاْنَآ اِلَيْكَ ۫ مَا كَانُوْٓا |
| اے ہمارے رب! یہ ہیں وہ لوگ جن کو ہم نے گمراہ کیا۔ ہم نے انہیں اسی طرح گمراہ کیا جس طرح ہم خود گمراہ ہوئے، ہم تیرے سامنے |
| اِيَّانَا يَعْبُدُوْنَ ۝ وَقِيْلَ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا |
| ان سے بیزار ہوتے ہیں۔ وہ ہماری پرستش نہیں کرتے تھے [42] اور کہا جائے گا کہ اپنے (جھوٹے) شریکوں کو بلاؤ وہ انہیں بلائیں گے، |
| لَهُمْ وَرَاَوُا الْعَذَابَ ۚ لَوْ اَنَّهُمْ كَانُوْا يَهْتَدُوْنَ ۝ |
| مگر وہ انہیں جواب نہ دیں گے اور وہ عذاب دیکھیں گے (اور کہیں گے) کاش وہ ہدایت پکڑتے۔ [43] |

## قیامت کے دن مشرکین سے اللہ رب العزت کا پُر عتاب خطاب

[41] جو شخص ایمان لائے اور اچھے اعمال کرے اللہ تعالیٰ اس کے لئے وعدۂ جنت فرماتا ہے جیسا کہ آگے اسی رکوع کی آیت 67 میں ہے: فَاَمَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَعَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ مِنَ الْمُفْلِحِيْنَ ۝ یعنی جو توبہ کر کے ایمان لائے اور اچھا عمل کرے تو قریب ہے کہ فلاح پالے۔ تو جس شخص کو اپنے رب سے ملاقات پہ یہ وعدہ ملنے والا ہے کیا وہ اس کافر شخص کی طرح ہو سکتا ہے جسے صرف دنیوی زندگی کا سامان دیا گیا ہے اور روزِ قیامت اس کے لئے سزا کے سوا کچھ نہیں ہے؟ حضرت مجاہد اور حضرت سدی رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ یہ آیت حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ اور ابوجہل کے بارے میں نازل ہوئی۔ (ابن ابی حاتم جلد ۹ صفحہ ۲۹۹۸ مطبوعہ مکہ)

## حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کا اسلام لانا اوران کے فضائل

اور یہ آیت ان کے حق میں اس لئے نازل ہوئی کہ ایک بار ابوجہل نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سخت توہین کی۔ حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو وہ سیدھے اس کے پاس گئے اوراس کے سر میں اپنی کمان مار کراس کا سر پھوڑ دیا اور فوراً حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہو کر کلمہ پڑھ لیا اور حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ پھر ابوجہل محبوب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توہین کرتے کرتے واصل جہنم ہو گیا اور حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ محبوب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دفاع کرتے کرتے شہید ہو گئے۔

اس سے سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی عظیم فضیلت معلوم ہوئی۔ یاد رہے حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سگے چچا اور رضاعی بھائی بھی تھے دونوں کو حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا نے دودھ پلایا تھا وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دو برس قبل پیدا ہوئے انہوں نے ہجرت کی۔ بدر میں متعدد بڑے جنگجو کفار مکہ کہ جہنم رسید کیا بالآخر جنگ احد میں جام شہادت نوش فرمایا۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں سید الشہدآء کا لقب دیا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ حکومت میں (قریباً ۰سال کے پچاس برس بعد) ان کی قبر کا کچھ حصہ کھل گیا تو ان کا جسم تر و تازہ پایا گیا۔

[42] روز قیامت اللہ تعالیٰ مشرکین سے فرمائے گا آج تمہارے جھوٹے خدا جنہیں تم میرے ساتھ شریک خدائی سمجھتے تھے کہاں ہیں وہ تمہاری مدد کو کیوں نہ آئے تب مشرکین اپنے ان گمراہ کن لیڈروں کا نام لیں گے جنہوں نے انہیں مبتلائے شرک و کفر کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ ان سے پوچھے گا کہ تم نے انہیں کیوں گمراہ کیا؟ وہ کہیں گے یا اللہ! ہم نے انہیں اسی طرح گمراہ کیا جس طرح ہم خود گمراہ ہوئے یعنی جس طرح ہم خود اپنی خوشی سے گمراہ ہوئے ہم پر کسی نے زبردستی نہ کی تھی یونہی یہ لوگ بھی اپنی خوشی سے گمراہ ہوئے ہم نے ان پر کچھ زبردستی نہ کی تھی اے اللہ! ہم تیری جناب میں ان سے برأت کا اظہار کرتے ہیں وہ ہماری پرستش نہیں کرتے تھے یعنی یہ ہمارے مجبور بندے نہ تھے کہ جو ہم انہیں کہتے انہیں وہ ہر صورت کرنا پڑتا۔ بلکہ ہم نے انہیں جو کچھ کہا انہوں نے اسے اپنی خوشی سے قبول کر لیا اور رب کا حکم چھوڑ دیا۔ معلوم ہوا روز قیامت کوئی کسی کی گمراہی کی ذمہ داری قبول نہیں کرے گا لہٰذا کسی کے کہنے پر گمراہی کا راستہ اختیار نہیں کرنا چاہئے۔

[43] روز قیامت مشرکین سے اللہ تعالیٰ فرمائے گا تم اپنے جھوٹے خداؤں کو پکارو بتوں کے پجاری بتوں کو اور شمس و قمر کے پجاری شمس و قمر کو پکاریں گے مگر کوئی چیز ان کی مدد کو نہ آئے گی تب وہ اپنا عذاب دیکھ کر بصد حسرت کہیں گے کہ کاش ہم دنیا میں ہدایت پکڑتے مگر اس دن کی حسرت و ندامت کچھ کام نہ آئے گی۔

وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٦٥﴾ فَعَمِيَتْ عَلَيْهِمُ

اور جس دن اللہ انہیں پکار کر فرمائے گا: تم نے رسولوں کو کیا جواب دیا؟ تب ان پر سب دلائل اس دن

الْاَنْۢبَآءُ يَوْمَئِذٍ فَهُمْ لَا يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿٦٦﴾ فَاَمَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا

اندھے ہو جائیں گے تو وہ باہم (بھی) کوئی سوال نہ کر سکیں گے، البتہ جو توبہ کر کے ایمان لائے اور اچھا عمل کرے

فَعَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ مِنَ الْمُفْلِحِيْنَ ﴿٦٧﴾ وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ ؕ

تو قریب ہے کہ وہ شخص فلاح پا لے [44] اور تمہارا رب جو چاہے پیدا کرتا ہے

مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿٦٨﴾ وَرَبُّكَ يَعْلَمُ

اور وہ ہر چیز کا مختار ہے، لوگوں کو (اللہ پر) کوئی اختیار نہیں۔ اللہ ان کے شرک سے پاک اور بلند ہے [45] اور تمہارا رب جانتا ہے

مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿٦٩﴾ وَهُوَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَهُ الْحَمْدُ

جو ان کے سینے چھپاتے ہیں اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں اور وہ اللہ ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اسی کے لئے دنیا و آخرت میں

فِى الْاُوْلٰى وَالْاٰخِرَةِ ۫ وَلَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿٧٠﴾

سب تعریف ہے اور اسی کے لئے حکومت ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔ [46]

[44] توحید کے بعد اللہ تعالیٰ کفار سے رسالت کے بارے میں سوال کرے گا کہ جب تمہارے پاس رسول آئے تھے تو تم نے انہیں کیا جواب دیا تھا؟ اس وقت کفار کے پاس کوئی بہانہ نہ ہو گا کہ انہوں نے رسولوں سے کیوں دشمنی کی تھی۔ تب ان کے سب دلائل اور بہانے خاموش ہو جائیں گے اور وہ آپس میں بھی کوئی سوال نہ کر سکیں گے یعنی پوچھ نہ سکیں گے کہ اللہ تعالیٰ کو کیا جواب دیا جائے۔ مگر جو لوگ کفر سے توبہ کر کے رسولوں پر ایمان لاتے ہیں اور اچھے اعمال کرتے ہیں وہ قریب ہے کہ فلاح پا لیں یعنی اگر اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال میں خلوص جانا تو انہیں فلاح مل جائے گی اور اگر نیت میں خلوص نہ ہو تو اعمال برباد ہو سکتے ہیں۔

[45] کفار مکہ کہتے تھے کہ اس شخص کو (حضور ﷺ کو) نبوت کے لئے کیوں چنا گیا ہے۔ (فرقان: ۴۱) ادھر یہود کہتے تھے اللہ نے جبرائیل کو قرآن دے کر کیوں بھیجا ہے وہ ہمارا دشمن ہے۔ کبھی ان کو یہ اعتراض ہوتا کہ آخری نبی کو بنی اسرائیل سے باہر کیوں بھیجا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان بیہودہ خیالات کے جواب میں فرمایا کہ اللہ جو چاہے پیدا کرے

اور جو چاہے پسند کرے۔ اللہ پر کسی کا کیا اختیار ہے۔ بندے کو چاہئے کہ مولیٰ کی پسند کو اپنی پسند جانے۔

## اللہ تعالیٰ کی پسند پر اعتراض، یہودیانہ ومشرکانہ طریقہ ہے

اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو بطور نبی چنا تو مشرکین ویہود نے اس پر اعتراض کیا تب ان کے رد میں یہ آیت اتری۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنے رسول کی صحبت ورفاقت کے لئے چن لیا پھر ان میں چار صحابہ کو اپنے رسول کی جانشینی کے لئے چن لیا پھر ان میں سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو پہلا مسلمان، یارِ غار اور رفیق مزار ہونے کے لئے چن لیا اب جو اللہ تعالیٰ کی پسند پر اعتراض کرے وہ یہود ومشرکین کا طریقہ اپناتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہدایت دے۔ اسی طرح اگر اللہ تعالیٰ کسی کو دولت، اولاد، علم، صحت، حکومت یا شہرت وغیرہ دے تو اس پر حسد کرنا بھی اللہ تعالیٰ کے اختیار پر اعتراض کرنے کے برابر ہے، گویا حسد کرنے والا چاہتا ہے کہ اللہ جس کو جو دے اس سے پوچھ کر دے۔

## ہر اہم کام سے قبل استخارہ کی فضیلت

جب ہر کام اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے تو بندے کو چاہیے کہ ہر اہم کام سے پہلے اللہ تعالیٰ سے پوچھے کہ وہ یہ کام کرے یا نہ کرے۔ اس کو استخارہ کہتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ سے خیر طلب کرنا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ استخارہ کی دعا یوں سکھاتے تھے جیسے قرآن کی کوئی سورت سکھاتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ جب بھی تمہیں کوئی اہم کام پیش آجائے تو دو رکعت پڑھ کر یہ دعا کرو، دعا یہ ہے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّی اَسْتَخِيْرُكَ بِعِلْمِكَ وَاَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ وَاَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِيْمِ فَاِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ اَللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَا الْاَمْرَ خَيْرٌ لِّیْ فِیْ دِيْنِیْ وَمَعَاشِیْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِیْ فَاقْدُرْهُ لِیْ وَيَسِّرْهُ لِیْ ثُمَّ بَارِكْ لِیْ فِيْهِ. اَللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَا الْاَمْرَ شَرٌّ لِّیْ فِیْ دِيْنِیْ وَمَعَاشِیْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِیْ فَاصْرِفْهُ عَنِّیْ وَاصْرِفْنِیْ عَنْهُ وَاقْدُرْ لِیَ الْخَيْرَ حَيْثُ كَانَ ثُمَّ رَضِّنِیْ بِهٖ.

اے اللہ! میں تیرے علم سے خیر جاننا چاہتا ہوں تیری قدرت سے اختیار مانگتا ہوں اور تیرے عظیم فضل کا سوال کرتا ہوں کیونکہ ساری قدرت تیری ہے میری کوئی قدرت نہیں اور تو ہی جانتا ہے میں کچھ نہیں جانتا کیونکہ تو ہر غیب کا جاننے والا ہے۔ اے اللہ! اگر تو جانتا ہے کہ یہ کام میرے دین میری زندگی اور میری آخرت کے لیے بہتر ہے (یہ کہتے ہوئے اپنا کام ذہن میں رکھے) تو اسے میری قدرت میں کردے اسے میرے لیے آسان فرمادے پھر مجھے اس میں برکت دیدے۔ اے اللہ! اگر تو جانتا ہے کہ یہ کام میرے دین میری دنیا میری زندگی اور میری آخرت کے لیے برا ہے تو اسے مجھ سے دور کردے اور مجھے اس سے دور کردے پھر جہاں میرے لیے بھلائی ہے مجھے اسکی قدرت دیدے اور مجھے اس پر مطمئن کردے۔ (بخاری کتاب الدعوات باب ۴۹، ترمذی کتاب الوتر باب ۱۸) ایک حدیث میں ہے کہ یہ دعا کرنے کے بعد

بندے کا دل جدھر مطمئن ہو وہ کرے اسی میں اس کے لیے خیر ہے۔ (قرطبی جلد ۱۳ ص ۳۰۷)

[46] اے محمد عربی ﷺ! آپ کا رب خوب جانتا ہے جو لوگوں کے دلوں میں ہے اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ ہی ہر عبادت، ہر تعریف کے لائق ہے، لہٰذا اسے چھوڑ کر کسی جھوٹے خدا کی پرستش سراسر حماقت ہے۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ

آپ فرمائیں ذرا بتاؤ اگر اللہ تم پر رات کو تاقیامت دائمی بنا دے تو اللہ کے سوا

اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِضِيَآءٍ ؕ اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ ۝ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ

کون سا خدا ہے جو تم پر روشنی لائے؟ کیا تم سنتے نہیں ہو؟ آپ فرمائیں ذرا بتاؤ اگر اللہ تم پر دن کو

اللّٰهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ

تاقیامت دائمی بنا دے تو اللہ کے سوا کون خدا ہے جو تم پر رات لا سکے

بِلَيْلٍ تَسْكُنُوْنَ فِيْهِ ؕ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝ وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ

جس میں تم سکون کرو؟ کیا تم دیکھتے نہیں ہو؟ اللہ نے اپنی رحمت سے تمہارے لئے رات اور دن کو بنایا ہے

وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝

تاکہ تم اس میں (رات میں) سکون کرو اور (دن میں) اس کا فضل تلاش کرو اور تاکہ تم شکر کرو۔ [47]

وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ۝

اور جس دن وہ انہیں پکار کر کہے گا کہاں ہیں میرے (جھوٹے) شریک جنہیں تم سمجھتے تھے؟ [48]

وَنَزَعْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا فَقُلْنَا هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ فَعَلِمُوْٓا اَنَّ الْحَقَّ

اور ہم ہر امت پر ایک گواہ نکال لائیں گے تو ہم ان سے کہیں گے تم اپنی دلیل لاؤ تب انہیں معلوم ہوگا کہ حق اللہ کے لئے ہے

لِلّٰهِ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝ ع

اور ان کے گھڑے ہوئے خدا ان سے روپوش ہو جائیں گے۔ [49]

[47] اللہ تعالیٰ مشرکین سے فرما رہا ہے کہ تم جن جھوٹے خداؤں کی پرستش کرتے ہو کیا ان میں سے کسی میں یہ طاقت

ہے کہ اگر اللہ تم پر رات کو مسلسل کر دے تو وہ تم پر روشنی لا سکے اور اگر اللہ تم پر دن کو مسلسل کر دے تو تمہارے جھوٹے خداؤں میں سے کون ہے جو تم پر رات لا سکے جس میں تم سکون کر سکو؟ جب اللہ ہی رات اور دن کو آگے پیچھے لا رہا ہے تو وہی مستحق عبادت ہے۔ اسی کا شکر بجالاؤ۔ ان آیات میں رات کا ذکر دن سے قبل ہے اور قرآن میں اکثر رات کا ذکر دن سے قبل ہی لایا گیا ہے جیسے وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ۔ (بقرہ:۱۶۴، آل عمران:۱۹۰) معلوم ہوا رات دن سے پہلے ہے۔ مگر انگریزی تاریخ میں اسکا اُلٹ ہے۔

[48] یہی مضمون اس رکوع کی آیات 62 میں بھی گزر چکا۔ اسے پھر دوہرایا گیا ہے تا کہ مشرکین اس کی اہمیت محسوس کریں۔

[49] یعنی اللہ تعالیٰ روز قیامت ہر امت کے نبی کو لائے گا جو گواہی دے گا کہ اس نے مشرکین و کفار کو پیغام حق پہنچا دیا تھا مگر وہ اپنے کفر و شرک پر اڑے رہے۔ تب کفار سے کہا جائے گا کہ تم اپنی دلیل لاؤ کہ اس کے باوجود تم شرک پہ کیوں اڑے رہے۔ اس وقت مشرکین پر اتمام حجت ہو جائے گی اور ان کے جھوٹے خدا ان سے روپوش ہو جائیں گے۔

اِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰى فَبَغٰى عَلَيْهِمْ ۪ وَاٰتَيْنٰهُ مِنَ الْكُنُوْزِ

بے شک قارون قوم موسیٰ (علیہ السلام) میں سے تھا، اس نے ان پر سرکشی کی اور ہم نے اسے اس قدر

مَآ اِنَّ مَفَاتِحَهٗ لَتَنُوْٓاُ بِالْعُصْبَةِ اُولِى الْقُوَّةِ ۗ اِذْ قَالَ لَهٗ قَوْمُهٗ

خزانے دیئے تھے کہ ان کی چابیاں ایک قوی جماعت پر بھاری بوجھ بن جاتی تھیں۔ یاد کرو جب اسے اس کی قوم نے کہا کہ غرور

لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ ۝ وَابْتَغِ فِيْمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ

نہ کرو اللہ غرور کرنے والوں کو پسند نہیں رکھتا [50] اور جو مال تجھے اللہ نے دیا ہے اس سے آخرت کا

وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ

گھر سنوار لو اور دنیا سے اپنا نصیب نہ بھولو اور بھلائی کرو جیسے اللہ نے تم سے بھلائی کی ہے

الْفَسَادَ فِى الْاَرْضِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ۝

اور زمین میں فساد نہ پھیلاؤ، اللہ فسادیوں کو پسند نہیں رکھتا [51]

## قارون کا اپنے خزانوں سمیت زمین میں دھنسایا جانا

[50] حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سگا چچازاد بھائی تھا۔ ابن جریج فرماتے ہیں۔ قارون کا نسب یہ تھا قارون بن مصر بن فاہث اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نسب یہ تھا موسیٰ بن عمران بن فاہث۔ گویا دونوں کے باپ باہم سگے بھائی تھے۔ (درمنثور جلد ۶ صفحہ ۴۳۷) مروی ہے کہ فرعون نے بنی اسرائیل کو کنٹرول میں رکھنے کے لئے ان میں سے ایک غدار شخص قارون کو اپنا مقرب خاص بنا رکھا تھا۔ وہ ان سے ظالمانہ ٹیکس وصول کر کے فرعونی گورنمنٹ کو دیتا تھا اور فرعون نے اس کے بدلے اس پر اپنے خزانوں کے منہ کھول رکھے تھے چنانچہ اس کے پاس خزانوں کی بہتات ہوگئی۔ جب جادوگروں کی جماعت حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مغلوب ہو کر ایمان لائی تو سب بنی اسرائیل آپ پر ایمان لے آئے تھے۔ اس وقت بنی اسرائیل میں سے قارون اور سامری دو آدمی بھی منافقانہ طریقہ سے ایمان لے آئے۔ مروی ہے کہ قارون جدھر جاتا اپنے خزانوں کی چابیاں ساتھ رکھتا چالیس افراد اس کے ساتھ اس کی چابیاں خچروں پہ اٹھائے پھرتے۔ (بغوی جلد ۵ صفحہ ۱۸۱)

یہاں سے دوفوائد حاصل ہوئے:

(۱) ایمان کے بغیر نسب کچھ فائدہ نہیں دے سکتا:

قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قریبی عزیز تھا مگر ایمان نہ ہونے کی وجہ سے اس کی نسبی قربت اسے کچھ نہ بچا سکی اور یہ واقعہ یہاں اس لئے بیان ہوا تا کہ قریش مکہ کو سمجھایا جائے کہ ایمان کے بغیر نسل ابراہیمی میں سے ہونے سے انہیں کچھ فائدہ نہ ہوگا۔

(۲) مسلم قوم سے غداری اور کفار سے وفاداری کی سزا:

قارون، بنی اسرائیل سے غداری کر کے فرعون سے وفاداری نبھاتا تھا اس طرح اس نے خزانے جمع کر لئے مگر آخرت برباد کر لی۔ یہی حال آج مسلم ممالک کے نام نہاد مسلم حکمرانوں کا ہے وہ اپنی کرسیوں کے لئے امت مسلمہ سے غداری کر کے غیر مسلم طاغوتی طاقتوں سے مال دنیا کما رہے ہیں ان کا انجام قارون سے مختلف نہیں ہے۔

[51] جب نشۂ دولت نے قارون کا دماغ خراب کیا تو بنی اسرائیل کے سمجھ دار لوگوں نے اسے سمجھایا کہ اسے اس دولت کے ساتھ متکبر ہونے کی بجائے عاجز ہونا چاہئے اور اس دولت کو حصول آخرت کا ذریعہ بنانا چاہئے۔ اور اسے دنیا سے اپنا حصہ نہیں بھولنا چاہئے یعنی جان رکھنا چاہئے کہ دنیا اس کے پاس چند دن کے لئے ہے ہمیشہ نہیں رہے گی۔ لہٰذا اسے اللہ تعالیٰ کے احسان کے بدلے احسان سے کام لینا چاہئے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے مال کو اس کی رضا میں خرچ کرنا چاہئے اور ناجائز کاموں میں دولت خرچ کر کے زمین میں فساد نہیں پھیلانا چاہئے۔ اس جگہ اگر سوال کیا جائے کہ قارون نے تو حرام مال کے خزانے جمع کیے ہوئے تھے۔ تو اسے کیوں کہا گیا: وَابۡتَغِ فِيۡمَاۤ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الۡاٰخِرَةَ کہ اللہ کے دیے ہوئے کے ساتھ آخرت بہتر بنالو؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ قارون کا سارا مال حرام نہ تھا وہ اپنے جائز کام کی جو تنخواہ لیتا تھا وہ اس کا حلال مال تھا۔ تو اسی کو راہ خدا میں خرچ کرنے کا حکم فرمایا گیا۔

اس سے چار فوائد حاصل ہوئے:

(۱) دولتِ دنیا کی وجہ سے متکبر نہیں بننا چاہئے: مال و دولت ڈھلتی چھاؤں ہے، صبح ہے شام نہیں ہے۔ وَلَا تَنۡسَ نَصِيۡبَكَ مِنَ الدُّنۡيَا میں یہ درس ہے کہ انسان کو اس دنیا میں سے تھوڑا سا حصہ ہی ملتا ہے۔ لہٰذا اس پہ اترانا نری جہالت ہے۔

(۲) مال دنیا کو حصول آخرت کا ذریعہ بنانا چاہئے۔ وَابۡتَغِ فِيۡمَاۤ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الۡاٰخِرَةَ میں یہ عظیم درس ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ مال دے اسے اس مال کو حصول آخرت کا ذریعہ بنانا چاہیے۔ جیسے حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے بنایا۔

(۳) دولت کو اللہ کی رضا میں خرچ کرنا چاہئے اللہ تعالیٰ کی مخالفت میں نہیں۔ وَلَا تَبۡغِ الۡفَسَادَ فِى الۡاَرۡضِ ؕ

سے معلوم ہو رہا ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے مال کو حرام کاموں میں خرچ کرتے اور نام و نمود میں لگاتے ہیں وہ قارون کے ساتھی ہیں۔

(۴) متکبرانہ چال اور لباس کی ممانعت: اس جگہ فَبَغٰى عَلَيْهِمْ کے تحت مفسرین نے لکھا ہے کہ قارون از روئے تکبر اپنا دامن پاؤں سے بالشت بھر لمبا رکھتا تھا۔ (ابن کثیر جلد ۳ صفحہ ۴۰۶، بغوی جلد ۵ صفحہ ۱۸۱ خازن جلد ۵ صفحہ ۱۸۲)

اور اسی کے بارے میں حدیث میں ہے کہ ایک شخص زمین پہ دامن گھسیٹ کر چلتا تھا تو اللہ تعالیٰ نے اسے زمین میں دھنسا دیا اور وہ قیامت تک دھنستا رہے گا۔ (بخاری کتاب الانبیاء، مسلم کتاب اللباس حدیث ۴۹)

اس لئے تکبر کے ساتھ شلوار یا تہبند کا ٹخنوں سے نیچے رکھنا حرام ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس کا تہبند یا شلوار ٹخنوں سے نیچے ہو وہ جہنم میں ہے۔
(بخاری کتاب اللباس باب ۴، ابن ماجہ کتاب اللباس باب ۷)

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بسا اوقات میرا تہبند ڈھیلا ہو کر نیچے چلا جاتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم ایسا تکبر سے نہیں کرتے۔ (بخاری کتاب اللباس باب ۱) اس کے تحت امام بدر الدین عینی فرماتے ہیں اگر نیت میں تکبر نہ ہو تو تہبند سے ٹخنوں کا چھپانا ناجائز نہیں۔ (عمدۃ القاری جلد ۲۱ صفحہ ۲۹۵ دار الفکر بیروت)

اسی لیے حدیث ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص تکبر سے دامن کو گھسیٹ کر چلے۔ اللہ تعالیٰ اسے روز قیامت نظر رحمت سے نہیں دیکھے گا'' (بخاری کتاب اللباس باب ۱، مسلم کتاب اللباس حدیث ۴۲) معلوم ہوا اگر یہ عمل از راہِ تکبر نہ ہو بلکہ محض عادۃً ہو تو پھر یہ ناجائز نہیں۔

قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِيْ ؕ اَوَلَمْ يَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَهْلَكَ

تو قارون نے کہا مجھے یہ مال اس علم کی بنیاد پر دیا گیا ہے جو میرے پاس ہے، کیا وہ نہ جانتا تھا کہ اللہ نے اس سے قبل

مِنْ قَبْلِهٖ مِنَ الْقُرُوْنِ مَنْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَّاَكْثَرُ جَمْعًا ؕ وَلَا يُسْئَلُ

کئی قومیں ہلاک کر دیں جو قوت میں اس سے مضبوط اور مال جمع کرنے میں زیادہ تھیں اور مجرموں سے ان کے

عَنْ ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۷۸﴾ فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ فِيْ زِيْنَتِهٖ ؕ قَالَ الَّذِيْنَ

گناہ نہیں پوچھے جائیں گے [52] پھر وہ اپنی قوم کے سامنے اپنی ٹھاٹ کے ساتھ نکلا، تو حیات دنیا کے طلب گار لوگ کہنے لگے:

يُرِيْدُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ قَارُوْنُ ۙ اِنَّهٗ لَذُوْ

کاش ہمیں بھی وہ کچھ دیا جاتا جو قارون کو دیا گیا ہے۔ وہ بڑے

حَظٍّ عَظِيْمٍ ﴿۷۹﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ

نصیب والا ہے [53] اور جنہیں علم دیا گیا وہ (ان سے) کہنے لگے: تم پر افسوس، اللہ کی جزا اس شخص کے لئے بہتر ہے

لِّمَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ۚ وَلَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ ﴿۸۰﴾ فَخَسَفْنَا بِهٖ

جو ایمان لائے اور اچھا عمل کرے اور یہ طریقہ سوا صابروں کے کسی کو نہیں دیا جاتا [54] تب ہم نے قارون کو

وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ ۣ فَمَا كَانَ لَهٗ مِنْ فِئَةٍ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۖ

اس کے گھر سمیت زمین میں دھنسا دیا، تو ایسا کوئی گروہ نہ تھا جو اسے اللہ کے مقابلہ میں مدد دیتا [55]

وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِيْنَ ﴿۸۱﴾ وَاَصْبَحَ الَّذِيْنَ تَمَنَّوْا مَكَانَهٗ بِالْاَمْسِ

اور نہ وہ خود بدلہ لے سکتا تھا اور جو لوگ (کل) اس کے مقام و مرتبہ کی تمنا کرتے تھے (آج)

يَقُوْلُوْنَ وَيْكَاَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ ۚ

کہنے لگے ہم پر افسوس، اللہ اپنے بندوں میں سے جس کے لئے چاہے رزق کو کشادہ یا تنگ کر دیتا ہے

لَوْلَآ اَنْ مَّنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا لَخَسَفَ بِنَا ؕ وَيْكَاَنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۲﴾

اگر اللہ ہم پر احسان نہ فرماتا تو ہمیں (بھی) دھنسا دیتا۔ افسوس ہم پر، کافر فلاح نہیں پاتے۔[56]

[52] قارون نے ناصحین مخلصین کو سخت کافرانہ و جاہلانہ جواب دیتے ہوئے کہا کہ اسے جو دولت ملی ہے اس میں اللہ کا کوئی احسان نہیں یہ اس نے اپنے علم سے حاصل کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے رد میں فرمایا کیا قارون نے یہ نہ دیکھا کہ اللہ نے اس سے قبل کئی قومیں تباہ کر دیں جو قارون کی طرح اپنی دولت پہ اتراتی تھیں حالانکہ وہ قوت و تعداد میں قارون سے کہیں مضبوط تر تھیں اور جب مجرموں پر عذاب آتا ہے تو ان سے پوچھا نہیں جاتا کہ کیا واقعی تم مجرم ہو بلکہ انہیں اچانک عذاب آ پکڑتا ہے۔

[53] ایک دن قارون پوری ٹھاٹ اور شان و شوکت کے ساتھ اتراتا ہوا نکلا۔ حضرت مجاہد کہتے ہیں وہ سفید گھوڑے پر سوار تھا جس پر سنہری زین تھی اس کے ساتھ اس کے چار ہزار ساتھی بھی تھے جو سب ایسے ہی گھوڑوں پہ سوار تھے سب نے زرق لباس پہن رکھے تھے۔ اس کی یہ شان و شوکت دیکھ کر حریصانِ دنیا نے کہا کاش ہمیں بھی قارون جیسی دولت ملتی۔

[54] ان کی یہ بات سن کر بنی اسرائیل کے علماء نے جن کے پاس دولت علم تھی، ان سے کہا: تم پر افسوس ہے، قارون کی دولت پر کیوں للچاتے ہو۔ ایک مومن اور صالح شخص کے لئے اللہ تعالیٰ نے آخرت میں جو نعمتیں تیار کر رکھیں ہیں وہ دولت قارون سے کہیں بہتر ہیں مگر وہ صبر کرنے والوں کو ملتی ہیں لہٰذا تم صبر رکھو اور قارون جیسا حرام مال مت طلب کرو۔ یہاں وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ سے معلوم ہوا کہ اہل علم کو کسی کے پاس زیادہ دولت دیکھ کر للچانا نہیں چاہیے، کیونکہ علم سب سے بڑی دولت ہے جسے کوئی چھین نہیں سکتا۔

[55] جب اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر زکوٰۃ فرض کی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قارون سے زکوٰۃ مانگی تو وہ بگڑ گیا اس نے ایک بدکار عورت کو مال دے کر تیار کیا کہ وہ موسیٰ علیہ السلام پر بدکاری کا الزام لگائے (معاذ اللہ) اس نے آپ پر یہ الزام لگا دیا مگر جب وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے آئی تو ڈر گئی اور سچ بتا دیا کہ اسے قارون نے اس بہتان تراشی پر تیار کیا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سجدے میں گر گئے اور رو کر عرض کیا اے اللہ! میرے لئے تیرا غضب جوش میں آنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ! ہم نے زمین کو حکم دیا ہے کہ آپ کی اطاعت کرے۔ آپ نے زمین کو حکم دیا تو اس نے قارون کو اپنے اندر اتار لیا۔ تب بعض بنی اسرائیل نے کہا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قارون کی ہلاکت کی دعا اس لئے کی ہے تا کہ آپ اس کی دولت پر قبضہ کر لیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے قارون کے خزانوں اور اموال کو بھی زمین میں دھنسا دیا۔ (تفسیر بغوی جلد ۵ صفحہ ۱۸۳) یہ اختصار ہے مفصل واقعہ مطولات میں لکھا ہے جو عبرت خیز ہے...... اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ قارون کا گروہ اسے بچا نہ سکا اور نہ وہ خود بدلہ لے سکتا تھا۔ اور اللہ سے کون بدلہ لے سکتا ہے۔

یہاں سے معلوم ہوا کہ جس مال سے زکوٰۃ نہ دی جائے وہ قارون جیسا خزانہ ہے جو روز قیامت باعث عذاب ہوگا۔
اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۙ﴿۳۴﴾ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ۭ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ﴿۳۵﴾ ''جو لوگ سونے چاندی کا خزانہ جمع کرتے ہیں اور اسے راہ خدا میں خرچ نہیں کرتے انہیں دردناک عذاب کی بشارت دے دو اس دن اس سونے چاندی کو گرم کرکے اس سے ان کی پیشانیاں پہلو اور پشتیں داغی جائیں گی کہ یہ ہے وہ خزانہ جو تم نے اپنے لئے جمع کیا اب اپنے خزانے کا مزہ چکھو۔''
(توبہ: ۳۴)

[56] جب قارون اپنے خزانہ سمیت زمین میں دھنس گیا تو جو لوگ اسے دیکھ کر کہتے تھے کہ کاش انہیں بھی قارون جیسی دولت ملتی، وہ نادم ہو کر کہنے لگے ہم پر افسوس، اللہ تعالیٰ جس کے لئے چاہے رزق کو تنگ یا کشادہ کرتا ہے لہٰذا ہمیں قارون جیسی حرام دولت کی تمنا کرنے کی بجائے اللہ تعالیٰ سے رزق حلال کی کشادگی کے لئے دعا کرنا چاہئے تھی اور اللہ کا ہم پر کرم ہوا کہ اس نے ہمیں قارون جیسی دولت نہ دی ورنہ آج ہم بھی اس کے ساتھ زمین میں دھنس چکے ہوتے کیونکہ قارون جیسے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے منکر لوگ فلاح نہیں پاتے۔

تِلۡكَ الدَّارُ الۡاٰخِرَةُ نَجۡعَلُهَا لِلَّذِيۡنَ لَا يُرِيۡدُوۡنَ عُلُوًّا فِى الۡاَرۡضِ وَلَا

وہ جو آخرت کا گھر ہے اسے ہم انہی لوگوں کے لئے بنائیں گے جو زمین میں نہ سرکشی چاہتے ہیں

فَسَادًا ؕ وَالۡعَاقِبَةُ لِلۡمُتَّقِيۡنَ ۞ مَنۡ جَآءَ بِالۡحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيۡرٌ مِّنۡهَا ۚ

نہ فساد، اور بہتر انجام پرہیزگاروں کے لئے ہے[57] جو شخص نیکی کرے اس کے لئے اس سے بہتر جزا ہے

وَمَنۡ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجۡزَى الَّذِيۡنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ اِلَّا مَا كَانُوۡا

اور جو برائی کرے اسے صرف اسی قدر سزا دی جائے گی جس قدر وہ لوگ برائیاں

يَعۡمَلُوۡنَ ۞ اِنَّ الَّذِىۡ فَرَضَ عَلَيۡكَ الۡقُرۡاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰى مَعَادٍ ؕ قُلۡ

کرتے تھے[58] بے شک جس رب نے آپ پر قرآن نازل کیا ہے وہ آپ کو عظیم الشان مقام کی طرف لوٹائے گا آپ فرمائیں

رَّبِّىۡۤ اَعۡلَمُ مَنۡ جَآءَ بِالۡهُدٰى وَمَنۡ هُوَ فِىۡ ضَلٰلٍ مُّبِيۡنٍ ۞

میرا رب اسے خوب جانتا ہے جو ہدایت لے کر آیا اور جو کھلی گمراہی میں ہے۔[59]

## فکر آخرت، وعدۂ غلبۂ دین اور رد شرک

[57] اس سے قبل فرعون وقارون کی سرکشی بتائی جا رہی تھی اب فرمایا جا رہا ہے کہ اُخروی گھر (جنت) انہی لوگوں کے لئے جو زمین میں سرکشی و فساد نہیں کرتے اس کی بجائے بہتر انجام اللہ سے ڈرنے والوں کا ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں یہ آیت ان حکمرانوں کے لئے ہے جو تواضع اختیار کریں۔ (بغوی جلد ۵ صفحہ ۱۸۵) یعنی جو اقتدار میں ہونے کے باوجود محض اللہ تعالیٰ کے خوف سے لوگوں پر ظلم و تعدی کا بازار گرم نہیں کرتے۔

### ایک مسلم حاکم کو کیسا ہونا چاہیے

معلوم ہوا مسلم حاکم کو عجز و تواضع والا ہونا چاہیے۔ مروی ہے کہ امیر المؤمنین عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ فوت ہوئے تو ان کی زبان پر یہی آیت تھی اور وہ خلیفۂ وقت ہونے کے باوجود بکریوں کا دودھ دوھ کر غرباء کو پلاتے اور خچر پر سواری کرتے تھے۔ (روح البیان جلد ۶ صفحہ ۴۳۸) اور اس کی بہترین مثال خلفاء راشدین ہیں جنہوں نے بادشاہی میں فقیری کی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جب خلیفہ بنے تو اگلے دن کندھے پہ کپڑے رکھ کر بازار میں بیچنے نکل پڑے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ

اور دیگر صحابہ نے دیکھ کر کہا: اگر آپ بازار میں جا کر کام کریں گے تو نظام خلافت کون چلائے گا؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا تو پھر میں کھاؤں گا کہاں سے اور بچوں کو کیا کھلاؤں گا؟ تب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کے لیے مختصر وظیفہ مقرر کر دیا۔ تو اس میں سے صرف کھانے اور ضروری حاجت کے لیے لیتے تھے۔ جب آپ فوت ہونے لگے تو گھر میں اس وظیفہ میں سے جو بچا پڑا تھا وہ بیت المال میں جمع کروا دیا۔ (الریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ المبشرۃ جلد اول فضائل ابی بکر الصدیق)

[58] یہ امت مسلمہ کو اللہ تعالیٰ نے انعام عطا فرمایا کہ جو شخص نیکی کرے اسے اس سے کئی گنا زیادہ ثواب دیا جاتا ہے اور اس کا کم از کم درجہ دس گنا ہے اور زیادہ سے زیادہ کی کوئی حد نہیں مثلاً ایک نماز کم از کم دس نمازوں کے برابر ہے ایک روزہ دس روزوں کے برابر اور ایک پونڈ یا روپیہ کا صدقہ دس پونڈ یا روپیہ کے برابر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مَنۡ جَآءَ بِالۡحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشۡرُ اَمۡثَالِهَا ۚ جبکہ بُرائی کا گناہ اتنا ہی ہے جتنی بُرائی ہو۔ اور زیادہ سے زیادہ کی کوئی حد نہیں ہے جیسے قرآن میں ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں انکی مثال یوں ہے جیسے ایک دانے میں سے سات بالیاں نکلیں اور ہر بالی میں سو (100) دانہ ہو اور جس کے لیے چاہے اسے دوگنا کر دے (1400) کر دے اور اللہ رب العزت اس سے بھی زیادہ وسعت والا علم والا ہے۔ (بقرہ:۲۶۱)

[59] معاد کا معنی لوٹنے کی جگہ ہے اس لئے وطن کو بھی معاد کہتے ہیں کیونکہ آدمی جہاں بھی جائے وہ واپس اپنے وطن کو لوٹ کر جاتا ہے۔ چنانچہ اس آیت کی تفسیر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے یوں مروی ہے کہ جب ہجرت کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غار ثور سے نکل کر ایک غیر معروف راستہ سے مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہوئے تو مقام جُحفہ پر اترے، وہاں دیکھا کہ ایک راستہ مکہ مکرمہ کو جا رہا ہے دوسرا مدینہ طیبہ کو۔ اس وقت آپ کو مکہ کی یاد تڑپانے لگی اور ترک وطن کے درد سے دل تڑپنے لگا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نازل ہوئے، کہا: کیا آپ کو یادِ وطن نے تڑپایا ہے؟ فرمایا: ہاں، کہا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّ الَّذِیۡ فَرَضَ عَلَیۡكَ الۡقُرۡاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰی مَعَادٍ ؕ (یعنی اے محبوب! جس رب نے آپ پر قرآن اتارا وہ آپ کو واپس وطن کی طرف لائے گا) (بغوی جلد ۵ صفحہ ۱۸۶)

امام قرطبی کے بقول اکثر مفسرین نے یہاں لفظ معاد سے مکہ مکرمہ ہی مراد لیا ہے۔ (قرطبی جلد ۱۳ صفحہ ۳۲۱) اور بخاری شریف میں بھی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی مروی ہے کہ اس سے مکہ مراد ہے۔ (بخاری کتاب التفسیر سورہ قصص باب ۲) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے اس کا یہ معنی کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو روز قیامت عظیم الشان انجام کی طرف لوٹائے گا۔ (درمنثور جلد ۶ صفحہ ۴۴۶) یہ معنی بھی درست ہے تاہم پہلا معنی زیادہ قوی ہے۔ کیونکہ شان نزول کے عین مطابق ہے۔

## اہل تشیع کے عقیدہ رجعت کا رد

شیعہ مفسرین نے اس کا یہ معنی کیا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ آپ کو وصال کے بعد ایک بار واپس دنیا میں لائے گا۔ دراصل شیعہ عقائد میں ایک عقیدہ رجعت بھی ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ قیامت سے قبل جب امام مہدی آئیں گے تو ان کے

ساتھ حضور ﷺ حضرت علی اور دیگر ائمہ اہل بیت (حسنین کریمین، زین العابدین، جعفر صادق، باقر، موسیٰ کاظم، علی رضا، تقی، نقی اور حسن عسکری رضی اللہ عنہم) بھی واپس دنیا میں آئیں گے اور ابوبکر صدیق، عمر فاروق، عثمان غنی اور سیدہ عائشہ صدیقہ (رضی اللہ عنہم) کو دوبارہ زندہ کر کے ان پر سزائیں نافذ کریں گے۔ (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ)

چنانچہ مشہور شیعہ مفسر شیخ علی قمی (جو صاحب اصول کافی شیخ یعقوب کلینی کا استاذ ہے) نے امام زین العابدین سے (من گھڑت جھوٹی) روایت کی ہے کہ انہوں نے اس آیت اِنَّ الَّذِیۡ فَرَضَ عَلَیۡکَ الۡقُرۡاٰنَ لَرَآدُّکَ اِلٰی مَعَادٍ ؕ کے تحت کہا: تمہارے نبی محمد ﷺ اور امیر المؤمنین حضرت علی اور دیگر ائمہ اہل بیت واپس دنیا میں آئیں گے۔ (تفسیر قمی صفحہ ۴۹۴ مطبوعہ ایران)

ملا باقر مجلسی نے ''حق الیقین'' میں لکھا ہے کہ اس امت میں فرعون، ہامان اور قارون کی مثال ابوبکر، عمر اور عثمان ہیں (معاذ اللہ استغفر اللہ) اور امام مہدی جب دوسرے ائمہ کے ساتھ قرب قیامت میں ظاہر ہوں گے تو اس امت کے فرعون و ہامان اور قارون سے بدلہ لیں گے۔ (حق الیقین صفحہ ۲۱۶ باب ۵ دربیان رجعت مطبوعہ تہران) مگر یہ ملحدانہ، کافرانہ اور زندیقانہ خیالات ہیں جن کا اس آیت سے کچھ تعلق نہیں ہے۔

اور یہ عقیدہ ہی غلط ہے کہ بعض لوگ فوت ہونے کے بعد واپس دنیا میں آسکتے ہیں۔ یہ تو ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ انسان دنیا میں ایک سے زائد بار آتا ہے۔ جبکہ یہ عقیدہ قرآن کریم کی متعدد آیات کے خلاف ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: کُنۡتُمۡ اَمۡوَاتًا فَاَحۡیَاکُمۡ ۚ ثُمَّ یُمِیۡتُکُمۡ ثُمَّ یُحۡیِیۡکُمۡ ثُمَّ اِلَیۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ ﴿۲۸﴾ ''تم بے جان (نطفہ کی صورت میں) تھے تو اللہ نے تمہیں زندہ کیا پھر وہ تمہیں مارے گا پھر (روز حشر) تمہیں زندہ کرے گا پھر تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔'' (بقرہ، ۲۸) گویا جو مر گیا وہ قیامت ہی کو اٹھے گا، اس سے قبل نہیں۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: قَالَ رَبِّ ارۡجِعُوۡنِ ﴿۹۹﴾ لَعَلِّیۡۤ اَعۡمَلُ صَالِحًا فِیۡمَا تَرَکۡتُ کَلَّا ؕ اِنَّهَا کَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا ؕ وَمِنۡ وَّرَآئِهِمۡ بَرۡزَخٌ اِلٰی یَوۡمِ یُبۡعَثُوۡنَ ﴿۱۰۰﴾ مرنے والا مرتے ہوئے کہتا ہے ''اے میرے رب! مجھے واپس بھیج تاکہ میں اچھے اعمال کروں۔ جو میں نہ کرسکا، ہرگز نہیں۔ بس یہ ایک بات ہے جو وہ کہتا ہے (مگر اس پہ عمل نہیں کریگا) اور ان کے پیچھے برزخی زندگی ہے اس دن تک جب وہ اٹھائے جائیں گے۔'' (مؤمنون، ۱۰۰) یہ آیت صاف بتا رہی ہے کہ کسی مرنے والے کو واپس دنیا میں نہیں بھیجا جاتا بلکہ اسے روز حشر تک برزخی زندگی ہی میں رہنا پڑتا ہے۔ اس کے باوجود اہل تشیع کا عقیدہ رجعت کو اپنانا اور کہنا کہ حضور ﷺ اور بارہ (12) ائمہ اہل بیت دوبارہ زندہ ہو کر دنیا میں آئیں گے اور ہزار ہا برس جئیں گے سب خرافات ہیں۔ اس موضوع پہ ہم پیچھے سورہ انبیاء آیت 95 کے تحت بھی مفید کلام لکھ آئے ہیں وہاں بھی دیکھ لیں، تاکہ معاملہ کی پوری حقیقت آپ کے سامنے آجائے۔

بہرحال اس آیت سے دو فوائد حاصل ہوئے۔

(۱) فتح مکہ کی پیش گوئی اور صداقت قرآن: لَرَآدُّكَ اِلٰى مَعَادٍ میں یہ پیش گوئی ہے کہ حضور ﷺ واپس مکہ آ کر اس پر غلبہ پائیں گے اور اسی طرح ہوا۔ قرآن کی پیش گوئی سچ نکلی جو صداقت قرآن کی دلیل ہے۔

(۲) وطن کی محبت کا جواز: نبی اکرم ﷺ کو سفر ہجرت میں یاد وطن نے تڑپایا تو یہ آیت اتری۔ گویا وطن کی محبت سنت رسول ﷺ ہے تاہم ایمان وطن سے مقدم ہے جب معاملۂ ایمان ہو تو اس پر وطن کا قربان کرنا بھی سنت رسول ﷺ ہے۔

| وَمَا كُنۡتَ تَرۡجُوۡۤا اَنۡ يُّلۡقٰٓى اِلَيۡكَ الۡكِتٰبُ اِلَّا رَحۡمَةً مِّنۡ رَّبِّكَ فَلَا |
|---|
| اور آپ (ازخود) تمنا نہ رکھتے تھے کہ آپ کی طرف کتاب اتاری جائے سوا آپ کے رب کی رحمت کے تو آپ |
| تَكُوۡنَنَّ ظَهِيۡرًا لِّلۡكٰفِرِيۡنَ ﴿۸۶﴾ وَلَا يَصُدُّنَّكَ عَنۡ اٰيٰتِ اللّٰهِ بَعۡدَ اِذۡ |
| کافروں کے مددگار نہ بنیں اور کفار آپ کو اللہ کی آیات سے نہ روک دیں جب کہ وہ |
| اُنۡزِلَتۡ اِلَيۡكَ وَادۡعُ اِلٰى رَبِّكَ وَلَا تَكُوۡنَنَّ مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ﴿۸۷﴾ ج وَلَا تَدۡعُ |
| آپ کی طرف اتاری گئی ہیں۔ اور آپ اپنے رب کی طرف بلاتے رہیں اور مشرکوں سے نہ ہوں۔ اور اللہ کے ساتھ |
| مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۘ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ قف كُلُّ شَىۡءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجۡهَهٗ ؕ لَهُ |
| کسی دوسرے خدا کو مت پکاریں۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس کی ذات کے سوا ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے۔ اسی کے لئے |
| الۡحُكۡمُ وَاِلَيۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ ﴿۸۸﴾ ع |
| سب حکومت ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔ [60] |

وقف لازم

ع ۹ الثلاثة

[60] یعنی اے پیارے رسول ﷺ! آپ کو ازخود تو کچھ خواہش و آرزو نہ تھی کہ آپ پر کوئی کتاب اتاری جائے یہ تو اللہ نے رحمت فرمائی کہ آپ کو رسول بنایا اور آپ پر کتاب اتاری لہٰذا آپ کفار کی کوئی بات مان کر ان کے مددگار نہ بنیں اور آپ پر جو آیات اتاری گئی ہیں ان میں سے کسی آیت کی تبلیغ سے کفار آپ کو روک نہ دیں یعنی آپ ان کی خوشنودی کے لئے کسی آیت کی تبلیغ سے مت رکیں اور اپنے رب کی طرف دعوت جاری رکھیں اور مشرکوں سے کوئی رابطہ و ناطہ نہ رکھیں۔

چنانچہ ان احکام خداوندی پر حضور سید عالم ﷺ نے عمل کر کے دکھا دیا۔ ایک بار کفار مکہ نے مل کر ابو طالب عم رسول ﷺ سے کہا کہ اپنے بھتیجے کو روکو وہ ہمارے خداؤں کو جہنم کا ایندھن کہتا ہے۔ (جیسے سورہ انبیاء، آیت ۹۸ میں بیان ہوا) اگر تم نے اسے نہ روکا تو ہم تم دونوں کے خلاف اعلان جنگ کریں گے۔ ابو طالب نے حضور ﷺ سے اس بارے میں

بات کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا اے چچا! اگر کفار میرے دائیں ہاتھ میں سورج اور بائیں میں چاند لا کر رکھ دیں تاکہ میں اللہ تعالیٰ کا حکم پہنچانے سے باز آ جاؤں تو ایسا کبھی نہ ہوگا میں اللہ تعالیٰ کا حکم پہنچاتا رہوں گا تا آنکہ مجھے موت آ جائے یا اللہ تعالیٰ اپنے دین کو غالب کر دے یہ کہتے ہوئے حضور ﷺ کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے۔

(سیرت ابن کثیر جلد اول صفحہ ۴۷۴)

اس جگہ وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْٓا اَنْ يُّلْقٰٓى اِلَيْكَ الْكِتٰبُ کے تحت مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے تفہیم القرآن جلد 3 صفحہ 667 تا 669 میں یہ ثابت کرنے پر بہت زور دیا ہے کہ حضور ﷺ کو چالیس برس تک کچھ خبر نہ تھی کہ آپ نبی و رسول بنائے جانے والے ہیں۔ حالانکہ اس آیت کا واضح مفہوم صرف یہ ہے کہ اے پیارے رسول ﷺ! آپ کو از خود خواہش نہ تھی کہ آپ پر کتاب اتاری جائے مگر اللہ نے اپنی رحمت سے آپ پر کتاب اتاری۔ رہا یہ کہنا آپ کو اپنے رسول بنائے جانے کی خبر نہ تھی تو یہ قطعی غلط ہے۔ چند دلائل ملاحظہ ہوں۔

## حضور ﷺ کو چالیس برس سے قبل اپنی نبوت کا علم تھا

(۱) ابن سعد نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور زہری وغیرہما سے مختلف اسانید کے ساتھ روایت کیا ہے کہ چھ برس کی عمر میں نبی اکرم ﷺ اپنی والدہ کے ساتھ مدینہ طیبہ آئے۔ یہاں کئی یہود آپ ﷺ کو دیکھنے آئے۔ ام ایمن جو اس سفر میں ساتھ تھیں کہتی ہیں ایک یہودی نے حضور ﷺ کو دیکھ کر کہا: هُوَ نَبِيُّ هٰذِهِ الْاُمَّةِ وَ هٰذِهٖ دَارُ هِجْرَتِهٖ یہ اس امت کا نبی ہے اور یہ شہر اس کا دار ہجرت ہے۔ (الخصائص الکبریٰ امام سیوطی جلد ۱ صفحہ ۷۹ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت) چھ سال کا بچہ سب باتیں سمجھتا ہے پھر اس بچے کی ذہانت کا کیا کہنا جسے رسول بنایا جانے والا ہو اور اس پہ قرآن کریم جیسا حکمت کا عظیم خزانہ اتارا جانے والا ہو، اگر حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کو یہ بات یاد تھی تو نبی اکرم ﷺ کو کیوں یاد نہ تھی۔

(۲) ابن سعد اور ابن عساکر نے زہری، مجاہد اور ابن جبیر رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ (اپنی والدہ کے وصال کے بعد) جب اپنے دادا حضرت عبدالمطلب کی کفالت میں آئے تو انہیں آپ ﷺ سے بے پناہ محبت تھی۔ ایک بار انہوں نے اپنے بچوں اور ام ایمن سے کہا اس بچے کی حفاظت کیا کرو کیونکہ اہل کتاب سمجھتے ہیں کہ یہ میرا بیٹا اس امت کا نبی ہے۔ (خصائص کبریٰ جلد ۱ صفحہ ۸۱) جب دادا جان کو آپ کے نبی ہونے کی خبر تھی تو خود آپ ﷺ کو کیوں خبر نہ تھی۔

(۳) حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ابو طالب شام گئے تو حضور ﷺ کو ساتھ لے گئے۔ (اس وقت آپ کی عمر بارہ (12) برس تھی) وہاں وہ بحیرا راہب کے گرجے کے قریب اترے۔ وہ پہلے بھی بغرض تجارت وہاں اترا کرتے تھے مگر بحیرا نے کبھی ان کی طرف توجہ نہ کی تھی مگر اس بار بحیرا باہر نکلا اس نے حضور ﷺ کو ڈھونڈ کر آپ کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا: هٰذا سيدُ العالمين هٰذا رسولُ ربِّ العالمين هٰذا يبعثهُ اللهُ رحمةً للعالمين "یہ تمام جہانوں کا سردار ہے یہ رب العالمین کا رسول ہے اسے اللہ تعالیٰ رحمۃ للعالمین بنا کر مبعوث کرے گا" اور کہا کہ میں

نے کوئی درخت یا پتھر ایسا نہیں دیکھا جو اس کے لئے جھک نہ رہا ہو۔ (ترمذی کتاب المناقب باب ۳ حدیث ۳۶۲۰)

امام ترمذی نے اس کے بعد کہا: هٰذا حدیث حسن غریب. اور امام حاکم نے اسے روایت کرنے کے بعد لکھا هٰذا حدیث صحیح علی شرط الشیخین و لم یخرجاہ. یہ حدیث شرط بخاری و مسلم پر صحیح ہے مگر انہوں نے اسے روایت نہیں کیا۔ (متدرک جلد ۲ صفحہ ۶۷۲ حدیث ۴۲۲۹)

اس حدیث نے فیصلہ کر دیا جب بحیرا راہب حضور ﷺ کا ہاتھ پکڑ کر کہہ رہا ہے هٰذا رسول رب العالمین تو پھر کہنا کہ حضور ﷺ کو اپنی رسالت کی خبر نہ تھی، کہنے والے کی بے خبری ظاہر کرتا ہے۔

(۴) امام ابونعیم نے اپنی سند کے ساتھ حضرت سیدہ نفیسہ بنت امیہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ 25 برس کی عمر میں حضور ﷺ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا مال تجارت لے کر بصرہ گئے ان کا غلام میسرہ بھی ساتھ گیا۔ وہاں ایک راہب نسطورا نے حضور ﷺ کو دیکھا تو کہا: هو نبیٌّ و هُوَ اٰخِرُ الْاَنبیاءِ آپ نبی ہیں اور سب سے آخری نبی ہیں میسرہ نے یہ بات یاد رکھی۔ (دلائل النبوۃ جلد اول حدیث ۱۰۴ فصل ۱۱ مطبوعہ حلب) اس حدیث کو ابن سعد اور ابن عساکر نے بھی روایت کیا ہے۔ (خصائص کبریٰ جلد ۱ صفحہ ۹۱) جب میسرہ کو یہ بات یاد تھی تو نبی کریم ﷺ کو کیوں بھول گئی۔ تاہم اس کے باوجود نبی کریم ﷺ نے نزول وحی تک کبھی نہ کہا کہ آپ نبی بنائے جانے والے ہیں اور نہ آپ کو از خود خواہش تھی کہ آپ کو رسول بنایا جائے اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْٓا اَنْ يُّلْقٰٓى اِلَيْكَ الْكِتٰبُ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ ظَهِيْرًا لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۶﴾ "یعنی اے پیارے محبوب! آپ کو خواہش نہ تھی کہ آپ کو رسول بنایا جائے۔"

## پہلی وحی کے نزول پہ رسول اللہ ﷺ کا گھبرانا کیوں تھا؟

رہا یہ سوال کہ اگر آپ کو پہلے سے اپنی نبوت کا علم تھا تو آپ پہلی وحی کے نزول پر گھبرائے کیوں؟ تو جواب یہ ہے کہ وہ اس لئے تھا کہ پہلی بار آپ ﷺ پر وہ قول ثقیل (مزمل:۵) نازل ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "اگر ہم اسے پہاڑوں پہ اتارتے تو وہ خوف خدا سے ریزہ ریزہ ہو جاتے۔" (حشر:۲۱) اس کا یہ معنی نہیں کہ آپ ﷺ اپنی ر[illegible]ت سے بے خبر تھے اس لئے گھبرائے۔ کیا ان لوگوں کی نظر سے یہ حدیث نہیں گزری کہ پہلی وحی کے بعد جب آ[illegible] [illegible]ار حرا سے اتر کر گھر آئے تو آپ خود فرماتے ہیں کہ مجھے راستے میں ہر شجر و حجر سے آواز آ رہی تھی: السلام علیك یا ر[illegible]ول اللہ. (دلائل النبوۃ امام ابی نعیم عن عائشہ رضی اللہ عنہا جلد اول فصل ۱۴ حدیث ۱۵۷ صفحہ ۲۸۰ مطبوعہ حلب شام) اللہ تعالیٰ دین کا صحیح فہم نصیب فرمائے۔

---

الحمد للہ آج مورخہ 4 ربیع الثانی 1429ھ بمطابق 12 اپریل 2008ء بروز ہفتہ بعد نماز فجر سورۃ قصص کی تفسیر مکمل ہوئی۔

و صلی اللہ علی حبیبہ محمد و آلہ و صحبہ اجمعین.

# سورۃ العنکبوت

ترتیب تلاوت کے اعتبار سے یہ قرآن کریم کی 29ویں اور ترتیب نزول کے اعتبار سے 84ویں سورت ہے۔
اسے سورہ عنکبوت اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں عنکبوت (مکڑی) کا ذکر ہے: مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ "اللہ کو چھوڑ کر دوسرے خداؤں کو مددگار بنانے والوں کی مثال مکڑی کی طرح ہے۔" (عنکبوت: ۴۱)

اس سورت میں سات رکوعات، انہتر (69) آیات، نو سو اسی (980) کلمات اور چار ہزار ایک سو پینسٹھ (4165) حروف ہیں۔ صحیح یہ ہے کہ یہ سورت مکمل مکی ہے تاہم یہ مکہ کے آخری دور میں نازل ہوئی کیونکہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی سورتوں کی ترتیب نزول میں سورۂ عنکبوت کے بعد مکہ میں صرف سورہ مطففین نازل ہوئی اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ مکرمہ چھوڑ دیا۔

امام ابو اسحاق نیشاپوری نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "جس نے سورہ عنکبوت پڑھی اللہ تعالیٰ اسے تمام مومنین و منافقین کی تعداد سے دس گناہ زیادہ ثواب دے گا۔" (الکشف والبیان جلد ۷ صفحہ ۲۶۹)

## مضامین

سورہ عنکبوت میں ان موضوعات کو لیا گیا ہے۔ حقوق والدین، جو کسی کو گمراہ کرے وہ اپنا بوجھ بھی اٹھاتا ہے اور اس کا بھی، حضرت نوح علیہ السلام کی تبلیغی سرگرمیاں، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عظمت و رفعت، خصوصاً وہ واقعہ جب قوم لوط کو ہلاک کرنے والے فرشتے پہلے آپ کے پاس حاضر ہوئے اور بتایا کہ قوم لوط کو تباہ کرنے جا رہے ہیں اور ساتھ ہی فرشتوں نے آپ کو اولاد نرینہ کی خوشخبری سنائی، اس کے بعد اس سورت میں مختلف نافرمان قوموں کی ہلاکت کا اجمالی تذکرہ کیا گیا ہے، پھر نماز کی اہمیت و برکت پہ روشنی ڈالی گئی، پھر قرآن کا پُراثر ہونا بتایا گیا اور آخر میں دنیا کی بے ثباتی اور آخرت کا لازوال ہونا بتایا گیا اور انسان کو متوجہ کیا گیا کہ وہ اپنی آخرت کی طرف متوجہ رہے۔

## ماقبل سے مناسبت

اس سے قبل سورہ قصص ہے جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا طویل ذکر خیر ہے اور عنکبوت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خصوصی بیان ہے اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کا اجمالی جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت ہود علیہ السلام، حضرت صالح علیہ السلام اور حضرت شعیب علیہ السلام، گویا یہ سب سورتیں انبیاء کرام رضی اللہ عنہم کے ایمان افروز تذکروں پہ مشتمل ہیں، جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تا قیامت اہل ایمان کے لیے وجہ تسلی رکھی گئی کہ دشمنان اسلام کی سازشوں اور ایذاء رسانیوں کو خاطر میں لائے بغیر اشاعتِ اسلام کا کام جاری رکھا جائے۔ یہی سنت انبیاء کرام ہے۔

راجی رحمۃ الرب عبدہ المذنب قاری محمد طیب غفرلہ

ایاتها ۶۹ ۲۹ سُوْرَةُ الْعَنْكَبُوْتِ مَكِّيَّةٌ ۸۵ رکوعاتها ۷

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

الٓمّٓ ۝ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ۝

الف لام میم۔ کیا لوگ سمجھتے ہیں کہ وہ صرف یہ کہہ دینے سے کہ ہم ایمان لائے ہیں چھوڑ دیئے جائیں گے اور ان کی آزمائش نہ ہوگی؟[1]

وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا

بلاشبہ ہم نے ان سے پہلے لوگوں کو بھی آزمایا تھا، تو اللہ ضرور سچے لوگوں کو ظاہر کرے گا

وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ ۝ اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ اَنْ

اور جھوٹوں کو بھی ضرور ظاہر کرے گا [2] کیا برائیاں کرنے والے سمجھتے ہیں کہ وہ ہمارے قبضہ سے

يَّسْبِقُوْنَا ۭ سَاۗءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ۝ مَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَاۗءَ اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ

نکل جائیں گے؟ وہ کیا ہی برا فیصلہ کرتے ہیں۔ [3] جو شخص اللہ سے ملاقات کی امید رکھتا ہے تو اللہ کی میعاد

اللّٰهِ لَاٰتٍ ۭ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝

آنے والی ہے اور وہ سب سننے جاننے والا ہے [4]۔

## راہِ حق میں استقامت، اطاعت والدین اور ردِّ نفاق کا بیان

[1] حضرت ابن عمیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ابوجہل ملعون حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ اور ان کے بوڑھے والدین اور دوسرے مومنوں کو ظالمانہ ایذائیں دیتا تھا۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو سخت گرم دن میں لوہے کی تپتی ہوئی زرہ پہنا دی جاتی تھی ان کی والدہ کے اندام نہانی میں نیزہ مارا گیا جس سے وہ شہید ہو گئیں تو ان کے بارے میں یہ آیات اتریں۔ (درمنثور جلد ۶ صفحہ ۴۵۰) یعنی اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے فرمایا کہ کیا تم سمجھتے ہو کہ صرف تمہارا اٰمَنَّا کہہ دینا کہ ہم ایمان لائے، تمہاری

نجات کے لئے کافی ہے؟ نہیں، بلکہ تمہارے ایمان کی آزمائش ہوگی تمہیں ایمان کے لئے بڑی بڑی قربانیاں دینا پڑیں گی۔ ؎

لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلمان ہونا
یہ شہادت گہہِ الفت میں قدم رکھنا ہے

[2] اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے مومنو! تم سے پہلی امتوں کے اہل ایمان کو بھی ہم نے آزمایا تھا اور ہم تمہیں بھی آزمائیں گے تاکہ ہم سچے مومنوں اور منافقوں میں فرق ظاہر کردیں۔ مومنین تو ہر قربانی دے کر ایمان بچائیں گے اور منافقین تکالیف دیکھ کر بھاگ اٹھیں گے۔ حضرت خباب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''تم سے پہلے مسلمانوں کی حالت یہ تھی کہ ایک مسلمان کو زمین میں گاڑ دیا جاتا پھر آرا لے کر اس کے سر کو دو ٹکڑوں میں کاٹ دیا جاتا مگر یہ چیز اسے اپنے دین سے نہ پھیر سکتی۔ کئی لوگوں کے جسموں میں لوہے کی کنگھی ان کی ہڈیوں اور پٹھوں تک گہری گاڑھ دی جاتی مگر یہ چیز انہیں دین سے نہ روک سکتی اور اللہ تعالیٰ اپنے دین کو ضرور غالب کرے گا حتیٰ کہ ایک مومن شخص یمن سے حضر موت تک بے خوف سفر کرے گا۔'' (بخاری کتاب المناقب باب علامات النبوۃ حدیث ۳۶۱۲)

یہاں سے تین فوائد حاصل ہوئے۔

(۱) **اہمیت صبر و رضا:** معلوم ہوا اللہ تعالیٰ مومنوں کو تکالیف میں مبتلا کرتا ہے تاکہ آزمائے کہ وہ اپنے مولیٰ کی رضا پر کس قدر راضی ہیں تو مومن کو ہر پریشانی بیماری اور مصیبت میں صبر و رضا سے کام لینا چاہئے۔

(۲) **صحابہ کا راہ حق میں تکالیف اٹھانا:** جب صحابہ کو آغاز اسلام میں سخت مصائب اٹھانا پڑے تو ان کی تسلی کے لئے یہ آیات اتریں۔ چنانچہ انہوں نے صبر و استقامت سے کام لیا۔ آخر ان کی استقامت رنگ لائی اور اللہ تعالیٰ نے دین کو غالب کر دیا۔ ہمیں ان کا ممنون منت ہونا چاہیے۔ تو کس قدر بدنصیب ہیں وہ لوگ جو دن رات ان پہ تبرا کرتے ہیں۔

(۳) **مسلم قوم ہمیشہ سے کفار کی دہشت گردی کا شکار رہی ہے:** آج مسلمانوں کو امریکی زبان میں دہشت گرد کہا جاتا ہے مگر یہ جھوٹا پراپیگنڈہ ہے سچ یہ ہے کہ مسلم قوم کو ہمیشہ سے محض ان کے اسلام کی وجہ سے طاغوتی قوتیں اپنے ظلم وستم کا نشانہ بناتی رہیں۔ مسلمانوں کو مکی دور میں ابتداء اسلام کے اندر اسقدر دہشت گردی کا نشانہ بنایا گیا جسکے تصور سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ آج بھی فلسطین، کشمیر، عراق اور افغانستان میں مسلمانوں پر غیر مسلم قوتیں ظلم کے پہاڑ توڑ رہی ہیں اور اُلٹا مسلمانوں کو دہشت گرد کہتی ہیں تاکہ ان کی اپنی دہشت گردی پر پردہ پڑا رہے۔

[3] یعنی کیا اسلام اور مسلمانوں کے خلاف دشمنانہ کارروائیاں کرنے والے کفار سمجھتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے نکل جائیں گے؟ نہیں اللہ تعالیٰ کی لاٹھی بے آواز ہے۔ اس میں دور حاضر کی غیر مسلم طاغوتی طاقتوں کے لئے بھی وارننگ ہے کہ وہ مسلمانوں کو ہمیشہ غلام بنا کر رکھنے کے خبط سے باہر آجائیں۔

[4] یعنی جسے قیامت کے آنے کا یقین ہے اسے سفر آخرت اور موت کی تیاری کر لینی چاہئے اور اچھے اعمال کا زادِ سفر بنا لینا چاہئے دوسری جگہ فرمایا گیا: فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا ''جو شخص اپنے رب سے ملاقات کی امید رکھتا ہے وہ اچھے اعمال کرلے۔'' (کہف:۱۱۰)

| |
|---|
| وَمَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۝۶ |
| اور جو (نیکی کے لئے) کوشش کرے وہ اپنے فائدہ ہی کے لئے کوشش کرتا ہے۔ اللہ تو تمام جہانوں سے بے نیاز ہے۔ |
| وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ |
| اور جو لوگ ایمان لائیں اور اچھے اعمال کریں ہم ان کے گناہ مٹا دیں گے اور انہیں ان کے عمل کی |
| اَحْسَنَ الَّذِیْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۷ وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ؕ |
| بہترین جزا دیں گے [5] اور ہم نے انسان کو حکم دیا ہے کہ اپنے والدین سے حسن سلوک کرے |
| وَاِنْ جَاهَدٰكَ لِتُشْرِكَ بِیْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ؕ اِلَیَّ |
| اور اے انسان اگر وہ تمہیں مجبور کریں کہ تو میرے ساتھ شرک کرے جس کا انجام تمہیں معلوم نہیں تو ان کی بات مت مان۔ میری ہی طرف |
| مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۸ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا |
| تمہارا لوٹنا ہے، میں تمہیں بتاؤں گا جو تم عمل کرتے تھے۔ اور جو لوگ ایمان لائیں اور اچھے اعمال کریں |
| الصّٰلِحٰتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِی الصّٰلِحِيْنَ ۝۹ |
| ہم انہیں صالحین میں داخل کریں گے۔[6] |

[5] جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرتا اور اس کے دین کی سربلندی کے لئے کوششیں بجا لاتا ہے وہ حقیقت میں اپنے فائدہ کے لئے سب کچھ کرتا ہے ورنہ اللہ تعالیٰ سب جہانوں سے بے نیاز ہے اگر کوئی بھی اس کی عبادت نہ کرے تو وہ اپنی ذات میں محمود ہے وہ ہماری حمد اور عبادت کا محتاج نہیں ہے۔ وہ تو ہمیں نوازنے کے لئے ہمیں ایمان اور عمل صالح کی دعوت دیتا ہے اور وہ کہتا ہے کہ ہم ایمان لانے اور عمل صالح کرنے والوں کو ان کے عمل کی بہترین جزا دیں گے۔

[6] یہ آیت حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے بارے میں اتری جب وہ ایمان لائے تو ان کی والدہ ان سے ناراض ہوگئی انہیں اپنی والدہ سے بہت پیار تھا۔ والدہ نے ان سے کہا میں کھاؤں گی نہ پیوں گی نہ کسی چیز کا سایہ لوں گی

جب تک تم اپنے پرانے دین (بت پرستی) کی طرف لوٹ نہیں آتے یا مجھے موت آ جائے۔ تو وہ دھوپ میں بھوکی پیاسی کھڑی ہوگئی۔ دو دن اسی طرح گزر گئے وہ سخت لاغر ہوگئی۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ اپنی والدہ کے پاس آئے اور کہا: اے اماں! مجھے تم سے بہت پیار ہے۔ لیکن اگر تمہاری سو جانیں ہوں اور وہ ایک ایک کر کے نکلیں تو بھی میں دین اسلام کو چھوڑ نہیں سکتا خواہ تم کچھ کھاؤ پیو یا نہ۔ جب وہ آپ سے مایوس ہوگئی تو کھانے پینے لگی۔ اللہ تعالیٰ نے اسی بارے میں یہ آیت اتاری: وَوَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْهِ حُسْنًا ؕ (بغوی جلد ۵ صفحہ ۱۸۸) یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کہ ہم نے انسان کو حکم دیا ہے کہ اپنے والدین سے حسن سلوک کرے البتہ اگر والدین اپنی اولاد کو شرک کا حکم دیں جس کا انجام انہیں معلوم نہیں کہ کس قدر سخت ہے۔ تو اولاد کو والدین کا یہ حکم ماننا جائز نہیں۔ تاہم اس سے ہٹ کر اولاد کو اُن سے حسن سلوک کرتے رہنا چاہئے۔ خواہ وہ کفار ہوں۔

## والدین کا کوئی خلافِ شرع حکم ماننا جائز نہیں

لہٰذا والدین اگر اولاد کو نماز سے روکیں، بیٹی کو سر سے چادر اتار کر باہر نکلنے کو کہیں، بیٹے کو داڑھی منڈانے کا حکم دیں یا کسی رشتہ دار سے زیادتی کرنے پر اکسائیں تو ان کی ایسی بات ماننا ہرگز جائز نہیں۔ یونہی والدین کے کہنے پر کسی کے خلاف جھوٹی گواہی دینا جائز نہیں۔ کیونکہ اللہ و رسول کی اطاعت سب سے بڑا حق ہے، ان کی نافرمانی کرتے ہوئے کسی کی اطاعت جائز نہیں ہے۔ لا طاعة للخلق فی معصیة الخالق، جب حکم ربانی کے مقابلہ میں والدین کے حکم کی کوئی حیثیت نہیں تو کسی دوسری ہستی کا کیا مقام ہے۔ خواہ وہ بھائی ہو، اولاد ہو، خاندان ہو یا حاکم وقت ہو۔

## اطاعتِ والدین کی اہمیت

ان آیات کا مفاد یہ ہے کہ کافر والدین کے ساتھ بھی حسن سلوک کرنا چاہئے۔ کیونکہ فرمایا گیا کہ ہم نے والدین سے حسن سلوک کا حکم دیا ہے۔ لیکن اگر وہ شرک کا حکم دیں تو وہ نہ مانا جائے۔ یعنی اس سے ہٹ کر ان سے حسن سلوک جاری رکھا جائے۔ تو مومن والدین سے حسن سلوک بطریقِ اولیٰ لازم ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جائے۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار فرمایا۔ پوچھا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کون؟ فرمایا: جس نے اپنے بوڑھے والدین پائے یا ان میں سے ایک کو بوڑھا پایا۔ پھر ان کی خدمت کر کے جنت حاصل نہ کی۔'' (مسلم کتاب البر حدیث ۹)

حضرت جاہمہ سلمی رضی اللہ عنہ ایک صحابی ہیں۔ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے۔ عرض کرنے لگے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ کے ساتھ جہاد میں شامل ہونا چاہتا ہوں، تاکہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور اخروی کامیابی حاصل کروں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ویحك احیّةٌ امُّك، تمہارے لیے افسوس ہے۔ کیا تمہاری ماں زندہ ہے؟ وہ کہتے ہیں میں نے عرض

کیا: جی زندہ ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا: اِرجِع فبِرَّھا، جاؤ اس کی خدمت کرو۔ میں پھر دوسری طرف سے حاضر ہوا۔ میں نے پھر وہی عرض کیا کہ میں جہاد میں آپ کے ساتھ شامل ہونا چاہتا ہوں۔ حضور ﷺ نے پھر فرمایا: کیا تمہاری ماں زندہ ہے؟ میں عرض کیا: جی زندہ ہے۔فرمایا: جاؤ اسکی اطاعت کرو۔ میں پھر دوسری جانب سے حاضر ہوا اور یہی سوال عرض کیا۔آپ ﷺ نے فرمایا:

ویحك الزم رِجلَھا فثَمّك الجنۃُ، تم پہ افسوس! جاؤ ماں کے قدموں سے لپٹ جاؤ، جنت وہیں ہے۔

(ابن ماجہ کتاب الجھاد باب ۱۲ حدیث ۲۷۸۱، مسند احمد بن حنبل جلد ۳ صفحہ ۴۹۲)

البتہ اگر والدین حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی والدہ کی طرح کفر کا حکم دیں یا کسی ناجائز کام کے لیے کہیں تو ان کی اطاعت جائز نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے ہوئے مخلوق میں سے کسی کی اطاعت جائز نہیں ہے۔مگر پھر بھی ان کی توہین اور گستاخی نہ کی جائے۔نہ ہی ان کی خدمت چھوڑی جائے۔

## حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی فضیلت

اس سے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی فضیلت کا بھی پتہ چلا جن کی وجہ سے یہ آیت نازل ہوئی۔اس میں یہ درس ہے کہ ہر مسلمان کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کیساتھ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی طرح اپنے والدین، اولاد اور تمام قبیلہ سے بڑھ کر محبت ہونی چاہیے۔حضرت سعد عشرہ مبشرہ صحابہ میں سے ہیں یعنی اسلام کے TOPTEN ہیں اسلام میں پہلا تیر اُنہی کی کمان سے نکلا تھا۔انہی کے لیے رسول اللہ ﷺ نے احد میں فرمایا تھا اِرمِ سعدُ فِداك ابی و اُمی اے سعد! تیر چلاؤ تم پر میرے ماں باپ قربان۔(بخاری کتاب الجھاد باب ۸۰، مسلم کتاب الفضائل حدیث ۴۱) ان کے لیے رسول اللہ ﷺ نے مستجاب الدعوات ہونیکی دعا فرمائی تھی۔چنانچہ انکے منہ سے نکلنے والی ہر دعا قبول ہوتی تھی۔(اصابہ ج ۲ ص ۳۳)

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ فَاِذَآ اُوْذِيَ فِي اللّٰهِ جَعَلَ فِتْنَةَ

اور کچھ لوگ کہتے ہیں ہم اللہ پر ایمان لائے، پھر جب ایسے شخص کو اللہ کی راہ میں ایذاء ملے تو وہ لوگوں کی ایذاء کو

النَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِ ؕ وَلَئِنْ جَآءَ نَصْرٌ مِّنْ رَّبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّا كُنَّا

اللہ کے عذاب کی طرح سمجھ لیتا ہے اور اگر تمہارے رب کی طرف سے (مومنوں کو) مدد آئے تو یہ لوگ کہتے ہیں ہم

مَعَكُمْ ؕ اَوَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِمَا فِيْ صُدُوْرِ الْعٰلَمِيْنَ ۝۱۰ وَلَيَعْلَمَنَّ

تمہارے ساتھ تھے۔ کیا اللہ تمام جہانوں کے سینوں کی باتیں جاننے والا نہیں ہے؟ اور اللہ ایمان والوں کو

اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ ۝۱۱

اور منافقوں کوضرور ظاہر کردے گا[7]

[7] یعنی بعض لوگ منافقانہ ایمان لاتے ہیں۔ وہ زبان سے کہتے ہیں ہم ایمان لائے مگر جب انہیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں کوئی تکلیف آجائے جیسے صحابہ کرام نے راہ حق میں تکالیف اٹھائیں، تو منافقین سمجھتے ہیں کہ کفار کا انہیں تکلیف دینا اصل میں ان پر اللہ تعالیٰ کا عذاب ہے اگر اللہ نہ چاہتا تو کفار کو ان پر کیوں مسلط کرتا گویا وہ کفار کے وقتی غلبہ کو ان کی صداقت پر محمول کر لیتے ہیں مگر جب مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی مدد آملے اور وہ غالب آجائیں تو یہی منافقین لپک کر مسلمانوں سے کہتے ہیں کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے گویا ان کا ایمان پختہ نہیں ہے کبھی اِدھر ڈولتا ہے کبھی اُدھر۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ سب کے سینوں کے بھید جانتا ہے وہ ضرور مومنوں اور منافقوں میں تفریق کردے گا۔ اس میں دور حاضر کے مسلمانوں کے لئے درس نصیحت ہے کہ وہ کفار کے موجودہ عارضی غلبہ سے کسی شک میں مبتلا نہ ہوں بلکہ دین پر قائم رہ کر فتح ونصرت کا انتظار کریں۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبِعُوْا سَبِيْلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطٰيٰكُمْ ؕ

اور کافروں نے ایمان والوں سے کہا: تم ہمارے راستہ پر چلو ہم تمہارے گناہ اپنے سر اٹھا لیں گے

وَمَا هُمْ بِحٰمِلِيْنَ مِنْ خَطٰيٰهُمْ مِّنْ شَيْءٍ ؕ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَلَيَحْمِلُنَّ

حالانکہ وہ ان کے گناہوں سے کچھ نہیں اٹھانے والے اور وہ جھوٹ کہتے ہیں، وہ اپنے بوجھ اٹھائیں گے اور اپنے

اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ ز وَلَيُسْـَٔلُنَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَمَّا كَانُوْا

بوجھ کے ساتھ دوسرے بوجھ بھی اٹھائیں گے اور روز قیامت ان سے اس جھوٹ کے بارے میں پوچھا جائے گا جو وہ

يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳﴾ ع

گھڑتے تھے۔[8]

ع ۱۲ ۱

[8] کفار مکہ میں سے سردار لوگوں کا طریقہ تھا کہ اگر ان کے قبیلہ کا کوئی شخص مسلمان ہو جاتا تو وہ اسے کہتے تم نیا دین کیوں قبول کرتے ہو تم اپنے پرانے دین پر رہو اگر اس کے سبب تم پر کوئی بوجھ آیا تو وہ ہم اٹھا لیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہاں وہ روز قیامت بوجھ ضرور اٹھائیں گے مگر اپنے کفر کا بوجھ اٹھائیں گے اور جن لوگوں کو انہوں نے گمراہ کر کے کفر پر ڈالا یا کفر پہ پختہ کیا ان کا بوجھ بھی اٹھائیں گے۔ مگر اسطرح وہ اپنے پیروکاروں کے بوجھ میں کوئی کمی نہیں کر سکیں گے ان پر انکے گناہوں کا بوجھ بھی اسی طرح قائم رہے گا۔ یہی معنی ہے: وَمَا هُمْ بِحٰمِلِيْنَ مِنْ خَطٰيٰهُمْ مِّنْ شَيْءٍ ؕ کا۔ اسی مفہوم میں دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۚ کہ ''کوئی بوجھ اٹھانیوالی جان کسی دوسری جان کا بوجھ نہیں اٹھائے گی۔'' (انعام: ۱۶۴) آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اور روز قیامت ان سے اس افتراء بازی کا حساب ضرور لیا جائے گا۔''

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖ فَلَبِثَ فِیْهِمْ اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِیْنَ

اور بلاشبہ ہم نے نوح (علیہ السلام) کو ان کی قوم کی طرف بھیجا تو آپ ان میں پچاس کم

عَامًا ؕ فَاَخَذَهُمُ الطُّوْفَانُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ۞ فَاَنْجَیْنٰهُ وَاَصْحٰبَ

ہزار برس رہے [9]۔ پھر انہیں طوفان نے آ پکڑا اور وہ اپنے ظلم میں مبتلا تھے چنانچہ ہم نے آپ کو اور اہل کشتی کو

السَّفِیْنَةِ وَجَعَلْنٰهَاۤ اٰیَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ۞

بچا لیا اور اس کشتی کو تمام جہانوں کے لئے نشانِ عبرت بنا دیا۔[10]

## حضرت نوح اور ابراہیم علیہما السلام کی تبلیغی سرگرمیاں

[9] اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ تسلی دینے کے لئے کہ کفار کی اسلام دشمنی سے پریشان نہیں ہونا چاہئے حضرت نوح علیہ السلام کی مثال پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ اپنی قوم میں پچاس کم ہزار برس یعنی ساڑھے نوسو (950 years) برس تبلیغ فرماتے رہے مگر چند افراد کے سوا کوئی ایمان نہ لایا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَمَاۤ اٰمَنَ مَعَهٗۤ اِلَّا قَلِیْلٌ۔ صرف چند افراد ہی ان پر ایمان لائے۔ (ہود:٤٠) ان کی تعداد باختلاف روایات چالیس (40) یا اسی (80) تھی جس کا اوسط یہ بنتا ہے کہ تیئس 23 برس کی تبلیغ سے ایک شخص ایمان لاتا تھا۔ جبکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تیئس سالہ (23) تبلیغ سے ایک لاکھ چوبیس ہزار (124,000) یا کم وبیش لوگ حلقہ بگوش اسلام ہوئے (گویا اوسطاً پندرہ (15) افراد ہر روز اسلام لاتے تھے) پھر ہر زمانہ میں اہل اسلام کی تعداد بڑھتی رہی جو اب ڈیڑھ ارب تک پہنچ چکی ہے۔ آگے اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہاں تک پہنچے گی۔ یاد رہے بقول حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما حضرت نوح علیہ السلام چالیس برس کی عمر میں مبعوث ہوئے، ساڑھے نوسو برس تبلیغ فرماتے رہے پھر قوم کی غرقابی کے بعد ساٹھ (60) برس زندہ رہے تو ان کی کل عمر ایک ہزار پچاس (1050) برس تھی۔ (قرطبی جلد ١٣ صفحہ ٣٣٢)

[10] حضرت نوح علیہ السلام عراق میں مبعوث ہوئے اور اہلِ تحقیق کے نزدیک اس وقت انسان صرف جزیرۂ عرب میں ہی آباد ہوئے تھے۔ یہیں آپ نے تبلیغ فرمائی اور بالآخر اسی علاقہ کو طوفان میں غرق کیا گیا۔ طوفان سے قبل آپ علیہ السلام نے بحکم الٰہی کشتی بنائی اور اس میں اپنے مومنین اہل خانہ اور دیگر اہل اسلام کو سوار کر لیا اور ہر جانور اور پرندے کا ایک جوڑا بھی سوار کر لیا پھر طوفان کے بعد حضرت نوح علیہ السلام کے تین بیٹوں حام سام اور یافث سے دنیا پر انسانوں کو نئے سرے سے پھیلایا گیا اور باقی اہل کشتی میں سے کسی کی ذریت نہ چلی۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَجَعَلْنَا ذُرِّیَّتَهٗ هُمُ

الْبٰقِیْنَ ﴿۷۷﴾ ''اور ہم نے نوح (علیہ السلام) کی ذریت ہی کو باقی رہنے والے بنایا۔(صافات:۷۷)

آگے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ ہم نے کشتی کو اہل جہان کے لئے نشان عبرت بنا دیا یعنی بتا دیا کہ نبی کی کشتی میں سوار ہونے والا ہی نجات پاتا ہے اور جو نبی کی کشتی چھوڑ دے وہ ہلاک ہو جاتا ہے خواہ نبی کا اپنا بیٹا ہو۔اس کا یہ مفہوم بھی ہے کہ اس کشتی کو نشان عبرت بنا کر باقی رکھا گیا تا کہ لوگ اسے دیکھ کر عبرت حاصل کریں۔ چنانچہ وہ دورِ صحابہ تک موجود تھی کئی صحابہ نے اسے دیکھا۔(درمنثور جلد ۸ صفحہ ۶۷۶) اسی لئے دوسری جگہ فرمایا گیا: وَلَقَدْ تَّرَکْنٰهَآ اٰیَةً۔ ہم نے کشتی کو نشان بنا کر چھوڑ دیا۔(قمر:۱۵)

یہاں سے تین فوائد حاصل ہوئے:

(۱) **انبیاء استقامت کا پہاڑ ہوتے ہیں:** حضرت نوح علیہ السلام نے ساڑھے نو سو برس تبلیغ فرمائی قوم صدیوں تک مخالفت کرتی رہی اور آپ ہر روز تازہ ولولے کے ساتھ میدانِ عمل میں اُتر آتے تھے۔ایسی استقامت صرف انبیاء ہی دکھا سکتے ہیں۔

(۲) **لوگوں کی مخالفت سے کارِ تبلیغ بند نہیں کرنا چاہئے:** حضرت نوح علیہ السلام کی زندگی سے سبق ملتا ہے کہ مبلغ کو تبلیغ نہیں روکنی چاہئے خواہ قوم مخالفت کرتی جائے۔

(۳) **طویل عمر اگر حُسنِ عمل کے ساتھ ہو تو محمود ہے:** جیسی عمر حضرت نوح علیہ السلام کی تھی۔لہٰذا اگر لمبی عمر کی دعا کی جائے تو ساتھ میں حسنِ عمل بھی مانگنا چاہیے۔

وَ اِبۡرٰهِیۡمَ اِذۡ قَالَ لِقَوۡمِهِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ وَ اتَّقُوۡهُ ؕ ذٰلِكُمۡ خَیۡرٌ لَّكُمۡ اِنۡ

اور ابراہیم (علیہ السلام) کو یاد کرو جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ کی عبادت کرو اور اس سے ڈرو، یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر

كُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۶﴾ اِنَّمَا تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اَوۡثَانًا وَّ تَخۡلُقُوۡنَ اِفۡكًا ؕ

تم جانو۔ تم اللہ کو چھوڑ کر محض (بے جان) بتوں کی عبادت کرتے ہو اور جھوٹ گھڑتے ہو،

اِنَّ الَّذِیۡنَ تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ لَا یَمۡلِكُوۡنَ لَكُمۡ رِزۡقًا فَابۡتَغُوۡا

جنہیں تم اللہ کے سوا پوجتے ہو وہ تمہارے رزق کے مالک نہیں ہیں، تو اللہ ہی کے پاس رزق تلاش کرو اس کی عبادت کرو اور

عِنۡدَ اللّٰهِ الرِّزۡقَ وَ اعۡبُدُوۡهُ وَ اشۡكُرُوۡا لَهٗ ؕ اِلَیۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ ﴿۱۷﴾ وَ اِنۡ تُكَذِّبُوۡا

اس کا شکر بجا لاؤ تم نے اسی کی طرف لوٹنا ہے [11] اور اگر تم جھٹلاؤ تو

فَقَدۡ كَذَّبَ اُمَمٌ مِّنۡ قَبۡلِكُمۡ ؕ وَ مَا عَلَی الرَّسُوۡلِ اِلَّا الۡبَلٰغُ الۡمُبِیۡنُ ﴿۱۸﴾

تم سے پہلی قوموں نے بھی جھٹلایا تھا اور رسول کے ذمے تو صرف کھلے طور پر پہنچانا ہی ہے [12]

اَوَ لَمۡ یَرَوۡا كَیۡفَ یُبۡدِئُ اللّٰهُ الۡخَلۡقَ ثُمَّ یُعِیۡدُهٗ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَی اللّٰهِ

کیا انہوں نے دیکھا نہیں کہ اللہ کس طرح مخلوق کو پیدا کرتا پھر اسے لوٹا کر لاتا ہے۔ بے شک یہ اللہ پر

یَسِیۡرٌ ﴿۱۹﴾ قُلۡ سِیۡرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ فَانۡظُرُوۡا كَیۡفَ بَدَاَ الۡخَلۡقَ ثُمَّ اللّٰهُ

آسان ہے [13] آپ فرمائیں کہ زمین میں چل پھر کر دیکھو اللہ کس طرح مخلوق کو پیدا کرتا ہے پھر اسے

یُنۡشِئُ النَّشۡاَةَ الۡاٰخِرَةَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿۲۰﴾ یُعَذِّبُ مَنۡ

دوسری اٹھان دیتا ہے، بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے [14] وہ جس (مجرم) کو چاہے عذاب دے

یَّشَآءُ وَ یَرۡحَمُ مَنۡ یَّشَآءُ ۚ وَ اِلَیۡهِ تُقۡلَبُوۡنَ ﴿۲۱﴾ وَ مَاۤ اَنۡتُمۡ بِمُعۡجِزِیۡنَ فِی

اور جس پر چاہے رحم فرمائے اور تم نے اسی کی طرف لوٹنا ہے [15] اور تم اللہ کو نہ زمین میں

الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ ۫ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۲۲﴾ ع

عاجز کر سکتے ہو نہ آسمان میں اور تمہارے لئے اللہ کے مقابلہ میں کوئی حمایتی ہے نہ مددگار [16]

[11] حضرت نوح علیہ السلام کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مثال دی جا رہی ہے۔ انہوں نے بھی بت پرستی کے خلاف جہاد کیا اور قوم سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اسی سے ڈرو کیونکہ ان کی قوم بتوں سے بہت ڈرتی تھی۔ وہ سمجھتے تھے کہ اگر ان بتوں کی بے ادبی کی جائے تو وہ تباہ کر دیتے ہیں۔ اسی لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بتوں کے ٹکڑے کر کے قوم کو دکھایا کہ یہ بت کچھ نہیں کر سکتے۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا: اے لوگو! تم اپنے ہاتھ سے بت تراش کر انہیں جھوٹ سے درجۂ خدائی پر بٹھا دیتے ہو پھر ان سے رزق مانگنے لگتے ہو حالانکہ رزق کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے اسی سے رزق مانگو، اور اس کا دیا ہوا کھا کر اس کا شکر بجا لاؤ۔ تم نے اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

[12] یعنی تم سے قبل قوم نوح، قوم عاد اور قوم ثمود رسولوں کی تکذیب ہی کے سبب ہلاک ہو چکی ہیں۔ اگر تم نے ان کا راستہ نہ چھوڑا تو تمہارا حشر بھی انہی جیسا ہوگا۔

[13] مثلاً اللہ تعالیٰ ایک درخت کو نئے سرے سے پیدا کرتا ہے پھر اس پہ پھل لگا کر اس میں بیج بناتا ہے پھر ان بیجوں (SEEDS) سے اس درخت کو بار بار پیدا کرتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ ایک جانور کو نئے سرے سے پیدا کرتا ہے پھر اس کے نطفے سے وہی جانور بار بار پیدا کیا جاتا اور اسے زمین پر پھیلایا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے لئے یہ عمل آسان تر ہے جب وہ ایک بیج سے اتنا بڑا درخت پیدا کر دیتا اور نطفے کے چند قطروں سے جیتا جاگتا جانور بنا دیتا ہے تو کیا وہ روز قیامت تمام جاندار مخلوقات کو دوبارہ پیدا نہیں کر سکے گا؟

[14] یعنی اللہ تعالیٰ نے کئی قوموں کو پیدا کیا پھر انہیں تباہ کر کے ان کی جگہ نئی قومیں اٹھا دیں۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ کفار کو چاہئے کہ زمین میں چل پھر کر پہلی قوموں کے تباہ شدہ مکانات اور مقامات دیکھ کر عبرت حاصل کریں۔ اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مخالفت سے باز آ جائیں۔

[15] اللہ تعالیٰ مومنوں سے فرما رہا ہے کہ وہ گناہگار مومنوں میں سے جسے چاہے جہنم میں عذاب دے اور جسے چاہے رحم سے نواز کر بخش دے یا یہ معنی ہے کہ وہ کفار میں سے جس قوم کو چاہے دنیا میں عذاب دیتا ہے اور جسے چاہے رحم سے نوازتا ہے۔

[16] یعنی اگر بالفرض کوئی زمین کی گہرائی میں چھپ جائے یا آسمان کی بلندی میں چڑھ جائے تو بھی وہ اللہ تعالیٰ سے چھپ نہیں سکتا اور اسے اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں کوئی حمایتی یا مددگار نہیں مل سکتا جس کے سامنے اللہ تعالیٰ عاجز آ جائے۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَلِقَآئِهٖٓ اُولٰٓئِكَ يَئِسُوْا مِنْ رَّحْمَتِيْ وَاُولٰٓئِكَ

جن لوگوں نے اللہ کی آیات اور اس کی ملاقات سے انکار کیا وہی میری رحمت سے مایوس ہوئے اور ان کے لئے

لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٢٣﴾ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوا اقْتُلُوْهُ اَوْ

دردناک عذاب ہے [17] تو ابراہیم (علیہ السلام) کی قوم کا یہی جواب تھا کہ کہنے لگے: اسے قتل کر دو یا جلا دو،

حَرِّقُوْهُ فَاَنْجٰىهُ اللّٰهُ مِنَ النَّارِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿٢٤﴾

تو اللہ نے آپ کو آگ سے نجات دی، بے شک اس میں ایمان والوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں [18]

وَقَالَ اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا ۙ مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيٰوةِ

اور آپ نے فرمایا: تم نے صرف دنیوی زندگی کی باہمی محبت کی وجہ سے اللہ کو چھوڑ کر بتوں کو معبود پکڑ لیا ہے

الدُّنْيَا ۚ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ وَّيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ

پھر روز قیامت تم ایک دوسرے سے انکار اور ایک دوسرے پر لعنت کرو گے اور تمہارا ٹھکانہ

بَعْضًا ز وَّمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿٢٥﴾ ۖ فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ م

وقف لازم

جہنم ہو گا اور تمہارے لئے کوئی مددگار نہ ہو گا [19] تو آپ (علیہ السلام) پر لوط (علیہ السلام) ایمان لائے۔

وَقَالَ اِنِّيْ مُهَاجِرٌ اِلٰى رَبِّيْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿٢٦﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ

اور آپ نے فرمایا میں اپنے رب کی طرف ہجرت کر رہا ہوں بے شک وہ غالب ہے حکمت والا ہے [20] اور ہم نے آپ کو

اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ وَاٰتَيْنٰهُ اَجْرَهٗ فِي

اسحاق اور یعقوب (علیہما السلام) دیئے اور ہم نے آپ کی ذریت میں نبوت اور کتاب رکھی اور آپ کو دنیا میں اجر دیا اور آپ

الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿٢٧﴾

آخرت میں سزاوارانِ قرب میں سے ہیں۔ [21]

## حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت اور لوط علیہ السلام کی تبلیغی مساعی

[17] گزشتہ رکوع کی آخری آیات میں فرمایا جارہا تھا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے وہ قیامت برپا کرسکتا ہے۔ اب فرمایا جارہا ہے کہ جولوگ اللہ تعالیٰ کی آیات سے انکار کرتے ہوئے آخرت پہ ایمان نہیں لاتے وہ رحمتِ خداوندی سے مایوس ہیں کیونکہ جب وہ سمجھتے ہی نہیں کہ ایسا دن آنے والا ہے جب اعمال کی جزاء وسزا ہوگی تو وہ جہاں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بےخوف ہوگئے وہاں اس کی رحمت سے مایوس بھی ہوگئے۔ اور جب وہ جنت کو مانتے ہی نہیں تو انہیں جنت کیسے دی جائے گی، کسی نعمت کا حقدار وہی ہے جو اس نعمت کا وجود مانے۔ لہٰذا ان کے لئے صرف جہنم کا دردناک عذاب ہی ہوگا۔ اسی لئے بعض علماء متکلمین نے فرمایا کہ معتزلہ روزِ قیامت دیدارِ الٰہی سے محروم رہیں گے کیونکہ وہ دیدارِ الٰہی کے منکر ہیں۔ (دورحاضر کے اہل تشیع بھی دیدار الٰہی کے منکر ہیں۔ ان کا بھی یہی حال ہے) یونہی ایصالِ ثواب کے منکر بھی اس نعمت سے محروم رہیں گے۔

[18] گزشتہ رکوع میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر خیر شروع ہوا درمیان میں بطور جملہ معترضہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آخرت کے بارے میں چند ہدایات آگئیں اب روئے سخن پھر واقعۂ ابراہیم علیہ السلام کی طرف مڑ رہا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب آپ کی قوم آپ کے دلائل قاہرہ کے سامنے عاجز آگئی کیونکہ آپ نے ان کے بتوں کو توڑ کر ان کے تمام مشرکانہ عقائد کی عمارت زمین بوس کردی تھی تو وہ ایمان لانے کی بجائے آپ کی جان کے درپے ہوگئے۔ انہوں نے آپ کے جلانے کو بہت بڑی آگ روشن کی اور آپ کو اس میں پھینکا مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو آگ کے جلانے سے بچالیا۔ اس واقعہ میں مومنین کے لئے بڑی نشانیاں ہیں۔

### انبیاء کرام علیہم السلام جان کی پرواہ کئے بغیر کافر و جابر حکمرانوں سے ٹکر لیتے رہے

معلوم ہوا کہ سچے انبیاء کرام جابر حکمرانوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کلمۂ حق کہتے تھے۔ یہ سچے انبیاء کرام کی شان ہے جبکہ جھوٹے نبی مرزا غلام احمد قادیانی کی طرح کفار کے اشارے ہی پہ میدانِ کذب وافتراء میں اترتے ہیں اور کفار کی غلامی میں زندگی بسر کرنا اپنی سعادت جانتے ہیں۔

اسی لیے مرزا غلام احمد قادیانی اپنی جماعت سے کہتا ہے:

یہ تو سوچو کہ اگر تم اس گورنمنٹ (برطانیہ) کے سائے سے باہر نکل جاؤ تو پھر تمہارا ٹھکانا کہاں ہے؟ ہر ایک اسلامی سلطنت تمہارے قتل کے لیے دانت پیس رہی ہے کیونکہ تم انکی نگاہ میں کافر و مرتد ٹھہر چکے ہو۔ سو تم اس نعمت خداداد (سلطنت نصاریٰ) کی قدر کرو اور یقیناً سمجھ لو کہ خدا تعالیٰ نے سلطنت انگریزی تمہاری بھلائی کیلئے ہی اس ملک میں قائم کی ہے۔ (مجموعہ اشتہارات ج ۳ ص ۵۸۴ مطبوعہ لندن)

اسی طرح مرزا قادیانی کہتا ہے:

آج اگر (ہندوستان میں) مسلمانوں کی بادشاہت ہوتی تو اسطرح ہم کب تبلیغ دین ومقاصد سلسلہ احمدیہ کر سکتے تھے۔ یہ خدا کا فضل وکرم ہوا کہ مسیح موعود کے آنے سے پہلے انگریزوں کی سلطنت کو اللہ تعالیٰ نے بھیج دیا۔ (تذکرۃ الھدیٰ ص ۱۶۰)

گویا مرزا قادیانی کی خواہش تھی کہ ساری دنیا سے مسلمانوں کی حکومت ختم اور کفار کی حکومت قائم ہوتا کہ وہ کھل کر اپنی جھوٹی نبوت کو چلا سکے اور جھوٹے نبی ہمیشہ کفار ہی کے اشارے پر کھڑے ہوتے اور انہی کے مقاصد کی تکمیل کرتے ہیں۔

[19] یعنی مشرکین آج اپنی باہمی خاندانی محبت کی وجہ سے ایک دوسرے کے پیچھے چل کر کفر وشرک کرتے جاتے ہیں مثلاً اگر باپ ہندو، عیسائی یا یہودی ہے تو بیٹے اور پوتے اور ان سے اگلی نسلیں بھی وہی ہوں گی مگر روز قیامت کفار کی ہر پچھلی نسل اپنے سے پہلی نسل پر لعنت کرتے ہوئے کہے گی کہ ہم ان کی وجہ سے جہنمی ہوئے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا ؕ ''جہنم میں جب بھی کوئی جماعت آئے گی تو وہ اپنے ساتھ والی یعنی اپنے سے پہلی جماعت پر لعنت کرے گی۔'' (اعراف:۳۸)

معلوم ہوا روز قیامت جسمانی رشتے کٹ جائیں گے مگر ایمانی رشتے قائم رہیں گے۔ اسی لئے فرمایا گیا: اَلْاَخِلَّآءُ يَوْمَئِذٍۭ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ ﴿٦٧﴾ ''گہرے دوست اس دن ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے سوا متقین کے۔'' (زخرف:۶۷)

[20] حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بابل (عراق) میں عرصہ تک تبلیغ فرمائی مگر آپ کے بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام اور آپ کی عمزاد بہن حضرت سارہ علیہا السلام کے سوا کوئی شخص ایمان نہ لایا۔ چنانچہ آپ نے ان دو افراد کے ساتھ بابل سے فلسطین کی طرف ہجرت فرمائی اسی دوران آپ علیہ السلام نے حضرت سارہ علیہا السلام سے نکاح فرمایا۔ آج فلسطین کے مقام الخلیل میں آپ کا مزار ہے۔ وَقَالَ اِنِّىْ مُهَاجِرٌ اِلٰى رَبِّىْ ؕ سے معلوم ہوا جہاں دین پر عمل مشکل ہو وہاں سے مومن کو ہجرت کر جانا چاہئے۔

[21] فلسطین میں آپ نے کنعان (حبرون) میں ڈیرہ لگایا وہاں اللہ تعالیٰ نے آپ کو حضرت اسحاق علیہ السلام جیسا نبی بیٹا اور حضرت یعقوب علیہ السلام جیسا نبی پوتا عطا فرمایا۔ آگے حضرت یوسف علیہ السلام جیسے نبی پر پوتے کا نام اسی لئے نہ لیا گیا کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وصال کے بعد پیدا ہوئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو دنیا میں یہ جزا دیا کہ نبوت اور کتاب آپکی ذریت میں رکھ دی۔ یعنی آپ کے بعد جتنے انبیاء آئے سب آپ کی ذریّت میں آئے اور جس قدر کتابیں اتریں سب آپ کی ذریت میں انبیاء پر اتریں چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب آپ کی ذریت میں ہیں اور انہی پر زبور، تورات، انجیل اور قرآنِ مجید کا نزول ہوا۔

## عظمتِ ذرّیت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

یاد رہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد نبوت کا دروازہ بند کر کے اس کی جگہ ولایت کا دروازہ کھولا گیا اور جس طرح ذریت

ابراہیمی میں نبوت رکھی گئی اسی طرح ذریت محمدی میں ولایت رکھی گئی اور جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دو بیٹوں حضرت اسحاق اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی نسلوں میں ہزاروں انبیاء کرام بھیجے گئے اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دونوں نواسوں حضرت حسن و حضرت حسین رضی اللہ عنہما (جنہیں آپ اپنے بیٹے قرار دیتے تھے) کی نسلوں میں ہزاروں اولیاء بھیجے گئے چنانچہ سارے ائمہ اہل بیت اپنے ادوار کے اغواث تھے۔ پھر سید الاولیاء سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ بھی اولاد رسول میں سے تھے۔ اسی طرح حضور داتا علی ہجویری اور خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ بھی سادات میں سے تھے اور ''صواعقِ محرقہ'' میں امام ابن حجر فرماتے ہیں کہ ہر دور کا غوث، اولادِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سے ہوتا ہے۔

## ردِّ مرزائیت:

یہ آیت مرزائیت کا بھی خوب رد کر رہی ہے۔ اس لیے کہ اگر مرزا قادیانی بالفرض نبی تھا تو قرآن کے مطابق اسے اولاد ابراہیم علیہ السلام میں ہونا چاہئے تھا۔ کیونکہ اللہ نے فرمایا: وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ۔ اور اولاد ابراہیم کی دو ہی نسلیں معروف ہیں بنی اسرائیل اور بنی اسماعیل۔ اب قادیانی جماعت ثابت کرے کہ مرزا قادیانی ان دونوں میں سے کس نسل سے ہے۔ مگر مرزا قادیانی کو ان میں سے کسی سے بھی ثابت نہیں کیا جا سکتا بلکہ وہ کہتا ہے کہ اس کے الہامات کے مطابق اس کے باپ دادا فارسی الاصل تھے۔ (کتاب البریہ صفحہ ۱۶۲ مندرجہ روحانی خزائن جلد ۱۳ مطبوعہ لندن) اور اسی صفحہ پر لکھا ہے کہ میری قوم مغل برلاس ہے۔ اب کہاں مغل اور کہاں بنی اسرائیل و بنی اسماعیل۔ یہ باتیں صرف مرزائیوں کا منہ بند کرنے کے لیے کر رہے ہیں ورنہ اہل ایمان کے لیے یہی کافی ہے کہ قرآن نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آخری نبی قرار دیا ہے۔ اس لیے آپ کے بعد کوئی شخص نبی بن کر نہیں آ سکتا۔

## اہل تشیع کی خانہ ساز امامتِ منصوصہ کا ردّ

اہل تشیع یہ سمجھتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام وہ پہلے نبی و رسول ہیں جن کو امام بھی بنایا گیا اور ان کی نسل میں نبوت اور امامت دو چیزوں کو رکھا گیا۔ چنانچہ ان کا خیال ہے کہ ارشاد باری تعالیٰ: قَالَ اِنِّيْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ ؕ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ۝۱۲۴ یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''اے ابراہیم (علیہ السلام) میں آپ کو امام بنا رہا ہوں۔ انہوں نے کہا یا اللہ میری اولاد میں بھی امام بنا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میرا وعدہ ظالموں کو نہیں ملے گا۔'' (بقرہ، ۱۲۴) کا معنی یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذریت میں اللہ نے نبوت اور امامت دونوں کو رکھا اور نبوت تو آخری نبی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہ ختم ہو گئی اس کے بعد امامت چلائی گئی۔

اور آگے شیعوں نے بارہ امام خود بنا لیے، مزید وہ یہ بھی سمجھتے ہیں کہ ذریت ابراہیم علیہ السلام میں انبیاء کرام بھی اللہ نے بنائے اور امام بھی اللہ نے بنائے۔ تو جس طرح کسی نبی کا منکر کافر ہے اسی طرح کسی امام کا منکر بھی کافر ہے اور ان کے

نزدیک پہلے امام حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ تو چونکہ ابوبکر وعمر وعثمان (رضی اللہ عنہم) نے پہلے امام کی امامت کو نہیں مانا اور اس کے مقابلہ میں انہوں نے خلافت سنبھال لی اس لیے وہ کافر ہو گئے اور چونکہ تمام صحابہ نے ان کی بیعت کی اس لیے وہ بھی سب کافر ہو گئے۔ (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ)

مگر ہم اہل تشیع سے پوچھتے ہیں کہ اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذریت میں نبوت اور امامت دونوں کو رکھا گیا تھا اور تمہارے نزدیک امامت کا درجہ نبوت سے بھی بلند تر اور اہم تر ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یوں کیوں نہیں فرمایا: وجعلنا فی ذریتہ النبوۃ والامامۃ۔ کہ ہم نے ابراہیم کی ذریت میں نبوت اور امامت رکھی؟ آخر کیا وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زیادہ اہم چیز (امامت) چھوڑ دی اور تھوڑی اہمیت والی چیز (نبوت) کا ذکر کر دیا؟ شیعوں کے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں ہے۔ کیونکہ ان کا عقیدۂ امامت محض من گھڑت ہے جس کی بنیاد پہ وہ تمام صحابہ کرام اور خلفاء راشدین اور امہات المؤمنین کو کافر قرار دیتے ہیں۔ معاذ اللہ

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ ؗ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ

اور لوط (علیہ السلام) کو یاد کرو جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کیا تم ایسی بے حیائی کرتے ہو کہ جہانوں میں سے کسی نے تم سے

اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝۲۸ اَىِٕنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُوْنَ السَّبِيْلَ ۙ۬

پہلے نہ کی تھی کیا تم مردوں سے بدفعلی کرتے اور راستہ کاٹتے ہو

وَتَاْتُوْنَ فِيْ نَادِيْكُمُ الْمُنْكَرَ ؕ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوا

اور اپنی مجلس میں برائی کرتے ہو؟ [22] تو ان کی قوم کا جواب اس کے سوا نہ تھا کہ کہنے لگے:

ائْتِنَا بِعَذَابِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝۲۹ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ عَلَى

تم ہم پر اللہ کا عذاب لے آؤ اگر تم سچے ہو۔ لوط (علیہ السلام) نے کہا اے میرے رب! مجھے فسادی قوم کے مقابلہ میں

الْقَوْمِ الْمُفْسِدِيْنَ ۝۳۰ ع

مدد عطا فرما [23]

ع ۸ ۳ ۱۵

[22] فلسطین کے قریب ہی بستی سدوم تھی جہاں کفر کے علاوہ مردوں میں ہم جنس پرستی بھی پھیلی ہوئی تھی اللہ تعالیٰ نے حضرت لوط علیہ السلام کو نبوت دے کر اہل سدوم کی ہدایت کے لئے بھیجا۔ آپ نے جا کر انہیں سمجھایا کہ تمہارے جیسی بے حیائی تمام اقوام عالم میں سے کسی میں نہیں ہے تم اس قدر بے حیا ہو گئے ہو کہ بھری مجلس میں باہم بدفعلی کرتے ہو اور راستہ

کاٹتے ہو اس کا ایک معنی یہ ہے کہ تم انسانی توالد و تناسل کا راستہ کاٹتے ہو دوسرا یہ معنی ہے کہ وہ لوگ مسافروں راہگیروں کو پکڑ کر ان سے بدفعلی کرتے تھے چنانچہ لوگوں نے ادھر سے گزرنا چھوڑ دیا۔

[23] اہل سدوم کو کہنا چاہئے تھا اے لوط علیہ السلام! اگر آپ اللہ تعالیٰ کے سچے نبی ہیں تو دعا کریں اللہ تعالیٰ ہمیں آپ کی اتباع پر لگائے مگر اس کی بجائے ان بدبختوں نے کہا اگر آپ سچے نبی ہیں تو ہم پر عذاب لے آئیں تو ان پر عذاب آ گیا۔

وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مُهْلِكُوْٓا اَهْلِ هٰذِهِ

اور بلاشبہ ہمارے فرستادہ فرشتے ابراہیم (علیہ السلام) کے پاس (بیٹے کی) بشارت لائے اور کہنے لگے ہم اس بستی (سدوم) کو ہلاک کرنے

الْقَرْيَةِ ۚ اِنَّ اَهْلَهَا كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ۝۳۱ ۚۖ قَالَ اِنَّ فِيْهَا لُوْطًا ۗ قَالُوْا نَحْنُ

والے ہیں، اس کے باشندے ظالم ہیں [24] ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا اس میں تو لوط (علیہ السلام) بھی ہیں؟ وہ کہنے لگے: ہم

اَعْلَمُ بِمَنْ فِيْهَا ۫ لَنُنَجِّيَنَّهٗ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۫ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ۝۳۲

خوب جانتے ہیں جو بھی وہاں ہے۔ ہم لوط (علیہ السلام) اور ان کے اہل خانہ کو بچا لیں گے، سوا ان کی بیوی کے جو (عذاب میں) رہ جانے والی ہے۔

وَلَمَّآ اَنْ جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِیْٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّقَالُوْا لَا

اور جب ہمارے فرستادہ فرشتے لوط (علیہ السلام) کے پاس آئے تو انہیں ناگوار لگا اور ان کا دل تنگ ہوا۔ فرشتے کہنے لگے

تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ ۫ اِنَّا مُنَجُّوْكَ وَاَهْلَكَ اِلَّا امْرَاَتَكَ كَانَتْ مِنَ

آپ خوف نہ کریں اور غم نہ رکھیں ہم آپ کو اور آپ کے اہل خانہ کو بچا لیں گے سوا آپ کی بیوی کے، وہ رہ جانے

الْغٰبِرِيْنَ ۝۳۳ اِنَّا مُنْزِلُوْنَ عَلٰٓى اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا

والوں میں سے ہے۔ ہم اس بستی پر آسمان سے عذاب اتارنے والے ہیں۔

كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ۝۳۴ وَلَقَدْ تَّرَكْنَا مِنْهَآ اٰيَةًۢ بَيِّنَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝۳۵

ان کی بدکاری کے سبب [25] اور ہم نے عقل والوں کے لئے اس کی ایک کھلی نشانی باقی چھوڑ دی [26]

## مختلف انبیاء کا ذکر اور ان کے دشمنوں کا بیان

[24] حضرت جبرائیل علیہ السلام فرشتوں کی جماعت کے ساتھ اہل سدوم کے لئے عذاب لے کر اترے مگر پہلے وہ حضرت

ابراہیم علیہ السلام کے پاس گئے۔ ان کے ہاں اولاد نہ تھی ان کی بیوی حضرت سارہ علیہا السلام بوڑھی ہوگئی تھیں فرشتوں نے انہیں بیٹے کی بشارت دی اور اس بشارت کے مطابق حضرت اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے۔ پھر فرشتوں نے انہیں بتایا کہ وہ اہل سدوم پر عذاب لے کر اترے ہیں۔ کیونکہ وہ شرک جیسے ظلم کے علاوہ ہم جنس پرستی کر کے خود پر ظلم کرتے ہیں۔

[25] حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرشتوں سے کہا سدوم میں تو حضرت لوط علیہ السلام بھی رہتے ہیں یعنی ان کے ہوتے ہوئے وہاں عذاب کیسے آئے گا؟ فرشتوں نے کہا ہمیں معلوم ہے وہاں کون کون رہتا ہے ہم عذاب سے قبل حضرت لوط علیہ السلام کو ان کے اہل خانہ سمیت وہاں سے نکال لیں گے البتہ ان کی بیوی وہیں رہ جائے گی کیونکہ اپنے کفر کی وجہ سے وہ ہلاک ہونے والوں میں شامل ہے۔ پھر فرشتے حضرت لوط علیہ السلام کے پاس خوبصورت لڑکوں کی صورت میں آئے تاکہ جب قوم ان کی طرف بُرے ارادہ سے بڑھے تو انہیں موقع واردات پر پکڑ لیا جائے۔ چنانچہ خوبصورت لڑکوں کو دیکھ کر حضرت لوط علیہ السلام کا دل تنگ ہوا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اہل سدوم بے حیا ہیں وہ باہر سے آنے والے مسافروں سے بدفعلی کرتے ہیں۔ فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام کو بتایا کہ وہ انسان نہیں فرشتے ہیں لہٰذا آپ خوف نہ رکھیں اور قوم کے عذاب سے غم نہ کریں کہ یہ اسی عذاب کے لائق ہیں۔ البتہ ہم آپ کو آپ کے اہل خانہ سمیت بچا لیں گے سوا آپ کی بیوی کے اس کے بعد ہم اس قوم پر آسمان سے عذاب اتاریں گے۔

یہاں سے چار فوائد حاصل ہوئے:

(۱) قوم پرستی کی لعنت:

حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی اہل سدوم میں سے تھی آپ عراق سے آئے تھے اور یہاں شادی کی تھی۔ آپ کی بیوی نے اپنے شوہر اور اپنے نبی پر اپنی قوم کی محبت کو ترجیح دی۔ اور ہلاک ہوگئی کیونکہ وہ قوم پرستی کی لعنت میں گرفتار تھی۔

(۲) نبی کی موجودگی میں قوم پر عذاب نہیں آتا:

اہل سدوم پر عذاب لانے سے قبل حضرت نوح علیہ السلام کو وہاں سے نکال دیا گیا۔ اسی لئے فرمایا گیا: وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ؕ اے پیارے رسول! جب تک آپ ان میں ہیں اللہ انہیں عذاب نہیں دے گا۔ (انفال: ۳۳) اب حضرت لوط علیہ السلام ایک بستی کے رسول تھے تو انہیں عذاب سے قبل اس بستی سے نکال لیا گیا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ساری کائنات کے رسول ہیں رحمۃ للعالمین ہیں اس لئے آپ کی بعثت کے بعد دنیا کے تمام کفار سے وہ عذابات اٹھا لئے گئے جو پہلی امتوں کے کفار پر آتے تھے۔ آج اہل یورپ نے لواطت کو قانوناً جائز قرار دیا ہے اور یورپ میں لواطت کے باقاعدہ مراکز ہیں۔ اور ہم نے برطانیہ میں ڈاکٹروں کی سرجریز اور ہسپتالوں میں گورنمنٹ کی طرف سے چھپے ہوئے کتابچے دیکھے ہیں جن میں لواطت کے آسان اور محفوظ طریقے بتائے گئے ہیں۔ استغفر اللہ، اسکے باوجود اہل یورپ پر قوم لوط والا عذاب نہیں آیا یہ بعثتِ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صدقہ ہے۔ اگر آج حضور سید کائنات کی رحمت کا سایہ نہ ہوتا

تو یورپ عذاب سے ہلاک ہو چکا ہوتا۔

(۳) لواطت کی سزا قتل ہے:

اہل سدوم کو لواطت کے سبب ہلاک کر دیا گیا۔ اسی طرح لوطی کو سزائے موت دی جا سکتی ہے خواہ وہ فاعل ہو یا مفعول۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: فاعل و مفعول دونوں کو قتل کر دو۔ (ابوداؤد کتاب الحدود باب ۲۸۔ ترمذی کتاب الحدود باب ۲۴)

(۴) اورل سیکس لواطت سے بدتر اور بڑا گناہ ہے:

بیوی سے بھی لواطت حرام ہے۔ حدیث مبارکہ میں اس پر لعنت وارد ہوئی ہے۔ (درمنثور جلد ۳ صفحہ ۴۹۷ مطبوعہ بیروت) اور (oral sex) اورل سیکس (عورت کے منہ کو استعمال کرنا) اس سے بدتر گناہ اور شدید حرام ہے۔ جب لواطت حرام ہے حالانکہ وہ گندگی کا راستہ ہے تو منہ اللہ کے ذکر کی جگہ ہے۔ اس کا اس کام کے لئے استعمال لواطت سے بدتر فعل ہے۔

[26] اہل سدوم پر برسائے جانے والے پتھر دنیا میں موجود ہے حتیٰ کہ بعض صحابہ نے دیکھے اور آج اردن میں بحر مردار اس جگہ پر ہے جہاں بستی سدوم تھی اس کا پانی بدبودار ہے۔

وَاِلٰى مَدۡيَنَ اَخَاهُمۡ شُعَيۡبًا ۙ فَقَالَ يٰقَوۡمِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ وَارۡجُوا الۡيَوۡمَ الۡاٰخِرَ

اور قوم مدین کی طرف ہم نے ان کے قومی بھائی شعیب (علیہ السلام) کو بھیجا تو انہوں نے کہا اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو اور روز آخرت کی امید رکھو

وَلَا تَعۡثَوۡا فِى الۡاَرۡضِ مُفۡسِدِيۡنَ ﴿۳۶﴾ فَكَذَّبُوۡهُ فَاَخَذَتۡهُمُ الرَّجۡفَةُ

اور زمین میں فساد نہ پھیلاؤ انہوں نے آپ کو جھٹلایا تو انہیں زلزلے نے آ پکڑا

فَاَصۡبَحُوۡا فِىۡ دَارِهِمۡ جٰثِمِيۡنَ ﴿۳۷﴾ وَعَادًا وَّثَمُوۡدَا۟ وَقَدْ تَّبَيَّنَ لَكُمۡ مِّنۡ

پھر وہ اپنے گھر میں اوندھے مرے پڑے تھے۔ [27] اور قوم عاد وثمود کو یاد کرو اور تمہارے لئے ان کی بستیاں

مَّسٰكِنِهِمۡ ۖ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيۡطٰنُ اَعۡمَالَهُمۡ فَصَدَّهُمۡ عَنِ السَّبِيۡلِ

واضح ہو چکی ہیں اور شیطان نے ان کے بُرے اعمال انہیں خوبصورت کر کے دکھائے پھر انہیں راہ حق سے روک دیا

وَكَانُوۡا مُسۡتَبۡصِرِيۡنَ ﴿۳۸﴾ ۙ وَقَارُوۡنَ وَفِرۡعَوۡنَ وَهَامٰنَ ۖ وَلَقَدۡ جَآءَهُمۡ

حالانکہ وہ اہل بصیرت تھے [28] اور قارون، فرعون اور ہامان کو یاد کرو، ان کے پاس موسیٰ (علیہ السلام)

مُّوۡسٰى بِالۡبَيِّنٰتِ فَاسۡتَكۡبَرُوۡا فِى الۡاَرۡضِ وَمَا كَانُوۡا سٰبِقِيۡنَ ﴿۳۹﴾ ۚ

واضح دلائل لے کر آئے تو انہوں نے زمین میں تکبر کیا حالانکہ وہ ہم پر سبقت نہیں لے جا سکتے تھے۔ [29]

[27] حضرت شعیب علیہ السلام کو اہل مدین میں بھیجا گیا۔ مدین خلیج عقبہ کے مشرقی ساحل پر ایک علاقہ تھا جو آج کل شمالی سعودیہ میں شامل ہے یہ لوگ مشرک ہونے کے ساتھ ساتھ ناپ تول میں کمی کرتے تھے۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے انہیں روکا مگر وہ باز نہ آئے آخر جبرائیل علیہ السلام نے ان پر خوفناک چیخ ماری جس سے شدید زلزلہ آیا اور ساری قوم منہ کے بل گر پڑی اور یکدم سب مر گئے۔

[28] قوم عاد حدودِ یمن میں آباد تھی اور قوم ثمود حدودِ شام میں۔ (آج کل قوم ثمود کا علاقہ سعودیہ میں شامل ہے) اور کفار مکہ شام و یمن کے تجارتی سفروں میں دونوں قوموں کے کھنڈرات دیکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ شیطان نے ان قوموں کے لئے ان کے بُرے اعمال کو اچھے کر کے پیش کیا اور وہ اپنے کفر پر فخر کرنے لگے یوں شیطان نے ان کی مت ماردی حالانکہ وہ اہل بصیرت تھے۔ گویا جو بصیرت دین کے کام نہ آئے وہ بیکار ہے۔

[29] قارون، بنی اسرائیل میں سے تھا اور منافقت سے کلمہ پڑھتا تھا اندر سے فرعون کا ساتھی اور اپنی قوم کا غدار تھا۔

اس غداری کے صلہ میں فرعون نے اس پر خزانوں کے منہ کھول دیئے تھے اور ہامان فرعون کا وزیر اعظم تھا۔ ان لوگوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کے مقابلہ میں تکبر سے کام لیا جو انہیں لے ڈوبا۔

فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ

تو ہم نے ہر کسی کو اس کے گناہ کے سبب پکڑ لیا۔ چنانچہ ان میں سے کسی پر ہم نے تیز ہوا بھیجی اور ان میں سے کسی کو

اَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ

چیخ نے آ پکڑا اور ان میں سے کسی کو ہم نے زمین میں دھنسا دیا اور ان میں سے کسی کو ہم نے

اَغْرَقْنَا ۚ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝٤٠

غرق کر دیا اور اللہ ان پر ظلم کرنے والا نہ تھا بلکہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے تھے [30]

[30] یعنی گزشتہ آیات میں مذکور اقوام میں سے ہر کسی کو اللہ تعالیٰ نے اس کے گناہ کے سبب پکڑا چنانچہ قوم عاد پر تیز ہوا چلی جس نے انہیں اٹھا اٹھا کر سر کے بل زمین پر پھینکا اور ان کے بھیجے نکال دیئے۔ قوم مدین پر حضرت جبرائیل علیہ السلام نے چیخ ماری جیسا کہ ابھی گزرا۔ قارون کو اس کے خزانہ سمیت زمین میں دھنسا دیا گیا اور فرعون و ہامان کو ان کے لشکروں سمیت سمندر میں غرق کر دیا گیا اللہ تعالیٰ نے ان پر کچھ ظلم نہ کیا بلکہ وہ اپنی جانوں پر خود ظلم کرتے تھے ان کے پاس انبیاء بھیجے گئے مگر انہوں نے انبیاء کو جھٹلا کر شیطان کی بات پر عمل کیا۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ ۚ

جو لوگ اللہ کے مقابلہ میں مددگار پکڑتے ہیں ۔ان کی مثال مکڑی کی طرح ہے

اِتَّخَذَتْ بَيْتًا ؕ وَاِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ ۘ لَوْ كَانُوْا

جس نے ایک گھر بنایا اور سب گھروں میں سے کمزور تر گھر مکڑی ہی کا ہے اگر

يَعْلَمُوْنَ ﴿٤١﴾ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ؕ وَهُوَ

وہ جانیں [31] بے شک اللہ جانتا ہے جو چیز بھی وہ اللہ کے سوا پوجتے ہیں اور وہ

الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿٤٢﴾ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا

غالب ہے حکمت والا ہے۔ اور ہم لوگوں کو یہ مثالیں بیان کرتے ہیں اور ان کو (مثالیں) علم والے ہی

الْعٰلِمُوْنَ ﴿٤٣﴾ خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً

سمجھتے ہیں [32] اللہ نے آسمانوں اور زمین کو برحق پیدا کیا بے شک اس میں مؤمنین کے لئے

لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٤٤﴾ ع

بڑی نشانی ہے۔[33]

وقف لازم

[31] اللہ تعالیٰ نے بت پرستوں کے سمجھانے کے لئے فرمایا کہ اللہ کو چھوڑ کر بتوں سے فریاد کرنے والوں کی حالت مکڑی کی طرح ہے۔مکڑی گھروں کی چھتوں اور درختوں وغیرہ پہ جالا بناتی ہے جو اس کا گھر ہے اور وہ سب سے کمزور تر گھر ہے۔کیونکہ سب سے پختہ گھر وہ ہے جو پتھروں اینٹوں وغیرہ سے بنایا جائے۔اس سے کمزور وہ گھر ہے وہ ہے جو مٹی اور گارے سے بنایا جائے۔اس سے کمزور وہ ہے جو کپڑے سے بنایا جائے جیسے خیمہ اور مکڑی کا گھر سب سے کمزور تر ہے، ہوا کا ایک جھونکا اس کے تار و پود بکھیرنے کو کافی ہے اور یہ گھر مکڑی کو کسی سردی گرمی وغیرہ سے بچا نہیں سکتا۔یہی حال بت پرستوں کا ہے جیسے مکڑی کا جالا اسے کچھ فائدہ یا سہارا نہیں دے سکتا یونہی بت بھی کسی کو کچھ فائدہ یا سہارا نہیں دے سکتے۔

## مکڑی کی مثال اور حقیقتِ دنیا

مکڑی کی مثال دنیا پرستوں کو بھی ہدایت دیتی ہے مکڑی اپنے گرد جالا بُنتی رہتی ہے وہ اسے اپنا گھر سمجھتی ہے حالانکہ

وہ اس میں پھنستی چلی جاتی ہے گویا وہ قید خانہ کو اپنا گھر سمجھتی ہے اور اس کا بنا ہوا جالا ہوا کے ایک جھونکے یا جھاڑو کی ایک ضرب سے ختم ہو جاتا ہے۔ یونہی دنیا دار انسان اپنے گرد اسباب دنیا کا جالا بنتا رہتا ہے اور وہ اس قید خانۂ دنیا کو اپنا حقیقی گھر سمجھ لیتا ہے۔ مگر دست موت کی ایک ضرب اس کی دنیا کا جالا توڑ کر رکھ دیتی ہے۔ مومن کو چاہیے کہ وہ اپنے گرد اسباب دنیا کا بیکار جالا بننے کی بجائے آخرت کی بہتری کا سامان کرلے۔ یاد رہے کہ مکڑی کا جالا سب سے کمزور تر گھر ہے مگر جب اللہ تعالیٰ چاہے تو کمزور تر چیز سے مضبوط تر کام لے لیتا ہے۔ چنانچہ غار ثور میں رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی حفاظت مکڑی کے جالے سے ہی کی گئی۔

یہ آیت بتوں کے حق میں اتری ہے۔ چنانچہ امام بغوی اور امام خازن اس آیت کے تحت فرماتے ہیں: ای الاصنام یرجون نصرھا ونفعھا۔ ''یعنی اس سے بت مراد ہیں جن سے کفار مدد اور نفع کی امید رکھتے ہیں۔'' (بغوی وخازن جلد ۵ صفحہ ۱۹۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت) امام ابن کثیر فرماتے ہیں: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کی مثال دی ہے جو اللہ تعالیٰ کے سوا جھوٹے خدا بنا لیتے اور ان سے مدد اور رزق مانگتے تھے۔ (تفسیر ابن کثیر جلد ۳ صفحہ ۴۲۴ مطبوعہ دار المعرفہ بیروت) قریباً ایسا ہی کلام امام قرطبی، امام رازی اور دیگر اجلہ مفسرین نے کیا ہے۔ اس کے باوجود آج نجدی فکر کے لوگ اس آیت کو انبیاء و اولیاء پر لگاتے ہیں۔ یعنی کہتے ہیں کہ لوگ ان سے مدد مانگتے ہیں ان کی مثال مکڑی جیسی ہے۔

مگر یہ استدلال افسوس ناک ہے۔ کفار کے حق میں اترنے والی آیات کو مسلمانوں پہ لاگو کرنا خوارج کا کام ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے تھے: 'خوارج بدترین مخلوق ہیں کہ مشرکوں کے بارے میں نازل ہونے والی آیات کو مومنوں پہ لاگو کرتے ہیں۔'' (بخاری کتاب استتابۃ المرتدین، باب ۶)

[32] جیسے اللہ تعالیٰ نے مکڑی کی مثال دی ہے یونہی ایک جگہ اللہ تعالیٰ نے بتوں کی بے بسی کو مکھی کی مثال سے واضح کیا۔ (حج: ۷۳) اور ان مثالوں سے علم والے ہی فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اور حدیث کے مطابق علم کی انتہا خوف خدا ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: رَأْسُ الْعِلْمِ مَخَافَةُ الله۔ ''علم کا سب سے اعلیٰ درجہ اللہ تعالیٰ کا خوف ہے۔'' (کنز العمال حدیث ۵۸۷۳) یعنی خوفِ خدا والے ہی قرآن کی مثالوں سے عبرت پکڑتے ہیں۔ اسی لئے فرمایا گیا: هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ۔ ''قرآن ڈرنے والوں کے لئے ہدایت ہے۔'' (بقرہ: ۲)

[33] یعنی اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کو بے فائدہ و بیکار نہیں بنایا بلکہ آسمان و زمین کی ہر چیز کسی اعلیٰ مقصد کے لئے بنائی گئی ہے اور اس میں مؤمنین کے لئے نشانی ہے تاکہ وہ سمجھیں کہ اس کائنات کا بنانے والا ہی مستحق عبادت ہے۔

اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنَ الْکِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ ؕ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْهٰی

اے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ کی طرف جو کتاب وحی کی گئی اسے پڑھیں اور نماز قائم رکھیں۔ بے شک نماز

عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ ؕ وَلَذِکْرُ اللّٰهِ اَکْبَرُ ؕ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ ۝۴۵

بے حیائی اور بُرے کام سے روکتی ہے۔ اور اللہ کا ذکر بڑا ہے اور اللہ جانتا ہے جو تم کرتے ہو۔ [34]

## حقانیت قرآن پر دلائل اور منکرین کے اعتراضات کا جواب

[34] اس سے قبل متعدد انبیاء سابقین کا تذکرہ تھا۔ اب نبی آخر الزمان کی نبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور کتاب کا ذکر ہے۔ تو فرمایا گیا کہ اے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ پر جو کتاب اتاری گئی آپ اس کی تلاوت فرمائیں اور نماز قائم کریں۔ یعنی نماز میں قرآن پڑھیں کیونکہ نماز بے حیائی اور بُرے کاموں سے روکتی ہے۔ بے حیائی سے وہ امور مراد ہیں جو سب ادیان کے نزدیک ناجائز ہیں جیسے جھوٹ، چوری، ڈاکہ وغیرہ۔ اور منکر وہ امور ہیں جن کی اسلام نے حرمت بیان کی جیسے زنا، شراب نوشی، سود خوری وغیرہ۔

آگے فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر بڑا ہے۔ اس کا ایک مفہوم یہ ہے کہ نماز اللہ کا ذکر ہے اور اللہ کا ذکر سب سے بڑی عبادت ہے۔ اسی لئے فرمایا گیا: اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ ۝۱۴ ''میرے ذکر کے لئے نماز قائم کرو۔'' (طٰہٰ:۱۴) وَذَکَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰی ۝۱۵ ''اس نے اپنے رب کے نام کا ذکر کیا اور نماز پڑھی۔'' (اعلیٰ:۱۵)

دوسرا مفہوم یہ ہے کہ جب بندہ نماز پڑھے تو اللہ تعالیٰ بندے کا ذکر کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا اپنے بندے کو یاد کرنا زیادہ بڑی بات ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے جب بندہ نماز میں بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے نے مجھے یاد کیا ہے۔ جب وہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے نے میری حمد کہی ہے جب وہ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے نے میری ثنا کہی ہے۔ جب وہ مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے نے میری بزرگی بیان کی ہے جب وہ اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ آخر تک کہتا ہے تو اللہ فرماتا ہے میرا بندہ مجھ سے جو مانگے گا میں اس کو دوں گا۔

(درمنثور بروایت دار قطنی وبیہقی جلد ا صفحہ ۱۸)

### قرأت قرآن نماز میں فرض ہے

اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنَ الْکِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ ؕ کہہ کر بتایا گیا کہ تلاوت قرآن کی ایک صورت

اقامت صلوٰۃ ہے جوفرض ہے لہذا قرأت بھی فرض ٹھہری۔ اسی لئے فرمایا: یٰٓاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۙ﴿۱﴾ قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا ۙ﴿۲﴾ نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِیْلًا ۙ﴿۳﴾ اَوْ زِدْ عَلَیْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا ؕ﴿۴﴾ یعنی ''اے چادر پوش محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ رات کو نماز تہجد پڑھیں مگر کچھ وقت آرام کریں۔ آدھی رات یا اس سے کم وبیش اور قرآن ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں۔'' (مزمل:۱) گویا نماز میں قرآن کا پڑھنا فرض کیا گیا۔ دراصل ابتداء میں صرف نماز تہجد ہی فرض کی گئی اور اس میں قرآن کا پڑھنا فرض کیا گیا بعد میں جب پانچ نمازیں فرض کی گئی تو تہجد کو نفل بنا دیا گیا مگر طریقۂ نماز وہی رہا۔ اور چونکہ نماز میں قرأت فرض ہے اس لیے ہر مسلمان پر فرض عین ہے کہ قرآن کو اسقدر درست تلفظ کیساتھ پڑھے کہ قرآن کے معانی میں فرق نہ آئے۔

## نماز بے حیائی اور بُرے کاموں سے روکتی ہے

کیونکہ حدیث مبارکہ کے مطابق نماز اس طرح پڑھنی چاہیئے کہ ہم اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہے ہیں۔ نہیں تو کم از کم یہ خیالی ضرور کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں دیکھ رہا ہے اور اس تصور کے ساتھ پڑھی جانے والی نماز یقیناً **فحشاء و منکر** سے روک دیتی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ''ایک انصاری نوجوان نماز بھی پڑھتا تھا اور بے حیائی کے کام بھی کرتا تھا۔ نبی اکرم نور مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کا ماجریٰ کہا گیا آپ نے فرمایا اس کی نماز ایک دن اسے اس سے روک دے گی۔ چند دن بعد اس نے توبہ کی اور اس کا حال بہتر ہو گیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا میں نہ کہتا تھا کہ اس کی نماز ایک دن اسے روک دے گی؟'' (بغوی جلد ۵ صفحہ ۱۹۵)

کہتے ہیں ایک چور چوری کرنے لگا۔ گھر والے جاگ اٹھے اس کے پیچھے دوڑے وہ بھاگ کر کسی مسجد میں داخل ہو گیا اور (شائد بے وضوء ہی) نماز میں کھڑا ہو گیا۔ اس کا پیچھا کرنے والے لوگوں نے دیکھا مسجد میں ایک نمازی نماز پڑھ رہا ہے وہ اسے چھوڑ کر چلے گئے۔ بعد میں اس نے توبہ کی اور کہا اے اللہ تعالیٰ! آج میں نے جھوٹی نماز پڑھی۔ تو نے مجھے دنیا کی رسوائی سے بچا لیا۔ اگر میں سچی نماز پڑھوں تو یقیناً تو مجھے آخرت کی رسوائی سے بچا لے گا۔ پھر اس نے چوری سے توبہ کر لی اور نیک نمازی مسلمان بن گیا۔ اسی طرح حکایت کی جاتی ہے کہ ایک نوجوان کسی عورت کی محبت میں گرفتار ہو گیا۔ عورت نے کہا اگر تم چالیس دن تک مسجد میں پابندی سے نماز پڑھو تو میں تم سے شادی کرلوں گی۔ اس نے چالیس دن مسجد میں ڈیرہ لگا لیا پھر عورت نے اسے پیغام نکاح بھیجا۔ نوجوان نے کہا اب میرے دل میں تیری جگہ پر اللہ کی محبت سا گئی ہے اب مجھے تمہاری ضرورت نہیں۔ گویا یقیناً نماز بیحیائی اور بُرے کاموں سے روکتی ہے۔

بعض لوگ نماز بھی پڑھتے ہیں اور بُرے کام بھی نہیں چھوڑتے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ درست نماز نہیں پڑھتے ہمارا تلاوت قرآن کا تلفظ خراب ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ کہہ دو اللہ ایک ہے۔ ہم پڑھتے ہیں **کُل ھو اللہ اھد** جس کا معنی ہے ''کہ کھا جاؤ اللہ بزدل ہے''، (معاذ اللہ) جب ہم یوں نماز پڑھیں گے تو کیا تاثیر آئے گی۔

ہم رکوع وسجود صحیح نہیں کرتے جلدی جلدی نماز سے فارغ ہونا چاہتے ہیں پھر نمازوں میں حضور قلب نہیں ہوتا۔ ہم نماز میں ٹیکسی بھی چلاتے رہتے ہیں۔ سودا بھی بیچ رہے ہوتے ہیں اور دوستوں سے میٹنگ بھی کر رہے ہوتے ہیں۔ ایسی نمازیں بے تاثیر ہیں اگر نماز کو اس کے ظاہری و باطنی آداب کے ساتھ پڑھا جائے تو یقیناً وہ بُرے کاموں سے روکے گی۔

| وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۖ اِلَّا الَّذِيْنَ |
|---|
| اور اہل کتاب سے صرف اچھے طریقہ کے ساتھ ہی بحث کرو سوا ان کے جنہوں نے |
| ظَلَمُوْا مِنْهُمْ وَقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَاُنْزِلَ اِلَيْكُمْ |
| ان میں سے ظلم کیا اور کہو کہ ہم اس پر ایمان لائے جو ہماری طرف اتارا گیا اور اس پر بھی جو تمہاری طرف اتارا گیا |
| وَاِلٰهُنَا وَاِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ |
| اور ہمارا اور تمہارا خدا ایک ہے اور ہم اسی کے آگے سر جھکانے والے ہیں [35] اور اسی طرح ہم نے آپ کی طرف |
| الْكِتٰبَ ۭ فَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۚ وَمِنْ هٰٓؤُلَاۗءِ مَنْ |
| کتاب اتاری ہے تو جنہیں ہم نے (پہلے) کتاب دی تھی وہ اس پر ایمان لاتے ہیں اور ان (مشرکین) میں سے بھی کچھ اس پر |
| يُّؤْمِنُ بِهٖ ۭ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الْكٰفِرُوْنَ ۝ |
| ایمان لاتے ہیں اور ہماری آیات سے صرف ضدی منکر لوگ ہی انکار کرتے ہیں۔ [36] |

[35] اہل کتاب چونکہ مشرکین کی نسبت مسلمانوں سے قریب تر ہیں۔ اس لئے فرمایا گیا کہ اہل کتاب سے اچھی بحث کر کے انہیں دعوت اسلام دو اچھی بحث یہ ہے کہ دلیل سے بات کی جائے جس میں دل آزاری کی بجائے خوش خلقی اور ہمدردی ہو۔ البتہ جو ظالم ہیں ان سے انہی کی زبان میں بات کی جائے، یعنی اگر کوئی اہل کتاب اللہ و رسول کی گستاخی کرے تو اس سے خوش خلقی کی بجائے سختی سے نمٹا جائے۔ ایک یہودی نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا تمہارا اللہ فقیر ہے ہم سے قرض مانگتا ہے (اس نے اس آیت پر اعتراض کیا: اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا۔ "اگر تم اللہ کو قرض حسن دو تو وہ تمہیں بڑھا کر لوٹائے گا" (تغابن: ۱۷) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسے تھپڑ رسید کر دیا۔ تب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں یہ آیت اتاری: لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ۔ (آل عمران: ۱۸۱)

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اہل کتاب سے کہو کہ ہم اپنی کتاب (قرآن) پر بھی ایمان رکھتے ہیں اور تمہاری کتابوں (تورات وانجیل وغیرہ) پر بھی ہمارا ایمان ہے یعنی جب ہم تمہاری کتابوں کو مانتے ہیں تو تم قرآن پر ایمان کیوں نہیں لاتے؟ اور ہمارا تمہارا خدا ایک ہی ہے لہٰذا اس نے جو بھی کتاب اتاری یا جو بھی رسول بھیجا ہے ہمیں اس کی اطاعت کرنی چاہئے خواہ وہ رسول موسیٰ وعیسیٰ علیہما السلام ہوں یا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوں۔

یہاں سے تین فوائد حاصل ہوئے:

(۱) اسلام ہمیں کفار سے بھی خوش خلقی برتنے کا حکم دیتا ہے: مگر افسوس ہے کہ ہم کفار سے تو خوش خلقی برتتے ہیں کیونکہ وہ ہم سے سیاسی طور پر طاقتور ہیں اور آپس میں ہم بد خلق ہو گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے لیے فرمایا: اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ کہ وہ کفار پہ سخت اور آپس میں رحیم ہوتے ہیں۔ مگر ہماری حالت یہ ہے کہ رحماء للکفار اشداء بینھم۔

(۲) اسلام خوش خلقی کا درس دیتا ہے دہشت گردی کا نہیں: وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں اہل کتاب یہود ونصاریٰ کے ساتھ رواداری وخوش خلقی کا معاملہ کرنے کا حکم فرمایا ہے دہشت گردی کرنے کا نہیں۔ اگر اس کے باوجود اسلام کو دہشت گردی سکھانے والا مذہب کہا جائے تو ایسا کہنے والوں کو شرم آنی چاہیے۔ اس کے برعکس آج کشمیر فلسطین افغانستان اور عراق میں مسلمانوں سے دہشت گردی کی جا رہی ہے اور الٹا مسلمانوں کو دہشت گرد کہا جاتا ہے۔

(۳) تورات وانجیل کی جو باتیں قرآن وحدیث سے غیر متصادم ہیں انہیں مان لینا چاہئے: جیسا کہ قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَاُنْزِلَ اِلَيْكُمْ سے ظاہر ہے۔ اس سے اسرائیلیات کا حکم معلوم ہو گیا کہ ان میں سے جو چیز اُنْزِلَ اِلَيْنَا کے مطابق ہو اسے ہم مانیں گے۔ جو نہ ہو تو نہیں مانیں گے۔ چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اہل کتاب تورات کا ترجمہ عبرانی سے عربی میں کر کے مسلمانوں کو بتاتے تھے (اور ترجمہ کرتے ہوئے اپنی مرضی چلاتے تھے) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم اہل کتاب کی نہ تصدیق کرو نہ تکذیب بلکہ کہو: اٰمَنَّا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَاُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَاِلٰهُنَا وَاِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۴۶﴾ (بخاری کتاب التوحید باب ۵۱ حدیث ۷۵۴۲)

[36] یعنی اہل کتاب میں سے کئی لوگ قرآن پر ایمان لے آتے ہیں اور مشرکین میں سے بھی بعض لوگ اس پر ایمان لاتے ہیں۔ چنانچہ آج جہاں یورپ وامریکہ میں ہزاروں عیسائی اسلام لا رہے ہیں وہاں ہندوستان، کشمیر اور جاپان وغیرہ میں کئی ہندو بھی مسلمان ہو رہے ہیں یہ صداقتِ قرآن کی ایک دلیل ہے۔

## غیر مسلمین میں نفوذِ اسلام

اگر اس کی ایک جھلک دیکھنی ہو تو ''ہم مسلمان کیوں ہوئے'' نامی کتاب پڑھیں جس میں نوے نامور غیر مسلموں کے

اسلام لانے کے ایمان افروز واقعات لکھے گئے ہیں، جن میں سے ایک مولانا عبید اللہ سندھی ہیں جو سکھ خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ عنفوان شباب میں اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں اسلام کی شمع روشن کی وہ اسلام لے آئے خاندان نے ان کو اسلام سے برگشتہ کرنے کی پوری کوشش کی مگر وہ کوہِ استقامت بن کر دین پر ڈٹے رہے۔ پھر جب انہوں نے اپنے ایمان کو خطرے میں محسوس کیا تو ہندوستان سے بھاگ کر سندھ چلے آئے۔ پھر انہوں نے علوم دینیہ سیکھنے شروع کیے پھر اتنے بڑے عالم دین بنے کہ آج حدیث کی کتب صحاح ستہ پر ان کے عربی حواشی موجود ہیں اور حدیث کا کوئی طالب علم ایسا نہیں جو ان کی شخصیت اور کام سے واقف نہ ہو۔ 1944 میں لاہور میں فوت ہوئے۔

اسی طرح امریکہ میں میلکم ایکس نام کا ایک سیاہ فام شخص مسلمان ہوا اس کا اسلامی نام محمد شہباز رکھا گیا پہلے وہ ایک گمراہ آدمی محمد عالیجاہ کے ہتھے چڑھ گیا مگر پھر اللہ تعالیٰ نے اسے سیدھے راستہ پر ڈال دیا اس کی تبلیغ سے امریکہ میں قریباً پچیس لاکھ سیاہ فام عیسائی اسلام لائے جن میں سے ایک دنیائے باکسنگ کا بے تاج بادشاہ محمد علی کلے بھی تھا جسے امریکی گورنمنٹ نے صرف اسلام لانے کے جرم میں جیل میں ڈالا اور اسے شکست سے دوچار کرنے کی تمام کوششیں کیں مگر اللہ تعالیٰ اسے ہر میدان میں اسلام کی برکت سے فتح پر فتح دیتا رہا جس کا یہ اثر ہوا کہ امریکہ میں تیزی سے اسلام پھیلا اور آج وہاں مسلمانوں کی تعداد اسّی (۸۰) لاکھ سے تجاوز کر رہی ہے۔ اور ایک کروڑ کے قریب پہنچ رہی ہے۔ پھر امریکی گورنمنٹ نے میلکم ایکس یعنی محمد شہباز کو خفیہ طریقے سے قتل کروا دیا ابھی اس کی عمر صرف پینتیس برس تھی۔ الغرض اللہ تعالیٰ کا یہ کلام اپنی سچائی دکھا رہا ہے کہ فَالَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۚ الخ "جنہیں ہم نے (پہلے) کتاب دی تھی وہ اس (قرآن) پر ایمان لاتے ہیں۔"

| |
|---|
| وَمَا كُنۡتَ تَتۡلُوۡا مِنۡ قَبۡلِهٖ مِنۡ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيۡنِكَ اِذًا لَّارۡتَابَ |
| اور آپ اس سے قبل کوئی کتاب نہیں پڑھتے تھے اور نہ اپنے ہاتھ سے کچھ لکھتے تھے۔ ورنہ باطل پرست لوگ ضرور شک میں |
| الۡمُبۡطِلُوۡنَ ﴿۴۸﴾ بَلۡ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِىۡ صُدُوۡرِ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ ؕ وَمَا |
| پڑ جاتے [37] بلکہ وہ (قرآن) واضح آیات ہیں جو اہل علم کے سینوں میں محفوظ ہیں اور ہماری |
| يَجۡحَدُ بِاٰيٰتِنَاۤ اِلَّا الظّٰلِمُوۡنَ ﴿۴۹﴾ وَقَالُوۡا لَوۡلَاۤ اُنۡزِلَ عَلَيۡهِ اٰيٰتٌ مِّنۡ رَّبِّهٖ ؕ |
| آیات سے صرف ظالم لوگ ہی انکار کرتے ہیں[38] کفار نے کہا اس شخص پر اس کے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں اتاری جاتی؟ |
| قُلۡ اِنَّمَا الۡاٰيٰتُ عِنۡدَ اللّٰهِ ؕ وَاِنَّمَاۤ اَنَا نَذِيۡرٌ مُّبِيۡنٌ ﴿۵۰﴾ اَوَلَمۡ يَكۡفِهِمۡ اَنَّاۤ |
| آپ فرمائیں کہ نشانیاں تو اللہ کے پاس ہیں اور میں تو کھلا ڈرانے والا ہوں [39] کیا انہیں یہ کافی نہیں |
| اَنۡزَلۡنَا عَلَيۡكَ الۡكِتٰبَ يُتۡلٰى عَلَيۡهِمۡ ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَرَحۡمَةً وَّذِكۡرٰى |
| کہ ہم نے آپ پر کتاب اتاری ہے جو ان پر پڑھی جاتی ہے؟ بے شک اس میں ایمان والوں کے لئے |
| لِقَوۡمٍ يُّؤۡمِنُوۡنَ ﴿۵۱﴾ ع |
| رحمت اور نصیحت ہے[40]۔ |

[37] صداقت قرآن کی ایک اور دلیل بتائی جارہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور سرور کائنات ﷺ کو نزول قرآن سے قبل لکھنا پڑھنا نہ سکھایا نہ آپ نے کسی سے لکھنا پڑھنا سیکھا نہ مکہ میں کوئی سکول تھا کہ آپ وہاں سے لکھنا پڑھنا سیکھ سکتے۔ اس کے باوجود جب آپ نے حکمت و دانش سے بھرپور وہ قرآن پڑھنا شروع کیا جس کے آگے تمام پڑھے لکھے فصحاء و شعراء عرب عاجز آ گئے تو یہ صداقت قرآن کی دوسری دلیل ہے۔ ماننا پڑتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی زبان پر قرآن جاری کیا۔

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر حضور سید عالم ﷺ پہلے سے پڑھنے لکھنے والے ہوتے تو باطل پرست لوگ شک میں پڑ جاتے اور کہتے کہ ایک پڑھے لکھے انسان نے کتابوں کا مطالعہ کر کے اپنی طرف سے ایک نئی کتاب لکھ دی ہے۔

## آخری عمر میں رسول اللہ ﷺ کو لکھنا پڑھنا بھی سکھا دیا گیا تھا

یاد رہے جب نبی اکرم ﷺ کی صداقت اور قرآن کی حقانیت ظاہر ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے آخر میں آپ ﷺ کو لکھنا پڑھنا بھی سکھا دیا تھا۔ اور یہ اللہ تعالیٰ نے سکھایا حضور ﷺ نے کسی انسان سے نہیں سیکھا لہٰذا آپ کے اُمّی ہونے میں فرق نہ آیا۔ امام قرطبی نے حضرت شعبی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ انہوں نے کہا: ما مات النبیؐ صلی اللہ علیہ وسلم حتّٰی کتب۔ نبی اکرم ﷺ نے وصال سے قبل لکھنا جان لیا تھا۔ اور امام شعبی نے پوری سند کے ساتھ حضرت ابو کبشہ سلولی رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے عیینہ بن حصن کا خط خود پڑھا اور لوگوں کو سنایا۔ (تفسیر قرطبی جلد ۱۳ صفحہ ۳۵۲) اسی طرح حدیبیہ میں نبی اکرم ﷺ نے کفار کے اصرار پر معاہدہ نامہ سے محمد رسول اللہ کے الفاظ کاٹ کر اپنے ہاتھ سے ان کی جگہ محمد بن عبد اللہ لکھا۔ (مسلم شریف کتاب الجہاد حدیث ۹۲)

[38] یعنی قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی ان آیات کا نام ہے جو اہل علم کے سینوں میں محفوظ ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کا حفظ کرنا آسان کر دیا ہے دنیا کی کوئی کتاب اس طرح یاد نہیں کی جا سکتی جس طرح قرآن پاک ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّکْرِ۔ ''ہم نے قرآن کا یاد کرنا آسان کر دیا۔'' (قمر: ۱۷) اور یہ قرآن کی صداقت پر تیسری دلیل ہے۔

[39] کفار کہتے ہیں جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سمندر پھاڑا اور عصا کو سانپ بنایا، حضرت صالح علیہ السلام نے پہاڑ سے اونٹنی نکالی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مردے زندہ کئے وغیرہ۔ ایسی ہی کوئی نشانی اس شخص (محمد مصطفی ﷺ) پر کیوں نہیں اتاری جاتی؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے پیارے رسول ﷺ آپ فرما دیں کہ نشانیاں (معجزات) تو اللہ کے پاس ہیں اس کے حکم کے بغیر کوئی نشانی نہیں دکھائی جا سکتی اور یہ اس لئے کہا گیا کہ کفار کا مقصد نشانی دیکھ کر ایمان لانا نہ تھا وہ محض کج بحثی کرتے تھے۔

[40] اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا کفار کے لئے معجزۂ قرآن کافی نہیں کہ وہ ان پر پڑھا جاتا ہے [illegible] وہ اس کی ایک سورت کی مثال لانے سے عاجز رہے مگر وہ اس پر ایمان نہ لائے۔ تو اب وہ مزید نشانی کیوں [illegible] ہیں اس کی کیا ضمانت ہے کہ وہ مزید نشانی دیکھ کر ایمان لے آئیں گے؟ آگے فرمایا کہ قرآن مومنوں کے لئے رحمت اور نصیحت ہے۔ یعنی اس پر عمل کرنے والا دارین کی رحمت حاصل کر لیتا ہے اور اسے ابدی نصیحت مل جاتی ہے۔

## قرآن نبی اکرم ﷺ کا سب سے بڑا معجزہ ہے

اَوَلَمْ یَکْفِھِمْ کہہ کر کفار کو بتایا گیا کہ قرآن جیسا معجزہ موجود ہوتے ہوئے کسی دوسرے معجزہ کی ضرورت نہیں تاہم نبی اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کے سوا ہزاروں معجزات دیئے مگر ان سب کا سردار قرآن ہے۔ باقی معجزات حسی

وجسمانی ہیں مگر قرآن معنوی وعلمی معجزہ ہے دیگر معجزات کا اعجاز تھوڑی دیر کے لئے ظاہر ہوا مگر قرآن کا نورِ اعجاز تا قیامت چمکتا رہے گا۔

## قرآن کے بعد کسی الہامی کتاب کی ضرورت نہیں

اَوَلَمْ یَکْفِہِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَیْکَ الْکِتٰبَ یُتْلٰی عَلَیْہِمْ ؕ ''کیا انہیں یہ کافی نہیں کہ ہم نے آپ پر کتاب اتاری جو ان پر پڑھی جاتی ہے۔''اس آیت میں یہ درس بھی ہے کہ قرآن اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ وہ کتاب ہے جو ہدایت کے لئے کافی ووافی ہے اس کے بعد کسی الہامی کتاب کی ضرورت نہیں۔اس لئے قرآن آخری آسمانی کتاب ہے اور حضور خاتم المرسلین ﷺ آخری نبی ورسول ہیں۔آپ کے بعد کسی رسول کی اور آپ کی کتاب کے بعد کسی کتاب کی ضرورت نہیں۔حضرت ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کو تورات کا کوئی حصہ ملا جس میں حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعات درج تھے وہ اسے حضور ﷺ کے سامنے پڑھنے لگیں۔آپ کا چہرہ مبارک غصے سے متغیر ہوگیا آپ ﷺ نے فرمایا اس رب کی قسم! جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر حضرت یوسف علیہ السلام تمہارے اندر آجائیں اور میں تم میں موجود ہوں پھر تم انکی پیروی کرو تو تم گمراہ ہو جاؤ گے۔ (درمنثور ج ۶ ص ۴۷۲ بروایت مصنف عبد الرزاق) ایسا ہی ایک واقعہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی مروی ہے۔ (درمنثور جلد ۶ صفحہ ۴۷۲)

| قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ شَهِيْدًا ۚ يَعْلَمُ مَا فِى السَّمٰوٰتِ |
|---|
| آپ فرما دیں کہ اللہ کی گواہی میرے اور تمہارے درمیان کافی ہے۔ وہ جانتا ہے جو آسمانوں اور |
| وَالْاَرْضِ ۗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ وَكَفَرُوْا بِاللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ |
| زمین میں ہے اور جو لوگ باطل پر ایمان لائیں اور اللہ سے انکار کریں وہی خسارے میں |
| الْخٰسِرُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ۗ وَلَوْلَآ اَجَلٌ مُّسَمًّى لَّجَآءَهُمُ |
| رہنے والے ہیں [41] اور وہ آپ سے عذاب کی جلدی مانگتے ہیں اور اگر (عذاب کے لئے) مقرر مدت نہ ہوتی تو ان پر عذاب |
| الْعَذَابُ ۗ وَلَيَاْتِيَنَّهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۵۳﴾ يَسْتَعْجِلُوْنَكَ |
| آ چکا ہوتا اور وہ ان پر اچانک آ جائے گا اور انہیں خبر نہ ہو گی [42] وہ آپ سے عذاب کی |
| بِالْعَذَابِ ۗ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌ ۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۴﴾ ۙ يَوْمَ يَغْشٰىهُمُ |
| جلدی چاہتے ہیں جبکہ جہنم کافروں کو گھیرنے والی ہے۔ جس دن انہیں |
| الْعَذَابُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ وَيَقُوْلُ ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ |
| عذاب ان کے اوپر سے اور نیچے سے گھیر لے گا اور اللہ فرمائے گا تم جو عمل کرتے تھے اس کا |
| تَعْمَلُوْنَ ﴿۵۵﴾ |
| مزہ چکھو۔[43] |

## توحید ورسالت اور قیامت کی حقانیت پر عمومی دلائل

[41] یعنی اے پیارے محبوب ﷺ! آپ اپنی نبوت و کتاب کے منکرین سے فرما دیں کہ جب میری صداقت پر اللہ تعالیٰ گواہی دے رہا ہے تو اس کی گواہی کافی ہے۔ اس کی موجودگی میں اگر تم میرا انکار کرو تو اس سے میری صداقت میں فرق نہیں آتا۔ گویا حضور سید عالم ﷺ ساری مخلوق سے بے نیاز ہیں۔ مخلوق آپ پر ایمان لانے کی محتاج ہے آپ مثل آفتاب ہیں۔ ساری کائنات اس کے نور کی محتاج ہے وہ صرف اپنے رب کا محتاج ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا

کہ آپ چمکانے والا آفتاب ہیں وَسِرَاجًا مُّنِیْرًا (احزاب:۴۶) آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی گواہی اس لئے کافی ہے کہ وہ آسمان وزمین کی ہر چیز کی خبر رکھنے والا ہے لہٰذا جو لوگ ایسے ہمہ گیر علم رکھنے والے رب کو چھوڑ کر جھوٹے خداؤں پر ایمان لاتے ہیں وہ عظیم خسارے میں مبتلا ہیں۔

[42] نضر بن حارث اور ابوجہل نے کہا تھا اے محمد (ﷺ) اگر یہ قرآن تمہارے رب کی طرف سے سچا ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا دے یا ہم پر کوئی اور دردناک عذاب لے آ۔ (انفال:۳۲) اور کفار مکہ ایسی باتیں کہتے ہی رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ ہر منکر وسرکش اور اسلام دشمن قوم پر عذاب کا ایک مقرر وقت ہوتا ہے۔ کفار مکہ کے لئے بھی خدائی پکڑ کا وقت مقرر ہے۔ جب وہ وقت آئے گا تو اللہ کی پکڑ ان پر اچانک آجائے گی اور انہیں خبر نہ ہوگی۔ پہلی قوموں پر آسمان سے تباہ کن عذابات اترتے تھے مگر بعثت رحمۃ للعالمین ﷺ کے بعد ایسے عذابات موقوف کر دیئے گئے ہیں۔ البتہ یہ کہا گیا کہ تم دشمنان اسلام سے جہاد کرو اللہ انہیں تمہارے ہاتھوں عذاب دے گا اور انہیں رسوا کرے گا اور ان کے مقابلہ میں تمہاری مدد کرے گا۔ (توبہ:۱۴)

چنانچہ کفار مکہ پر بدر میں اچانک اللہ تعالیٰ کی پکڑ آئی اور ان کا غرور خاک میں ملا دیا گیا اور سارے جگ میں ان کی رسوائی ہوگئی۔ پھر وہ غزوۂ احزاب میں تمام قبائل عرب کو ساتھ ملا کر مدینہ طیبہ پر حملہ آور ہوئے تب ان پر اچانک وہ ہوا چلائی گئی جو قوم عاد پر چلائی گئی تھی انہیں ہلاک تو نہ کیا گیا مگر انہیں ذلت ورسوائی کے ساتھ بھاگنے پر مجبور کر دیا گیا پھر اس کے بعد انہیں کبھی مدینہ طیبہ پر حملہ آوری کی جرأت نہ ہوئی تا آنکہ ان پر فتح مکہ کے موقع پر اچانک حملہ کیا گیا اور مکہ سے کفر کا بوریا بستر ہمیشہ کے لئے گول کر دیا گیا۔

[43] یعنی کفار مکہ عذاب کی جلدی مانگتے ہیں جبکہ کفار کے لئے جہنم میں عذاب تیار ہے تو جلدی کیوں کرتے ہیں۔ وہ عذاب انہیں اوپر نیچے سے گھیر لے گا اور ان سے کہا جائے گا کہ اپنے عمل یعنی کفر وشرک کا مزہ چکھو۔ معلوم ہوا ہر طرف سے گھیر لینے والا عذاب جہنم صرف کفار کے لئے ہوگا اگر کوئی مومن شامتِ اعمال سے جہنم میں گیا تو اسے گھیرنے والا عذاب نہ ہوگا اور احادیث میں ہے کہ مومن کے اعضاء سجدہ کو نارِ جہنم بھی نہیں چھوئے گی۔

يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ اَرْضِيْ وَاسِعَةٌ فَاِيَّايَ فَاعْبُدُوْنِ ﴿٥٦﴾ كُلُّ

اے میرے بندو! جو ایمان لائے ہو بے شک میری زمین وسیع ہے تو میری ہی عبادت کرو [44] ہر جان

نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ قف ثُمَّ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ﴿٥٧﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

موت کا مزہ چکھنے والی ہے۔ پھر تم ہماری ہی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ اور جو لوگ ایمان لائیں اور اچھے اعمال کریں

الصّٰلِحٰتِ لَنُبَوِّئَنَّهُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ

ہم انہیں جنت میں بالا خانے دیں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے

فِيْهَا ط نِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿٥٨﴾ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿٥٩﴾

یہ عمل کرنے والوں کا کتنا اچھا اجر ہے۔ یعنی جو لوگ صبر کریں اور اپنے رب پر بھروسہ رکھیں۔ [45]

[44] کلبی اور مقاتل کی روایت کے مطابق یہ آیت مکہ کے ضعفاء مسلمین کے لئے اتری اور ان سے کہا گیا کہ اللہ کی زمین وسیع ہے اگر تم کو یہاں دین پر عمل نہیں کرنے دیا جاتا تو یہاں سے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کر جاؤ اور وہاں اللہ کی عبادت کرو جہاں تمہیں عبادت کی مکمل آزادی ہے۔ (تفسیر بغوی جلد ۵ صفحہ ۱۹۸) گویا اس آیت میں مسلمانوں کو ہجرت مدینہ کے لئے تیار کیا گیا۔

## دین وایمان کو قوم، وطن، خاندان اور مال وتجارت سب پر فوقیت ہے

مسلمانوں کو اپنا دین بچانے کے لئے مکہ معظمہ سے ہجرت کا حکم دیا گیا گویا کہا گیا کہ مومن کے لئے سب سے قیمتی چیز اس کا ایمان ہے، وطن، قوم، تجارت، پراپرٹی اور خاندان یہ سب چیزیں دین کے لئے قربان ہیں۔ اسی لئے فرمایا گیا اگر تمہارے باپ دادا، بیٹے، بھائی، بیویاں، خاندان، تمہارے کمائے ہوئے اموال، تمہاری تجارت جس کے خسارے کا تمہیں ڈر رہتا ہے اور تمہارے پسندیدہ مکانات تمہیں اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد سے محبوب تر ہیں تو اللہ کے عذاب کا انتظار کرو۔

## جہاں دین پر عمل مشکل ہو وہاں سے ہجرت لازم ہے

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مکہ معظمہ میں دین پر عمل نہیں کرنے دیا جاتا تھا تو ان کو ہجرت کا حکم دیا گیا اسی لئے اس آیت کی تفسیر حضرت عطاء رضی اللہ عنہ نے یوں کی کہ جہاں تمہیں گناہوں پہ مجبور کیا جائے (دین کے خلاف چلنے پر مجبور کیا جائے) وہاں

سے ہجرت کر جاؤ پھر آپ نے اس آیت کا حوالہ بھی دیا: اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا ؕ ''کیا اللہ کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کر جاتے۔'' (نساء:۹۷) یہ الگ بات ہے کہ آج ویزے پاسپورٹ اور شہریت کی رکاوٹیں حائل ہیں مگر حکم اپنی جگہ برقرار ہے۔ آج یورپ اور امریکہ میں لاکھوں کروڑوں اہلِ اسلام آباد ہیں، ان کا وہاں رہنا جائز ہے، کیونکہ انہیں اپنے دین پہ عمل کی مکمل آزادی ہے۔ کوئی روک ٹوک نہیں ہے۔ عظیم الشان مساجد و مدارس قائم کیے جا رہے ہیں، جن میں ہزاروں لوگ بیک وقت نماز ادا کر سکتے ہیں۔ میلاد النبی ﷺ کے موقع پر لمبے لمبے جلوس نکلتے ہیں۔ ہزاروں لوگ ان میں شامل ہو کر توحید و رسالت کے فلک شگاف نعرے لگاتے ہیں اور علماء کرام کی مساعی سے ہزاروں غیر مسلمین اسلام میں داخل ہو رہے ہیں۔ گویا اہلِ اسلام کا یورپ و امریکہ میں رہنا اسلام کے حق میں مفید تر ہے۔

## ساری زمین مسلمان کا وطن ہے

اِنَّ اَرْضِيْ وَاسِعَةٌ کہہ کر بتایا گیا کہ اللہ کی ساری زمین اللہ کے بندوں کیلئے ہے۔ لہٰذا مسلمان کو نہ عربی ہونے پہ ناز ہے نہ عجمی ہونے پر، اسے صرف محمدی ہونے پر ناز ہے۔ اسی لئے حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: البلادُ بلادُ اللّٰهِ والعبادُ عبادُ اللّٰهِ فَحَيْثُمَا اصبتَ خَيْرًا فَاَقِمْ سب شہر اللہ کے ہیں اور سب بندے اللہ کے ہیں تو جہاں تمہیں خیر ملے وہیں اقامت کر لو۔ (مسند احمد جلد۱ صفحہ ۱۶۶) حضرت علامہ اقبال علیہ الرحمہ جب کانگرس میں تھے تو کہتے تھے۔

ہندی ہیں ہم وطن ہے ہندوستاں ہمارا
ہم پاسباں ہیں اس کے یہ پاسباں ہمارا

پھر جب رموز دین سے آشنا ہوئے اور کانگرس کو ترک کیا تو فرمایا۔

چین و عرب ہمارا ہندوستاں ہمارا
مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا

## میتیں برطانیہ سے پاکستان لے جانا شرعاً قبیح ہے

بہت سے پاکستانی مسلمان اپنے عزیزوں کی اموات کو برطانیہ میں دفنانے کی بجائے پاکستان لے جا کر دفناتے ہیں کہتے ہیں پاکستان ہمارا وطن ہے ہم وطن میں پیوند خاک ہوں گے اور میت کو پاکستان لے جانے کے لئے اس کا پوسٹ مارٹم ہوتا ہے اس کے پیٹ میں دوائیاں ڈالی جاتی ہیں تاکہ میت راستے میں خراب نہ ہو حالانکہ یہ میت پر ایک ظلم ہے پھر شرعی رو سے سارا جہاں مسلمان کا وطن ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دین کا فہم عطا کرے۔

[45] جب ہجرت کا حکم دیا گیا تو اس راہ میں جان بھی جا سکتی تھی اور کئی صحابہ کو راہ ہجرت میں کفار نے شہید بھی کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے مومنو! ہر جان نے ایک دن موت کا مزہ چکھنا ہے لہٰذا موت کے ڈر سے ہجرت نہ چھوڑو کیا ہجرت چھوڑ کر تم موت سے بچ جاؤ گے۔ موت آنے والی ہے زہے نصیب کہ اللہ کی راہ میں آ جائے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے

لوگو! تم نے میری ہی طرف لوٹنا ہے تو جو لوگ ایمان لائیں اور اچھے اعمال کریں یعنی اگر ایمان بچانے کے لئے وطن قربان کرنا پڑے تو بھی دریغ نہ کریں تو ہم انہیں جنت میں بالا خانے یعنی اونچے محلات دیں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی وہ ان محلات میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ جزا ہے اس عمل کی کہ انہوں نے صبر کیا اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھا یعنی اپنے وطن، تجارت اور خاندان کو اللہ تعالیٰ کے حکم پر ترجیح نہ دی۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا ۖ اللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَاِيَّاكُمْ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ

اور زمین پہ چلنے والے کتنے ہی (جانور) ہیں جو اپنا رزق نہیں اٹھائے پھرتے۔ اللہ انہیں اور تمہیں

الْعَلِيْمُ ۝٦٠ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ

رزق دیتا ہے اور وہ سب سننے والا جاننے والا ہے [46]۔ اور آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو

الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۚ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝٦١ اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ

کس نے پیدا کیا اور کس نے شمس و قمر کو تابع نظام کیا؟ تو وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے، تو وہ کہاں بھٹکتے ہیں۔

لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝٦٢ وَلَئِنْ

اللہ اپنے بندوں میں سے جس کے لئے چاہے رزق کو کشادہ یا تنگ کردے بے شک اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے [47]۔ اور اگر

سَاَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ مَوْتِهَا

آپ ان سے پوچھیں کہ کس نے آسمان سے پانی برسایا پھر زمین کی موت کے بعد اسے زندہ کردیا؟ تو وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے،

لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۭ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝٦٣

آپ فرمادیں کہ سب تعریف اللہ کے لئے ہے، بلکہ ان میں سے اکثر عقل سے کام نہیں لیتے [48]۔

[46] مکہ میں مسلمانوں کی تجارتیں تھیں کاروبار تھے جب انہیں ہجرت کا حکم ہوا تو ساتھ ہی فرمایا گیا دیکھو جانور اپنا رزق اپنی پشتوں پہ اٹھائے نہیں پھرتے وہ صبح خالی پیٹ گھر سے نکلتے ہیں اور جنگل میں چر کر رات کو سیر شکم لوٹتے ہیں پرندے صبح خالی پیٹ گھونسلوں سے نکلتے اور رات کو کھا پی کر لوٹتے ہیں، تو اللہ جانوروں کو اور تمہیں روزی دینے والا ہے وہ سب سنتا جانتا ہے، یعنی جب وہ جانوروں کو بھوکا نہیں مارتا تو کیا اشرف المخلوقات انسان کو بھوکا مارے گا؟ لہٰذا بھوک کے

خوف سے ہجرت مت چھوڑو جہاں جاؤ گے رزق ملے گا چنانچہ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مدینہ طیبہ آئے تو چند ہی برسوں میں ان پر فتوحات کے دروازے کھول دیئے گئے۔

[47] اب روئے سخن پھر اس سورت کے اصل مضمون یعنی اثبات توحید ورد شرک کی طرف لوٹ رہا ہے تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین کو بنایا اور شمس وقمر کو تابع نظام کیا اور اس حقیقت کو مشرکین بھی تسلیم کرتے ہیں تو پھر مشرکین اللہ کو چھوڑ کر کدھر بھٹک رہے ہیں کبھی پتھروں کو پوجتے ہیں کبھی شمس وقمر اور دوسرے ستاروں کو۔ حالانکہ یہ سب چیزیں اللہ کی مخلوقات اور اس کے زیر فرمان ہیں۔ مکہ میں اکثر کفار مالدار اور اکثر مسلمان نادار تھے۔ اور کفار مسلمانوں کی غربت کا مذاق اڑاتے تھے اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ اللہ جس کے لئے چاہے رزق کو کھول دیتا یا تنگ کر دیتا ہے وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے وہ جانتا ہے کہ کس کو کتنا رزق دینا ہے۔ وہ کبھی کافروں کو زیادہ رزق دے کر ان کی رسی دراز کر دیتا ہے پھر انہیں اچانک ان کی خرمستی میں پکڑ لیتا ہے اور کبھی مومنوں کا رزق تنگ کر کے ان کا صبر آزماتا اور ان کے درجات آخرت میں بلند کرتا ہے۔

[48] یعنی اگر مشرکین سے بھی پوچھا جائے کہ آسمان سے کون بارش برساتا ہے اور اس کے ساتھ خشک اور مردہ زمین کو زندہ یعنی سرسبز کر دیتا ہے تو وہ ضرور کہیں گے کہ سب کچھ اللہ کرتا ہے۔ جب اللہ ہی کرتا ہے تو سب تعریفوں کا وہی حق دار ہے ہر انسان کو اسی کی حمد وثنا کرنا اور اسی کے آگے جھکنا چاہئے۔ مگر اکثر لوگ عقل سے کام نہیں لیتے اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جھوٹے خداؤں کے آگے جھکتے ہیں۔

وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ؕ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ

اور یہ دنیا کی زندگی کھیل کود کے سوا کچھ نہیں ہے اور آخرت کا گھر ہی حقیقی

الْحَيَوَانُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۞ فَاِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ

وقف لازم

زندگی ہے اگر لوگ جانتے ہوتے [49]۔ جب کفار کشتیوں میں سوار ہوتے ہیں تو اللہ کو اخلاص کے ساتھ

لَهُ الدِّيْنَ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ ۞ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ

پکارتے ہیں پھر جب اللہ انہیں خشکی کی طرف نجات دے دیتا ہے تو شرک کرنے لگتے ہیں، تاکہ جو کچھ ہم نے انہیں دیا اس سے

اٰتَيْنٰهُمْ ۚ وَلِيَتَمَتَّعُوْا ۫ وقفة فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۞

انکار کریں اور (دنیا سے) نفع کمائیں تو وہ عنقریب جان لیں گے۔[50]

## حقیقت دنیا، ردِّ شرک اور دعوتِ عملِ خیر

[49] دنیوی زندگی کھیل تماشا ہے اور حقیقی زندگی آخرت کی ہے کیونکہ اس پہ چند دلائل ہیں۔

(۱) کھیل تماشا تھوڑی دیر کے لئے ہوتا ہے یونہی دنیوی زندگی بھی تھوڑی دیر کے لئے ہے اور اخروی زندگی لازوال ہے۔

(۲) اور کھیل تماشا کی حقیقت نہیں ہوتی وہ ایک تمثیل ہوتا ہے۔ مثلاً تماشا اور کھیل دکھانے والوں میں سے ایک بادشاہ بن جاتا ہے کچھ اس کے وزیر بن جاتے ہیں اور کچھ درباری وغیرہ جیسے سٹیج ڈراموں میں دکھایا جاتا ہے۔ پھر تھوڑی دیر بعد جب کھیل کی بساط لپیٹ دی جاتی ہے تو وہاں بادشاہ ہوتا ہے نہ وزیر نہ درباری۔ یہی دنیا کا حال ہے یہاں کوئی بادشاہ ہے کوئی افسر ہے کوئی نوکر ہے مگر جب دنیا کی بساط لپیٹ دی جائے گی تو بادشاہ ہوگا نہ افسر نہ نوکر، بلکہ اصل زندگی سامنے آجائے گی۔

(۳) دنیا کی نعمتیں کھلونوں کی طرح ہیں اگر بچے کا کھلونا ٹوٹ جائے تو وہ بہت روتا چلاتا ہے کیونکہ وہ اپنے کھلونے کو حقیقی متاع حیات سمجھتا ہے اسی طرح دنیا میں دل لگانے والے لوگ ناسمجھ بچوں کی طرح ہیں اگر ان سے ان کی کوئی نعمت چھن جائے یا ضائع ہوجائے تو بہت روتے چلاتے ہیں اور نہیں سمجھتے کہ اصل نعمتیں تو اصل زندگی میں ملیں گی۔ یہاں تو ہم کھلونوں سے بہلائے گئے ہیں۔

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جنت میں ایک عصا رکھنے کی جگہ دنیا و مافیہا کی سب نعمتوں سے کہیں بہتر ہے اور اللہ کی راہ میں ایک صبح یا ایک شام (جہاد یا تبلیغ کے لیے) نکلنا دنیا و مافیہا کی سب نعمتوں سے بہتر ہے۔'' (بخاری کتاب الرقاق باب ۲ حدیث ۶۴۱۵)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک بار ایک مردار بکری کا کان پکڑ کر فرمایا کیا اسے کوئی ایک درہم میں خریدے گا؟ صحابہ نے عرض کیا اسے تو کوئی بلا قیمت بھی نہیں لے گا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اللہ کی قسم! اللہ کے ہاں دنیا اس مردار سے بھی بے قیمت ہے۔'' (مسلم کتاب الزہد باب اول حدیث ۲)

حضرت مستورد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''واللہ دنیا کی مثال آخرت کے مقابلہ میں یوں ہے جیسے تم میں سے کوئی اپنی انگلی کو سمندر میں ڈبوئے پھر دیکھے اس کی انگلی پر کتنا پانی لگا ہے۔'' (مسلم کتاب صفۃ الجنہ حدیث ۵۵) یعنی اس کی انگلی پہ لگنے والے پانی کو جو نسبت سمندر سے ہے وہی نسبت دنیا کو آخرت سے ہے۔

یہاں سے دو فوائد حاصل ہوئے۔

(۱) دنیوی نعمتوں کے چھن جانے پر مومن کو پریشان نہیں ہونا چاہئے۔ کیونکہ دنیوی نعمتوں کی حقیقت کھلونوں سے زیادہ نہیں ہے، اور یہ بھی یاد رہے کہ جب بندہ دنیوی نعمتوں کے چھن جانے پہ صبر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کے ساتھ ہو جاتی ہے اور اس نعمت کا کثیر بدلہ دیا جاتا ہے۔

(۲) دنیا صفر ہے اور آخرت عدد: صفر کی کچھ حقیقت نہیں لیکن اگر اس کے ساتھ ایک لگ جائے تو وہ 10 بن جاتا ہے یونہی جو کام دنیا میں آخرت کے لئے کیا جائے وہ دس گنا ہو جاتا ہے اور جو کام دنیا کے لئے کیا جائے وہ صفر ہے۔

[50] حضرت عکرمہ (تابعی) کہتے ہیں جب اہل جاہلیت سمندر میں سفر پہ جاتے تو اپنے بتوں کو بھی ساتھ رکھتے تاکہ وہ انہیں غرق ہونے سے بچائیں۔ پھر جب وہ ڈوبنے لگتے (اور انہیں یقین ہو جاتا کہ ان کے خداؤں نے انہیں نہیں بچانا) تو انہیں سمندر میں پھینک کر یا اللہ یا رب پکارنے لگتے مگر خشکی پہ آ کر پھر وہی بت پرستی شروع کر دیتے۔ (تفسیر بغوی جلد ۵ صفحہ ۲۰۰) ابوجہل کے بیٹے عکرمہ رضی اللہ عنہ پہلے اسلام کے شدید مخالف تھے جب مکہ فتح ہوا تو وہ یہاں سے سمندر کے راستے حبشہ کو بھاگ کھڑے ہوئے۔ دورانِ سفر کشتی سمندر میں ڈوبنے لگی۔ اہل کشتی نے کہا اس وقت صرف اللہ ہی بچا سکتا ہے اس سے گڑگڑا کر فریاد کرو۔ عکرمہ کہتے ہیں میں نے دل میں کہا اگر سمندر میں اللہ کے سوا کوئی نہیں بچا سکتا تو خشکی میں بھی اس کے سوا کوئی نہیں بچا سکتا اور اگر اللہ نے مجھے بچا لیا تو میں سیدھا مکہ مکرمہ جا کر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر ایمان لے آؤں گا چنانچہ انہوں نے اسی طرح کیا۔ (تفسیر ابن کثیر بروایت ابن اسحاق جلد ۳ صفحہ ۴۳۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

## صرف مصیبت میں اللہ رب العزت کو یاد کرنا مشرکین کا طریقہ ہے

گویا مومن ہر وقت اللہ تعالیٰ کو یاد رکھتا ہے۔ رحمت و زحمت، نعمت و نقمت اور خوشی و غمی میں اللہ تعالیٰ ہی کو پکارتا رہتا

ہے۔ بلکہ مومن کو چاہیے کہ راحت میں اللہ کو خوب پکارے تا کہ وہ اس سے زحمت کو ٹال دے اور مالداری میں اللہ کو خوب یاد کرے تا کہ وہ آنے والے فقر کو اس سے ٹال دے۔ حدیث میں بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے قبل غنیمت شمار کرلو۔ صحت کو بیماری سے پہلے، مالداری کو فقر سے پہلے، جوانی کو بڑھاپے سے پہلے، عافیت کو مصیبت سے پہلے اور زندگی کو موت سے پہلے۔ (مشکوۃ المصابیح کتاب الرقاق)

## ردشرک والی آیات کا مومنین سے کوئی تعلق نہیں:

یہ آیت مشرکوں کے رد میں اتری۔ آج بعض انتہاء پسند لوگ اسے اور ایسی دیگر آیات کو ان مومنین اہل سنت پر چسپاں کرتے ہیں جو مصائب میں یا اللہ کے ساتھ یا رسول اللہ یا علی یا غوث وغیرہ پکارتے ہیں اور ان کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ، حضرت علی رضی اللہ عنہ یا حضرت غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ ان کے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور حل مشکل کا وسیلہ بنیں۔ حالانکہ کسی نبی یا ولی کو وسیلہ سمجھ کر پکارنا کسی طرح بھی زمرۂ شرک میں نہیں آتا۔ صاحب قصیدۂ بردہ امام بوصیری فرماتے ہیں۔

یا اکرمَ الخلقِ مالی من اَلُوذُ بہٖ     سِواكَ عِندَ حُلولِ الحادِثِ الْعَمَمِ

یعنی اے ساری مخلوق سے سخی رسول! آپ کے سوا کون ہے کہ میں عمومی حوادث میں جس کی پناہ لوں۔

اور علماء اہلحدیث کے پیشوا نواب صدیق حسن خان یہ وظیفہ کیا کرتے تھے۔

قبلۂ دین مددے کعبہ ایماں مددے     ابن قیم مددے قاضی شوکاں مددے

یعنی اے قبلۂ دین وکعبہ ایمان میری مدد کر واے ابن قیم میری مدد کر واے قاضی شوکانی میری مدد کرو۔ (ہدیۃ المہدی صفحہ ۲۳ مصنفہ مولانا وحید الزماں حیدر آبادی اہل حدیث مطبوعہ میور پریس دھلی) اگر نواب صدیق حسن خان اپنے اکابر وہابیہ ابن قیم و قاضی شوکانی کو مدد کے لئے پکارنے کا وظیفہ کرنے کے باوجود مسلمان ہیں تو الحمد للہ یا رسول اللہ اور یا علی کہنے والے بھی مسلمان ہیں۔ اور یہ شرک بازی کے فتوؤں سے مسلمانوں کی صفوں میں انتشار ڈالنے سے گریز کرنا چاہئے۔

مولانا رشید احمد گنگوہی سے یا اکرم الخلق مالی من الوذ بہٖ جیسے اشعار کا وظیفہ کرنے کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا یہ زیادہ سے زیادہ مکروہِ تنزیہی ہے کفر وفسق نہیں۔ (فتاوی رشیدیہ جلد اول کتاب الحظر والاباحہ صفحہ ۶۴)

مولانا اشرف علی تھانوی اپنی عربی نظم شیم الحبیب اور ساتھ میں اس کے منظوم ترجمہ شم الطیب میں کہتے ہیں۔

یا شفیعَ العِبادِ خُذْ بِیَدِی     اَنْتَ فِی الْاِضطرارِ مُعْتَمَدِی

دستگیری کیجئے میری نبی     کشمکش میں تم ہی ہو میرے ولی

لَیْسَ لِی ملجاءٌ سِواكَ اَغِثْ     مَسَّنِی الضُّرُّ سَیِّدِی سَنَدِی

جز تمہارے کہاں ہے میری پناہ     فوج کلفت مجھ پر آ غالب ہوئی

غَشَّنِي الدَّهْرُ ابنَ عَبْدِ اللهِ کُنْ مُغِيثاً فَأَنْتَ لِی مَدَدِی
ابن عبداللہ زمانہ ہے خلاف اے مرے مولیٰ خبر لیجئے مری
(شم الطیب ضمیمہ نشر الطیب ترجمہ شیم الحبیب صفحہ ۱۵۸، مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار لاہور)

اور بانی دار العلوم دیوبند مولانا قاسم نانوتوی قصائد قاسمیہ صفحہ 5 میں فرماتے ہیں:
مدد کر اے کرم احمد کہ تیرے سوا نہیں ہے قاسم بے کس کا کوئی حامی کار
اب اگر مولانا اشرف علی تھانوی اور مولانا قاسم نانوتوی مسلمان ہیں تو یا رسول اللہ اور یا علی وغیرہ پکارنے والے اہل سنت کس طرح اسلام سے خارج ہیں۔

| اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّ یُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ ؕ |
|---|
| کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ہم نے (ان کے لئے) امن والا حرم بنایا ہے اور ان کے آس پاس سے لوگ اُچک لئے جاتے ہیں۔ |
| اَفَبِالْبَاطِلِ یُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ یَكْفُرُوْنَ ۝۶۷ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ |
| تو کیا وہ باطل پر ایمان لاتے اور اللہ کی نعمت سے انکار کرتے ہیں؟ [51] اور اس سے بڑا ظالم کون ہے جو |
| افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهٗ ؕ اَلَیْسَ فِیْ جَهَنَّمَ |
| اللہ پر جھوٹ باندھے یا جب اس کے پاس حق آ جائے تو اسے جھٹلائے؟ کیا جہنم میں کافروں کا |
| مَثْوًى لِّلْكٰفِرِیْنَ ۝۶۸ وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا ؕ وَاِنَّ |
| ٹھکانہ نہیں؟ [52]۔ اور جو لوگ ہماری راہ میں کوشش کرتے ہیں ہم انہیں اپنے راستوں کی راہنمائی کرتے ہیں اور اللہ |
| اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ ۝۶۹ ع |
| مخلصین کے ساتھ ہے۔[53] |

ع۷

[51] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں مشرکین کہتے تھے اگر ہم ایمان لے آئیں تو اہل عرب ہمیں زندہ نہ چھوڑیں گے۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری۔ (در منثور جلد ۶ صفحہ ۴۷۷) یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے اہل مکہ! تم تو اہل حرم ہو اور جائے امن میں ہو۔ تمہارے آس پاس دشمن لوگ ایک دوسرے کو اٹھا کر لے جاتے ہیں مگر اہل حرم کو کبھی کسی نے نہیں چھیڑا تو تمہارا یہ بہانہ غلط ہے کہ اگر تم ایمان لائے تو تمہیں لوگ زندہ نہ چھوڑیں گے تو تم باطل یعنی بت پرستی پہ ایمان لاتے اور اللہ تعالیٰ کی نعمت یعنی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے انکار کرتے ہو۔ بغوی، خازن، مظہری، قرطبی و دیگر مفسرین نے یہاں نعمت

سے حضور ﷺ کی ذات مقدسہ مراد لی ہے گویا حضور ﷺ اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہیں۔ بلکہ سب سے بڑی نعمت ہیں اور نعمت کا شکریہ ادا کرنا چاہئے اسی لیے محافل میلاد النبی اسی نعمت کے شکریہ کے طور پر منعقد کی جاتی ہیں۔

[52] یعنی بتوں کو خدا مان کر اللہ تعالیٰ پر افتراء کرنا اور قرآن کی آیات سے انکار کرنا سب سے بڑا ظلم ہے اور ایسے ظالموں کا ٹھکانہ صرف جہنم ہے یاد رہے جھوٹی نبوت کا دعویٰ کرنا بھی اللہ تعالیٰ پر افتراء ہے اور حضور ﷺ کے بعد باب نبوت بند ہو چکا ہے اب آپ کے بعد ہر مدعی نبوت اللہ تعالیٰ پر افتراء کرنے والا ہے اور ایسے کفار کا ٹھکانہ صرف جہنم ہے۔

[53] مکی دور میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سخت مصائب کی زندگی گزار رہے تھے مگر اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے انہیں بتایا کہ جو لوگ ہماری راہ میں کوشش کرتے ہیں اللہ انہیں ضرور کامیابی دیتا ہے بشرطیکہ وہ مخلص ہو تو اللہ نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا اور ہجرت کے بعد اہل اسلام پر فتوحات کے دروازے کھلتے گئے۔ عارف ربانی حضرت سہل بن سعد تستری علیہ الرحمہ اس آیت کی تفسیر یوں فرماتے ہیں جو لوگ اقامتِ سنت کی کوشش کریں ہم انہیں جنت کا راستہ دکھاتے ہیں جو توبہ کی کوشش کریں ہم انہیں اخلاص کا راستہ دکھاتے ہیں اور جو طلب علم کی کوشش کریں ہم انہیں عمل کی راہ دکھاتے ہیں۔ (روح البیان جلد ۶ صفحہ ۴۷۹) یہ معنی بھی کیا جا سکتا ہے کہ جو اہل علم قرآن وحدیث سے استنباط مسائل کی کوشش کریں ہم ان کو اجتہاد واستخراج کی راہ دکھاتے ہیں۔ الغرض اللہ رب العزت کسی کی نیک کوشش کو ضائع نہیں کرتا۔

---

الحمدللہ آج 11 ربیع الثانی 1429ھ بمطابق 19 اپریل 2008ء بروز ہفتہ بعد نماز فجر سورہ عنکبوت کی تفسیر مکمل ہوئی۔
وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ محمد وآلہ وصحبہ اجمعین۔

# سورۃ الروم

ترتیبِ تلاوت کے اعتبار سے یہ قرآن کریم کی 30 ویں سورت ہے اور ترتیب نزول کے اعتبار سے 80 ویں سورت ہے۔ یہ مکی سورت ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ایک روایت کے مطابق اس کے بعد مکہ معظمہ میں عنکبوت اور وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ کا نزول ہوا اس کے بعد ہجرت ہوگئی۔ (الاتقان فی علوم القرآن جلد اول صفحہ ۲۳ مطبوعہ دار الکتب بیروت)

اس سورت میں چھ (6) رکوعات ساٹھ (60) آیات آٹھ سو انیس (819) کلمات اور تین ہزار پانچ سو چونتیس (3534) حروف ہیں۔ اسے سورۂ روم اس لئے کہتے ہیں کہ اس کا آغاز الٓمّٓ ۚ غُلِبَتِ الرُّوْمُ سے ہوا اس میں پیش گوئی کی گئی کہ کچھ ہی عرصہ میں اہل روم کو ایرانیوں پر غلبہ ہوگا چنانچہ اسی طرح ہوا۔ اس لئے اسے سورۂ روم کہا گیا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسے بسا اوقات نماز فجر میں پڑھتے تھے۔ ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فجر میں یہ سورت پڑھ رہے تھے آپ نے بعض آیات کو دہرایا پھر سلام کہہ کر فرمایا کئی لوگوں کا وضوء درست نہیں ہوتا اور ان کی وجہ سے ہم پر نماز ملتبس ہو جاتی ہے لہٰذا اچھی طرح وضوء کر کے آیا کرو۔ (مسند احمد بن حنبل جلد ۳ صفحہ ۴۷۲)

## مضامین

اس سورت کے ابتداء میں رومیوں کے غلبہ کی بشارت دی گئی۔ پھر گزشتہ قوموں کی نافرمانیوں کا حوالہ دے کر اسلام دشمن قوتوں کو متنبہ کیا گیا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا ایمان افروز تذکرہ ہے۔ پھر درس توحید کو مثال کے حسین پیرایہ میں بیان کیا گیا ہے۔ پھر اہمیت نماز بتائی گئی ہے اور انسان کی ناشکری کا حال بتایا گیا ہے۔ اس کے علاوہ دیگر مکی سورتوں کی طرح سورۂ روم میں بھی توحید، رسالت، قیامت، جنت، نار، صفاتِ باری تعالیٰ اور حقانیتِ قرآن پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

## ماقبل سے مناسبت

اس سے قبل سورۂ عنکبوت ہے۔ جس میں دلائلِ توحید، حقانیتِ قرآن اور اثباتِ رسالتِ محمدیہ کے مضامین ہیں اور یہی مضامین سورہ روم میں ہیں۔ علاوہ ازیں یہ دونوں الف لام میم سے شروع ہوئی ہیں۔ اور آگے سورہ لقمان اور سجدہ بھی الف الام میم سے شروع ہو رہی ہیں۔ گویا یہ بھی اس بات کا سبب ہے ان چاروں کو اکٹھا رکھا گیا۔ جیسا کہ آگے چل کر وہ سورتیں اکٹھی آئیں گی جو حامیم سے شروع ہوتی ہیں۔

راجی رحمۃ الرب عبدہ المذنب قاری محمد طیب غفرلہ

آیاتھا ۶۰ ۳۰ سُوْرَةُ الرُّوْمِ مَكِّيَّةٌ ۸۴ رکوعاتھا ۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

الٓمّٓ ﴿۱﴾ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ﴿۲﴾ فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ

الف، لام، میم۔ رومی قریب کی زمین میں مغلوب ہوئے ہیں اور وہ اپنی مغلوبیت کے بعد عنقریب چند برسوں میں

سَيَغْلِبُوْنَ ﴿۳﴾ فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ ۗ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ ۭ

غالب آ جائیں گے [1]۔ اللہ ہی کے لئے سب اختیار ہے پہلے بھی اور پیچھے بھی۔

وَيَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۴﴾ بِنَصْرِ اللّٰهِ ۭ يَنْصُرُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ

اور اس دن اہل ایمان اللہ کی مدد پر خوشیاں کریں گے۔ اللہ جس کی چاہے مدد کرے وہ غالب ہے

الرَّحِيْمُ ﴿۵﴾ وَعْدَ اللّٰهِ ۭ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ

رحم والا ہے۔ اللہ کا وعدہ یاد رکھو۔ اللہ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا مگر اکثر لوگ

لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۶﴾

نہیں جانتے۔

## ایرانیوں پر اہل روم کے غلبہ کی پیش گوئی اور دشمنانِ اسلام کو وارننگ

[1] جب حضور ﷺ کو مکہ مکرمہ میں مبعوث فرمایا گیا اس وقت دنیا پر دو بڑی سلطنتیں قائم تھیں رومی اور ایرانی۔ رومی سلطنت میں سارا یورپ، سارا افریقہ اور تمام بلاد ترک و شام شامل تھے اور ایرانی سلطنت کی فرماں روائی یمن سے آذربیجان تک اور افغانستان سے اردن تک تھی۔ رومی لوگ اہل کتاب عیسائی تھے اور اہل ایران آتش پرست مشرکین تھے۔ ان دونوں کے درمیان جنگیں چلتی رہتی تھیں۔ 610 عیسوی میں ظہور اسلام ہوا اس وقت ایرانی فوجیں رومیوں پر غالب آ رہی تھیں حتیٰ کہ 622ء میں بیت المقدس پر بھی ایرانی قابض ہو گئے۔ بیت المقدس کے قریب سو کلومیٹر کے
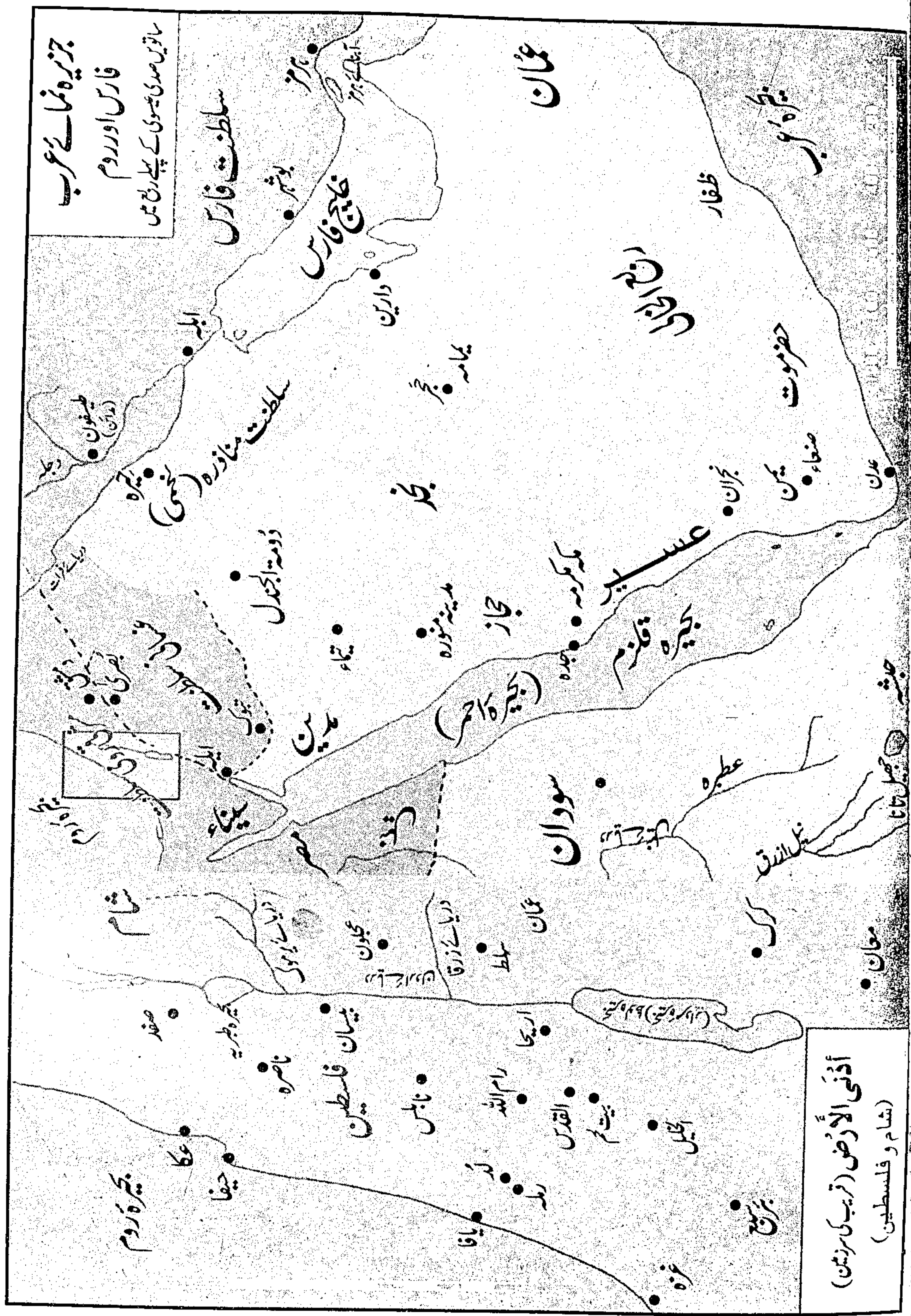
فاصلہ پر بستی ناصرہ ہے جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جائے پیدائش ہے۔ بقول نصاریٰ وہاں اصلی صلیب ہے جس پر عیسیٰ علیہ السلام کو ان کے عقیدہ کے مطابق سولی دی گئی۔ (حالانکہ یہ جھوٹ ہے کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ آسمان پہ اٹھائے گئے) جب ایرانی بادشاہ خسرو پرویز نے اس علاقہ پر قبضہ کیا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جائے پیدائش والا کلیسا جو عیسائیوں کا سب سے مقدس کلیسا ہے گرا دیا اور ان کی مزعومہ صلیب اپنے ساتھ ایران لے گیا۔

رومیوں کے لئے یعنی دنیائے عیسائیت کے لئے یہ واقعہ قیامت سے کم نہ تھا ان کی اس مغلوبیت اور شکست کو یہاں اللہ تعالیٰ بیان فرما رہا ہے کہ رومی لوگ قریب کی زمین میں مغلوب ہوئے۔ اَدْنَى الْاَرْضِ (قریب کی زمین) اس لئے فرمایا گیا کہ وسیع وعریض رومی سلطنت کا وہ حصہ جو ظہور اسلام کیوقت حجاز مقدس سے قریب تر تھا۔ وہ یہی سرزمین بیت المقدس و ناصرہ تھی۔ جب رومیوں کی اس شکست کی خبر مکہ میں پہنچی تو مشرکین مکہ بہت خوش ہوئے اور صحابہ کرام بہت مغموم۔ کیونکہ رومی اہل کتاب ہونے کے ناطے آتش پرست ایرانیوں کی نسبت مسلمانوں سے قریب تر تھے بلکہ اس موقع پر مشرکین مکہ نے صحابہ کرام سے کہا کہ جس طرح آج رومی عیسائیوں کو ذلت اٹھانا پڑی ہے ایک دن تمہیں بھی اپنے دین پر ذلت اٹھانا پڑے گی۔

تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتار کر فرمایا: وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ۝۳ فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ ۬ کہ رومی لوگ اپنے مغلوب ہونے کے بعد چند ہی برسوں میں پھر غالب آئیں گے۔ مزید اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ سب اختیار اللہ کے ہاتھ میں ہے اور جب رومی لوگ ایرانیوں پر پلٹ کر غالب آئیں گے تو اس دن مومنین اللہ کی مدد پر خوش ہوں گے اور اللہ جس کی چاہے مدد فرماتا ہے وہی سب پر غالب ہے۔ اللہ کے اس وعدہ کو یاد رکھو اللہ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا مگر اکثر لوگ نہیں جانتے اور وہ اللہ کے سچے وعدوں پر یقین نہیں لاتے۔

حضرت عکرمہ (تابعی) رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اس آیت کے نزول پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کفار کے پاس گئے۔ انہیں اس قرآنی پیش گوئی سے آگاہ فرمایا کہ چند ہی برسوں میں رومیوں کو ایرانیوں پر پھر غلبہ ہوگا۔ ابی بن خلف نے کہا تم جھوٹ کہتے ہو ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے اور میں تم سے شرط لگاتا ہوں کہ اگر تین برسوں میں رومی غالب نہ آئے تو میں تمہیں دس اونٹ دوں گا اور اگر وہ غالب آ گئے تو تم مجھے دس اونٹ دو گے۔ پھر انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہو کر ماجریٰ سنایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم واپس جا کر شرط کی مدت تین برس سے بڑھا کر نو برس اور شرط کی رقم دس اونٹوں سے بڑھا کر سو اونٹ کروالو۔

(تفسیر ابن جریر طبری جلد ۱۰ صفحہ ۱۶۵ حدیث ۲۷۸۷۲)

چنانچہ اس سے سات برس بعد جس دن صلح حدیبیہ ہوئی اس دن خبر آئی کہ رومی فوج ایرانیوں پر غالب آ گئی ہے اور وہ اس قوت سے غالب آئی کہ انہوں نے ایران کے پایہ تخت مدائن میں اپنے گھوڑے جا باندھے اور رومیہ شہر تعمیر کر ڈالا اور وہ اپنی صلیب بھی واپس ناصرہ لے گئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ابی بن خلف (جو جنگ احد میں قتل ہو گیا تھا)

کے ورثاء سے جا کر سو اونٹ وصول کئے اور نبی اکرم ﷺ کے پاس لائے آپ نے فرمایا انہیں صدقہ کر دو۔ (تفسیر بغوی جلد ۵ صفحہ ۲۰۱) امام زہری فرماتے ہیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا یہ شرط لگانا اور شرط کا مال وصول کرنا جوئے کی حرمت سے قبل تھا۔ (تفسیر ابن ابی حاتم جلد ۹ صفحہ ۳۰۸۷ حدیث ۱۷۴۵۹) حضرت قتادہ (تابعی) کا بھی یہی ارشاد ہے۔ (حوالہ مذکورہ حدیث ۱۷۴۶۱) کیونکہ جوا سود کی ایک قسم ہے اور سود مدنی دور کے آخر میں حرام ہوا۔

اہلِ روم ایرانیوں پر کیسے اور کب غالب آئے؟

رومٌ رومیٌّ کی جمع ہے جیسے عربٌ عربیٌّ کی جمع ہے۔ رومی لوگ روم بن یونان بن یافث بن نوح علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ جبکہ اہل فارس فارس بن سام بن نوح علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ رومی سلطنت اہل فارس پہ کیسے غالب آئی؟ تو اہل تاریخ کے مطابق شاہ ہرقل بستی ناصرہ کی پامالی سے سخت پریشان تھا۔ مگر قدرت نے اس کی مدد کی۔ اس نے بحر اسود کے راستے مشرق کا رخ کیا اور ایرانی سلطنت پر اس کی پشت کی طرف سے حملہ کیا وہ افغانستان کے راستہ سے ایران میں داخل ہوا اور فتح پہ فتح کرتا ہوا ایرانی سلطنت کے پایہ تخت مدائن جا پہنچا اور حملہ کر کے شاہ ایران کا بیٹا گرفتار کر لیا اور ایرانی آتش کدہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ جس طرح ایرانیوں نے بستی ناصرہ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جائے پیدائش کی پامالی کی تھی۔

ادھر شاہ ایران خسرو پرویز کی اپنی حکومت میں بغاوت ہوگئی اور اس کی آنکھوں کے سامنے اس کے اٹھارہ بیٹے قتل کر دیے گئے۔ شاہ ہرقل کو جب ایرانیوں پہ آرمینیا میں پہلی فتح حاصل ہوئی عین اسی دن اللہ تعالیٰ نے بدر میں مسلمانوں کو مشرکین مکہ پہ فتح عطا فرمائی۔ اور جب ہرقل مدائن میں داخل ہوا تو رسول اللہ ﷺ کفار مکہ سے حدیبیہ میں صلح نامہ تحریر کر کے مدینہ طیبہ میں داخل ہو رہے تھے اور اللہ تعالیٰ نے صلح حدیبیہ کو فتح مبین قرار دیا۔ اس لیے اس موقع پہ مسلمانوں کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَيَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ بِنَصْرِ اللّٰهِ ؕ کہ جب رومی غالب آئیں گے تو مومنین اللہ کی مدد پہ خوش ہوں گے۔

یہاں سے دو فوائد حاصل ہوئے:

(۱) صداقتِ قرآن:

قرآن نے جو پیش گوئی کی کہ رومی چند برسوں میں پھر غالب آئیں گے وہ پوری آب و تاب کے ساتھ سچی ثابت ہوئی یہ قرآن کے منزل من اللہ ہونے کی دلیل ہے حالانکہ ظاہری حالات میں رومیوں کا پھر غالب آنا ممکن نہ تھا۔

(۲) نصاریٰ دوسرے مذاہب کی نسبت اہل اسلام سے قریب تر ہیں:

اسی لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایرانیوں کی بجائے رومیوں کے غلبہ کی تمنا کی اور اللہ تعالیٰ نے ان کی تمنا پوری کر دی اور اسے مومنوں کے لئے باعث فرحت قرار دیا اور فرمایا: يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ۔ اسی لئے دوسری جگہ ارشاد ہوا: وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ؕ اور تم مومنوں کے زیادہ قریب ان کو پاؤ گے جو خود کو نصاریٰ کہتے ہیں۔ (مائدہ: ۸۲) اسی لیے دوسرے مذاہب کی نسبت عیسائی لوگ زیادہ اسلام قبول کرتے ہیں۔

يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ

وہ دنیوی زندگی کی ظاہری چمک ہی جانتے ہیں اور آخرت سے

غٰفِلُوْنَ ﴿٧﴾ اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۗ مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ

غافل ہیں۔[2] کیا انہوں نے اپنے دل میں غور و فکر نہیں کیا کہ اللہ نے آسمانوں

وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى ۗ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ

اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اسے برحق اور مدت مقررہ کے ساتھ ہی پیدا کیا ہے اور اکثر لوگ

النَّاسِ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ لَكٰفِرُوْنَ ﴿٨﴾ اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا

اپنے رب کی ملاقات سے منکر ہیں [3]۔ کیا وہ زمین پر چلے پھرے نہیں کہ دیکھیں کہ ان سے

كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۗ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاَثَارُوا

پہلے لوگوں کا کیا (برا) انجام ہوا؟ وہ قوت میں ان سے شدید تر تھے۔ انہوں نے

الْاَرْضَ وَعَمَرُوْهَآ اَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوْهَا وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۗ

زمین کو جویا تھا اور اسے ان (اہل مکہ) کی آبادکاری سے بڑھ کر آباد کیا، ان کے پاس ان کے رسول واضح نشانیاں لے کر آئے۔

فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿٩﴾ ۗ ثُمَّ كَانَ

تو اللہ ان پر ظلم کرنے والا نہ تھا مگر وہ اپنی جانوں پہ خود ظلم کرتے تھے۔ پھر برائی کرنے والوں کا

عَاقِبَةَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوا السُّوْٓاٰى اَنْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَكَانُوْا بِهَا

برا انجام ہوا کہ انہوں نے اللہ کی آیات کو جھٹلایا اور وہ ان کا مذاق

يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿١٠﴾ ع

اڑاتے تھے۔[4]

ع ۱

[2] یعنی وعدۂ الٰہی پر یقین نہ لانے والے لوگ صرف دنیوی زندگی کی ظاہری چمک دمک ہی کو سب کچھ جانتے ہیں اور آخرت سے بے خبر ہیں۔ معلوم ہوا آخرت سے بے خبر ہونا کافر کا کام ہے مومن اپنی آخرت ہی کے فکر میں رہتا ہے۔

[3] جن لوگوں کا اپنے رب کی ملاقات یعنی قیامت پر ایمان ہے وہ سمجھتے ہیں کہ آسمان وزمین کو اور ان کے مابین ہر چیز کو کسی مقصد کے لئے اور ایک مدت تک کے لئے بنایا گیا ہے اس مدت کے ختم ہونے پر کائنات ارضی وسماوی کو ختم کر کے عالم آخرت برپا کر دیا جائے گا۔

[4] شمع اسلام کا نور بجھانے میں کوشاں لوگوں کے بارے میں فرمایا جا رہا ہے کہ کیا انہوں نے زمین میں چل پھر کر دیکھا نہیں کہ اس سے قبل اسلام دشمنی کرنے والے ظالموں کا کیا انجام ہو چکا ہے وہ قوت وسطوت میں ان سے بڑھ کر تھے انہوں نے ان سے بڑھ کر زمین کو آباد کیا۔ ان کے پاس ان کے رسول اللہ کی آیات یعنی اس کا کلام لے کر آئے یا یہ معنی ہے کہ معجزات لے کر آئے مگر انہوں نے اللہ کی آیات کی تکذیب کی اور بالآخر وہ اللہ کے عذاب کا شکار ہو کر دنیا سے مٹ گئے ان پر اللہ نے ظلم نہ کیا وہ اپنی جانوں پر خود ظلم کرنے والے تھے کیونکہ بُرائی کا انجام بُرا ہی ہوتا ہے، جب انہوں نے اللہ کی آیات پر ایمان لانے کی بجائے ان کی تکذیب کی اور ان کا مذاق اڑایا تو اس کا انجام ہلاکت کے سوا کیا ہو سکتا تھا۔ اس میں تاقیامت اسلام دشمن قوتوں کے لئے خدائی وارننگ ہے کہ اگر وہ اپنی روش سے باز نہ آئے تو ان کا انجام بھی پہلی منکر قوموں جیسا ہوگا۔

اَللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَ يَوْمَ تَقُوْمُ

اللہ مخلوق کو نئے سرے سے پیدا کرتا ہے پھر اسے لوٹاتا ہے پھر تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے [5] اور جس دن قیامت

السَّاعَةُ يُبْلِسُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ مِّنْ شُرَكَآئِهِمْ شُفَعٰٓؤُا

قائم ہو گی تب مجرم لوگ مایوس ہو جائیں گے اور ان کے جھوٹے خداؤں میں سے ان کے لئے کوئی سفارشی نہ ہوں گے

وَكَانُوْا بِشُرَكَآئِهِمْ كٰفِرِيْنَ ﴿۱۳﴾ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَّتَفَرَّقُوْنَ ﴿۱۴﴾

اور وہ اپنے جھوٹے خداؤں سے انکار کر دیں گے۔ [6] اور جس دن قیامت قائم ہو گی تب لوگ باہم بٹ جائیں گے

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَهُمْ فِيْ رَوْضَةٍ يُّحْبَرُوْنَ ﴿۱۵﴾

تو ایمان لانے اور اچھے اعمال کرنے والے جنتی گلستان میں شاد کام کئے جائیں گے۔ [7]

وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَ لِقَآئِ الْاٰخِرَةِ فَاُولٰٓئِكَ فِي

اور جو لوگ کفر کریں اور ہماری آیات اور آخرت کی ملاقات کو جھٹلائیں وہ

الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ﴿۱۶﴾ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ ﴿۱۷﴾

عذاب میں حاضر کر دیئے جائیں گے۔ تو اللہ کی تسبیح کہو جب تم شام کرو اور صبح کرو

وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَعَشِيًّا وَّحِيْنَ تُظْهِرُوْنَ ﴿۱۸﴾ يُخْرِجُ

شام کرو اور اسی کے لئے آسمانوں اور زمین میں حمد ہے اور دن ڈھلے اس کی تسبیح کہو اور جب تم

الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَيُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ

ظہر کرو [8] وہ زندے کو مُردے سے اور مُردے کو زندے سے نکالتا ہے اور زمین کو

مَوْتِهَا ؕ وَكَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ﴿۱۹﴾ ع

اس کے مرنے کے بعد زندہ کرتا ہے اور تم اسی طرح (زمین سے) نکالے جاؤ گے۔ [9]

# آیاتِ قدرت اور احوالِ قیامت کا بیان

[5] یعنی اللہ تعالیٰ ایک مخلوق کو نئے سرے سے پیدا کرتا ہے پھر اسے پھیر پھیر کر لاتا ہے جیسے اس نے پہلے انسان حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا پھر وہ اسی انسان کو بار بار لاکھوں کروڑوں اربوں شکلوں اور صورتوں میں لا رہا ہے اور روز قیامت سب کو اسی کی طرف لوٹایا جائے گا تو جس رب نے ہر انسان کو پہلی بار بنایا کیا وہ اسے دوبارہ پیدا کرنے پر قادر نہیں؟

[6] بت پرست اور دیگر مشرکین سمجھتے ہیں کہ روز قیامت ان کے معبودانِ باطلہ ان کی مدد کر کے ان کو چھڑوالیں گے مگر اس دن انہیں شدید مایوسی ہوگی انہیں کوئی چھڑوانے والا نہ ہوگا تب وہ اپنے جھوٹے خداؤں سے انکار کریں گے مگر اس دن کا انکار کچھ کام نہ آئے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان کے جھوٹے خدا ان سے کہیں گے کہ تم ہماری عبادت کب کرتے تھے۔ اللہ گواہ ہے ہم تمہاری عبادت سے قطعاً بے خبر تھے۔ (یونس:۲۹)

معلوم ہوا روز قیامت مومنین اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہیں ہوں گے اور ان کے لئے سفارشی بھی ہوں گے اسی لئے فرمایا گیا کہ گہرے دوست اس دن باہم دشمن ہوں گے سوائے متقین کے۔'' (زخرف:۶۷)

[7] یحییٰ ابن کثیر سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا: یُحْبَرُوْنَ کا کیا معنی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اہل جنت لذت سماع سے لطف اندوز ہوں گے۔'' (تفسیر ابن جریر جلد ۱۰ صفحہ ۱۷۳ حدیث ۲۷۹۱۶)

چنانچہ حکیم ترمذی نے ''نوادر الاصول'' میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اچھی آواز کا سننا محبوب ہے تو کیا جنت میں اچھی آوازیں سننے کو ملیں گی؟ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں اللہ تعالیٰ اشجار جنت کو حکم دے گا کہ میرے ان بندوں کو جنہوں نے دنیا میں خود کو باجہ و سارنگی اور بانسری وغیرہ کے سننے سے محفوظ رکھا اور میرے ذکر میں مصروف رہے۔ انہیں کچھ سناؤ تو ان سے اللہ تعالیٰ کی حمد و تقدس کے ساتھ مترنم آوازیں پھوٹیں گی جو مخلوق نے کبھی نہ سنی ہوں گی۔ (در منثور جلد ۶ صفحہ ۴۸۷)

یہاں سے دو فوائد حاصل ہوئے:

(۱) جو لوگ دنیا میں گانے سنتے ہیں وہ جنت کی اس لذت سماع سے محروم رہیں گے: الا یہ کہ توبہ کرلیں۔ اسی لیے دنیا میں مزامیر کے ساتھ گانا بجانا اور گانا سننا حرام کیا گیا ہے۔

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قیامت سے قبل کچھ لوگ ریشم، شراب اور گانا بجانے کو حلال کرلیں گے۔ اللہ تعالیٰ انہیں بندر و خنزیر بنا دے گا۔ (بخاری کتاب الاشربہ باب ۶ حدیث ۵۵۹۰)

یہ مضمون پوری تفصیل کے ساتھ سورہ لقمان کے پہلے رکوع کے تحت آئے گا وہاں دیکھیں۔ وہاں ہم نے مروجہ قوالی کا

شرعی حکم بھی بیان کیا ہے

(۲) انسانوں میں روز قیامت وجہ تفریق عقیدہ و عمل ہوگا نہ کہ رنگ و نسل: یَوْمَىِٕذٍ یَّتَفَرَّقُوْنَ کے بعد اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کہنے سے معلوم ہوا قیامت کے دن عقیدہ و عمل کی بنیاد پر انسانوں میں تفریق ہو گی۔ کفار و بدکار لوگ جہنم میں بھیجے جائیں گے اور مؤمنین صالحین جنت میں۔ اور یہی تفریق اللہ تعالیٰ کے ہاں معتبر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ ''تم میں سے اللہ کے ہاں زیادہ معزز وہ ہے جو اللہ سے زیادہ ڈرنے والا ہو۔'' (حجرات: ۱۳) مگر افسوس آج مسلمان قوم رنگ و نسل اور علاقہ کی بنیاد پر باہم بٹ گئی ہے۔ اسی لیے وہ دن بدن کمزور سے کمزور تر ہوتی جا رہی ہے اور ان کے دشمن ان پہ غالب آتے جا رہے ہیں۔

[8] لہٰذا اے مومنو! صبح و شام اللہ تعالیٰ کی تسبیح کہو کیونکہ آسمان و زمین میں ہر تعریف کی اصل حقدار اللہ تعالیٰ کی ہی ذات ہے۔ کیونکہ ہر مخلوق میں ہر خوبی اسی کی پیدا کردہ ہے۔ تو وہی حقدارِ حمد ہے اور دن ڈھلے اور ظہر کے وقت بھی اسی کی تسبیح کہو۔

## پانچ نمازوں کی فرضیت

ان آیات میں شام کے وقت تسبیح کہنے سے مغرب و عشاء کی طرف اشارہ ہے اور صبح کی تسبیح سے نماز فجر مراد ہے۔ یونہی دن ڈھلے تسبیح کہنا نماز عصر ہے اور ظہر کے وقت تسبیح کہنا نماز ظہر ہے کیونکہ نماز میں سبحانك اللّٰھم سے بات شروع ہوتی ہے جو تسبیح ہے۔ پھر رکوع و سجود میں سبحان ربی العظیم اور سبحان ربی الاعلی کی صورت میں تسبیح ہے۔ پھر تلاوت قرآن اور تشہد بھی معناً تسبیح ہے۔ اور چونکہ سورۂ روم مکی دور کے آخر میں نازل ہوئی اس کے بعد عنکبوت اور مطففین دو سورتیں ہی نازل ہوئیں اور نمازِ پنجگانہ بھی مکی دور کے آخر میں شب معراج میں فرض ہوئی لہٰذا ان آیات میں بجا طور پر نماز پنجگانہ مراد ہے۔

## اوقاتِ نماز کا فلسفہ

شام کی تسبیح اس لئے ہے کہ نماز مغرب پڑھو کہ خیر سے دن ڈوبا اور رات آئی اور نماز عشاء پڑھو تا کہ خالق کو سجدہ کر کے سویا جائے۔ پھر نماز فجر پڑھو کہ دن کا آغاز اللہ تعالیٰ کی عبادت سے ہو۔ ظہر کے وقت نماز پڑھو تا کہ معلوم ہو کہ بندہ اپنے کاروبار و معاملات کو عبادت کے لئے چھوڑ سکتا ہے اور نماز کے لیے وقت نکال سکتا ہے۔ کیونکہ یہ کاروبار و کسب معاش کا وقت ہے اور نماز عصر پڑھو کہ وقت عصر انسان کو اس کی موت یاد دلاتا ہے کہ جیسے دن ڈھلتا ہے یونہی آفتاب زندگی بھی ڈھل جاتا ہے۔

## صبح وشام تسبیح کہنے کی فضیلت

حضرت معاذ بن انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس لئے اپنا خلیل بنایا کہ وہ صبح وشام یہی آیات پڑھ کر اللہ وحدہٗ لاشریک کی تسبیح کہتے تھے: فَسُبۡحٰنَ اللّٰهِ حِیۡنَ تُمۡسُوۡنَ وَحِیۡنَ تُصۡبِحُوۡنَ﴿۱۷﴾ وَلَهُ الۡحَمۡدُ فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَعَشِیًّا وَّحِیۡنَ تُظۡهِرُوۡنَ﴿۱۸﴾ (مسند احمد جلد ۳ صفحہ ۴۳۹) گویا فجر وعشاء کے بعد ان آیات کا پڑھ لینا مومن کو اللہ تعالیٰ کا محبوب بنا دیتا ہے اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص صبح وشام سو بار سبحان اللہ و بحمدہٖ پڑھا کرے روز قیامت اس سے افضل عمل کسی کا نہ ہوگا۔'' (ترمذی کتاب الدعوات باب ۶۰)

[9] یعنی اللہ تعالیٰ انسان کو نطفے سے اور نطفے کو انسان سے، مرغی کو انڈے سے اور انڈے کو مرغی سے اور درخت کو بیج سے اور بیج کو درخت سے پیدا کرتا ہے اور وہ بارش برسا کر مُردہ زمین کو زندہ کر دیتا ہے یعنی خشک بیجوں (SEEDS) سے لہلہاتے کھیت نکال لاتا ہے اور اسی طرح روز قیامت وہ خشک ہڈیوں پر گاڑھی بارش برسا کر انہیں گوشت پوست کا لباس پہنائے گا اور ان میں روحیں لوٹا کر انہیں زندہ کر دے گا حدیث کے مطابق دوسری بار صور پھونکے جانے سے قبل ساری زمین پر چالیس دن گاڑھے پانی کی بارش ہوگی۔ (مسلم کتاب الفتن ۱۴۱)

وَمِنْ اٰیٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَآ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَمِنْ

اللہ کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا اب تم (دنیا میں) پھیلتے ہوئے انسان ہو[10] اور اس کی

اٰیٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَیْهَا وَجَعَلَ

نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے تمہاری ہی جنس سے تمہاری بیویاں بنائیں تا کہ تم ان سے سکون پاؤ اور اس نے

بَیْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَمِنْ

تمہارے درمیان محبت اور رحمت بنائی ہے بے شک اس میں فکر کرنے والی قوم کے لئے بڑی نشانیاں ہیں [11] اور اس کی

اٰیٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ ؕ اِنَّ

نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا اور تمہاری زبانوں اور رنگوں کا اختلاف ہے اس میں

فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّلْعٰلِمِیْنَ ﴿۲۲﴾ وَمِنْ اٰیٰتِهٖ مَنَامُكُمْ بِالَّیْلِ وَالنَّهَارِ

علم والوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں [12] اور اس کی نشانیوں میں سے تمہارا رات کو سونا

وَابْتِغَآؤُكُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّسْمَعُوْنَ ﴿۲۳﴾

اور دن کو اس کا فضل تلاش کرنا ہے اس میں سننے والے لوگوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں۔[13]

## وجودِ باری تعالیٰ اور اس کی توحید وقدرت پر دلائل

[10] انسان کے مٹی سے بنائے جانے کے کئی معانی ہیں۔

اول: حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "آدم علیہ السلام کا پتلا زمین کے مختلف حصوں کی مٹی سے بنایا گیا۔ اسی لئے کوئی انسان سرخ ہے کوئی سفید اور کوئی کالا اور کوئی خوش خلق ہے کوئی بد خلق۔" (ابوداؤد کتاب السنۃ باب ۱۶، ترمذی کتاب التفسیر سورہ بقرہ باب ۱) یعنی جب پہلا انسان مٹی سے بنا تو یہ کہنا درست ہے کہ ہر انسان مٹی سے بنا ہے۔

دوم: عطا خراسانی سے مروی ہے کہ جب کسی انسان کا نطفہ اس کی ماں کے رحم میں ڈالا جاتا ہے تو فرشتہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہاں سے مٹی لاتا ہے جہاں وہ انسان دفن کیا جائے گا اور اسے اس نطفہ پر ڈال دیتا ہے پھر وہ وہیں دفن ہوتا ہے جہاں سے اس کی مٹی اٹھائی گئی۔ (درمنثور جلد ۵ صفحہ ۵۱۴) گویا باقاعدہ ہر انسان کی مٹی زمین سے لی جاتی ہے۔

سوم: انسان مٹی سے اُگنے والی غذا کھاتا ہے اس سے اُس کی پشت میں نطفہ پیدا ہوتا ہے اس نطفے سے اس کی اولاد پیدا ہوتی ہے۔

یوں ہر انسان کا جسم مٹی سے اٹھتا ہے اور یہ تینوں معانی درست ہیں اس لئے فرمایا گیا: خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ۔
یہاں سے دو فوائد حاصل ہوئے:

(۱) انسان کے مٹی سے پیدا ہونے میں درس عجز ہے: کہ انسان مٹی سے بنا اور مٹی میں عجز ہے تو انسان کو عاجزی اختیار کرنی چاہئے۔ جب نبی اکرم ﷺ مکہ میں فاتحانہ داخل ہوئے تو آپ ﷺ کا سر مبارک عجز سے بہت جھکا ہوا تھا ایک آدمی ڈر کر بھاگا آپ ﷺ نے فرمایا ڈرو نہیں میں آدم کا بیٹا ہوں اور آدم کو مٹی سے بنایا گیا۔
(ترمذی کتاب التفسیر سورہ ۴۹)

(۲) انسان مٹی سے بنا ہے تو اسے مٹی ہی میں دفن کرنا چاہئے: مرنے کے بعد اسے جلانا یا بہانا خلافِ فطرت ہے۔ اور اس کے دفنانے ہی میں انسان کی تکریم ہے۔ جبکہ جلانے میں اس کی توہین ہے۔

[11] اللہ تعالیٰ نے انسان کے لئے اس کی جنس سے اس کی بیوی بنائی ہے تاکہ وہ اپنی بیوی سے سکون پائے اور اللہ تعالیٰ نے میاں بیوی کے درمیان محبت اور رحمت رکھی ہے۔ محبت یہ ہے کہ دونوں ایک دوسرے کے ہمدرد بن جاتے ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانی ہے کہ عموماً میاں بیوی جیسے جیسے بوڑھے ہوتے ہیں ان میں جنسی خواہش کم اور باہمی محبت و ہمدردی زیادہ ہو جاتی ہے اور رحمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اولاد دیتا اور ان کے ذریعے ان کے خاندانی روابط بڑھاتا ہے اور اولاد والدین کے بڑھاپے کا سہارا بنتی ہے۔

## عورت مرد کے تابع ہے

خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا سے معلوم ہوا عورت مرد کے لئے پیدا کی گئی ہے تاکہ مرد کو سکون پہنچائے۔ گویا مرد کو فوقیت حاصل ہے کیونکہ مرد اپنے گھر کا حاکم ہے عورت اور بچے اس کی رعایا ہیں۔ جیسے فرمایا گیا: اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ۔ ''مرد عورتوں پر حاکم ہیں۔'' (نساء: ۳۴) اور لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عورت کو اپنی اطاعت کے ذریعے مرد کو سکون پہنچانا چاہئے تاکہ جب وہ دن بھر کام کر کے رات کو تھکا ہارا گھر آئے تو بیوی کی اطاعت گزاری و خدمت سے سکون پائے۔ اس میں ان عورتوں کے لیے مقام عبرت ہے جو شوہروں کو بلاوجہ تکلیف و آزار دیتی ہیں۔

## عورت وہی اچھی ہے جو شوہر کی فرماں بردار ہو

جب عورت مرد کے سکون کے لئے بنائی گئی ہے تو سکون اطاعت ہی میں ہے، نافرمانی میں سکون کہاں؟ اس لئے حدیث مبارکہ میں ہے کہ ''جب عورت اپنے شوہر سے بگڑ کر اس سے الگ سوتی ہے تو ساری رات فرشتے اس پر لعنت

کرتے رہتے ہیں۔'' (مسلم کتاب النکاح حدیث ۱۲۰) اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ۔ ''تو نیک بیویاں شوہروں کی اطاعت گزار ہوتی ہیں اور ان کی غیر موجودگی میں (ان کی عزت و ناموس کی) حفاظت کرتی ہیں۔'' (نساء، ۳۴)

میاں بیوی کے درمیان محبت اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے

(جیسا کہ وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً سے ظاہر ہے) کیونکہ اس سے معاشرہ میں استحکام ہے اور جو لوگ اسے توڑنے کی کوشش کریں وہ شیطان کے چیلے ہیں۔ کئی لوگ جہالت کی وجہ سے شوہر کو بیوی کے خلاف یا بیوی کو شوہر کے خلاف بھڑکا کر یا جادو وغیرہ کر کے انکے درمیان جدائی ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ ان کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے۔

[12] آسمان و زمین کی تخلیق بھی اسی امر کی دلیل ہے کہ کوئی رب ہے جو اس کائنات ارض و سماوی کا خالق ہے اور وہ اللہ کے سوا کون ہے تو وہی مستحق عبادت ہے۔ پھر سب انسانوں کی زبان گلا اور ہونٹ ایک جیسے ہیں مگر ان کی بولیاں مختلف ہیں یہ بولیاں کس نے بنائیں؟ وہ اللہ ہے اور وہی مستحق عبادت ہے۔ پھر اس نے اربوں انسان بنائے اور ہر انسان کی شکل دوسرے انسان سے الگ بنائی تو اللہ کے سوا کون ہے جو یہ شکلیں بناتا ہے۔

[13] اللہ تعالیٰ نے رات بنائی تا کہ لوگ اس میں سولیں اور دن بنایا تا کہ اس میں کام کاج کرلیں تو یہ دن رات کس کے حکم پر آ جا رہے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کون ہے اور خود نیند اللہ تعالیٰ کی بڑی نشانی ہے۔ سخت تھکا ہوا انسان تھوڑی دیر سو کر تازہ دم ہو جاتا ہے تو انسان کی یہ حالت کس نے بنائی ہے اور جو لوگ گوشِ دل سے کلام حق سننا چاہیں ان کے لئے اس میں بڑی آیات قدرت ہیں۔

وَمِنۡ اٰیٰتِهٖ یُرِیۡكُمُ الۡبَرۡقَ خَوۡفًا وَّطَمَعًا وَّیُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَیُحۡیٖ

اور اس کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ وہ تمہیں خوف اور امید کے ساتھ بجلی دکھاتا اور آسمان سے پانی اتارتا ہے۔ پھر زمین کو

بِهِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِهَا ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّعۡقِلُوۡنَ ﴿۲۴﴾ وَمِنۡ

اس کے مرنے کے بعد زندہ کرتا ہے، اس میں عقل کرنے والوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں [14] اور اس کی

اٰیٰتِهٖۤ اَنۡ تَقُوۡمَ السَّمَآءُ وَالۡاَرۡضُ بِاَمۡرِهٖ ؕ ثُمَّ اِذَا دَعَاكُمۡ دَعۡوَةً ۖ ۗ مِّنَ

نشانیوں میں سے یہ ہے کہ آسمان اور زمین اسی کے حکم سے کھڑے ہیں۔ پھر جب وہ

الۡاَرۡضِ ۖ ۗ اِذَاۤ اَنۡتُمۡ تَخۡرُجُوۡنَ ﴿۲۵﴾ وَلَهٗ مَنۡ فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ كُلٌّ

تمہیں پکارے گا تو تم زمین سے نکل آؤ گے [15] اور اسی کے لئے ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہے سب اسی کے لئے

لَّهٗ قٰنِتُوۡنَ ﴿۲۶﴾ وَهُوَ الَّذِیۡ یَبۡدَؤُا الۡخَلۡقَ ثُمَّ یُعِیۡدُهٗ وَهُوَ اَهۡوَنُ عَلَیۡهِ ؕ

مطیع ہیں [16] اور اللہ وہ ہے جو مخلوق کو پیدا کرتا ہے پھر اسے لوٹائے گا اور لوٹانا اس پر آسان تر ہے

وَلَهُ الۡمَثَلُ الۡاَعۡلٰی فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ۚ وَهُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَكِیۡمُ ﴿۲۷﴾ ع

اور اسی کے لئے سب سے بڑی شان ہے آسمانوں اور زمین میں اور وہ غالب ہے حکمت والا ہے۔ [17]

[14] اللہ تعالیٰ کے حکم سے آسمان میں بجلی چمکتی ہے جسے دیکھ کر کبھی خوف پیدا ہوتا ہے کہ غریبوں کے جھونپڑے اور فصلیں تباہ کردے گی اور کبھی امید پیدا ہوتی ہے کہ خوب اناج پیدا ہوگا۔ پھر بجلی کے چمکنے کے بعد بارش برسنے لگتی ہے اور بارش سے مردہ زمین زندہ ہو جاتی ہے۔ تو اللہ کے سوا کون ہے جو بارش برساتا اور زمین سے اناج اُگاتا ہے؟ اس میں عقل والوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں جب بارش نہیں ہوتی تو خدا کے منکر بھی آسمان کی طرف نظر حسرت سے دیکھتے اور بارش کی التجاء کرتے ہیں۔

[15] اتنا بڑا آسمان کس کے حکم سے بغیر ستون کھڑا ہے اور یہ زمین سائنس دانوں کے نزدیک اپنے محور پر کلومیٹر فی منٹ (82.27km/m) کی رفتار سے گھوم رہی ہے اور وہ سورج کے گرد اپنے مدار میں سال میں ایک چکر پورا کرتی ہے اس کی رفتار ایک لاکھ سات ہزار دو سو چالیس کلومیٹر فی گھنٹہ (107240km/m) ہوتی ہے۔ تو اللہ کے سوا کون سی طاقت ہے جس نے اتنی بڑی زمین کو فضا میں محوِ گردش کر رکھا ہے دوسری جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اِنَّ اللّٰهَ یُمۡسِكُ

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا ‘‘اللہ نے آسمان اور زمین کو گرنے سے روک رکھا ہے۔’’ (فاطر:۴۱) پھر جب اللہ تعالیٰ کا حکم ہوگا تو سب انسان زمین سے نکل آئیں گے اور قیامت بپا ہوگی۔

[16] آسمان و زمین کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں ہے اور خواہی نہ خواہی اسی کے آگے سر تسلیم خم کرتی ہے قرآن مجید میں ہے: وَلِلّٰهِ یَسْجُدُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّ كَرْهًا۔ ‘‘آسمانوں اور زمین کی ہر چیز خوشی و ناخوشی سے اللہ ہی کو سجدہ کرتی ہے۔’’ (رعد:۱۵) معنی یہ ہے کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کے نظام قدرت کی پابند اور خواہی نہ خواہی اس کے حکم کے آگے سر تسلیم خم کئے ہوئے ہے۔ وہ جب چاہے صحت دے جب چاہے بیمار کرے جب چاہے زندہ کرے جب چاہے مارے۔

[17] ہر مخلوق کو اللہ تعالیٰ ہی پیدا کرتا ہے اور وہی مخلوق کو روز قیامت دوبارہ اٹھائے گا اور دوبارہ اٹھانا انسانی ذہن کے مطابق پہلی بار پیدا کرنے سے آسان تر ہے جب اس نے ہر چیز پہلی بار پیدا کر دی تو موت کے بعد اسے دوبارہ اٹھانا اس کے لئے کیا مشکل ہے اور آسمانوں اور زمین میں اللہ تعالیٰ کے لئے سب سے بڑی شان ہے، اکثر مفسرین نے اس سے لا الٰہ الا اللہ مراد لیا ہے۔

ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ؕ هَلْ لَّكُمْ مِّمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ

اللہ نے خود تمہارے حال سے تمہیں ایک مثال بتائی ہے، کہ کیا تمہارے زیر دست غلاموں میں سے کچھ ایسے ہیں جو اس رزق میں

مِّنْ شُرَكَآءَ فِيْ مَا رَزَقْنٰكُمْ فَاَنْتُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ تَخَافُوْنَهُمْ كَخِيْفَتِكُمْ

(تمہارے) شریک ہوں جو ہم نے تمہیں دیا ہے کہ تم (اور وہ) اس میں برابر ہوں تم ان سے یوں ڈرو جیسے اپنوں سے

اَنْفُسَكُمْ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۲۸﴾ بَلِ اتَّبَعَ الَّذِيْنَ

ڈرتے ہو؟ [18] اس طرح ہم عقل کرنے والوں کے لئے نشانیاں کھول کر بتاتے ہیں۔ بلکہ ظالموں نے کسی

ظَلَمُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ فَمَنْ يَّهْدِيْ مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ وَمَا لَهُمْ

علم کے بغیر اپنی خواہشات کی پیروی کی۔ تو جسے اللہ گمراہ کرے اسے کون ہدایت دے سکتا ہے اور ان کے لئے

مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۲۹﴾

کوئی مددگار نہ ہوں گے۔[19]

## دلائلِ توحید اور ردِ شرک کا پر مغز بیان

[18] اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کو ایک مثال سے بات سمجھائی ہے کہ دیکھو کیا تمہارے غلام تمہارے مال میں اس طرح شریک ہو سکتے ہیں کہ تم اور وہ برابر کے حصہ دار ہو جائیں اور پھر تم ان سے یوں ڈرو جیسے آپس میں ایک دوسرے سے ڈرتے ہو؟ اگر ایسا نہیں ہو سکتا تو یہ کیسے ممکن ہے کہ اللہ کی پیدا کردہ کوئی مخلوق اللہ کی خدائی میں یوں شریک ہو جائے کہ اس کا اختیار اللہ کے برابر ہو اور اللہ اس سے یوں ڈرے جیسے کسی چیز میں حصہ دار لوگ آپس میں ایک دوسرے سے ڈرتے ہیں۔ اور یہ بات بھی سب کو معلوم ہے کہ کسی نے اپنے غلام کو پیدا نہیں کیا ہوتا بلکہ وہ کسی وجہ سے اس کا غلام بن جاتا ہے جب کہ ہر مخلوق اللہ کی پیدا کردہ ہے جب کسی کا غلام اس کا شریک نہیں بن سکتا تو کوئی مخلوق اللہ کی شریک کیسے بن سکتی ہے؟

### حقیقتِ شرک اور مسلمانوں میں تفرقہ بازی کی مذمت

فَاَنْتُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ تَخَافُوْنَهُمْ كَخِيْفَتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ ؕ کہ تم اپنے غلاموں کے ساتھ برابر ہو جاؤ اور ان

سے یوں ڈرو جیسے باہم ایک دوسرے سے ڈرتے ہو۔ سے معلوم ہوا کہ مشرکین عرب اپنے جھوٹے خداؤں کو اللہ تعالیٰ کی خدائی میں برابر کا حصہ دار بناتے تھے اور سمجھتے تھے کہ اللہ ان سے یوں ڈرتا ہے جیسے باہم حصہ دار ایک دوسرے سے ڈرتے ہیں۔ اگر وہ ایسا نہ سمجھتے ہوتے تو اللہ رب العزت یہ مثال دے کر اس طرح ان کا رد کیوں فرماتا۔ اور آج بھی ہندو لوگ اپنے اوتاروں کو بھگوان یعنی اللہ تعالیٰ کے اختیارات وقدرت میں شریک جانتے ہیں۔ تو یہ ہے وہ شرک جس کے رد میں سارا قرآن نازل ہوا۔

الحمد للہ کوئی مسلمان اس شرک کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ اسی لئے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اے مسلمانو! بخدا مجھے ڈر نہیں کہ تم میرے بعد مشرک ہو جاؤ گے مگر یہ ڈر ہے کہ تم دنیا میں پڑ جاؤ گے۔ (بخاری کتاب الجنائز باب ۷۲) اس لئے بات بات پہ مسلمانوں پہ شرک کے فتوے لگانے والے نجدی فکر کے لوگ امت میں تفرقہ ڈالنے والے ہیں۔

یاد رہے کوئی مسلمان کسی ولی یا نبی کو اللہ تعالیٰ کا شریک نہیں بناتا۔ البتہ مقربین الٰہی کا وسیلہ بارگاہ الٰہی میں پیش کیا جاتا ہے۔ جیسے آدم علیہ السلام نے نبی اکرم ﷺ کے وسیلہ سے دعا کی اور خود نبی کریم ﷺ نے نابینا صحابی کو وسیلہ کی تعلیم دی۔ اور اگر کوئی شخص کسی نبی یا ولی کو غائبانہ پکارتا ہے تو اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ اس کی روح ہماری طرف متوجہ ہو کر ہمارے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کر دے اور اللہ تعالیٰ ہماری مشکل کو حل کر دے۔

[19] مشرکین کسی علم کی بنیاد پر نہیں بلکہ محض جہالت کی بنیاد پر بت پرستی کرتے ہیں۔ وہ صرف خواہش کے پیروکار ہیں۔ کسی دلیل کے نہیں اور جب کوئی شخص حق کے مقابلہ میں ایسی ضد بازی سے کام لے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل پر گمراہی کی پکی مہر لگا دیتا ہے یہی اس کی سزا ہے اور ایسے شخص کو کوئی ہادی ہدایت نہیں دے سکتا۔

| فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ؕ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ؕ |
|---|
| توتم یکسو ہو کر اپنی توجہ دین کے لئے پختہ کرلو۔ اللہ کے دین فطرت کو پکڑ لو جس پر اللہ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔ |
| لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا |
| اللہ کی تخلیق میں کوئی تبدیلی نہیں [20] یہ دین مستحکم ہے مگر اکثر لوگ |
| يَعْلَمُوْنَ ۙ﴿٣٠﴾ مُنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ وَاتَّقُوْهُ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ |
| نہیں جانتے۔اللہ کی طرف رجوع رکھو اور اس سے ڈرو اور نماز قائم کرو اور مشرکوں میں سے |
| الْمُشْرِكِيْنَ ۙ﴿٣١﴾ مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا ؕ كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا |
| نہ بنو۔ یعنی وہ لوگ جنہوں نے اپنے دین کے ٹکڑے کر لئے اور گروہوں میں بٹ گئے۔ ہر گروہ اس پر خوش ہے جو اس کے |
| لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ﴿٣٢﴾ |
| پاس ہے۔[21] |

[20] یعنی اے مومنو! تم دین اسلام کی طرف اپنی ساری توجہ مبذول کرلو۔ کیونکہ یہ وہ دین فطرت ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے سب انسانوں کو پیدا کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی اس تخلیق میں کوئی تبدیلی نہیں یعنی کسی استثناء کے بغیر ہر انسان دین اسلام پر ہی پیدا ہوتا ہے اور حدیث میں اس بات کو بہت وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ دنیا میں جو انسان پیدا ہوتا ہے وہ فطرت اسلام لے کر آتا ہے۔

## ہر بچہ فطرت اسلام پہ پیدا ہوتا ہے

چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''ما من مولود الا یولد علی الفطرۃ فابواہ یھوّدانہ او ینصّرانہ او یمجّسانہ۔'' یعنی ''ہر نومولود بچہ فطرت (اسلام) پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے والدین اسے یہودی، عیسائی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔ جیسے ہر جانور صحیح الاعضاء پیدا ہوتا ہے پھر بعض جانوروں کے کان یا سینگ کاٹ دیئے جاتے ہیں۔''

(بخاری کتاب الجنائز باب ۸۰ حدیث ۱۳۵۹، مسلم کتاب القدر حدیث ۲۲)

یہی وجہ ہے کہ ولادت کے وقت بچے کا سر پہلے ظاہر ہوتا ہے اور اس کا چہرہ نیچے زمین کی طرف جھکا ہوتا ہے۔ گویا

وہ اس اللہ وحدہٗ لاشریک خالق کو سجدہ کرتے ہوئے پیدا ہوتا ہے جو ہر جگہ موجود ہے۔ اور ہر بچے کا دین فطرت پر پیدا ہونا اس لئے بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے روزِ میثاق عالمِ ارواح میں سب ارواح سے اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۖ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ کا سوال کیا تھا تو سب ارواح نے کہا: بَلٰى، یعنی کیوں نہیں اے اللہ تو ہم سب کا رب ہے۔ (اعراف: ۱۷۲) تو ہر بچہ روز اول کے اسی میثاقِ توحید پر پیدا ہوتا ہے۔ بلکہ حق یہ ہے کہ کائنات کی ہر شے اللہ تعالیٰ ہی کی تسبیح کہہ رہی ہے۔

## کفار کے ناسمجھ بچے جنتی ہیں

جب ہر بچہ دین فطرت پر پیدا ہوتا ہے تو اگر وہ سمجھ داری حاصل ہونے سے قبل فوت ہو جائے تو خواہ وہ کفار کے ہاں پیدا ہو۔ بہر حال وہ مسلمان متصور ہوگا اور جنت میں جائے گا۔ کیونکہ ابھی اس کے والدین نے اسے یہودی یا عیسائی یا مجوسی نہیں بنایا۔ اور بخاری کتاب التعبیر باب ۴۸ میں حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث مروی ہے۔ جس میں یہ بھی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا کہ ناسمجھی میں فوت ہونے والے مشرکین کے بچے جنت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے گرد جمع ہیں۔ یہ حدیث اس بات پہ نص ہے کہ مشرکین وکفار کے ناسمجھ بچے جنتی ہیں۔ کیونکہ وہ فطرت اسلام پہ پیدا ہوئے اور فطرت اسلام پہ فوت ہو گئے۔

[21] لہٰذا اے مومنو! تم اللہ تعالیٰ ہی کی طرف اپنا رخ رکھو کسی جھوٹے خدا کی طرف توجہ نہ کرو۔ اور اس کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ نماز پابندی سے پڑھو کیونکہ نماز پڑھنے والا انسان مشرک نہیں ہو سکتا خواہ اس پر کتنے ہی شرک کے فتوے لگیں۔ آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مشرکین نے اپنے دین کے ٹکڑے کر دیئے اور وہ گروہوں میں بٹ گئے اور ہر گروہ اپنے نظریہ پر خوش ہے چنانچہ مشرکین کے ہر گروہ نے اپنے اپنے خدا بنا رکھے ہیں جن کی تعداد لاکھوں میں ہے۔ کوئی پتھروں کو پوجتا ہے کوئی درختوں کو کوئی جانوروں کو کوئی ستاروں کو اور کوئی انسانوں کو۔

## نماز شرک سے بچاتی ہے

اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۳۱﴾ سے معلوم ہوا امت مسلمہ بت پرستوں اور یہود ونصاریٰ جیسے شرک سے اس لئے محفوظ ہے کہ وہ نماز پڑھتی ہے یعنی مسلمانوں کو عقیدۂ توحید پر قائم رکھنے میں نماز کا اہم کردار ہے۔ جو پیشانی اللہ تعالیٰ کے آگے سجدہ ریز ہوتی ہے وہ کسی اور کے آگے سجدہ نہیں کر سکتی، اور جو چند جاہل مسلمان غیر خدا کے آگے سر جھکاتے ہیں وہ سجدہ نہیں کرتے بلکہ آداب بجالاتے ہیں۔ اگرچہ کسی کے آگے ادب وتعظیم میں حد رکوع یا حد سجدہ تک جھکنا حرام اور گمراہی ہے، مگر یہ شرک نہیں ہے۔

## نماز پڑھنے والا شخص مشرک نہیں ہو سکتا

جب نماز شرک سے بچاتی ہے تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں بصورتِ نماز جھکنے والا مسلمان مشرک نہیں

ہوسکتا۔اسے مشرک کہنا تفرقہ بازی کے سوا کچھ نہیں ہے۔مگر افسوس آج بعض انتہا پسند تفرقہ باز لوگ اپنے سوا دوسرے مسلمانوں کو مشرک ٹھہراتے ہیں اللہ تعالیٰ سب کو ہدایت دے۔خصوصاً سعودی عرب کے موجودہ نجدی علماء اس بارے میں سخت شدت پسند واقع ہوئے ہیں۔انکے نزدیک کسی نبی یا ولی کے وسیلہ سے دعا کرنا بھی شرک ہے جیسا کہ ان کی بارے کتابوں سے ظاہر ہے جو وہ حجاج میں تقسیم کرتے ہیں۔یہ انتہا پسندی اور غلو فی الدین نہیں تو اور کیا ہے۔

## دین میں تفرقہ بازی کی مذمت

الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ کہہ کر مسلمانوں کو بھی بالواسطہ تفرقہ بازی سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے۔دوسری جگہ فرمایا گیا کہ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور تفرقہ بازی نہ کرو۔(آل عمران:۱۰۳) تفرقہ بازی یہ ہے کہ قرآن وحدیث کی بعض نصوص کا من پسند معنی کر کے ان پر اپنے مخصوص نظریات کی عمارت کھڑی کر لینا اور باقی سارے قرآن اور ذخیرۂ حدیث سے منہ موڑ لینا۔جیسے آج ختم نبوت، حدیث رسول، مقام صحابہ اور توسل وشفاعت وغیرہ کے منکر فرقوں کا یہی طریقہ ہے۔

## لفظ شیعہ قابل فخر لفظ نہیں ہے

یہاں فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا ؕ میں شِيَعًا شیعہ کی جمع ہے۔شیعہ کا معنی گروہ ہے اور یہاں مشرکین کے گروہوں کو شیعہ کہا گیا ہے۔اسی طرح جہنم میں جانے والے کافر گروہوں کو بھی قرآن میں شیعہ کہا گیا ہے: ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيْعَةٍ اَيُّهُمْ اَشَدُّ عَلَى الرَّحْمٰنِ عِتِيًّا ۝۶۹ ''پھر ہم ہر منکر گروہ میں سے ان (لیڈروں) کو نکال کر الگ کرلیں گے جو رحمان کے سخت تر نافرمان تھے۔'' (مریم،۶۹) تو جو لفظ کفار ومشرکین اور اہل جہنم کے لیے بھی بولا گیا ہے اسے اگر دعوی اسلام رکھنے والے لوگ اپنے لیے شعار بنائیں تو اچھی بات نہیں ہے۔

وَاِذَا مَسَّ النَّاسَ ضُرٌّ دَعَوْا رَبَّهُمْ مُّنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ ثُمَّ اِذَآ اَذَاقَهُمْ مِّنْهُ

اور جب لوگوں کو تکلیف پہنچے تو وہ اس کی طرف رجوع لاتے ہوئے اس کو پکارتے ہیں۔ پھر جب وہ انہیں اپنی

رَحْمَةً اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿۳۳﴾ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ط

رحمت کا مزہ چکھاتا ہے تو ان میں سے کچھ لوگ اپنے رب کے ساتھ شرک کرنے لگتے ہیں۔

فَتَمَتَّعُوْا وقفة فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۴﴾ اَمْ اَنْزَلْنَا عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا فَهُوَ يَتَكَلَّمُ بِمَا

تاکہ جو ہم نے انہیں دیا اس سے انکار کریں، تو تم مزے اڑالو عنقریب تم جان لو گے۔ کیا ہم نے ان پر کوئی دلیل اتاری ہے جو ان کے

كَانُوْا بِهٖ يُشْرِكُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً فَرِحُوْا بِهَا ط وَاِنْ تُصِبْهُمْ

شرک پر گواہی دیتی ہو؟ [22] اور جب ہم لوگوں کو رحمت چکھاتے ہیں تو وہ اس پر خوش ہوتے ہیں اور اگر انہیں ان کے

سَيِّئَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ اِذَا هُمْ يَقْنَطُوْنَ ﴿۳۶﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ

کرتوتوں کے سبب کوئی برائی پہنچے تو تب وہ مایوس ہو جاتے ہیں [23] کیا وہ نہیں دیکھتے کہ اللہ جس کے لئے

يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ط اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۳۷﴾

چاہے رزق کھول دیتا اور (جس کے لئے چاہے) تنگ کر دیتا ہے۔ بے شک اس میں ایمان والوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں۔ [24]

[22] مشرکین عرب پر جب کوئی مصیبت آتی تو وہ سب جھوٹے خداؤں کو بھول کر صرف ایک اللہ کو اخلاص کے ساتھ پکارنے لگتے پھر جب اللہ تعالیٰ انہیں مصیبت کی جگہ رحمت دے دیتا تو وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناقدری و ناشکری کرتے ہوئے پھر شرک میں مبتلا ہو جاتے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا کہ تم مزے اڑالو عنقریب تمہیں اپنی کرتوت کا انجام معلوم ہو جائے گا۔ معلوم ہوا مشرکین صرف مصیبت میں اللہ تعالیٰ کو پکارتے تھے اور مومن کی یہ شان ہے کہ وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کو پکارتا ہے خواہ خوشی ہو یا غمی۔ آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا مشرکین کے پاس اپنی بت پرستی کے جواز میں اللہ کی طرف سے نازل کردہ کوئی دلیل ہے جو ان کے شرک کا جواز بیان کرتی ہو؟ ہرگز نہیں۔ تو پھر وہ اللہ کی نازل کردہ کتاب پر ایمان کیوں نہیں لاتے۔

[23] یہ انسان کی عمومی حالت ہے کہ وہ رحمت ملنے پر اللہ تعالیٰ سے غافل اور مصیبت آنے پر اللہ تعالیٰ سے مایوس ہو جاتا ہے، اور کہنے لگتا ہے بس ہمارا مقدر ہی ایسا ہے۔ ہمارے نصیب میں کوئی خیر نہیں ہے۔ حالانکہ اس کی مصیبت اس

کے اعمال کا نتیجہ ہوتی ہے۔ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا ﴿۱۹﴾ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا ﴿۲۰﴾ وَّاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا ﴿۲۱﴾ اِلَّا الْمُصَلِّيْنَ ﴿۲۲﴾ الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ ﴿۲۳﴾ ''انسان کو جلد باز بنایا گیا ہے۔ جب اسے برائی پہنچتی ہے تو واویلا مچاتا ہے اور جب بھلائی ملتی ہے تو نافرمان بن جاتا ہے۔ سوا ان لوگوں کے جو نماز پہ پابندی کرتے ہیں۔'' (معارج، ۱۹ تا ۲۳)

معلوم ہوا کہ مومن کو چاہئے کہ وہ رحمت ملنے پر شکر اور مصیبت آنے پر صبر سے کام لے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''مومن کا حال عجیب ہے اس کے لئے اللہ تعالیٰ کی ہر قضا خیر بن جاتی ہے۔ وہ خوشی میں شکر کرتا ہے تو وہ اس کے لیے اچھا ہوتا ہے اور مصیبت میں صبر کرتا ہے تو وہ بھی اس کے لیے اچھا ہو جاتا ہے۔'' (مسلم کتاب الزہد حدیث ۶۴)

[24] ضروری نہیں کہ اللہ تعالیٰ جس پر ناراض ہو اس کا رزق تنگ کر دیتا اور جس پر خوش ہو اس کا رزق کشادہ کر دیتا ہے۔ بلکہ وہ کبھی اپنے دشمنوں کی رسی دراز کر دیتا ہے اور پھر انہیں اچانک غفلت میں پکڑتا ہے اور کبھی اپنے نیک بندوں پہ رزق تنگ کر کے انہیں توفیق صبر دیتا اور ان کے درجات بلند فرماتا رہتا ہے۔ لہذا مومن کو چاہئے کہ وہ تنگی و فراخی ہر حالت میں رضاء رب پر راضی رہے۔

فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ

تو قریبی عزیز کو اور مسکین اور مسافر کو اس کا حق دو، یہ ان لوگوں کے لئے بہتر ہے جو اللہ کی

يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ ۫ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۳۸ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا

رضا چاہتے ہیں اور وہی کامیاب ہیں [25] اور تم جو سود دیتے ہو تاکہ وہ لوگوں کے مالوں میں

لِّيَرْبُوَا فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ

(شامل ہو کر) بڑھے تو وہ اللہ کے ہاں نہیں بڑھتا اور جو تم رضاء الٰہی چاہتے ہوئے

تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ۝۳۹ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ

زکوٰۃ دیتے ہو تو ایسے ہی لوگ دونا دون کماتے ہیں۔ [26] اللہ وہ ہے جس نے تمہیں پیدا کیا

ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ؕ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ

پھر تمہیں رزق دیا پھر تمہیں مارے گا پھر زندہ کرے گا۔ کیا تمہارے جھوٹے خداؤں میں سے

يَّفْعَلُ مِنْ ذٰلِكُمْ مِّنْ شَيْءٍ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝۴۰ ع

بھی کوئی ایسا کر سکتا ہے؟ اللہ ان کے شرک سے پاک اور بلند ہے۔

[25] یعنی ہر قریبی رشتہ دار کو اس کا حق دو۔ مثلاً نہ بیوی بچوں کی وجہ سے والدین اور بھائیوں کا حق مارو نہ والدین اور بھائیوں کے کہنے پر بیوی بچوں کو محروم کرو اور مسکینوں اور مسافروں کو بھی ان کا حق دو اور ایسا اللہ تعالیٰ کی رضا چاہتے ہوئے کرو کہ اسی میں کامیابی ہے۔ دکھاوے اور احسان جتلانے کے لئے ایسا مت کرو۔

## نادار والدین بھائیوں اور دوسرے قریبی عزیزوں کا خرچہ قریب ترین عزیزوں پر لازم ہے

معلوم ہوا کہ اگر والدین بوڑھے ہیں کہ کچھ کما نہیں سکتے تو ان کا خرچہ ان کے بچوں پہ لازم ہے۔ اسی طرح اگر کوئی بھائی بہن اس حالت میں ہے کہ کما نہیں سکتا تو اس کا خرچہ بھی دوسرے بھائیوں پہ لازم ہے۔ کیونکہ اس جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ۔ ''کہ رشتہ داروں کو ان کا حق دو۔'' یعنی تم انہیں کچھ دے کر ان پہ احسان نہیں کرو گے بلکہ ان کا تم پہ حق تھا جو تم نے ادا کیا۔ اب وہ حق کیا ہے؟ تو وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ۚ (سورہ بقرہ، آیت: ۲۳۳) میں بتایا

گیا ہے جو قریبی رشتہ دار ایک دوسرے کے وارث بنتے ہیں، جیسے والدین، اولاد، بیوی، بھائی، بہنیں وغیرہ۔ ان میں سے اگر کوئی اپاہج ومعذور یا نادار ہو تو اسکا خرچہ اس کے مالدار قریبی رشتہ داروں پہ حق وراثت کے حساب سے لازم ہے، اس کی کچھ تفصیل وہیں سورہ بقرہ کی آیت، ۲۳۳ کے تحت گزر گئی ہے وہاں دیکھیں۔

## مالداروں پہ غریبوں مسکینوں اور مسافروں کا حق ہے

اور وہ یہ ہے کہ زکوٰۃ وعشر اور دیگر صدقات واجبہ ان تک پہنچائے جائیں۔ جو ان کا حق نہیں دیتا وہ حرام کھاتا ہے۔ جیسا کہ فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ؕ سے ظاہر ہے۔ دوسری جگہ فرمایا گیا: وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۝۱۹ ''اور ان کے اموال میں سائلین اور محروم لوگوں کا حق ہے۔'' (ذاریات، ۱۹) سائلین وہ ہیں کہ وقتی طور پہ حاجت مندی کا شکار ہو گئے ہیں اور محرومین وہ ہیں جو مستقل طور پہ حاجت مند ہیں۔

[26] بعض لوگ سود کے ذریعے اپنا مال بڑھانا چاہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا مال میں برکت ڈالنے والا اللہ ہے۔ وہ سود کے ذریعے برکت نہیں ڈالتا بلکہ زکوٰۃ (یعنی صدقات وخیرات) دینے کی صورت میں مال میں برکت ڈالتا اور مال کو دونا دون (دُگنا) بڑھا دیتا ہے۔ وہ فرماتا ہے: يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ؕ ''وہ سود کو مٹاتا اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔'' (سورہ بقرہ، آیت: ۲۷۶) یاد رہے برکت ضروری نہیں کہ دنیوی ہو اصل برکت تو اُخروی ہے۔ اور دنیا میں بھی سودی کاروبار والے عموماً بالآخر روتے ہی دیکھے جاتے ہیں اور اُخروی خسارہ الگ ہے اور صدقات وخیرات کرنے والوں کا رزق دنیا میں بھی بڑھتا ہے اور اُخروی اجر کا تو کیا کہنا۔

یہاں زکوٰۃ سے مطلق صدقات مراد ہیں کیونکہ یہ سورۂ روم ہے جو مکہ میں نازل ہوئی اور زکوٰۃ مدینہ طیبہ میں فرض ہوئی۔ اسی لئے مکی سورتوں میں جہاں بھی زکوٰۃ کا ذکر ہے اس سے مطلقاً صدقات وخیرات مراد ہوتے ہیں۔ جیسے سورہ مومنون آیت 4، سورہ نمل آیت 3، سورہ لقمان آیت 4، سورہ فصلت آیت 7، سورہ مزمل آیت 20 اور سورہ بینہ آیت 5 میں ذکر کیا گیا ہے۔

ظَهَرَ الۡفَسَادُ فِی الۡبَرِّ وَالۡبَحۡرِ بِمَا كَسَبَتۡ اَيۡدِی النَّاسِ لِيُذِيۡقَهُمۡ بَعۡضَ

خشکی اور سمندر میں لوگوں کے کرتوتوں کی وجہ سے فساد برپا ہوا تاکہ اللہ انہیں ان کے

الَّذِیۡ عَمِلُوۡا لَعَلَّهُمۡ يَرۡجِعُوۡنَ ﴿۴۱﴾ قُلۡ سِيۡرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ فَانۡظُرُوۡا

بعض اعمال کی سزا چکھائے تاکہ وہ باز آئیں [27] آپ فرما دیں کہ تم زمین میں چلو پھرو اور دیکھو کہ

كَيۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلُ ؕ كَانَ اَكۡثَرُهُمۡ مُّشۡرِكِيۡنَ ﴿۴۲﴾

پہلے لوگوں کا کیا انجام ہوا ان میں سے اکثر مشرکین تھے [28]

فَاَقِمۡ وَجۡهَكَ لِلدِّيۡنِ الۡقَيِّمِ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ يَّاۡتِیَ يَوۡمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ

توتم دین محکم کے لئے اپنی توجہ پختہ کرلو اس سے قبل کہ وہ دن آ جائے جس کا اللہ کی طرف سے ٹلنے کا کوئی امکان نہیں،

اللّٰهِ يَوۡمَئِذٍ يَّصَّدَّعُوۡنَ ﴿۴۳﴾ مَنۡ كَفَرَ فَعَلَيۡهِ كُفۡرُهٗ ۚ وَمَنۡ عَمِلَ صَالِحًا

اس دن لوگ باہم بٹ جائیں گے۔ جس نے کفر کیا اس پر اس کا کفر پڑے گا اور جس نے اچھا عمل کیا

فَلِاَنۡفُسِهِمۡ يَمۡهَدُوۡنَ ﴿۴۴﴾ لِيَجۡزِیَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنۡ

تو یہ لوگ اپنے بھلے کے لئے تیاری کرتے ہیں۔[29] تاکہ اللہ ایمان لانے اور اچھے اعمال کرنے والوں کو اپنے فضل سے

فَضۡلِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الۡكٰفِرِيۡنَ ﴿۴۵﴾

جزا دے بے شک وہ کافروں کو پسند نہیں رکھتا۔[30]

## ردِّ شرک، تحقیقِ رسالت اور آیاتِ قدرت کا بیان

[27] یعنی جب انسان زمین پر بازارِ گناہ گرم کرتے ہیں تو اس کی نحوست خشکی اور سمندر میں ظاہر ہوتی ہے قحط سالی آتی ہے اور عذابات اترتے ہیں بارش برسنا بند ہو جاتی ہے جس سے خشکی کے جانور مرتے اور سمندر کی مچھلیاں متاثر ہوتی ہیں اور حضرت زید بن رفیع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''بارش نہ ہونے سے سمندری جانور اندھے ہو جاتے ہیں۔'' (درمنثور جلد ۶ صفحہ ۴۹۷) اسی طرح جب انسان اللہ تعالیٰ کی ناشکری و نافرمانی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا غضب جوش میں آتا ہے، جس کے

سبب بحر و بر میں فساد پیدا ہوتا ہے۔ مثلاً زلزلے آتے ہیں، جن سے پورے پورے شہر تباہ ہو جاتے ہیں اور سمندروں میں طغیانیاں آتی ہیں جو بسا اوقات انسانی آبادیوں کا رخ کر لیتی ہیں اور ہزاروں لاکھوں افراد انکا شکار ہو کر موت کے گھاٹ اتر جاتے ہیں۔ آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس طرح اللہ انسانوں کو ان کے بعض بُرے اعمال کا مزہ چکھاتا ہے یعنی بعض اعمال سے درگزر فرماتا ہے۔

اس آیت کی دیگر تفاسیر بھی ہیں۔ مثلاً اسکی تفسیر یہ بھی ہے کہ انسان ایک دوسرے کے خلاف قتل وغارت کا سلسلہ خشکی کی طرح سمندر میں بھی جاری کرتے اور ایک دوسرے کی کشتیاں ڈبوتے ہیں۔ بلکہ آج تو ہر ملک کی اپنی بحری فوج ہے جسکو بعض ممالک دوسرے ممالک کے خلاف استعمال کرتے ہوئے ناجائز طریقہ سے ان کے بحری راستے مسدود کر دیتے ہیں۔ یوں انسان خشکی وسمندر دونوں میں اپنے کرتوتوں کے ذریعہ فساد بپا کرتا ہے۔

[28] یہ کہا گیا کہ انسانوں کے گناہوں کی وجہ سے بحر و بر میں فساد پھیلتا ہے اور ان کو ان کے گناہوں کا مزہ چکھایا جاتا ہے۔ تو اب آگے فرمایا جا رہا ہے کہ گزشتہ مشرک قوموں نے جب اسلام کے خلاف کفر وشرک کی آندھی چلائی تو ان کا انجام بہت عبرت ناک ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہلاک ہونے والی گزشتہ اقوام اکثر مشرک تھیں یعنی ان کی دیگر بداعمالیوں کے علاوہ وہ اکثر مشرک بھی تھیں۔ گویا ان کی بداعتقادی ان کا بڑا جرم تھی دوسرے جرائم کا درجہ کم تر تھا۔

[29] یعنی قیامت کا دن جسے کوئی ٹال نہیں سکتا۔ قیامت کا دن آنے سے قبل دین اسلام کے احکام پر سختی سے عمل کر لو اس دن لوگ دو گروہوں میں بٹ جائیں گے کفر والوں پر ان کے کفر کا وبال پڑے گا اور اچھا عمل کرنے یعنی ایمان لانے والوں کو ان کے عمل کی جزا ملے گی کیونکہ وہ دنیا میں اپنے ہی بھلے کی تیاری کر رہے ہیں۔

[30] روز قیامت اللہ تعالیٰ ایمان لانے اور اچھے اعمال کرنے والوں کو اپنے فضل سے بہتر جزا یعنی جنت عطا فرمائے گا اور اللہ تعالیٰ کافروں کو پسند نہیں رکھتا اس لئے وہ انہیں آخرت میں کوئی نعمت نہ دے گا اور ایمان والوں کو ان کے عمل صالح کی جزا ملے گی۔ اس آیت میں مِّنۡ فَضۡلِهٖ کے الفاظ سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ روز قیامت جس کو جنت دے گا اپنے فضل سے دے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں کے برابر کوئی بھی اس کی عبادت نہیں کر سکتا کہ وہ اپنے اعمال سے جنت کا حقدار بنے۔ حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ''روز قیامت ایک شخص آئے گا جس نے کوئی گناہ نہ کیا ہو گا اللہ تعالیٰ اسے فرمائے گا کیا میں تمہیں تمہارے عمل کے مطابق جزا دوں یا اپنے فضل سے جنت عطا کروں؟ وہ کہے گا اے اللہ تعالیٰ تو خوب جانتا ہے میں نے کوئی گناہ نہیں کیا (لہٰذا تو مجھے میرے عمل کے مطابق جزا دے) اللہ تعالیٰ فرمائے گا میرے بندے کے تمام اعمال کو میری عطا کردہ کسی نعمت کے ساتھ تولو تو اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت اس کے تمام اعمال سے بھاری ہو جائے گی۔ تب اللہ فرمائے گا اب تم میرے فضل سے جنت میں چلے جاؤ۔''

(مظہری جلد ۷ صفحہ ۲۳۹ بروایت طبرانی)

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ يُّرْسِلَ الرِّيَاحَ مُبَشِّرٰتٍ وَّلِيُذِيْقَكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَلِتَجْرِيَ

اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ وہ بشارت سنانے والی ہوائیں چلاتا ہے تا کہ وہ تمہیں اپنی رحمت چکھائے اور کشتیاں

الْفُلْكُ بِاَمْرِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿٤٦﴾ وَلَقَدْ

اس کے حکم سے چلیں اور تم اس کا فضل تلاش کرو اور تا کہ تم شکر بجا لاؤ [ 31] اور آپ سے قبل

اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَانْتَقَمْنَا

ہم نے رسولوں کو ان کی اقوام کی طرف مبعوث کیا تو وہ ان کے پاس واضح نشانیاں لے کر آئے۔ پھر ہم نے

مِنَ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا ؕ وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٤٧﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْ

جرم کرنے والوں سے انتقام لیا اور مومنوں کی مدد کرنا ہمارے ذمہ ہے [ 32] اللہ وہ ہے جو

يُرْسِلُ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَيَبْسُطُهٗ فِي السَّمَآءِ كَيْفَ يَشَآءُ وَيَجْعَلُهٗ

ہوائیں چلاتا ہے جو بادل کو اٹھا لاتی ہیں پھر اللہ بادل کو آسمان میں جیسے چاہے پھیلا دیتا ہے اور اس کے ٹکڑے بنا دیتا ہے

كِسَفًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ فَاِذَآ اَصَابَ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ

پھر تم دیکھتے ہو کہ اس کے اندر سے موسلا دھار بارش برسنے لگتی ہے۔ پھر جب وہ اسے اپنے بندوں میں سے جن پر چاہے

عِبَادِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿٤٨﴾ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْهِمْ

پہنچاتا ہے تو وہ خوش ہو جاتے ہیں، حالانکہ اس کے ان پر برسائے جانے سے قبل

مِّنْ قَبْلِهٖ لَمُبْلِسِيْنَ ﴿٤٩﴾ فَانْظُرْ اِلٰٓى اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ كَيْفَ يُحْيِ الْاَرْضَ

وہ یقیناً مایوس تھے [ 33] تو اللہ کی رحمت کے آثار دیکھو وہ کس طرح زمین کو اس کے مرنے کے بعد

بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ اِنَّ ذٰلِكَ لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٥٠﴾

زندہ کر دیتا ہے، بے شک وہ مردوں کو زندہ کرنے والا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے [ 34]

[31] اللہ تعالیٰ کی وحدانیت وقدرت کی ایک دلیل یہ ہے کہ وہ بارش سے قبل بارش کی بشارت لانے والی ٹھنڈی ہوائیں چلاتا ہے تاکہ لوگ اس کی رحمت کا مزہ چکھیں اور ہواؤں کے دباؤ سے کشتیاں چلتی ہیں اور لوگ کشتیوں کے ذریعے سفر کر کے اللہ تعالیٰ کا فضل (رزق) تلاش کرتے ہیں اور اس کا شکر بجالانے والے شکر بجالاتے ہیں۔ تو آخر اللہ کے سوا کون ہے جو ہواؤں کو چلاتا ہے تو پھر اللہ ہی مستحق عبادت ہے مگر یہ بات مشرکوں کی عقل میں نہیں آتی۔

[32] اللہ تعالیٰ نے جس طرح انسان کی جسمانی راحت کے لئے ہوائیں چلائیں اسی طرح اس نے اس کی روحانی راحت کے لئے رسالت کی ہوائیں چلائیں۔ مرسلین گرامی واضح نشانیاں یعنی اللہ کا کلام اور معجزات لے کر آئے۔ مگر کچھ بدبخت لوگوں نے ان سے دشمنی کی تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ہم نے ان سے انتقام لیا اور انبیاء اور ان کے مومن ساتھیوں کی مدد کی، کیونکہ مومنوں کی مدد ہمارے ذمے ہے۔

یہاں سے دو فوائد حاصل ہوئے:

(۱) اسلام دشمن قومیں ایک نہ ایک دن ضرور اللہ تعالیٰ کی پکڑ میں آجاتی ہیں: قومیں محض کفر کے ساتھ پنپ سکتی ہیں مگر اہل اسلام پر مظالم روا رکھ کر زندہ نہیں رہ سکتیں۔ جہاد کا حکم بھی سب کفار کے خلاف نہیں ہے بلکہ دشمنان اسلام ودشمنان اہل اسلام کے خلاف ہے۔ جو قومیں اسلامی حکومت کو مان لیں یا مسلمانوں سے مصالحت کرلیں ان کے خلاف جہاد نہیں کیا جاسکتا۔

(۲) مومنوں کی مدد کرنا اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمے لیا ہے: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَكَانَ حَقًّا عَلَيۡنَا نَصۡرُ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ۝۴۷ مگر شرط یہ ہے کہ وہ ایمان کے تقاضے پورے کریں اسی لئے فرمایا گیا: وَاَنۡتُمُ الۡاَعۡلَوۡنَ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ۝۱۳۹ ''اگر تم (مخلص) مومن ہو تو تم ہی غالب ہو۔'' (آل عمران: ۱۳۹)

[33] اللہ تعالیٰ ہواؤں کے دوش پر بادلوں کی فوج دنیا کے مختلف حصوں کی طرف بھیجتا ہے جب وہ اپنی منزل پہ پہنچتے ہیں تو ان کے اندر سے موسلا دھار بارش برسنے لگتی ہے اور منزل پہ پہنچنے سے قبل نہیں برستی اور اس کے برسنے سے قبل وہاں کے لوگ مایوس بیٹھے ہوتے ہیں پھر بارانِ رحمت کے نزول سے ان کے دل خوشی سے لبریز ہوجاتے ہیں۔ آخر اللہ کے سوا یہ بارشیں کون برساتا ہے کیا مشرکوں کے جھوٹے خدا ایسا کرتے ہیں؟ ان کا اس سے کیا واسطہ ہے۔

[34] اللہ رب العزت خشک مردہ زمین پر بارش برسا کر اسے زندہ کردیتا ہے یعنی اس میں خشک گٹھلیوں اور خشک بیج سے لہلہاتے درخت اور کھیت پیدا کردیتا ہے تو جو رب یہ کرسکتا ہے کیا وہ روز قیامت خشک ہڈیوں کو دوبارہ زندہ نہیں کرسکے گا؟ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

وَلَئِنْ اَرْسَلْنَا رِیْحًا فَرَاَوْهُ مُصْفَرًّا لَّظَلُّوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ یَكْفُرُوْنَ ﴿۵۱﴾ فَاِنَّكَ

اوراگر ہم (گرم) ہوا بھیجیں جس کی وجہ سے وہ اپنی کھیتی کو زرد (خشک) پائیں تو وہ اس کے بعد کفر کرنے لگتے ہیں۔[35] تو بے شک

لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِیْنَ ﴿۵۲﴾ وَمَآ

آپ مُردوں کو (ہدایت کی بات) نہیں سنا سکتے اور نہ بہروں کو پکار سنا سکتے ہیں جب وہ پیٹھ پھیر جائیں۔ اور نہ

اَنْتَ بِهٰدِ الْعُمْیِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ؕ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ یُّؤْمِنُ بِاٰیٰتِنَا فَهُمْ

آپ اندھوں کو ان کی گمراہی سے ہدایت دے سکتے ہیں، آپ تو اس کو سنا سکتے ہیں جو ہماری آیات پر ایمان لائے تو وہی

مُّسْلِمُوْنَ ﴿۵۳﴾ ع

سر جھکاتے ہیں۔[36]

[35] یعنی کفار کی اللہ تعالیٰ سے بے وفائی کا یہ حال ہے کہ جب اللہ تعالیٰ بارش برسا کر ان کے لئے زمین سے اناج اُگائے تب وہ خوشیاں مناتے ہیں اور جب وہ ان کے کرتوتوں کے باعث ان پر گرم ہوا بھیجے جس سے ان کی کھیتی خشک ہو جائے تو وہ اللہ تعالیٰ سے انکار کرنے لگتے ہیں۔ معلوم ہوا مومن ایسے نہیں کرتا بلکہ وہ ہر حال میں رضاء الٰہی پر راضی و خوش رہتا ہے۔

[36] جب کفار کے عناد کی یہ حالت ہے تو اے پیارے محبوب ﷺ! آپ ایسے مردہ دل لوگوں کو ہدایت کا پیغام نہیں سنا سکتے اور جب وہ آپ کی بات سننے کی بجائے پیٹھ پھیر کر اٹھتے ہیں تو آپ ایسے بہرے لوگوں کو اپنی پکار نہیں سنا سکتے اور جب وہ راہ ہدایت دیکھنا ہی نہیں چاہتے تو آپ ان اندھوں کو کیسے ہدایت دے سکتے ہیں۔ آپ تو انہی لوگوں کو پیغام حق سنا سکتے ہیں جو ہماری آیات پر ایمان لانا چاہیں اور سر جھکائیں۔

## سماع موتیٰ پہ تحقیق اور اس کے خلاف شبہات کا رد

ان دو آیات سے بعض لوگوں نے یہ استدلال کیا کہ مردے نہیں سنتے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى، آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے۔ جب نبی کریم ﷺ مردوں کو نہیں سنا سکتے تو کوئی دوسرا کیسے سنا سکتا ہے لہٰذا کسی نبی یا ولی کی قبر پر جا کر یا غائبانہ اس سے توسل و استغاثہ کرنا حرام اور کفر و شرک ہے۔ مگر یہ استدلال محض غلط اور کامل گمراہی ہے۔ ان آیات کا ہر لفظ بتا رہا ہے کہ یہاں دل کے مردے اور دل کے اندھے اور بہرے یعنی ضدی کفار مراد ہیں اسی لئے آخر میں فرمایا گیا: اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ یُّؤْمِنُ، یعنی آپ تو صرف مومنوں کو سنا سکتے ہیں۔ اور قرآن میں کئی جگہ کفار کو

مردے بہرے گونگے اور اندھے کہا گیا ہے جیسے سورہ بقرہ: آیت 18، سورہ یونس: آیت 42، 43، سورہ نمل: آیت: 80، 81، سورہ فاطر: آیت 23 و 19 میں آیا ہے۔

رہا یہ کہ مردے برزخی زندگی میں سنتے ہیں یا نہیں تو قرآن وحدیث کے مطابق وہ نہ صرف سنتے ہیں بلکہ دیکھتے اور جانتے پہنچانتے بھی ہیں اللہ تعالیٰ نے شہداء کے بارے میں فرمایا انہیں مردہ نہ کہو اور مردہ نہ سمجھو وہ زندہ ہیں۔ (بقرہ، ۱۵۴: آل عمران، ۱۶۹) اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ﴿۴۵﴾ آپ ان رسولوں سے پوچھیں جن کو ہم نے آپ سے پہلے بھیجا کہ کیا ہم نے رحمان کے سوا کوئی خدا بنائے ہیں جن کی عبادت کی جائے؟ (زخرف، ۴۵) گویا جو رسولان گرامی فوت ہو گئے ہیں ان سے سوال کرنے کا کہا گیا۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جب لوگ اپنے کندھوں پہ جنازہ اٹھاتے ہیں تو اگر وہ نیک ہو تو کہتا ہے مجھے جلد لے چلو اور اگر بد ہو تو کہتا ہے ہائے مجھے کہاں لے جا رہے ہو اور انس وجن کے سوا ہر مخلوق اس کی آواز سنتی ہے اور اگر انسان یہ آواز سن لے تو ہوش میں نہ رہے۔'' (بخاری کتاب الجنائز باب ۵۱، نسائی کتاب الجنائز باب ۴۴)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مقتولانِ بدر (ابوجہل وعقبہ وغیرہ) سے خطاب کیا کہ کیا تم نے اپنا انجام دیکھ لیا؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کیا یہ سنتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ما انتم باسمع منهم غیرانهم لا یستطیعون ان یجیبوا۔ تم ان سے زیادہ نہیں سن سکتے۔ مگر یہ جواب نہیں دے سکتے۔ (بخاری کتاب الجنائز باب ۸۶)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جب لوگ مردے کو دفنانے کے بعد لوٹتے ہیں۔ حتی انه لیسمع قرع نعالهم۔ تو وہ ان کے قدموں کی آہٹ بھی سن رہا ہوتا ہے۔''

(بخاری کتاب الجنائز باب ۶۷، مسلم کتاب صفۃ الجنۃ حدیث ۱۷)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ان المیت یعرف من یغسله ویحمله ومن یکفنه ومن یدلیه فی حفرته۔ میت جانتی ہوتی ہے کہ اسے کون غسل دے رہا، کون اٹھا رہا، کون کفن دے رہا اور کون قبر میں اتار رہا ہے۔ (مسند احمد بن حنبل جلد ۳ صفحہ ۶۸۳)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شہداء احد کی قبروں پہ کھڑے ہو کر فرمایا: ''لوگو ان کی قبروں پر آیا کرو قیامت تک جو انہیں سلام کہے گا یہ ضرور اسے جواب دیں گے۔'' (مستدرک للحاکم جلد ۲ صفحہ ۲۴۸) الغرض کثیر احادیث صحیحہ سے یہ بات ظاہر ہے کہ مردے سنتے جانتے ہیں حتیٰ کہ کفار بھی۔ تو مومنین اور ان میں سے شہداء و صالحین اور مرسلین کا کیا کہنا ہے۔

بلکہ بعض صالحین تو اپنی قبور میں قرآن پڑھتے اور عبادات کرتے ہیں اور اپنے زائرین کو اچھی طرح جانتے ہیں چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض صحابہ نے ایک جگہ خیمہ لگایا تو نیچے کوئی قبر تھی اور اس میں سے کسی کے سورہ ملک کے پڑھنے کی آواز آنے لگی۔ پڑھنے والے نے ساری سورت مکمل کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ماجرا عرض کیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ سورت مانعہ ہے جو عذاب کو منع کر دیتی ہے اور منجیہ ہے جو عذاب قبر سے نجات دیتی ہے۔ (ترمذی کتاب فضائل القرآن حدیث ۲۸۹۰) اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بیشک تمہارے اعمال تمہارے وفات یافتہ قرابت داروں پر پیش کیے جاتے ہیں اگر اعمال اچھے ہوں تو خوش ہوتے ہیں اگر بُرے ہوں تو کہتے ہیں اے اللہ انہیں مرنے سے قبل توبہ کی توفیق دے دے۔''

(مسند احمد بن حنبل ج ۳ ص ۱۶۵)

البتہ یہاں یہ سوال کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کفار کے بارے میں فرمانا: فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى، تم مردوں کو نہیں سنا سکتے، اس معنی میں ہے کہ کفار کو مردوں سے تشبیہ دی گئی ہے۔ یعنی جیسے مردے نہیں سن سکتے اسی طرح کفار ہدایت کی بات نہیں سن سکتے، تو اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ مردے نہیں سن سکتے اور یہی قرآن کا مفاد ہے۔ مگر اس کا جواب یہ ہے کہ دراصل یہ کلام مُردوں کی ظاہری حالت کے مطابق ہے۔ کیونکہ بظاہر مُردے نہیں سنتے اور ان کا سننا اگرچہ برحق ہے مگر ہم اس کی حقیقت کا ادراک نہیں رکھتے۔ یہ اسی طرح ہے جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ کی راہ میں قتل کیے جانے والوں کو مردہ نہ کہو وہ زندہ ہیں مگر تم اس زندگی کا شعور نہیں رکھتے۔ (بقرہ، ۱۵۴) اور قرآن میں کئی مقامات پہ چیزوں کی ظاہری حالت کے مطابق کلام کیا گیا ہے۔ جبکہ حقیقت اس سے مختلف ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَاَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا فَفِي الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ. ''نیک بخت لوگ جنت میں ہوں گے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے جب تک زمین وآسمان ہیں۔'' (ہود، ۱۰۸) چونکہ انسان کی عام سوچ یہی ہے کہ زمین وآسمان ہمیشہ رہنے والے ہیں تو زمین وآسمان کی ظاہری حالت کے مطابق یہ بات کہی گئی ہے۔ اسی طرح بظاہر مُردے نہیں سنتے تو اس بنیاد پہ کفار کو مُردوں سے تشبیہ دی گئی۔

## میت کے پوسٹ مارٹم کی ممانعت اور اموات کو برطانیہ سے پاکستان لیجانے کی قباحت

ان تمام احادیث کی روشنی میں جب ثابت ہوگیا کہ میت سب کچھ سنتی، دیکھتی اور جانتی ہے تو پھر اس کا پوسٹ مارٹم کرنا۔ اور اس کا چیر پھاڑ کرنا شرعاً حرام ہے۔ رہا اس کو دفنانا تو یہ ایک شرعی ضابطہ ہے اس کو مکمل کیے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ مردہ جانتا دیکھتا نہیں ہے۔ کیونکہ حدیث صحیح میں صاف آ گیا کہ مردہ کو دفنا کر جب لوگ واپس جاتے ہیں تو وہ ان کے پاؤں کی آہٹ بھی سن رہا ہوتا ہے۔ یہاں برطانیہ میں کئی لوگ اپنے رشتہ داروں کی میتوں کو پاکستان لے جا کر دفناتے ہیں، جس کے لیے میت کی چیر پھاڑ کی جاتی اور اس میں مختلف کیمیکلز بھرے جاتے ہیں تاکہ

میت راستہ میں خراب نہ ہو اور اگر ان کو برطانیہ ہی میں دفن کر دیا جائے تو کسی چیر پھاڑ کی ضرورت نہیں ہے۔ بلا وجہ ان حالات میں میت کو پاکستان لیجانا جائز نہیں ہے، یہ میت کی بے حرمتی ہے اور اس کو بے جا اذیت سے دو چار کرنا ہے۔

رہا وہ فقہی جزئیہ کہ اگر حاملہ عورت فوت ہو جائے اور اس کے پیٹ میں بچہ حرکت کر رہا ہو تو عورت کا پیٹ پھاڑ کر اس میں سے بچہ کو نکالنا جائز ہے۔ تو وہ ایک ضرورت ہے ایک بے بسی کی صورت ہے۔ اس کے لیے ہم مجبور ہیں اگر ہم ایسا نہ کریں تو وہ بچہ مر جائے گا۔ جبکہ میت کو پاکستان لیجانا کوئی مجبوری نہیں ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضُعْفٍ

اللہ وہ ہے جس نے تمہیں کمزور حالت میں پیدا کیا پھر کمزوری کے بعد

قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضُعْفًا وَّشَیْبَةً ؕ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ ۚ

قوت بنائی پھر قوت کے بعد کمزوری اور بڑھاپا رکھ دیا۔ اللہ جو چاہے پیدا کرے

وَهُوَ الْعَلِیْمُ الْقَدِیْرُ ﴿۵۴﴾ وَیَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ یُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ۙ۵ مَا

وہ علم والا قدرت والا ہے [37] اور جس دن قیامت قائم ہو گی تو مجرم لوگ قسم اٹھا کر کہیں گے کہ وہ (دنیا میں)

لَبِثُوْا غَیْرَ سَاعَةٍ ؕ كَذٰلِكَ كَانُوْا یُؤْفَكُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَقَالَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا

ایک گھڑی کے سوا نہ رہے تھے وہ اسی طرح جھوٹ گھڑتے تھے اور جنہیں علم اور

الْعِلْمَ وَالْاِیْمَانَ لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ اِلٰی یَوْمِ الْبَعْثِ ۫ فَهٰذَا

ایمان دیا گیا وہ کہیں گے کہ تم اللہ کی تحریر کے مطابق روز قیامت تک ٹھہرے تھے۔ تو یہ

یَوْمُ الْبَعْثِ وَلٰكِنَّكُمْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۵۶﴾ فَیَوْمَئِذٍ لَّا یَنْفَعُ الَّذِیْنَ

روز قیامت ہے، مگر تم جانتے نہ تھے۔ تو اس دن ظالموں کو

ظَلَمُوْا مَعْذِرَتُهُمْ وَلَا هُمْ یُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِیْ

ان کی معذرت نفع نہ دے گی اور نہ ہی ان کی خوشی چاہی جائے گی [38] اور ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے لئے

هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ؕ وَلَئِنْ جِئْتَهُمْ بِاٰیَةٍ لَّیَقُوْلَنَّ الَّذِیْنَ

ہر مثال بیان کر دی ہے اور اگر آپ ان کے پاس کوئی نشانی لائیں تو کفر کرنے والے

كَفَرُوْۤا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُبْطِلُوْنَ ﴿۵۸﴾ كَذٰلِكَ یَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِ الَّذِیْنَ

کہتے ہیں تم تو بس جھوٹ گھڑتے ہو، اسی طرح اللہ نہ جاننے والوں کے دلوں پر

قرء حفص بفتح الضاد وضمها لکن الضم مختار لقول ابن عمر

لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۹﴾ فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلَا يَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِيْنَ لَا يُوْقِنُوْنَ ﴿۶۰﴾ ع

مہر لگا دیتا ہے۔ تو آپ صبر رکھیں بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے اور یقین نہ لانے والے آپ کو کمزور نہ کر دیں [39]

## عظمتِ ربوبیت اور حقانیتِ قیامت کا بیان

[37] اللہ تعالیٰ کی ربوبیت وقدرت کی یہ عظیم نشانی ہے کہ انسان بہت کمزور پیدا ہوتا ہے وہ اس وقت اپنی مرضی سے پہلو بھی نہیں بدل سکتا کچھ کھانا پینا یا لباس پہننا تو درکنار۔ پھر اللہ تعالیٰ انسان کو آہستہ آہستہ قوت عطا فرماتا ہے وہ شیر خوارگی سے بچپن، بچپن سے لڑکپن اور لڑکپن سے جوانی تک جا پہنچتا ہے جہاں اس کی جسمانی و ذہنی صلاحیتیں درجہ کمال کو پہنچ جاتی ہیں۔ پھر چالیس برس کی عمر کے بعد اس کے جسم میں کمزوری آنے لگتی ہے پھر وہ وقت آتا ہے کہ وہ اپنی مرضی سے پہلو بدلنے اور کھانے پینے اور لباس پہننے سے معذور اور ذہنی طور پر بچوں جیسا ہو جاتا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْـًٔا ''اور تم میں سے بعض کو کمزور ترین عمر کی طرف لوٹایا جاتا ہے کہ وہ جاننے کے باوجود کچھ نہ جانے۔'' (حج:۵) تو یہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق ہے وہ جیسے چاہے پیدا کرے۔ وہ علم وقدرت والا ہے۔

اس میں یہ درس ہدایت ہے کہ جوانی اور حسن ظاہری ڈھلتی چھاؤں ہے یعنی زور جوانی کے گھمنڈ میں کسی کمزور کا مذاق اُڑانا یا اسے ستانا بہت قبیح حرکت ہے۔ بلکہ انسان کو جسمانی قوت پہ اکڑنے کی بجائے اپنے اندر روحانی قوت پیدا کرنی چاہیے اور جسمانی حسن پہ نازاں ہونے کی بجائے اپنے اندر اخلاق صالحہ کا روحانی حسن لانا چاہیے۔

[38] روز قیامت مجرمین یعنی کفار ومشرکین کہیں گے کہ وہ دنیا میں صرف ایک گھڑی رہے تھے لہٰذا انہیں توبہ کرنے اور اپنی اصلاح کا وقت ہی نہیں ملا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اسی طرح وہ دنیا میں بھی جھوٹ گھڑتے تھے یعنی جھوٹے خداؤں کی پرستش کرتے اور قیامت سے انکار کرتے تھے۔ ویسا ہی جھوٹ وہ روز قیامت گھڑلیں گے۔ کفار کی اس بات کے جواب میں وہ لوگ جو حق کا علم حاصل کر کے اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے تھے کہیں گے کہ تم دنیا میں ایک گھڑی نہیں بلکہ دنیا میں طویل زندگی گزار کر قبروں میں تا قیامت رہے اور اب تم قیامت میں کھڑے ہو مگر تم قیامت پہ یقین نہ لاتے تھے تب کفار معذرت کریں گے مگر اس دن معذرت کرنا کام نہ آئے گا اور نہ ان کی کوئی خوشی یا خواہش پوری کی جائے گی۔

[39] قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ نے ہر وہ مثال بیان کر دی ہے جس سے کسی گمراہ انسان کو ہدایت مل سکتی ہے مگر جن کے نصیب میں ہدایت نہیں وہ ساری مثالیں سن کر بھی ہدایت نہیں پکڑتے۔ اس لئے آگے فرمایا گیا کہ اے پیارے

محبوب ﷺ! جب آپ کفار کو قرآن کی کوئی آیت سناتے ہیں تو کفار کہتے ہیں تم نے اسے اپنی طرف سے بطور جھوٹ گھڑا ہے۔ یا یہ معنی ہے کہ جب بھی آپ انہیں کوئی معجزہ دکھاتے ہیں تو کفار کہتے ہیں کہ تم نے جادو سے یہ شعبدہ کیا ہے۔ ایسے ضدی لوگوں کے دلوں پہ اللہ مہر لگا دیتا ہے یہ لوگ جاننا ہی نہیں چاہتے لہٰذا اے پیارے محبوب ﷺ! آپ ان کے انکار پر صبر رکھیں اللہ کا وعدہ سچا ہے اللہ کی مدد آنے والی ہے اور آپ کی باتوں پہ یقین نہ لانے والے آپ کے حوصلے کو کمزور نہ کر دیں۔ معلوم ہوا مبلغ دین کو لوگوں کے انکار کے باوجود پورے عزم کے ساتھ اپنا کام جاری رکھنا چاہئے۔

---

الحمد للہ آج 20 ربیع الثانی 1429ھ بمطابق 26 اپریل 2008ء بروز ہفتہ نماز ظہر سے قبل سورہ روم کی تفسیر مکمل ہوئی۔

وصلی اللہ علی حبیبہ محمد و آلہ و صحبہ اجمعین۔

# سورۃ لقمان

چونکہ اس سورت میں حضرت لقمان کا ذکر ہے اس لئے اسے سورۂ لقمان کہا گیا۔ دراصل اس سورت کے دوسرے رکوع میں ان نصائح کا بیان ہے جو حضرت لقمان رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بیٹے سے فرمائیں۔ یہ نصائح اس قدر جامع ہیں کہ تمام اسلامی عقائد واعمال کی روح ان میں سمائی ہوئی ہے۔ اس لئے انہیں یہاں اس اہتمام سے بیان کیا گیا۔

اس سورت میں چار (4) رکوعات چونتیس (34) آیات، پانچ سو اڑتالیس (548) کلمات اور دو ہزار ایک سو دس (2110) حروف ہیں۔ یہ مکی سورت ہے مگر تعین نہیں کیا جا سکتا کہ یہ مکہ میں کس سن بعثت میں نازل ہوئی البتہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ترتیب نزول سورت ہائے قرآن کے مطابق یہ سورت سورۂ صافات کے بعد اور سورۂ سبا سے قبل نازل ہوئی اور ترتیب نزول کے اعتبار سے یہ قرآن کریم کی 56 ویں سورت ہے اور ترتیب تلاوت کے اعتبار سے 31 ویں سورت۔

حضرت براء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا: ''ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز ظہر پڑھتے تھے اور ہم سورہ لقمان اور سورہ ذاریات کی ایک ایک آیت الگ سنتے تھے۔'' (ابن ماجہ کتاب اقامۃ الصلوٰۃ باب ۸ حدیث ۸۳۰) یعنی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز ظہر میں ان سورتوں کو یوں والہانہ انداز میں پڑھ رہے تھے کہ خفیہ تلاوت کے باوجود صحابہ کرام کو آپ کی قرأت سنائی دے رہی تھی۔

سورہ لقمان کے پہلے رکوع میں موسیقی کی حرمت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں خدائی نعمتیں گنوائی گئی ہیں۔ دوسرے رکوع میں حضرت لقمان رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ہے۔ اور ان کی اپنے بیٹے کے لیے ایمان افروز نصائح کا بیان ہے۔ تیسرے رکوع میں جہاں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا ذکر ہے وہاں اس کی قدرتوں اور عظمتوں کا بیان ہے اور آخری رکوع میں بتایا گیا ہے مشرکین مصیبت میں اللہ تعالیٰ کو پکارتے ہیں اور اس کے بعد پھر اپنے کرتوتوں کی طرف لوٹ جاتے ہیں، پھر علم الٰہی کا بیان ہے۔

## ماقبل سے مناسبت

اس سے قبل سورہ روم ہے جس میں توحید ربانی کے مفصل دلائل ہیں اور یہی مضمون سورہ لقمان میں بھی شروع ہو رہا ہے، اور دونوں سورتوں میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا تفصیلی ذکر ہے۔ پھر یہ سورتیں وہ ہیں جو الف، لام، میم سے شروع ہو رہی ہیں۔ ان کو اکٹھا رکھا گیا ہے۔

راجی رحمۃ الرب عبدہ المذنب قاری محمد طیب غفرلہ

آیاتها ٣٤ ٣١ سُوْرَۃُ لُقْمٰن مَکِّیَّۃٌ ٥٧ رکوعاتها ٤

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

الٓمّٓ ۝١ تِلْكَ اٰیٰتُ الْکِتٰبِ الْحَکِیْمِ ۝٢ ھُدًی وَّرَحْمَۃً لِّلْمُحْسِنِیْنَ ۝٣

الف، لام، میم، یہ حکمت والی کتاب کی آیات ہیں، یہ کتاب نیکوکاروں کے لئے ہدایت اور رحمت ہے

الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وَھُمْ بِالْاٰخِرَۃِ ھُمْ

جو نماز قائم کرتے اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔

یُوْقِنُوْنَ ۝٤ اُولٰٓئِکَ عَلٰی ھُدًی مِّنْ رَّبِّھِمْ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝٥

یہ لوگ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور یہی لوگ کامیاب ہیں۔ [ 1]

## مومنوں اور کافروں کے کام اور انجام میں فرق

[1] اس سورت کی ان ابتدائی آیات کے الفاظ سورہ بقرہ کی ابتدائی آیات سے ملتے جلتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان میں قرآن کو محسنین کے لئے ہدایت اور رحمت قرار دیا ہے۔ ہدایت یہ ہے کہ عقائد و اعمال درست ہو جائیں اور رحمت اس کے دنیوی واخروی ثمرات ہیں۔ محسنین سے متقین مراد ہیں کیونکہ سورہ بقرہ میں فرمایا گیا: ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ گویا تقویٰ اور احسان ایک ہی مفہوم کی دو تعبیریں ہیں۔ تقویٰ کا مفہوم اللہ تعالیٰ سے ڈرنا ہے اور احسان کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت یوں کی جائے کہ بندہ اللہ کو دیکھ رہا ہے اور کم از کم بندہ یہ سمجھے کہ اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے اور ایسے بندوں کی صفات یہ ہوتی ہیں کہ وہ نماز قائم کرتے زکوٰۃ دیتے اور آخرت پہ یقین رکھتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی ہدایت یافتگی اور کامیابی پر اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے۔ یاد رہے یوں تو قرآن ساری انسانیت کے لئے ہدایت ہے جیسے فرمایا گیا: ھُدًی لِّلنَّاسِ (بقرہ:١٨٥) مگر چونکہ قرآن سے وہی لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں جن کے دلوں میں تقویٰ اور احسان ہو اس لئے ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ (بقرہ:٢) اور ھُدًی وَّرَحْمَۃً لِّلْمُحْسِنِیْنَ ۝٣ (لقمان:٣) فرمایا گیا۔

یہاں سے دوفوائد حاصل ہوئے:

(۱) اہمیت نماز: یہاں اقامت صلوۃ کواحسان کی پہلی علامت قرار دیا گیا ہے۔لہذا جوشخص نماز کی پرواہ نہ رکھے وہ اگر اتقاء واحسان کا دعوی کرے تو محض جھوٹ اور فراڈ ہے۔آج ہمیں ایسے پیرفقیر نظر آتے ہیں جن کو نماز سے کوئی لگاؤ نہیں، پھربھی لوگ ان کے مرید ہوتے اور اوران پہ نذرانوں کی برسات کرتے ہیں تو یہ جہالت وضلالت کے سوا کچھ نہیں

(۲) قرآن کے بعد کسی نئی آسمانی کتاب کی ضرورت نہیں: هُدًى وَّرَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِيْنَ سے معلوم ہوا کہ قرآن تاقیامت سرچشمہ ہدایت ورحمت ہے۔اس کے باوجود قرآن کے بعد کسی نئی الہامی کتاب یا نئی وحی نبوت کا ماننا یہ معنی رکھتا ہے کہ قرآن کی ہدات کافی نہیں ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ

اور کچھ لوگ (فضول) باتوں کا کھیل تماشا خریدتے ہیں تاکہ اللہ کی راہ سے بغیر علم

عِلْمٍ ۖ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝

گمراہ کریں اور اللہ کی آیات کا مذاق اُڑائیں ان لوگوں کے لئے ذلت آمیز عذاب ہے۔[2]

[2] حضرت مقاتل اور کلبی کے مطابق یہ اور اس کے بعد والی آیات دشمن خدا نضر بن حارث کے بارے میں نازل ہوئیں وہ مکہ میں لوگوں کو اسلام سے روکنے کے لئے مختلف حربے استعمال کرتا تھا اس نے گانے والی لونڈیاں خرید رکھی تھیں وہ محفل رقص وسرود بپا کر کے لوگوں کو قرآن کے سننے سے دور رکھنے کی کوشش کرتا اس کے علاوہ وہ یمن وایران جاتا وہاں سے شاہان فارس رستم واسفند یار کی کہانیوں والی کتابیں خرید کرلاتا اور انہیں پڑھ کر سناتا۔لوگ قرآن سننے کی بجائے اس کی باتیں شوق سے سنتے۔تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری۔(بغوی جلد ۵ صفحہ ۲۱۳)

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے کہ نضر بن حارث گانے والی عورتیں خریدتا (ان سے وقت لیتا) اور جوشخص اسلام کی طرف مائل ہونا چاہتا اسے وہ محفل رقص وسرود میں لے آتا تاکہ وہ قرآن سننے کی بجائے گانا سننے میں لگ جائے۔(درمنثور جلد ۶ صفحہ ۵۰۴) اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کوئی شخص لَهْوَ الْحَدِيْثِ (کھیل تماشے کی بات) خریدتا ہے تاکہ علم کے بغیر یعنی جہالت کے ساتھ لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکے اور اللہ کی آیات کا مذاق اُڑائے ایسے لوگوں کے لئے ذلت آمیز عذاب ہے اور وہ قرآن کی آیات سن کر منہ پھیر لیتا ہے الخ۔

## گانا سننا اور بجانا اور موسیقی سے لطف اندوز ہونا حرام ہے، احادیث کی روشنی میں

خصوصاً عورتوں سے گانا سننا شدید بے حیائی اور گناہ ہے۔حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سید کائنات

ﷺ نے فرمایا گانے والی عورتیں مت خریدو (ان سے گانے کا وقت مت لو) اور نہ انہیں بیچو ان کی تجارت میں کچھ خیر نہیں ان کی کمائی حرام ہے اور اسی تجارت کے بارے میں یہ آیت اتری ہے: وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ۔ (ترمذی کتاب التفسیر سورہ لقمان باب ۱ حدیث ۳۱۹۵)

اس حدیث کو امام احمد بن حنبل، سعید بن منصور، ابن ابی الدنیا، ابن ابی حاتم، طبرانی اور بیہقی نے بھی حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ (درمنثور جلد ۶ صفحہ ۵۰۴) اس حدیث کے مطابق فرمان رسول ﷺ نے تشریح کردی کہ لھو الحدیث سے گانا سننا سنانا مراد ہے۔ اور اسی کے لیے اس آیت میں عذاب مہین کا وعدہ ہے۔

حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا: "میری امت میں کچھ لوگ شراب کا نام بدل کر اسے پئیں گے۔ ان کے سامنے گانا بجایا جائے گا اور گانے والی گائیں گی۔ تو (قرب قیامت میں) اللہ تعالیٰ انہیں زمین میں دھنسائے گا اور ان میں سے بعض کو بندر وخنزیر بنا دے گا۔" (ابن ماجہ کتاب الفتن باب ۲۲)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سید کائنات ﷺ نے فرمایا "گانا دل میں یوں نفاق پیدا کرتا ہے جیسے پانی زمین میں پودا اُگاتا ہے۔" (سنن بیہقی جلد ۱۰ صفحہ ۲۲۳ مطبوعہ دارالمعرفہ بیروت)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے مجھے تمام جہانوں کے لیے رحمت اور ہدایت بنا کر بھیجا ہے اور مجھے حکم فرمایا ہے کہ مزامیر ومعازف یعنی منہ یا ہاتھ کیساتھ بجائے جانے والے آلات موسیقی کو اور بتوں کو توڑ دوں اور گانے والی عورتوں کی خرید وفروخت اور انکے گانے کی اُجرت حرام ہے۔"
(مسند احمد بن حنبل ج ۵ ص ۲۵۷)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جس نے گانا سننے والی سے گانا سنا اللہ تعالیٰ روز قیامت اس کے کانوں میں پگھلا ہوا سیسہ ڈالے گا۔" (کنز العمال ج ۱۵ ص ۲۲۱)

یاد رہے گانا بجانا اور سننا تین صورتوں میں حرام ہے۔

اول:

جب اسے معازف (آلات موسیقی) کے ساتھ گایا جائے۔ کیونکہ آلات موسیقی کا استعمال اصلاً حرام ہے حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: "میری امت میں کچھ لوگ زنا، ریشم، شراب اور معازف (گانا بجانے کے آلات) کو حلال بتائیں گے اللہ تعالیٰ ان میں سے بعض کو ہلاک کردے گا اور بعض کو بندر وخنزیر بنا دے گا۔" (بخاری کتاب الاشربہ باب ۶ حدیث ۵۵۹۰)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ حضور سید کائنات ﷺ نے فرمایا "جب میری امت میں گانے والی عورتیں اور معازف (گانے کے آلات) عام ہو جائیں تو سرخ آندھی، زمین میں دھنسائے جانے اور شکلوں کے

بگاڑے جانے کا انتظار کرو۔'' (ترمذی کتاب الفتن باب ۶ صفحہ ۲۲۱۰)

لہٰذا ڈھول باجے اور دیگر آلات موسیقی کے ساتھ گائی جانے والی ہر چیز کا سننا حرام ہے خواہ وہ حمد و نعت ہی کیوں نہ ہو۔ بلکہ حمد و نعت کو آلات موسیقی کے ساتھ پڑھنا شدید تر حرام ہے کیونکہ اس میں حمد و نعت کی توہین اور ذکر الٰہی کی اہانت ہے۔ یاد رہے کہ معازف مِعزفۃ کی جمع ہے جس کا معنی گانا بجانے کا آلہ ہیں (منجد) اسی لیے گانے کو عازف اور مبالغہ کے لیے عزاف کہتے ہیں۔

البتہ دف کے ساتھ گانا جائز ہے جب اس میں کوئی فحش بات نہ ہو۔ احادیث میں دف کی اجازت ثابت ہے اور دف آدھا ڈھول ہوتا ہے یعنی ڈھول دونوں جانب سے بجایا جاتا ہے اور دف ایک طرف سے بجائی جاتی ہے اور دف کا بجانا بھی تب حلال ہے جب اس کے ساتھ گھنگھرو نہ لگے ہوں۔ ورنہ وہ بھی حرام ہے۔

دوم:

عورتوں کا مردوں کے سامنے گانا حرام ہے۔ یعنی وہ گانا جس میں عورت کی آواز ہو حرام ہے۔ کیونکہ عورت کی آواز بھی عورت ہے اسی لیے عورت کو اذان کہنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ وجہ یہی ہے کہ عورت کی آواز میں کشش ہے جو مردوں کو اپنی طرف کھینچتی ہے اور جب عورت مردوں کے سامنے آ کر گائے اور ناچے تو اس کی حرمت میں کون شک کر سکتا ہے۔ کوئی غیرت مند شخص برداشت نہیں کرتا کہ اس کی ماں بہن یا بیٹی رقاصہ بنے اور ناچ گا کر لوگوں کا دل لبھائے۔ ہاں اگر کوئی خود بے حیاء بن جائے تو اسے اپنی بیٹی کو رقاصہ بنانے میں شرم نہیں آتی۔ بلکہ وہ اسے ایک بزنس سمجھتا ہے۔

افسوس آج کنجروں اور کنجریوں کو فنکار، آرٹسٹ اور گلوکار کہہ کر معاشرے کے معزز ترین افراد قرار دیا جاتا ہے۔ مگر نبی کریم ﷺ کے فرمان کے مطابق ایسے لوگ قرب قیامت میں بندر و خنزیر بنائے جائیں گے۔ پھر جو لوگ کنجریوں سے گانے سنتے ہیں وہ پرلے درجے کے بے حیاء ہیں وہ دوسرے مسلمانوں کی ماؤں، بہنوں، بیٹیوں کو اپنی ماں، بہن اور بیٹی نہیں سمجھتے۔

سوم:

جب گانے میں فحش گوئی ہو۔ یعنی نوجوان لڑکی اور لڑکے کے باہمی پیار و محبت کو عمدہ چیز بنا کر پیش کیا جائے۔ اجنبی مرد و عورت کی خفیہ ملاقاتوں کی تعریف ہو اور عورتوں کے حسن و جمال خد و خال اور لب و رخسار کی بات کی جائے۔ (اور عموماً گانے انہی حیا سوز باتوں پہ مشتمل ہوتے ہیں) کیونکہ یہ سب چیزیں حرام اور بے حیائی ہیں اور حرام چیز کی تحسین اسے حلال کرنے کے برابر ہے جس میں اندیشۂ کفر ہے۔

ان تین صورتوں کے علاوہ آلات موسیقی کے بغیر حمد و نعت کو خوش الحانی سے پڑھنا اور جنگی نغمے سنانا وغیرہ جائز ہے جیسے نبی اکرم ﷺ کے سامنے نابالغ چھوٹی بچیوں نے دف بجا کر فتح بدر کا ترانہ پڑھا تھا۔ یونہی موقع ہجرت پر اہل مدینہ

نے دف بجا کر رسول اللہ ﷺ کا استقبال کیا اور طلع البدر علینا پڑھا تھا اس لئے فقہاء اسلام نے آلات موسیقی میں سے دف کا بجانا جو کسی اچھے مقصد کے لئے ہو جائز قرار دیا ہے۔ بلکہ دف کے جواز پہ صحیح احادیث دال ہیں

## آلات موسیقی کی حرمت پہ محدثین وفقہاء کے اقوال

امام ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 974ھ فرماتے ہیں:

سارنگی کی تار بجانا اور سننا اگر ایک بار ہو تو یہ شہادت کو رد نہیں کرتا اور اگر بار بار ہو تو ایسے شخص کی شہادت مردود ہے۔ تمام عراقی فقہاء اور اصحاب مذہب کا اجماع ہے کہ یہ چیز کبیرہ گناہ ہے۔ امام غزالی نے بھی یہی کہا ہے۔

(الزواجر عن اقتراف الکبائر جلد ۲ صفحہ ۲۰۲ کبیرہ گناہ ۴۴۹ تار بجانا اور سننا، بانسری بجانا اور سننا اور طبلہ بجانا اور سننا مطبوعہ مصطفی البابی مصر)

امام ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 312ھ فرماتے ہیں:

ناچنا، گانے کے لیے تالی بجانا، سارنگی کی تار بجانا، بربط، رباب قانون، بانسری، جھانجن اور بگل وغیرہ کا بجانا مکروہ تحریمی ہے۔ کیونکہ یہ کفار کا طریقہ ہے۔ اور ڈھول سننا اور بانسری کی آواز کا سننا یہ سب حرام ہے۔ اگر یہ باتیں اچانک ہوگئیں تو معذور ہے۔ مگر واجب ہے کہ انہیں سننے کی کوشش نہ کی جائے۔ (ردالمحتار جلد ۵ صفحہ ۳۴۷ مکتبہ عثمانیہ استنبول)

علامہ علاء الدین کاسانی حنفی متوفی 587ھ فرماتے ہیں:

گانا گانے کے آلات اگر دف اور شاخ کی حد تک ہوں تو جائز ہے۔ ان سے عدالت ساقط نہیں ہوتی اور بانسری وغیرہ ہو تو ان کا بجانا عدالت کو ساقط کر دیتا ہے کیونکہ یہ چیزیں کسی صورت میں حلال نہیں ہیں۔

(بدائع الصنائع جلد ۶ صفحہ ۲۶۹ مطبوعہ سعید اینڈ کمپنی کراچی)

امام بدرالدین عینی متوفی 855ھ فرماتے ہیں:

شادی میں دف بجانے کی حلت سے دوسرے آلات موسیقی کا جواز ثابت نہیں ہوتا، جیسے سارنگی وغیرہ۔

(عمدۃ القاری جلد ۶ صفحہ ۲۷۱ الطباعۃ المنیر یہ مصر)

## موسیقی کے بارے میں شبہات کا ازالہ

موسیقی کو جائز کہنے والے لوگ یہ حدیث پیش کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کسی جنگ سے واپس آئے تو ایک سیاہ رنگ والی لڑکی نے آ کر عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ: میں نے نذر مانی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ آپ کو سلامتی سے واپس لایا تو میں آپ کے سامنے دف بجاؤں گی اور گاؤں گی۔ حضور سید کائنات ﷺ نے فرمایا: اگر تو نے نذر مانی تھی تو بجا لو ورنہ رہنے دو۔ تو وہ دف بجانے لگی۔ اتنے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آ گئے تو وہ بجاتی رہی پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ آئے تو وہ بدستور بجاتی رہی، پھر عثمان غنی رضی اللہ عنہ آئے تو وہ بجاتی رہی، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ آئے تو اس نے دف رکھ دیا اور اس کے اوپر بیٹھ گئی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے عمر! شیطان تجھ سے خوف کھاتا ہے، میں بیٹھا تھا تو یہ لڑکی دف بجاتی رہی، پھر ابوبکر

کے آنے پہ بھی بجاتی رہی، پھر علی اور عثمان کے آنے پہ بھی بجاتی رہی، پھر اے عمر جب تم آئے تو اس نے فوراً دف پھینک دیا۔ (ترمذی کتاب المناقب باب مناقب عمر بن الخطاب حدیث ۳۶۹۰)

اس حدیث سے استدلال کیا جاتا ہے کہ عورتوں سے گانا سننا جائز ہے۔ جب عورتوں سے سننا جائز ہے تو مردوں سے سننا بطریق اولیٰ جائز ٹھہرا۔ یہ استدلال سخت کمزور ہے۔

اول: اس حدیث کو اگرچہ امام ترمذی نے صحیح کہا ہے مگر تحقیق یہ ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں بلکہ حدیث ضعیف ہے۔ کیونکہ اس کا ایک راوی علی بن حسین بن واقد ہے۔ اس کے بارے میں امام ابو حاتم فرماتے ہیں: وہ ضعیف الحدیث ہے، امام نسائی کے بقول اس میں حرج نہیں اور ابن حبان نے اسے ثقات میں لکھا ہے۔ امام اسحاق بن راہویہ اس کے سخت خلاف تھے وہ کہتے تھے کہ مُرجئی ہے (یعنی کہتا ہے کہ بندے پہ کوئی پکڑ نہیں خواہ جو بھی کرتا رہے) اس لیے ہم نے اسے چھوڑ دیا ہے اور ابن حبان نے امام بخاری سے نقل کیا کہ انہوں کہا: میں اس شخص کے پاس سے صبح و شام گزرتا ہوں مگر میں اس سے کچھ نہیں لکھتا (اس سے حدیث کا لینا پسند نہیں رکھتا)

(تہذیب التہذیب جلد ۴ صفحہ ۱۹۴ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اسی طرح اس کا ایک راوی حسین بن قدامہ بھی ہے۔ جسے ابن حبان نے کثیر الخطاء امام احمد بن حنبل منکر الحدیث اور امام ساجی اسے وہم کا شکار قرار دیتے ہیں۔ (تہذیب جلد ۲ صفحہ ۳۷۴) تو جس حدیث کے راویوں کا یہ حال ہو اس سے مذکورہ بالا احادیث صحیحہ کثیرہ کے مقابلہ میں حجت پکڑنا کیسے درست ہوسکتا ہے۔

دوم: یہ حدیث درایت کے بھی خلاف ہے۔ یہ حدیث بتارہی ہے کہ وہ لڑکی جس کا واقعہ اس میں بتایا گیا ہے بالغہ تھی۔ کیونکہ اس کا نذر ماننا اور حضور ﷺ کا اسے فرمانا کہ اپنی نذر پوری کرو اس کے بالغہ ہونے کی دلیل ہے کیونکہ نابالغ پہ تو کوئی شرعی حکم لازم نہیں ہے۔ تو یہ کیسے ممکن ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے جلیل القدر خلفاء راشدین ایک جوان عورت سے گانا سنیں اور اسے دیکھیں۔ پھر یہ کیسی الٹی بات ہے کہ شیطان رسول اللہ ﷺ سے نہ ڈرے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ڈر جائے؟ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس جو بھی تقویٰ ہے وہ فیضانِ صحبت رسول ﷺ ہی ہے۔ الغرض یہ حدیث روایت و درایت دونوں کے اعتبار سے ناقابل قبول ہے۔

سوم: اگر اس حدیث کو بالفرض درست بھی مان لیا جائے تو پھر اس کے منسوخ ہونے میں کوئی شک نہیں۔ پھر ماننا پڑے گا کہ یہ احکام پردہ کے نزول سے پہلے کی بات ہے۔ جب احکام پردہ آگئے تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے نامحرم عورت کو بار بار دیکھنے سے منع فرمادیا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ۔ آپ مومنوں کو حکم فرمائیں کہ اپنی نگاہیں جھکا کر رکھیں۔ (نور، ۳۰)

حضرت جریر بجلی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے اچانک نظر کے پڑ جانے کے بارے میں

پوچھا: فامرنی ان اصرف بصری، حضور سید کائنات ﷺ نے مجھے حکم فرمایا کہ میں اپنی نظر پھیر لوں (اور دوبارہ نہ دیکھوں) (ابوداود کتاب النکاح باب ۴۳، ترمذی کتاب الادب باب ۲۸ مسند احمد بن حنبل جلد ۴ صفحہ ۲۵۸)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لاتتبع النظرة النظرة فان لك الاولی ولیست لك الآخرة، ایک نظر کے بعد دوسری نظر مت ڈالو تمہارے لیے پہلی ہی نظر حلال ہے دوسری نہیں۔

(ابوداود کتاب النکاح باب ۴۳ دارمی کتاب الادب باب ۲۸)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب کوئی مسلمان کسی عورت کی طرف پہلی نظر دیکھتا ہے پھر اپنی نظر جھکالیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے ایسی عبادت کی توفیق دیتا ہے جس کی مٹھاس وہ اپنے دل میں پاتا ہے۔''

(درمنثور بحوالہ احمد بن حنبل، طبرانی، ابن مردویہ، شعب الایمان جلد ۶ صفحہ ۱۷۸)

بتائیے ان روشن تعلیمات اسلامیہ اور نصوص وقرآن وحدیث کے مقابلہ میں اس حدیث سے کیسے دلیل پکڑی جاسکتی ہے۔ یقیناً یہ حدیث منسوخ ہے۔ اور حکم حجاب سے پہلے کی ہے۔ کیونکہ مضمون حدیث کے مطابق اس لڑکی نے اس دور میں رسول اللہ ﷺ کے سامنے دف بجایا اور گایا جب آپ غزوہ بدر سے واپس آئے تھے اور یہ ہجری دو کی بات ہے۔ جبکہ احکام پردہ کا نزول ہجری پانچ میں ہوا۔

سنن ابوداود میں بھی اس مضمون کی حدیث ہے مگر اس میں صرف یہ الفاظ ہیں کہ ایک عورت نے نذر مانی تھی کہ حضور ﷺ کے پاس دف بجائے گی تو آپ نے اسے دف بجانے کی اجازت دیدی۔ مزید کچھ نہیں۔ (ابوداود کتاب الایمان باب ۲۲) مگر اس حدیث کے رواۃ میں سے بھی حارث بن عبید کو مضطرب الحدیث، ضعیف اور وہم کی بیماری میں مبتلا قرار دیا گیا ہے۔ (تہذیب التہذیب جلد جلد ۴ صفحہ ۱۵۰) پھر اس کے رواۃ میں سے عمرو بن شعیب بھی ہے جس کے بارے میں امام ابو زرعہ کہتے ہیں کہ اس کی تمام روایات منکر ہیں۔ اور امام ابوداود کے نزدیک اس کی مروی حدیث پوری تو کیا آدھی بھی حجت نہیں ہے۔ (تہذیب التہذیب جلد ۸ صفحہ ۵۰) اور اگر اس حدیث کو درست مان بھی لیں تو اس میں صرف دف بجانے کا ذکر ہے اور کچھ نہیں۔ اور دف کے بارے میں ہم پہلے بتا چکے کہ اس کی اجازت ہے۔ اسے آلات موسیقی کے ساتھ گانا گانے اور سننے کے جواز پہ دلیل بنانا گمراہی ہے۔

## کیا مروجہ قوالی جو آلات موسیقی کے ساتھ ہوتی ہے جائز ہے؟

آج کل بعض لوگ یہ کہہ رہے ہیں کہ جب دف بجانا جائز ہے اور اسے رسول اللہ ﷺ کے سامنے بجایا گیا ہے تو اسی پہ قیاس کر کے کہا جاسکتا ہے کہ باقی آلات غنا کا استعمال بھی جائز ہے۔ جب کہ اس کے ساتھ ذکر الٰہی اور نعت شریف کو پڑھا جائے۔ جیسا کہ مروجہ قوالی میں ہوتا ہے۔ اور اگر آلات غنا کے ساتھ لہو ولعب کیا جائے اور بیہودہ گانے گائے جائیں تو وہ ناجائز ہے لہٰذا دیکھا جائے گا کہ آلات غنا کا استعمال کس مقصد کے لیے ہے اگر ذکر ونعت کے لیے ہے تو جائز ہے۔ اگر لہو لعب کے لیے ہے تو ناجائز ہے۔

مگر یہ غلط استدلال ہے۔ دف کو رسول اللہ ﷺ کے عمل مبارک نے دوسرے معازف سے مستثنیٰ کر دیا ہے۔ اگر رسول اللہ ﷺ کے سامنے دف نہ بجائی گئی ہوتی اور آپ ﷺ نے اس پہ خاموشی نہ اختیار فرمائی ہوتی تو دف کا بجانا بھی حرام ہی ٹھہرتا۔ کیونکہ دف بھی معازف میں سے ہے اور رسول اللہ ﷺ نے معازف کو مطلقاً حرام قرار دیا ہے اور ان کے استعمال پہ عذاب شدید کی وعید سنائی ہے جیسا کہ ہم ابھی وہ تمام احادیث بیان کر چکے۔ اسکی مثال یوں ہے کہ احادیث صحیحہ میں مرد کے لیے سونا چاندی کا استعمال حرام قرار دیا گیا ہے۔ مگر آپ نے چاندی کی انگوٹھی (جو ایک مثقال یعنی ساڑھے چار ماشہ سے کم ہو) خود بھی پہنی ہے اور اس کے پہننے کی اجازت بھی دی ہے۔ لہٰذا اس مقدار کی چاندی کی انگوٹھی حکم حرمت سے مستثنیٰ ہے۔ تو کیا چاندی کی انگوٹھی کو بنیاد بنا کر مردوں کے لیے سونے چاندی کے تمام زیورات کو حلال کیا جاسکتا ہے؟ اگر نہیں کیا جاسکتا اور یقیناً نہیں کیا جاسکتا تو صرف دف کی بنیاد پہ تمام آلات موسیقی کا جواز کیسے نکالا جاسکتا ہے؟

اس کی دوسری مثال یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مردوں کے لیے ریشم کا لباس حرام قرار دیا ہے۔ مگر آپ ﷺ نے ایسی چادر استعمال فرمائی ہے جس کے کناروں پہ چار انگلیوں کے برابر چوڑی ریشم کی کناری لگی ہوئی تھی۔ (مسلم کتاب اللباس) لہٰذا فقہاء نے ریشم کی کناری کا استعمال چار انگلیوں کے برابر جائز قرار دیا ہے بلکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک بار اپنے خطبہ میں اس کے جواز کا فتویٰ دیا۔ (مسلم کتاب اللباس) لہٰذا اس قدر ریشم کی کناری حکم حرمت سے مستثنیٰ ہے۔ اب کیا اس کو دلیل بنا کر مردوں کے لیے ریشم کو مطلقاً جائز قرار دیا جاسکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ اسی طرح دف کا استعمال دیگر معازف ومزامیر محرمہ سے مستثنیٰ ہے۔ اسکی بنیاد پہ دیگر آلاتِ غنا کو جائز قرار نہیں دیا جاسکتا خواہ وہ ذکر ونعت کے لیے ہو یا لہو لعب کے لیے ہو۔

تو جس طرح دف کو بنیاد بنا کر آج تمام آلات غنا کو جائز قرار دیا جا رہا ہے۔ ہمیں ڈر ہے کہ آگے چل کر بعض نفس پرست لوگ کہنے لگیں گے کہ جب چاندی کی انگوٹھی جائز ہے تو باقی سونا چاندی بھی مرد کے لیے بطور زینت جائز ہے مگر بطور تکبر جائز نہیں۔ اور یونہی وہ ریشم کو بھی جائز قرار دے لیں گے اور رسول اللہ ﷺ کی وہ حدیث پوری ہوگی جو آپ نے فرمایا کہ میری امت کے کچھ لوگ زنا، ریشم، شراب اور آلات غنا کو جائز قرار دیں گے۔ ان میں سے بعض کو ہلاک کیا جائے گا اور بعض کو بندر وخنزیر بنا دیا جائے گا۔ (بخاری کتاب الاشربہ باب ۶ حدیث ۵۵۹۰)

## مروجہ قوالی کے بارے میں اعلیٰ حضرت اور صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ

امام اہل سنت اعلیحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ سے ایک شخص نے پوچھا کہ وہ ایک عرس میں شامل ہوا۔ کہتا ہے کہ میں نے دیکھا وہاں ایک ڈھول اور دو سارنگیاں بج رہی ہیں۔ اور چند قوال پیران پیر دستگیر کی شان میں اشعار گا رہے ہیں اور نعت کے اشعار بھی پڑھ رہے ہیں۔ یہ باجے شریعت میں قطعی حرام ہیں۔ کیا اس فعل سے رسول اللہ ﷺ

اور اولیاء اللہ خوش ہوتے ہیں؟ اور کیا ایسی قوالی جائز ہے؟ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب تحریر فرمایا: ایسی قوالی حرام ہے حاضرین سب گناہگار ہیں اور ان سب کا گناہ عرس کرنے والوں اور قوالوں پر ہے اور قوالوں کا گناہ بھی اس عرس کرنے والے پر ہے۔ (احکام شریعت حصہ اول صفحہ ۸۵ مطبوعہ کتب خانہ امام احمد رضا دربار مارکیٹ لاہور)

صدرالشریعہ بدرالطریقہ علامہ امجد علی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

مسئلہ: ناچنا تالی بجانا، ستار، ایک تارہ، دوتارہ، ہارمونیم، چنگ، طنبورہ بجانا اسی طرح دوسری قسم کے باجے سب ناجائز ہیں۔

مسئلہ: متصوفۂ زمانہ جو کہ مزامیر کے ساتھ قوالی سنتے ہیں اور کبھی اچھلنے کودنے اور ناچنے لگتے ہیں اس قسم کا گانا بجانا ناجائز ہے ایسی محفل میں جانا اور وہاں بیٹھنا ناجائز ہے مشائخ سے اس قسم کے گانے کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔

(بہار شریعت حصہ شش دہم صفحہ ۸۸ لہو ولعب کا بیان مطبوعہ ضیاء القرآن لاہور)

## کیا خواجگان چشت مزامیر کے ساتھ قوالی سنتے تھے؟

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ خواجگان چشت جیسے خواجہ معین الدین چشتی اجمیری، خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی و دیگر رحمۃ اللہ علیہم مزامیر کے ساتھ قوالی سنتے تھے۔ اسی لیے آج ان بزرگوں کے مزارات پہ مزامیر یعنی ڈھول باجے کے ساتھ قوالی ہوتی ہے۔ تو کیا ان جلیل القدر اولیاء اللہ کو حرمت مزامیر کا علم نہ تھا؟۔ اس کا سیدھا سادھا جواب یہ ہے کہ مزامیر کے ساتھ قوالی سننا ان اولیاء اللہ پہ بہتان عظیم ہے۔ کوئی مسلمان درجہ ولایت پہ تب ہی پہنچتا ہے جب محرمات کے ساتھ مکروہات کو بھی ترک کردے، اور نہ صرف فرائض و واجبات کا پابند ہو جائے بلکہ ہر سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ عشق کی حد تک لگاؤ پیدا کرلے۔ جس قدر وہ اتباع رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ڈوب جاتا ہے اسی قدر اس کو قرب الٰہی ملتا جاتا ہے۔ اسی مقام کو قرآن میں یوں بیان فرمایا گیا: قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ۔ (آل عمران، ۳۱) تو یہ کیسے ممکن ہے کہ اولیاء کاملین محرماتِ شرعیہ کے نہ صرف مرتکب ہوں بلکہ دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دیں اور مزامیر والی قوالی خود سنیں اور لوگوں کو سنوائیں۔

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امام اہل سنت امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

پھر اسی پہ بس نہیں۔ بلکہ معاذ اللہ اس کی تہمت محبوبانِ خدا اکابر سلسلۂ عالیہ چشتیہ کے سر دھرتے ہیں۔ نہ خدا سے خوف، نہ بندوں سے شرم کرتے ہیں حالانکہ خود حضرت محبوب الٰہی سیدی و مولائی خواجہ نظام الدین سلطان اولیاء رحمۃ اللہ علیہ فوائد الفواد میں فرماتے ہیں: مزامیر حرام است۔ اور مولانا فخر الدین زرادی خلیفہ سیدنا محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ نے حضور کے زمانہ مبارکہ میں خود حضور (حضرت محبوب الٰہی) کے حکم احکم سے مسئلہ سماع میں رسالہ ''کشف القناع عن اصول السماع'' میں صاف ارشاد فرمایا:

اما سماع مشائخنا رضی اللہ عنہم فبریء عن ھذہ التھمۃ وھو مجرد صوت القوال مع الاشعار، رہا ہمارے مشائخ کا سماع تو وہ مزامیر کے بہتان سے بری ہے۔ وہ صرف قوال کی آواز ہوتی ہے، اشعار کے ساتھ۔ (احکام شریعت حصہ اول صفحہ ۸۷)

امام اہل سنت اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں:

سیدی مولانا محمد بن مبارک جو شیخ العالم فرید الحق والدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے مرید اور حضور سیدنا محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ ہیں کتاب مستطاب سیر الاولیاء میں فرماتے ہیں: حضرت سلطان الاولیاء قدس اللہ سرہ العزیز فرمود: اگر گویندہ مرد تمام باشد کودک وعورت نباشد و آنکہ بگویند فحش ومسخرگی نہ باشد وآلہ سماع کہ مزامیر است چوں چنگ ورباب ومثل آں نباشد ایں چنیں سماع حلال است۔ یعنی اگر قوالی کرنے والے سب مرد ہوں کوئی بچہ یا عورت نہ ہو اور جو کلام پڑھا جائے وہ بیحیائی اور تمسخر پہ مشتمل نہ ہو اور آلہ سماع جو کہ مزامیر ہیں جیسے سارنگی اور ڈھول وغیرہ نہ ہوں تو ایسی قوالی حلال ہے۔

(احکام شریعت حصہ اول صفحہ ۸۸ مطبوعہ مکتبہ امام احمد رضا دربار مارکیٹ لاہور)

کیا اس تصریح کے بعد کوئی شک باقی رہ گیا ہے کہ مشائخ چشت رحمۃ اللہ علیہم جو قوالی سنتے تھے وہ صرف قوال کی آواز ہوتی تھی اور اس میں کوئی آلہ موسیقی جیسے ڈھول، باجہ، سارنگی وغیرہ نہیں ہوتا تھا اور یہ کہ ڈھول باجوں والی موجودہ قوالی کو مشائخ چشت حرام کہتے تھے اس لیے بزرگان چشت کی طرف موجودہ قوالی کو منسوب کر کے ان کی ارواح کو دکھ پہنچانے کا سلسلہ بند کیا جائے۔

وَ اِذَا تُتۡلٰی عَلَیۡهِ اٰیٰتُنَا وَلّٰی مُسۡتَکۡبِرًا کَاَنۡ لَّمۡ یَسۡمَعۡهَا کَاَنَّ فِیۡۤ اُذُنَیۡهِ

اور جب ایسے شخص پر ہماری آیات پڑھی جائیں تو وہ تکبر سے منہ پھیر لیتا ہے جیسے اس نے انہیں

وَقۡرًا ۚ فَبَشِّرۡهُ بِعَذَابٍ اَلِیۡمٍ ۝۷ اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

سنا ہی نہیں گویا اس کے کانوں میں بوجھ ہے، تو اسے دردناک عذاب کی بشارت دے دو۔ بے شک جو لوگ

لَهُمۡ جَنّٰتُ النَّعِیۡمِ ۝۸ خٰلِدِیۡنَ فِیۡهَا ؕ وَعۡدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ وَ هُوَ الۡعَزِیۡزُ

ایمان لائے اور اچھے اعمال کرتے رہے ان کے لئے نعمتوں کے باغات ہیں جن میں وہ

الۡحَکِیۡمُ ۝۹ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَیۡرِ عَمَدٍ تَرَوۡنَهَا وَ اَلۡقٰی فِی الۡاَرۡضِ

ہمیشہ رہیں گے یہ اللہ کا سچا وعدہ ہے اور وہ غالب ہے حکمت والا ہے۔ اس نے آسمانوں کو بنایا کسی ایسے ستون کے بغیر

رَوَاسِیَ اَنۡ تَمِیۡدَ بِکُمۡ وَ بَثَّ فِیۡهَا مِنۡ کُلِّ دَآبَّةٍ ؕ وَ اَنۡزَلۡنَا مِنَ السَّمَآءِ

جو تم دیکھ سکو [3] اور زمین میں میخیں ڈالیں تاکہ وہ تمہیں لے کر لرزتی نہ رہے اور زمین میں

مَآءً فَاَنۡۢبَتۡنَا فِیۡهَا مِنۡ کُلِّ زَوۡجٍ کَرِیۡمٍ ۝۱۰ هٰذَا خَلۡقُ اللّٰهِ فَاَرُوۡنِیۡ

ہر جانور پھیلایا اور ہم نے آسمان سے پانی اتارا پھر زمین میں ہر طرح کا عمدہ جوڑا اگایا یہ تو اللہ کی تخلیق ہے تو تم مجھے دکھاؤ

مَاذَا خَلَقَ الَّذِیۡنَ مِنۡ دُوۡنِهٖ ؕ بَلِ الظّٰلِمُوۡنَ فِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ ۝۱۱ ع

کہ جو اللہ کے سوا (جھوٹے خدا) ہیں انہوں نے کیا پیدا کیا ہے بلکہ ظالم لوگ کھلی گمراہی میں ہیں۔ [4]

ع ۱۰

[3] یعنی جو شخص دنیا کا دلدادہ ہے۔ جب اس پہ اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھی جاتی ہیں تو اس کے دل پہ کوئی اثر نہیں ہوتا۔ وہ اللہ تعالیٰ کی آیات کو سننے کی بجائے تکبر سے منہ پھیر لیتا ہے۔ جیسے اس نے کچھ سنا ہی نہیں ہے اور اس کے کانوں میں کوئی رکاوٹ آ گئی ہے۔ اس کے برخلاف جو ایمان والے ہیں وہ اطاعت بجالاتے ہیں۔ ان کے لیے جنت کے باغات ہیں۔

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَیۡرِ عَمَدٍ تَرَوۡنَهَا۔ یعنی اللہ کی شان یہ ہے کہ آسمان اس کے حکم پر بغیر کسی ستون کے کھڑے ہیں۔ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَیُمۡسِکُ السَّمَآءَ اَنۡ تَقَعَ عَلَی الۡاَرۡضِ اِلَّا

بِاِذْنِہٖ ؕ اللہ نے آسمان کو روکا ہوا ہے کہ وہ اس کے حکم کے بغیر زمین پر گر نہیں سکتا۔ (حج:۶۵)

گویا وہ نادیدہ ستون جس پہ آسمان قائم ہے وہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ جب تک یہ ستون قائم ہے آسمان قائم ہے۔ جیسے ہی یہ ستون ہٹ جائے گا آسمان گر جائے گا۔

[4] زمین میں مدوجزر ہوتا ہے ہر قمری مہینے کے نصف میں سورج زمین کی ایک طرف اور چاند دوسری طرف آ جاتا ہے اور دونوں زمین کو اپنی طرف کھینچتے ہیں جس سے کرۂ زمین کی شکل ہلکی بیضوی بن جاتی ہے اسے مدوجزر صغیر کہتے ہیں اور ہر قمری مہینے کے اختتام پر سورج اور چاند دونوں زمین کی ایک طرف آ جاتے اور مل کر اسے اپنی طرف کھینچتے ہیں اس سے مدوجزر کبیر ہوتا ہے اور کرۂ زمین واضح بیضوی شکل اختیار کر لیتا ہے جس کی وجہ سے سمندروں میں عظیم ہل چل اور طیغانی آتی ہے۔ (فلکیات جدیدہ صفحہ ۱۰۵ مطبوعہ انڈیا)

ایسے میں اگر زمین پر پہاڑوں کی عظیم وزنی میخیں نہ گاڑی جاتیں تو زمین خوفناک طریقے سے ہلتی رہتی بلکہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جاتی اللہ تعالیٰ نے خشکی پر اور سمندروں کی تہہ میں بڑے بڑے کوہستانی سلسلے کھڑے کر کے زمین کو ٹھہراؤ دیا ہے یہ اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ بارشیں برسا کر زمین سے ہر طرح کے پھلوں کے عمدہ جوڑے بناتا ہے یعنی سردی اور گرمی کے پھل، یہ ایک جوڑا ہے، ایسے ہی خشک اور تر، میٹھے اور نمکین، چھلکے والے اور چھلکے کے بغیر وغیرہ مختلف جوڑے ہیں۔ آخر اللہ تعالیٰ کے سوا کون ہے جو یہ رنگا رنگی پیدا کرتا ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا لُقْمٰنَ الْحِکْمَۃَ اَنِ اشْکُرْ لِلّٰہِ ؕ وَمَنْ یَّشْکُرْ فَاِنَّمَا یَشْکُرُ

اور یقیناً ہم نے لقمان کو حکمت دی کہ اللہ کا شکر کرو اور جو شکر کرے وہ اپنے ہی فائدے کے لئے

لِنَفْسِہٖ ۚ وَمَنْ کَفَرَ فَاِنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ حَمِیْدٌ ﴿۱۲﴾ وَ اِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِہٖ وَھُوَ

شکر کرتا ہے اور جو ناشکری کرے تو اللہ بے پرواہ لائق حمد ہے۔ [5] اور یاد کرو جب لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا

یَعِظُہٗ یٰبُنَیَّ لَا تُشْرِکْ بِاللّٰہِ ؕ اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ ﴿۱۳﴾

اے میرے پیارے بیٹے! اللہ کے ساتھ شرک نہ کرو۔ بے شک شرک بڑا ظلم ہے [6]۔

وقف النبی ﷺ

## حضرت لقمان کی اپنے بیٹے کو نیک وصیات

[5] حضرت لقمان کی اپنے بیٹے کے لئے وصیات کے ذکر سے پہلے بتایا جا رہا ہے کہ ہم نے لقمان کو یہ حکمت یعنی دانائی عطا فرمائی کہ اللہ کا شکر بجا لانا چاہئے اور بندہ جس قدر شکر کرے اس کا فائدہ خود اسی کو ملتا ہے کہ نعمت میں اضافہ کر

دیا جاتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ اگر تم شکر کرو تو میں نعمت بڑھا دوں گا۔ اور جو
اور جو ناشکری کرے تو وہ اللہ کا کچھ نقصان نہیں کرتا ہے۔ اللہ کا کچھ نقصان نہیں کیونکہ اللہ کسی کے شکر سے بے پرواہ ہے وہ اپنی
ذات میں قابل حمد ہے خواہ کوئی اس کی حمد کرے یا نہ کرے۔ وہ بے نیاز ہے شکر سے یہ کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پہ حمد کی
جائے یعنی شکر یہ ہے کہ اس کی نعمتوں کا اقرار کیا جائے اور اس کی اطاعت میں کمی نہ کی جائے اور سب سے شکر یہ ہے کہ ہر نعمت کو اللہ تعالیٰ
کی عطا سمجھا جائے اور اس پہ فخر کرنے کی بجائے عاجزی برتی جائے۔

## حضرت لقمان رحمۃ اللہ علیہ کا تعارف اور یہ کہ وہ ولی تھے نبی نہیں

یاد رہے لقمان علیہ السلام کا نسب یہ ہے لقمان بن باعوراء بن ناحور بن تارخ اور تارخ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ
تھے حضرت وہب رضی اللہ عنہ کے مطابق حضرت لقمان رحمۃ اللہ علیہ نے ہزار برس عمر پائی تا آنکہ حضرت داؤد علیہ السلام کا زمانہ پایا اور ان
سے علم حاصل کیا۔ (قرطبی جلد ۱۴ صفحہ ۵۹)

حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت لقمان علیہ السلام سیاہ رنگ غلام تھے اور مصر سے تعلق رکھتے تھے۔
(ابن جریر) یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت لقمان کا تعلق سوڈان کے علاقہ نوبیہ سے تھا۔ مجاہد کے مطابق وہ حبشی غلام تھے اور ان
کا بنی اسرائیل سے تعلق تھا۔ (درمنثور)

حضرت عمر بن قیس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت لقمان ایک مجلس میں وعظ کہہ رہے تھے ایک شخص وہاں سے گزرا
اس نے کہا: کیا تم فلاں قوم کے غلام نہ تھے اور فلاں پہاڑ پہ ان کی بکریاں نہیں چراتے تھے؟ آپ نے کہا ہاں ایسا ہی
ہے۔ اس نے کہا: پھر تم نے یہ مرتبہ کیسے پایا؟ فرمایا: اللہ تعالیٰ سے ڈرنے، امانت کو ادا کرنے اور بے کار باتوں سے
خاموشی اختیار کرنے کی وجہ سے۔ (تفسیر ابن جریر)

جمہور علماء انہیں ایک ولی مانتے ہیں نبی نہیں۔ حضرت وہب بن منبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضرت لقمان پر کوئی وحی نہ کی
گئی البتہ وہ ایک صالح مرد تھے۔ (ابن ابی حاتم جلد ۹ صفحہ ۳۰۹۷) حضرت قتادہ اور حضرت مجاہد رضی اللہ عنہما کا بھی یہی کہنا ہے کہ وہ
نبی نہ تھے ان پر کوئی وحی نہ کی گئی۔ (تفسیر ابن جریر جلد ۱۰ صفحہ ۲۰۸) بقول ابن قتادہ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ میں
حکمت سے نبوت نہیں فقاہت مراد ہے۔ (ابن ابی حاتم جلد ۹ صفحہ ۳۰۹۶) امام قرطبی فرماتے ہیں کہ جمہور اہل علم کے نزدیک
حضرت لقمان ولی تھے نبی نہ تھے۔ (تفسیر قرطبی جلد ۱۴ صفحہ ۹۲) امام ابن کثیر فرماتے ہیں: اگر حضرت لقمان رحمۃ اللہ علیہ نبی ہوتے
تو کبھی غلام نہ رہتے۔ کیونکہ کسی نبی پہ اللہ تعالیٰ نے داغ غلامی نہیں رکھا۔ (تفسیر ابن کثیر جلد ۳ صفحہ ۴۵۲)

اگر کہا جائے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو بھی عزیز مصر نے خریدا تھا تو ان پہ داغ غلامی کیسے آیا تھا؟ تو اس کا جواب یہ
ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو ظلماً بازار مصر میں بیچا گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو شاہ مصر بنا کر اس ظلم کا ازالہ کر دیا۔
بلکہ سب اہل مصر نے قحط کے سات برسوں میں اپنا سب مال دستِ یوسف علیہ السلام پر بیچ کر غلہ حاصل کیا اور آخری برس میں

سب نے آپ کے ہاتھ پہ اپنی جانیں بیچ کر غلہ لیا یوں وہ داغ غلامی اتار دیا گیا۔

[6] یاد رہے ظلم یہ ہے کہ حق دار کو اس کا حق نہ دیا جائے اس کے مقابلہ میں عدل یہ ہے کہ ہر صاحب حق کو اس کا حق دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کا حق یہ ہے کہ اسے اپنی ذات وصفات میں یکتا مانا جائے اور اس کی عبادت کی جائے اور اسے یہ حق نہ دینا ظلم ہے اور اللہ تعالیٰ کا حق مارنا سب سے بڑا ظلم ہے تو حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو یہی بات سمجھائی کہ اِنَّ الشِّرۡكَ لَظُلۡمٌ عَظِيۡمٌ ۝۱۳ لقمان کے بیٹے کا نام ثاران تھا اور مروی ہے کہ آپ کا بیٹا اور بیوی دونوں کافر تھے آپ انہیں وعظ فرماتے رہے تا آنکہ دونوں اسلام لے آئے۔

وَوَصَّيۡنَا الۡاِنۡسَانَ بِوَالِدَيۡهِ‌ۚ حَمَلَتۡهُ اُمُّهٗ وَهۡنًا عَلٰى وَهۡنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِىۡ

اور ہم نے انسان کو اپنے والدین کے ساتھ بھلائی کا حکم دیا ہے۔ اسے اس کی والدہ نے کمزوری پہ کمزوری سہہ کر (پیٹ میں)

عَامَيۡنِ اَنِ اشۡكُرۡ لِىۡ وَلِـوَالِدَيۡكَؕ اِلَىَّ الۡمَصِيۡرُ‏ ۝۱۴ وَاِنۡ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى

اٹھایا اور دو سال کے بعد دودھ چھڑایا، کہ میرا شکر کرو اور اپنے والدین کا شکر کرو، میری ہی طرف (سب کا) لوٹنا ہے۔ [7]

اَنۡ تُشۡرِكَ بِىۡ مَا لَيۡسَ لَكَ بِهٖ عِلۡمٌ ۙ فَلَا تُطِعۡهُمَا وَصَاحِبۡهُمَا فِى

اور اگر تمہارے والدین تمہیں مجبور کریں کہ میرے ساتھ شرک کرو جس کا تمہیں علم نہیں تو ان کی بات مت مانو اور دنیا میں

الدُّنۡيَا مَعۡرُوۡفًا‌ ۖ وَّاتَّبِعۡ سَبِيۡلَ مَنۡ اَنَابَ اِلَىَّ‌ۚ ثُمَّ اِلَىَّ مَرۡجِعُكُمۡ

ان سے بھلائی کرو [8] اور جو میری طرف رجوع لائے اس کے طریقہ پر چلو۔ میری ہی طرف تم نے لوٹنا ہے۔

فَاُنَبِّئُكُمۡ بِمَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ‏ ۝۱۵

میں تمہیں بتاؤں گا جو تم عمل کرتے تھے۔ [9]

النصف

[7] حضرت لقمان کی باتوں کے درمیان اللہ تعالیٰ انسان کو اس کے والدین کے بارے میں حکم فرما رہا ہے کہ وہ اللہ کا شکر بجالائے اور اپنے والدین کا شکر بجالائے کیا وہ دیکھتا نہیں کہ اس کی والدہ نے کس قدر تکلیف پہ تکلیف سہہ کر اسے نو ماہ تک اپنے پیٹ میں اٹھایا۔ یعنی اس وقت وہ آرام سے کروٹ بھی نہیں بدل سکتی۔ پھر اسے جننے کے بعد دو برس تک دودھ پلایا دودھ خون سے بنتا ہے گویا ماں نے بچے کو اپنے جسم کا خون نچوڑ کر پلایا۔ پھر اگر وہ بڑا ہو کر والدین کی نافرمانی کرے ان کا دل توڑے تو کس قدر ظلم ہے۔ اسے شرک کے بعد اسی لئے بیان کیا گیا کہ جب نعمتیں مہیا کرنے والے

والدین کا شکر بجالانا اس قدر اہم ہے تو نعمتیں پیدا کرنے والے رب کا شکر بجالانا کس قدر اہم ہے۔

## اللہ تعالیٰ کے حقوق کے بعد حقوق العباد میں سب سے اول ماں باپ کا حق ہے

اس لئے فرمایا گیا: اَنِ اشۡکُرۡ لِیۡ وَلِوَالِدَیۡكَ ؕ اور دوسری جگہ فرمایا گیا: اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّاۤ اِیَّاهُ وَبِالۡوَالِدَیۡنِ اِحۡسَانًا ؕ کہ ''اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور والدین کے ساتھ احسان کرو۔'' (بنی اسرائیل: ۲۳) یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کا حقیقی خالق ہے اور والدین مجازی خالق ہیں۔ اللہ تعالیٰ انسان کا حقیقی رازق ہے اور والدین مجازی رازق ہیں، اللہ تعالیٰ انسان کا حقیقی رب (پالنے والا) ہے اور والدین مجازی رب (پالنے والے) ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کے بعد انسان پہ سب سے بڑا حق اس کے والدین کا ہے۔

## ماں کا حق خدمت باپ سے زیادہ ہے (اور باپ کا حق اطاعت زیادہ)

اس جگہ والدین کے ساتھ بھلائی کا حکم کرنے کے بعد ماں کی تکالیف بیان کی گئیں جو اس نے اولاد کے لئے برداشت کیں اس میں اشارہ ہے کہ ماں کا خصوصی خیال رکھا جائے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا میرے والدین میں سے میری خدمت کا زیادہ حقدار کون ہے؟ حضور سید کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین بار فرمایا تمہاری ماں تمہاری ماں تمہاری ماں پھر فرمایا تمہارا باپ۔'' (بخاری کتاب الادب باب ۲، مسلم کتاب البر حدیث ۱)

یاد رہے کہ اطاعت میں باپ کا حق زیادہ ہے اور خدمت میں ماں کا۔ مثلاً اگر باپ کو ایک ہزار روپے پیش کرے تو ماں کو دو ہزار یا اس سے بھی زائد۔ لیکن اگر باپ اسے کوئی حکم کرے اور ماں اس کے خلاف کہے تو اسے باپ کا حکم ماننا چاہیے۔ کیونکہ اس کی ماں پہ بھی اس کے باپ کی اطاعت لازم ہے۔ وجہ یہی ہے کہ گھر کا سربراہ مرد ہے۔ جو مائیں اپنے بچوں کو ساتھ ملا کر اپنے شوہر کے خلاف محاذ بنالیتی اور بچوں کو اپنے باپ کا نافرمان بنا دیتی ہیں وہ اپنی دنیا بھی خراب کر لیتی ہیں کہ ان کا گھر ٹوٹ جاتا ہے اور آخرت بھی برباد کر لیتی ہیں۔

[8] یعنی اگر والدین مشرک ہوں اور شرک کا حکم دیں تو ان کی بات نہ مانی جائے مگر اس کے باوجود دنیا میں ان سے بھلائی جاری رکھی جائے۔ شرک سے ہر طرح کا کفر مراد ہے۔ جیسا کہ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغۡفِرُ اَنۡ يُّشۡرَكَ بِهٖ (اللہ اس بات کو معاف نہیں کرے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے)۔ (نساء، ۱۱۶) میں شرک بمعنی مطلقاً کفر ہے۔ کیونکہ کسی کافر کے لیے بخشش نہیں ہے خواہ وہ شرک کرتا ہو یا نہ کرتا ہو۔

## فاسق و فاجر والدین سے بھی حسن سلوک لازم ہے

والدین اپنے اعمال میں خواہ کتنے ہی بُرے ہوں بہر حال ان سے حسن سلوک لازم ہے۔ لہٰذا اگر وہ نادار ہوں تو

ان کا خرچہ اٹھایا جائے، بیمار ہوں تو تیمارداری کی جائے اور جو جائز بات کہیں وہ مانی جائے۔ کیونکہ جب کافر والدین سے بھلائی لازم ہے تو کسی گناہ میں مبتلا والدین سے بھلائی کیسے ترک کی جاسکتی ہے؟

## والدین کا خلافِ شرع حکم نہ مانا جائے

اسی لئے ان کے کہنے پر شرک نہ کرنے کی تاکید کی گئی ہے اور حدیث میں ہے: لا طاعة للخلق فی معصیة الخالق۔ کہ "خالق کی نافرمانی کر کے مخلوق کی اطاعت جائز نہیں۔" (مسلم کتاب الامارۃ حدیث ۳۹) اور قرآن پاک میں فرمایا گیا کہ "انصاف کی گواہی دو خواہ تمہارے اپنے خلاف ہو یا والدین اور قریبی عزیزوں کے خلاف۔" (نساء: ۱۳۵)

[9] حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے مطابق یہ الفاظ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں اترے۔ جب وہ ایمان لائے تو حضرت عثمان غنی، طلحہ، زبیر، سعد بن ابی وقاص اور عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہم ان کے پاس آتے جاتے تھے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انہیں دعوت اسلام دی اور تبلیغ حق کی تو وہ اسلام لے آئے تو یہ اسلام میں آنے والے اول ترین لوگ تھے۔ (مظہری جلد ۷ صفحہ ۲۵۶) اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا کہ جو شخص ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرح اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع لایا ہے اس کی اتباع کرنی چاہیے۔

## عظمت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ان کی سابقیت فی الاسلام

اس آیت نے اپنے شان نزول کے اعتبار سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی سابقیت فی الاسلام پر دلالت کی ہے۔ اس بارے میں اختلاف ہے کہ سب سے پہلے کون اسلام لایا۔ مگر یہ بات مسلم ہے کہ سب سے پہلا آزاد مرد مسلمان ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی ہیں۔ اور یہ کہ انہی کی دعوت سے اسلام کا پیغام پھیلنا شروع ہوا۔

اسی بات کو شیعہ مورخ علامہ مسعودی بھی ذکر کرتا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ سب سے پہلے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اسلام لائے۔ ثم اسلم ابو بکر ودعا قومه الی الاسلام فاسلم علی یدیه عثمان بن عفان والزبیر بن العوام وعبدالرحمان بن عوف وسعد بن ابی وقاص وطلحة بن عبيد الله فجاء بهم الی النبی ﷺ فاسلموا۔ پھر ابوبکر اسلام لائے اور اپنی قوم کو دعوت اسلام دی۔ تو ان کے ہاتھ پر عثمان بن عفان، زبیر بن عوام، سعد بن ابی وقاص اور طلحہ بن عبیداللہ (رضی اللہ عنہم) اسلام لائے۔ ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہ) ان کو نبی اکرم ﷺ کے پاس لائے تو یہ لوگ اسلام میں (باقاعدہ) داخل ہو گئے۔ (مروج الذہب جلد ۲ صفحہ ۳۰۰ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

يٰبُنَيَّ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ اَوْ فِي

اے بیٹے! اگر (کوئی برائی) رائی کے دانہ کے برابر پہاڑ کی چٹان میں یا آسمان

السَّمٰوٰتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ۝ يٰبُنَيَّ

یا زمین کے اندر مخفی ہوتو اللہ اسے لے آئے گا بے شک اللہ لطف و کرم والا خبر رکھنے والا ہے۔ اے میرے بیٹے

اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰي مَآ

نماز قائم رکھو بھلائی کا حکم دو برائی سے روکو اور جو مصیبت تمہیں آئے اس پر صبر کرو بے شک یہ فرض کاموں

اَصَابَكَ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۝ وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ

میں سے ہے [10] اور لوگوں سے اپنا رخ نہ پھیرو اور زمین میں تکبر سے

وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ۝

نہ چلو بے شک اللہ کسی متکبر غرور پسند سے محبت نہیں رکھتا [11] اور اپنی چال میں میانہ روی رکھو

وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ۭ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ

اور اپنی آواز پست رکھو بے شک سب سے بری آواز گدھے

لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ ۝

کی آواز ہے۔[12]

[10] اب پھر حضرت لقمان رحمۃ اللہ علیہ کی اپنے بیٹے کے لئے وصیات کی طرف روئے سخن موڑا گیا ہے۔ آپ نے اپنے بیٹے سے فرمایا یاد رکھو اگر بالفرض کوئی شخص کسی پہاڑ میں چھپ کر، آسمان پہ چڑھ کر یا زمین میں اتر کر ذرہ برابر برائی کرے تو اللہ تعالیٰ اسے بھی انسان کے نامۂ اعمال میں روز قیامت لے آئے گا کیونکہ وہ بہت لطیف و خبیر ہے لہٰذا اس سے ہروقت ڈرتے رہنا چاہیے۔

اور مزید فرمایا کہ اے بیٹے! نماز قائم کرو، بھلائی کا حکم دو اور برائی سے روکو اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والی کسی بھی مصیبت میں صبر سے کام لیا کرو۔

[11] تُصَعِّرْ کا معنی رُخ پھیرنا اور تکبر کرنا ہے۔ حضرت لقمان نے فرمایا: اے بیٹے! لوگوں سے بے رخی نہ برتو یعنی ان کے دکھ درد کو اپنا دکھ درد سمجھو اور زمین میں تکبر سے مت چلو اللہ تعالیٰ کو ایسے لوگ ہرگز پسند نہیں ہیں۔ اس میں حاکموں، قاضیوں، پیروں، فقیروں، عالموں اور سیاسی لیڈروں سب کے لئے بڑی راہنمائی ہے۔

[12] چال کو درمیانہ رکھنا یہ معنی رکھتا ہے کہ ہر کام میں اعتدال رکھا جائے۔ اخراجات میں کفایت شعاری، کھانے پینے میں اعتدال اور پیدل یا سواری پہ چلتے ہوئے بھی میانہ رفتار اختیار کی جائے نہ بہت تیز نہ بہت سست۔

## گدھے کی آواز کا سب سے بدتر ہونا

آگے فرمایا کہ اپنی آواز پست رکھو۔ گدھا سب سے زیادہ چیختا ہے اور اس کی آواز سب سے بدتر ہے۔ حدیثِ مبارکہ میں ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''گدھے کی آواز سن کر شیطان سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگو کیونکہ گدھا شیطان کو دیکھتا ہے (تب آواز لگاتا ہے)۔''
(بخاری کتاب بداء الخلق باب ١٥، حدیث ٣٣٠٣)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''جب تم مرغ کی آواز سنو تو اللہ تعالیٰ کا فضل مانگو اور جب گدھے کی آواز سنو تو شیطان سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگو کیونکہ وہ شیطان کو دیکھتا ہے۔'' (سنن ابی داود کتاب الادب باب ١٠٦)

راقم الحروف کا تجربہ ہے کہ لا حول ولا قوۃ الا باللہ پڑھنے سے گدھے کی آواز فوراً رک جاتی ہے۔ اس کی وجہ یہی ہوسکتی ہے کہ لاحول پڑھنے سے شیطان بھاگ جاتا ہے۔ لہٰذا جو شخص بے مقصد اونچا اونچا بولتا ہے وہ گدھے کی صفت اپناتا ہے۔ البتہ کسی کو دور سے بلند آواز سے پکارنا یا مجلس وعظ میں کسی خطیب کا بلند آواز سے بولنا تاکہ سب سن لیں کسی طرح معیوب نہیں کیونکہ وہ بے مقصد نہیں بامقصد ہے۔ البتہ خطیب کا مقصد سے زائد گلا پھاڑنا بھی معیوب اور اللہ تعالیٰ کے ہاں ناپسندیدہ ہے۔

حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو جو وصیات فرمائیں اللہ تعالیٰ نے انہیں قرآنِ مجید میں اس لیے دہرایا تاکہ ہمیں سبق ملے کہ اولاد کی نیک تربیت میں کوئی کمی نہیں رکھنی چاہیے۔ انہیں سب سے پہلے اسلامی عقائد کی تعلیم دی جائے جیسا کہ حضرت لقمان نے بیٹے کو سب سے پہلے شرک سے بچنے کی وصیت کی۔ پھر انہیں نماز سکھائی جائے اور پھر انہیں دیگر اسلامی آداب سکھائے جائیں۔

اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ

کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ نے تمہاری خاطر آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اسے کام پر لگا دیا ہے؟ اور اس نے

عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً ؕ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ

تم پر اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں بہا دیں۔ اور کچھ لوگ وہ ہیں جو اللہ کے بارے میں

بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ﴿۲۰﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ

کسی علم، ہدایت اور روشن کتاب کے بغیر جھگڑتے ہیں [13] اور جب انہیں کہا جائے کہ جو اللہ نے اتارا

اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ الشَّيْطٰنُ

اس کی پیروی کرو تو کہتے ہیں (نہیں) بلکہ ہم تو اس کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے۔ اگرچہ شیطان

يَدْعُوْهُمْ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ﴿۲۱﴾ وَمَنْ يُّسْلِمْ وَجْهَهٗٓ اِلَى اللّٰهِ وَهُوَ

انہیں عذاب جہنم کی طرف بلاتا تھا؟ [14] اور جو شخص اپنا چہرہ اللہ کے لئے جھکا دے اور وہ

مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ؕ وَاِلَى اللّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴿۲۲﴾

مخلص ہو تو اس نے مضبوط رسی تھام لی اور اللہ ہی کی طرف سب کاموں کی انتہاء ہے [15]

وَمَنْ كَفَرَ فَلَا يَحْزُنْكَ كُفْرُهٗ ؕ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ فَنُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ؕ اِنَّ

اور جو کفر کرتا ہے اس کا کفر آپ کو غمزدہ نہ کرے۔ انکو ہماری ہی طرف لوٹنا ہے، ہم انہیں بتائیں گے انہوں نے جو عمل کیا، بے شک

اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۲۳﴾ نُمَتِّعُهُمْ قَلِيْلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ اِلٰى

اللہ دلوں کے بھید جانتا ہے۔ ہم انہیں کچھ برتاؤ دینگے پھر انہیں سخت عذاب کی طرف (جانے پر)

عَذَابٍ غَلِيْظٍ ﴿۲۴﴾

مجبور کردیں گے۔[16]

# اللہ کی قدرتیں اور نعمتیں اور کفار کی ہٹ دھرمی

[13] حضرت لقمان علیہ السلام کی وصیات کے بعد روئے سخن کو اسی مضمون کے طرف موڑا جا رہا ہے جو ابتداء سورت میں شروع ہوا تھا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی عظمت وقدرت اور کفار کو دعوت حق دینا۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے انسانو کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ نے آسمان وزمین کی ہر چیز کو تمہارے لئے کام میں لگا رکھا ہے۔ یعنی شمس وقمر تمہیں روشنی دیتے ہیں۔ فرشتے تمہیں روزی مہیا کرتے تمہارے لئے بارشیں برساتے اور اناج اُگاتے ہیں۔ یونہی دریا، سمندر، درخت، پہاڑ سب اپنی اپنی شکل میں تمہاری خدمت سرانجام دے رہے ہیں۔ یہ انسان پہ اللہ تعالیٰ کے انعامات ہیں۔

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اللہ نے تم پر اپنی ظاہری و باطنی نعمتوں کی برسات کر دی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے بقول ظاہری نعمت اسلام ہے اور باطنی نعمت ہمارے بُرے اعمال کا چھپایا جانا ہے۔ (درمنثور جلد ۶ صفحہ ۵۲۶)

دیگر مفسرین نے ظاہری و باطنی نعمتوں میں یوں فرق کیا کہ مثلاً صورت کی عمدگی ظاہری نعمت ہے اور سیرت کی عمدگی باطنی نعمت، اعضاء کا سالم ہونا ظاہری نعمت ہے اور عقائد واخلاق کا سالم ہونا باطنی نعمت یونہی شریعت ظاہری نعمت ہے اور طریقت باطنی نعمت۔ اس کے باوجود جو لوگ کسی علم وہدایت اور روشن کتاب (جیسی مومنوں کے پاس ہے) کے بغیر اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہیں یعنی اس کی ربوبیت اور توحید بلکہ اس کے وجود سے انکار کرتے ہیں ان سے بڑا بدبخت اور گمراہ کون ہے۔ کاش انسان اپنی اس حالت پہ غور کرے۔

## انسان مقصودِ کائنات ہے

سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ سے معلوم ہوا کائنات کی ہر چیز انسان کی خدمت کے لئے بنائی گئی ہے۔ دوسری جگہ فرمایا گیا: الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً ۪ وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ ''اللہ وہ ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو بچھونا اور آسمان کو چھت بنایا اور آسمان سے پانی برسایا جس کے ساتھ زمین سے پھل نکالے جو تمہارے لیے رزق ہیں۔'' (بقرہ، ۲۲)

گویا تمام جہان انسان کے لیے بنایا گیا۔ تو انسان مقصود کائنات ہے۔ اب انسان کس لیے بنایا گیا؟ تو اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا کہ انسان اللہ کے لئے بنایا گیا ہے۔ اسی لیے فرمایا گیا: وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾ ''اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اسی لیے پیدا کیا ہے تاکہ وہ میری عبادت کریں۔'' (ذاریات، ۵۶)

[14] جب کفار سے کہا جاتا ہے کہ قرآن اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب ہے اس کی پیروی کرو تو وہ کہتے ہیں نہیں، ہمیں اس کی ضرورت نہیں۔ ہم تو اپنے باپ دادا کے طریقہ پر چلیں گے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کیا شیطان نے ان کے باپ دادا کو گمراہ نہ کر دیا تھا؟ معلوم ہوا کسی خاندان میں جو رسمیں قرآن وسنت کے خلاف رائج ہوں ان کا چھوڑ دینا لازم ہے۔

بندے پر لازم ہے کہ وہ خاندان کی بجائے خدا کی بات مانے۔ اگر شیطان نے کسی کے باپ دادا کو گمراہی پر لگا دیا تھا تو اسے باپ دادا کی بجائے خدا و مصطفیٰ عزوجل وﷺ کی بات ماننی چاہئے۔ آج ہمارے ہاں شادی و غمی پر بعض ناجائز رسمیں رائج ہیں جیسے شادی پہ ناچ گانا اور موت پہ سینہ کوبی وغیرہ، ان کا رد لازم ہے۔

[15] یعنی جو شخص باپ دادا، خاندان، قوم اور معاشرہ کے کافرانہ و فاسقانہ عقائد و رسوم کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کے حکم پر سر تسلیم خم کر دیتا ہے اس نے بڑی مضبوط رسی تھام لی کیونکہ انجام کار اللہ تعالیٰ ہی کے پاس جانا ہے وہاں خاندان اور قوم بچانے نہیں آئے گی۔

[16] اے پیارے رسول ﷺ! اس واضح پیغام کے باوجود جو لوگ آپ کی دعوت سے انکار کرتے ہیں آپ ان کے طرز عمل سے پریشان نہ ہوں انہوں نے ہماری ہی طرف پلٹ کر آنا ہے ہم انہیں دیکھ لیں گے۔ یہ دنیا کی زندگی چند دن کا برتاؤ ہے جو ہم ہی نے انہیں دیا ہے۔ اس کے بعد ان کے لئے عذاب جہنم کے سوا کچھ نہیں۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ قُلِ

اور اگر تم ان سے پوچھو کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے، تم کہہ دو کہ

الْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۲۵ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ

اللہ کے لئے سب تعریف ہے، بلکہ ان میں سے اکثر علم نہیں رکھتے۔[17] اللہ ہی کے لئے ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہے

اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ۝۲۶ وَلَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ

بے شک اللہ بے پرواہ قابل حمد ہے [18] اور اگر زمین میں جتنے درخت ہیں قلمیں بن جائیں

وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

اور سمندر (سیاہی) اس کے بعد سات سمندر اس کی مدد کریں تو بھی اللہ کے کلمات ختم نہ ہوں گے، بے شک اللہ غالب ہے

عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝۲۷ مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

حکمت والا ہے[19] تمہارا پیدا کرنا اور دوبارہ اٹھانا (اللہ کے لئے) ایک جان (کے پیدا کرنے) کی طرح ہی ہے۔ بے شک اللہ

سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ۝۲۸ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي

سننے والا دیکھنے والا ہے۔ [20] کیا تم نے نہ دیکھا کہ اللہ رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے

الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ز كُلٌّ يَّجْرِيْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّاَنَّ اللّٰهَ

اس نے شمس و قمر کو کام پر لگایا۔ ہر سیارہ ایک مقرر مدت تک چل رہا ہے اور تم جو عمل کرتے ہو اللہ

بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝۲۹ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ

اس سے خبردار ہے کیونکہ اللہ ہی سچا خدا ہے اور اس کے سوا وہ جسے پوجتے ہیں

دُوْنِهِ الْبَاطِلُ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ۝۳۰ ع

وہ باطل ہے اور اللہ ہی سب سے بلند اور بڑا ہے۔[21]

[17] اگر مشرکین سے پوچھا جائے کہ آسمان وزمین کا خالق کون ہے تو کہتے ہیں اللہ ہے۔اس کے باوجود وہ جھوٹے خداؤں کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ملاتے ہیں تو مومن کو چاہیے کہ اللہ وحدہٗ لاشریک ہی کی حمد میں لگا رہے۔مشرکین کا شرک کسی تحقیق یا استدلال کی بنیاد پر نہیں بلکہ محض لاعلمی وجہالت پر مبنی ہے۔

[18] اللہ تعالیٰ ساری کائنات سے بے نیاز ہے ہر چیز اس کی نیاز مند ہے لہٰذا اللہ وحدہٗ لاشریک ہی کی عبادت کرنی چاہئے کہ وہی ساری مخلوقات کا مالک وخالق ورازق ہے۔

[19] اللہ تعالیٰ کی عظمتیں قدرتیں،نعمتیں اور صفات کو تحریر میں لانے کے لئے اگر ساری زمین کے درختوں کو قلمیں بنا لیا جائے اور سارے سمندر سیاہی بنا لئے جائیں اور سارے جاندار (مخلوقات) اللہ کی عظمتیں لکھنا شروع کر دیں تو یہ قلمیں ٹوٹ جائیں گی یہ سیاہی ختم ہو جائے گی مگر اللہ تعالیٰ کی صفات ختم نہ ہوں گی۔اللہ رب العزت کی عظمت کو اللہ ہی جانتا ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے:لا اُحصِي ثِناءً عليك انت كما اَثْنيتَ على نفسك.''اے اللہ!جس طرح تو خود اپنی تعریف کرسکتا ہے میں اس طرح تیری تعریف کا احاطہ نہیں کرسکتا۔'' (مسلم کتاب الصلوٰۃ حدیث ۲۲۲)

[20] یعنی سارے انسانوں کا دوبارہ زندہ کرنا اللہ تعالیٰ کے لئے اس قدر آسان ہے جیسے ایک چھوٹی سی جان (خواہ وہ مکھی یا مچھر ہو) کا پیدا کرنا۔لہٰذا کفار کو قیام قیامت پر تعجب نہیں یقین کرنا چاہئے۔

[21] اللہ تعالیٰ رات کو دن میں اور دن کو رات میں بدل دیتا ہے کونکہ اس نے شمس وقمر کو ایک کام پر لگا رکھا ہے وہ اپنے دائروں میں گھوم رہے ہیں بلکہ ہر سیارہ ایک مدت مقررہ تک اپنے مدار میں محو حرکت ہے اور اللہ تعالیٰ بندوں کے ہر عمل سے واقف ہے تو ایسا خالق و مالک اور دانا رب ہی مستحق عبادت ہے اور اس کے سوا ہر معبود جھوٹا و من گھڑت ہے اور اللہ سب سے بلند اور سب سے بڑا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ لِیُرِیَكُمْ مِّنْ اٰیٰتِهٖ ؕ اِنَّ

کیا تم نہیں دیکھتے کہ کشتیاں سمندر میں اللہ کی نعمت سے چلتی ہیں تاکہ اللہ تمہیں اپنی نشانیاں دکھائے؟ اس میں

فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿۳۱﴾ وَ اِذَا غَشِیَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ

ہر صبر و شکر کرنے والے کے لئے بڑی نشانیاں ہیں [22]۔ جب انہیں (سمندر میں) بادلوں جیسی (بڑی) لہر گھیر لیتی ہے

دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ۚ۬ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُمْ

تو وہ اللہ کو اخلاص کے ساتھ پکارتے ہیں۔ پھر جب وہ انہیں خشکی کی طرف نجات دے دیتا ہے تو ان میں سے کوئی (ہی)

مُّقْتَصِدٌ ؕ وَمَا یَجْحَدُ بِاٰیٰتِنَآ اِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُوْرٍ ﴿۳۲﴾

منصف ہوتا ہے اور ہماری آیات سے ہر غدار کافر ہی انکار کرتا ہے۔ [23]

## اللہ تعالیٰ کی قدرتوں اور نعمتوں اور اُس کے علم کا بیان

[22] یہ اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت ہے کہ ہزاروں ٹن وزنی بحری جہاز پانی کے اوپر تیرتے اور لوگوں کو دنیا کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک لے جاتے ہیں۔ آخر اللہ تعالیٰ کے سوا کون سی طاقت ہے جس نے جہازوں کو پانی میں ڈوبنے سے بچا رکھا ہے اس میں ہر صابر و شاکر شخص کے لئے بڑی نشانیاں ہیں جب سمندروں میں طغیانی آتی ہے اور جہاز ڈوبنے لگتے ہیں تو ہر شخص اللہ تعالیٰ کو پکارتا ہے تو انسان کو چاہئے کہ صرف مصیبت میں نہیں بلکہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کو یاد رکھے اور صبر و شکر کا دامن نہ چھوڑے۔

[23] مشرکین عرب کے بحری جہاز جب طوفانوں میں گھر جاتے تو وہ تمام جھوٹے خداؤں کو بھول کر صرف اللہ تعالیٰ کو پکارتے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ انہیں خشکی پر لے آتا تو ان میں سے کوئی ہوتا جو انصاف سے کام لے کر یہ سوچتا کہ جس رب کو اس نے طوفان میں پکارا ہے خشکی میں بھی اسی ہی کو پکارنا چاہئے مگر اکثر کا حال یہی تھا کہ وہ خشکی پر پہنچتے ہی جھوٹے خداؤں کو پکارنا شروع کر دیتے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ایسے لوگ غدار اور پکے کافر ہیں جو ہماری نشانیاں دیکھ کر بھی ایمان نہیں لاتے۔ مروی ہے کہ ابوجہل کے بیٹے حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ (حالت کفر میں) سمندر میں طوفان میں گھر گئے۔ اہل سفینہ نے کہا اللہ تعالیٰ کو پکارو اس وقت تمہارے دوسرے خدا تمہیں نہیں بچا سکتے۔ حضرت عکرمہ نے دل میں کہا جب سمندر میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں بچا سکتا تو خشکی میں بھی وہی بچانے والا ہے چنانچہ وہ واپسی پہ سیدھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہو کر ایمان لے آئے۔ (روح البیان جلد ۷ صفحہ ۹۹)

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا يَوْمًا لَّا يَجْزِيْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ ۡ وَلَا

اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو اور اس دن سے خوف کرو جب نہ والد اپنی اولاد کو بچا سکے گا نہ کوئی بچہ

مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ

اپنے والد کو کچھ بچانے والا ہو گا، بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے تو تمہیں دنیوی زندگی

الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۥ وَقفة وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ۝۳۳ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ

دھوکہ میں نہ ڈال دے اور نہ تمہیں دھوکے باز (شیطان) اللہ کے بارے میں دھوکہ دے دے [24] بے شک اللہ ہی کے پاس

السَّاعَةِ ۚ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ ۚ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ ؕ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ

قیامت کا علم ہے وہی بارش برساتا ہے اور جانتا ہے جو کچھ ماؤں کے رحموں میں ہے اور کوئی جان نہیں جانتی کہ

مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ؕ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌۢ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

وہ کل کیا کرے گی اور کوئی جان نہیں جانتی کہ وہ کس زمین میں مرے گی، بے شک اللہ

عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ۝۳۴ ع

علم والا خبر والا ہے [25]

[24] کفار مکہ سمجھتے تھے کہ وہ اولاد ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام ہیں لہٰذا ان کی نجات کے لئے یہ نسب ہی کافی ہے اس کے جواب میں یہ آیت اتری گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا قیامت کے دن کوئی مومن باپ اپنے کافر بیٹے کو اور نہ کوئی مومن اولاد اپنے کافر باپ کو بچا سکے گی۔ اللہ کا وعدہ سچا ہے لہٰذا کسی کو دنیا اور دھوکہ باز شیطان دھوکہ میں نہ ڈالے۔

## باپ بیٹے کا روز قیامت فائدہ نہ دینا کفار کے لیے ہے

یاد رہے اس آیت کا یہ معنی نہیں کہ کوئی باپ اپنے بیٹے کو یا بیٹا اپنے باپ کو نہ بچا سکے گا۔ خواہ وہ سب مومن ہوں، بلکہ یہ مراد ہے کہ کوئی کافر اولاد یا کافر والد روز قیامت کچھ فائدہ نہ دے گا۔ کیونکہ قرآن مجید فرماتا ہے: جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ۔ ''وہ لوگ جنت عدن میں داخل ہوں گے اور (ان کی وجہ سے) ان کے مومن باپ دادا اور بیویاں اور اولاد بھی داخل ہوں گے۔'' (رعد: ۲۳)

اور اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّیَّتُهُمْ بِاِیْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ۔ ''جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد نے ایمان کے ساتھ ان کی پیروی کی تو ہم ان کی اولاد کو بھی ان کے ساتھ ملا دیں گے۔'' (طور:۲۱) اور حدیث مبارکہ میں ہے کہ جس کے تین بچے بلوغت سے قبل فوت ہو جائیں اسے دوزخ نہ چھوئے گی مگر صرف قسم پوری کرنے کے لئے۔ (بخاری کتاب الجنائز باب ۶) اور حدیث طیبہ میں ہے کہ جس کی دو بیٹیاں ہوں اور وہ ان کی بہتر تربیت کر کے ان کی شادی کر دے تو وہ بیٹیاں اس کے لئے جہنم سے آڑ بن جائیں گی۔ (ابوداؤد کتاب الادب باب ۱۲۱)

ان تمام آیات واحادیث سے ثابت ہوا کہ مومن اولاد اپنے مومن والدین کے لیے، اور مومن والدین اپنی مومن اولاد کے لیے روز قیامت باعث بخشش اور باعث بلندی درجات ہوں گے۔ لہٰذا لَّا یَجْزِیْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ ز الخ کا یہی معنی ہے کہ کوئی مومن شخص اپنے آباء واولاد میں سے کسی کافر کو نہ بچا سکے گا۔

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تمہیں دنیا اور دھوکے باز شیطان کسی دھوکے میں نہ ڈال دے۔ لہٰذا انسان کو اپنی عاقبت اور اپنے رب سے غافل نہیں ہونا چاہئے۔

مروی ہے کہ ایک بار حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ کو حمام میں داخل ہونے سے اس لئے روک دیا گیا کہ آپ کے پاس پیسے نہیں تھے۔ آپ کے منہ سے چیخ نکل گئی آپ نے فرمایا جب شیطان کے گھر میں مفت داخلہ ممکن نہیں تو رحمان کے گھر (جنت) میں مفت داخلہ کیسے ممکن ہے۔ یعنی بغیر عمل صالح وہاں کیسے داخلہ مل سکتا ہے؟ (روح البیان جلد ۷ صفحہ ۱۰۲)

[25] اس آیت میں پانچ علوم غیب بتائے گئے ہیں جو تمام غیوب پر محیط ہیں اور اللہ تعالیٰ ہی کی ذات کے ساتھ خاص ہیں۔ اول: قیامت کب آئے گی۔ دوم: بارش کب اور کہاں ہوگی۔ سوم: ماں کے پیٹ میں کیا ہے بچہ یا بچی اور وہ سالم الاعضاء ہے یا ناقص الاعضاء۔ چہارم: کون کل کیا کرے گا یعنی اس کا آئندہ مستقبل کیا ہوگا۔ پنجم: کس جاندار کو کہاں موت آئے گی۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: غیب کی چابیاں پانچ ہیں جنہیں صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہی آیت پڑھی: اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَیُنَزِّلُ الْغَیْثَ ۚ وَیَعْلَمُ مَا فِی الْاَرْحَامِ ؕ وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ؕ وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌۢ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ ﴿۳۴﴾ (بخاری کتاب الاستسقاء، باب ۲۹) اسی طرح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: پانچ غیوب وہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ پھر آپ نے یہی آیت پڑھی: اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ الخ (بخاری کتاب التفسیر باب ۲ حدیث ۴۷۷۷)

## اللہ تعالیٰ انبیاء واولیاء میں سے جسے چاہے علوم غیبیہ خمسہ عطا فرماتا ہے

یہ پانچ علوم بالذات اللہ تعالیٰ ہی کی ذات کے ساتھ خاص ہیں مگر اللہ تعالیٰ جب چاہے جس کو چاہے ان علوم میں سے کچھ عطا فرما دیتا ہے۔ اور انہیں اللہ تعالیٰ کی عطا سے غیر اللہ کے لیے ماننا شرک نہیں ہے۔ دیکھیں لوح محفوظ میں سب

کچھ لکھا ہے کہ قیامت کب آئے گی، بارش کب کہاں ہوگی، فلاں عورت بچہ جنے گی یا بچی، فلاں نے کل کیا کرنا ہے اور کون کہاں مرے گا اور لوح محفوظ میں لکھنے والے فرشتے ان سب چیزوں کو جانتے ہیں تو ان کا علم اللہ تعالیٰ کے بتانے سے ہے۔تو جو رب یہ چیزیں فرشتوں کو بتا سکتا ہے وہ انبیاء واولیاء کو بھی بتا سکتا ہے۔حتیٰ کہ حافظ ابن کثیر نے بھی لکھا کہ یہ پانچ علوم غیب کی چابیاں ہیں انہیں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا سوا اس کے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو ان کی تعلیم دے دے۔(تفسیر ابن کثیر جلد ۳ صفحہ ۴۶۲)

یاد رہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات میں سے ہے کہ آپ نے چند بار بارش کی خبر دی اور قیامت سے قبل ایک عالمی بارش کے بارے میں بھی بتایا۔(مسلم کتاب الفتن حدیث ۱۱۰) ماں کے رحم میں کیا ہے اس بارے میں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کئی لوگوں کو خبر دی۔مثلاً سیدہ خاتون جنت رضی اللہ عنہا کے ہاں امام حسین کی ولادت کی خبر دی۔(سنن ابن ماجہ کتاب تعبیر الرؤیا باب ۱۰ حدیث ۳۹۸۱) یونہی ام الفضل کے ہاں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی ولادت کی خبر عطا فرمائی۔(تاریخ الخلفاء) اسی طرح کون کہاں مرے گا، اس کی خبریں بھی آپ نے کئی بار عطا فرمائیں۔جیسے آپ نے جنگ بدر سے ایک دن قبل نشانات لگائے کہ یہاں ابوجہل مرے گا یہاں عقبہ کی لاش تڑپے گی وغیرہ اور جہاں جہاں آپ نے ستر نشانات لگائے ہر کافر وہیں گرا۔(مسلم کتاب الجہاد حدیث ۸۳، ابوداود کتاب الجہاد باب 115) اور کئی اولیاء اللہ بھی بطور کرامت ایسی خبریں دیتے ہیں کہ فلاں وقت بارش ہوگی، فلاں وہاں مرے گا۔وغیرہ اور جیسے وہ کہتے ہیں اسی طرح ہوتا ہے۔مگر یہ ان کا ذاتی علم نہیں ہے۔بلکہ اللہ تعالیٰ کے بتانے سے ہے اور آج سائنس کے ذریعے بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ ماں کے رحم میں بچہ ہے یا بچی، اور یہ کہ بارش کب اور کہاں ہوگی مگر یہ علم سائنسی آلات کے ذریعے ہے، یہ علم غیب نہیں اور جو علم خاصۂ خدا ہے وہ علم غیب ہے جس میں کسی آلات کی ضرورت نہیں۔

گویا یہ پانچ علوم اس لحاظ سے خاصہ خدا ہیں کہ ذاتی طور پر انکو صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے مگر اللہ تعالیٰ جب چاہے ان میں سے کوئی چیز اپنے کسی نبی یا ولی پر ظاہر فرما سکتا ہے۔اسی لیے آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ اور خَبِيْرٌ، اس کا معنی ملا جیون رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کہا ہے کہ اللہ جسے چاہے ان علوم کی خبر دے دیتا ہے۔
(تفسیرات احمدیہ سورہ لقمان، ملا جیون)

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بعض علماء فرماتے ہیں:

ذهب بعضهم الى انه ﷺ اوتی علم الخمس ایضا وعلم الساعة والروح وانه امر بكتم ذالك. یعنی اللہ تعالیٰ نے ان پانچ علوم اور علم روح سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مطلع فرمایا مگر آپ کو ان کے اخفاء کا حکم دیا۔
(الخصائص الکبری ج ۲ ص ۱۹۵ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

اور امام صاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دنیا سے اٹھانے سے قبل ان پانچ علوم پر مطلع فرما دیا تھا مگر انکے اخفاء کا حکم فرمایا۔(تفسیر صاوی ج ۳ ص ۲۱۵ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اور عارف باللہ شیخ عبدالعزیز دباغ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ پانچ علوم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیسے مخفی رہ سکتے ہیں جبکہ امت محمدیہ میں سے کوئی صاحب تصرف (جیسے فرشتے اور رجال غیب) ان علوم کے بغیر کوئی تصرف ہی نہیں کرسکتا۔
(الابریز صفحہ ۴۸۳)

---

الحمدللہ آج 24 ربیع الثانی 1429ھ بمطابق یکم مئی 2008ء بروز جمعرات بعد نماز عصر سورۂ لقمان کی تفسیر مکمل ہوئی
و صلی اللہ تعالٰی علی حبیبہ محمد و آلہ و صحبہ اجمعین۔

# سورۃ السجدہ

ترتیب تلاوت کے اعتبار سے یہ قرآن کریم کی 32 ویں سورت ہے اور ترتیب نزول کے اعتبار سے 60 ویں سورت ہے۔(اتقان جلد ا صفحہ ۲۳) اس میں تین رکوعات، تیس آیات، تین سو اسی کلمات اور ایک ہزار پانچ سو اٹھارہ حروف ہیں۔ اسے سورۂ سجدہ اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں خصوصی حکم سجدہ ہے جس پر سجدۂ تلاوت بھی ہے یعنی آیت 15 میں، یہ سورت مکمل طور پر مکی سورت ہے۔

## فضیلت

یہ بڑی فضیلت والی سورت ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر جمعہ کو نماز فجر میں سورۂ سجدہ اور سورۂ دہر تلاوت فرماتے تھے۔(بخاری کتاب الجمعہ باب ۱۰ حدیث ۸۹۱)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سوتے نہ تھے جب تک سورۂ سجدہ اور سورۂ ملک نہ پڑھ لیتے۔
(ترمذی کتاب فضائل القرآن باب ۹ حدیث ۲۸۹۲)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''جس نے سورہ ملک اور سورۂ سجدہ نماز مغرب وعشاء کے درمیان پڑھی گویا اس نے لیلۃ القدر میں قیام کا ثواب پایا۔'' (درمنثور جلد ۶ صفحہ ۵۳۵ بروایت ابن مردویہ)

## مضامین

اس سورت کے پہلے رکوع میں یہ مضامین ہیں۔ زمین وآسمان کا چھ دنوں میں بننا، روز قیامت کا ہزار برس پہ مشتمل ہونا، انسان کا مٹی سے اٹھایا جانا اور اثبات قیامت۔ دوسرے رکوع میں روز قیامت کفار کی حسرت وندامت، مومنین کا شوق عبادت، احوال جہنم اور مقامات جنت کا ذکر ہے اور آخری رکوع میں رسالتِ موسوی، داعیانِ حق کی فضیلت، قدرتِ خداوندی اور اثباتِ قیامت کا بیان ہے۔

## ماقبل سے مناسبت

سورہ لقمان میں عموماً اللہ تعالیٰ کی وہ نعمتیں مذکور ہیں جو اس نے بندوں پہ فرمائی ہیں اور یہی مضمون الف لام میم سجدہ میں ہے۔ اور دونوں الف لام میم سے شروع ہوئی ہیں اور دونوں سورتوں میں انسان کو بتایا گیا ہے اس کی تخلیق کس چیز سے ہوئی ہے، کیسے ہوئی ہے۔

راجی رحمۃ الرب عبدہ المذنب قاری محمد طیب غفرلہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

الٓمّٓ ۚ ﴿۱﴾ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ؕ ﴿۲﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ

الف لام میم [1] یہ کتاب کا اتارا جانا کوئی شک نہیں کہ یہ رب کائنات کی طرف سے ہے، کیا وہ کہتے ہیں کہ اسے

افْتَرٰىهُ ۚ بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ

اس نے (نبی ﷺ نے) گھڑ لیا ہے؟ (نہیں) بلکہ یہ آپ کے رب کی طرف سے حق ہے تاکہ آپ اس قوم کو ڈرائیں جن کے پاس آپ سے قبل

قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿۳﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا

کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تاکہ وہ ہدایت پائیں [2] اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ

بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ؕ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ

ان کے مابین ہے اسے چھ دنوں میں پیدا کیا [3] پھر اس نے عرش پر (اپنی شان کے مطابق) استواء فرمایا۔ تمہارے لئے اس کے مقابلہ میں

مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا شَفِيْعٍ ؕ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۴﴾

کوئی مددگار اور سفارشی نہیں، کیا تم نصیحت نہیں پکڑتے؟ [4]

## حقانیت قرآن، دلائلِ توحید اور نعمت ہائے الٰہیہ کا بیان

[1] حروف مقطعات میں سے الف، لام، میم قرآن میں بکثرت وارد ہوئے ہیں۔ علامہ اسماعیل حقی فرماتے ہیں الف اقصاء حلق سے نکلتا ہے (اور یہی سیبویہ نحوی کا مذہب ہے) یہ سب سے پہلا مخرج ہے۔ لام کا مخرج طرف لسان ہے اور یہ مخارج کا درمیان ہے اور میم ہونٹوں کی خشکی سے ادا ہوتی ہے یہ سب سے آخری مخرج ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ

بندے کو اپنے اقوال وافعال کے آغاز درمیان اور اختتام میں ہر وقت اپنی زبان ذکر الٰہی سے تر رکھنی چاہیے۔ اور یہ کہ بندے کے ہر کام کی ابتداء وانتہاء اور درمیان اللہ تعالیٰ ہی کے ذکر سے ہے۔

[2] تمام کفار یہ سمجھتے ہیں کہ قرآن اللہ نے نہیں اتارا بلکہ اسے محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنی طرف سے گھڑا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے رد میں فرما رہا ہے کہ قرآن کے اللہ کی طرف سے نازل شدہ کتاب میں ہونے میں کوئی شک نہیں اور اے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ کو ہم نے قرآن دے کر اس قوم میں عذاب جہنم سے ڈرانے کے لئے مبعوث فرمایا جن کے پاس پہلے کوئی ڈرانے والا نہ آیا تھا۔

کیونکہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ میں مبعوث ہوئے اور مکہ میں اس وقت کسی نبی کی تعلیمات موجود نہ تھیں۔ حضرت ہود اور حضرت صالح علیہما السلام اگرچہ عرب کے بعض علاقوں میں مبعوث ہوئے تھے مگر ان کی تعلیمات اہل مکہ تک نہ پہنچی تھیں۔ اور وہ حضرت ابراہیم واسماعیل علیہما السلام سے بھی بہت پہلے دنیا میں آئے تھے۔ جبکہ حضرت ابراہیم واسماعیل علیہما السلام کو دنیا سے پردہ فرمائے ہوئے بھی تقریباً چار ہزار برس گزر گئے تھے ان کی تعلیمات مٹ گئی تھیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام صرف بنی اسرائیل کے لئے مبعوث ہوئے ان کی تعلیمات بھی مکہ میں نہیں پہنچی تھیں۔ اس لئے یہاں کفر وشرک کا گھٹا ٹوپ اندھیرا تھا تب رحمتِ پروردگار جوش میں آئی اور یہاں آفتاب محمدی کو طلوع کیا گیا جس کی روشنی سارے جہان میں پھیل گئی۔ ؎

جہاں تاریک تھا اندھیر تھا اور سخت کالا تھا  کوئی پردے سے کیا نکلا کہ گھر گھر میں اجالا تھا

## صداقتِ قرآن، عدالتِ صحابہ کی دلیل ہے

قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہ نازل فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام کو پڑھایا۔ صحابہ نے آگے امت کو سکھایا۔ تو آپ کے اور باقی امت کے درمیان حصول قرآن کا واسطہ صحابہ کرام ہیں۔ جب قرآن تَنۡزِیۡلُ الۡکِتٰبِ لَا رَیۡبَ فِیۡہِ کی شان رکھتا ہے یعنی اس میں کوئی شک نہیں ہے تو جن صحابہ کے واسطہ سے امت کو قرآن ملا ان کی عدالت میں بھی کوئی شک نہیں ہے۔ تو افسوس ہے اہل تشیع پہ جنہوں نے صرف تین صحابہ (ابوذر، سلمان اور مقداد رضی اللہ عنہم) کے سوا باقی تمام صحابہ کو کافر قرار دیا۔

(دیکھیے اصول کافی کتاب الحجہ صفحہ ۲۵۳ مطبوعہ دار المجتبیٰ نجف اشرف، تفسیر قمی صفحہ ۱۵۹ مطبوعہ تہران، تفسیر عیاشی جلد اول صفحہ ۱۹۹ مطبوعہ المکتبۃ العلمیۃ الاسلامیہ تہران)

اسی لیے اہل تشیع کو قرآن میں بھی شک ہو گیا اور وہ اس میں تحریف کے قائل ہو گئے اور کہنے لگے کہ صحابہ نے قرآن میں سے اہل بیت کی عظمت اور ان کی امامت پہ نص کرنے والی تمام آیات نکال دیں۔ اور اصل قرآن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لکھا تھا جس کو صحابہ نے نہ مانا تو حضرت علی نے اسے چھپا دیا اب اسے مہدی لے کر آئے گا۔ (اصول کافی کتاب فضل القرآن

صفحہ ٦٥٦) اللہ تعالیٰ ایسی گمراہی سے محفوظ رکھے۔

## اللہ رب العزت اپنے حبیب ﷺ کی طرف سے دفاع فرماتا ہے

پہلے انبیاء کرام علیہم السلام پر جب کفار اعتراض کرتے تو انبیاء اپنا دفاع خود کرتے تھے۔ مگر ہمارے آقا و مولیٰ ﷺ کی یہ شان ہے کہ آپ پہ کفار کے اعتراضات کا جواب اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے۔ کفار نے کہا کہ محمد (ﷺ) نے قرآن کو خود گھڑا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا: اَمۡ یَقُوۡلُوۡنَ افۡتَرٰىہُ ۚ بَلۡ ہُوَ الۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّکَ الخ

[3] چھ دنوں سے چھ ادوار بھی مراد ہو سکتے ہیں کیونکہ عربی میں یوم بمعنی وقت بھی آتا ہے جیسے یوم القیامۃ کہا جاتا ہے۔ اب قیامت صرف چند گھنٹے کا دن نہیں ہے بلکہ وہ ہزار ہا برس کا وقت ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کو چھ ادوار میں پیدا کیا۔ اور دوسرا معنی یہ ہے کہ چھ دنوں سے چھ دن ہی مراد ہیں یعنی 144 گھنٹے اور حدیث مبارکہ سے بھی اس کی تائید ملتی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ہفتے کو مٹی، اتوار کو پہاڑ، سوموار کو اشجار، منگل کو معدنیات (جیسے لوہا تانبا وغیرہ)، بدھ کو نور اور جمعرات کو جانوروں کی تخلیق فرمائی اور جمعہ کے دن کے آخری حصہ میں عصر کے بعد حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا۔ (مسلم کتاب صفۃ المنافقین حدیث ۲۷)

اس میں یہ درس ہے کہ ہر کام کو ٹھہر ٹھہر کر کرنا چاہیے۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو چشم زدن میں ساری کائنات بنا دیتا۔ مگر اس نے ٹھہر ٹھہر کر کام کرنے کو ہمارے لیے سنت بنایا۔

[4] اللہ تعالیٰ کا عرش پر استواء (قرار) فرمانا متشابہات میں سے ہے۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ استواء کا ہونا معلوم ہے اس کی کیفیت مجہول ہے۔ اس پر ایمان لانا لازم ہے اور اس کے بارے میں سوال کرنا بدعت ہے اس کی پوری تحقیق ہم نے اعراف 54 اور یونس 3 کے تحت کی ہے وہاں دیکھیں۔ آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ کے مقابلہ میں کوئی کسی کی مدد یا سفارش نہیں کر سکتا۔ یعنی جس کو اللہ تعالیٰ عذاب سے بچانا نہ چاہے اسے اللہ تعالیٰ سے کوئی زبردستی نہیں چھڑا سکتا۔

يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ

وہ آسمان سے زمین تک ہر کام کی تدبیر فرماتا ہے پھر ہرکام اس کی طرف اٹھے گا اس دن میں

مِقْدَارُهٗۤ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ۞ ذٰلِكَ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ

جس کی مقدار تمہاری گنتی کے مطابق ہزار برس کے برابر ہے [5] وہ ہر خفیہ و ظاہر چیز کا

الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۞ الَّذِيْۤ اَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ

جاننے والا ہے وہ غالب اور رحمت والا ہے۔ اللہ وہ ہے جس نے جو چیز پیدا کی اسے خوب تر بنایا [6] اور انسان کی تخلیق کی

مِنْ طِيْنٍ ۞ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ۞ ثُمَّ سَوّٰىهُ

ابتداء مٹی سے کی، پھر اس نے اس کی نسل کو نطفہ یعنی حقیر پانی سے چلایا۔ پھر اس کی تخلیق

وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ

برابر کی اور اس میں اپنی (پیداکردہ) روح پھونکی اور اس نے تمہارے لئے کان اور آنکھیں اور دل بنائے

قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۞

توتم کتنا کم شکر کرتے ہو [7]

[5] قیامت کے دن کی ایک مقدار ہزار برس بتائی گئی ہے۔ جیسے کہ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ۞ یعنی قیامت کا دن تمہارے رب کے ہاں تمہاری گنتی کے مطابق ہزار برس جیسا ہے۔ (ج، ۴۷) اسی لیے حدیث مبارکہ میں ہے کہ غریب لوگ امراء سے پانچ سو برس قبل جنت میں چلے جائیں گے اور یہ نصف دن ہے۔ (ترمذی کتاب الزہد باب ۳۷) گویا قیامت کے دن کی مقدار ہزار برس کے برابر ہے۔

## قیامت کا دن کتنا لمبا ہوگا، اس کی تحقیق

اور قرآن پاک ہی میں قیامت کی دوسری مقدار پچاس ہزار برس بتائی گئی ہے۔ جیسے قرآن میں ہے: مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ ۞ قیامت کی مقدار پچاس ہزار برس ہے۔ (معارج: ۴) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”زکوٰۃ نہ دینے والے کی پیشانی اور پہلو داغے جائیں گے اور یہ اس دن میں ہوگا جس کی مقدار

پچاس ہزار برس ہے پھر اسے جنت یا دوزخ میں بھیجا جائے گا۔'' (مسلم کتاب الزکوۃ حدیث ۲۴)

دراصل اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ ایک وقت کو کسی شخص کے لئے مختصر اور کسی کے لئے طویل کر دے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ صحابہ کرام نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا قیامت پچاس ہزار برس طویل ہوگی؟ آپ نے فرمایا: اس رب کی قسم! جس کے قبضہ میں میری جان ہے اسے مومن کے لئے ایک نماز کے وقت کے برابر خفیف کر دیا جائے گا۔ (بیہقی جلد ۳ صفحہ ۲۱ مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)

یہاں سے فلسفۂ معراج بھی سمجھ میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح راتوں رات سات آسمانوں عرش و کرسی اور لامکان کی سیر کر آئے۔ بات یہ ہے کہ اس رات کو دنیا والوں کے لئے چند گھنٹے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے طویل ترین وقت پر مشتمل کر دیا گیا جس کی طوالت اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ ایک حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگر میں نوح علیہ السلام جتنی عمر پاؤں تو بھی وہ سب کچھ بیان نہ کرسکوں جو میں نے شب معراج دیکھا۔''

(کنز العمال جلد ۱۲ صفحہ ۵۹۰ حدیث ۳۵۸۳۸)

جب واقعہ معراج کے بیان کرنے میں اتنا وقت درکار ہے تو خود اس واقعہ میں کتنا وقت لگا ہوگا وہ اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے مگر وہ سب کچھ رات کے کچھ حصہ میں سما گیا۔ یہ اسی طرح ہے جیسے قیامت کا پچاس ہزار سالہ دن مومن کے لیے ایک نماز کے وقت کے برابر ہو جائے گا۔

[6] اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو بہترین طرز پر بنایا اور عقل کو ماننا پڑتا ہے کہ اس سے بہتر طرز کوئی اور نہیں ہوسکتی مثلاً بعض جانور اونچے قد اور لمبی ٹانگوں والے ہیں اب زمین سے وہ غذا کیسے کھائیں تو اللہ تعالیٰ نے ان میں سے کسی کی گردن لمبی کر دی جیسے اونٹ زرافہ اور شتر مرغ وغیرہ اور کسی کی سونڈھ لمبی کر دی جیسے ہاتھی۔ اللہ تعالیٰ نے ہر جاندار کے تمام اعضاء میں پٹھوں کا جال بچھایا ہے جن کے ذریعے ہر عضو حرکت کرتا ہے اگر ایک بھی پٹھا خراب ہو جائے تو اس عضو کی حرکت معطل یا مختل ہو جاتی ہے۔ انسان کی آنکھ میں بصارت کا وہ حیران کن نظام ہے جسے انسان آج تک صحیح طرح سمجھ نہیں سکا۔

[7] انسان کی تخلیق کی ابتداء مٹی سے ہوئی ہے۔ اس کا ایک مطلب یہ ہے کہ پہلا انسان مٹی سے بنا پھر اس سے تمام انسان بنے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ ہر انسان مٹی سے پیدا شدہ خوراک کھاتا ہے جس سے اس کے جسم میں خون بنتا ہے خون سے نطفہ تیار ہوتا ہے اور نطفے سے دوسرا انسان بنتا ہے تو ہر انسان مٹی ہی سے اٹھتا ہے۔

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ الخ ہر انسان کی نسل نطفے کے ذریعے آگے چلتی ہے اور نطفہ بظاہر حقیر سا پانی ہے مگر ڈاکٹرز کے مطابق اس میں ہزاروں زندہ سپرمز (sperms) ہوتے ہیں اور ہر سپرم ایک انسان بننے کی صلاحیت رکھتا ہے جب کوئی سپرم عورت کے مادہ میں موجود کسی انڈے سے ٹکرا جائے تو ایک انسان جنم لیتا ہے۔ اس لیے

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ. یعنی عورت کے پیٹ میں انسان کے اعضاء بنتے ہیں پھر اللہ اس میں اپنی پیدا کردہ روح ڈالتا ہے اور ماں کے پیٹ ہی میں اس کے کان سننے، آنکھیں دیکھنے اور دل دھڑکنے لگتا ہے گویا وہ سمیع وبصیر بن کر پیدا ہوتا ہے۔

| وَقَالُوْٓا ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِی الْاَرْضِ ءَاِنَّا لَفِیْ خَلْقٍ جَدِیْدٍ ۬ؕ بَلْ هُمْ |
| --- |
| کفار کہتے ہیں جب ہم مٹی میں مل جائیں گے تو کیا ہم نئی تخلیق میں اٹھیں گے؟ بلکہ وہ اپنے |
| بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ كٰفِرُوْنَ ۝۱۰ قُلْ یَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِیْ وُكِّلَ بِكُمْ |
| رب سے ملاقات کے منکر ہیں آپ فرما دیں کہ فرشتۂ موت ہی تمہاری جان نکالے گا جو تم پر مقرر ہے |
| ثُمَّ اِلٰی رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ۝۱۱ع |
| پھر تم اپنے رب کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔[8] |

[8] منکرین قیامت چونکہ اپنے رب سے ملاقات ہی کے منکر ہیں اس لئے وہ بہانہ بناتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب ہم مر کر زمین میں یعنی مٹی میں مل جائیں گے تو ہمیں دوبارہ نئی تخلیق میں کیسے اٹھایا جائے گا حالانکہ اگر وہ اپنی پہلی تخلیق پر غور کر لیتے تو دوسری تخلیق پر تعجب نہ کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے انسانو! ملک الموت تمہاری جان لیتا ہے پھر تم روز قیامت اپنے رب کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

## ملک الموت جانیں کیسے قبض کرتا ہے؟ حدیث کی روشنی میں

اس بارے میں ایک خزرجی صحابی سے مروی ہے کہ حضور سید کائنات ﷺ نے ایک مرنے والے شخص کے سرہانے ملک الموت کو دیکھا تو فرمایا: اے ملک الموت! میرے اس ساتھی سے نرمی برتنا۔ یہ مومن ہے۔ ملک الموت نے عرض کیا: اے محمد ﷺ! آپ مطمئن رہیں میں ہر مومن سے بہت نرمی برتتا ہوں۔ جب میں کسی کی روح نکالتا ہوں تو اسکے گھر والے چیخ وپکار کرتے ہیں، اس وقت میں ان سے کہتا ہوں اے چیخنے والو! اللہ کی قسم! میں نے اس شخص پر کچھ ظلم نہیں کیا نہ ہم وقت مقرر سے قبل آئے نہ کسی گناہ کے مرتکب ہوئے۔ اب اگر تم صبر کرو گے تو اجر پاؤ گے اگر بے صبری کرو گے تو گناہ گار ہو گے اور ہم نے تمہارے پاس بار بار آنا ہے، تو جلدی کر لو۔ کوئی پختہ یا کچا گھر ایسا نہیں ہے جس کے باشندوں کے پاس میں صبح وشام نہیں آتا حتی کہ میں گھر کے ہر چھوٹے بڑے فرد کو انکے اہل خانہ سے زیادہ جانتا ہوں۔ اللہ کی قسم! میں حکم الٰہی کے بغیر ایک مچھر کی جان بھی نہیں لے سکتا۔ (درمنثور جلد ۶ ص ۵۴۱، بروایت طبرانی، ابی نعیم، وابن مندہ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ملک الموت سے پوچھا تم کافر کی روح کیسے قبض کرتے ہو؟ اس نے کہا میں جس خوفناک شکل میں کافر کی روح قبض کرتا ہوں آپ اس کو نہیں دیکھ سکتے۔ آپ نے اصرار کیا، تو اس نے اپنی شکل ایسی دکھائی کہ نہایت سیاہ رنگ ہے، منہ سے آگ کے شعلے نکل رہے ہیں اور جسم کے ہر رونگٹے میں ایک شکل ہے جس کے منہ سے آگ نکل رہی ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھ کر غشی آ گئی۔ جب ہوش آیا تو ملک الموت کو پہلے والی حالت میں پایا۔ کہا اے ملک الموت! اگر کافر کو کوئی اور سزا نہ بھی دی جائے تو اس کے لیے تمہاری یہ صورت ہی کافی ہے۔ پھر فرمایا: اب تم مجھے دکھاؤ کہ تم مومن کی جان کیسے قبض کرتے ہو؟ تب اس نے اپنی شکل ایسے دکھائی کہ ایک نوجوان ہے جس کے حسن و جمال کی مثال نہیں۔ وہ سفید کپڑوں میں ملبوس ہے اور اس سے نہایت عمدہ خوشبو آ رہی ہے۔ آپ نے فرمایا: اے ملک الموت! اگر موت کے وقت مومن کو کچھ اور نظر نہ آئے تو تمہاری یہ صورت ہی اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک کے لیے کافی ہے۔ (درمنثور جلد ۶ صفحہ ۵۴ بروایت ابن ابی الدنیا)

## ملک الموت کی وسعتِ علم و اختیار

دیکھیں ایک وقت میں دنیا کی مختلف اطراف میں ہزاروں لوگ مرتے ہیں اور یَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ سے معلوم ہوا کہ ملک الموت ہر جگہ بیک وقت پہنچتا اور جان قبض کرتا ہے۔

چنانچہ حضرت زہیر بن محمد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا ایک وقت میں ملک الموت ہزارہا افراد کی جان کیسے نکالتا ہے؟ حضور سید کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ اللہ حَوَی الدُّنیا لملک الموت حتّٰی جَعَلَھا کالطَّسْتِ بَیْنَ یَدَیْ اَحدِکُم فَھَلْ یَفُوتُہٗ شَیْئٌ۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے ساری دنیا کو ملک الموت کے لئے یوں لپیٹ کر رکھ دیا ہے جیسے تم میں سے کسی کے سامنے تھالی پڑی ہو تو کیا تھالی کا کوئی حصہ اس کی پہنچ سے باہر رہ سکتا ہے؟ (تفسیر ابن ابی حاتم جلد ۹ صفحہ ۳۱۰۵ حدیث ۱۷۸۳۰ مطبوعہ مکہ مکرمہ)

حضرت کعب الاحبار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا اہل دنیا کے ہر شخص کے گھر کے دروازہ پر ملک الموت دن میں سات مرتبہ چکر لگاتا ہے یہ دیکھنے کے لئے کہ ان میں سے کسی کی موت کا وقت تو نہیں ہوا۔ (ابن ابی حاتم جلد ۹ صفحہ ۳۱۰۵ حدیث ۱۷۸۳۱)

## وسعتِ علمِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

جب ملک الموت کی وسعت علم و تصرف کا یہ عالم ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وسعت علمی کا کیا عالم ہو گا۔

چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جب بھی کوئی شخص (کہیں سے) مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری توجہ اس کی طرف لوٹاتا ہے اور میں اسے اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔

(ابوداؤد کتاب المناسک باب ۹۶ حدیث ۲۰۴۱)

اس حدیث کے تحت امام احمد بن محمد قسطلانی متوفی 923ھ فرماتے ہیں اگر اطراف عالم سے بیک وقت ایک کروڑ آدمی السلام علیك ایھا النبی کہتے ہیں تو آپ بیک وقت سب کا سلام سنتے اور جواب دیتے ہیں۔ کیونکہ جب ملک الموت کی وسعت علمی یہ ہے تو حضور سید کائنات ﷺ کا حال اس سے کہیں بہتر ہے۔

(مواہب لدنیہ جلد ۴ صفحہ ۵۸۶ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)

وَلَوْ تَرٰۤى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ رَبَّنَاۤ اَبْصَرْنَا

اور کبھی تم دیکھو جب مجرم لوگ اپنے رب کے پاس سر جھکائے (کہتے) ہوں گے اے ہمارے رب! ہم نے دیکھ

وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ ۝۱۲ وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَيْنَا كُلَّ

اور سن لیا، اب تو ہمیں واپس (دنیا میں) بھیج دے ہم اچھا عمل کریں گے ہمیں یقین آ گیا ہے [9] اور اگر ہم چاہتے تو ہر جان کو

نَفْسٍ هُدٰىهَا وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّيْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ

اس کی ہدایت دے دیتے مگر میری طرف سے یہ قول ٹھہر چکا ہے کہ میں جہنم کو جنوں اور

وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ۝۱۳ فَذُوْقُوْا بِمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۚ اِنَّا نَسِيْنٰكُمْ

انسانوں سے بھروں گا [10] تو جو تم نے اس دن کی ملاقات کو بھلا دیا تھا اس کا مزہ چکھو، ہم نے (بھی) تمہیں چھوڑ دیا ہے

وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۱۴

اور اس عمل کے سبب جو تم کرتے تھے ہمیشگی کا عذاب چکھو۔ [11]

## احوال قیامت اور مومنوں اور کافروں کی جداگانہ صفات

[9] جو لوگ دنیا میں قیامت کے آنے سے انکار کرتے ہیں وہ قیامت والے دن شرمندگی سے سر جھکا کر عرض کریں گے اے اللہ! اب ہم نے قیامت کے مناظر کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا اور اس کی آوازوں کو اپنے کانوں سے سن لیا اور ہمیں یقین آ گیا ہے کہ قیامت ہے۔ لہٰذا تو ہمیں واپس دنیا میں بھیج دے ہم وہاں اچھے اعمال کریں گے۔ مگر ان کی ان بیکار باتوں کا وہاں کچھ وزن نہ ہوگا کیونکہ جس نے قیامت کو دیکھ کر اسے مانا وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان نہیں لایا وہ اپنی آنکھوں پہ ایمان لایا ہے۔ مزہ تو یہ تھا کہ وہ بن دیکھے اللہ و رسول کی بات پہ ایمان لاتا۔ اسی لئے مومنوں کی

شان یہ ہے: یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ کہ وہ بن دیکھے ایمان لاتے ہیں۔ (بقرہ:٣) اس جگہ نَاکِسُوْا رُءُوْسِھِمْ کے الفاظ سے معلوم ہوا جو لوگ دنیا میں اللہ تعالیٰ کے حضور خوشی سے سر نہیں جھکاتے انہیں قیامت کے دن شرمندگی کے ساتھ سر جھکانا پڑے گا۔

[10] اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو ہر انسان کو زبردستی مسلمان بنادے اور ہر انسان کلمہ پڑھنے پر مجبور کر دیا جائے مگر ایسا کرنا حکمتِ الٰہیہ کے خلاف ہے۔ حکمتِ الٰہیہ یہ ہے کہ ہر شخص پر ہدایت اور گمراہی کے راستے واضح کر دیئے جائیں اور بتا دیا جائے کہ ہدایت کی راہ اپنانے پر جنت ملے گی اور گمراہی کا راستہ اپنانے پر جہنم۔ پھر ہر انسان کو اختیار دے دیا جائے کہ خواہ وہ ہدایت کی راہ اپنائے یا گمراہی کی۔ اس کے بعد ہدایت اپنانے والوں سے جنت کو بھرا جائے اور گمراہی اختیار کرنے والوں سے جہنم کو۔ خواہ وہ جنات ہوں یا انسان۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جنات بھی انسانوں کی طرح جنت یا دوزخ میں جائیں گے۔ البتہ یہ مروی ہے کہ جنات بھی انسانی شکل ہی میں جنت میں جائیں گے۔

[11] روزِ قیامت منکرین قیامت کی اس درخواست پر کہ اے اللہ! تو ہمیں دنیا میں واپس بھیج۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تم نے اس دن کی صداقت کو بھلا دیا تھا اب ہم نے بھی تمہیں چھوڑ دیا ہے لہٰذا اب عذاب جہنم کے مزے لو، یہی تمہارے انکار کا بدلہ ہے۔

اِنَّمَا یُؤْمِنُ بِاٰیٰتِنَا الَّذِیْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِهَا خَرُّوْا سُجَّدًا وَّ سَبَّحُوْا بِحَمْدِ

ہماری آیات پر تو وہی لوگ ایمان لاتے ہیں کہ جب وہ آیات انہیں یاد دلائی جائیں تو وہ سجدے میں گر جاتے ہیں اور

رَبِّهِمْ وَ هُمْ لَا یَسْتَكْبِرُوْنَ ۩ ﴿١٥﴾ تَتَجَافٰی جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ یَدْعُوْنَ

اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کہتے ہیں اور تکبر نہیں کرتے [12] ان کے پہلو بستروں سے جدا ہو جاتے ہیں وہ اپنے رب کو

رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّ طَمَعًا ز وَّ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ ﴿١٦﴾ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ

خوف اور امید کے ساتھ پکارتے ہیں اور جو ہم نے انہیں دیا اس میں سے خرچ کرتے ہیں [13] تو کوئی جان نہیں جانتی جو

اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ ج جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿١٧﴾

ان کے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک مخفی رکھی گئی ہے یہ جزا ہے اس عمل کی جو وہ کرتے تھے۔ [14]

[12] یعنی قرآن پر وہی لوگ ایمان لاتے ہیں جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں تکبر کرنے کی بجائے اُس

کے حضور عجز و انکسار ہو۔ ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کی آیات یعنی قرآن سن کر سجدے میں گر جاتے ہیں اور اُس کی حمد و تسبیح بجا لاتے ہیں۔

[13] یعنی اہل ایمان نماز کے لئے نرم و گداز بستروں سے اپنے پہلو جدا کر لیتے ہیں۔ اس کی ایک تفسیر یہ ہے کہ مومنین نماز عشاء کے لئے بستروں سے دور رہتے ہیں اور نماز پڑھ کر سوتے ہیں اور نماز فجر کے لئے بستروں سے جدا ہو جاتے ہیں۔ دوسری تفسیر یہ ہے کہ وہ رات کو اٹھ کر نماز تہجد ادا کرتے ہیں۔ یعنی نرم و گداز بستر کو چھوڑ کر نماز تہجد کے لیے اٹھتے ہیں اور یہی احسن تفسیر ہے۔ کیونکہ بستر سے الگ ہونا جس قدر تہجد کے وقت مشکل ہے اور کہیں اس قدر مشکل نہیں۔

## نماز تہجد کی فضیلت

حضرت مجاہد سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے شب بیداری کا ذکر فرمایا حضور سید کائنات ﷺ رو پڑے پھر آپ نے یہی آیت پڑھی: تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ ''ان کے پہلو بستروں سے جدا ہو جاتے ہیں۔''
(تفسیر ابن جریر جلد ۱۰ صفحہ ۲۴۱ حدیث ۲۸۲۴۱)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ایک طویل حدیث میں یہ بھی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

للخیر ابواب الصوم فانه جنة من النار والصدقة فانها تطفئ نار جهنم وقیام اللیل۔

نیکی کے بڑے دروازے یہ ہیں روزہ رکھنا کہ یہ دوزخ کی ڈھال ہے، صدقہ کرنا کہ یہ نار جہنم کو ٹھنڈا کرتا ہے، اور رات کو اٹھ کر نماز (تہجد) پڑھنا۔ پھر آپ نے یہی آیت پڑھی کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ (مسند احمد بن حنبل جلد ۵ صفحہ ۲۳۱)

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مومنین اپنے رب کو خوف و امید کے ساتھ پکارتے ہیں یعنی وہ بخشش کی امید اور عذاب کا خوف رکھتے ہیں۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے سے اس کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ یعنی ان کے دلوں میں غرباء و مساکین اور کمزور انسانوں کے لئے جذبۂ ہمدردی ہوتا ہے۔ دیکھا گیا ہے کہ بعض لوگ نماز روزہ پہ قوی ہوتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کے نام پہ دینے میں کمزور کیونکہ جیب میں سے کچھ نکالنا بڑی ہمت کا کام ہے۔

اور بلاشبہ یہ بہت فضیلت والی نماز ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سید کائنات ﷺ نے فرمایا:

خیر الصیام بعد رمضان صوم عاشور وخیر الصلوٰۃ بعد الفریضۃ قیام اللیل

روزۂ رمضان کے بعد سب سے افضل عاشورہ (دس محرم) کا روزہ ہے اور فرض نمازوں کے بعد سب سے افضل نماز تہجد ہے (مسلم کتاب الصوم) نماز تہجد کے مزید فضائل سورہ مزمل میں آئیں گے۔ ان شاء اللہ۔

## اللہ تعالیٰ کو خوف وامید کے ساتھ پکارنے کی فضیلت

یہاں فرمایا گیا: یَدۡعُوۡنَ رَبَّہُمۡ خَوۡفًا وَّطَمَعًا ۫ کہ مومنین اپنے رب کو خوف وامید کے ساتھ پکارتے ہیں۔ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَادۡعُوۡہُ خَوۡفًا وَّطَمَعًا ؕ ''اللہ کو خوف وامید کے ساتھ پکارو۔'' (اعراف:۵۶) اور حدیث مبارکہ میں ہے کہ ایمان خوف اور امید کے درمیان ہے۔

[14] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے میں نے اپنے صالح بندوں کے لئے وہ کچھ تیار کیا ہے جو نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی دل میں ان کا خیال گزرا ہے پھر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہی آیت پڑھی: فَلَا تَعۡلَمُ نَفۡسٌ مَّاۤ اُخۡفِیَ لَہُمۡ۔''

(بخاری کتاب التفسیر سورہ سجدہ حدیث ۴۷۸۰)

وقف غفران

اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا ؕ لَا يَسْتَوٗنَ ۝١٨ اَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

تو جو مومن ہو، کیا وہ فاسق (کافر) کی طرح ہو سکتا ہے؟ وہ برابر نہیں ہو سکتے۔ جو لوگ ایمان لائے

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ جَنّٰتُ الْمَاْوٰى ۫ نُزُلًاۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝١٩

اور اچھے اعمال کرتے رہے ان کے لئے دائمی ٹھکانے کے باغات ہیں یہ ان کے عمل کے بدلے میزبانی ہے۔

وَاَمَّا الَّذِيْنَ فَسَقُوْا فَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ؕ كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَآ

اور جنہوں نے برے کام کئے ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے جب بھی وہ وہاں سے نکلنا چاہیں گے تو انہیں اس میں

اُعِيْدُوْا فِيْهَا وَقِيْلَ لَهُمْ ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ

لوٹا دیا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا کہ وہ عذاب جہنم چکھو جسے تم

تُكَذِّبُوْنَ ۝٢٠ وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ

جھٹلاتے تھے [15] اور ہم انہیں بڑے عذاب سے قبل قریب والا عذاب چکھاتے ہیں

لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝٢١ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ثُمَّ اَعْرَضَ

تا کہ وہ باز آئیں۔ اور اس شخص سے بڑا ظالم کون ہے جسے اس کے رب کی آیات یاد دلائی جائیں تو وہ ان سے

عَنْهَا ؕ اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ مُنْتَقِمُوْنَ ۝٢٢ ع

منہ پھیر لے۔ بے شک ہم مجرموں سے انتقام لیں گے۔[16]

ع ٢ / ١٥

[15] مومن اور کافر برابر نہیں ہو سکتے۔ کافر خواہ کتنا خوش اخلاق عالم فاضل بہادر سخی اور انسان دوست ہو اس کا کفر اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی سب خوبیوں پر پانی پھیر دیتا ہے۔ بیٹا کتنا ہی عالم فاضل خوش اخلاق اور ملنسار ہو اگر وہ اپنے باپ کو باپ نہ مانے یا اس کے ساتھ کسی اور شخص کو بھی باپ مانے تو ایسے بیہودہ شخص کا اس کے باپ کے ہاں کیا مقام ہے اس کے برعکس جو شخص اپنے باپ کا احترام بجالاتا اور اس کے احکام کی تعمیل کرتا ہے اس کے لئے باپ کے ہاں ہر انعام و اکرام ہے اس لئے فرمایا کہ جو لوگ ایمان لائے اور اچھے اعمال کرتے رہے ان کے لئے جنت میں میزبانی ہے اور جنہوں نے برے کام کئے (اور سب سے برا کام کفر ہے) ان کا دائمی ٹھکانہ جہنم ہے وہ جب بھی وہاں سے نکلنا چاہیں گے انہیں

واپس اس میں پھینک دیا جائے گا۔

مروی ہے کہ جب آگ کے شعلے کفار کو اٹھا کر دوزخ کی دیواروں سے اوپر لے جائیں گے تو وہ وہاں سے باہر نکلنے کی کوشش کریں گے مگر انہیں آگ واپس نیچے لے جائے گی اور انہیں کہا جائے گا کہ تم عذاب جہنم سے انکار کرتے تھے تو اب اس کا مزہ چکھو۔

## فضیلتِ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ

مروی ہے کہ آیت 18 اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا ؕ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ اور ولید بن عقبہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ ولید نے کہا اے علی! میں تم سے زیادہ خطیب بہادر اور قوی ہوں حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا خاموش رہو تم فاسق (کافر) ہو۔ تو اللہ تعالیٰ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی تائید میں یہ آیت اتاری اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا ؕ (تفسیر ابن جریر جلد ۱۰ صفحہ ۲۴۵)

اس سے سیدنا مولا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی عظمت ایمانی معلوم ہوئی۔ اسی لئے ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے کہ فرمایا:

ان علیا لا یبغضہ مومن ولا یحبہ منافق۔ ''مومن علی سے بغض اور منافق علی سے محبت نہیں رکھ سکتا۔''

(ترمذی کتاب المناقب باب ۲۰)

[16] یعنی ہم کفار کو قیامت کے بڑے عذاب سے قبل دنیا میں چھوٹے عذابات سے دوچار کرتے ہیں جو کہ قریب کے عذابات ہیں تا کہ وہ کفر سے باز آئیں جیسے کفار مکہ کو سات برس قحط میں مبتلا کیا گیا پھر بدر و احزاب اور حنین وغیرہ میں ذلت و ہزیمت سے دوچار کیا گیا تا کہ وہ باز آئیں پھر بارہ صدیوں تک یہی سلسلہ رہا کہ کفار کو مسلمانوں کے ہاتھوں مسلسل ذلت و شکست سے دوچار کر کے متنبہ کیا جاتا رہا۔ لیکن اب قریباً دو صدیوں سے مسلمانوں کی اپنی بدعملی کے سبب ان پر وقت زوال ہے مگر اللہ تعالیٰ دشمنان اسلام کو تا دیر ڈھیل نہیں دیتا عنقریب اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے ہاتھوں پھر شکست و ذلت سے دوچار کر کے انہیں متنبہ فرمائے گا تا کہ وہ اسلام دشمنی سے باز آئیں اور عذاب آخرت سے بچ جائیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دین حق دین اسلام کو غالب رہنے کے لیے بنایا ہے مغلوب رہنے کے لیے نہیں۔ حدیث مبارکہ میں ہے الاسلام یعلو ولا یعلی یعنی ''اسلام غالب رہتا ہے مغلوب نہیں رہتا۔'' یعنی ہمیشہ مغلوب نہیں رہتا۔

وَلَقَدۡ اٰتَیۡنَا مُوۡسَی الۡکِتٰبَ فَلَا تَکُنۡ فِیۡ مِرۡیَۃٍ مِّنۡ لِّقَآئِہٖ وَجَعَلۡنٰہُ

اور بلاشبہ ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب دی تو تم اس کے ملنے میں شک نہ کرو [17]اور ہم نے اسے

ھُدًی لِّبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ ﴿۲۳﴾ وَجَعَلۡنَا مِنۡھُمۡ اَئِمَّۃً یَّھۡدُوۡنَ بِاَمۡرِنَا لَمَّا

بنی اسرائیل کے لئے ہدایت بنایا اور ہم نے بنی اسرائیل میں سے کچھ امام بنائے جو ہمارے حکم سے ہدایت دیتے تھے جب انہوں نے

صَبَرُوۡا ؕ۟ وَکَانُوۡا بِاٰیٰتِنَا یُوۡقِنُوۡنَ ﴿۲۴﴾

صبر کیا اور وہ ہماری آیات پر یقین رکھتے تھے[18]

## اہل کتاب اور مشرکین کو دعوت حق

[17] جب قرآن مجید نازل ہوا تو بنی اسرائیل یعنی یہود و نصاریٰ اور مشرکین مکہ نے اس سے زور دار انکار کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا اور گزشتہ آیت وَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنۡ ذُکِّرَ بِاٰیٰتِ رَبِّہٖ ثُمَّ اَعۡرَضَ عَنۡھَا ؕ اِنَّا مِنَ الۡمُجۡرِمِیۡنَ مُنۡتَقِمُوۡنَ ﴿۲۲﴾ میں بھی یہی مضمون تھا کہ اللہ کی نازل کردہ آیات سے اعراض کرنے والوں سے بڑا ظالم کون ہے اور ہم ایسے لوگوں سے انتقام لیں گے۔ اسی بارے میں مزید فرمایا جا رہا ہے کہ دیکھو ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی جب تم اسے مانتے ہو تو تمہیں قرآن دیا گیا ہے تم اس کے ملنے میں کیوں شک کرتے ہو۔

اس جگہ یہ بھی ممکن ہے کہ حضور سید کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خطاب ہو اور مِّنۡ لِّقَآئِہٖ میں ضمیر مجرور کا مرجع موسیٰ علیہ السلام ہوں۔ یعنی اے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ موسیٰ علیہ السلام سے ضرور ملیں گے اس بارے میں آپ شک نہ رکھیں۔ چنانچہ مکی زندگی کے آخر میں واقعہ معراج ہوا اور اس میں جس نبی سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سب سے زیادہ اور بار بار ملاقات ہوئی وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں۔ مسجد اقصیٰ میں ملاقات ہوئی، پھر آپ ان کی قبر کے قریب سے گزرے اور انہیں قبر میں کھڑے نماز پڑھتے دیکھا، پھر آسمان میں ملاقات ہوئی، پھر اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے بعد آپ واپس آئے تو راستے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا کہ آپ اپنی امت کے لئے کیا لائے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا پچاس نمازیں۔ انہوں نے آپ کو تخفیف کے لئے واپس جانے کا مشورہ دیا آپ واپس جا کر پانچ نمازیں کم کروا لائے انہوں نے پھر جا کر مزید تخفیف کا مشورہ دیا یوں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بار بار ملاقات ہوئی۔ بلکہ حجۃ الوداع پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آپ کے ساتھ مل کر حج کیا۔ (ابن ماجہ کتاب المناسک باب ۴) گویا یہ فَلَا تَکُنۡ فِیۡ مِرۡیَۃٍ مِّنۡ لِّقَآئِہٖ والے وعدہ کی تکمیل تھی۔

[18] تورات کو بنی اسرائیل کے لئے ہدایت بنایا گیا چنانچہ ان میں سے کئی لوگوں نے ہدایت پائی اور وہ تورات کے

عالم بن کر بنی اسرائیل کے لئے پیشوا بنے اور وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے قوم کو ہدایت دیتے تھے۔ اور یہ مرتبہ انہیں صبر اور یقین کی برکت سے حاصل ہوا یعنی ان کے دلوں میں صبر پیدا ہوا اور وہ حرام خوری، کذب بیانی اور دیگر گناہوں سے دور ہو گئے اور انہیں یقین حاصل ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے وعدے سچے ہیں۔ گویا اگر قرآن کے پڑھنے والے بھی اسے صبر و یقین کے ساتھ پڑھیں تو وہ بھی پیشوایان امت بن سکتے ہیں۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ پر نبوت ختم کر دی گئی اور آپ کے بعد امت میں ہمیشہ ایسے علماء و مشائخ پیدا ہوتے رہے جو قرآن کو صبر و یقین کے ساتھ پڑھتے تھے اور انہوں نے امت مسلمہ کی راہنمائی کی اور یہ سلسلہ تا قیامت جاری رہے گا۔

## تورات پر قرآن کی برتری

تورات کو صرف بنی اسرائیل کے لئے ہدایت بنایا گیا: وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۲۳﴾ مگر قرآنِ مجید کے بارے میں فرمایا گیا: هُدًى لِّلنَّاسِ۔ یہ ساری نسل انسانی کے لئے ہدایت ہے۔ (بقرہ:۱۸۵) دوسری جگہ ارشاد ہوا: اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۷﴾ ''یہ تمام جہانوں کے لئے ذکر ہے۔'' (تکویر:۲۷) ایک اور جگہ ارشاد ہوا: تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرَا ﴿۱﴾ ''برکت والا وہ اللہ ہے جس نے اپنے بندۂ خاص پہ فرقان نازل فرمایا تا کہ وہ تمام جہانوں کے لیے ڈرانے والا ہو۔'' (فرقان،۱)

## امامت کے لئے کوئی عدد مخصوص نہیں اور یہ ایک کسبی منصب ہے

تورات کی ہدایت سے فیض یاب ہو کر بنی اسرائیل میں ائمہ دین پیدا ہوئے جنہوں نے قوم کی راہنمائی کی گویا ان ائمہ کی کوئی خاص تعداد مقرر نہ تھی اس لئے اَئِمَّةً کلمۂ نکرہ استعمال کیا گیا۔ اسی طرح قرآن کی ہدایت سے فیض یاب ہو کر درجۂ امامت حاصل کرنے والے ائمہ دین کی بھی کوئی مقرر تعداد نہیں بلکہ تا قیامت محدثین، مفسرین، فقہاء اور علماء حق اور مشائخ دین یعنی اولیاء اللہ پیدا ہوتے رہیں گے ان کی تعداد کا تعین نہیں ہے جیسا کہ اہل تشیع نے امامت کو بارے افراد میں منحصر کر دیا۔ اور لَمَّا صَبَرُوْا سے یہ بھی معلوم ہوا کہ امامت ایک کسبی منصب ہے جو شخص بھی اللہ و رسول کی اطاعت میں صبر و رضا کو اپنا لے اللہ تعالیٰ اسے درجہ امامت عطا فرماتا ہے۔ یعنی اپنے قرب سے نوازتا اور درجہ ولایت عطا فرماتا ہے۔ جیسا کہ لایزال العبد یتقرب الی بالنوافل والی حدیث اس پہ دلالت کرتی ہے لہذا اہل تشیع کا امامت کو نبوت کی طرح منصوص من اللہ منصب قرار دینا غلط ہے۔

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿٢٥﴾

بے شک آپ کا رب ان کے درمیان روز قیامت اس بارے میں فیصلہ کر دے گا جس میں وہ اختلاف کرتے تھے۔

اَوَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِيْ

کیا انہیں اس بات نے ہدایت نہ دی کہ ہم نے ان سے قبل کئی قومیں تباہ کر دیں جن کے مسکنوں میں (آج) وہ

مَسٰكِنِهِمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ ؕ اَفَلَا يَسْمَعُوْنَ ﴿٢٦﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا

چلتے پھرتے ہیں؟اس میں بڑی نشانیاں ہیں توکیا وہ سنتے نہیں؟ [19] کیا انہوں نے نہ دیکھا کہ

نَسُوْقُ الْمَآءَ اِلَى الْاَرْضِ الْجُرُزِ فَنُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا تَاْكُلُ مِنْهُ اَنْعَامُهُمْ

ہم پانی کو خشک زمین کی طرف لے چلتے ہیں پھر اس سے کھیتی اُگاتے ہیں جس سے ان کے جانور اور وہ خود

وَاَنْفُسُهُمْ ؕ اَفَلَا يُبْصِرُوْنَ ﴿٢٧﴾ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْفَتْحُ اِنْ كُنْتُمْ

کھاتے ہیں، کیا وہ دیکھتے نہیں؟ [20] اور وہ کہتے ہیں یہ فتح کب ہو گی اگر تم

صٰدِقِيْنَ ﴿٢٨﴾ قُلْ يَوْمَ الْفَتْحِ لَا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِيْمَانُهُمْ وَلَا هُمْ

سچے ہو؟ آپ فرما دیں فتح والے دن کافروں کو ان کا ایمان لانا نفع نہ دے گا اور نہ انہیں مہلت

يُنْظَرُوْنَ ﴿٢٩﴾ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَانْتَظِرْ اِنَّهُمْ مُّنْتَظِرُوْنَ ﴿٣٠﴾ ع

دی جائے گی، تو آپ ان سے اعراض کریں اور انتظار کریں وہ بھی انتظار کرنے والے ہیں[21]

الثلثۃ ٣ ع ١٦

[19] اہل کتاب اور مشرکین جن چیزوں سے انکار کرتے ہیں مثلاً قرآن اور نبوت محمدیہ، روز قیامت اللہ اس بارے میں ان پر حق واضح کر دے گا اور انہیں اس بات سے ہدایت لینی چاہیے کہ جب پہلی قوموں نے انبیاء سے مخالفت کی تو ہم نے انہیں تباہ کر دیا اور آج وہ ان کے کھنڈرات میں سے گزرتے ہیں اس میں ان کے لئے بڑی نشانیاں ہیں اور آج بھی جزیرۂ عرب میں عاد و ثمود کے کھنڈرات موجود ہیں۔

[20] اللہ تعالیٰ پہاڑوں پہ بارش برسا کر وہاں سے آبشاروں، وادیوں، نہروں اور دریاؤں کی صورت میں پانی کو چلا کر خشک زمین تک لے آتا ہے جس سے وہ غذا پیدا ہوتی ہے جسے سب انسان و حیوان کھاتے ہیں تو جو اللہ پانی سے

خشک زمین کو زندہ کر دیتا ہے کیا وہ روز قیامت خشک ہڈیوں کو دوبارہ زندہ نہیں کر سکتا؟ ضرور کر سکتا ہے۔ لہٰذا انسان کی عظمت اسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات اور اسکی توحید پہ ایمان لائے اور اسکے بھیجے ہوئے رسولوں کی اطاعت کرے جن کے سردار حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں اور اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتابوں کو تسلیم کرے جن کی سردار کتاب قرآن کریم ہے۔

[21] جب کہا گیا کہ روز قیامت اللہ تعالیٰ کفار ومؤمنین کے درمیان ہر معاملہ میں حقیقت کو کھول دے گا۔ اور قرآن میں یہ بھی فرمایا گیا: قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ ؕ وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِيْمُ ﴿۲۶﴾ ''آپ فرما دیں ہمارا رب ہمارے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر دے گا اور وہ حقیقت کا کھول دینے والا علم والا ہے۔'' (سباء:۲۶) تو کفار پوچھتے تھے اے مسلمانو! اگر یہ یوم الفتح حق ہے تو وہ کب آئے گا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جب وہ دن آجائے گا تو کفار کو اس دن ایمان لانا نفع نہ دے گا اور نہ انہیں یہ مہلت دی جائے گی کہ وہ دوبارہ دنیا میں جا کر اچھے اعمال کر لیں۔ لہٰذا سب کو قیامت کا انتظار کرنا چاہیے۔

---

الحمدللہ آج 27 ربیع الثانی 1429ھ بمطابق 3 مئی 2008ء بروز ہفتہ بعد نماز فجر سورۂ سجدہ کی تفسیر مکمل ہوئی۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہٖ محمد وآلہٖ وصحبہٖ اجمعین۔

# سورۃ الاحزاب

ترتیب تلاوت کے اعتبار سے یہ قرآن کریم کی 33 ویں سورت ہے اور ترتیب نزول کے اعتبار سے 88 ویں سورت ہے۔اس کے دوسرے اور تیسرے رکوع میں غزوۂ احزاب کا ذکر ہے اس لئے اسے سورۂ احزاب کہتے ہیں۔اس سورت میں نو (9) رکوعات، تہتر (73) آیات، ایک ہزار دو سواسّی (1280) کلمات اور پانچ ہزار سات سو نوے (5790) حروف ہیں۔

یہ سورت ابتداء میں بہت لمبی نازل ہوئی۔حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے سورۂ احزاب کو سورہ بقرہ کے برابر پایا اور اس میں یہ آیت بھی تھی: الشیخ والشیخة اذا زنیا فارجموهما نکالاً من الله جب بوڑھے (شادی شدہ) مرد وعورت باہم زنا کریں تو انہیں سنگسار کر دو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سزائے عبرت ہے۔پھر اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں سے جس قدر حصہ چاہا واپس اٹھالیا۔(مسند احمد بن حنبل جلد ۵ صفحہ ۱۲۳)

یہ مکمل مدنی سورت ہے جو قریباً 5ھ میں نازل ہوئی کیونکہ اس میں غزوہ احزاب کا ذکر ہے جو 5ھ میں وقوع پذیر ہوا۔آگے سورت کی تفسیر میں اس غزوہ کے احوال آرہے ہیں۔

## مضامین

اس سورت کے ابتداء میں منہ بولے بیٹوں کا شرعی حکم اور ظہار کی شرعی حیثیت واضح کی گئی ہے۔پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنی امت پہ اختیار اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات کی عظمت بتائی گئی ہے، پھر دوسرے رکوع سے غزوۂ احزاب کا ذکر شروع ہوتا ہے جو تیسرے رکوع تک چلا گیا ہے۔تیسرے رکوع میں غزوہ بنو قریظہ کا ذکر ہے۔چوتھا رکوع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات کی عظمتوں پہ مشتمل ہے۔جس کے ضمن میں آپ کے داماد مولا علی المرتضی، بیٹی سیدہ فاطمۃ الزہرا اور نواسوں حسنین کریمین رضی اللہ عنہم کا ذکر خیر بھی ہے۔

پانچویں رکوع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضرت سیدہ زینب بن جحش رضی اللہ عنہا سے نکاح پر منافقین و یہود کے اعتراضات

کا جواب ہے اور رسول اللہ ﷺ کی شان ختم نبوت بیان فرمائی گئی ہے۔ چھٹے رکوع میں رسول اللہ ﷺ کا شاہد، بشیر، نذیر، داعی الی اللہ اور سراج منیر ہونا بیان کیا گیا ہے اور نکاح کے بارے میں آپ ﷺ کے لیے خصوصی اختیارات بیان کیے گئے ہیں۔ ساتویں رکوع میں رسول اللہ ﷺ کے کاشانۂ اقدس میں حاضری کے آداب بیان کیے گئے ہیں اور آپ ﷺ پہ درود وسلام بھیجنے کا حکم ارشاد فرمایا گیا ہے۔ آٹھویں رکوع میں خواتین اسلام کو پردہ کے احکام بتائے گئے اور منافقین کے کردار پہ ردّ کیا گیا ہے اور نوویں اور آخری رکوع میں بارگاہ مصطفی ﷺ میں گفتگو کا ادب اور اطاعتِ خدا و مصطفی ﷺ پہ روشنی ڈالی گئی ہے۔ الغرض یہ سورت علوم ومعارف کا نہایت حسین مجموعہ ہے۔

راجی رحمۃ الرب عبدہ المذنب قاری محمد طیب غفرلہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَ لَا تُطِعِ الْكٰفِرِیْنَ وَ الْمُنٰفِقِیْنَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ

اے نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ اللہ سے ڈرتے رہیں اور آپ کافروں اور منافقوں کی بات نہ مانیں بے شک اللہ

عَلِیْمًا حَكِیْمًا ۙ﴿۱﴾ وَّ اتَّبِعْ مَا یُوْحٰۤى اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا

علم والا حکمت والا ہے۔ اور جو وحی آپ کے رب کی طرف سے آپ پر کی گئی ہے اس کی پیروی کریں بے شک اللہ

تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا ۙ﴿۲﴾ وَّ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَكِیْلًا ﴿۳﴾

تمہارے اعمال سے خبردار ہے۔ اور اللہ پر بھروسہ رکھو اور اللہ کافی کارساز ہے۔[1]

## نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہل ایمان کیلئے اللہ کی طرف سے ایک ہدایت نامہ

[1] واحدی، قشیری، ثعلبی اور ماوردی کے مطابق ان آیات کا شان نزول یہ ہے کہ چند سرداران کفار مکہ مدینہ طیبہ آئے اور چند منافقین کا سہارا لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور آپ سے مطالبہ کرنے لگے کہ آپ ہمارے خداؤں لات وعزیٰ اور منات کو برا کہنا چھوڑ دیں اور یہ کہہ دیں کہ جو ان کی عبادت کرے یہ روز قیامت اس کی شفاعت کریں گے۔ اگر آپ اتنا کہہ دیں تو ہم بھی آپ کے رب اور آپ کے دین کو برا کہنا چھوڑ دیں گے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کی بات سخت بری لگی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ تعالیٰ حکم فرمائیں کہ میں ان کی گردنیں اتار دوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں انہیں امان دے چکا ہوں کہ وہ جو چاہیں مجھ سے بات کریں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے انہیں کہا نکل جاؤ یہاں سے اللہ تم پر اپنی لعنت اور غضب اتارے۔ تو انہیں مدینہ طیبہ سے نکال دیا گیا۔ تب یہ آیت اتری: یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَ لَا تُطِعِ الْكٰفِرِیْنَ وَ الْمُنٰفِقِیْنَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِیْمًا حَكِیْمًا ﴿۱﴾ (قرطبی جلد ۱۴ صفحہ ۱۱۴) یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ کافروں اور منافقوں کی بات مت مانیں اور جو وحی آپ پر کی جاتی ہے صرف اسی کی پیروی جاری رکھیں اور اللہ پر بھروسہ رکھیں وہ آپ کا کافی کارساز ہے۔

## نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نام لے کر نہ پکارا گیا

کہیں حضور جانِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ کہہ کر پکارا گیا، کہیں یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوۡلُ کہا گیا مگر سارے قرآن میں کہیں یا محمد اور یا احمد نہ کہا گیا۔ جبکہ پہلے انبیاء کو اللہ تعالیٰ نے یا آدم یا ابراہیم یا موسیٰ یا داؤد اور یا عیسیٰ ابن مریم کہہ کر پکارا۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو آپ کو آپ کے نام سے بھی پکار سکتا ہے وہ رب ہے آپ اس کے بندے ہیں۔ اور بعض احادیث قدسیہ میں اللہ تعالیٰ کا آپ کو نام کے ساتھ پکارنا مذکور بھی ہے۔ مگر سارے قرآن کریم میں کہیں بھی آپ کو نام کے ساتھ نہیں پکارا گیا اس میں اللہ تعالیٰ کے ہاں سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جو عظمت ظاہر ہوتی ہے وہ بیان سے باہر ہے۔ اگر کسی شخص کا بیٹا قاضی ہے تو وہ اپنے بیٹے کو اس کے نام کے ساتھ بھی پکار سکتا ہے لیکن اگر وہ اسے قاضی صاحب کہہ کر پکارے تو اس میں اس کے لیے بہت زیادہ عزت افزائی ہے۔

## نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آپ کے نام کے ساتھ پکارنے کی ممانعت

اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آپ کے نام کے ساتھ پکارنے سے منع کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: لَا تَجۡعَلُوۡا دُعَآءَ الرَّسُوۡلِ بَیۡنَكُمۡ كَدُعَآءِ بَعۡضِكُمۡ بَعۡضًا ؕ یعنی ''جیسے تم آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسے مت پکارو۔'' (نور، ۶۳) اس کی ایک تفسیر یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نام لے کر نہ پکارا جائے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ والدین کو ان کے نام کے ساتھ پکارنا سوءِ ادب ہے۔ ایک حدیث میں اس سے ممانعت وارد ہے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نام لے کر پکارنے میں کس قدر سوءِ ادب ہے یہ کسی مومن پہ مخفی نہیں ہے۔ رہا وہ جو حدیث میں آیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ طیبہ میں آئے تو اہل مدینہ کے بچے اور نوجوان اور غلام چھتوں پہ چڑھ کر اور راستوں میں پھیل کر یا محمد یا رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نعرے لگا رہے تھے۔ (مسلم کتاب الزہد حدیث ۷۵)

اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنا پاؤں خراب ہونے پر پکارا تھا: یا محمداہ۔ (الادب المفرد صفحہ ۲۵۰ مطبوعہ المکتبۃ الاثریہ سانگلہ پاکستان) اور حدیث توسل میں ہے: یا محمد انی اتوجه بك الی ربی۔ (ابن ماجہ، باب اقامۃ الصلاۃ، حدیث ۱۳۸۵) تو ان سب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بلانا مقصد نہیں ہے بلکہ آپ کی رحمت کو اپنی طرف متوجہ کرنا مقصد ہے یعنی ان میں یہ مقصود نہیں کہ آپ آگے سے جواب دیں۔ بلکہ یہ صرف آپ کو یاد کرنے اور آپ کے ذکر سے اپنے دل کو سکون پہنچانے کا ایک انداز ہے اس کی پوری تحقیق ہم پیچھے اسی آیت لَا تَجۡعَلُوۡا دُعَآءَ الرَّسُوۡلِ الخ کے تحت لکھ آئے ہیں۔

## کفار کی خوشنودی کے لئے دین کے کسی حصہ کا ترک یا اس کا بدلنا جائز نہیں

کفار مکہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنے بتوں کے بارے میں نرمی برتنے کی درخواست کی جو حکم خداوندی کے خلاف تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں سختی سے جھڑک کر مدینہ طیبہ سے نکال دیا اور اللہ تعالیٰ نے اس کی تائید فرمائی۔ آج مسلمانوں

پر مغربی طاقتوں کا پریشر ہے کہ جہاد کی بات نہ کی جائے ایسے میں مسلمانوں پر لازم ہے کہ ان پر جہاد کی اہمیت واضح کریں اور انہیں بتائیں کہ وہ اپنے فلسطینی، کشمیری، عراقی اور افغانی مسلمان بھائیوں کی مدد کے لئے جہاد کریں گے۔ مگر اسکے لیے جرأت ایمانی چاہیے جو آج ہمارے نام نہاد مسلم حکمرانوں میں نہیں ہے۔ کیونکہ انکی بادشاہتیں اور حکومتیں اسلام دشمن طاقتوں کے سہارے قائم ہیں۔

| |
|---|
| مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ ۚ وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ الّٰٓـِٔيْ |
| اللہ نے کسی آدمی کے اندر دو دل نہیں بنائے اور نہ ہی اس نے تمہاری ان بیویوں کو جن سے تم |
| تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ ۭ ذٰلِكُمْ |
| ظہار کر لو تمہاری حقیقی مائیں بنایا ہے اور نہ تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارے (حقیقی) بیٹے بنایا ہے، یہ |
| قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ ۝۴ |
| تمہاری بات تمہارے اپنے منہ کی ہے اور اللہ حق کہتا ہے اور سیدھی راہ دکھاتا ہے [2] |
| اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآىِٕهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَآءَهُمْ |
| لوگوں کو ان کے حقیقی باپوں کے نام سے پکارا کرو یہی اللہ کے ہاں منصفانہ بات ہے۔ پھر اگر تمہیں ان کے باپ |
| فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ وَمَوَالِيْكُمْ ۭ وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيْمَآ |
| معلوم نہ ہوں تو وہ دین میں تمہارے بھائی اور دوست ہیں۔ اور تم پر اس معاملہ میں جس میں تم سے بھول ہو گئی |
| اَخْطَاْتُمْ بِهٖ ۙ وَلٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝۵ |
| کوئی گناہ نہیں مگر جو کام تمہارے دلوں نے قصداً کیا (اس پر گناہ ہے) اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ [3] |

[2] دورِ جاہلیت میں جب کوئی شخص اپنی بیوی سے ظہار کر لیتا یعنی اسے کہہ دیتا کہ تمہاری ظہر (یعنی پشت) میرے لئے میری ماں کی طرح ہے (کہ جیسے میں اپنی ماں کی پشت سے کپڑا نہیں اٹھا سکتا تمہاری پشت سے بھی کپڑا نہیں اٹھاؤں گا) تو سمجھا جاتا کہ اب اس کی بیوی اس کے لئے ماں کی طرح ہو گئی ہے اور نکاح ختم ہو گیا ہے۔ اسی طرح دورِ جاہلیت میں جب کوئی شخص کسی نوجوان کو جسمانی اور مالی اعتبار سے عمدہ دیکھتا تو وہ اسے منہ بولا بیٹا قرار دیتا اور وہ نوجوان اس کے سگے بیٹوں کی طرح اس کا وارث قرار پاتا اور وہ شخص اس نوجوان کا وارث ٹھہرتا اور اس کی نسب بھی اس کے ساتھ معروف

ہوجاتی اور اسے فلاں بن فلاں کہا جاتا اور اس کے حقیقی باپ سے اس کا نسب ختم کر دیا جاتا، اللہ تعالیٰ نے ان جاہلانہ رسوم کے رد میں یہ آیات اتاریں۔ (قرطبی) یاد رہے کہ ادعیاء دعیٌّ کی جمع ہے جس کا معنی منہ بولا بیٹا ہے۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جن بیویوں سے تم ظہار کرلو وہ تمہاری حقیقی مائیں نہیں بن سکتیں۔ بلکہ وہ تمہاری بیویاں ہی رہتی ہیں اور جن لڑکوں یا نوجوانوں کو تم اپنے منہ بولے بیٹے بنالو وہ تمہارے حقیقی بیٹے نہیں بن سکتے۔ کیونکہ وہ حقیقی طور پہ اپنے والدین ہی کے بیٹے ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ساتھ میں فرمایا کہ اللہ نے کسی شخص کے اندر دو دل نہیں بنائے یعنی ایک دل سے وہ ایک شخص کو باپ کہے اور دوسرے دل سے دوسرے آدمی کو باپ قرار دے۔ جب ایسا نہیں ہوسکتا تو منہ بولا بیٹا حقیقی بیٹا کیسے بن سکتا ہے؟

## ظہار سے نکاح ختم نہیں ہوتا

الّٰٓئِیۡ تُظٰھِرُوۡنَ مِنۡھُنَّ کے تحت یاد رہے کہ کسی کا اپنی بیوی سے کہنا کہ تم مجھ پر میری ماں کی پشت یا بطن یا ران کی طرح ہو یعنی جس طرح میں اپنی ماں کی پشت یا بطن یا ران کو نہیں دیکھ سکتا تمہیں بھی نہیں دیکھوں گا مطلب یہ کہ کبھی تم سے مباشرت نہیں کروں گا اسے ظہار کہتے ہیں۔ اس سے نکاح ختم نہیں ہوتا بلکہ کفارہ لازم آتا ہے کہ غلام آزاد کرے یا ساٹھ مساکین کو کھانا کھلائے یا مسلسل ساٹھ روزے رکھے اور جب تک کفارہ نہ دے دے وہ اپنی بیوی سے مباشرت نہیں کرسکتا (کنز الدقائق صفحہ ۱۳۸ کتاب النکاح باب الظہار) ظہار کا تفصیلی بیان سورہ مجادلہ کے پہلے رکوع میں آئے گا۔

یہاں اس غلط فہمی کا ازالہ بھی ضروری ہے کہ بعض جہلاء غصہ میں اپنی بیوی سے کہہ دیتے ہیں کہ تم میری ماں ہو یا میری بہن ہو اور وہ اسے طلاق سمجھتے ہیں۔ حالانکہ یہ طلاق نہیں ہے بلکہ یہ ایک بیکار اور مہمل جملہ ہے۔ جو سراسر جھوٹ ہے۔ ہاں اگر کسی نے بیوی سے یوں کہا کہ تم میری ماں یا بہن کی طرح ہو تو اب یہ جملہ لغو نہیں بلکہ اس کے کئی معانی ہوسکتے ہیں۔ یہ معنی بھی ہوسکتا ہے کہ تم میری ماں یا بہن کی طرح نیک اور سخی ہو۔ یہ معنی بھی ہوسکتا ہے کہ تم ان کی طرح مجھ پہ حرام ہو، اگر کہنے والے نے یہ معنی مراد لیا تو اس سے طلاق بائن ہوجائے گی اور اگر اس سے ظہار مراد لیا ہے تو پھر ظہار ہے یعنی کفارۂ ظہار لازم ہوگیا۔ (درمختار جلد ۵ صفحہ ۱۰۳ مطبوعہ داراحیاء الترث العربی بیروت)

## منہ بولا بیٹا حقیقی بیٹے کے احکام حاصل نہیں کرسکتا

وَمَا جَعَلَ اَدۡعِیَآءَکُمۡ اَبۡنَآءَکُمۡ اس لیے فرمایا گیا کہ دور جاہلیت کے لوگ منہ بولے بیٹے کو حقیقی بیٹے والے احکام دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا رد کیا اور یہ جہالت آج بھی مسلمانوں میں ہے کہ بعض جاہل مسلمان کسی بچے کو بچپن سے اپنا بیٹا بنا لیتے ہیں۔ پھر اس کو سگے بیٹے والے احکام دیدیتے ہیں۔ یعنی اس کو اپنی بہو بیٹیوں میں یوں داخل کر دیتے ہیں جیسے وہ انکا محرم ہے۔ مگر اس سے شرعی احکام نہیں بدل سکتے، نہ ہی وہ محرم بن سکتا ہے۔ لہٰذا اگر کوئی عورت

کسی نوجوان کو اپنا منہ بولا بیٹا بنا لے خواہ اسے بچپن سے گود لے لے تو بھی وہ اس کا شرعی بیٹا نہیں ہے۔ اس سے پردہ لازم ہے اور اس عورت کی جوان لڑکیوں پر بھی اس سے پردہ لازم ہے۔ وہ تنہائی میں اکٹھے نہیں بیٹھ سکتے نہ ہی کسی لمبے سفر پر اکٹھے جا سکتے ہیں جب تک لڑکی کے ساتھ اس کا کوئی محرم نہ ہو۔ ہاں اگر کوئی عورت کسی شیر خوار بچے کو گود لے کر اسے اپنا دودھ پلا دے تو وہ رضاعی بیٹا ہے اس سے پردہ لازم نہیں ہے اور اس سے نکاح حرام ہے مگر وہ بھی حقیقی بیٹا نہیں بن سکتا اور نہ وراثت کا حقدار قرار پا سکتا ہے۔ وراثت کا حقدار صرف حقیقی اور صلبی بیٹا ہی ہو سکتا ہے۔

اس جگہ یہ خرابی بیان کرنا ضروری ہے کہ آجکل جو لوگ کسی بچے کو بچپن سے اپنا بیٹا بنا لیتے ہیں اور کاغذات میں ولدیت کے خانے میں اپنا نام ڈال دیتے ہیں، یہ ناجائز ہے۔ حدیث میں ہے کہ جس نے اپنا نسب بدلا اس پہ اللہ تعالیٰ کی فرشتوں کی اور سب انسانوں کی لعنت ہے۔ (متفق علیہ)

[3] یعنی تم اپنے منہ بولے بیٹوں کا نسب اپنے ساتھ نہ لگاؤ بلکہ انہیں ان کے حقیقی باپوں کے نام کے ساتھ ہی پکارو یہی منصفانہ طریقہ ہے ورنہ لوگوں کے نسب آپس میں خلط ملط ہو جائیں گے۔ آگے فرمایا کہ اگر کسی شخص کا باپ معلوم نہ ہو کہ کون ہے تو تم اسے اپنا دینی بھائی اور دوست کہو اسے بھی کوئی شخص اپنی طرف منسوب کر کے اسے اپنے حقیقی بیٹے کا درجہ نہ دے۔ البتہ اس سے قبل جو تم کر چکے وہ تمہاری خطاء تھی اسے معاف کیا جاتا ہے مگر آئندہ جان بوجھ کر کوئی شخص ایسا نہ کرے، اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے طویل قصہ مروی ہے کہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منہ بولے بیٹے تھے وہ بچپن میں ملک شام سے غلام بنا کر لائے گئے اور مکہ میں فروخت کر دیے گئے۔ انہیں حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے خرید لیا۔ جب ان کا نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہوا تو انہوں نے حضرت زید کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملکیت میں دے دیا تو وہ آپ کی خدمت ہی میں جوان ہوئے۔ پھر ان کے والدین انہیں تلاش کرتے ہوئے مکہ آ پہنچے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مطالبہ کیا کہ آپ زید کو ان کے حوالے کر دیں اور جتنا مال چاہے لے لیں۔ آپ نے فرمایا اگر وہ تمہارے ساتھ جانا چاہے تو مفت لے جاؤ مگر حضرت زید نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چھوڑ کر جانے سے انکار کر دیا۔ آپ اس قدر خوش ہوئے کہ فرمایا آج سے زید آزاد ہے اور میرا بیٹا ہے وہ میرا وارث ہوگا میں اس کا وارث ہوں گا (یہ اعلان نبوت سے قبل کی بات ہے جو بعد میں منسوخ ہوگئی اور کہا گیا کہ نبی کی مالی میراث نہیں ہوتی) چنانچہ اس آیت کے نزول سے قبل انہیں زید بن محمد کہا جاتا تھا مگر جب یہ آیت اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآىِٕهِمْ (کہ ہر شخص کو اس کے حقیقی باپ کے ساتھ ہی پکارو) نازل ہوئی تو انہیں زید بن حارثہ کہا جانے لگا۔ (درمنثور جلد ۶ صفحہ ۵۶۴ بروایت ابن مردویہ)

ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضرت ابو حذیفہ انصاری رضی اللہ عنہ نے ایک نوجوان سالم نامی کو اپنا بیٹا قرار دے رکھا تھا اور اسے سالم بن ابی حذیفہ کہا جاتا تھا حالانکہ سالم ایک انصاری عورت کا غلام تھا۔ جب یہ آیت اتری:

اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ تو اسے سالم مولی ابی حذیفہ کہا جانے لگا۔ (درمنثور)

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ ؕ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ

نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مومنوں پر ان کی جانوں سے زیادہ بااختیار ہیں [4] اور آپ کی بیویاں مومنوں کی

بَعْضُهُمْ اَوْلٰی بِبَعْضٍ فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُهٰجِرِیْنَ اِلَّاۤ

مائیں ہیں [5]۔ اور قریبی رشتہ دار ہی آپس میں اللہ کی تحریر کے مطابق دوسرے مومنوں اور مہاجروں کی

اَنْ تَفْعَلُوْۤا اِلٰۤی اَوْلِیٰٓئِكُمْ مَّعْرُوْفًا ؕ كَانَ ذٰلِكَ فِی الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ۝۶

بہ نسبت زیادہ حق دار ہیں۔ مگر یہ کہ تم اپنے دوستوں سے بھلائی کرو ، یہ لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے۔ [6]

[4] اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ کے تین معانی ہیں۔ اور ہر معنی اپنی جگہ درست ہے اور یہ اعجاز قرآن ہے کہ ایک آیت کے کئی معانی بنتے ہیں۔ یہ جامعیت اور گہرائی و گیرائی کسی دوسری کتاب میں نہیں ہے۔

## اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ کے تین معانی

### اول معنی

یہ ہے کہ اولیٰ بمعنی احکم یا اقدر ہے یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مومنوں پہ ان کی جانوں سے زیادہ اختیار ہے کیونکہ اولیٰ ولی سے نکلا ہے جس کا معنی حاکم اور کارساز بھی ہوتا ہے اور بلاشبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم مسلمانوں پہ یوں جاری ہے کہ وہ خود پر اپنی مرضی نہیں چلا سکتے بلکہ حکم رسول ان پر نافذ ہے۔

### دوم معنی

یہ ہے کہ اولیٰ بمعنی احب (محبوب تر) ہے کیونکہ یہ ولی سے اسم تفضیل ہے اور ولی کا معنی دوست اور محبوب بھی ہے۔ مفہوم یہ ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مومنوں کے لئے ان کی جانوں سے بھی محبوب تر ہیں۔ اسی لئے مروی ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ مجھے اپنی جان کے سوا ہر چیز سے محبوب تر ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا نہیں (تمہارا ایمان مکمل نہیں) جب تک تم مجھے اپنی جان سے بھی محبوب تر نہ جانو انہوں نے عرض کیا اللہ کی قسم! اب آپ مجھے اپنی جان سے بھی پیارے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اَلْآنَ یعنی اب بات مکمل ہوئی (اب ایمان مکمل ہوا)

(بخاری کتاب الایمان والنذر باب ۳ حدیث ۶۶۳۲)

### سوم معنی

اولیٰ بمعنی اقرب (قریب تر) بھی ہے جیسے اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِیْمَ لَلَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُ ” بے شک

مومنین ہی سب لوگوں سے بڑھ کر ابراہیم (علیہ السلام) سے قریب تر ہیں۔" (آل عمران، ۶۸) معنی یہ ہوا کہ حضور سید کائنات ﷺ مومنوں کے لئے ان کی جانوں سے بھی قریب تر ہیں یعنی ان کا کوئی قریبی عزیز ان کا وہ بوجھ نہیں اٹھا سکتا جو آپ ان کا بوجھ اٹھانے والے ہیں۔ اولاً: آپ ﷺ نے وہ بوجھ اتار دیئے جن کے نیچے انسانیت دبی ہوئی تھی۔ قرآن مجید میں وَیَضَعُ عَنۡہُمۡ اِصۡرَہُمۡ وَالۡاَغۡلٰلَ الَّتِیۡ کَانَتۡ عَلَیۡہِمۡ۔ آپ مومنوں کے بوجھ دور کرتے اور گلے کے پھندے اتارتے ہیں جو اُن پر پڑے ہوئے تھے۔ (اعراف، ۱۵۷) ثانیاً: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا میں ہر مومن کے لئے دنیا وآخرت میں اس کا قریب ترین عزیز ہوں لہٰذا مومن کا مال اس کے ورثاء کا ہے اور اگر وہ قرض چھوڑ جائے تو میں اس کا سب سے قریبی ہوں (اس کا قرض میرے ذمے ہے) پھر آپ ﷺ نے فرمایا اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھ لو: اَلنَّبِیُّ اَوۡلٰی بِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ مِنۡ اَنۡفُسِہِمۡ (بخاری کتاب التفسیر سورہ احزاب) اور آج بھی یہی حکم شریعت ہے کہ جس کا قرض اتارنے والا کوئی نہ ہو اس کا قرض حاکم اسلامی بیت المال سے اتارے، کیونکہ حاکم اسلامی رسول اللہ ﷺ کا نائب ہے کہ آپ ہی کی شریعت کو نافذ کرتا ہے۔ ثالثاً: آپ روز قیامت ساری امت کی شفاعت کر کے ان کا بوجھ اٹھائیں گے۔

جس کو بارِ دو عالم کی پرواہ نہیں ایسے بازو کی قوت پہ لاکھوں سلام

رابعا: اس جگہ اَوۡلٰی بمعنی اقرب کا یہ مفہوم بھی ہوسکتا ہے کہ حضور سید کائنات ﷺ کی توجہ اور تصرف سارے جہان کو محیط ہے اور ہر مومن کو گھیرے ہوئے ہے۔ اس لحاظ سے آپ ان کی جانوں سے زیادہ ان کے قریب ہیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "جب بھی کوئی مومن مجھے سلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری توجہ اسکی طرف مبذول کرتا ہے تو میں اسے اسکے سلام کا جواب دیتا ہوں۔" (سنن ابی داؤد کتاب المناسک حدیث ۲۰۴۱) اس حدیث کے تحت امام قسطلانی شارح بخاری فرماتے ہیں اگر کوئی کہے کہ ایک وقت میں سارے جہان سے کروڑوں اہل اسلام آپ پر درود وسلام پڑھتے ہیں تو آپ سب کو بیک وقت کیسے جواب دیتے ہیں؟ تو اسکا جواب یہ ہے کہ ملک الموت آن واحد میں سارے جہاں سے لاکھوں لوگوں کی جانیں قبض کرتا ہے اور اس کے ساتھ وہ اپنے اذکار میں بھی مشغول رہتا ہے۔ اگر ملک الموت کی توجہ کا یہ عالم ہے تو سید المرسلین ﷺ کی توجہ کا کیا عالم ہوگا۔ (مواہب لدنیہ ج ۴ ص ۵۸۶ مطبوعہ المکتب الاسلامی شام) تو حضور سید کائنات ﷺ کا مومنوں کی جانوں سے بھی انکے قریب ہونا اس معنی میں بھی ہے کہ آپ کی توجہ نے ہر مومن کو گھیر رکھا ہے۔

[5] یعنی جس طرح نبی اکرم ﷺ مومنوں کے لئے ان کے ہر قریبی عزیز سے بڑھ کر قریب تر ہیں یونہی نبی اکرم ﷺ کی بیویاں ساری امت کے لئے روحانی وایمانی مائیں ہیں اور حقیقی ماؤں سے بڑھ کر مومنوں پہ ان کا احترام لازم ہے۔ اسی لئے فرمایا گیا: وَلَاۤ اَنۡ تَنۡکِحُوۡۤا اَزۡوَاجَہٗ مِنۡۢ بَعۡدِہٖۤ اَبَدًا ؕ نبی کریم ﷺ کے بعد آپ کی بیویوں سے

مت نکاح کرو۔ (احزاب: ۵۳) اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ ساری امت کے لئے روحانی وایمانی باپ ہیں اور ہر نبی اپنی اُمت کا ایمانی باپ ہوتا ہے اسی لئے حضرت لوط علیہ السلام نے فرمایا: هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِیْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ۔ یہ (قوم کی عورتیں) میری بیٹیاں ہیں جو تمہارے لئے پاکیزہ تر ہیں۔ (حجر، ۷۱)

## ام المومنین سیدہ عائشہ وام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں اہل تشیع کی بدزبانی

معلوم ہوا ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ اور سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں بدزبانی کرنے والے نام نہاد مومنین ازلی بدبخت اور گمراہ ترین بے حیا لوگ ہیں۔ کوئی حیادار حلالی بیٹا اپنی جسمانی ماں کی بُرائی نہیں سن سکتا اور جو شخص اپنی روحانی وایمانی ماؤں یعنی امہات المومنین کی بُرائی کرے اس سے بڑھ کر بے حیا کون ہے وہ کس منہ سے خود کو مومن کہتا ہے۔ جسمانی ماں چند بیٹوں کی ماں ہوتی ہے اور امہات المومنین کو اللہ تعالیٰ نے تمام مومنوں کی مائیں قرار دیا ہے۔ اب جو فضیلت ایمان کو جسم پر ہے وہی فضیلت ہماری ایمانی ماؤں کو ہماری جسمانی ماؤں پر ہے۔

افسوس ہے کہ اہل تشیع نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے کہ حضرت عائشہ وحفصہ رضی اللہ عنہا نے حضور سید کائنات ﷺ کو زہر دے کر شہید کیا تھا۔ (معاذ اللہ) (تفسیر عیاشی جلد اول صفحہ ۲۰۰ مطبوعہ تہران) یہ وہ بہتان عظیم ہے جس سے عرش الٰہی کانپ اٹھے۔ اسی طرح اہل تشیع کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ ہر نماز کے بعد چار مردوں اور چار عورتوں پر لعنت کرتے تھے اور سب کا نام لیتے تھے، چار مرد ہیں فلاں فلاں فلاں اور معاویہ، اور چار عورتیں یہ ہیں، فلانیہ فلانیہ ہند اور ام حکیم معاویہ کی بہن۔ (فروع کافی ج ۳ ص ۳۴۲، مطبوعہ تہران) یہاں مسلمانوں کے ڈر سے بطور تقیہ نام نہیں لیے گئے مگر ہر شخص جانتا ہے کہ فلاں فلاں فلاں سے ابوبکر صدیق، عمر فاروق اور عثمان غنی رضی اللہ عنہم مراد ہیں اور فلانیہ فلانیہ سے سیدہ عائشہ صدیقہ اور سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا مراد ہیں۔

پھر انکے نہایت معتبر ومستند محدث وفقیہ ملاں باقر مجلسی نے لکھا ہے کہ جب امام مہدی ظاہر ہوگا تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو زندہ کر کے انہیں سزا دے گا اور حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا کا بدلہ لے گا۔
(حق الیقین ص ۲۱۹ در بیان اثبات رجعت، مطبوعہ تہران)

میں نے یہ غلیظ بدبودار باتیں بادل ناخواستہ صرف اس لیے نقل کی ہیں تاکہ مسلمانوں کو اس فرقہ کی اصلیت سے آگاہی ہو جائے اور وہ ان سے بچ کر رہیں۔

## کیا وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ میں مومنہ عورتیں شامل نہیں ہیں؟

یہاں برطانیہ کے ایک مولانا نے درفنطنی چھوڑی ہے کہ ازواج رسول ﷺ صرف مومن مردوں کی مائیں ہیں مومنہ عورتوں کی مائیں نہیں ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ فرمایا اور هُمْ ضمیر جمع مذکر ہے۔ اس میں عورتیں

شامل نہیں ہیں مگر یہ نہایت غلط اور بے بنیاد دلیل ہے کیونکہ قرآن مجید میں عموماً مذکر صیغوں میں عورتیں بھی شامل ہوتی ہیں جیسے: اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ، لَا تَاْکُلُوا الرِّبٰوا، لَا تَقْرَبُوا الزِّنٰی، اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ ۙ۬ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وغیرہ تو کیا ان آیات کے احکام میں عورتیں شامل نہیں ہیں؟ پھر اس جگہ فرمایا گیا: اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ، اب حضور سید کائنات ﷺ تمام مومن مردوں عورتوں کے لئے قریب تر ہیں اس سے عورتیں خارج نہیں ہیں تو الْمُؤْمِنِیْنَ کی طرف لوٹنے والی ضمیر هُمْ سے عورتیں کیسے خارج ہو گئیں۔

اور اس جگہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی قرأت یہ ہے: اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ ؕ وھو ابٌ لھم، نبی اکرم ﷺ مومنوں کے لئے ان کی جانوں سے قریب تر ہیں کیونکہ آپ ان کے باپ ہیں اور آپ کی بیویاں ان کی مائیں ہیں۔ (سنن بیہقی، حاکم، ابن مردویہ) اب جو شخص ازواج رسول کی امومت (ماں ہونے) کو صرف مردوں سے خاص مانتا ہے اسے حضور ﷺ کی محبوبیت اور ابوّت کو بھی مردوں سے خاص ماننا چاہیے۔

رہا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ایک عورت سے فرمانا کہ میں مومن مردوں کی ماں ہوں، تمہاری ماں نہیں ہوں۔ (سنن بیہقی جلد ۷ صفحہ ۷۰) تو یہ روایت مفہوم قرآن کے خلاف ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔ اسکے علاوہ یہ روایت سنداً بھی کمزور ہے اس کے راوی احمد بن عبید کے بارے میں امام ذہبی نے فرمایا: لیس بعمدۃ وہ روایت میں عمدہ نہیں ہے اور حاکم نے کہا اس کی اکثر مروی احادیث قابلِ حجت نہیں ہوتیں اور مشائخ اس سے روایت کرنے میں سکوت کرتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد اول صفحہ ۴۳ راوی ۱۰۳ مطبوعہ دار الحیاء التراث العربی بیروت) اور اگر اس روایت کو قابل قبول مان بھی لیں تو اس میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اظہار عجز فرمایا ہے اور اظہار عجز کو حقیقت پہ محمول نہیں کیا جاتا۔

[6] ہجرت کے بعد نبی اکرم ﷺ نے مہاجرین و انصار اور غرباء و امراء صحابہ کے درمیان عقدِ مواخات قائم کیا یعنی ایک مہاجر اور ایک نصاری اسی طرح ایک غریب اور ایک امیر صحابی کے درمیان بھائی بندی بنا دی۔ تب وہ ایک دوسرے کے وارث بنتے تھے پھر یہ آیت: وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰی بِبَعْضٍ اتار کر عقدِ مواخات والوں کا توارث ختم کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ کی تحریر میں قریبی رشتہ دار ہی آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہیں۔ البتہ اگر تم اپنے دوستوں کی مالی مدد کرو تو اس میں حرج نہیں مگر انہیں وراثت میں داخل نہ کرو۔ (قرطبی جلد ۱۴ صفحہ ۱۲۴)

وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى

اور یاد کرو جب ہم نے انبیاء سے ان کا عہد لیا اور آپ سے اور نوح، ابراہیم، موسیٰ

وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۖ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ۙ لِّيَسْئَلَ

اور عیسیٰ ابن مریم سے عہد لیا اور ہم نے ان سے مضبوط پیمان لیا تاکہ اللہ سچے لوگوں سے ان کی

الصّٰدِقِيْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ ۚ وَاَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝ ۸

سچائی کے بارے میں پوچھے اور اس نے کافروں کے لئے دردناک عذاب تیار کیا ہے۔[7]

[7] یعنی ہر نبی سے مضبوط عہد لیا گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام لوگوں تک پہنچائے گا تاکہ جن سچے لوگوں نے انبیاء کی بات مان کر سچائی کا ساتھ دیا روز قیامت اللہ تعالیٰ ان کی سچائی ظاہر فرما کر انہیں اس کا بدلہ دے اور منکروں کے لئے اس نے دردناک عذاب تیار کیا ہے۔

اور اس کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ اس سے وہ عہد مراد ہے جو وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ۭ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰي ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ ۭ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ۭ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ۝ ۸۱ (آل عمران، ۸۱) کے مطابق سب انبیاء سے لیا گیا کہ اگر کسی نبی کے زمانہ میں حضور ﷺ مبعوث ہوں تو ہر نبی حضور ﷺ کی اتباع کرے گا اور نبی ﷺ سے یہ عہد لیا گیا کہ آپ اعلان کریں کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔ امام قرطبی نے اس تفسیر کو پسند فرمایا۔ (قرطبی جلد ۱۴ صفحہ ۱۲۷)

اس آیت میں نبی کریم ﷺ کا ذکر سب انبیاء سے قبل کیا گیا حالانکہ آپ سب سے آخر میں مبعوث ہوئے۔ اس کی وضاحت خود نبی اکرم ﷺ نے فرمائی۔ چنانچہ اسی آیت کے تحت امام ابن ابی حاتم نے حدیث مبارک روایت کی ہے۔ وہ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

انا اول النبیین خلقا وآخرھم بعثا۔ میں تخلیق میں سب انبیاء سے قبل ہوں اور بعثت میں سب انبیاء کے بعد اس لئے میرا ذکر پہلے کیا گیا۔ (ابن ابی حاتم عن ابی ھریرہ جلد ۹ صفحہ ۳۱۱۶ حدیث ۱۷۵۴۹)

اور اسی لئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کنت نبیا وآدم لمنجدل فی طینہ۔ میں اس وقت نبی تھا جب آدم علیہ السلام کی مٹی ابھی گوندھی جا رہی تھی۔ (مسند احمد بن حنبل جلد ۴ صفحہ ۱۲۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

الغرض نبی اکرم ﷺ اول بھی ہیں آخر بھی، آپ تخلیق میں سب سے اول اور بعثت میں سب سے آخر میں تشریف

لائے۔آپ کا نور سب سے پہلے پیدا کیا گیا اور آپ کو سب سے آخر میں دنیا میں مبعوث فرمایا گیا۔گویا آپ کی مثال دائرۂ نبوت کی طرح ہے، دائرہ جس نقطہ سے شروع ہو اسی نقطہ پہ آ کر ختم ہوجاتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے دائرہ نبوت کو آپ ﷺ کی ذات سے شروع کرکے آپ کی ذات ہی پہ ختم کر دیا۔اسی لیے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

فتح باب نبوت پہ بے حد درود ختم دور رسالت پہ لاکھوں سلام

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ

اور اے ایمان والو! اپنے اوپر اللہ کی وہ نعمت یاد کرو جب تم پر کئی لشکر آ دھمکے تو ہم نے ان پر

فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ رِیْحًا وَّ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ

آندھی بھیجی اور وہ لشکر بھیجے جو تم نہ دیکھ سکے اور تم جو بھی عمل کرو اللہ اسے

بَصِیْرًا ۚ۝۹ اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَ مِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَ اِذْ زَاغَتِ

دیکھتا ہے [8] جب (کفار کے) لشکر تم پر اوپر سے اور نیچے سے چڑھ آئے اور جب (خوف سے تمہاری)

الْاَبْصَارُ وَ بَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَ تَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ۝۱۰ هُنَالِكَ

آنکھیں پتھرا گئیں اور کلیجے منہ کو آ گئے اور تم اللہ کے بارے میں کئی طرح کے گمان کرنے لگے۔ وہاں

ابْتُلِیَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ زُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِیْدًا ۝۱۱

مومنوں کی آزمائش ہوئی اور انہیں شدید جھنجھوڑا گیا۔[9]

## غزوہ احزاب میں صحابہ کرام کی جانثاری اور منافقین کی مکاری وعیاری

[8] گزشتہ رکوع میں تقویٰ اور توکل پر زور دیا گیا اور تقویٰ کے خلاف بعض جاہلانہ رسوم کا رد کیا گیا اب تقویٰ اور توکل کی مثال دی جا رہی ہے کہ دیکھو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے غزوہ احزاب میں کس طرح مشکل ترین حالات میں توکل و استقامت کا مظاہرہ کیا۔تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے مومنو! یاد کرو جب اللہ نے تم پر یعنی تم میں سے ایک جماعت (صحابہ کرام) پر نعمت فرمائی کہ جب ان پر کفار کے لشکروں نے حملہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر طوفانی آندھی بھیج کر انہیں بھاگنے پر مجبور کر دیا اور تمہاری مدد کے لیے نظر نہ آنے والے فرشتوں کے لشکر بھیجے جنہوں نے کفار پر ایسا رعب طاری کیا کہ وہ بھاگنے پر مجبور ہو گئے۔

یادر ہے غزوۂ احزاب شوال 5 ھ میں وقوع پذیر ہوا۔احزاب حزب ( بمعنی گروہ ) کی جمع ہے اس جنگ میں کفار مکہ نے عرب کے کئی قبائل کے ساتھ مل کر مدینہ طیبہ پر حملہ کیا اس لئے اسے غزوۂ احزاب کہتے ہیں اور اس میں کفار کے راستہ میں جدھر سے ان کے حملہ کا امکان تھا گہری خندق کھودی گئی اس لئے اسے غزوۂ خندق بھی کہتے ہیں۔ کفار نے اس غزوہ میں ایک ماہ تک مدینہ طیبہ کا محاصرہ جاری رکھا مگر وہ خندق عبور نہ کر سکے آخر اللہ تعالیٰ نے تیز اور سرد تر ہوا بھیج کر اور فرشتوں کی خوفناک ہیبت خیز تکبیروں کے ذریعے ان پر شدید خوف و ہراس پیدا کر کے انہیں بھگا دیا۔حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''میری مدد بادِ صبا سے کی گئی اور قوم عاد کو بادِ دبور سے ہلاک کیا گیا۔'' (بخاری کتاب الاستسقاء باب ۲۶) اللہ تعالیٰ نے ان پر اس قدر تیز ہوا چلائی کہ ان کے خیمے اُڑ گئے جانور بھاگ اٹھے اور ہنڈیاں اُلٹ گئیں اور اگر وہ ٹھہرے رہتے تو ان میں سے کوئی زندہ نہ بچتا۔

معلوم ہوا جب مسلمان قوم دین کے لئے مخلص ہو تو ہوائیں ان کی مدد کرتی اور فرشتے ان کی مدد کو اتارے جاتے ہیں۔ اگر آج بھی مسلمانوں میں صحابہ کرام والا جذبۂ جہاد بیدار ہو تو ان کے دشمنوں پر طوفان بھیجے جا سکتے اور فرشتے ان کی مدد کو اتارے جا سکتے ہیں۔

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

[9] مدینہ طیبہ کے بالائی حصہ میں یہود بنو قریظہ رہتے تھے ان سے مسلمانوں کا باہمی معاہدہ تھا کہ اگر فریقین میں سے کسی پر کوئی دشمن حملہ کرے تو اس کے مقابلہ میں دوسرا فریق اس کی مدد کرے گا مگر یہود نے بدعہدی کرتے ہوئے اس موقع پر مسلمانوں کا ساتھ دینے کی بجائے کفار مکہ کا کھل کر ساتھ دیا بلکہ روایات کے مطابق انہی کی پر اصرار دعوت اور بھرپور حمایت کی یقین دہانی پر ہی کفار مکہ نے حملہ کیا تھا۔تو بالائی حصہ سے یہود حملہ آور تھے اور مدینہ طیبہ کے نشیب میں کفار عرب جمع تھے اور خندق عبور کرنے کی سرتوڑ کوشش کر رہے تھے ایسے میں مسلمانوں پہ سخت خوف و ہراس کا ایک وقت آیا یوں لگا کہ ان کی آنکھیں خوف سے پتھرا گئیں اور کلیجے منہ کو آ گئے ہیں ایسے میں لوگ مختلف گمان کرنے لگے۔حسن تابعی فرماتے ہیں منافقین تو یہ گمان کرنے لگے کہ محمد ( صلی اللہ علیہ وسلم ) اور ان کے ساتھیوں کا کام تمام ہونے والا ہے اور مومنین یہ گمان کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے غلبۂ دین کا جو وعدہ کیا ہے وہ ضرور پورا ہوگا۔

(تفسیر ابن ابی حاتم جلد ۹ صفحہ ۳۱۱۹ حدیث ۱۷۶۰۸)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں کثیر غزوات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہی۔ ان میں سے غزوہ احزاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اور مسلمانوں کے لئے شدید تر تھا انہیں سخت بھوک، شدید سردی اور کثیر زخم سہنا پڑے۔'' معلوم ہوا اہل ایمان سخت خوف و ہراس میں بھی ثابت قدم رہتے ہیں۔
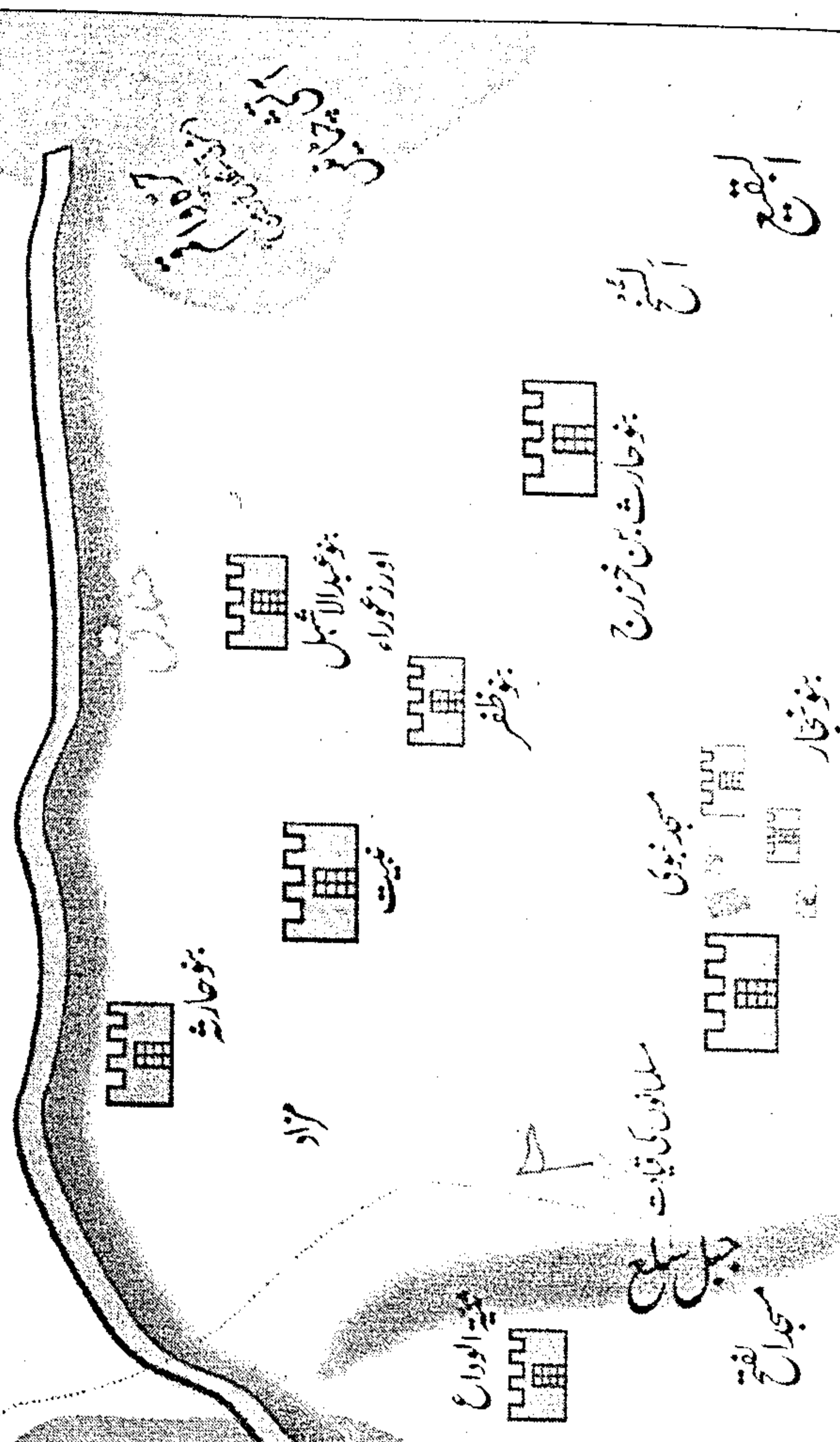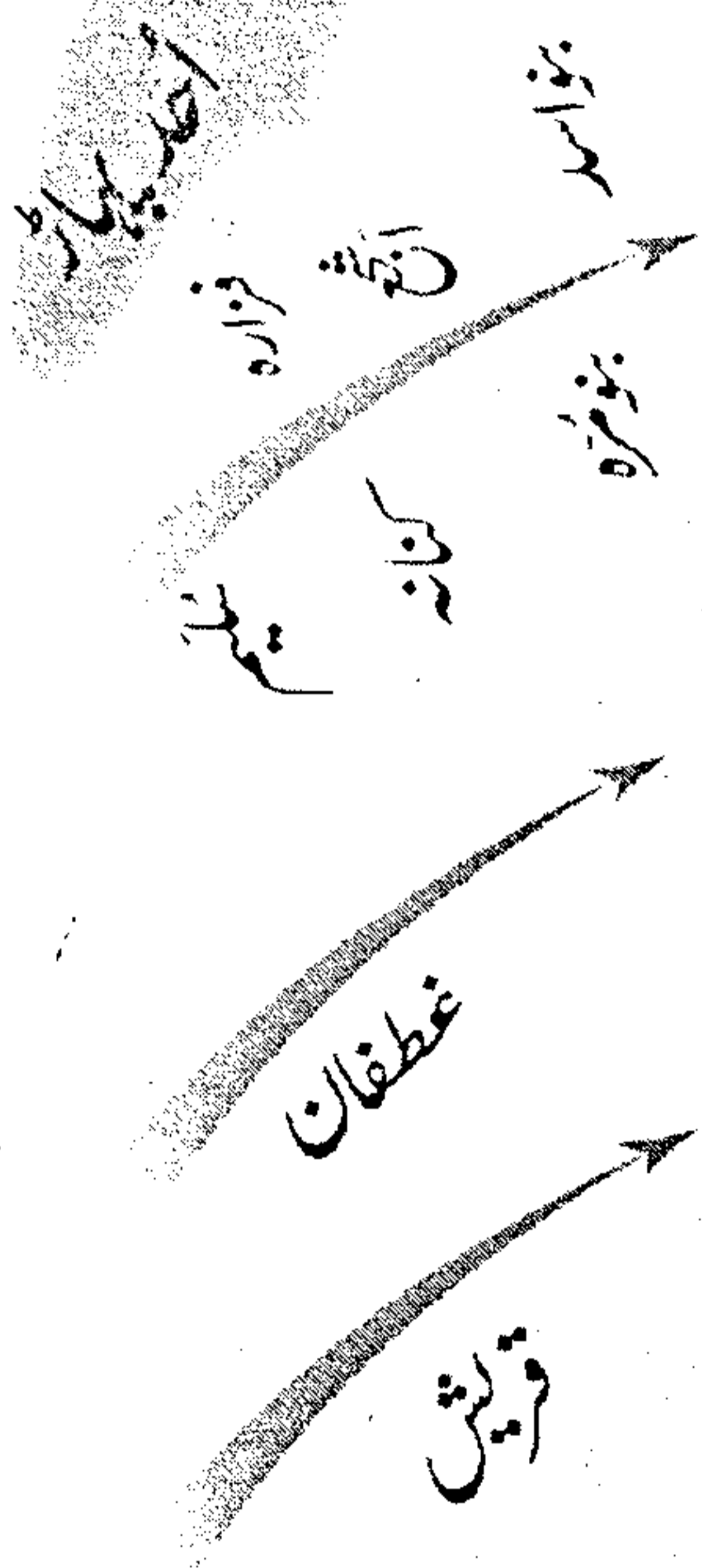
وَاِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ

اور جب منافقین اور جن کے دلوں میں مرض ہے، کہنے لگے ہم سے اللہ اور اس کے رسول نے جھوٹ کے سوا

وَرَسُوْلُهٗۤ اِلَّا غُرُوْرًا ۝۱۲ وَاِذْ قَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ يٰۤاَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ

کوئی وعدہ نہ کیا تھا [10] اور جب ان میں سے ایک گروہ کہنے لگا اے اہل یثرب! تمہارے ٹھہرنے کی کوئی جگہ نہیں ہے

فَارْجِعُوْا ۚ وَيَسْتَاْذِنُ فَرِيْقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ ۛ

تو لوٹ چلو۔ اور ان میں سے ایک گروہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے رخصت مانگنے لگا، وہ کہتے تھے ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں

مع ۱۰

وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ ۚۛ اِنْ يُّرِيْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا ۝۱۳ وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِمْ مِّنْ

حالانکہ وہ غیر محفوظ نہ تھے وہ صرف فرار چاہتے تھے [11] اور اگر ان پر اطراف مدینہ سے

اَقْطَارِهَا ثُمَّ سُئِلُوا الْفِتْنَةَ لَاٰتَوْهَا وَمَا تَلَبَّثُوْا بِهَاۤ اِلَّا يَسِيْرًا ۝۱۴ وَلَقَدْ

فوجیں آجائیں پھر ان سے فتنہ (کفر) مانگا جائے تو وہ اسے ضرور دے دیں گے اور اس میں تھوڑی ہی دیر کریں گے۔ حالانکہ

كَانُوْا عَاهَدُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ لَا يُوَلُّوْنَ الْاَدْبَارَ ۭ وَكَانَ عَهْدُ اللّٰهِ

اس سے قبل انہوں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ وہ پیٹھ پھیر کر نہ بھاگیں گے اور اللہ کے وعدہ کے بارے میں (روز قیامت)

مَسْئُوْلًا ۝۱۵ قُلْ لَّنْ يَّنْفَعَكُمُ الْفِرَارُ اِنْ فَرَرْتُمْ مِّنَ الْمَوْتِ اَوِ الْقَتْلِ

پوچھا جائے گا۔ آپ فرما دیں اگر تم موت یا قتل سے فرار کرو تو تمہیں فرار نفع نہ دے گا

وَاِذًا لَّا تُمَتَّعُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝۱۶ قُلْ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَعْصِمُكُمْ مِّنَ اللّٰهِ اِنْ

اور تب تمہیں (دنیا میں) بس تھوڑا ہی برتاؤ دیا جائے گا۔ آپ فرما دیں کہ اگر اللہ تمہارے ساتھ برائی (عذاب) کا

اَرَادَ بِكُمْ سُوْٓءًا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً ۭ وَلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ

ارادہ کرے تو تمہیں کون بچا سکتا ہے یا اگر وہ تمہارے ساتھ رحمت کا ارادہ کرے (تو اسے کون روک سکتا ہے) اور وہ اللہ کے سوا

وَلِيًّا وَّلَا نَصِيۡرًا ﴿۱۷﴾

کوئی حمایتی نہ پائیں گے نہ مددگار۔[12]

[10] غزوۂ احزاب میں منافقین (جو دل سے پکے کافر اور زبان سے مومن تھے) اور وہ لوگ جن کے دل میں مرض تھا (یعنی بعض وہ منافقین جو شک میں مبتلا تھے کہ پتہ نہیں کون سچا ہے مومنین یا کفار، بدر میں مسلمانوں کو غلبہ ہوا تو وہ انہیں سچا سمجھنے لگے پھر احد میں حالات مومنوں کے خلاف ہوئے تو وہ شک میں مبتلا ہو گئے) کہنے لگے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے ہم سے جو وعدۂ غلبہ دین کیا وہ جھوٹ تھا۔

## جب غزوہ خندق میں رسول اللہ ﷺ نے روم و ایران اور یمن کی فتوحات کی بشارات دیں

دراصل واقعہ یہ ہوا کہ خندق کی کھدائی کے دوران میں ایک چٹان حائل ہوگئی۔ نبی اکرم ﷺ نے اس پر کدال مارا تو چمک نمودار ہوئی اور چٹان سے ایک بڑا ٹکڑا جدا ہو گیا اور حضور ﷺ نے فرمایا مجھے قیصر روم کے محلات (جو شام میں تھے) دکھائی دے رہے ہیں اور میری امت وہاں تک پہنچے گی۔ پھر دوبارہ کدال مارنے سے چمک پیدا ہوئی اور چٹان کا ایک اور بڑا ٹکڑا کٹ گیا اور آپ ﷺ نے فرمایا مجھے کسریٰ ایران کے محلات دکھائے گئے ہیں اور میری امت وہاں تک پہنچے گی پھر تیسری ضرب پر حضور ﷺ نے یمن کی فتح کی بشارت دی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ کے ہر ارشاد پر نعرہ تکبیر بلند کیا اور منافقین یہ سن کر کہنے لگے: یہ شخص ایک طرف ہمیں روم و ایران کی فتوحات کے وعدے دیتا ہے اور دوسری طرف خوف کا یہ عالم ہے کہ ہم دشمن کے ڈر سے باہر پیشاب کرنے نہیں جا سکتے۔ یعنی اس کے وعدے جھوٹے ہیں (معاذ اللہ) (مدارج النبوۃ، مواہب لدنیہ، زرقانی وغیرہ)

تو منافقین کی یہ باتیں سن کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا: هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوۡلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوۡلُهٗ ۚ وَمَا زَادَهُمۡ اِلَّاۤ اِيۡمَانًا وَّتَسۡلِيۡمًا ﴿۲۲﴾ یہ ''ہم سے اللہ اور اس کے رسول کا وعدہ ہے اور ان کا وعدہ سچا ہے اور اس سے ان کا ایمان اور جذبۂ اطاعت مزید بڑھ گیا۔'' (احزاب، ۲۲)

چنانچہ خلفاء راشدین کے زمانہ میں شام و ایران اور یمن کے علاقے مسلمانوں کے ہاتھوں فتح ہوئے اور رسول اللہ ﷺ کی پیش گوئیاں پوری ہوئیں معلوم ہوا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے وعدوں پر مومن شک نہیں رکھتا اور منافق یقین نہیں لاتا۔

یہ خندق کی کھدائی کے دوران رسول اللہ ﷺ کا شام، ایران اور یمن کی فتوحات کی بشارت دینا کتب شیعہ میں بھی موجود ہے۔ جیسے حیات القلوب جلد ۴ صفحہ ۱۰۲۷ مطبوعہ انتشارات سرور قم، بحار الانوار جلد ۲۰ صفحہ ۱۹۰ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت وغیرہ۔

اور ظاہر ہے کہ شام اور یمن حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں اور ایران حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں فتح ہوا۔ اس سے ان کی خلافت کا برحق ہونا اور بشارت رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عین مطابق ہونا بھی ثابت ہوا۔

[11] بعض منافقین ان مسلمانوں سے جو حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مدینہ طیبہ سے نکل کر خندق کے قریب خیمہ زن تھے۔ کہنے لگے: اے اہل یثرب! واپس لوٹ چلو یہاں ٹھہرنے کا کوئی فائدہ نہیں اور ان میں سے ایک گروہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہنے لگا کہ ہم اپنے گھر غیر محفوظ چھوڑ آئے ہیں حالانکہ وہ غیر محفوظ نہ تھے وہ محض بہانہ کر کے میدان جنگ سے فرار چاہتے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جانتے تھے کہ یہ منافقین ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں گھر جانے کی اجازت دے دی۔

## مدینہ طیبہ کو یثرب نہیں کہنا چاہیے۔ یہ منافقین کا طریقہ ہے

منافقین نے کہا: یٰۤاَهْلَ یَثْرِبَ۔ گویا مدینہ طیبہ کو یثرب کہنا منافقین کا طریقہ ہے۔ یاد رہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد سے قبل مدینہ طیبہ کو یثرب کہا جاتا تھا جس کا معنی بیماریوں کی جگہ ہے کیونکہ یہاں کی آب وہوا بہت مسموم تھی اکثر مہاجرین صحابہ کرام کو یہاں آ کر بخار ہو گیا۔ حضور سید کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے یہاں کا بخار ختم کر کے یہاں کی آب وہوا اور خاک کو باعث شفا بنا دیا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا نام یثرب سے بدل کر مدینہ رکھ دیا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "مجھے اللہ تعالیٰ نے اس بستی میں رہنے کا حکم دیا ہے۔ لوگ اسے یثرب کہتے ہیں مگر یہ مدینہ ہے (یعنی اس کا نام بدل کر مدینہ کر دیا گیا ہے) اور مدینہ لوگوں کے (گناہوں کے) زنگ یوں اتارتا ہے جیسے بھٹی لوہے کا زنگ اتارتی ہے۔" (بخاری کتاب فضائل المدینہ باب حدیث ۱۸۷۱)

حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"غُبَارُ الْمَدِیْنَةِ شِفَآءٌ مِّنَ الْجُذَامِ۔ "مدینہ طیبہ کی مٹی کوڑھ کی مرض کے لئے شفاء ہے۔"

(کنز العمال جلد ۱۲ صفحہ ۲۳۶ بروایت ابی نعیم فی الطب)

حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا فرمائی:

اللهم حبب الینا المدینة کما حببت الینا مکة او اشد حبا۔

"اے اللہ! ہمیں مدینہ طیبہ سے ایسی محبت دے دے جیسی تو نے ہمیں مکہ سے دی بلکہ اُس سے بھی شدید تر محبت دے دے اس کے پیمانوں میں برکت عطا فرما اور اس کے بخار کو جحفہ (یہود کی ایک بستی) میں بھیج دے۔"

(بخاری کتاب فضائل المدینہ حدیث ۱۸۸۹)

اس حدیث بخاری سے معلوم ہوا کہ مومنوں کو مکہ مکرمہ کی نسبت مدینہ طیبہ سے زیادہ محبت رکھنی چاہیے۔ تو اس دعاء رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اثر ہے کہ اہل اسلام عشاقانِ مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ مکرمہ کی نسبت مدینہ طیبہ کا زیادہ ذکر کرتے ہیں۔ اور جس قدر شاعری مدینہ طیبہ پر کی گئی ہے مکہ مکرمہ پر نہیں کی گئی۔ وجہ یہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود دعاء فرمائی کہ یا اللہ ہمیں مکہ

کی نسبت مدینہ سے زیادہ محبت عطا فرما۔ آج کئی خشک لوگ اس بات سے چڑتے ہیں کہ اہل سنت اکثر و بیشتر عظمت مدینہ منورہ پہ نعتیں کیوں پڑھتے رہتے ہیں۔ انہیں جان جانا چاہیے کہ یہی علامت ایمان ہے، اگر ان میں یہ علامت نہیں پائی جاتی تو انہیں دوسروں پہ برسنے کی بجائے اپنے ایمان کی اصلاح کرنی چاہیے

## جہاد سے منافقین کنی کتراتے ہیں

آج کے نام نہاد مسلم حکمران کفار کی ظاہری طاقت سے گھبرا کر جہاد سے اس طرح بہانہ بازی کر رہے ہیں جس طرح منافقین دورِ رسالت میں کرتے تھے۔ جبکہ اہل ایمان کو چاہیے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم والا کردار اپنائیں اور جہاد کا علم بلند کریں۔

[12] یعنی منافقین کا یہ حال ہے کہ اگر مدینہ طیبہ پر مختلف اطراف سے کفار کی افواج حملہ کریں اور منافقین سے مطالبہ کریں کہ کفر کا فتنہ اپنا لو تو وہ جان بچانے اور دنیوی مفادات کے لئے علانیہ کفر کرنے میں بھی تھوڑی ہی دیر کریں گے یعنی ظاہر داری کے لئے تھوڑا سا توقف کریں گے حالانکہ اس سے قبل انہوں نے اللہ تعالیٰ سے (یعنی اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے) وعدہ کیا تھا کہ وہ میدان جنگ سے پیٹھ نہیں پھیریں گے اور اللہ سے کئے ہوئے وعدہ کے بارے میں اللہ ضرور پوچھے گا۔ دراصل غزوۂ احد میں رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی ابن سلول نے بے وفائی کی تھی اور راستہ سے اپنے ساتھیوں سمیت پلٹ آیا تھا۔ بعد میں اس نے معذرت کی اور پکا وعدہ کیا کہ آئندہ وہ کسی جنگ میں پیٹھ پھیر کر نہیں جائے گا مگر غزوۂ احزاب میں اس نے پھر عہد شکنی کی اور جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھوک پیاس اور سردی سہہ کر خندق کا پہرہ دے رہے تھے ایسے میں وہ ان کا ساتھ چھوڑ کر مدینہ کو لوٹ گیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے فرما دیں کہ جنگ سے بھاگ کر تم موت سے بچ تو نہیں سکتے۔ البتہ اللہ کو ناراض کر کے تم نے اپنی آخرت برباد کر لی اور دنیا میں تو تھوڑا سا ہی برتاؤ ہے اس کے بعد ان کے لئے دائمی جہنم ہے۔ اور اے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے یہ بھی فرما دیں کہ اللہ جس کسی کے لئے عذاب یا رحمت کا ارادہ کرے تو اسے کون روک سکتا ہے تو پھر انہیں جان لینا چاہیے کہ اللہ کے سوا کوئی حامی کار اور مددگار نہیں ہے۔

قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الْمُعَوِّقِيْنَ مِنْكُمْ وَالْقَآئِلِيْنَ لِاِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ اِلَيْنَا ج

اللہ جانتا ہے جو تم میں سے (جہاد سے) روکنے والے ہیں اور اپنے بھائیوں سے کہنے والے ہیں کہ ہماری طرف آ جاؤ

وَلَا يَاْتُوْنَ الْبَاْسَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۸﴾ اَشِحَّةً عَلَيْكُمْ ج فَاِذَا جَآءَ الْخَوْفُ

اور وہ جنگ میں بہت کم ہی جاتے ہیں۔ وہ تمہاری مدد پر بہت بخیل ہیں، پھر جب خوف آئے تو تم دیکھو گے کہ

رَاَيْتَهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ تَدُوْرُ اَعْيُنُهُمْ كَالَّذِيْ يُغْشٰى عَلَيْهِ مِنَ

تمہیں یوں دیکھتے ہیں کہ ان کی آنکھیں اس شخص کی طرح گھومتی ہیں جس پر

الْمَوْتِ ج فَاِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوْكُمْ بِاَلْسِنَةٍ حِدَادٍ اَشِحَّةً عَلَى

موت چھائی ہو۔ پھر جب خوف جاتا رہے تو تمہیں تیز زبانوں سے آ لیتے ہیں، وہ مال پر بہت

الْخَيْرِ ط اُولٰٓئِكَ لَمْ يُؤْمِنُوْا فَاَحْبَطَ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ ط وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى

حریص ہیں، یہ لوگ ایمان نہیں لائے اللہ نے ان کے اعمال ضائع کر دیئے اور یہ اللہ پر

اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۱۹﴾ يَحْسَبُوْنَ الْاَحْزَابَ لَمْ يَذْهَبُوْا ج وَاِنْ يَّاْتِ الْاَحْزَابُ

بہت آسان ہے [13] وہ سمجھتے ہیں کہ (حملہ آور) لشکر ابھی واپس نہیں گئے۔ اور اگر لشکر (دوبارہ) آ جائیں

يَوَدُّوْا لَوْ اَنَّهُمْ بَادُوْنَ فِي الْاَعْرَابِ يَسْاَلُوْنَ عَنْ اَنْۢبَآئِكُمْ ط وَلَوْ كَانُوْا

تو وہ چاہیں گے کہ گاؤں میں دیہاتیوں کے پاس جا کر رہیں اور تمہاری خبریں پوچھتے ہوں اور اگر وہ تم میں رہیں

فِيْكُمْ مَّا قٰتَلُوْٓا اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۲۰﴾ ع

تو بہت کم ہی لڑائی کریں گے [14]

ع ۲ ۱۸

[13] یعنی اللہ ان منافقین کو جانتا ہے جو غزوۂ احزاب میں مسلمانوں کو میدان جنگ میں ٹھہرنے سے روکتے تھے اور اپنے بھائیوں یعنی اپنے خاندان کے مسلمان لوگوں سے کہتے تھے کہ محمد عربی ﷺ کا ساتھ چھوڑ کر ہماری طرف آ جاؤ۔

## غزوۂ احزاب میں منافقین کا شرمناک کردار

مروی ہے کہ اس غزوۂ میں منافقین نے مسلمانوں کو ڈرانے کے لئے کہا کہ اس دفعہ ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں کے ارادے بہت خطرناک ہیں اگر وہ غالب آ گئے تو ہم سب کو قتل کر کے دم لیں گے مگر مسلمانوں نے اس کا کچھ اثر نہ لیا۔ (تفسیر مظہری) اللہ تعالیٰ نے مزید فرمایا کہ یہ منافقین اگر کسی جنگ میں شریک ہوں تو صرف نام لکھوانے کی حد تک شریک ہوتے اور جلد واپس بھاگ آتے ہیں۔ وہ تمہاری مدد کرنے میں بہت بخیل ہیں، جب انہیں میدان جنگ میں حالت خوف میں ٹھہرنا پڑے تو تم دیکھو گے کہ خوف سے ان کی آنکھیں یوں گھومتی ہیں جیسے انہیں موت نے آ گھیرا ہو مگر جب خوف جاتا رہے اور دشمن بھاگ جائے تو مال غنیمت کے لالچ میں تمہارے پاس چرب زبانی کرتے ہوئے آتے ہیں کہ ہم بھی شریک جہاد تھے ہمیں بھی حصہ دیا جائے۔

چنانچہ غزوۂ احزاب میں جب کفار مکہ اپنا ساز و سامان چھوڑ کر بھاگے تو وہ مسلمانوں کے ہاتھ آیا تب منافقین بھی آ کر اپنا حصہ مانگنے لگے حالانکہ وہ میدان چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ لوگ ایمان نہیں لائے بلکہ مفاد پرستی کے لئے چالیں چل رہے ہیں اللہ نے ان کے اعمال ضائع کر دیئے۔ یعنی انہوں نے جو دکھاوے کی چند نمازیں پڑھیں یا کچھ زکوٰۃ دی وہ سب برباد گئی۔ اور اللہ کے لئے کسی مفاد پرست کے اعمال کا برباد کرنا مشکل تو نہیں۔

اس سے صحابہ کرام کی استقامت اور پختگی ایمان کا پتہ چلا کہ وہ منافقین کے ڈرانے دھمکانے اور ہر طرح کے خوف و خطر، بھوک پیاس اور شدید سردی کے باوجود میدان میں ڈٹے رہے آخر اللہ تعالیٰ نے کفار پر رعب ڈالا اور انہیں تیز آندھی نے آ لیا اور وہ بھاگ اٹھے اور دین غالب آ گیا۔ اس جنگ کے بعد نبی کریم ﷺ نے فرمایا آئندہ کفار ہم پر حملہ نہ کر سکیں گے بلکہ ہم ہی ان پر حملہ کریں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، یہ کفار کا مدینہ طیبہ پر آخری حملہ ثابت ہوا اس کے بعد نبی کریم ﷺ نے 8ھ میں مکہ پر حملہ کر کے اسے فتح کر لیا۔ گویا آج دنیا میں جو اسلام موجود ہے یہ خندق کھودنے والے صحابہ کرام کی استقامت کا نتیجہ ہے۔ اگر وہ اس موقع پہ کمزوری دکھاتے تو اسلام آگے کیسے بڑھتا۔ یاد رہے اس غزوہ میں کفار کی تعداد تیرہ ہزار تھی اور مسلمانوں کی تین ہزار جن میں کچھ بچے تھے۔ اس جنگ کے اسباب، مفصل حالات اور اس میں ظاہر ہونے والے معجزات کی کیا تفاصیل ہیں ہم اس کا خلاصہ لکھتے ہیں۔

## غزوۂ احزاب کا مختصر نقشۂ احوال

یاد رہے کہ غزوہ احزاب سیرۃ النبی ﷺ میں تیسرا بڑا غزوہ ہے۔ اس کا سبب اصلی یہ ہوا کہ سن 4ھ میں یہود بنی نظیر کو انکی بدعہدیوں کے سبب مدینہ طیبہ سے نکالا گیا وہ خیبر میں جا بسے انہوں نے کفار مکہ کو مسلمانوں کے خلاف اُکسایا حتی کہ ان بدبختوں نے انکی خوشنودی کے لیے ان کے بڑے بت ھُبل کو سجدہ بھی کیا پھر انہوں نے بنی غطفان کو اُکسایا اور

اس کے عوض انہیں خیبر کی کھجوروں کے ایک سال کے پھل دینے کا وعدہ بھی کیا۔ اسطرح کفار مکہ اور بنوغطفان کا لشکر تیار ہوا جو تیرہ ہزار افراد پر مشتمل تھا انکے ساتھ بنواسلم و بنومرہ وغیرہ بھی شامل ہو گئے اسی لیے اسے غزوہ احزاب کہا گیا۔ جب رسول اللہ ﷺ کو خبر ہوئی تو آپ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے حفاظت مدینہ کے لیے خندق کھدوائی، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سخت سردی اور بھوک میں پیٹوں پر پتھر باندھ کر خندق کھودی۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی بطن مبارک پر دو پتھر باندھ رکھے تھے۔ اسی دوران حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے آپکی بھوک نہ دیکھی گئی تو انہوں نے اپنے گھر میں چند افراد کا کھانا تیار کروایا اور آپ ﷺ کو دعوت دی کہ آپ چند ساتھیوں کے ساتھ تشریف لائیں اور کھانا تناول فرمائیں۔ آپ نے اعلان فرمایا سب چلو جابر نے کھانا تیار کیا ہے۔ پھر آپنے انکے گھر جا کر ہنڈیا میں اور گُندھے ہوئے آٹے میں اپنا لعاب دہن ڈال دیا چنانچہ وہ آٹا اور ہنڈیا ایک ہزار صحابہ کے لیے کافی ہوگئی۔

(بخاری کتاب المغازی باب ۳۰ حدیث ۴۱۰۱)

خندق کی کھدائی کے دوران ایک دن شدت خوف وہراس، قلت وقت اور کثرت کار کی وجہ سے نبی اکرم ﷺ کو ظہر، عصر اور مغرب تین نمازیں قضا کرنا پڑیں جو بعد میں باجماعت ادا کی گئیں۔ جب حالات سنگین ہو گئے تو حضور سید کائنات ﷺ نے دعا فرمائی اے کتاب کے نازل کرنے والے! اے جلد حساب لینے والے! ان گروہوں کو ذلت دیدے اور انکے قدم اُکھیڑ دے۔ چنانچہ یہود مدینہ اور کفار مکہ کے درمیان کسی وجہ سے پھوٹ پڑ گئی جس سے قریش کے حوصلے پست پڑ گئے ادھر اللہ تعالیٰ نے سخت تیز اور ٹھنڈی آندھی چلادی جس نے قریش مکہ اور بنوغطفان کے خیمے اُکھیڑ دیے اور انکے اعضاء سُن کر دیے تو انہوں نے بھاگ کر جانیں بچائیں۔ ایک ماہ تک انہوں نے خندق عبور کرنے کی سرتوڑ کوشش کی مگر وہ اسقدر وسیع اور گہری تھی کہ وہ اسے عبور نہ کر سکے آخر وہ ناکام بھاگنے پر مجبور ہوئے۔

[14] کفار کے بھاگ جانے کے باوجود منافقین خوفزدہ تھے اور سمجھتے تھے کہ حملہ آور گروہ ابھی واپس نہیں گئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اگر حملہ آور گروہ واپس آ جائیں تو منافقین مدینہ طیبہ چھوڑ کر کسی گاؤں میں چلے جائیں گے اور وہاں سے مسلمانوں کی خبریں حاصل کریں گے کہ ان کا کیا بنا۔ اور اگر وہ مدینہ ہی میں رہیں تو بھی جنگ میں صرف نام ہی کو شریک ہوں گے۔

لَقَدۡ كَانَ لَكُمۡ فِىۡ رَسُوۡلِ اللّٰهِ اُسۡوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنۡ كَانَ يَرۡجُوا اللّٰهَ

بلاشبہ تمہارے لئے اللہ کے رسول (ﷺ کی سیرت) میں بہترین نمونہ زندگی ہے یعنی اس شخص کے لئے جو اللہ

وَالۡيَوۡمَ الۡاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيۡرًا ؕ﴿۲۱﴾

اور روز آخرت (کی جزا) چاہتا اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرتا ہے [15]۔

## رسولِ اکرم ﷺ کی ذات مبارکہ میں مومنوں کیلئے بہترین نمونۂ زندگی ہے

[15] غزوۂ احزاب کے ذکر کے دوران اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ حضور سید عالم ﷺ کی سیرت مبارکہ ان مومنوں کے لئے جو رضائے خدا اور جزائے آخرت چاہتے ہیں بہترین نمونۂ حیات ہے۔ یعنی جس طرح آپ ﷺ غلبۂ دین کے لئے جہاد میں ہر تکلیف اٹھا رہے ہیں اور دشمنان اسلام سے بھی عدل و انصاف برت رہے ہیں اور مومنوں کے ساتھ مل کر بھوک پیاس برداشت کر کے اور پیٹ پہ پتھر باندھ کر ان کے شانہ بشانہ خندق کھودتے اور دوسرے امور بجالاتے ہیں اس میں مومنوں کے لئے بہترین نمونۂ زندگی ہے اس لئے اللہ نے فرمایا: وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيۡمٍ ''اے پیارے رسول (صلی اللہ علیک وسلم) آپ خلق عظیم کے مالک ہیں۔'' (قلم:۴) اور آپ کا ارشاد ہے: بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْاَخْلَاقِ ''مجھے تمام اعلیٰ اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہے۔'' (مسند احمد جلد ۳ صفحہ ۳۸۱)

### رسول اللہ ﷺ کی سیرت کا ہر پہلو سے کامل نمونۂ حیات ہونا

اور بلاشبہ آپ ﷺ کی سیرت مبارکہ انسانی زندگی کے ہر پہلو کے لئے کامل و احسن نمونۂ عمل ہے اور دنیا میں کوئی ایسا مذہبی یا سیاسی لیڈر نہیں دکھایا جا سکتا جس کی زندگی اس طرح ہمہ گیر اور جامع ہو جیسے ہمارے آقا و مولیٰ ﷺ کی پیاری زندگی ہے۔

### بحیثیتِ باپ

آپ ﷺ نے بچوں کی تربیت کا اعلیٰ نمونہ پیش کیا۔ آپ ﷺ کے چاروں بیٹے طیب، طاہر، قاسم اور ابراہیم شیر خوارگی میں فوت ہو گئے آپ ﷺ نے ان کی وفات پر جو صبر و تحمل کیا وہ ان لوگوں کے لئے بہترین سبق آموز نمونۂ عمل ہے جن کے بچے فوت ہو جاتے ہیں۔ آپ ﷺ کی چار بیٹیاں تھیں آپ نے چاروں کی شادیاں کیں اور ان کی اولاد کو اپنے کندھوں پر کھلایا، گھر میں بچی کی پیدائش پہ غمزدہ ہونے والوں کے لئے آپ کی زندگی کے اس پہلو میں بہترین درس عمل ہے۔ آپ محو نماز ہوتے تو کئی بار حسنین کریمین رضی اللہ عنہما آپ کی پشت پر سوار ہو جاتے اور جب تک وہ اتر نہ جاتے آپ

ان کے لئے سجدہ لمبا کر دیتے۔ آپ ﷺ ان کے لئے خطبہ موقوف فرما دیتے اور انہیں گود میں بٹھا کر خطبہ ارشاد فرماتے، بچوں کے ساتھ پیار کا اس سے بہتر نمونہ کیا ہو سکتا ہے۔

## بحیثیتِ بیٹا

حضور سید کائنات ﷺ نے دور یتیمی دیکھا۔ اس میں یتیموں کے لئے درس صبر ہے کہ ان کے پیارے آقا بھی یتیم پیدا ہوئے تھے، لہٰذا کوئی یتیم اپنے لیے یتیمی کو وجہ عار نہ سمجھے۔ آپ کو آپ کے چچا ابو طالب نے پال پوس کر جوان کیا۔ جوانی میں قدم رکھتے ہی آپ نے چچا کا بوجھ اٹھا لیا اور غلہ بانی کر کے ان کی مدد کرنے لگے اور ان کے ایک بچے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو اپنی کفالت میں لے لیا یہ احسان کا بدلہ احسان کی اعلیٰ ترین مثال ہے اور اس میں یتیموں کے لئے اپنے مربین و محسنین بزرگوں کے ساتھ حسن سلوک کا اعلیٰ درس عمل ہے۔

## بحیثیتِ بھائی

حضور سرور دو عالم ﷺ نے اپنے رضاعی بھائی اور بہن کے ساتھ عدل و احسان کا خوبصورت نمونہ پیش کیا۔ آپ ﷺ کی ولادت مبارکہ کے بعد جب حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو گود میں لے کر اپنا دودھ پلانا شروع کیا تو آپ ایک طرف سے دودھ پیتے تھے دوسری طرف سے نہیں تاکہ آپ کے رضاعی بھائی حارث کے لئے ایک طرف باقی رہے۔ قربان جائیں آپ ﷺ نے ماں کی گود میں بھائی کے حق کا تحفظ کیا اور درس عدل دیا۔ پھر جب آپ نے 8ھ میں طائف پر قبضہ کیا تو آپ کے رضاعی خاندان بنو سعد کے لوگ بھی گرفتار ہوئے ان میں آپ کی رضاعی بہن سیدہ شیما رضی اللہ عنہا بھی تھیں جب شیما نے اپنا تعارف کروایا کہ میں ہی وہ شیما ہوں جو بچپن میں آپ کو لوریاں دے کر بہلاتی تھی تو آپ کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں اور آپ نے تمام قبیلہ بنو سعد کو آزاد کر دیا، جن کی تعداد چار ہزار سے متجاوز تھی جس سے متاثر ہو کر وہ سب اسلام لے آئے۔ گویا بھائی ہو تو ایسا ہو۔

## بحیثیتِ شوہر

آپ کی گیارہ ازواج مطہرات تھیں آپ نے ان سے حسن سلوک کا بہترین نمونہ پیش کیا۔ کبھی کسی کو مارا نہ پیٹا نہ سخت لفظ کہا۔ اگر ان سے غلطی ہو جاتی تو آپ ﷺ درگزر فرماتے۔ وہ بھی آپ پر جان چھڑکتی تھیں۔ واقعہ ایلاء میں آپ کی ازواج نے زیورات مانگے آپ کو یہ مطالبہ پسند نہ آیا آپ ﷺ نے ان سے علیحدگی فرمالی۔ آخر آپ ﷺ نے قرآن کے نازل ہونے پر اپنی ازواج کو اختیار دیا کہ وہ زیورات اور آپ کی صحبت میں سے کسی ایک کو اختیار کر لیں تو سب نے بیک زبان کہا کہ وہ دنیا کی ہر زینت اور نعمت چھوڑ سکتی ہیں مگر آپ ﷺ کی صحبت اور ساتھ نہیں چھوڑ سکتیں۔ گویا شوہر ہو تو

ایسا ہو۔

ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے ساتھ دوڑ لگایا کرتے تھے۔ ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوڑ لگائی تو میں آگے نکل گئی۔ پھر جب میرا بدن کچھ بھاری ہوگیا تو ہم نے ایک دوڑ لگائی، تب سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھ سے آگے نکل گئے اور فرمانے لگے: ادلے کا بدلہ ہوگیا۔ (ابن ماجہ، کتاب النکاح باب ۵۰)

## بحیثیتِ آقا

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے غلاموں سے وہ حسن سلوک کیا کہ دنیا اس کی مثال نہیں لاسکتی۔ آپ کے غلام حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے والد اور چچا انہیں لینے آئے تو انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چھوڑ کر جانے سے انکار کر دیا تب سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زید کو اپنا بیٹا قرار دیا اور اپنی پھوپھی زاد بہن سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے ان کا نکاح بھی کر دیا۔ جو عرب کے سب سے معزز خاندان قریش سے تھیں۔ یعنی ایک غلام کی عزت افزائی کا اس سے بہتر نمونہ کیا ہوسکتا ہے۔ حضرت زید کے بیٹے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے آپ کو اسقدر پیار تھا کہ اپنے دست مبارک سے ان کا ناک صاف کرتے اور فرماتے اگر اسامہ لڑکی ہوتا تو میں اس کو پیارے پیارے کپڑے پہناتا اور کھیلنے کے لیے گڑیاں لاکر دیتا۔ کئی بار لوگوں نے ایسے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ران پہ اپنے نواسے حضرت حسن یا حضرت حسین کو بٹھایا ہوتا تو دوسری ران پہ اسامہ کو۔ سبحان اللہ! کیا دنیا میں ایسا آقا ہے جو اپنے غلام زادوں اور نواسوں میں کوئی فرق نہ رکھے؟ گویا آقا ہو تو ایسا ہو۔

## بحیثیتِ سربراہ مملکت

حضور سرور دو عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے تو پہلی اسلامی ریاست کا وجود عمل میں آیا۔ آپ اس ریاست کے سربراہ تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہود مدینہ سے پرامن بقائے باہمی کا معاہدہ کیا، جو اہل ذمہ (اسلامی ریاست میں رہنے والے غیر مسلمین) کے حقوق کا مکمل پاسبان ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس معاہدہ کی ہمیشہ پاسداری کی، مگر یہود مار آستیں نکلے، انہوں نے معاہدہ کی آڑ میں اسلامی ریاست کی جڑیں کاٹنے کی کوشش کی۔ تب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو مدینہ طیبہ سے نکالا اور مرکز اسلام کو ان کے وجود سے پاک کیا۔ بحیثیت سربراہ مملکت آپ نے مجرموں پہ سزائیں نافذ کیں، اور اس بارے میں کسی چھوٹے بڑے یا اپنے بیگانے میں امتیاز نہ کیا۔ آپ نے چوروں کے ہاتھ کاٹے، زانیوں کو سنگسار کیا، قاذفوں کو کوڑے لگائے اور جرائم ثابت ہوجانے کے بعد اقامت حدود میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔ ایک بار فاطمہ نامی ایک قریشی عورت پہ چوری ثابت ہوگئی۔ آپ نے اس کا ہاتھ کاٹ دینے حکم فرمایا۔ کچھ لوگوں نے رعایت کی درخواست کی آپ جلال میں آگئے اور فرمایا: ”اس رب کی قسم! جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر (بالفرض) میری بیٹی

فاطمہ چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ بھی ضرور کاٹ دیتا۔''

یہ بھی یادر ہے کہ بحیثیت سربراہ ریاست اسلامی آپ نے نہایت سادہ زندگی اپنائی، کوئی دربان، یا چوکیدار، کوئی دربار یا تخت وتاج نہ تھا، بلکہ آپ کے نقش قدم پہ چلنے والے خلفاء راشدین کا بھی یہی طرز عمل تھا۔ سربراہ مملکت ہونے کے باوجود آپ کے گھر میں کئی کئی دن تک چولہا نہیں جلتا تھا اور آپ کے چہرہ مبارک پہ بھوک کے آثار نظر آتے تھے۔ آپ ﷺ خشک چٹائی پہ سوجاتے تھے جس کے نشانات آپ کے جسم پہ نظر آتے جنہیں دیکھ کر ایک بار حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔

سلام اس پر کہ جس نے بے کسوں کی دست گیری کی　　سلام اس پر کہ جس نے بادشاہی میں فقیری کی

## بحیثیت کمانڈر انچیف

حضور سید کائنات ﷺ نے سترہ غزوات لڑے اور ہر غزوہ میں فتح حاصل کی۔ صرف غزوہ احد میں آپ کے ایک حکم سے کچھ مجاہدین نے عدول کیا تو مشکل پیدا ہوئی۔ اگر وہ ایسا نہ کرتے تو کوئی مشکل نہ تھی۔ آپ نے جنگ میں عورتوں بچوں بوڑھوں اور عبادت خانوں میں بیٹھے ہوئے راہبوں سے کچھ تعرض نہ کرنے کا حکم فرمایا کیونکہ وہ جنگ نہیں کر سکتے۔ اس میں احترام آدمیت کی اعلیٰ مثال ہے۔ ایک بار آپ نے جنگ میں صف بندی کرتے ہوئے ایک سپاہی حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ کی پشت پہ چھڑی لگادی۔ آپ ﷺ نے وصال سے کچھ دن قبل منبر پر فرمایا کہ اگر میں نے تم میں سے کسی پہ کچھ زیادتی کی ہو تو وہ مجھ سے بدلہ لے سکتا ہے۔ عکاشہ نے کہا آپ نے فلاں جنگ میں مجھے چھڑی لگائی تھی آپ نے فوراً اپنی پشت سے چادر ہٹادی کہ بدلہ لے لو، مگر انہوں نے لپک کر آپ کی مہر نبوت کو چوم لیا اور عرض کیا کہ یہی میری تمنا تھی۔ کیا کسی امیر لشکر کے لیے اس سے بہتر نمونہ عمل ہوسکتا ہے؟۔ اس موضوع پہ مزید بات ہوسکتی ہے مگر اسی پہ اکتفاء ہے۔

| |
|---|
| وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ ۙ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ |
| اور جب مومنوں نے (کفار کے) لشکر دیکھے تو بولے یہ وہ ہے جو ہم سے اللہ اور اس کے رسول نے وعدہ فرمایا تھا |
| وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۡ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّاۤ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا ؕ﴿۲۲﴾ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ |
| اور اللہ اور اس کے رسول نے سچ کہا اور اس سے ان کے ایمان اور جذبۂ اطاعت ہی میں اضافہ ہوا [16]، |
| رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ |
| مومنوں میں سے کچھ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ سے کیا ہوا وعدہ پورا کر دکھایا۔ تو ان میں سے کچھ نے اپنی نذر پوری کر دی |
| وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ۙ﴿۲۳﴾ لِيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ |
| اور کچھ منتظر ہیں اور انہوں نے (اپنی نیت میں) کوئی تبدیلی نہیں کی، تاکہ اللہ سچے لوگوں کو ان کی سچائی |
| بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ اِنْ شَآءَ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ |
| کی وجہ سے جزا دے اور منافقوں کو اگر چاہے تو عذاب دے یا ان کی توبہ قبول کرے۔ بیشک اللہ بخشنے والا |
| كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۚ﴿۲۴﴾ |
| مہربان ہے۔[17] |

[16] جب غزوۂ احزاب کے موقع پر قریباً اکثر قبائل عرب نے مل کر مدینہ طیبہ پر حملہ کیا تو منافقین اللہ تعالیٰ کے سچے وعدوں میں شک کرتے ہوئے کہنے لگے ہم سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے جھوٹا وعدہ کیا تھا (احزاب، ۱۲) مگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پکار اٹھے یہ ہے اللہ اور اس کے رسول کا وعدہ اور ان کا وعدہ سچا ہے اور ان کے ایمان میں کوئی شک نہ آیا بلکہ ان کے ایمان و جذبۂ اطاعت میں اضافہ ہو گیا یعنی ان کے دل کہنے لگے کہ آخر کار دین ہی غالب آئے گا۔ اور یہ کہ اگر کفار سے لڑتے ہوئے ان کی جان چلی جائے تو یہ بڑی سعادت ہے اور یہی راہِ فلاح ہے۔

[17] یعنی منافقین کو چھوڑ کر مخلص مومنین کا حال یہ ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے یعنی اللہ کے رسول ﷺ سے عہد کیا تھا کہ وہ دین کی سربلندی کے لئے جان کی بازی لگا دیں گے چنانچہ ان میں سے بعض نے بدر واحد میں اپنا وعدہ سچ کر دکھایا اور وہ دین پر اپنی جانیں قربان کر گئے اور جو باقی ہیں وہ منتظر ہیں کہ کب ان کی جان اللہ و رسول کے لئے قربان ہو گی ان کے اس جذبہ میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ تو اللہ تعالیٰ ایسے سچے لوگوں کو ان کی سچائی کی جزا دے گا اور منافقوں میں

سے جسے چاہے عذاب دے گا یعنی وہ عبداللہ بن ابی ابن سلول کی طرح منافقت پہ مرجائیں گے اور کچھ کو اللہ تعالیٰ توفیق توبہ دے گا جیسا کہ عبداللہ بن ابی کی موت پر نبی کریم ﷺ کے اس کے ساتھ حسن سلوک سے متاثر ہو کر اس کی قوم کے ایک ہزار منافقین صدق دل سے ایمان لے آئے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں یہ آیت رِجَالٌ صَدَقُوۡا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيۡهِ‌ ۚ فَمِنۡهُمۡ مَّنۡ قَضٰى نَحۡبَهٗ وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّنۡتَظِرُ‌ ‌ۖ وَمَا بَدَّلُوۡا تَبۡدِيۡلًا ۙ﴿۲۳﴾ ان کے چچا حضرت نضر بن انس رضی اللہ عنہ کے بارے میں اتری۔ انہیں بدر میں عدم شمولیت کا افسوس تھا۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا کہ اگر مشرکین سے قتال کا پھر کوئی موقع آیا تو وہ جان کی بازی لگا دیں گے۔ چنانچہ احد میں وہ کفار پر اکیلے حملہ آور ہو گئے اور آگے بڑھتے گئے وہ کہہ رہے تھے سبحان اللہ! مجھے کوہ احد کی طرف سے جنت کی ہوا آ رہی ہے۔ شہادت کے بعد ان کے جسم پر اسّی (80) سے زائد تیروں تلواروں اور نیزوں کے زخم تھے اور ان کا چہرہ مثلہ شدہ ملا صرف ان کی بہن نے ان کی انگلیوں سے ان کو پہچانا۔ ایسے لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَمِنۡهُمۡ مَّنۡ قَضٰى نَحۡبَهٗ وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّنۡتَظِرُ‌ ‌ۖ (تفسیر بغوی)

## صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا جذبۂ شہادت

اس سے صحابہ کرام کا جذبۂ شہادت معلوم ہوا کہ وہ راہ حق میں شہادت کے انتظار میں جیتے تھے۔ جب کہ منافقین حیلے بہانے کر کے جنگ میں جانے سے کتراتے تھے اور اگر چلے بھی جاتے تھے تو نیا بہانہ کر کے وہاں سے نکل بھاگتے تھے۔ جیسے ابھی گزرا کہ منافقوں نے غزوہ احزاب میں کہا: اِنَّ بُيُوۡتَنَا عَوۡرَةٌ ‌ۛؕ کہ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں اور وہ یہ بہانہ کر کے گھروں کو چلدیے۔

شیعہ لوگ اپنی گمراہی کی وجہ سے حضرت ابوبکر صدیق، عمر فاروق اور عثمان غنی رضی اللہ عنہم کو معاذ اللہ ثم معاذ اللہ منافقین میں سے سمجھتے ہیں۔ مگر کیا یہ لوگ بتا سکتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق، عمر فاروق اور عثمان غنی رضی اللہ عنہم کسی غزوہ میں رسول اللہ ﷺ سے پیچھے رہے ہوں؟ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ بدر میں رسول اللہ ﷺ کے حکم سے شریک نہ ہوئے تھے تو آپ ﷺ نے انہیں اجر اور غنیمت دونوں میں سے حصہ عطا فرمایا۔

غزوہ بدر میں جس نے سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ پہ اپنا سب کچھ قربان کرنے کا جذبہ پیش کیا وہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما تھے۔ پھر اس کے بعد جو بولا وہ ان کی پیروی میں بولا۔ گویا ان کی ولولہ انگیز گفتگو نے سب صحابہ کا خون گرما دیا اور ان کو تپتے ہوئے صحراء میں اپنے سے تین گنا بڑے لشکر کے سامنے کھڑا کر دیا۔ حالانکہ ان کے پاس نہ اسلحہ تھا نہ سواری تھی۔

جنگ بدر میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے سگے ماموں ہشام بن عمرو کے ٹکڑے کر دیے۔
(اہل تشیع کی معتبر کتاب سیرت بحار الانوار جلد ۱۹ صفحہ ۳۶۳)

غزوۂ احد میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے بیٹے کے مقابلہ میں تلوار لے اتر پڑے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کو واپس بلا لیا۔ (اہل تشیع کی معتبر کتاب تاریخ ناسخ التواریخ حالات پیغمبر جلد ۳ صفحہ ۳۲۷)

کیا اس سے بڑا کوئی جذبہ فداکاری ہوسکتا ہے؟ اس کے باوجود ان کے بارے میں اہل تشیع کے یہ غلیظ خیالات کس قدر افسوس ناک ہیں۔

| |
|---|
| وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا ؕ وَكَفَى اللّٰهُ |
| اور اللہ نے کافروں کو ان کے غصہ کے ساتھ واپس لوٹا دیا وہ کوئی بھلائی نہ پا سکے اور اللہ ہی مومنوں (کی جگہ) |
| الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا ۟ۚ وَاَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ |
| جنگ کے لئے کافی ہو گیا اور اللہ قوت والا غالب ہے [18] اور اللہ نے کفار کی پشت پناہی |
| مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ صَيَاصِيْهِمْ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ |
| کرنے والے اہل کتاب کو ان کے قلعوں سے نیچے اتار لیا اور ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا |
| فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ وَتَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا ۟ۚ وَاَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ |
| ان میں سے ایک گروہ کو تم قتل کرتے تھے اور ایک گروہ کو قید، اور تمہیں ان کی زمین |
| وَاَمْوَالَهُمْ وَاَرْضًا لَّمْ تَطَئُوْهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ۟ؒ |
| اور ان کے گھروں کا وارث کر دیا اور اس زمین کا بھی جہاں تم ابھی نہیں پہنچے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے [19] |

ع ۳ ۱۹

[18] کفار مکہ اور دیگر قبائل عرب کو غزوہ احزاب میں اللہ تعالیٰ نے ذلت وخواری کے ساتھ بے نیل مرام واپس کر دیا اور اہل ایمان کو بغیر جنگ ایسی کامیابی عطا فرمائی کہ دوبارہ کفار کو مدینہ طیبہ پر حملہ کی جرأت نہ ہوئی۔

[19] مدینہ طیبہ کے یہود بنی قریظہ نے سخت بدعہدی، بے شرمی و بے وفائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے غزوۂ احزاب میں حملہ آور کفار عرب کا ساتھ دیا۔ چنانچہ جنگ ختم ہوتے ہی اللہ تعالیٰ نے بذریعہ جبرائیل امین علیہ السلام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم فرمایا کہ اسلحہ کو جسم سے جدا کئے بغیر سیدھا بنو قریظہ کا محاصرہ کیا جائے۔ چنانچہ پچیس دن کے محاصرہ کے بعد بنو قریظہ نے ہتھیار ڈال دیے۔ پھر ان کے مقرر کردہ فیصل حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے حکم پہ ان کے مردوں کو قتل اور عورتوں اور بچوں کو قید کر لیا گیا جو بعد میں بیچ دیے گئے۔
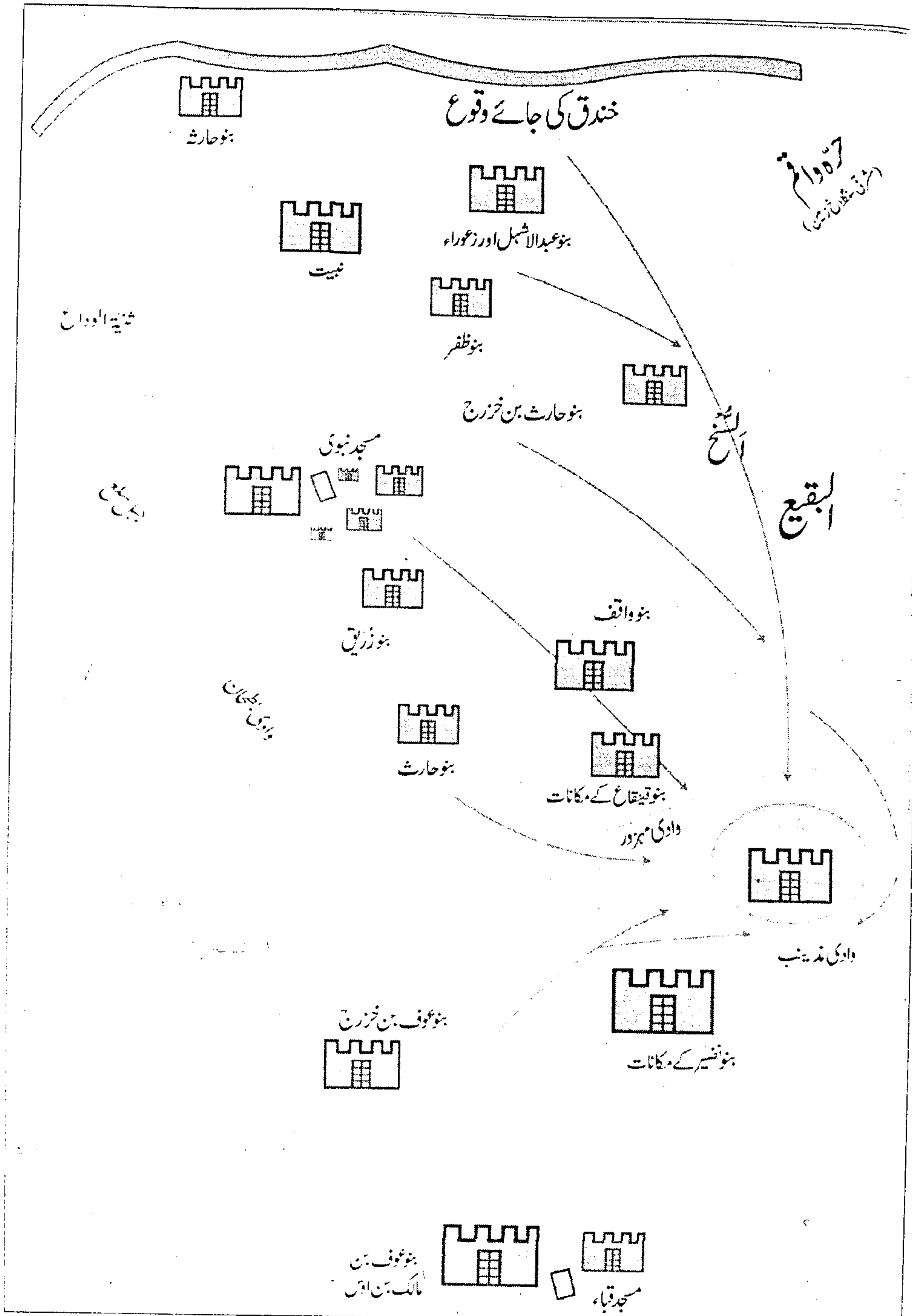
## غزوہ بنو قریظہ کا مختصر واقعہ

مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جنگ سے واپسی پہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لائے وہ آپ کے سر مبارک سے غبار دھونے لگیں۔ ابھی انہوں نے آدھا سر ہی دھویا تھا کہ جبرائیل امین علیہ السلام اتر آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ لوگوں نے جلدی اسلحہ اتار دیا مگر فرشتوں نے اسلحہ اٹھا رکھا ہے، آپ ابھی چل کر بنو قریظہ کا محاصرہ کریں۔ چنانچہ 23 ذی القعدہ 5ھ کو آپ مدینہ طیبہ سے نکلے اور نواحی مدینہ میں بنو قریظہ کے قلعوں کا محاصرہ کر لیا۔ مروی ہے کہ اس وقت بنی قریظہ کے سردار کعب بن اسد نے انہیں جمع کر کے کہا: اے یہود! تم اچھی طرح جانتے ہو کہ یہ شخص (محمد مصطفیٰ ﷺ) اللہ کا سچا رسول ہے اور ہمیں صرف یہ حسد اس پہ ایمان نہیں لانے دیتا کہ نبوت بنی اسرائیل سے باہر کیوں چلی گئی ہے۔ ہمیں اس پہ ایمان لے آنا چاہیے تاکہ ہمیں اس ذلت سے نجات مل جائے اور ہماری جانیں اور اموال و اولاد محفوظ ہو جائیں۔ یہود بنی قریظہ نے کمال بے شرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا کہ ہم تورات کو چھوڑ کر کوئی دوسری کتاب نہیں مانیں گے۔ یہ باتیں سن کر ان میں سے تین افراد ثعلبہ بن سعید، اسید بن سعید اور اسد بن عبید اٹھے اور رسول اللہ ﷺ کے پاس جا کر ایمان لے آئے۔ باقی سب اپنے کفر پہ ڈٹے رہے۔

رسول اللہ ﷺ نے جو محاصرہ کر رکھا تھا وہ پچیس دن جاری رہا۔ آخر یہود نے کہا کہ سعد بن معاذ انصاری رضی اللہ عنہ ہمارے بارے میں جو فیصلہ کریں ہمیں منظور ہوگا کیونکہ وہ انصار کے قبیلہ اوس کے سردار تھے اور یہ قبیلہ شروع سے بنو قریظہ کا حلیف تھا۔ اس لیے یہود بنی قریظہ کو اپنی ذات میں توقع تھی کہ شائد حضرت سعد ان کے حق میں فیصلہ کریں گے۔ حضرت سعد غزوۂ احزاب میں زخمی ہو گئے تھے۔ انہیں خچر پہ بٹھا کر لایا گیا جب وہ آئے تو نبی کریم ﷺ نے انصار سے فرمایا: قوموا لسیدکم، اپنے سردار کے احترام کے لئے کھڑے ہو جاؤ۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کھڑے ہو گئے۔ حضرت سعد نے فیصلہ فرمایا کہ یہود بنی قریظہ کے مردوں کو قتل اور عورتوں اور بچوں کو غلام بنا لیا جائے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اے سعد! تم نے وہ فیصلہ کیا جو سات آسمانوں سے اوپر اللہ تعالیٰ نے فرمایا چنانچہ ان کے چھ سو یا سات سو مرد قتل کر دیئے گئے اور عورتوں اور بچوں کو فروخت کر کے اس سے اسلحہ خرید لیا گیا۔ اور ان کے قلعوں، زمینوں، باغات اور کثیر اسلحہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ (بغوی خازن، قرطبی، مظہری وغیرہ)

تو اس بارے میں یہ آیت نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کفار کی مدد کرنے والے اہل کتاب کو اللہ نے ان کے قلعوں سے اتارا ان کے دلوں میں رعب ڈالا اور تم ان کے ایک گروہ (مردوں) کو قتل اور ایک گروہ (عورتوں اور بچوں) کو قیدی بناتے تھے اور تمہیں ان کی زمین اور گھروں کا مالک بنا دیا اور اہل کتاب کی وہ زمین بھی تمہیں دے دی جس پر ابھی تم نہیں پہنچے۔ اس سے ارضِ خیبر اور اہلِ روم کے قبضہ سے مسلمانوں کو ملنے والے تمام ممالک مراد ہیں جیسے شام، فلسطین اور ترک و افریقہ وغیرہ۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا

اے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنی بیویوں سے فرما دیں کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی زینت چاہتی ہو تو آؤ

فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴿۲۸﴾ وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ

میں تمہیں سامان (دنیا) دیتا ہوں اور تمہیں بہتر طریقہ سے آزاد کر دیتا ہوں [20]۔ اور اگر تم اللہ

اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا

اور اس کے رسول (کی رضا) اور آخرت کا گھر چاہتی ہو تو بے شک اللہ نے تم میں سے اخلاص والیوں کے لئے اجر عظیم

عَظِيْمًا ﴿۲۹﴾ يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا

تیار کیا ہے۔ اے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ازواج، (بالفرض) جو تم میں سے کھلی بے حیائی کرے اس کے لئے

الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۳۰﴾

سزا دوگنی کر دی جائے گی اور یہ اللہ پر آسان ہے۔

## عظمت ازواج رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

[20] گزشتہ سے پیوستہ رکوع میں ازواج رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں فرمایا گیا کہ وہ سب مومنوں کی مائیں ہیں۔ اب ازواج رسول سے فرمایا جا رہا ہے کہ ان کے اس منصب جلیل کے کیا تقاضے ہیں اور یہ کہ اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہونے کے ناطے ان پر اللہ تعالیٰ کے کیا انعامات ہیں۔ اس کا شان نزول یہ ہے کہ ازواج رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سے بعض نے آپ سے کچھ نئے کپڑے مانگے، کچھ نے انگوٹھی مانگی۔ اللہ و رسول عزوجل و صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کا یہ مطالبہ پسند نہ آیا کیونکہ رسول خدا کے گھر میں مال دنیا کا کوئی شائبہ اللہ و رسول کو ناپسند تھا۔ چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ازواج سے علیحدگی اختیار فرمالی جو ایک ماہ تک جاری رہی۔ اس دوران آپ ایک الگ حجرہ میں قیام پذیر رہے۔ حتیٰ کہ یہ افواہ پھیل گئی کہ آپ نے اپنی ازواج کو طلاق دیدی ہے۔ آخر یہ آیت اتری، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ اپنی ازواج سے فرما دیں کہ اگر تم دنیوی زندگی کی زینت چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں متاعِ دنیا دے دوں پھر تمہیں اپنے نکاح سے بہتر طریقہ سے آزاد کر دوں یعنی ایک طلاق دے دوں جس کی عدت کے ختم ہونے سے نکاح ختم ہو جائے اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول کی رضا اور دارِ آخرت کی نعمتیں چاہتی ہو تو اللہ نے تم میں سے اخلاص والیوں کے لئے (اور ازواج مطہرات سبھی اخلاص

والی تھیں جیسا کہ آگے واضح ہو رہا ہے) بحیثیتِ ازواجِ رسول جو کچھ آخرت میں جنتی بہاریں تیار کی ہیں وہ ایسا اجرِ عظیم ہے جو تمہارے تصور سے بلند تر ہے۔

اس جگہ فَاِنَّ اللّٰہَ اَعَدَّ لِلۡمُحۡسِنٰتِ مِنۡکُنَّ اَجۡرًا عَظِیۡمًا﴿۲۹﴾ میں لفظ مِنۡکُنَّ سے کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ تمام ازواج مطہرات اخلاص والی نہ تھیں اور اللہ تعالیٰ نے سب کے لیے اجرِ عظیم کا وعدہ نہیں فرمایا، بلکہ اس کی مثال ایسے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَنُنَزِّلُ مِنَ الۡقُرۡاٰنِ مَا ہُوَ شِفَآءٌ وَّرَحۡمَۃٌ لِّلۡمُؤۡمِنِیۡنَ ۙ (بنی اسرائیل، ۸۲) تو کیا کوئی شخص اس میں من القرآن کو دیکھ کر کہہ سکتا ہے کہ سارا قرآن شفاء و رحمت نہیں ہے۔ بلکہ معنی یہ ہے کہ قرآن کی جنس میں سے جو کچھ ہے وہ سب شفاء و رحمت ہے۔ اسی طرح اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ازواج مطہرات کی گروہ میں سے جو بھی ہے اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے بہر حال اجرِ عظیم تیار فرمایا ہے۔

ان آیات کے اترنے پر نبی کریم ﷺ نے سب سے پہلے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو یہ آیت سنائی اور کہا کہ جاؤ اپنے والدین سے مشورہ کرلو تو سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ مجھے اپنے والدین سے پوچھنے کی کچھ ضرورت نہیں کیا میں اس بارے میں والدین سے مشورہ کروں؟ میں اللہ و رسول کو اختیار کرتی ہوں۔ (بخاری کتاب المظالم باب ۳۵، ترمذی کتاب التفسیر سورہ احزاب) بعد میں آپ نے اپنی دیگر ازواج کو یہ پیغام الٰہی سنایا تو ان سب نے بھی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا والا جواب دیا۔

اللہ تعالیٰ کو ازواج مطہرات کی یہ وفاداری و قربانی اس قدر پسند آئی کہ حضور سید کائنات ﷺ سے فرمایا: لَا یَحِلُّ لَکَ النِّسَآءُ مِنۡۢ بَعۡدُ وَلَاۤ اَنۡ تَبَدَّلَ بِہِنَّ مِنۡ اَزۡوَاجٍ وَّلَوۡ اَعۡجَبَکَ حُسۡنُہُنَّ۔ "اے رسول ﷺ! آپ کے لیے اس کے بعد مزید بیویاں حلال نہیں ہیں، نہ یہ حلال ہے کہ ان میں سے کسی بیوی کو بدلیں، خواہ کسی عورت کا حسن آپ کو بھائے۔" (احزاب، ۵۲)

یاد رہے یہ واقعہ غزوۂ تبوک کے بعد اور حجۃ الوداع سے پہلے سن 10 ھجری میں پیش آیا۔ اسوقت حضور سید عالم ﷺ کے نکاح میں نو (9) ازواج پاک تھیں چھ قریش سے اور تین قریش سے باہر۔ قریش سے یہ تھیں حضرت عائشہ، حضرت حفصہ، ام حبیبہ بنت ابی سفیان، ام سلمہ بنت ابی امیہ، زینب بنت جحش اور سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہن، اور غیر قریش سے یہ تھیں صفیہ بنت حُیی بنت اخطب خیبریہ، جویریہ بنت حارث اور میمونہ بنت حارث رضی اللہ عنہن۔

## حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر غصب فدک کے الزام کی تردید

ازواج رسول ﷺ نے آپ سے کچھ کپڑے اور انگوٹھی وغیرہ کا مطالبہ کیا تو اللہ و رسول کو وہ پسند نہ آیا کیونکہ رسول خدا ﷺ کے اہل بیت کے ہاں مال دنیا کا کوئی شائبہ اللہ و رسول کو پسند نہ تھا۔ تو یہ کیسے ممکن ہے کہ رسول خدا ﷺ نے اپنی بیٹی

کو باغ فدک نامی بہت بڑی جاگیر دے دی ہو۔لہٰذا اس میں جو روایات ہیں سب موضوع و باطل ہیں۔حتیٰ کہ ایک بار سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک لونڈی خدمت کے لئے مانگی تو آپ نے وہ بھی عطانہ فرمائی اور اس کی جگہ ایک وظیفہ پڑھنے کے لئے دے دیا لہٰذا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر سیدہ فاطمہ خاتون جنت رضی اللہ عنہا سے فدک کے غصب کرنے کا الزام سراسر بے بنیاد ہے۔اس بارے میں ہم سورہ نساء کے دوسرے رکوع کے تحت مفصل کلام کر آئے ہیں۔

## ازواج مطہرات کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وفاداری ومحبت

انہوں نے دنیا کی ہر نعمت چھوڑ دی مگر سنگتِ رسول کا ترک گوارا نہ کیا اس کا انہیں یہ صلہ ملا کہ وہ جنت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج اور آپ کے درجہ میں آپ کے ساتھ ہوں گی کیونکہ ابھی ہم نے قرآنی آیت کے حوالہ سے بتادیا کہ اس واقعہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا کہ آپ نے ان میں سے کسی بیوی کو طلاق نہیں دینی اور امت کو بھی حکم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کوئی شخص ازواج رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مت نکاح کرے۔کیونکہ وہ امت کی مائیں ہیں۔(احزاب، ۵۳) اور جو عورت جس مومن کے نکاح میں فوت ہو اور اس کے بعد کسی دوسرے مرد سے نکاح نہ کرے وہ جنت میں اسی کی بیوی اور اس کے ساتھ ہوتی ہے۔تو بلاشبہ ازواج رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج ہونگی اور آپ کے ساتھ آپ کے درجہ میں ہونگی پھر ان کے بارے میں جو بدبخت انسان ہرزہ سرائی اور لعنت وتبرا بازی کرے وہ ازلی بدنصیب اور ملحد وزندیق ہے۔

## فضیلت ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

ان آیات کے نزول پر انہوں نے سب سے پہلے اللہ و رسول کی رضا اختیار کی اور اسباب دنیا سے کنارہ کر لیا تو دوسری ازواج مطہرات نے ان کی پیروی کی تو باقی سب کی قربانی کا ثواب بھی انہیں حاصل ہوا۔شیعہ مؤرخ مرزا محمد تقی سپہر نے بھی لکھا ہے کہ ایلاء ختم کرنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے پہلے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لائے اور انہیں اختیار دیا تو سب سے پہلے انہی نے اللہ ورسول اور دار آخرت کو اختیار کیا۔

(ناسخ التواریخ حالات پیغمبر جلد ۳ صفحہ ۱۷۳ مطبوعہ کتاب فروشی اسلامیہ تہران ایران)

اسی طرح مشہور شیعہ مفسر ملا فتح اللہ کاشانی اپنی تفسیر میں اس آیت کے تحت لکھتا ہے: مرویست کہ اول کسے از ازواج کہ اختیار بقانمود عائشہ بود، ازواج رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سے جس نے سب سے پہلے اللہ ورسول کی رضا کو اختیار کیا وہ حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا تھیں۔(تفسیر منہج الصادقین جلد ۷ صفحہ ۳۱۰ مطبوعہ انتشارات اسلامیہ تہران ایران)

گویا ازواج رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سے اللہ تعالیٰ ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سب سے زیادہ وفاداری کرنے والی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہیں۔مگر حیرت ہے کہ اہل تشیع کو سب سے زیادہ دشمنی بھی انہی کے ساتھ ہے۔اب اس بدنصیبی کا کیا علاج ہے۔

وَمَنۡ یَّقۡنُتۡ مِنۡکُنَّ لِلّٰہِ وَرَسُوۡلِہٖ وَتَعۡمَلۡ صَالِحًا نُّؤۡتِہَاۤ اَجۡرَہَا

اور جو تم میں سے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے اور نیک اعمال بجا لائے تو ہم اسے دوہرا اجر دیں گے

مَرَّتَیۡنِ ۙ وَاَعۡتَدۡنَا لَہَا رِزۡقًا کَرِیۡمًا ﴿۳۱﴾ یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسۡتُنَّ کَاَحَدٍ مِّنَ

اور ہم نے اس کے لئے عزت والی روزی تیار کی ہے [21] اے ازواج رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) تم دوسری عورتوں

النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَیۡتُنَّ فَلَا تَخۡضَعۡنَ بِالۡقَوۡلِ فَیَطۡمَعَ الَّذِیۡ فِیۡ قَلۡبِہٖ

میں سے کسی جیسی نہیں ہو (تم سب سے افضل ہو) اگر تم تقویٰ اختیار کرو۔ لہٰذا بات کرنے میں لوچ نہ رکھو ورنہ جس شخص کے دل میں

مَرَضٌ وَّقُلۡنَ قَوۡلًا مَّعۡرُوۡفًا ﴿ۚ۳۲﴾

مرض ہے وہ طمع کرے گا اور اچھی بات کہو۔[22]

[21] اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے ازواج رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اگر بالفرض تم میں سے کسی سے کوئی برا کام سرزد ہو (یہ اسی طرح ہے جیسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے فرمایا گیا کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم آپ پر آپ کے رب کی طرف سے جو اترا اسے لوگوں تک پہنچا دیں اگر بالفرض آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اپنی رسالت کا حق ادا نہیں کیا۔ (مائدہ:۶۷) تو اسے دوسرے لوگوں کی نسبت دوہرا گناہ ہوگا ایک حکم ربی کے توڑنے کا گناہ دوسرا اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہونے کی نسبت پر دھبہ لانے کا گناہ۔ اور اے ازواج رسول اس کے برعکس تم میں سے جو کوئی اللہ و رسول کا حکم بجالاتے ہوئے کوئی نیک عمل کرے اسے دوسرے لوگوں کی نسبت دوہرا اجر دیا جائے گا۔ ایک حکم خدا کے بجالانے کا اجر دوسرا نسبتِ اہل بیتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عظمت کو دوبالا کرنے کا اجر۔

## عظمتِ اہل بیتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

نُّؤۡتِہَاۤ اَجۡرَہَا مَرَّتَیۡنِ سے معلوم ہوا کہ ازواجِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اہل بیتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہونے کی وجہ سے ساری اُمت سے دوہرا اجر دیا گیا۔ یاد رہے جس طرح ازواجِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم رشتۂ نکاح کی وجہ سے اہلِ بیتِ رسول ہیں۔ یونہی اولادِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم یعنی حسنی و حسینی ساداتِ کرام رشتۂ ولادت کی وجہ سے اہلِ بیتِ رسول ہیں کیونکہ حدیث مشہور ہے کہ فرمایا: ''میں تمہارے اندر دو بھاری چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں۔ ایک اللہ کی کتاب دوسری میری عترت (اولاد) جو میرے اہل بیت ہیں جب تک تم ان کا دامن پکڑے رکھو گے گمراہ نہ ہو گے۔''

(مسلم کتاب فضائل الصحابہ حدیث ۳۶، دارمی کتاب فضائل القرآن باب ۱، مسند احمد جلد ۳ صفحہ ۱۴)

یہ بھی معلوم ہوا کہ سادات کرام کو اہل بیت رسول ﷺ ہونے کی وجہ سے دوسرے لوگوں کی نسبت دوہرا حصہ دینا چاہیے۔ خلفاء راشدین حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کو مال غنیمت اور سرکاری وظائف میں دوسرے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی نسبت کہیں زیادہ حصہ دیا کرتے تھے۔

اسی طرح علماء کرام سادات کا حصہ زیادہ رکھتے ہیں۔ میرے والدگرامی محقق اسلام علامہ محمد علی رحمۃ اللہ علیہ اپنے دینی مدرسہ جامعہ رسولیہ شیرازیہ بلال گنج لاہور میں سادات طلباء کو دوسرے طلباء کی نسبت دوہرا حصہ دیتے تھے۔ ایک طالب علم ہونے کا حصہ ایک اولاد رسول ﷺ ہونے کا حصہ اور یہ سلسلہ اب بھی اسی طرح جاری ہے اور جاری رہے گا ان شاء اللہ العزیز۔

## یہ نظریہ کہ اہل بیت پر کوئی پکڑ نہیں، صحیح نہیں ہے

ازواج رسول ﷺ سے فرمایا گیا کہ اگر بالفرض ان سے گناہ سرزد ہوا تو انہیں دوہرا عذاب ہوگا۔ لہٰذا بعض لوگوں کا کہنا کہ اہل بیت پر پکڑ نہیں خواہ وہ جو بھی کریں قرآن کے خلاف ہے۔ بلکہ اہل بیت کے لیے دوسرے لوگوں کی نسبت دوہری پکڑ ہے۔ ایک گناہ کرنے کی وجہ سے، دوسرا حرمت نسبت رسول ﷺ کو پامال کرنے کی وجہ سے۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ﴿٢١٤﴾ 'اے رسول ﷺ! اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرسنائیں۔'' (شعراء، ٢١٤) کے نزول پر نبی ﷺ نے فرمایا: اے بنو ہاشم! خود کو نار جہنم سے بچالو اپنی گردنیں آگ سے چھڑالو میں تمہیں (مرضی خدا کے بغیر) اللہ تعالیٰ سے نہیں بچا سکتا۔ پھر آپ نے اپنے اہل بیت کی طرف توجہ کی اور فرمایا: اے عائشہ بنت ابوبکر، اے حفصہ بنت عمر، اے فاطمہ بنت محمد، اے ام زبیر عمۃ رسول اللہ خود کو نار جہنم سے بچا لو میں تمہیں (حکم الٰہی کے بغیر) اللہ تعالیٰ سے نہیں بچا سکتا۔ (طبرانی کبیر جلد ٨ صفحہ ٢٢٥ حدیث ٧٨٩٠ مطبوعہ دار احیاء بیروت)

لہٰذا بعض سادات کا یہ سمجھنا کہ وہ بخشے بخشائے ہیں خواہ وہ جو بھی کریں قطعی غلط ہے۔ ہاں اللہ تعالیٰ نسبت رسول ﷺ کا صدقہ ضرور عطا فرمائے گا۔ مگر وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے جس پہ چاہے کرے، جس پہ چاہے نہ کرے۔

[22] یعنی اے ازواج رسول ﷺ! دنیا کی کوئی عورت تمہارے اس منصب کا مقابلہ نہیں کر سکتی کہ تم اس رسول معظم کی ازواج ہو جن کی عظمت کا کوئی انسان اللہ نے بنایا ہی نہیں، تو اس منصب کا یہ تقاضا ہے کہ تم تقویٰ اختیار کرو اور کسی اجنبی مرد سے بات کرتے ہوئے اپنے لہجے میں نرمی اور لوچ نہ رکھو ورنہ جس کے دل میں بے حیائی کا مرض ہے وہ طمع لائے گا اور آگے بڑھ کر مزید باتیں کرنے کی کوشش کرے گا اور ہمیشہ بھلائی کی بات کرو یعنی جو احادیث تم اپنے شوہر سید البشر ﷺ سے سنتی ہو وہ آپ کی امت تک پہنچاؤ اور بلاشبہ تمام ازواج رسول ﷺ نے ان ارشادات خدا کا عملی نمونہ بن کر دکھایا۔ وہ تقویٰ کا مجسمہ بن گئیں، انہوں نے شرعی احکام بتانے کے علاوہ کبھی کسی اجنبی مرد سے بات نہ کی اور ان کے پردے کا یہ عالم تھا کہ جب سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی قبر بنی تو وہ اپنے حجرے میں

حجاب کے ساتھ آتی تھیں اور ازواج رسول ﷺ سے جو احادیث سنی انہیں امت تک پہنچایا اس سلسلہ میں سب سے زیادہ کردار ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ادا کیا جن سے قریباً چھ ہزار سے زیادہ احادیث مروی ہیں۔

## افضیلت ازواج رسول ﷺ

لَسۡتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ سے صاف ثابت ہوا کہ ازواج رسول ﷺ تمام مومنہ عورتوں سے افضل ہیں اور پیچھے اسی سورت میں گزر چکا ہے وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ آپ کی ازواج سب اہل ایمان کی مائیں ہیں اور اہل ایمان میں سب مومنہ عورتیں بھی شامل ہیں تاہم اس سے سیدہ مریم اور سیدہ فاطمہ خاتون جنت رضی اللہ عنہا مستثنیٰ ہیں۔ سیدہ مریم کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَاصۡطَفٰىكِ عَلٰى نِسَآءِ الۡعٰلَمِيۡنَ﴿۴۲﴾ اے مریم! اللہ نے تجھے تمام خواتین عالم پر فضیلت دی ہے۔ (آل عمران، ۴۲) البتہ اس میں تاویل ہوسکتی ہے کہ وہ اپنے زمانہ کی خواتین سے افضل تھیں جیسے بنی اسرائیل سے کہا گیا: وَاَنِّىۡ فَضَّلۡتُكُمۡ عَلَى الۡعٰلَمِيۡنَ اور یہ فضیلت ان کے زمانہ سے خاص تھی اور سیدہ خاتون جنت کے بارے میں حدیث مشہور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے فاطمہ! کیا تم اس پہ راضی نہیں ہو کہ تمام مومنہ عورتوں کی سردار ہو یا یہ کہ اس امت کی تمام عورتوں کی سردار ہو۔ (مسلم کتاب فضائل الصحابہ حدیث ۹۸)

اور ایک حدیث میں ہے کہ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے آپ سرکار ﷺ نے فرمایا تم تمام خواتین اہل جنت کی سردار ہو۔ (ترمذی کتاب المناقب باب ۲۰) خلاصہ یہ ہے کہ سیدہ خاتون جنت رضی اللہ عنہا تمام خواتین اہل ایمان سے کلیتاً افضل ہیں۔

## عورت کو غیر مرد سے بات کرتے ہوئے غیر لچکدار لہجہ رکھنا چاہئے

فَلَا تَخۡضَعۡنَ بِالۡقَوۡلِ سے معلوم ہوا کہ اجنبی مرد سے باتیں کرتے ہوئے عورت کو مسکرانا نہیں چاہئے کیونکہ اس طرح دل ایک دوسرے کی طرف کھنچتے ہیں اور فتنہ کا دروازہ کھلتا ہے۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ عورتوں کا فلموں ڈراموں اور سٹیج ڈراموں میں مردوں کے ساتھ مل کر کام کرنا اور باہم ہنسی مذاق کرنا ہرگز جائز نہیں۔ مگر اب تو بات ہنسی مذاق سے بہت بڑھ گئی ہے۔ اب تو بے حیائی اپنی آخری حدیں چھو رہی ہے۔ مسلمان عورتیں مختصر لباس کے ساتھ فلموں ڈراموں میں ناچتی گاتی اور جسم کی نمائش کرتی ہیں۔ بس اللہ تعالیٰ کے غضب کو دعوت دی جارہی ہے۔

وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ

اور ہمیشہ بھلائی کی بات کہا کرو اور اپنے گھروں میں قرار پکڑو اور پرانی جاہلیت کی طرح بن ٹھن کر باہر نہ نکلو اور نماز قائم کرو،

وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ

زکوٰۃ دو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو [23]۔ اے نبی کے گھر والو! اللہ تو یہی چاہتا ہے کہ تم سے ہر برائی

الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ۝۳۳ وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ

دور کر دے اور تمہیں خوب پاک کر دے اور تمہارے گھروں میں

بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا ۝۳۴

جو اللہ کی آیات اور حکمت پڑھی جاتی ہے اسے یاد رکھو بے شک اللہ لطف و کرم والا اخبر رکھنے والا ہے۔ [24]

[23] یعنی اے ازواج رسول! تم اپنے گھروں میں ٹھہرو اور جس طرح پرانے دور جاہلیت میں عورتیں بن سنور کر بازاروں میں نکلتی تھیں اس طرح تم باہر مت نکلو اور نماز و زکوٰۃ کی پابندی اور اللہ و رسول کی اطاعت کرو یہ حکم بظاہر ازواج رسول سے فرمایا گیا مگر اس سے تمام مومنہ عورتوں سے خطاب مراد ہے۔

### اُم المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر گھر سے نکل کر بصرہ جانے کا اعتراض اور اس کا جواب

اس جگہ وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ کے تحت شیعہ لوگ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پہ اعتراض کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تو ازواج رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گھروں میں رہنے کا حکم فرمایا تھا۔ مگر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا مدینہ طیبہ چھوڑ کر بصرہ جا پہنچیں اور جنگ جمل کی قیادت کرتی رہیں۔ یہ کیسے جائز ہے؟۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ ازواج رسول گھروں میں ٹھہریں اور دور جاہلیت کی طرح بن ٹھن کر نہ نکلیں۔ گویا اللہ تعالیٰ نے انہیں مطلقاً گھر سے باہر نکلنے سے منع نہیں کیا بلکہ بے پردگی کے ساتھ باہر نکلنے سے منع فرمایا ہے۔ چنانچہ ازواج رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عہد نبوی میں اور اس کے بعد اپنی ضروریات کے لیے باہر جاتی تھیں۔ مگر مکمل پردے کے ساتھ اور سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا مسلمانوں میں یعنی اپنے بیٹوں میں اٹھنے والے فساد و فتنہ کو فرو کرنے کی نیت سے بصرہ گئیں اور پورے پردے میں گئیں۔ کسی اجنبی مرد کی آنکھ انہیں دیکھ نہیں سکی۔ آپ کے لیے لوہے کا ہودج (کجاوہ) بنایا گیا تھا آپ اسی میں رہیں۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۷ صفحہ ۴۵۳ مطبوعہ دار الریان بیروت)

اور آپ اپنے محرم حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے ساتھ گئیں جو آپ کے سگے بھانجے لگتے تھے، کیونکہ عبد اللہ بن

زبیر رضی اللہ عنہا کی والدہ حضرت اسماء بنت ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہما ہیں۔ لہذا اس بیہودہ اعتراض میں کچھ وزن نہیں ہے۔
پھر یہ بھی یاد رہے کہ اگرچہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بصرہ جانا کسی بھی شرعی اعتراض میں نہیں آتا اور آپ بغرض اصلاح ہی گئی تھیں۔ پھر بھی آپ کو اس کا عمر بھر افسوس رہا اور جب بھی اس کو یاد کرتیں تو رو رو کر اپنا دوپٹہ تر کر لیتیں اور حضرت مریم رضی اللہ عنہا کے الفاظ میں اس آیت کو دہراتیں: یٰلَیۡتَنِیۡ مِتُّ قَبۡلَ ہٰذَا وَ کُنۡتُ نَسۡیًا مَّنۡسِیًّا (۲۳) ''اے کاش میں اس سے پہلے مرگئی ہوتی اور بھولی بسری چیز ہوتی۔'' (درمنثور جلد ۶ صفحہ ۶۰۰ بروایت ابن ابی شیبہ و ابن سعد)

## عورت کا مردوں کے شانہ بشانہ ان سے گھل مل کر کام کرنا جائز نہیں

وَقَرۡنَ فِیۡ بُیُوۡتِکُنَّ میں یہ درس ہے کہ عورت کا کام گھر کی ذمہ داریاں سنبھالنا ہے اور مرد کا کام باہر نکل کر رزق کمانا ہے اور کسی مجبوری کے بغیر عورت کو کسب معاش کے لئے نہیں نکلنا چاہئے اور اگر وہ مجبوراً نکلے تو لازم ہے کہ باپردہ ہو اور علیحدہ کام کرے کیونکہ جب وہ اجنبی مردوں میں گھل مل کر دفتروں فیکٹریوں اور دوکانوں میں کام کرے گی تو اس کے لئے اپنی عصمت کا بچانا مشکل تر ہو جائے گا۔ یورپ و امریکہ میں عورتوں نے اسی طرح کیا اور آج وہاں عورت کی عزت و ناموس کی دھجیاں اُڑ گئی ہیں اور وہاں تیس سے چالیس فی صد بچے حرامی پیدا ہوتے ہیں۔
دراصل قرآن کا حکم یہ ہے کہ مرد باہر نکل کر کسب معاش کرے اور عورت گھریلو ذمہ داریاں نبھائے۔ اسی لیے فرمایا گیا: فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلۡغَیۡبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰہُ ؕ ''یعنی نیک بیویاں وہ ہیں جو شوہر کی اطاعت کریں اور اس کی غیر موجودگی میں (اس کے گھر، مال اور اولاد کی) حفاظت کریں جیسے اللہ نے حفاظت کا حکم فرمایا۔'' (نساء، ۳۴)
اور بیوی کے نان و نفقہ اور لباس و رہائش سب کا ذمہ دار شوہر کو بنایا گیا ہے۔ چنانچہ فرمایا گیا: وَعَلَی الۡمَوۡلُوۡدِ لَہٗ رِزۡقُہُنَّ وَ کِسۡوَتُہُنَّ بِالۡمَعۡرُوۡفِ ؕ ''اور بچوں کے باپ پہ عورتوں کا کھانا پینا اور لباس لازم کیا گیا ہے۔'' (بقرہ، ۲۳۳)

## عورت کے بن سنور کر بے پردہ باہر نکلنے کا گناہ

لَا تَبَرَّجۡنَ تَبَرُّجَ الۡجَاہِلِیَّۃِ الۡاُوۡلٰی سے ان عورتوں کو سبق لینا چاہیے جو چست کپڑے پہن کر زلفوں کو لہراتی ہوئی بازاروں میں چلتی اور فلموں ڈراموں میں بے حیائی کا مظاہرہ کرتی ہیں۔
حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''میری امت میں ایسی عورتیں آئیں گی جو باہر نکلیں گی انہوں نے کپڑے پہنے ہوں گے پھر بھی ننگی ہوں گی (ان کا سر ننگا، بازو ننگے اور لباس چست ہوگا) وہ لوگوں کو اپنی طرف مائل کریں گی اور خود ان کی طرف مائل ہوں گی ان کے سر اونٹ کی کوہان نما ہوں گے (بالوں کے اونچے سٹائل بنائیں گی) وہ جنت میں ہرگز نہ جائیں گی بلکہ اس کی خوشبو بھی نہ پائیں گی حالانکہ اس کی خوشبو دور دور سے آئے گی۔'' (مسلم کتاب صفۃ الجنۃ جنت ۵۲) حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''جب عورت خوشبو لگا کر

مردوں کے پاس سے گزرتی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں زنا کار ہے۔'' (ترمذی کتاب الادب باب ۳۵ حدیث ۲۷۸۶)

[24] اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے اہل بیت رسول یعنی اے رسول ﷺ کی گھر والیو! اللہ یہی چاہتا ہے کہ تم سے ہر گناہ دور کر دے اور تمہیں کردار و عمل کے اعتبار سے خوب ستھرا بنا دے۔ چنانچہ اسی لئے ان کے مطالبہ کے باوجود انہیں متاع دنیا کی کوئی چیز نہ دی گئی تاکہ انکے دل حب دنیا سے پاک کر دیئے جائیں اور شیطان کا کوئی وسوسہ انکے قریب نہ بھٹکے۔ چنانچہ ازواج رسول ﷺ کو یوں پاکباز بنا دیا گیا کہ وہ شیطانی اثر والا خواب بھی نہ دیکھتی تھیں۔ ایک بار ایک عورت (ام سلیم رضی اللہ عنہا) نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ اگر عورت کو سوتے میں احتلام ہو جائے تو کیا اس پر غسل واجب ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں: یہ سوال سن کر ازواج رسول حیرانی سے کہنے لگیں کیا عورت کو بھی احتلام آتا ہے؟ (بخاری کتاب العلم باب ۵۰) امام سیوطی فرماتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ ازواج رسول ﷺ احتلام سے پاک تھیں کیونکہ اس میں شیطانی اثر ہوتا ہے۔ اسی لئے وہ اُم سلیم رضی اللہ عنہا کے مذکورہ سوال پر تعجب سے ہنس پڑیں۔

## کیا آیت تطہیر کا ازواج رسول ﷺ سے کوئی تعلق نہیں؟

علماء اہل تشیع اور بعض شیعیت زدہ سنی واعظین سمجھتے ہیں کہ اس آیت کا ازواج رسول ﷺ سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ صرف سیدنا حضرت علی، سیدہ خاتون جنت اور حسنین کریمین رضی اللہ عنہم کے حق میں اتری مگر یہ جاہلانہ و متعصبانہ دعویٰ ہے۔ حق یہ ہے کہ یہ آیت اصل میں ازواج رسول ﷺ ہی کے لئے اتری اور انہی کے لئے گناہوں سے تطہیر کا اعلان کیا گیا البتہ بعد میں حضور سید کائنات ﷺ نے خصوصی دعا کے ذریعے حضرات پنجتن پاک رضی اللہ عنہم کو اس آیت کے تحت داخل کیا۔ اس کے چند دلائل ہیں۔

(۱) اس آیت سے قبل یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ ''اے رسول ﷺ! آپ اپنی ازواج سے فرما دیں۔'' (احزاب: آیت ۲۸) یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ مَنْ یَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَیِّنَةٍ یُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَیْنِ ؕ وَ كَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ یَسِیْرًا ۝۳۰ ''اے ازواج رسول ﷺ! تم میں سے جو بھی کسی کھلے گناہ کا ارتکاب کرے تو اسے دوہرا عذاب دیا جائے گا۔'' (احزاب: آیت ۳۰) اور یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ۔ ''اے ازواج رسول (ﷺ) تم دوسری عورتوں میں سے کسی کی طرح نہیں ہو۔'' (احزاب، آیت: ۳۲) فرمایا گیا۔ جس سے خوب واضح ہے کہ اس سارے رکوع میں پیچھے سے ازواج رسول ہی کا ذکر چلا آ رہا ہے۔ لہٰذا اس آیت میں بھی ازواج مطہرات ہی مراد ہیں اور انہی کی پاکیزگی کا ذکر فرمایا گیا ہے۔

(۲) پھر اس آیت سے قبل لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَیْتُنَّ، وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝۳۲ وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ، اَقِمْنَ، اٰتِیْنَ، اور اَطِعْنَ کے الفاظ موجود ہیں اور اس آیت کے بعد وَاذْكُرْنَ مَا یُتْلٰى فِیْ بُیُوْتِكُنَّ کے الفاظ ہیں جو سب صیغہ ہائے جمع مونث ہیں۔ اور خوب واضح کر رہے ہیں کہ یہ آیت ازواج رسول ﷺ ہی

کے حق میں اتری ہے۔

(۳) اسی لئے قرآن کے مفسر اول حبر امت حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: نزلت فی نساء النبی خاصۃً۔ یہ آیت ازواج رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حق میں خصوصاً اتری ہے۔ (ابن ابی حاتم جلد ۹ صفحہ ۳۱۳۲ حدیث ۱۷۶۷۵)

(۴) اور حضرت عکرمہ تابعی رضی اللہ عنہ فرماتے تھے: من شاء باھلتہ انھا نزلت فی ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ اگر کوئی شخص چاہے تو میں اُس شخص سے مباہلہ کرسکتا ہوں کہ یہ آیت ازواج رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہی کے حق میں اتری ہے۔
(ابن ابی حاتم جلد ۹ صفحہ ۳۱۳۲ حدیث ۱۷۶۷۵)

(۵) اور ہر زبان میں بیوی کو اہل بیت یعنی گھر والی کہا جاتا ہے چنانچہ قرآن میں ہے کہ فرشتوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی حضرت سارہ علیہا السلام سے کہا: رَحۡمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيۡكُمۡ اَهۡلَ الۡبَيۡتِ ؕ اے اہل بیت نبی تم پر اللہ کی رحمت و برکت ہو۔ (ھود، ۷۳) لہٰذا اس میں کوئی شک نہیں کہ اس آیت میں لِيُذۡهِبَ عَنۡكُمُ الرِّجۡسَ اَهۡلَ الۡبَيۡتِ کے الفاظ ازواج رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہی کے حق میں نازل ہوئے ہیں۔

(۶) بخاری شریف میں ہے کہ جب ولیمۂ ام المؤمنین سیدہ زینب رضی اللہ عنہا میں کچھ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حجرہ مبارکہ میں کھانا کھانے کے بعد دیر تک بیٹھے رہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دیگر ازواج کے حجرات میں تشریف لے گئے۔ سب سے پہلے آپ حجرۂ ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا میں گئے اور فرمایا: السلام علیکم اھل البیت و رحمۃ اللہ۔ انہوں نے کہا: وعلیك السلام ورحمۃ اللہ، اسی طرح آپ ہر زوجہ مطہرہ کے حجرہ میں گئے اور اسی طرح سلام فرمایا۔ یعنی بار بار کہا: السلام علیکم اھل البیت ورحمۃ اللہ۔ (بخاری شریف کتاب التفسیر سورہ احزاب حدیث ۴۷۹۳) اس حدیث کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ہر زوجۂ مطہرہ کا نام لے کر اسے اپنی اہل بیت قرار دیا اور یوں اپنی سب ازواج کو اس آیت تطہیر کا مصداق قرار دیا۔

(۷) شیعہ مفسر فضل بن حسن طبرسی نے اس آیت کی تفسیر میں پہلا قول حضرت عکرمہ کے حوالہ سے یہی ذکر کیا ہے کہ ارادبھا ازواج النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم لان اول الآیۃ متوجہ الیھن اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ازواج رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو مراد لیا ہے کیونکہ اس سے پہلی آیات انہی کی طرف متوجہ ہیں۔ (تفسیر مجمع البیان جلد ۸ صفحہ ۱۵۶ مطبوعہ موسسۃ الاعلمی بیروت)

تاہم اس آیت کے نزول کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرات پنجتن پاک کو اس میں داخل کیا۔ اُم المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں یہ آیت اِنَّمَا يُرِيۡدُ اللّٰهُ لِيُذۡهِبَ عَنۡكُمُ الرِّجۡسَ میرے گھر میں نازل ہوئی۔ اس وقت گھر میں سیدہ فاطمہ حضرت علی اور حسن و حسین رضی اللہ عنہم تھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے انہیں اپنی چادر کے نیچے لے لیا اور فرمایا ''اے اللہ! یہ میرے اہل بیت ہیں ان سے ہر نجس کو دور کر دے اور انہیں خوب پاک فرما دے۔'' سیدہ اُم سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کیا میں بھی ان کے ساتھ آ جاؤں؟ آپ نے فرمایا: انت علی خیرٍ تم پہلے ہی بھلائی پر ہو

(یعنی بحیثیتِ زوجہ تم پہلے ہی اہل بیت ہو اور تمہارے ہی حق میں یہ آیت اتری ہے)۔ (ترمذی کتاب المناقب باب ۶۰)

ایک روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: انتِ علیٰ خیرٍ انكِ من ازواج النبی۔ تم بھلائی پر ہو تم ازواج نبی (ﷺ) میں سے ہو۔ (تفسیر ابن جریر جلد ۱۰ صفحہ ۲۹۸ حدیث ۲۸۴۹۷)

اسی لئے اس آیت کے تحت امام قرطبی فرماتے ہیں:

فهذه دعوة من النبی ﷺ لهم بعد نزول الآية احب ان يدخلهم فی الآية التی خوطب بها الازواج۔ یہ آیت ازواج رسول ﷺ کے حق میں پہلے اتری پھر اس کے نزول کے بعد آپ ﷺ نے پسند کیا کہ اس فضیلت میں حضرت علی و فاطمہ و حسن و حسین رضی اللہ عنہم کو بھی داخل کر لیا جائے جو ازواج رسول کے لیے نازل ہوئی۔
(تفسیر قرطبی جلد ۱۴ صفحہ ۱۸۴)

اسی رائے کا اظہار علامہ محمود آلوسی نے کیا وہ کہتے ہیں:

''حضور سید کائنات ﷺ کا اپنی ازواج کو چادر کے نیچے نہ لینا اس لیے نہ تھا کہ وہ آپ کے اہل بیت میں سے نہ تھیں بلکہ اس لیے تھا کہ ان کا اہل بیت رسول میں سے ہونا خود ہی ظاہر ہے کیونکہ آیت کا سیاق و سباق انہی کے بارے میں ہے۔ جبکہ علی و فاطمہ و حسن و حسین رضی اللہ عنہم کو آپ نے چادر کے نیچے داخل کیا کیونکہ اگر ان کو داخل نہ کیا جاتا تو یہی سمجھا جاتا کہ وہ اہل بیت میں سے نہیں ہیں۔ (روح المعانی جلد ۲۲ صفحہ ۱۵ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اسی طرح عارف باللہ امام اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

و هذه كما ترى آية بينة وحجة نيرة على كون نساء النبی ﷺ من اهل بيته قاطعة ببطلان مذهب الشيعة فی تخصيصهم اهل البيت بفاطمة وعلی وابنيه الحسن والحسين رضی الله عنهم۔ یہ آیت ازواج رسول ﷺ کے اہل بیت رسول میں سے ہونے پر واضح دلیل اور روشن حجت ہے اور شیعوں کے اس خیال کے بطلان پر حجتِ قاطعہ ہے جو وہ منصب اہل بیت کو فاطمہ، علی، حسن اور حسین رضی اللہ عنہم سے خاص کرتے ہیں۔
(تفسیر روح البیان جلد ۷ صفحہ ۱۷۱ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

خلاصہ یہ ہے کہ اس آیت میں مذکور شان تطہیر میں ازواج مطہرات بھی شامل ہیں اور اہل عبا یعنی حسنین کریمین اور ان کے والدین عظیمین بھی۔

شیعہ لوگ الجھاؤ پیدا کرنے کے لئے کہتے ہیں کہ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ میں جمع مذکر مخاطب کی ضمیریں ہیں لہٰذا ازواج رسول ان کا مصداق نہیں بن سکتیں مگر کیا وہ نہیں دیکھتے کہ جمع مذکر کی ضمیریں لفظ اہل بیت کے مذکر ہونے کی وجہ ہیں اور قرآن میں اس لفظ کی وجہ سے بیوی کو جمع مذکر صیغوں سے اکثر یاد کیا گیا ہے جیسے هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰۤى اَهْلِ بَيْتٍ يَّكْفُلُوْنَهٗ ''کیا میں تمہیں ایسے گھر والے نہ بتاؤں جو اس بچے کی کفالت کر سکتے ہیں۔'' (قصص: ۱۲)

رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ط ''اے زوجہ رسول! تم پہ اللہ کی رحمت اور برکات ہوں۔''
(ھود: ۷۳)

فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا، موسیٰ علیہ السلام نے اپنی بیوی سے فرمایا ٹھہرو۔ (طٰہٰ: ۱۰) ان سب آیات میں لفظ اہل بیت کے مذکر ہونے کی وجہ سے بیوی کو جمع مذکر کے صیغوں سے بیان کیا گیا ہے۔ تو یہی ماجرا اس جگہ آیت تطہیر میں بھی ہے، مگر افسوس ہے کہ اہل تشیع ان باتوں کی طرف کچھ توجہ نہیں کرتے اور ان کی دیکھا دیکھی بعض سنی واعظین بھی ان کی بولی بولنے لگے ہیں۔ حیرت ہے کہ وہ قرآن کریم کی ان واضح نصوص کی طرف کیوں نہیں دیکھتے؟

## آیتِ تطہیر سے اہلِ تشیع کا ائمہ اہل بیت کے معصوم عن الخطاء ہونے پر غلط استدلال

اس سے بھی آگے بڑھ کر شیعہ فرقہ نے اس آیتِ تطہیر سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے علاوہ حضرت مولا علی المرتضیٰ سیدہ فاطمہ الزہراء اور حسنین کریمین رضی اللہ عنہم کے معصوم عن الذنب والخطاء ہونے پر استدلال کیا ہے۔ اور یہ ان کا عقیدہ ہے کہ بارہ امام انبیاء کی طرح معصوم، منصوص من اللہ اور ساری مخلوق سے حتی کہ سب انبیاء سے افضل ہیں۔ بہر حال اس آیت سے ان کا مذکورہ استدلال قطعی بے بنیاد ہے۔

اوّلاً: یہ آیت ازواج مطہرات امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن کے حق میں نازل ہوئی ہے، نزول کے اعتبار سے اس آیت کا علی و فاطمہ و حسنین رضی اللہ عنہم سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔ البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بعد میں دعا کے ذریعہ انہیں اس آیت کے تحت داخل کیا جیسا کہ ہم گزشتہ اوراق میں اس کی مکمل تحقیق لکھ آئے ہیں۔

ثانیاً: لفظ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا سے صرف طہارت ثابت ہوتی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ایسی قلبی پاکیزگی عطا فرمائی کہ وہ شیطان کے حملوں سے محفوظ ہو گئے اور یہ طہارت اللہ تعالیٰ امت کے دیگر نیک افراد کو بھی جس قدر چاہے عطا فرماتا ہے۔ جیسے ارشاد ربانی ہے: خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ اے رسول آپ مومنوں کے اموال سے صدقہ لیں جس کے ذریعہ آپ انہیں پاک کر دیں۔ (توبہ ۱۰۳) اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ۔ ''اللہ چاہتا ہے کہ تمہیں پاک کرے اور تم پہ اپنی نعمت کو پورا کرے۔'' (مائدہ ۶) گویا اللہ تعالیٰ اپنے بعض محبوب بندوں کو نہ صرف پاک کرتا ہے بلکہ ان پہ اپنی نعمت کو تمام فرماتا ہے۔ تو کیا ایسے سب لوگ اہل تشیع کے نزدیک معصوم قرار پائیں گے؟ کیونکہ لفظ تطہیر تو ان کے لیے بھی آ گیا ہے۔

ثالثاً: اس آیت میں انما حرف حصر ہے یعنی انما یرید اللہ لیذھب الخ، پھر اہل تشیع اس آیت کو پنجتن پاک سے مخصوص قرار دیتے ہیں۔ اگر ایسی بات ہے تو پھر تطہیر بھی انہی سے خاص ٹھہری۔ پھر باقی ائمہ اہل بیت کی تطہیر کی نفی ماننا پڑے گی۔ تو بارہ ائمہ اہل بیت کرام کی معصومیت کا دعویٰ کدھر گیا۔ اللہ تعالیٰ حق کو سمجھنے اور ماننے کی توفیق عطا فرمائے۔

## شانِ طہارتِ ازواجِ رسول ﷺ:

جب یہ آیت اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا﴿۳۳﴾ ازواج رسول کے حق میں اتری ہے تو پھر ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ اور ام المؤمنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہما پر اہل تشیع کا کیچڑ اُچھالنا قرآن سے ٹکر لینا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے انکی طہارت کا اعلان فرمادیا تو انکے بارے میں بدزبانی کرنے والا ناپاک دل اور ناپاک عقائد رکھتا ہے۔ کیا اللہ تعالیٰ نے بے خبری میں ان کی طہارت کا اعلان کردیا ہے؟ ان کی پاکیزگی وطہارت کا یہ عالم ہے کہ وہ بُرے خواب سے بھی محفوظ ہیں۔ جیسا کہ ہم ابھی پیچھے اس ضمن میں بخاری کتاب العلم سے حدیث لکھ آئے ہیں کہ ازواج رسول ﷺ احتلام سے بھی پاک تھیں۔

اسی لیے جب ام سلیم رضی اللہ عنہا نے احتلام کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا تو ازواج رسول ﷺ سن کر ہنس پڑیں اور بڑے تعجب سے کہنے لگیں کیا عورت بھی احتلام دیکھتی ہے؟۔ اور وہ اس قدر پاک ہیں کہ انہی کے حق میں یہ آیت اتری، اَلطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ ''پاک عورتیں پاک مردوں کے لیے اور پاک مرد پاک عورتوں کے لیے۔'' (نور، ۲۶) یعنی جب رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر کوئی پاک نہیں تو آپ ﷺ کی ازواج مطہرات کی پاکیزگی میں کیا شک کیا جاسکتا ہے۔

## شانِ طہارتِ پنجتن پاک

جب حضور ﷺ نے حضرات پنجتن پاک حضرت علی المرتضیٰ، سیدۃ فاطمۃ الزہراء، امام حسن مجتبیٰ اور امام حسین رضی اللہ عنہم کو چادر میں لے کر ان کے حق میں دعاء تطہیر کردی اور انہیں اس آیت کے تحت داخل کرلیا تو پھر امام عالی مقام امام حسین رضی اللہ عنہ کو واقعہ کربلا کے حوالے سے باغی کہنے اور آپ کی کردارکشی کرنے والے خوارج زمانہ کو خوفِ خدا سے کام لینا چاہئے۔

| | |
|---|---|
| ان کی پاکی کا خدائے پاک کرتا ہے بیاں | آیت تطہیر سے ظاہر ہے شان اہل بیت |
| اہل بیت پاک سے گستاخیاں بے باکیاں | لعنةُ الله عليكم دشمنانِ اہل بیت |

## خوارجِ زمانہ کا امام حسین رضی اللہ عنہ کو باغی اور یزید پلید کو جنتی کہنا

دیکھیں جن کو رسول اللہ ﷺ کی پاک گود میں پرورش نصیب ہوئی۔ ان کی پاکیزگی کا کیا کہنا ہے۔ اُن سے کیسے توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ دنیوی اقتدار کے لیے اس قدر حبِ جاہ میں مبتلا ہوں کہ امت میں تلوار چلادیں اور اپنی کرسی کے لیے مسلمانوں کا خون بہائیں؟ معاذ اللہ، ان کی عظمت کا یہ عالم ہے کہ انہیں رسول اللہ ﷺ نوجوانانِ جنت کا سردار فرماتے ہیں۔ جب کہ باغی کے لیے اعلان جہنم ہے۔ باغیوں کے لیے صاف فرمایا گیا: ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي

الدُّنْیَا وَلَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴿۳۳﴾ یہ ''ان کے لیے دنیا میں ذلت ہے اور آخرت میں ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔'' (مائدہ، ۳۳) تو کیا رسول اللہ ﷺ نے باغیوں کو نوجوانان جنت کا سردار قرار دیا ہے؟

پھر کس قدر شقاوت قلبی ہے خوارج زمانہ کی کہ وہ یزید کو جنتی قرار دینے پہ زور لگا رہے ہیں اور اس کو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ حالانکہ یزید کے سیاہ کارناموں کا تصور کر کے روح کانپ اٹھتی ہے۔ اس نے آل رسول ﷺ کو بیدردی کے ساتھ دشت غربت میں ظالمانہ انداز میں قتل کیا اور جن ظالموں نے شہزادگان خاندان رسالت کے سروں کو نیزوں پہ اٹھایا ان کی نوکریاں پکی کیں۔ پھر اہل مدینہ پہ ظلم کا بازار گرم کیا، سینکڑوں صحابہ و تابعین کا قتل عام کیا، اہل مدینہ کی پاک بچیوں کیساتھ زنا بالجبر کیا گیا، ایک ہزار کنواری پاک باز لڑکیوں کو زنا کا حمل ٹھہرا، مسجد نبوی کے مقدس صحن کو گدھوں اور خچروں کے بول و براز سے آلودہ کیا گیا اور کعبہ شریف کو آگ لگائی گئی۔ جس وقت یزید مردود کی شام میں موت واقع ہوئی اسوقت کعبۃ اللہ کے پردے یزیدی فوج کے ہاتھوں آگ سے جل رہے تھے۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۲۲۸ مطبوعہ دار الریان بیروت)

خوارج ایسے شخص کو جنتی کہنے پہ زور لگا رہے ہیں اور نواسۂ رسول ﷺ امام عالی مقام امام حسین رضی اللہ عنہ کو باغی سمجھتے ہیں۔ باغی کو قرآن جہنمی کہتا ہے۔ جبکہ قرآن اہل بیت کی پاکیزگی کا اعلان کر رہا ہے اور رسول اللہ ﷺ امام حسین رضی اللہ عنہ کو اپنی کملی شریف (چادر مبارک) میں لیکر انہیں آیت تطہیر میں شامل فرما رہے ہیں اور انکو نوجوانان جنت کا سردار قرار دے رہے ہیں۔

## حدیث مبارکہ سے حسنین کریمین اور پنجتن پاک کے چند فضائل

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کے بارے میں فرمایا: هما ریحانتای من الدنیا۔ ''وہ دونوں دنیا میں میرے پھول ہیں۔''
(بخاری کتاب المناقب باب ۲۲ حدیث ۳۵۷۳۔ ترمذی کتاب المناقب حدیث ۳۷۷۰)

گویا جن بدبخت ترین لوگوں نے حسنین کریمین کو شہید کیا انہوں رسول اللہ ﷺ کے دو پھولوں کو مسل دیا۔ گویا انہوں نے قلب رسول اللہ ﷺ پہ دو گہرے زخم لگا دیے۔ تو ان سے بڑھ کر رسول اللہ ﷺ کو ایذاء دینے والا کون ہے اور جو آپ کو ایذاء دے اللہ تعالیٰ اسے ملعون قرار دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ۔ ''بیشک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو ایذاء دیتے ہیں اللہ ان پہ دنیا و آخرت میں لعنت فرماتا ہے۔ (احزاب، ۵۷) تو ملعونوں کو مرحوم اور رضی اللہ عنہ کہنا کیسی الٹی سوچ ہے۔

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ ایک صبح رسول اللہ ﷺ تشریف لائے۔ آپ نے سیاہ بالوں سے بنی ہوئی لکیر دار چادر اوڑھ رکھی تھی۔ اتنے میں حسن بن علی رضی اللہ عنہما آ گئے، آپ نے ان کو اپنی چادر میں داخل کر لیا۔ پھر حسین بن علی رضی اللہ عنہما آ گئے، آپ نے ان کو بھی داخل کر لیا۔ پھر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا آ گئیں، آپ نے ان کو بھی داخل کر لیا۔ پھر حضرت

مولا علی رضی اللہ عنہ آ گئے، آپ نے ان کو بھی چادر میں لے لیا، پھر فرمایا: اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ﴿۳۳﴾ (صحیح مسلم کتاب الفضائل حدیث ۲۴۲۴) یہ حدیث بھی بتارہی ہے کہ آیت تطہیر پہلے نازل ہو چکی تھی۔ بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حسنین کریمین اور سیدہ خاتون جنت اور مولا علی رضی اللہ عنہم کو اپنی چادر میں لے کر ان کے لیے یہ آیت پڑھی۔ گویا دعاء کی کہ یہ بھی اس آیت میں داخل ہوں، یا ان کو داخل کیا۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: الحسن والحسين سيدا شباب اهل الجنة۔ ''حسین وحسین رضی اللہ عنہما جنتی نوجوانوں کے سردار ہیں۔'' (ترمذی کتاب المناقب باب ۳۰ حدیث ۳۷۶۸) امام ترمذی نے فرمایا: هذا حديث حسن صحيح، یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کہتے ہیں ''میں نے ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے اپنے کمبل میں کوئی چیز اٹھا رکھی ہے۔ اسی طرح آپ باہر تشریف لائے۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! آپ نے کیا اٹھا رکھا ہے؟ آپ نے کمبل اٹھایا تو اس میں حسن وحسین رضی اللہ عنہما تھے۔'' پھر آپ نے فرمایا:

''یہ دونوں میرے بیٹے اور میرے نواسے ہیں اور فرمایا: اللهم انى احبّهما فاحبّهما واحبّ من يحبّهما۔ اے اللہ! میں ان سے محبت رکھتا ہوں، تو بھی ان سے محبت رکھ اور جو ان دونوں سے محبت رکھے تو اس سے بھی محبت رکھ۔''
(ترمذی کتاب المناقب حدیث ۳۷۶۹)

حضرت یعلیٰ بن مرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

حسين منّى وانا من حسين احب الله من يحب حسينا، حسين سبط من الاسباط۔ ''حسین مجھ سے ہے میں حسین سے ہوں، جو حسین سے محبت رکھے اللہ تعالیٰ اس سے محبت رکھتا ہے۔ حسین نسلوں میں سے ایک نسل ہے۔'' (یعنی اس کے ذریعہ میری اولاد کی ایک بڑی نسل چلے گی)۔ (ترمذی کتاب المناقب حدیث ۳۷۷۵) امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن ہے۔

## شانِ اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں مفسر کی لکھی ہوئی ایمان افروز منقبت

ہے درخشاں دونوں عالم میں مقامِ اہل بیت — مثلِ خورشیدِ فلک تاباں ہے نامِ اہل بیت
اہل قربیٰ کی مودت حکم ہے قرآن کا — اور جزوِ دیں ہے بیشک احترامِ اہل بیت
خود رسول اللہ نے ان کی محبت فرض کی — اور صحابہ نے سکھایا ہے مقامِ اہل بیت
جاں دینا دیں کی خاطر کوئی ان سے سیکھ لے — ہمت وجرأت شجاعت ہے پیامِ اہل بیت
وقت کے شمروں یزیدوں کے لیے ہر دور میں — صاعقہ باراں ہے تیغِ بے نیامِ اہل بیت
ہیں اکٹھے حشر تک قرآن اور آلِ نبی — ہے کتاب اللہ سے یہ انضمامِ اہل بیت

ان کے ذکر خیر سے معمور ہے قرآن پاک
اور نمازوں میں بھی شامل ہے سلام اہل بیت
ہے کلید خلد طیبِ حبِ آلِ مصطفیٰ
شکر مولا میں بھی ہوں ادنیٰ غلام اہل بیت

اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ

بے شک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اور مومن مرد اور مومنہ عورتیں اور اطاعت والے مرد اور اطاعت والی عورتیں

وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ

اور سچے مرد اور سچی عورتیں اور صبر والے مرد اور صبر والی عورتیں اور عجز والے مرد اور عجز والی عورتیں اور صدقہ کرنے والے مرد

وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِيْنَ

اور صدقہ کرنے والی عورتیں [25] اور روزہ دار مرد اور روزہ دار عورتیں اور پاکدامنی کی حفاظت کرنیوالے مرد اور حفاظت کرنیوالی

فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ ۙ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ

عورتیں اور کثرت سے اللہ کو یاد کرنے والے مرد اور یاد کرنے والی عورتیں، اللہ نے ان کے لئے

مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۳۵﴾

مغفرت اور بڑا اجر تیار کیا ہے [26]

## اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا حکم

[25] گزشتہ رکوع میں ازواج رسول ﷺ کے ذریعے تمام مومنہ عورتوں کو تقویٰ، پردہ، نماز، زکوٰۃ اور اطاعت خدا و رسول کا حکم دیا گیا۔ اب اسی زمرہ میں خواتین اسلام کو مزید اسلامی احکام و آداب بتائے جا رہے ہیں اور تمہیداً ساتھ میں مردوں کا بھی ذکر لایا گیا ہے۔ اس کا شان نزول یہ ہے کہ ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ قرآن میں مردوں ہی کا ذکر کیا جاتا ہے عورتوں کا نہیں تب یہ آیت نازل ہوئی: اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ ۙ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۳۵﴾ (ابن ابی حاتم جلد ۹ صفحہ ۳۱۳۳ حدیث ۱۷۶۸۶) گویا عورتوں کی دل جوئی کے لئے یہاں دس صفات میں ان کا مردوں سے الگ ذکر کیا گیا۔ اسلام،

ایمان،قنوت (اطاعت )،صدق،صبر،خشوع،صدقہ،روزہ، پاکدامنی کی حفاظت اور کثرتِ ذکر۔

یہاں سب سے پہلے اسلام اور ایمان کا ذکر کیا گیا کیونکہ یہی دو الفاظ دین کا خلاصہ ہیں۔ یاد رہے اسلام اور ایمان میں یہ فرق ہے کہ ایمان کا عقائد سے تعلق ہے اور اسلام کا اعمال سے۔یعنی اللہ ورسول کی ہر بات کا ماننا ایمان ہے اور اس پہ عمل کرنا اسلام۔لہذا اللہ، رسول، قیامت، قرآن، دوسری آسمانی کتابوں، رسولوں اور فرشتوں وغیرہ کا ماننا ایمان ہے اور نماز وزکوٰۃ وروزہ وحج وغیرہ کی ادائیگی اسلام ہے۔گویا ایمان کا دل سے تعلق ہے اور اسلام کا ظاہری اعضاء سے۔اسکے بعد قنوت کا ذکر ہوا،قنوت (اطاعت) یہ ہے کہ اللہ ورسول کے ہر حکم پر سر تسلیم خم اور اپنی مرضی کو ان کی مرضی میں گم کر دیا جائے اسی کو احسان واخلاص بھی کہا گیا ہے یہی تصوف اور طریقت ہے۔اس کے بعد صدق وصبر کا ذکر ہوا کیونکہ ایمان و اسلام واطاعت کا راستہ بہت کٹھن ہے اس راستہ پر سچائی کا دامن تھامے اور صبر سے مدد لئے بغیر چلنا ممکن نہیں۔کیونکہ اس کے لئے ہر ماسویٰ اللہ تعالیٰ سے بغاوت کرنا پڑتی ہے اور اللہ ورسول کی اطاعت سے روکنے والی ہر طاقت سے ٹکرانا پڑتا ہے۔پھر اس راہ پر چلنے والوں کو جب کچھ کامیابی ملتی ہے تو شیطان ان کے دل میں غرور اور خود پسندی پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے اس لئے آگے خشوع یعنی خوفِ خدا کا ذکر کیا گیا۔اس کے بعد صدقہ کا بیان لایا گیا جس کا مفہوم خلق خدا سے ہمدردی ہے۔اور اس جذبہ کے بغیر سب عبادات ضائع ہیں۔

[26] اس کے بعد روزہ کا ذکر کیا گیا کیونکہ شیطان عبادات میں خلل ڈالتا ہے اور دل کو عبادت سے ہٹاتا ہے اور روزہ ڈھال ہے جو بندے کو شیطان اور نفس کے حملوں سے بچاتا ہے۔روزے کے بعد پاکدامنی کی حفاظت یعنی عفت وشرم کا ذکر لایا گیا کیونکہ سچے اور مقبول روزے کا فائدہ یہ ہے کہ شہوت کا زور ٹوٹے اور پاکدامنی کی حفاظت آسان ہو اسی لئے حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ہے کہ ''اے نوجوانو! نکاح کرو اور جو نکاح نہ کر سکے وہ روزے رکھے۔'' (بخاری کتاب الصوم باب ۱۰) اور آخر میں کثرت ذکر الٰہی کی بات کی گئی کیونکہ دین پر وہی عمل کر سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کو یاد رکھے ورنہ شیطان کا غلبہ یقینی ہے۔

اس جگہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب شوہر بیوی کو جگائے پھر دونوں اٹھ کر دو رکعت (یعنی نماز تہجد ہے) پڑھیں تو وہ اس رات کثرت سے اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے والے شمار ہوں گے۔'' (ابن ابی حاتم جلد ۹ صفحہ ۳۱۳۴) گویا وہ غفلت کی نیند نہیں سوئے بلکہ نیند میں بھی اللہ تعالیٰ کو یاد رکھا اور انہوں نے جسم کو سکون پہنچانے کے ساتھ روح کو بھی سکون پہنچایا۔

یہاں سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اجر میں مرد اور عورت برابر ہیں، اسی لیے اس آیت میں اعمال صالحہ کے اندر مرد اور عورت کا ایک ساتھ برابر ذکر کیا گیا۔البتہ مرد کی برتری صرف یہ ہے کہ اسے بعض حکمتوں کے باعث گھر کا سربراہ بنایا گیا ہے۔اس سے ہٹ کر ثواب وعقاب اور جزاء وسزا میں دونوں برابر ہیں کیونکہ کسی کی نیکی کسی سے کم نہیں۔

اس سے اسلام میں عورت کے مقام کی اہمیت معلوم ہوئی۔ اس لیے اسلام پر یہ اعتراض رکھنا کہ اس میں عورت کو لونڈی اور قیدی بنادیا گیا ہے سراسر بہتان ہے

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ

کسی مومن مرد اور مومنہ عورت کے لئے جائز نہیں کہ جب اللہ اور اسکا رسول کسی معاملہ کا فیصلہ کر دے تو انکے لیے

لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ؕ۳۶

اپنے معاملہ میں کوئی اختیار ہو اور جو اللہ اور اس کے رسول سے نافرمانی کرے وہ کھلی گمراہی میں جا پڑتا ہے۔ [27]

[27] یہ آیت حضرت سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے حق میں اتری اور بتایا گیا کہ نیک عورتیں کس طرح اللہ ورسول کی اطاعت کرتی ہیں واقعہ یہ ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے غلام حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے بے حد پیار تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں آزاد کر کے اپنا بیٹا قرار دیا تھا۔ پھر آپ نے ایک دن اپنی پھوپھی زاد بہن سیدہ زینب بنت جحش سے فرمایا کہ تم زید سے شادی کرلو وہ آمادہ نہ ہوئیں۔ آپ نے فرمایا نہیں تم ضرور شادی کرو۔ وہ کہنے لگیں آپ مجھے سوچنے کا موقع دیں یہی بات ہو رہی تھی کہ یہ آیت اتر آئی: وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ؕ۳۶ یعنی جب اللہ اور اس کا رسول کسی مومن مرد یا عورت کو کوئی حکم دے دیں تو انہیں یہ اختیار نہیں کہ وہ اس حکم سے اعراض کریں اور جو اللہ ورسول کے حکم سے نافرمانی کرے وہ کھلا گمراہ انسان ہے۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے اسی وقت عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اسی وقت خود کو زید کے نکاح میں دیتی ہوں۔ (ابن جریر طبری جلد ۱۰ صفحہ ۳۰۱ حدیث ۲۸۵۱)

## مقامِ حدیث

اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا سے پتہ چلا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہر حکم خواہ وہ بصورتِ قرآن ہو یا بصورتِ حدیثِ صحیح، ہر مومن مرد وعورت پر نافذ ہے اور اس سے انحراف جائز نہیں اسی لئے دوسری جگہ ارشاد ہوا: فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۶۵ ''تو آپ کے رب کی قسم! لوگ مومن نہیں کہلا سکتے جب تک وہ اپنے مابین ہر جھگڑے میں آپ کا فیصلہ نہ مان لیں پھر آپ کے فیصلہ کے بارے میں اپنے دلوں میں کھٹکا نہ لائیں اور اسے خوب مانیں۔'' (نساء: ۶۵)

لہٰذا ہر حدیث صحیح اور حدیث حسن پر عمل واجب ہے اور اس سے احکام شرعیہ یعنی حلال وحرام، پاک و ناپاک اور حقوق و فرائض ثابت ہوتے ہیں۔ جبکہ حدیث ضعیف سے کوئی واجب ثابت نہیں ہوتا البتہ اس سے مندوب و مستحب

ثابت ہو جاتا ہے اور اگر حدیثِ ضعیف متعدد طرق سے مروی ہو کر درجہ صحت یا حسن کو پہنچ جائے تو اس سے بھی احکام ثابت ہو سکتے ہیں۔ (مقدمہ اشعۃ اللمعات جلد اول صفحہ ۷ مطبوعہ سکھر پاکستان) البتہ حدیثِ موضوع سے اجتناب واجب ہے اور نہ ہی اس کا بیان کرنا جائز ہے۔ الا یہ کہ اسے موضوع ثابت کرنے کے لیے بیان کیا جائے۔

## شریعت پر عقل قربان ہے

یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ و رسول کا ہر حکم ماننا ضروری ہے خواہ اس کی حکمت سمجھ میں آئے یا نہ آئے، اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ سے صاف معلوم ہوا کہ مومن یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ حکم میری سمجھ میں نہیں آیا۔ لہٰذا میں اسے نہیں مانوں گا۔ وجہ یہ ہے کہ اہل اسلام اللہ تعالیٰ کی فوج ہیں۔ فوجی کا کام ہے کمانڈر کا حکم ماننا اور جو فوجی یہ کہے کہ جب تک میری سمجھ میں اس کا مقصد نہ آئے میں یہ حکم نہ مانوں گا اسے فوج میں رہنے کا حق نہیں۔ مومن اللہ و رسول کا کلمہ پڑھتا ہے اپنی عقل کا نہیں۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ؎

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق　　عقل تھی محو تماشائے لبِ بام ابھی
گزر جا عقل سے آگے کہ یہ نور　　چراغِ راہ ہے منزل نہیں ہے

## ختمِ نبوت

اس آیت میں اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اور وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ سے خوب واضح ہوا کہ قرآن کے مخاطبین کے لیے ایک ہی رسول ہے کیونکہ رَسُوْلَهٗ اسم معرفہ ہے جو ایک ہی ذات پہ بولا جا سکتا ہے اور یہ آیت بتا رہی ہے کہ اب تا قیامت صرف اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کا فیصلہ چلے گا کسی اور کا نہیں، اور جو ان کا فیصلہ نہ مانے وہ مومن نہیں ہے۔ یہ چیزیں بھی اسی امر پہ دلالت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اس امت کے لیے کوئی اور نبی یا رسول نہیں ہے کہ جس کا فیصلہ اللہ کے فیصلے کی طرح جاری ہو۔ اب صرف حضور خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کا فیصلہ چلے گا۔

وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَیْهِ اَمْسِكْ عَلَیْكَ

اور اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) یاد کریں جب آپ اس شخص سے جس پر اللہ نے اور آپ نے انعام کیا ہے، کہتے تھے کہ

زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ وَتُخْفِیْ فِیْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِیْهِ وَتَخْشَى النَّاسَ ج

اپنی بیوی کو اپنے پاس رکھو اور اللہ سے ڈرو اور آپ اپنے دل میں وہ چیز چھپاتے تھے جسے اللہ ظاہر کرنے والا تھا اور لوگوں سے ڈرتے تھے

وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰىهُ ط فَلَمَّا قَضٰى زَیْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَیْ لَا

اور اللہ زیادہ حقدار ہے کہ آپ اُس سے ڈریں [28] پھر جب زید (رضی اللہ عنہ) نے اپنی بیوی کو مکمل چھوڑ دیا تو ہم نے

یَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ حَرَجٌ فِیْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِیَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ

اسکا نکاح آپ سے کر دیا تا کہ مومنوں پر ان کے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے بارے میں حرج نہ رہے جب بیٹے ان کو مکمل چھوڑ دیں

وَطَرًا ط وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ﴿۳۷﴾ مَا كَانَ عَلَى النَّبِیِّ مِنْ حَرَجٍ فِیْمَا

اور اللہ کا کام ہو کر رہتا ہے [29] نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) پر اس بارے میں کوئی حرج نہیں جو اللہ نے ان کے لئے مقرر کیا ہے۔ یہی اللہ کا

فَرَضَ اللّٰهُ لَهٗ ط سُنَّةَ اللّٰهِ فِی الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ط وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ

طریقہ ان (انبیاء) میں رہا ہے جو پہلے گزرے۔ اللہ کا حکم طے شدہ تقدیر ہے یعنی وہ انبیاء جو اللہ کے

قَدَرًا مَّقْدُوْرًا ﴿۳۸﴾ الَّذِیْنَ یُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَیَخْشَوْنَهٗ وَلَا یَخْشَوْنَ

پیغامات پہنچاتے اور اللہ سے ڈرتے تھے اور انہیں اللہ کے سوا

اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ ط وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِیْبًا ﴿۳۹﴾

کسی کا ڈر نہ تھا۔ اور اللہ حساب لینے میں کافی ہے [30]۔

[28] حضرت زید رضی اللہ عنہ اور سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کا باہم نکاح اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ہو تو گیا، مگر ان دونوں میں باہمی محبت پیدا نہ ہو سکی کیونکہ حضرت زینب بہت حسن و جمال والی تھیں اور جناب زید واجبی شکل رکھتے تھے۔ پھر سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا نسب بہت اعلیٰ تھا وہ باپ کی طرف سے قریشی قبیلہ بنو اسد سے تھیں اور ماں کی طرف

سے قریشی، ہاشمی، مطلبی خاندان سے۔ ان کی والدہ حضور سید کائنات ﷺ کی سگی پھوپھی امیمہ بنت عبدالمطلب بن ہاشم تھیں جبکہ حضرت زید غلام تھے۔ بکتے بکاتے مکہ میں آئے تھے۔ وہاں سے ان کو سیدہ ام المؤمنین خدیجہ ؓ نے خرید لیا اور بعد میں ان کو رسول اللہ ﷺ کی ملک میں دیدیا۔ اس لئے سیدہ زینب کو ان سے محبت نہ ہو سکی۔ انہوں نے صرف اللہ ورسول کے حکم پر سر جھکایا تھا، رہا یہ سوال کہ اللہ ورسول نے انہیں اس نکاح پر کیوں مجبور کیا تو اس کی حکمت آگے بیان ہو رہی ہے۔

حضرت زید اگرچہ ایک غلام تھے مگر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ ان پر اللہ نے اور اے پیارے رسول آپ نے انعام فرمایا تھا۔ اللہ کا انعام یہ ہے کہ انہیں ایمان اور غلامی رسول کا اعزاز دیا۔ اور آپ کا انعام ہے کہ آپ نے انہیں آزاد کر کے اپنا بیٹا قرار دیا اور اپنی پھوپھی زاد بہن سے ان کا نکاح کر دیا۔ مگر جب حضرت زینب کے دل میں جناب زید کے لئے شوہر والا مقام پیدا نہ ہوسکا تو انہوں نے حضور سید کائنات ﷺ سے ایک دن عرض کیا کہ وہ زینب کو طلاق دینا چاہتے ہیں۔

ادھر حضور ﷺ بھی دیکھتے تھے کہ زینب مجبوری کی زندگی گزار رہی ہے آپ کے دل میں آیا کہ اگر زید واقعتاً اسے طلاق دے دے تو آپ اسے اپنی زوجیت میں لے سکتے ہیں مگر آپ کو یہ ڈر تھا کہ کفار اعتراض کریں گے دیکھو انہوں نے اپنے بیٹے کی مطلقہ بیوی سے نکاح کر لیا ہے کیونکہ حضور ﷺ نے حضرت زید کو منہ بولا بیٹا قرار دیا تھا۔ اس لئے آپ نے اپنے دل کی بات کو دل ہی میں رکھتے ہوئے حضرت زید سے فرمایا کہ تم زینب کو طلاق نہ دو اسے اپنے پاس ہی رکھو۔ اس بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے پیارے حبیب ﷺ! آپ کفار کے اعتراض سے کیوں ڈرتے ہیں۔ وہ تو کبھی اعتراض سے باز نہ آئیں گے یعنی ہم چاہتے ہیں کہ زید اسے طلاق دے اور آپ اس سے نکاح کریں تاکہ ہماری حکمت کا تقاضا پورا ہو جو آگے بیان ہو رہا ہے۔

[29] آخر حضرت زید ؓ نے ایک برس تک نکاح قائم رکھنے کے بعد سیدہ زینب ؓ کو طلاق دے دی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جب زید نے اپنی بیوی سے رغبت ختم کر دی یعنی اسے مزید اپنے نکاح میں نہ رکھنا چاہا اور طلاق دے دی تو اے پیارے حبیب ﷺ! ہم نے اس عورت کا نکاح آپ سے کر دیا۔ تاکہ مومنوں پر اپنے منہ بولے بیٹوں کی مطلقہ بیویوں سے نکاح کرنے میں کوئی حرج نہ رہے۔

دراصل ظہور اسلام سے قبل عرب میں یہ رسم جاہلانہ تھی کہ لوگ جس نوجوان کو دولت مند مدبر اور صاحب شرافت دیکھتے اسے دنیوی مفادات کے لئے اپنا منہ بولا بیٹا قرار دیتے اور اس کا نسب اپنے ساتھ ملا لیتے اور اس پر سگے بیٹے کے احکام جاری کر دیتے چنانچہ اگر ان کا منہ بولا بیٹا کسی عورت سے نکاح کر کے اسے طلاق دے دیتا تو وہ اس عورت سے اپنا نکاح حرام جانتے۔ اس سے ان کا مقصد یہ ہوتا کہ وہ اس نوجوان کی دولت پر قبضہ کریں اور اس سے دوسرے سیاسی فوائد حاصل کریں اس رسم بد کی تردید یوں بھی فرمائی گئی: وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ ؕ ''اللہ نے تمہارے منہ

بولے بیٹوں کو تمہارے حقیقی بیٹے نہیں بنایا۔" (احزاب:۴) تو اس رسم بد کی تردید کے لئے اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ پہلے حضور ﷺ کے منہ بولے بیٹے حضرت زید رضی اللہ عنہ کا نکاح حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے کیا جائے پھر وہ انہیں طلاق دیں پھر ان سے حضور ﷺ خود نکاح کریں تا کہ مسلمانوں کو اچھی طرح سے باور ہو جائے کہ منہ بولا بیٹا حقیقی بیٹا نہیں ہوتا اور اس کی مطلقہ بیوی سے اس کا منہ بولا باپ نکاح کرسکتا ہے۔

## اسلام میں غلاموں کی عزت افزائی

نبی اکرم ﷺ نے اپنی عالی نسب پیکر جمال پھوپھی زاد بہن سے اپنے غلام کا نکاح کر کے دنیا کو بتایا کہ غلام بھی انسان ہیں وہ دوسرے درجے کی مخلوق نہیں ہیں۔ غلام نوازی کی اس سے بہتر مثال پیش نہیں کی جاسکتی۔ اسلام سے پہلے انسانیت طبقاتی اختلاف کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی تھی، دور جاہلیت میں غلاموں کو جانوروں کی طرح رکھا جاتا تھا، لونڈیوں سے زبردستی بدکاری کروائی جاتی تھی۔ اسلام نے آ کر غلاموں اور لونڈیوں کی عزت بحال کی اور ان کے حقوق کا تحفظ کیا۔ گویا حضرت زید رضی اللہ عنہ کے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے ساتھ مذکورہ نکاح کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ طبقاتی اختلاف کا خاتمہ کیا جائے۔ ہندوؤں میں آج بھی شودر ہندو برہمن ہندوؤں کے ساتھ برابر نہیں بیٹھ سکتے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ بھگوان نے برہمنوں کو اپنے سر سے اور شودروں کو اپنے پاؤں سے پیدا کیا ہے۔ مگر اسلام میں سب انسان برابر ہیں، ذات برادری کی وجہ سے کوئی کسی سے ممتاز نہیں ہے۔ (البتہ سادات کرام کو نسبت رسول ﷺ کی وجہ سے ایک خاص درجہ حاصل ہے کیونکہ آپ سے نسبت رکھنے والی ہر چیز عظیم ہے اور سادات کی عظمت بھی ایسی نہیں کہ اس سے طبقاتی اختلاف پیدا ہو۔)

## حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت

قرآنِ مجید میں اگر انبیاء کرام علیہم السلام کے سوا کسی مومن مرد کا نام لیا گیا ہے تو وہ حضرت زید رضی اللہ عنہ ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا۔ جب زید نے اس عورت کو چھوڑ دیا تو ہم نے اس کا نکاح آپ سے کیا۔ انہی کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَيْهِ کہ اللہ نے بھی اس پہ انعام کیا اور اے نبی آپ نے بھی اس پہ انعام کیا۔ اُم المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں نبی اکرم ﷺ نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو کبھی کسی لشکر میں مامور بنا کر نہ بھیجا ہمیشہ امیر ہی بنا کر بھیجا اگر وہ حضور ﷺ کے بعد زندہ رہتے تو یقیناً آپ ان کی خلافت کا اعلان کر کے جاتے۔ (مسند احمد بن حنبل جلد ۲ صفحہ ۲۰) جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو ایک لشکر کا امیر بنایا تو بعض لوگوں نے اس پر اعتراض کیا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تم نے اس کے باپ زید کی امارت پر بھی اعتراض کیا تھا اللہ کی قسم! وہ مجھے سب لوگوں سے محبوب تر تھا اور اب اس کا بیٹا مجھے سب لوگوں سے محبوب تر ہے۔ (بخاری کتاب الفضائل حدیث ۳۷۳۰) حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے جنگ موتہ میں سن 8 ھجری میں ملک شام میں جام شہادت نوش فرمایا۔

## حضرت سیدہ زینب ام المومنین رضی اللہ عنہا کی فضیلت

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: زَوَّجۡنٰکَهَا اے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم نے آپ کا زینب سے نکاح کیا۔ اسی لیے آپ فرمایا کرتی تھیں میں ازواج رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نسب کے اعتبار سے آپ سے قریب تر ہوں کہ میں آپ کی پھوپھی زاد ہوں۔ میرا نکاح رحمان نے عرش کے اوپر آپ سے کیا اور اس کا سفیر حضرت جبرائیل کو بنایا۔ (مستدرک) سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے ولیمہ کا ذکر قرآن کریم میں وارد ہوا جو آگے اسی سورہ احزاب میں آ رہا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہا تمام ازواج رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر سخاوت کرنے والی تھیں۔ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میرے بعد تم میں سے مجھے سب سے پہلے وہ آ کر ملے گی (فوت ہوکر جنت میں میرے پاس پہنچے گی) جسکا ہاتھ تم میں سے زیادہ لمبا ہے۔ ازواج رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ہاتھ ناپے تو حضرت سودہ کا ہاتھ زیادہ لمبا تھا۔ مگر ازواج میں سے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا وصال سب سے پہلے ہوا۔ تب انہوں نے سمجھا کہ لمبے ہاتھ سے مراد زیادہ سخاوت ہے۔ (مسلم کتاب فضائل الصحابہ حدیث ۴۴) سن 20 ھجری میں ان کا وصال ہوا۔ امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان کا جنازہ پڑھایا اور جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔

## نکاح میں اصلِ کفو صرف اسلام ہے

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے باپ کی طرف سے قریشی اسدی اور ماں کی طرف سے ہاشمی مطلبی خاندان کی لڑکی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا اپنے غلام حضرت زید رضی اللہ عنہ سے نکاح کر کے بتا دیا کہ لڑکی لڑکے میں شرعاً کُفُوٌ (مماثلت) صرف اسلام ہے۔ نسب، مال، حسن اور دیگر چیزیں ثانوی درجہ رکھتی ہیں اور قرآن کریم بھی فرماتا ہے: وَجَعَلۡنٰکُمۡ شُعُوۡبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوۡا ؕ اِنَّ اَکۡرَمَکُمۡ عِنۡدَ اللّٰہِ اَتۡقٰکُمۡ ؕ ''ہم نے تمہارے مختلف طبقات اور قبائل بنائے ہیں تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو، بے شک تم میں سے اللہ کے ہاں معزز تر وہی ہے جو تم میں زیادہ تقویٰ والا ہے۔'' (حجرات: ۱۳)

لہٰذا جب کسی شخص کو اپنے بیٹے یا بیٹی کے لیے ایمان و عمل کے لحاظ سے اچھا رشتہ مل جائے تو پھر نسب یا مالداری وغیرہ کے اختلاف کو اہمیت نہیں دینی چاہیے، اسی پہ اکتفاء نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے بعد حضرت زید رضی اللہ عنہ کے بیٹے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کا نکاح فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا سے کیا۔ (صحیح مسلم کتاب الطلاق حدیث ۳۸) اور فاطمہ بنت قیس قریش کے قبیلہ بنوفہر سے تعلق رکھتی تھیں۔ (اسد الغابہ جلد ۸ صفحہ ۲۲۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت) جبکہ حضرت اسامہ غلام زادے تھے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خوب واضح کر دیا کہ اصل کفو صرف اسلام ہے، ذات پات کی وجہ سے کسی نکاح پہ پابندی نہیں لگائی جا سکتی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

تُنکحُ المرأةُ لاربعٍ لِمالِها ولِحسبِها وجمالِها ودينِها، فاظفرْ بذاتِ الدينِ، تربتْ يداكَ۔
کسی عورت سے نکاح چار خوبیوں میں سے کسی ایک خوبی کی وجہ سے کیا جاتا ہے۔ اس کے مال کو دیکھا جاتا ہے، اس کا

نسب (خاندان) پسند آتا ہے، اس کا جمال بھاجاتا ہے، یا اس کا دین (ایمان وعمل) اچھا لگتا ہے۔ تو تم صرف دین کو اختیار کرلو، تمہارے ہاتھ خاک آلودہوں (یعنی تم خاکساری اختیار کرو)
(بخاری کتاب النکاح باب ۱۶، نسائی کتاب النکاح باب ۱۳، ابن ماجہ کتاب النکاح باب ۶)

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اذا اتاکم من ترضون خلقه ودينه فزوّجوه الا تفعلوا تكن فتنة فی الارض وفساد كبير۔

جب تمہارے پاس ایسا شخص آئے (یعنی ایسا رشتہ آجائے) کہ تم اس کے خلق اور دین کو پسند رکھتے ہو تو تم اس سے (اپنی لڑکی کا) نکاح کردو، اگر تم ایسا نہیں کروگے تو زمین میں فتنہ اور بڑا فساد بپا ہوگا۔
(سنن ابن ماجہ کتاب النکاح حدیث ۱۹۶۷۔ سنن کبریٰ للبیہقی جلد ۷ صفحہ ۸۲)

ان احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لڑکی کے رشتہ کے لیے صرف دین اور خلق کو اہمیت دی ہے۔ یعنی حسنِ عقیدہ وحسنِ عمل پہ زور دیا ہے۔ اس کے علاوہ ذات پات، حسن وجمال اور مال ودولت سب کو ثانوی چیزیں قرار دیا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی سگی دو بیٹیوں رقیہ وام کلثوم رضی اللہ عنہما کا نکاح حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے اور اپنی بیٹی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح ابوالعاص رضی اللہ عنہ سے کیا اور وہ دونوں غیر ہاشمی تھے۔ یعنی نسب میں آپ کی بیٹیوں سے کم تر تھے۔

البتہ فقہاء اسلام نے کفوٗ کا صرف اس قدر اعتبار کیا ہے کہ اگر کوئی لڑکی نسب، علم، مال یا کسب کے اعتبار سے ادنیٰ کفوٗ میں اپنی مرضی سے شادی کرلے جو والدین کے لئے عار ہو تو وہ بذریعہ عدالت فسخ نکاح کرواسکتے ہیں۔ اور کفو کا یہ اعتبار بھی صرف احناف نے کیا ہے۔ دوسرے فقہاء کرام اس درجہ کا اعتبار بھی نہیں کرتے۔ لیکن اگر والدین اپنی مرضی سے لڑکی کا نکاح کریں تو جہاں چاہیں کرسکتے ہیں کسی کفو کی قید نہیں۔ احناف کے ہاں بھی وہ نکاح مسلم ہے اور اسے کوئی عدالت فسخ نہیں کرسکتی۔ لہٰذا اگر سادات کرام اپنی بیٹی کا نکاح کسی غیر سید مرد سے کردیں تو وہ کرسکتے ہیں۔ اس سے پیدا ہونے والی اولاد اپنے والدین کی شرعی وارث ہے۔ اس نکاح کو تسلیم نہ کرنا قانون اسلام کو چیلنج کرنے کے برابر ہے۔ البتہ حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ سادات کرام اپنی بیٹیوں کا نکاح سادات ہی میں کریں کیونکہ میاں بیوی میں نسبی تفاوت اُن میں عدم ہم آہنگی کا سبب بنتا ہے۔ جیسا کہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا اور حضرت زید رضی اللہ عنہ کے معاملہ میں ہوا۔ مگر وہاں تو حکم الٰہی کی تکمیل ضروری تھی۔

[30] یعنی اللہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے جتنی شادیوں کی اجازت دی ہے اس میں ان کے لئے کوئی حرج نہیں اور ام المؤمنین سیدہ زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے دراصل جب آپ نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کے طلاق دینے کے بعد سیدہ زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا تو یہود مدینہ اور دیگر کفار نے یہ بھی کہا کہ آخر آپ اتنی شادیاں کیوں کرتے ہیں اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری۔ آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا گزشتہ انبیاء کرام میں بھی اللہ کا یہی طریقہ رہا کہ انہوں نے بحکم الٰہی متعدد شادیاں کیں۔ وہ انبیاء بھی اللہ کے پیغامات پہنچاتے اور اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرتے

تھے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی سات سو بیویاں اور تین سو لونڈیاں تھیں۔ (تورات کتاب سلاطین باب ۱۱ آیت ۳ ص ۳۴۰) اس کے باوجود یہود و نصاریٰ کا صرف حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کثرت ازدواج کا اعتراض کرنا ذاتی بغض و عناد کے سوا کچھ نہیں ہے۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ

محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں ہیں۔ مگر وہ اللہ کے رسول ہیں [31] اور سب انبیاء میں سے آخری

النَّبِيّٖنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمًا ۟ؑ

نبی ہیں اور اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔ [32]

ع ۵

## خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان ختم نبوت

[31] اسے آیت ختم نبوت کہتے ہیں۔ اس کا ہر جملہ ختم نبوت کا بیان ہے۔ چنانچہ جب کفار نے اعتراض کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زید کی مطلقہ سے نکاح کیوں کیا ہے؟ بیٹے کی مطلقہ سے تو نکاح حرام ہے۔ تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ ۔ کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں ہیں یعنی حضرت زید آپ کے حقیقی بیٹے نہیں ہیں کہ یہ اعتراض وارد ہو، وہ تو صرف منہ بولے بیٹے ہیں۔ یہاں یہ فرمایا جانا کہ ''محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں ہیں'' اس لئے ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یوں تو چار بیٹوں طیب، طاہر، قاسم اور ابراہیم کے باپ تھے مگر وہ چاروں شیر خوارگی ہی میں فوت ہو گئے ان میں سے کوئی بھی جوان نہ ہوا کہ مرد کہلا سکتا اس لئے فرمایا گیا: مِّنْ رِّجَالِكُمْ ۔

اور اس میں حکمتِ الٰہیہ یہ تھی کہ اگر آپ کا کوئی بیٹا جوان ہوتا تو کوئی فتنہ پرست گمراہ انسان کہہ سکتا تھا کہ اگر پہلے انبیاء کی اولاد انبیاء بنتی رہی ہے تو آپ سید الانبیاء ہیں آپ کا بیٹا بطریق اولیٰ نبی ہونا چاہئے اور یوں فتنۂ انکار ختم نبوت کا دروازہ کھلتا۔ اللہ تعالیٰ نے عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ کے لئے اپنے محبوب کے چاروں بیٹوں کو شیر خوارگی ہی میں دنیا سے اٹھا لیا۔

دوسرے لفظوں میں حضور خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عقیدۂ ختم نبوت کی حفاظت کے لئے اپنے چار بیٹوں کی قربانی دے دی۔ اگر آپ چاہتے تو اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے کہ آپ کے بیٹے فوت نہ ہوں مگر آپ اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور اس کی حکمت پر راضی تھے اور صدمے پہ صدمہ اٹھائے جا رہے تھے جب آپ کا آخری بیٹا ابراہیم فوت ہوا جو صرف چھ ماہ جیا تو آپ نے اس کی لاش اپنی جھولی میں رکھی اور آپ کی آنکھوں سے چھم چھم آنسو برسنے لگے۔ آپ کی زبان مبارک سے اتنے ہی الفاظ نکلے: ''اے ابراہیم آج تیرے فراق پر ہمارا دل بہت دکھا ہے۔'' (بخاری کتاب الجنائز)

## حضور ﷺ کے بعد آپ کا کوئی حقیقی بیٹا بھی ''امتی نبی'' نہیں بن سکتا

آج مرزائی کہتے ہیں کہ مرزا غلام احمد قادیانی امتی نبی ہے۔ مگر چونکہ رسول اللہ ﷺ کے بعد کوئی امتی نبی نہیں آ سکتا۔ حتی کہ آپکا کوئی بیٹا بھی امتی نبی بن سکتا۔ اسی لیے آپ ﷺ کے بیٹوں کو بچپن میں اٹھالیا گیا تا کہ کوئی شخص انہیں انبیاء مان کر کفر میں مبتلا نہ ہو، چہ جائیکہ کہ چودھویں صدی کا ایک ناکام وکیل اور مراق زدہ شخص مرزا غلام احمد قادیانی امتی نبی کہلا سکے۔

## آپ کے بعد تشریعی وغیر تشریعی ہر طرح کی نبوت کا دروازہ بند ہے

مرزائی گروہ کہتا ہے کہ حضور ﷺ کے بعد نئی کتاب اور نئی شریعت کے ساتھ کوئی نبی (یعنی تشریعی نبی) نہیں آ سکتا۔ البتہ آپ ﷺ ہی کی کتاب اور شریعت کی پیروی کرنے والا (غیر تشریعی) نبی یا امتی نبی آ سکتا ہے۔ مگر مرزائیوں کا یہ نظریہ قرآن کی روشنی میں قطعاً غلط ہے۔ دیکھئے اگر بالفرض حضور سید کائنات ﷺ کا کوئی بیٹا نبی بنتا تو کیا وہ اپنے باپ کی کتاب اور شریعت سے ہٹ کر نئی شریعت اور کتاب لے آتا؟ نہیں۔ بلکہ وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرح اپنے باپ ہی کی کتاب کا ماننے والا ہوتا اور آپ کی امت میں سے ہوتا مگر چونکہ خاتم النبیین ﷺ کے بعد کوئی تشریعی یا غیر تشریعی نبی نہیں آ سکتا اس لئے آپ کے چاروں بیٹوں کو شیر خوارگی ہی میں اٹھالیا گیا اور فرمایا گیا: مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنۡ رِّجَالِكُمۡ۔

گویا مرزا قادیانی وہ ظالم وسفاک انسان ہے جسے رسول اکرم ﷺ کے آنسوؤں پر بھی رحم نہ آیا اور اس نے اس عقیدہ پر ڈاکہ ڈالنے کی کوشش کی جس کے تحفظ کے لئے حضور ﷺ نے اپنے چار بیٹے قربان کر دیئے۔

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَلٰكِنۡ رَّسُوۡلَ اللّٰهِ

یعنی حضور سید کائنات ﷺ جسمانی طور پر تو کسی مرد کے باپ نہیں ہیں مگر رسول اللہ ہونے کے ناطے آپ اپنی ساری اُمت کے ایمانی وروحانی باپ ہیں۔ اسی لئے فرمایا گیا: وَاَزۡوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمۡ۔ آپ کی بیویاں سب مومنوں کی مائیں ہیں۔ (احزاب:٦) اب جس طرح بچوں کا جسمانی باپ ایک ہوتا ہے اسی طرح قیامت تک آنے والے تمام مومنوں کا روحانی باپ یعنی رسول بھی ایک ہی ہونا چاہئے اور وہ محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ اسی لئے حضرت عبد اللہ بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ''میرے حصے کی اُمت صرف تم ہو اور تمہارے حصے کا نبی صرف میں ہوں۔'' (مسند احمد بن حنبل جلد ۴ صفحہ ۲۶۶، جلد ۳ صفحہ ۴۷۱) اور جو شخص اپنے جسمانی باپ کے علاوہ بھی کسی کو جسمانی باپ کہے وہ یقیناً حرامی ہے۔ اسی طرح جو شخص خود کو مومن کہنے کے باوجود حضور سید کائنات ﷺ کے سوا کسی کو رسول مانے وہ مومنوں میں سے نہیں ہے بلکہ منافق وملحد ہے۔

[32] یعنی حضور ﷺ اللہ تعالیٰ کے ایسے رسول ہیں کہ سب انبیاء کرام علیہم السلام میں سے آخری نبی ہیں اور اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔تو اس کی حکمت نے یہی تقاضا کیا کہ آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہ ہوتا کہ قرآن اور شریعت محمدیہ میں کوئی تبدیلی نہ ہو سکے۔

## لفظ خاتم النبیین کی معنوی تحریف کا جواب

لفظ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ کے معنیٰ میں مرزائی گروہ یہ معنوی تحریف کرتا ہے کہ اس کا معنی سب سے افضل نبی ہے یعنی وہ نبی جس پر سب انبیاء کے مراتب ختم ہو جاتے ہیں جیسے خاتم المحدثین اور خاتم المحققین وغیرہ الفاظ بولے جاتے ہیں اور معنی یہ ہوتا ہے کہ وہ جس پر تمام محدثین یا محققین کے مراتب ختم ہو جائیں اسی طرح خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ کا بھی یہی معنی ہے کہ وہ نبی جس پر تمام انبیاء کے مراتب ختم ہو جائیں۔لہٰذا اس کا معنی سب سے آخری نبی نہیں ہے مگر مرزائیوں کا بیان کردہ یہ معنی قرآن کی معنوی تحریف ہے۔خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ کا معنی آخری نبی خود حضور سید کائنات ﷺ نے بیان فرمایا ہے۔

چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سید کائنات ﷺ نے ارشاد فرمایا

''میری اور گزشتہ انبیاء کی مثال ایسے ہے جیسے کسی نے گھر بنایا اور اسے خوب آراستہ کیا مگر ایک کونے میں ایک پتھر نہ لگایا۔لوگوں نے گھر دیکھ کر کہا بہت خوبصورت گھر ہے مگر یہ پتھر کی جگہ کیوں خالی ہے۔آگے آپ ﷺ نے فرمایا: فانا اللَّبِنَةُ وَاَنَا خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ تو وہ آخری پتھر میں ہوں اور میں خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ہوں۔''

(بخاری کتاب المناقب باب ۱۸ حدیث ۳۵۳۴۔مسلم کتاب الفضائل حدیث ۲۲)

یعنی نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ میرے آنے سے قبل قصرِ نبوت میں صرف ایک پتھر کی جگہ باقی تھی میں وہ آخری پتھر بن کر آیا تو قصر نبوت پورا ہو گیا۔تو اسی معنی میں (حضور سید عالم ﷺ) خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ہیں۔

اسی طرح حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سید کائنات ﷺ نے ارشاد فرمایا:

سيكونُ فی اُمّتی ثَلاثُونَ كَذَّابُونَ كُلُّهُمْ يَزْعَمُ اَنَّهٗ نَبِيٌّ وَاَنَا خَاتَمُ النَّبِيّٖين لَا نَبِيَّ بَعْدِىْ۔

''میری امت میں تیس کذاب (نہایت جھوٹے اور مکار) لوگ پیدا ہوں گے ان میں سے ہر کوئی کہے گا کہ وہ نبی ہے مگر میں خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔''

(ابوداؤد کتاب الفتن باب ۱ حدیث ۴۲۵۲،ترمذی کتاب الفتن باب ۴۳ حدیث ۲۲۱۹)

اس حدیث میں واشگاف الفاظ میں نبی اکرم ﷺ نے فرما دیا کہ میں اس معنی میں خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ہوں کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے اس کے باوجود خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ کے معنی میں تحریف کر کے نبوت کا دروازہ کھولنے کی کوشش کسی دجال ہی کا کام ہو سکتا ہے اور یہ کام وہ تیس کذاب ہی کر سکتے ہیں جن کی پیش گوئی حدیث میں آئی ہے اور بلاشبہ

مرزا غلام احمد قادیانی انہی میں سے ایک ہے۔

## خود مرزا قادیانی کی زبانی خاتم النبیین کا معنیٰ آخری نبی

مرزا غلام احمد قادیانی نے 1900ء میں دعویٰ نبوت کیا اس سے قبل وہ ختم نبوت کا داعی تھا اور اس کے منکر کو کافر اور دشمن قرآن قرار دیتا تھا۔ اس نے کہا: اے لوگو! قرآن کے دشمن نہ بنو اور خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ کے بعد وحی نبوت کا نیا سلسلہ جاری نہ کرو اس خدا سے شرم کرو جس کے پاس حاضر کئے جاؤ گے۔

(آسمانی فیصلہ صفحہ ۲۵ مندرجہ روحانی خزائن جلد ۴ سن طباعت ۱۸۹۲ء)

وہ کہتا ہے: مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ یہ آیت صاف دلالت کرتی ہے کہ ہمارے نبی ﷺ کے بعد کوئی نیا رسول دنیا میں نہیں آئے گا۔

(ازالہ اوہام جلد دوم صفحہ ۳۸۷ مندرجہ روحانی خزائن جلد ۳ سن طباعت ۱۸۹۱ء)

پھر اس نے کہا: میں مدعی نبوت نہیں ہوں بلکہ ایسے مدعی کو دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں۔

(آسمانی فیصلہ صفحہ ۳۱۳ مندرجہ روحانی خزائن جلد ۴ سن طباعت ۱۸۹۲ء)

مگر 1901ء کے بعد مرزا قادیانی نے کھل کر دعویٰ نبوت کر دیا اور سب شرم وحیاء کو بالائے طاق رکھ کر کہا:

''مجھے خدا نے آنحضرت (ﷺ) کا وجود قرار دیا ہے پس آنحضرت (ﷺ) کے خاتم الانبیاء ہونے میں میری نبوت سے کوئی تزلزل نہیں آیا کیونکہ ظلی طور پر میں محمد ہی ہوں اس طرح خاتم الانبیاء کی مہر نہیں ٹوٹی۔ کیونکہ محمد کی نبوت محمد تک ہی محدود رہی۔'' (ایک غلطی کا ازالہ صفحہ ۸ مندرجہ روحانی خزائن جلد ۱۸ صفحہ ۲۱۲ سن طباعت ۱۹۰۱ء)

سوچیے یہ کتنا بڑا کفر ہے کہ ایک شخص خود کو حضور سید کائنات ﷺ کا وجود قرار دے اور کہے کہ جب میں محمد ہی ہوں تو میرے دعویٰ نبوت سے آپ کے خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ہونے میں فرق نہیں آیا۔ حدیثِ مبارکہ میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ''جس نے خواب میں مجھے دیکھا اس نے مجھے ہی دیکھا کیونکہ شیطان میری مثل نہیں بن سکتا۔'' (بخاری کتاب العلم باب ۳۸، مسلم کتاب الرؤیا حدیث ۱۰) یعنی شیطان کسی کے خواب میں آکر اسے نہیں کہہ سکتا کہ میں محمد (ﷺ) ہوں۔ مگر مرزا غلام احمد قادیانی نے جاگتے ہوئے دعویٰ کیا کہ میں محمد ہوں۔ (معاذ اللہ) گویا جس کفر کی جرأت شیطان سے نہ ہو سکی وہ مرزا قادیانی نے کر دکھایا۔

## لفظ خاتم النبیین میں کوئی استثناء نہیں ہے

یاد رہے لفظ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ سے کوئی نبی مستثنیٰ نہیں ہے اور مرزائیوں کا کہنا کہ اب کوئی تشریعی نبی نہیں آ سکتا مگر غیر تشریعی نبی آ سکتا ہے سب دھوکہ دہی اور الحاد ہے۔ النَّبِيّٖنَ جمع مذکر سالم ہے اور جب اس پر ال حرف تعریف ہو تو وہ برائے استغراق ہوتا ہے اور تمام افراد کو گھیر لیتا ہے۔ جیسے رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (فاتحہ:۱) هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ (بقرہ:۲) اُعِدَّتْ

لِلْكٰفِرِيْنَ (بقرہ:٢٤) وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ (آل عمران:٨١) وغیرہ اسی طرح خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ میں بھی سب انبیاء کرام علیہم السلام داخل ہیں خواہ وہ تشریعی ہوں یا غیر تشریعی۔ صاحب کتاب ہوں یا غیر صاحب کتاب اور حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب کے لئے خاتم ہیں۔

اس جگہ امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نبی اور رسول کے مفہوم میں یہ فرق ہے کہ رسول وہ نبی ہے جسے اللہ تعالیٰ کوئی نئی کتاب نئی شریعت یا نئے احکام دے کر بھیجے (جسے مرزائی اصطلاح میں تشریعی نبی کہا گیا ہے) اور لفظ نبی ہر اس انسان پر صادق آتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی خلقِ خدا کی ہدایت کے لئے منتخب کیا ہو خواہ وہ نئی کتاب یا شریعت لے کر آئے یا نہ آئے (اسی لئے انبیاء کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے اور ان میں سے رسول صرف تین سو تیرہ ہیں اور ایسا مضمون حدیث میں بھی وارد ہے) اب اگر اللہ تعالیٰ و خاتم الرسل یا و خاتم المرسلین کہتا تو ممکن تھا کہ آپ کے بعد کوئی غیر صاحب شریعت یا غیر صاحب کتاب نبی آ سکے مگر جب اللہ تعالیٰ نے خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ کہہ دیا تو آپ کے بعد کسی بھی طرح کے نبی کا آنا ناممکن ہو گیا۔

## خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ کی دونوں قرأتیں ختم نبوت پہ دلالت کرتی ہیں

خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ میں قراء سبعہ میں سے عاصم کوفی کی قرأت تاء کی زبر کے ساتھ خاتَم ہے اور دوسرے چھ قراء کی قرأت خاتِم تاء کی زیر کے ساتھ، خاتِم (زیر کے ساتھ) اسم فاعل ہے جس کا معنی انبیاء کے سلسلہ کا ختم کرنے والا ہے۔ اسی معنی میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جئتُ فختمتُ الانبیاء، میں نے آکر سلسلہ انبیاء کو ختم کر دیا ہے۔ (مسلم کتاب الفضائل حدیث ٢٣) اس قرأت پہ عقیدہ ختم نبوت بہت واضح ہے۔

جبکہ خاتَم (تاء کی زبر کے ساتھ) کا معنی مہر ہے۔ تو خاتم النبیین کا معنی انبیاء کی مہر ہوا۔ یعنی سلسلہ انبیاء کے لئے مہر۔ دراصل جب کوئی لفافہ یا پارسل ڈاکخانے والوں کو دیا جائے تو وہ اس کو بند کر کے اس پر مہر لگاتے ہیں جس کا معنی یہ ہوتا ہے کہ اب اس پارسل سے کچھ نکالا نہیں جا سکتا اور نہ اس میں کچھ ڈالا جا سکتا ہے۔ اسی طرح حضور سید کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آنے سے اللہ تعالیٰ نے سلسلۂ نبوت پر مہر لگا دی ہے اب کسی پہلے نبی کو اس میں سے نکالا نہیں جا سکتا اور نہ ہی کسی نئے نبی کو اس میں ڈالا جا سکتا ہے۔

ختم نبوت پر قرآن کریم کی کثیر آیات دلالت کرتی ہیں میں نے اپنی کتاب ''ختم نبوت از قرآن و حدیث'' میں اس موضوع پر ایک سو پچیس آیات مبارکہ سے ختم نبوت پر استدلال کیا ہے یہاں برکت کے لئے صرف پانچ آیات لکھتا ہوں۔

ختم نبوت آیاتِ قرآن کی روشنی میں

پہلی آیت:

وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ''اور جو لوگ اس وحی پر ایمان لاتے ہیں جو آپ پر اتاری گئی اور جو آپ سے پہلے اتاری گئی۔'' (بقرہ:۴) اگر حضور ﷺ کے بعد بھی کوئی وحی اتاری جانے والی تھی تو ضروری تھا کہ یہاں یہ بھی کہا جاتا وما یُنَزَّلُ بَعْدَكَ کہ جو وحی آپ کے بعد اُتاری جائے گی اس پر بھی ایمان لاتے ہیں مگر ایسا نہیں کہا گیا معلوم ہوا آپ کے بعد کسی قسم کی وحی نبوت نہیں اُترے گی اور یہ ختم نبوت کی واضح دلیل ہے۔

دوسری آیت:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ''اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول (ﷺ) کی اطاعت کرو اور جو تم میں سے حکم والے ہیں ان کی اطاعت کرو۔'' (نساء:۵۹) معلوم ہوا رسول اللہ ﷺ کے بعد قیامت تک کوئی رسول نہیں آئے گا۔ بلکہ آپ کی جگہ اُولِي الْاَمْرِ آئیں گے جو آپ کا دین نافذ کریں گے جن میں حکام، قضاۃ اور مفتیانِ دین سبھی شامل ہیں۔

تیسری آیت:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۱﴾

''اے رسول (ﷺ) کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو، تب اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔'' (آل عمران:۳۱)

معلوم ہوا کہ تا قیامت حضور ﷺ کی اتباع ہی نجات کی ضامن ہے اور یہ کہ آپ کے بعد کوئی ایسی شخصیت نہیں آنے والی جس کی اتباع پر نجات موقوف ہو اگر آپ کے بعد کسی نبی کا آنا ممکن مانا جائے تو معنی یہ ہوگا کہ نئے نبی کے آنے پر حضور ﷺ کی اتباع حصولِ محبتِ الٰہی بخششِ معاصی اور نجاتِ اخروی کے لئے کافی نہ ہوگی بلکہ نئے نبی کی اتباع سے نجات ملے گی۔

چوتھی آیت:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ۭ ''آج میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور تم پہ اپنی نعمت تمام کر دی، اور تمہارے لیے دین اسلام کو پسند کر لیا۔'' (مائدہ، ۳) یہ آیت مبارکہ حجۃ الوداع کے موقع پر نو ذی الحجہ سن 10 ھجری کو میدان عرفات میں نازل ہوئی۔ اس میں دین کی تکمیل کا اعلان کیا گیا۔ اس آیت کی تفسیر میں ہم بیان کر آئے ہیں کہ تکمیل دین کے تین پہلو ہیں۔ سب سے اہم پہلو یہ ہے کہ وہ تمام عقائد جن کے ماننے پہ نجات اخروی موقوف ہے ان سب کو بیان کر دیا گیا ہے۔ کوئی ایسا عقیدہ بیان سے رہ نہیں گیا جسے مانے بغیر انسان کی نجات نہ ہو سکے۔

اس جگہ امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ راز کھولا ہے کہ انبیاء سابقین کے زمانہ میں بھی دین مکمل ہی تھا۔ مگر جب

ایک نبی کے جانے کے بعد دوسرا نبی آجاتا تو حکم ہوتا کہ اب اس پہ بھی ایمان لاؤ جب تک اسے نبی نہیں مانو گے اور اسے صف انبیاء میں شامل نہیں کرو گے تمہارا ایمان ناقص رہے گا، جب اسے مانو گے تو تمہارا ایمان مکمل ہوگا، یہ سلسلہ جاری رہا تا آنکہ رسول اللہ ﷺ آخری نبی بن کر تشریف لے آئے اور فرمایا گیا کہ اب دین مکمل ہوگیا ہے۔ یعنی اب آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا کہ جس کے ماننے کو دین میں داخل کرنا پڑے اور اسے مانے بغیر مومن کا ایمان مکمل نہ ہو۔

پانچویں آیت:

وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۝۵۶ ''اور نماز قائم کرو اور زکوۃ دو اور رسول اللہ (ﷺ) کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔'' (نور، ۵۶) اس آیت میں الرسول فرمایا گیا ہے جو اسم معرفہ ہے اور وہ صرف ایک ذات پہ صادق آسکتا ہے یعنی محمد مصطفیٰ ﷺ، اگر آپ کے بعد مزید رسول آنے والے تھے تو اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ کی بجائے اطیعوا الرسل کہا جاتا۔ معلوم ہوا کہ آپ کے بعد کوئی رسول نہیں آنے والا۔ اور اس مضمون کی آیات سے سارا قرآن بھرا پڑا ہے۔ جیسے قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ (نور، ۵۴) اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ۔ (نور ۵۱) وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ۔ (نساء، ۱۳)

اس سلسلہ میں مزید تحقیق کے لئے ہماری کتاب ''دلائل ختم نبوت مع ردّ قادیانیت'' (مطبوعہ برھان القرآن، دربار مارکیٹ، لاہور) کا مطالعہ فرمائیں۔ اب حصول برکت کے لئے پانچ احادیث لکھی جاتی ہیں۔

## ختم نبوت احادیث صحیحہ مشہورہ کی روشنی میں

پہلی حدیث:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کانت بنی اسرائیل تسوسهم الانبیاء کلما هلك نبی خلفه نبی ولانه لانبی بعدی وسیکون خلفاء فیکثرون. بنی اسرائیل کی سیاست (حکومت واقتدار) ان کے انبیاء ہی کرتے تھے۔ ایک نبی کے فوت ہونے پر دوسرا نبی ان کا حاکم بن کر آجاتا مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے البتہ خلفاء ہوں گے اور کثیر ہوں گے۔

(بخاری کتاب احادیث الانبیاء حدیث ۳۴۵۵، مسلم کتاب الامارۃ، مسند احمد بن حنبل جلد ۲ صفحہ ۲۹۷)

معلوم ہوا آپ کے بعد خلفاء اور مسلم حکمرانوں کی ذمہ داری ہے کہ آپ کی شریعت زمین پر نافذ کریں اب کوئی غیر تشریعی یعنی امتی نبی بھی نہیں آئے گا جو آپ ﷺ کی شریعت نافذ کرے کیونکہ آپ کے بعد باب نبوت بند کر دیا گیا ہے۔ آخر مرزائی لوگ ان احادیث کو چشم عبرت بیں کے ساتھ کیوں نہیں پڑھتے؟

دوسری حدیث:

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''میں محمد ہوں، میں احمد ہوں، میں ماحی ہوں

جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کفر کو محو کر دے گا اور میں حاشر ہوں جس کے بعد حشر بپا ہو گا (یعنی میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا بلکہ قیامت آئے گی) اور میں عاقب ہوں اور عاقب کا معنی یہ ہے کہ جس کے بعد کوئی نبی نہیں۔'' (بخاری کتاب المناقب باب ۷، مسلم کتاب الفضائل حدیث ۱۲۴) یعنی نبی کریم ﷺ نے اپنا نام عاقب بتایا اور اس کا معنی بھی بیان فرمایا کہ وہ جس کے بعد کوئی نبی نہیں یعنی سب انبیاء کے عقب میں (یعنی بعد میں) آنے والا۔

تیسری حدیث:

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''تم میرے لئے ایسے ہو جیسے موسیٰ علیہ السلام کے لئے ہارون علیہ السلام البتہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔'' (بخاری کتاب المغازی باب ۷۹)

حضور سید کائنات ﷺ نے یہ ارشاد اس وقت فرمایا جب آپ نے غزوہ تبوک پر تشریف لے جاتے ہوئے اپنے چچا زاد بھائی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو مدینہ طیبہ میں اپنا نائب بنایا اور تشبیہ دیتے ہوئے فرمایا کہ اے علی! جیسے موسیٰ علیہ السلام نے طور کی طرف جاتے ہوئے اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کو اپنی قوم میں نائب بنایا تھا اسی طرح میں تمہیں اپنا نائب بنا رہا ہوں کہ تم بھی میرے بھائی ہو۔ البتہ فرق یہ ہے کہ ہارون علیہ السلام نبی تھے اور تم نبی نہیں ہو کیونکہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا۔ یہاں سمجھنے کی بات یہ ہے کہ جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ نبی نہیں بن سکتے جو نسب میں برادرِ رسول، علم میں باب شہر حکمت اور روحانیت میں سید الاولیاء ہیں تو کوئی اور شخص کیسے نبی بن سکتا ہے؟

یہ بھی معلوم ہوا کہ خاتم النبیین ﷺ کے بعد تشریعی و غیر تشریعی ہر طرح کی نبوت کا دروازہ بند ہے۔ کیونکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کو ہارون علیہ السلام سے تشبیہ دی گئی اور وہ غیر تشریعی یعنی امتی نبی تھے۔ معلوم ہوا جب حضرت علی رضی اللہ عنہ غیر تشریعی نبی نہیں بن سکتے کیونکہ باب نبوت ہی بند ہے تو کوئی اور شخص کس طرح غیر تشریعی نبی بن سکتا ہے۔

چوتھی حدیث:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت نہ آئے گی جب تک تیس دجال وکذاب نمودار نہ ہونگے ان میں سے ہر کوئی کہے گا کہ وہ نبی ہے۔'' (بخاری کتاب الفتن باب ۲۵، مسلم کتاب الفتن حدیث ۸۴)

اس حدیث کی روشنی میں جب ہم مرزا غلام احمد قادیانی کو دجال وکذاب کہتے ہیں تو مرزائی لوگ بہت سٹپٹاتے ہیں۔ کہتے ہیں مرزا صاحب کا نام تہذیب سے لو۔ ہم کہتے ہیں حدیث کے مطابق مرزا قادیانی کے لیے دجال وکذاب کا لقب رسول اللہ ﷺ کا عطا کردہ ہے۔ لہٰذا یہ عین تہذیب کے مطابق ہے۔

پانچویں حدیث:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے مرض وصال میں اپنے گھر کا پردہ اٹھایا اسوقت (سر درد کی وجہ سے) آپ نے سر کو (کپڑے سے) باندھا ہوا تھا اور لوگ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پیچھے

کھڑے تھے۔آپ ﷺ نے فرمایا:''اے لوگو! نبوت کی مبشرات میں سے صرف اچھی خوابیں رہ گئی ہیں۔جنہیں ایک مسلمان دیکھتا ہے یا اسے دکھائی جاتی ہیں۔'' (مسلم کتاب الصلوۃ حدیث ۲۰۸) یعنی انبیاء کو جن ذرائع سے علم حاصل ہوتا تھا ان میں سے صرف اچھے خواب باقی رہ گئے ہیں ان کے سوا ہر ذریعہ بند ہو گیا ہے۔

چھٹی حدیث:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سید کائنات ﷺ نے فرمایا ''میری اور گزشتہ انبیاء کی مثال ایسے ہے جیسے کسی نے گھر بنایا اور اسے خوب آراستہ کیا مگر ایک کونے میں ایک پتھر نہ لگایا۔لوگوں نے گھر دیکھ کر کہا بہت خوبصورت گھر ہے مگر یہ پتھر کی جگہ کیوں خالی ہے۔آگے آپ ﷺ نے فرمایا: فانا اللَّبِنَةُ وَاَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ تو وہ آخری پتھر میں ہوں اور میں خَاتَمَ النَّبِيِّيْنَ ہوں۔'' (بخاری کتاب المناقب باب ۱۸ حدیث ۳۵۳۴۔مسلم کتاب الفضائل حدیث ۲۲)

اس حدیث سے جہاں لفظ خاتم النبیین کا معنیٰ آخری نبی معلوم ہوا وہاں یہ بھی پتہ چلا کہ نبی اکرم ﷺ پہ ہر طرح کی نبوت ختم ہو گئی خواہ وہ نبوت تشریعی ہو یا غیر تشریعی کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے مطلقاً فرمایا:''انما مثلی ومثل الانبیاء من قبلی، میری اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مثال یوں ہے'' الخ، لہٰذا جو بھی نبی آپ ﷺ سے قبل گزرا وہ اس میں داخل ہے اور آپ سب سے آخری نبی ہیں۔''

ختم نبوت پر مزید احادیث کے لئے اس جگہ ہماری تصنیف ''دلائل ختم نبوت مع ردِّ قادیانیت'' ملاحظہ فرمائیں۔

## ختم نبوت اور اجماعِ امّت

قرآن وحدیث کے بعد دلائل شرعیہ میں سے تیسرا اجماع امت ہے۔اب اسکی روشنی میں مسئلہ ختم نبوت کو دیکھیں۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد منکرین ختم نبوت پیدا ہوئے اور انہوں نے نبوت کے دعوے کرنا شروع کر دیئے۔یمن میں اسود عنسی اور نجد میں مسیلمہ کذاب نے دعوی نبوت کر دیا، اسی طرح یمن ہی میں ایک عورت بھی دعوی نبوت لے کر اٹھی۔ایسے میں تمام صحابہ کرام نے ان کے خلاف جہاد کا متفقہ فیصلہ کیا۔اس عورت نے توبہ کر لی جبکہ اسود عنسی اور مسیلمہ کذاب رسول اللہ ﷺ کی پیش گوئی کے مطابق قتل کیے گئے۔ان لڑائیوں میں ہزاروں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جام شہادت نوش کیا اور ختم نبوت کے تحفظ کے لیے اپنی جانیں قربان کیں۔یہ تمام امت مسلمہ کا اس بات پہ اجماع تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد دعوی نبوت کرنے والا کافر اور واجب القتل ہے اور اسلامی حکومت کا فرض ہے کہ اسے پکڑے اور جرم ثابت ہونے پر اسے سزائے موت دے۔

پھر ہر زمانہ میں ساری اُمت کا اجماع رہا ہے کہ جب بھی کسی گمراہ شخص نے دعوی نبوت کیا اسے قتل کی سزا دی گئی۔ جیسے مختار ثقفی نے دورِ اُموی میں دعویٰ نبوت کیا تو اسے قتل کیا گیا اسی طرح دورِ عباسی میں کئی مدعیانِ نبوت پھانسی دیے گئے۔ہر زمانہ میں اسلامی حکومتوں کا یہی طریقہ رہا ہے کہ فقہاء دین کے اجماعی فتوؤں کی روشنی میں مدعیان نبوت پر

سزائے موت جاری ہوئی۔ بلکہ مرزا قادیانی نے اپنے زمانہ میں دو قادیانی مبلغ افغانستان بھیجے۔ جب انہوں نے وہاں جا کر اپنا الحاد پھیلانا چاہا تو وہاں کے علماء نے ان کے ارتداد کا فتویٰ دیا اور ان دونوں کو سزائے موت دیدی گئی۔ جس پہ مرزا قادیانی نے بڑے دردناک طریقہ سے ان کے مرثیے لکھے۔

## ختم نبوت اور عقل و استدلال

دلائل شرعیہ میں اجماع امت کے بعد چوتھا قیاس ہے یعنی عقلی دلائل۔ تو عقل و قیاس کا تقاضا بھی یہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد باب نبوت بند ہے۔ تو اب ختم نبوت پر پانچ عقلی دلائل بھی ملاحظہ کر لیں۔

پہلی عقلی دلیل:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آفتاب نبوت ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا کہ ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چمکانے والا آفتاب بنایا ہے۔'' (احزاب: ۴۶) اور باقی سارے انبیاء نبوت کے ستارے ہیں۔ ستارے اس وقت تک چمکتے رہے جب تک آفتاب نبوت فاران کی چوٹیوں سے طلوع نہیں ہوا تھا۔ جب وہ طلوع ہو کر آیا تو سب ستارے چھپ گئے۔ اب کسی نئے ستارے بیچارے مصیبت کے مارے نصیب کے ہارے کی ضرورت نہیں ہے۔

دوسری عقلی دلیل:

جب پرکار سے گول دائرہ کھینچا جائے تو اس کی ایک ٹانگ کو کاغذ میں پیوست کر کے دوسری ٹانگ کو گول گھمایا جاتا ہے تو جس نقطے سے دائرہ شروع ہو وہیں آ کر دائرہ ختم ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے نبوت کا دائرہ کھینچا جو نقطۂ محمدی سے شروع ہو کر اسی نقطہ محمدی پر ختم ہو گیا۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اَنَا اَوَّلُ النبيين خَلْقًا و آخرهم بعثاً ''میں تخلیق میں سب سے پہلا نبی ہوں اور بعثت میں سب سے آخری۔'' (ابن ابی حاتم جلد ۹ صفحہ ۳۱۱۶ حدیث ۱۷۵۹۴) یعنی اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے نورِ محمدی یا روحِ محمدی کو تخلیق فرما کر اسے نبوت سے متصف کیا اور سب سے آخر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث فرمایا اور دائرہ مکمل ہو گیا۔ مزید کسی نقطے کی ضرورت نہیں۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بعثت کے لحاظ سے آخری رسول ہیں، یعنی عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت بھی بطور نبی آپ سے قبل ہو چکی ہے۔ اب وہ دوبارہ بطور نبی مبعوث نہیں ہونگے بلکہ وہ بطورِ ولی آئیں گے اور دین مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد فرمائیں گے۔ ان کا آنا ختمِ نبوت کے منافی نہیں ہے۔

تیسری عقلی دلیل:

جب مختلف اعداد جمع کئے جائیں تو انہیں ایک دوسرے کے نیچے لکھا جاتا ہے اور آخر میں ان کا مجموعی عدد لایا جاتا ہے، جیسے 10 جمع 20، جمع 30، جمع 40، جمع 50، حاصل 150، تو اب 150 میں 10 سے لے کر 50 تک تمام گزشتہ اعداد جمع ہیں اسی لیے وہ سب سے آخر میں لایا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کو مختلف فضائل ومحامد

اور معجزات دیئے اور آخر میں ان تمام فضائل و معجزات کا مجموعہ محمد مصطفیٰ ﷺ کی صورت میں مبعوث فرمادیا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا: فبهداهم اقتده. اے نبی اکرم ﷺ آپ سب انبیاء کی ہدایتوں کو جمع کر لیں۔ (انعام،۹۱) یعنی آپ تمام انبیاء کے علوم و معارف اور اخلاق و محامد کو اپنے دامن میں سمیٹ لیں۔ لہٰذا جب آپ عدد جمع بن کر آ گئے ہیں تو اس کا تقاضا یہی ہے کہ آپ کے بعد کوئی نیا نبی نہیں آ سکتا۔ رہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو وہ دینِ محمدی کی مدد کے لیے دوبارہ دنیا میں آئیں گے۔ وہ کوئی نئے نبی نہیں ہیں۔ اب نبوت کا کوئی عدد باقی نہیں رہا۔

چوتھی عقلی دلیل:

کسی جلسہ میں مختلف مقررین کو کسی موضوع پہ بیانات کے لیے بلایا جاتا ہے۔ تو ان میں سے جو مقرر اپنے علم اور زور بیان کے اعتبار سے سب سے اہم ہوتا ہے۔ اسے سب سے آخر میں دعوت خطاب دی جاتی ہے۔ اس کے خطاب کے بعد پھر کوئی خطاب نہیں ہوتا۔ بلکہ جلسہ کے اختتام کا اعلان کر دیا جاتا ہے۔ ایسے ہی اللہ تعالیٰ نے بزم کائنات سجائی، اس میں ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء نے اپنے اپنے خطابات فرمائے اور چونکہ رسول اللہ ﷺ ان سب میں اپنے علم و فضل اور زور بیان کے لحاظ سے افضل تر ہیں۔ اس لیے آپ ﷺ کا بیان سب سے آخر میں ہوا، اس کے بعد کسی بیان کی حاجت نہ رہی بلکہ عیسیٰ علیہ السلام آخر میں آ کر اختتام جلسہ کا اعلان کریں گے۔

پانچویں عقلی دلیل:

رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کے مطابق اسلام کے پانچ ارکان ہیں۔ شہادتین (توحید خداوندی کی گواہی اور رسالت محمدیہ کی گواہی) اقامتِ صلوٰۃ، ادائیگی زکوٰۃ، روزہ رمضان اور حج بیت اللہ۔ ان پانچ ارکان یعنی پانچ ستونوں پہ اسلام کا خیمہ کھڑا کیا گیا ہے۔ خیمے میں پانچ ہی ستون ہوتے ہیں۔ سب سے بڑا اور سب سے مضبوط ستون درمیان میں ہوتا ہے، جس پہ خیمہ کھڑا ہوتا ہے اور چار چھوٹے ستون چار کونوں پہ لگائے جاتے ہیں جن کے ذریعہ خیمہ پھیلایا جاتا ہے۔ اب اس خیمہ کا مرکزی اور سب سے بڑا ستون شہادتین کا ہے اور نماز، زکوہ، روزہ اور حج چھوٹے چار ستون ہیں جن پہ یہ خیمہ پھیلا ہوا ہے اور جاننا چاہیے کہ شہادتین اس قدر مضبوط ستون ہے کہ جب تک یہ کھڑا ہے مومن کے ایمان کا خیمہ قائم ہے باقی چار ستونوں میں سے اگر کوئی گر جائے تو ایمان کا خیمہ کمزور ہو جاتا ہے۔ اب منکرین ختم نبوت سے سوال ہے کہ اس خیمہ اسلام میں کسی نئی نبوت کے ستون کی کہاں ضرورت ہے؟ کیا اللہ تعالیٰ نے خیمہ غلط بنایا ہے؟۔ اگر مرزائی لوگ یہ باتیں سمجھ جائیں تو ان کو ہدایت مل سکتی ہے۔

## ختم نبوت کا اثبات خود مرزا غلام احمد قادیانی کی تحریروں سے

مرزا غلام احمد قادیانی نے 1901ء میں دعویٰ نبوت کیا۔ اس سے قبل وہ اپنی کتابوں، تحریروں اور اشتہارات میں اسی بات پہ زور دیتا رہا کہ رسول اللہ ﷺ آخری نبی و رسول ہیں آپ کے بعد کوئی نبی یا رسول ماننا کفر ہے اور ایسا دعویٰ

کرنے والا دائرہ اسلام سے خارج اور مرتد ہے۔ پھر اس کے خیالات میں انقلاب آنے لگا۔ اس نے کہا مجھ میں نبوت کی صلاحیت ہے، لہذا میں بالقوۃ نبی ہوں، بالفعل نہیں۔ پھر اس نے مزید جرأت کی اور کہا کہ میں بالفعل نبی ہوں۔ حتی کہ اس نے کہا میرا وجود بعینہ رسول اللہ ﷺ کا وجود ہے۔ لہٰذا میرے دعویٰ نبوت سے رسول اللہ ﷺ کی ختم نبوت میں کوئی فرق نہیں آیا۔ اگر کوئی دوسرا آدمی آپ کے بعد دعویٰ نبوت کرتا تو پھر فرق آ سکتا تھا مگر جب آپ ﷺ ہی نے میری شکل میں دنیا میں آکر دوبارہ دعویٰ نبوت کر دیا ہے تو ختم نبوت میں کیا فرق آیا۔ (نعوذ باللہ من ذلك)

(ایک غلطی کا ازالہ مندرجہ روحانی خزائن ۱۸ صفحہ ۱۲)

بہرحال میں یہاں مرزا غلام احمد قادیانی کی وہ عبارات پیش کرنا چاہتا ہوں جو اس نے 1890ء کے لگ بھگ میں لکھی تھیں جن میں وہ عقیدۂ ختم نبوت پہ بہت زور دیتا تھا۔ آج یہ عبارات قادیانیوں کے لیے گلے کی ہڈی بنی ہوئی ہیں، نہ نگلتے بنے نہ اُگلتے بنے۔

(۱) ''کیونکر ممکن تھا کہ خاتم النبیین کے بعد کوئی نبی اسی مفہوم تام اور کامل کے ساتھ جو نبوت تامہ کی شرائط میں سے ہے آ سکتا۔ کیا یہ ضروری نہیں کہ ایسے نبی کی نبوتِ تامہ کے لوازم جو وحی اور نزول جبرائیل ہے اس کے وجود کے ساتھ ہونی چاہیے؟ لیکن وحی نبوت پہ تو تیرہ سو برس سے مہر لگ گئی ہے، کیا یہ مہر اس وقت ٹوٹ جائے گی؟''

(ازالہ اوہام مندرجہ روحانی خزائن جلد ۳ صفحہ ۳۸۷ مطبوعہ لندن)

"(۲) ''قرآن خاتم النبیین کے بعد کسی رسول کا آنا جائز نہیں رکھتا۔ خواہ وہ نیا رسول ہو یا پرانا ہو کیونکہ رسول کو علم بتوسط جبرائیل ملتا ہے اور بابِ نزول جبرائیل بہ پیرایہ وحی رسالت مسدود ہے، اور یہ بات خود ممتنع ہے کہ دنیا میں رسول تو آئے مگر سلسلہ وحی رسالت نہ ہو۔'' (ازالہ اوہام مندرجہ روحانی خزائن جلد ۱۸ صفحہ ۵۱۱)

"(۳) ''اور جیسا کہ اہل سنت و جماعت کا عقیدہ ہے میں ان سب کو مانتا ہوں۔ میں سیدنا و مولانا محمد مصطفیٰ ﷺ ختم المرسلین کے بعد کسی دوسرے مدعی نبوت کو کاذب اور کافر جانتا ہوں۔ میرا یقین ہے کہ وحی رسالت حضرت آدم صفی اللہ سے شروع ہو کر محمد مصطفیٰ ﷺ پہ ختم ہو گئی۔'' (مجموعہ اشتہارات جلد اول صفحہ ۲۳۱ مطبوعہ لندن)

"(۴) ''ان تمام امور میں میرا وہی مذہب ہے جو دیگر اہل سنت و جماعت کا ہے۔ میں اس مسجد خانہ خدا میں مسلمانوں کے روبرو صاف صاف اقرار کرتا ہوں کہ میں جناب خاتم الانبیاء ﷺ کی ختم نبوت کا قائل ہوں اور جو شخص ختم نبوت کا منکر ہو اس کو بے دین اور دائرۂ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں۔'' (مجموعہ اشتہارات جلد اول صفحہ ۲۵۵) اب مرزائیوں کو کافر کہنے کے لیے کسی مفتی کا فتوی درکار نہیں۔ خود مرزا قادیانی کی یہی تحریریں کافی ہیں۔

"(۵) ''اے لوگو! اے مسلمانو کی ذریت کہلانے والو! دشمن قرآن نہ بنو اور خاتم النبیین کے بعد وحی نبوت کا نیا سلسلہ جاری نہ کرو اور اس خدا سے شرم کرو جس کے سامنے حاضر کیے جاؤ گے۔'' (آسمانی فیصلہ مندرجہ روحانی خزائن جلد ۴ صفحہ ۳۳۵)

مگر مرزا قادیانی نے بعد میں ساری شرم و حیا کا لبادہ اتار کر بانگِ دہل دعویٰ نبوت کیا۔ اپنی جان پہ اس سے بڑا ظلم کیا ہو

سکتا ہے۔

(۶) ''اور خدا تعالیٰ جانتا ہے کہ میں ایک مسلمان ہوں اور ان سب عقائد پہ ایمان رکھتا ہوں جو اہل سنت و جماعت مانتے ہیں اور کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا قائل ہوں اور قبلہ کی جانب نماز پڑھتا ہوں اور میں مدعی نبوت نہیں، بلکہ ایسے مدعی کو دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں'' (آسمانی فیصلہ مندرجہ روحانی خزائن جلد ۴ صفحہ ۳۱۳)

(۷) ''پھر کیونکر ممکن تھا کہ کوئی نبی حقیقی معنوں کے ساتھ آنحضرت ﷺ کے بعد تشریف لائے۔ اس سے تو تمام تار و پود اسلام درہم برہم ہوجاتا تھا۔ غرض قرآن شریف میں خدا تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کا نام خاتم النبیین رکھ کر اور حدیث میں خود آنحضرت نے لا نبی بعدی فرما کر اس امر کا فیصلہ کر دیا تھا کہ کوئی نبی نبوت کے حقیقی معنوں کے ساتھ آنحضرت ﷺ کے بعد نہیں آسکتا۔'' (کتاب البریہ مندرجہ روحانی خزائن جلد ۱۳ صفحہ ۲۱۸) کتاب البریہ 1898ء میں لکھی گئی۔ اور اس کے تین برس بعد اسی مرزا غلام احمد قادیانی نے ''ایک غلطی کا ازالہ'' نامی کتاب لکھ کر اس میں خود کو کھلے عام نبی ورسول کہنا شروع کر دیا۔ اور یہ لحاظ نہ کیا کہ اس سے تو اسلام کا تار و پود بکھر جاتا ہے۔

(۸) ومن قال بعد رسولنا وسیدنا انی نبی او رسول علی وجه الحقیقة والافتراء وترک القرآن و احکام الشریعة الغراء فهو کافر کذاب۔ ''جس شخص نے ہمارے رسول اور سردار (محمد ﷺ) کے بعد یہ کہا کہ میں حقیقی نبی اور رسول ہوں اور یوں اس نے افتراء اور ترک قرآن و ترک شریعت سے کام لیا تو وہ کافر و کذاب ہے۔'' (انجام آتھم مندرجہ روحانی خزائن جلد ۱۱ صفحہ ۲۷) اب مرزا غلام احمد کافر و کذاب ہے یا نہیں اس کا فیصلہ کرنا مشکل نہیں ہے۔

(۹) ''اور اگر کوئی نیا یا پرانا نبی آئے تو ہمارے نبی محمد ﷺ کیونکر خاتم الانبیاء ہیں۔ ہاں وحی ولایت اور مکالمات الٰہیہ کا دروازہ بند نہیں ہے۔'' (ایام الصلح مندرجہ روحانی خزائن جلد ۱۴ صفحہ ۲۰۹) گویا اب صرف ولایت مل سکتی ہے نبوت نہیں مل سکتی اس کے باوجود مرزا نے دعویٰ نبوت کیسے کر دیا؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: اذا لم تستحی فاصنع ما شئت، ''جب تم میں حیا نہ رہے تو تم جو چاہو کرو۔''

## ختم نبوت پر مرزائیوں کے چند شبہات کا ازالہ

پہلا شبہ:

قول خدا: اَللّٰہُ یَصۡطَفِیۡ مِنَ الۡمَلٰٓئِکَۃِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ

مرزائی لوگ کہتے ہیں کہ اللہ فرماتا ہے: اَللّٰہُ یَصۡطَفِیۡ مِنَ الۡمَلٰٓئِکَۃِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ اللہ فرشتوں اور انسانوں میں سے رسول چنتا ہے۔ (ج، ۷۵) گویا اللہ تعالیٰ اب بھی انسانوں میں سے رسول چنتا ہے۔ لہٰذا باب نبوت بند

نہیں ہوا۔اس مضمون کی چند اور آیات بھی ہیں، مگر یہ مرزائی استدلال غلط ہے کیونکہ ان سب آیات کا مقصد یہ ہے کہ یہود اس بات پہ حسد کرتے تھے کہ نبوت بنی اسرائیل سے باہر کیوں چلی گئی اور کفار مکہ کہتے تھے کہ مکہ کے کسی بڑے سردار پہ قرآن کیوں نہیں اُتارا گیا۔اسے ایک یتیم پیدا ہونے والے شخص پہ کیوں اُتارا گیا ہے۔ وہ کہتے تھے: لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ﴿۳۱﴾ یہ ''قرآن ان دونوں بستیوں (مکہ وطائف) میں سے کسی بڑے شخص پہ کیوں نہیں اتارا گیا۔'' (زخرف،۳۱) اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیا ہے کہ یہ اللہ کا کام ہے کہ وہ رسول چنتا ہے، کسی انسان کو کیا حق ہے کہ اللہ کے چناؤ پہ اعتراض کرے؟، لہٰذا اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ کا یہ معنی نہیں کہ اللہ تعالیٰ اب بھی رسول چنتا ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ تو یہ فرما رہا ہے کہ رسول تو اللہ ہی چن سکتا ہے۔

اس کی یہ مثال ہے کہ ایک بادشاہ نے اپنا ولی عہد چنا اور اس کا اعلان کر دیا۔ کچھ لوگوں نے اس پہ اعتراض کیا تو بادشاہ کہتا ہے کہ بادشاہ ہی ولی عہد چنتا ہے وہ جسے چاہے چن لیتا ہے۔تو اس کا معنی یہ نہیں کہ وہ مزید ولی عہد چنے گا۔ بلکہ معنی یہ ہے کہ ولی عہد چننے کا حق صرف بادشاہ کا ہے۔اسی طرح اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ کا یہ معنی ہے کہ رسول کا چناؤ کرنا صرف اللہ تعالیٰ کا اختیار ہے۔

## ختم نبوت پر مفسر کی لکھی ہوئی ایک نظم

ختم نبوت کے دلائل میں سے بعض کو میں نے اپنی ایک نظم میں جمع کیا ہے۔قارئین ضرور اس سے محظوظ ہوں گے۔

بیاں اللہ نے ہے خود کیا ختم نبوت کا ۔۔۔ عقیدہ یہ پیمبر نے دیا ختم نبوت کا
کہا حق نے ہے قرآں میں و خاتم النبیین بھی ۔۔۔ خدا نے یوں کیا ہے تذکرہ ختم نبوت کا
حدیث لانبی بعدی ہے تفسیر خاتم کی ۔۔۔ یہ کتنا واضح تر ہے فیصلہ ختم نبوت کا
نبوت کی عمارت کا میں ہوں بس آخری پتھر ۔۔۔ بیاں کس قدر روشن ہوگیا ختم نبوت کا
میرے پیچھے اگر ہوتا نبی تو وہ عمر ہوتا ۔۔۔ ہو برہاں اور کیا اس سے بڑا ختم نبوت کا
وہ کافر ہے وہ مرتد ہے وہ ہے اسلام سے خارج ۔۔۔ معاذ اللہ جو منکر ہوا ختم نبوت کا
اُڑائے سر ہیں جھوٹے دعویدارانِ نبوت کے ۔۔۔ صحابہ پاک نے پہرا دیا ختم نبوت کا
علی ہے میرا بھائی پر نبی وہ ہو نہیں سکتا ۔۔۔ عیاں ہے اس خبر سے مرتبہ ختم نبوت کا
ہے مرزا قادیانی ملحد و زندیق اور دجال ۔۔۔ کہ حکم اس جھوٹے نے ٹھکرا دیا ختم نبوت کا
کھڑا تھا ان کے پیچھے ہر نبی اقصیٰ میں اے طیب ۔۔۔ نشاں اس سے بڑا ہو اور کیا ختم نبوت کا

دوسرا شبہ،

## قول حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما: لو عاش ابراھیم لکان صدیقا نبیا

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ انہوں نے فرمایا جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بیٹا ابراہیم فوت ہوا تو آپ نے اس کا جنازہ پڑھا اور جنازہ کے بعد فرمایا: ''جنت میں اس کے لیے ایک دودھ پلانے والی حور مقرر کی گئی ہے، ولو عاش لکان صدیقا نبیا. اور اگر ابراہیم زندہ رہتا تو سچا نبی ہوتا۔'' (ابن ماجہ کتاب الجنائز باب ۲۷ حدیث ۱۵۱۱) معلوم ہوا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد باب نبوت بند نہیں ہوا اگر بند ہو گیا ہوتا تو آپ یہ کبھی نہ فرماتے کہ اگر ابراہیم زندہ رہتا تو نبی بنتا۔ اس شبہ کے متعدد جوابات ہیں۔

اول: یہ روایت اسناد کے اعتبار سے منکر، متروک اور سخت ضعیف ہے اس کا ایک راوی ابراہیم بن عثمان ہے جس کے بارے میں امام ترمذی نے فرمایا: متروک الحدیث ہے یعنی اس کی روایت کردہ حدیث قابل ترک ہے۔ امام ابوحاتم کہتے ہیں اس کی روایت کو محدثین ترک کرتے ہیں۔ امام جوزجانی کہتے ہیں یہ شخص ساقط الاعتبار ہے۔ اس نے حکم سے ایسی روایات لی ہیں جو سب منکر ہیں (یہ حدیث بھی اس نے حکم ہی سے لی ہے، کیونکہ اس کی سند یوں ہے:

حدثنا عبد القدوس بن محمد حدثنا داود بن شبیب الباھلی حدثنا ابراھیم بن عثمان حدثنا الحکم بن عتبة عن مقسم عن ابن عباس۔ امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں یہ شخص منکر الحدیث ہے اور ابوشیبہ کہتے ہیں اس نے حکم سے صرف ایک ہی روایت لی ہے۔ (تہذیب التہذیب جلد اول صفحہ ۹۵ راوی نمبر ۲۵۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت) افسوس ہے مرزائیوں پہ کہ ختم نبوت پہ وہ بخاری و مسلم کی متفق علیہ احادیث صحیحہ مشہورہ کو چھوڑ کر اس منکر و متروک روایت سے دلیل پکڑتے ہیں اور جھوٹے لوگوں کا یہی طریقہ ہوتا ہے۔

دوم: اور اگر اس حدیث کو بالفرض صحیح مان لیا جائے تو اس کا معنی یہ ہے کہ لو عاش ابراھیم لکان اھلا لان یکون صدیقا نبیا. یعنی اگر ابراہیم زندہ رہتا تو وہ اس بات کا اہل تھا کہ نبی ہوتا یعنی اس میں نبوت کی اہلیت تھی۔ مگر چونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد باب نبوت بند ہو چکا ہے اس لیے بالفعل نبی نہیں بن سکتا تھا۔ چنانچہ اس حدیث سے قبل والی حدیث میں حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ولو قضی ان یکون بعد محمد نبی لعاش ابنه ولکن لانبی بعده. یعنی ''اگر حضور سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی کا آنا ممکن ہوتا تو آپ کا بیٹا ابراہیم زندہ رہتا مگر آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔'' (ابن ماجہ کتاب الجنائز باب ۲۷ حدیث ۱۵۱۰) کاش کہ مرزائی اس حدیث کو بھی پڑھ لیتے جو ان کی نقل کردہ حدیث سے قبل وہیں لکھی ہوئی ہے۔

سوم: حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما ختم نبوت پہ کثیر احادیث روایت کرتے ہیں۔ جیسے یہ حدیث کہ ''رسول

اللہ ﷺ نے وصال سے قبل اپنے گھر کے دروازہ کا پردہ اٹھا کر فرمایا نبوت کے مبشرات میں سے صرف اچھے خواب باقی رہ گئے ہیں۔'' (مسلم کتاب الصلاۃ جلد اول صفحہ ۱۹۱) اسی طرح یہ کہ اے علی! تم میرے لیے ایسے ہو جیسے موسیٰ علیہ السلام کے لیے ہارون علیہ السلام، البتہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔ (مجمع الزوائد جلد ۹ صفحہ ۱۱۴ بحوالہ طبرانی) اسی طرح یہ حدیث کہ ''تم دنیا میں آنے والی آخری اُمت ہیں اور روز قیامت جنت میں جانے والی پہلی امت۔'' (ابن ماجہ کتاب الزہد صفحہ ۳۱۷) تو کیسے ممکن ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما یہ کہیں کہ اگر ابراہیم بن محمد زندہ رہتا تو نبی ہوتا، یقیناً ان کی طرف جھوٹی حدیث منسوب کی گئی ہے۔

تیسرا شبہ:

## قول ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا: لا تقولوا لا نبی بعدہ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: قولوا خاتم النبیین ولا تقولوا لا نبی بعدہ، یعنی ''یہ کہو کہ آپ خاتم النبیین ہیں اور یہ نہ کہو کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔'' (درمنثور جلد ۵ صفحہ ۲۰۴) مگر پہلی بات یہ ہے کہ درمنثور میں اس قول کی کوئی سند مذکور نہیں، تاکہ پتہ چلے کہ اسے کس نے روایت کیا ہے تو ایسی مجہول روایت کو قرآن وسنت کی سینکڑوں نصوص قطعیہ کے مقابلہ میں پیش کرنا الحاد وزندیقیت نہیں تو اور کیا ہے۔ دوسری یہ بات ہے کہ خود حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ختم نبوت کے بیان پہ مشتمل متعدد احادیث مروی ہیں۔ جیسے یہ حدیث کہ ''میرے بعد نبوت میں سے کوئی چیز باقی نہیں رہی، سوا اچھے خوابوں کے۔'' (مسند احمد جلد ۶ صفحہ ۱۲۹) اسی طرح یہ حدیث کہ ''میں عاقب ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔'' (ابن عدی) اسی طرح یہ حدیث کہ ''میں آخری نبی ہوں اور میری مسجد مساجد انبیاء میں سے آخری ہے۔'' (کنز العمال بروایت دیلمی وابن نجار جلد ۵ صفحہ ۳۶۱ کتاب فضائل الحرمین) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ان احادیث کی موجودگی میں مرزائیوں کا یہ سمجھنا کہ حضرت عائشہ ختم نبوت کو نہیں مانتی تھیں خود فریبی کے سوا کیا ہے۔

اور آخری بات یہ ہے کہ اگر اس قول کی نسبت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی طرف بالفرض درست مان لی جائے تو اس کا معنی یہ ہے کہ چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے قرب قیامت میں آنا ہے لہٰذا کوئی شخص ان کی آمد سے انکار کرنے کے لیے یہ نہ کہے کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔ کیونکہ درمنثور کے اسی صفحہ پر حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں روایت ہے کہ ''ان کے سامنے ایک شخص نے کہا اللہ حضور ﷺ پر درود بھیجے آپ خاتم الانبیاء ہیں آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''جب تم نے خاتم الانبیاء کہہ دیا تو یہی کافی ہے کیونکہ حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام آنے والے ہیں۔ جب وہ آئیں گے تو آپ سے پہلے بھی ہوئے اور بعد بھی۔'' (درمنثور جلد ۵ صفحہ ۲۰۴) اگر مرزائیوں میں کچھ انصاف ہوتا تو وہ درّ منثور کے اسی صفحہ پر حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کا یہ قول بھی بیان کردیتے۔ مگر اس

قول کو وہ کیسے بیان کر سکتے ہیں یہ تو ان کی جڑیں کاٹ رہا ہے۔ مرزائیوں کے دیگر شبہات کے ازالہ کے لیے میری کتاب ''ختم نبوت مع ردّ قادیانیت'' کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

## چوتھا شبہ:

## کیا عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ختم نبوت کے منافی ہے؟

مرزائی لوگ یہ شبہ بھی ڈالتے ہیں کہ اے مسلمانو! تم کہتے ہو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے قرب قیامت میں آسمان سے اترنا ہے اور وہ دنیا میں کچھ عرصہ رہیں گے۔ تو کیا وہ اس وقت نبی نہیں ہونگے؟ یقیناً ہونگے، تو معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد مزید نبی آسکتا ہے۔ اگر نہ آسکے تو پھر عیسیٰ علیہ السلام کے آنے کا انکار کرو۔

مرزائیوں کا یہ شبہ ان کے خیال میں سب سے قوی تر ہے، مگر یہ بے بنیاد شبہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آخری نبی ہونے کا معنی احادیث میں یہی آیا ہے اور ہمیشہ سے ائمہ دین یہی بیان کرتے آئے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بعثت میں سب سے آخری نبی ہیں۔ یعنی آپ کے بعد کوئی نیا نبی مبعوث نہیں کیا جائے گا۔ رہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو وہ پہلے سے نبی بن چکے ہیں اور بطور نبی آپ سے قبل مبعوث ہو چکے ہیں اور اپنی ڈیوٹی ادا کر کے فارغ ہو گئے ہیں۔ وہ قرب قیامت میں بطور نبی مبعوث نہیں ہونگے، نہ ہی وہ اپنی نبوت کو منوانے یا اپنی کتاب کو لوگوں سے پڑھوانے آئیں گے، بلکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین کی مدد کرنے آئیں گے۔

حضور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آخری نبی ہونا از روئے بعثت ہے چنانچہ اس پہ متعدد احادیث دلالت کرتی ہیں۔ مثلاً

اول: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''میں تخلیق میں سب سے پہلا نبی ہوں (یعنی میرا نور سب سے پہلے تخلیق ہوا اور اسے نبوت سے متصف کیا گیا) اور بعثت میں سب سے آخری۔''

(تفسیر ابن ابی حاتم جلد ۹ صفحہ ۳۱۱۶ حدیث ۱۷۵۹۴ مطبوعہ مکتبہ الباز مکہ مکرمہ)

اس حدیث کو امام ابن جریر طبری، ابن مردویہ، ابن عساکر اور ابونعیم نے بھی دلائل میں روایت کیا ہے۔

(در منثور جلد ۶ صفحہ ۵۷۰)

دوم: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے یہ حدیث بھی مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جب میں شب معراج اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوا تو میں نے عرض کیا اے اللہ! تو نے آدم علیہ السلام کو صفی بنایا، ابراھیم علیہ السلام کو اپنا خلیل قرار دیا اور موسیٰ علیہ السلام کو اپنا کلام عطا فرمایا اور عیسیٰ علیہ السلام کو اپنا کلمہ بنایا تو اب میرے لیے کیا انعام ہے۔ تب اللہ تعالیٰ نے کثیر انعامات عطا فرمائے جن میں سے یہ بھی تھا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جعلتك اول النبيين خلقا وآخرهم بعثا، ''اے پیارے محبوب! میں نے آپ کو تخلیق میں سب سے پہلا نبی اور بعثت میں سب سے آخری نبی بنایا۔''

(تفسیر ابن جریر طبری جلد ۹ صفحہ ۱۰ سورۃ الاسراء مطبوعہ دار الفکر بیروت)

یہ احادیث صاف بتارہی ہیں کہ جیسے تخلیق میں نبی اکرم ﷺ سے پہلے کوئی نبی نہیں اسی طرح بعثت میں آپ کے بعد کوئی نبی نہیں اور آپ اسی معنیٰ میں آخری نبی ہیں کہ آپ کے بعد کوئی شخص بطورِ نبی مبعوث نہیں کیا جائے گا۔ للہذا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دوبارہ آنے سے آپ کی ختم نبوت میں کوئی فرق نہیں آتا کیونکہ وہ بطور نبی پہلے سے مبعوث ہو چکے ہیں۔ للہذا اس معنی میں اگر تمام انبیاء سابقین دوبارہ دنیا میں تشریف لے آئیں تو بھی نبی اکرم ﷺ کی شان ختم نبوت میں کچھ اعتراض نہیں آتا۔ جیسا کہ معراج کی رات تمام انبیاء کرام نے مسجد اقصیٰ میں حاضر ہوکر آپ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی مگر اس سے آپ کی شانِ ختمِ نبوت میں کوئی فرق نہ آیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ ختم نبوت کا تقاضا یہ نہیں کہ انبیاء سابقین میں سے کوئی واپس نہیں آسکتا۔ ختم نبوت کا تقاضا یہ ہے کہ آپ کے بعد کوئی نیا شخص نبی نہیں بنایا جائے گا اور جو ایسا دعویٰ کرے وہ پکا کذاب ودجال ہے۔

ختم نبوت کا یہی مفہوم ہمیشہ ائمہ دین نے بیان کیا ہے چنانچہ امام علاء الدین خازن بغدادی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں:

فان قلت قد صح ان عیسیٰ علیه السلام ینزل فی آخر الزمان بعده وهو نبی؟ قلت ان عیسیٰ علیه السلام ممن نبّئ قبله وحین ینزل فی آخر الزمان ینزل عاملا بشریعة محمد ﷺ.

اگر تم کہو کہ عیسیٰ علیہ السلام آخر زمانہ میں نبی اکرم ﷺ کے بعد نازل ہونگے اور وہ نبی ہونگے (تو پھر ختم نبوت کا معنیٰ کیا ہے؟) تو میں کہتا ہوں: عیسیٰ علیہ السلام ان میں سے ہیں جن کو رسول اللہ ﷺ سے قبل نبوت دیدی گئی تھی اور جب وہ نازل ہونگے تو شریعت محمد ﷺ پہ عامل ہوں گے۔ (تفسیر خازن جلد ۳ صفحہ ۲۶۵ زیر آیت ما کان محمد پارہ ۲۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

مفتی بغداد امام محمود آلوسی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں:

ختم نبوت میں اس بات سے کوئی اعتراض لازم نہیں آتا جو اُمت کا متفقہ عقیدہ ہے اور اس پہ وارد احادیث تواتر معنوی تک پہنچی ہوئی ہیں اور اس پہ ایمان لازم ہے اور اس کا منکر کافر ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام آخر زمانہ میں نازل ہوں گے۔ لانه کان نبیا قبل تحلی نبینا ﷺ بالنبوة فی هذه النشأة ومثل هذا یقال فی بقاء الخضر علیه السلام علی القول بنبوته۔ کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام رسول اللہ ﷺ کے اس دنیا میں اعلان نبوت سے قبل بطور نبی آچکے ہیں۔ اسی طرح اگر خضر علیہ السلام نبی ہیں تو ان کی موجودگی بھی اسی معنی میں ہے (کہ وہ نبی ﷺ کی آمد سے پہلے سے نبی بن چکے ہیں)۔ (تفسیر روح المعانی جلد ۲۲ صفحہ ۳۴ پارہ ۲۲ زیر آیت ما کان محمد مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

شیخ الاسلام والمسلمین امام ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ویجب حمل النفی علی انشاء النبوة لکل احد من الناس لا علی وجود نبی نبّئ قبل ذلك.

ختم نبوت کو اس معنی میں لینا ضروری ہے کہ کسی شخص کو ازسرنو نبوت نہیں دی جائے گی۔ اس کا یہ معنی نہیں کہ جو پہلے سے نبی

بن چکے ہیں ان میں سے کوئی اب موجود نہیں ہوسکتا۔ (الاصابہ فی تمیز الصحابہ جلد اول صفحہ ۴۲۵ مطبوعہ دار صادر بیروت)

مذکورہ عبارات سے جہاں حیات ونزول عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ائمہ دین کا عقیدہ سامنے آتا ہے وہاں یہ بھی معلوم ہوا کہ ختم نبوت کا معنی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کسی شخص کو نبی نہیں بنایا جائے گا اور جو انبیاء آپ سے قبل آ چکے ہیں اگر ان میں سے کوئی ابھی دنیا میں موجود ہوتو اس سے ختم نبوت میں کوئی فرق نہیں آتا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دوبارہ آنے کی مثال یوں ہے کہ کسی ملک کا حاکم دوسرے ملک کے حاکم کی مدد کرنے جائے اور وہاں جا کر کہے کہ لوگو اپنے حاکم کی اطاعت کرو، یہ نہایت عظیم انسان ہے، میں اس کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں ہوں، اس کی خوبیاں حدوحساب سے زیادہ ہیں۔ اب وہ حاکم دوسرے ملک میں جا کر اپنی حاکمیت اور اپنے منصب سے معزول نہیں ہوجاتا۔ وہ اپنے ملک کا حاکم ہی رہتا ہے مگر دوسرے ملک میں وہ اپنی حکومت کے منوانے اور اپنے ملک کے قانون کو وہاں جاری کرنے کے لیے نہیں جاتا، بلکہ اس ملک کے حاکم کی مدد کرنے جاتا ہے اور جب تک اس ملک میں رہتا ہے اسی ملک کے قانون کو اپناتا ہے۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب واپس دنیا میں آئیں گے تو نبی ہونگے مگر وہ اپنی نبوت کا اعلان کرنے نہیں بلکہ نبوت مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ڈنکا بجانے آئیں گے۔

## مرزا غلام احمد قادیانی کے چند کفریات

ختم نبوت سے انکار کر کے مرزا قادیانی اور اس کے ماننے والے کافر تو تھے ہی، مگر مرزا قادیانی نے اللہ تعالیٰ، انبیاء کرام علیہم السلام اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں ایسی گستاخانہ وتوہین آمیز باتیں کہی ہیں کہ الامان والحفیظ۔ دراصل جب ایک شخص الحادو زندقہ کی راہ پہ چل پڑتا ہے تو اسے کسی شخصیت کی عظمت وفضیلت کا کچھ لحاظ نہیں رہتا، پھر اس کے منہ میں جو آئے کہتا جاتا ہے۔ یہی حالت مرزا قادیانی کی ہے۔

## اللہ تعالیٰ کے بارے میں مرزا قادیانی کی گستاخیاں

مرزا قادیانی کہتا ہے کہ اللہ نے اسے وحی کی: انت منی بمنزلة ولدی، ''اے مرزا! تم میرے لیے میرے بیٹے کی طرح ہو۔'' (حقیقۃ الوحی باب ۴ صفحہ ۸۹ مندرجہ روحانی خزائن جلد ۱۱) گویا وہ اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹا مان رہا ہے یا خود کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا بتا رہا ہے، اس سے بڑا کفر کیا ہے بلکہ اس نے کہا کہ اللہ نے اسے فرمایا: انت من ماءنا وھم من فشل، اے مرزا! تم ہمارے پانی سے ہو اور دوسرے لوگ چھلکے سے ہیں (معاذ اللہ) (اشتہار مباہلہ صفحہ ۴۵ مندرجہ روحانی خزائن جلد ۱۱)

## تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی شان میں گستاخیاں

مرزا کہتا ہے: میں آدم ہوں، میں نوح ہوں، میں ابراہیم ہوں، میں اسحاق ہوں میں اسماعیل ہوں، میں یعقوب ہوں، میں یوسف ہوں، میں موسیٰ ہوں، میں داؤد ہوں، میں عیسیٰ ہوں اور میں ظلی طور پر محمد واحمد ہوں (معاذ اللہ)۔
(حقیقۃ الوحی ص ۷۶ باب ۴ مندرجہ روحانی خزائن ۲۲)

مرزا قادیانی اپنے فارسی اشعار میں کہتا ہے:

آدم نیز احمد مختار، در برم جامۂ ہمہ ابرار — آنچہ دادست ہر نبی راجام، داد آں جام رامرا بتمام

انبیاء گرچہ بودہ اندبسے، من بعرفاں نہ کم ترم زکسے — زندہ شد ہر نبی بآمدنم، ہر رسولے نہاں بپیر ہنم

(ترجمہ) میں آدم ہوں میں ہی احمد مختار ہوں۔ میں نے تمام ابرار (انبیاء) کا لباس پہن رکھا ہے۔ ہر نبی کو جو جام دیا گیا مجھے وہ جام مکمل دیا گیا۔ انبیاء اگرچہ بہت ہوئے ہیں میں عرفان میں کسی سے کم تر نہیں ہوں (یعنی میں سب انبیاء کے برابر ہوں) میرے آنے سے ہر نبی زندہ ہو گیا ہے کیونکہ ہر رسول میرے لباس میں چھپا ہوا ہے۔ (معاذاللہ)
(نزول المسیح صفحہ ۷۶ ۴ مندرجہ روحانی خزائن جلد ۱۸)

## حضرت یوسف علیہ السلام کی توہین

اس امت کا یوسف یعنی یہ عاجز (مرزا قادیانی) اسرائیلی یوسف سے بڑھ کر ہے کیونکہ یہ عاجز قید کی دعا کر کے بھی قید سے بچا رہا مگر یوسف قید میں ڈالا گیا۔ اس اُمت کے یوسف کی گواہی خدا نے دی۔ مگر یوسف بن یعقوب اپنی بریت کے لیے انسانی گواہی کا محتاج ہوا۔ (معاذاللہ) (براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۹۶ مندرجہ روحانی خزائن جلد ۲۱)

## حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شدید توہین

''اور نہایت شرم کی بات یہ ہے کہ آپ (عیسیٰ علیہ السلام) نے پہاڑی تعلیم کو جو انجیل کا مغز کہلاتی ہے، یہود کی کتاب طالمود سے چرایا ہے۔'' (انجام آتھم ص ۲۹۰ مندرجہ روحانی خزائن جلد ۱۱) ایک نبی پہ چوری کا الزام کس قدر لرزہ خیز ہے۔ مزید سنیے مرزا کہتا ہے: عیسائیوں نے آپ (عیسیٰ علیہ السلام) کے بہت سے معجزات لکھے ہیں مگر حق یہ ہے کہ آپ (عیسیٰ علیہ السلام) سے کوئی معجزہ نہیں ہوا۔ ممکن ہے آپ نے معمولی تدبیر سے کسی شب کور کو اچھا کیا ہو یا کسی بیماری کا علاج کیا ہو۔ مگر آپ کی بد قسمتی سے اسی زمانہ میں ایک تالاب بھی موجود تھا جس سے بڑے بڑے نشانات ظاہر ہوتے تھے خیال ہو سکتا ہے کہ اس تالاب کی مٹی آپ بھی استعمال کرتے ہوں گے۔ اگر آپ سے کوئی معجزہ ظاہر بھی ہوا ہے تو اسی تالاب کا معجزہ ہے۔ آپ کے ہاتھ میں سوا مکر و فریب کے کچھ نہ تھا (معاذاللہ) (انجام آتھم ص ۲۹۱ مندرجہ روحانی خزائن جلد ۱۱)

مرزا نے مزید لکھا:

''آپ کا (یعنی عیسیٰ علیہ السلام کا) خاندان بھی نہایت پاک و مطہر ہے۔ تین دادیاں اور نانیاں آپ کی زنا کار اور کسبی عورتیں تھیں جن کے خون سے آپ کا وجود ظہور پذیر ہوا۔ مگر شائد یہ بھی خدائی کے لیے ایک شرط ہو گی۔ آپ کا کنجریوں کی طرف میلان اور صحبت بھی شائد اسی وجہ سے ہو کہ جدی مناسبت درمیان میں حائل ہے، ورنہ کوئی پرہیزگار انسان ایک نوجوان کنجری کو یہ موقع نہیں دے سکتا کہ وہ اس کے سر پہ اپنے ناپاک ہاتھ لگائے اور زناکاری کی کمائی کا پلید عطر اس کے

سر پہ ملے اور بالوں کو اس کے پیروں پر ملے۔ سمجھنے والے سمجھ لیں کہ ایسا انسان کس چال چلن کا ہو سکتا ہے۔'' (معاذ اللہ) (انجام آتھم صفحہ ۲۹۱ مندرجہ روحانی خزائن جلد ۱۱)

## رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخیاں

مرزا قادیانی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فضیلت میں نازل ہونے والی آیات کو اپنے حق میں قرار دیا اور کہا کہ اللہ نے یہ سب آیات مجھ پر اتاری ہیں، ان میں سے بعض آیات یہ ہیں: قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ الخ (حقیقۃ الوحی ص ۸۲ مندرجہ روحانی خزائن ۲) اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَكَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰهَ ط (حقیقۃ الوحی ص ۸۳) وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ (حقیقۃ الوحی ص ۸۵) اِنَّآ اَعْطَیْنٰكَ الْكَوْثَرَ (حقیقۃ الوحی ص ۱۰۵) وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ط (حقیقۃ الوحی ص ۹۹) مرزا قادیانی کہتا ہے: اللہ نے مجھ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فیض جاری کیا اور اسے کامل بنایا اور میری طرف ان کا جود و کرم کھینچا حتی کہ میرا وجود ان کا وجود بن گیا۔ لہذا جو شخص میری جماعت میں آ گیا وہ سید المرسلین کے صحابہ میں داخل ہو گیا۔ (معاذ اللہ) (خطبہ الہامیہ ص ۲۰۸ مندرجہ روحانی خزائن جلد ۱۶)

## قرآن کریم کی توہین

مرزا غلام احمد قادیانی اپنی من گھڑت وحی کو قرآن کی مثل قرار دیتے ہوئے کہتا ہے: ''جیسا کہ میں قرآن شریف پہ ایمان رکھتا ہوں ایسا ہی بغیر فرق ایک ذرہ کے خدا کی اس وحی پر ایمان رکھتا ہوں جو مجھ پر ہوئی اور میں بیت اللہ شریف میں کھڑے ہو کر قسم کھا سکتا ہوں کہ وہ پاک وحی جو مجھ پر نازل ہوتی ہے وہ اسی خدا کا کلام ہے جس نے موسی علیہ السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اپنا کلام نازل کیا تھا۔'' (ایک غلطی کا ازالہ صفحہ ۲۱۰ مندرجہ روحانی خزائن ۱۸)

اسی طرح مرزا قادیانی اپنے فارسی اشعار میں کہتا ہے۔

آنچہ من بشنوم ز وحی خدا — بخدا پاک دانمش زخطا

ہمچو قرآن منزہ اش دانم — از خطایا ہمیست ایمانم

بخدا ہست این کلام مجید — از دہان خدائے پاک ووحید

ترجمہ: میں جو کچھ وحی خدا سے سنتا ہوں خدا کی قسم اسے ہر خطا سے پاک جانتا ہوں۔ میں اسے قرآن کی طرح ہر خطا سے منزہ جانتا ہوں یہی میرا ایمان ہے۔ یہ کلام مجید ہے جو خدائے پاک و یکتا کے منہ سے نکلا ہے (معاذ اللہ)
(نزول المسیح صفحہ ۷۷ ۴ مندرجہ روحانی خزائن جلد ۱۸)

## حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توہین

اور جو شخص (مرزا قادیانی) حکم بن کر آیا ہے اس کا اختیار ہے کہ حدیثوں کے ذخیرہ میں سے جس انبار کو چاہے خدا

(۱) مومن ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے: چنانچہ اگر اسے نعمت ملے تو کہتا ہے الحمد للہ، اگر زحمت ملے تو کہتا ہے انا للہ، اگر کوئی اسے خوش کرے تو کہتا ہے جزاک اللہ اگر پریشان کرے تو کہتا ہے عفاک اللہ (اللہ تجھے معاف کرے) اگر وہ کسی کی تعریف کرے تو کہتا ہے ماشاء اللہ اگر کسی چیز کا ارادہ کرے تو کہتا ہے ان شاء اللہ، اگر کسی بات پر تعجب و حیرانی کرے تو کہتا ہے سبحان اللہ الغرض ہر حالت میں اللہ ہی اللہ پکارتا ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ کی حمد و تسبیح کی ایک صورت نماز بھی ہے: جب صبح و شام اللہ تعالیٰ کی تسبیح کا حکم دیا گیا تو ضروری تھا کہ اس کے لئے کوئی ضابطہ مقرر کر دیا جائے۔ اگر اسے انسان کی مرضی پر چھوڑا جاتا تو ممکن تھا کہ وہ مصروفیات دنیا کی وجہ سے ذکر و تسبیح کے لئے وقت ہی نہ نکال سکے۔ اس لئے چوبیس گھنٹوں میں پانچ نمازیں فرض کی گئیں اور نماز اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا ذکر ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَذَكَرَ اسۡمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ﴿۱۵﴾ ''اس نے اپنے رب کو یاد کیا تو نماز پڑھی۔'' (علیٰ:۱۵) اور نماز میں تسبیح کی کثرت ہے جیسے سبحانك اللّٰهم و بحمدك، سبحان ربی العظیم اور سبحان ربی الاعلیٰ۔

[34] اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے مومنو! اللہ تم پر بہت مہربان ہے وہ تم پر رحمت فرماتا ہے اور اس کے فرشتے بھی تم پر رحمت بھیجتے ہیں یعنی تمہارے لئے استغفار کرتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَيَسۡتَغۡفِرُوۡنَ لِلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا ۚ فرشتے مومنوں کے لئے استغفار کرتے ہیں۔ (مومن:۷) اللہ کی مومنوں پہ سب سے بڑی رحمت یہ ہے کہ وہ انہیں تاریکیوں سے نکال کر نور کی طرف یعنی کفر سے نکال کر ایمان کی طرف اور برائیوں سے نکال کر نیکیوں کی طرف لاتا ہے۔

[35] یعنی دنیا کی زندگی میں فرشتے مومنوں کے لئے استغفار کرتے ہیں اور جب اگلے جہان میں وہ اللہ تعالیٰ سے ملیں گے تو فرشتے انہیں سلام پیش کر کے ان کے لئے آداب بجالائیں گے اور جنت میں ان کے لئے عزت کی روزی تیار کی گئی ہے یعنی وہ نعمتیں کہ دنیا میں کوئی بڑے سے بڑا بادشاہ بھی ان کا تصور نہیں کر سکتا۔ چنانچہ جب مومن کی جان لینے فرشتے آتے ہیں تو اسے سلام پیش کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: الَّذِيۡنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الۡمَلٰٓئِكَةُ طَيِّبِيۡنَ ۙ يَقُوۡلُوۡنَ سَلٰمٌ عَلَيۡكُمُ ۙ ادۡخُلُوا الۡجَنَّةَ بِمَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۳۲﴾ فرشتے عمدہ حالت میں آکر ان کی جان لیتے اور کہتے ہیں تمہیں سلام ہو، تم اپنے اعمال کی وجہ سے جنت میں آجاؤ۔ (نحل:۳۲)

يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ﴿۴۵﴾ وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ

اے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہم نے آپ کو گواہ اور بشارت سنانے اور ڈرانے والا اور اللہ کی طرف اللہ کے حکم سے بلانے والا اور چمکانے والا

بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ﴿۴۶﴾ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا

آفتاب بنا کر بھیجا ہے [36] اور آپ مومنوں کو بشارت دیدیں کہ ان کے لئے اللہ کی طرف سے بڑا فضل ہے [37]

كَبِيْرًا ﴿۴۷﴾ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَدَعْ اَذٰىهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى

اور آپ کافروں اور منافقوں کی بات مت مانیں اور انکی ایذاء سے درگزر کریں اور اللہ پر بھروسہ رکھیں

اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۴۸﴾

اور اللہ کارسازی میں کافی ہے [38]

[36] گزشتہ رکوع میں کہا گیا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی معاملہ میں فیصلہ دے دیں تو مومنوں کو اس سے اختلاف کا کچھ اختیار نہیں اب آپ کی عظمتوں سے اہل ایمان کو آگاہ کیا جا رہا ہے تا کہ ان کے دلوں میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے جذبۂ اطاعت جاگزیں ہو جائے۔ تو آپ کی پہلی عظمت بتائی گئی کہ آپ شاہد ہیں، شاہد کا لفظ شہود سے یا شہادت سے نکلا ہے۔ شہود کا معنی حاضر ہونا ہے جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲﴾ ''زنا کار مرد اور عورت کی سزا پر مومنوں کا ایک گروہ حاضر ہونا چاہئے۔'' (نور:۲) اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ﴿۷۸﴾ فجر کے وقت قرآن کے پڑھنے پر حاضری ہوتی ہے (فرشتے حاضر ہوتے ہیں) (بنی اسرائیل:۷۸)

## رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حاضر و ناظر اور اعمال اُمت سے باخبر ہونا

تو اگر لفظ شہو شہود سے نکلا ہو تو اس کا معنی حاضر ہونا ہے، اور جو شخص کہیں پہ حاضر ہو وہ وہاں ناظر بھی ہوتا ہے اس طرح اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا کا یہ معنی ہوا کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم نے آپ کو حاضر و ناظر بنا کر بھیجا ہے۔ اب آپ کس چیز پر حاضر و ناظر ہیں تو امام محمود آلوسی بغدادی فرماتے ہیں: اى شَاهِدًا عَلٰى مَنْ بُعِثْتَ اِلَيْهِم تُرَاقِبُ اَحْوَالَهُمْ وَ تُشَاهِدُ اَعْمَالَهُم۔ ''یعنی جن لوگوں کی طرف آپ مبعوث کئے گئے ان پر آپ حاضر ہیں ان کے احوال کی نگرانی اور ان کے اعمال کا مشاہدہ کرتے ہیں۔'' (روح المعانی جلد ۲۲ صفحہ ۴۵) امام المتکلمین علامہ بیضاوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: شاهداً علی من بعثت اليهم بتصديقهم و تكذيبهم و نجاتهم و ضلالهم۔ ''جن لوگوں کی طرف آپ مبعوث ہوئے آپ ان کی تصدیق، تکذیب، نجات اور گمراہی پر گواہ ہیں۔''

عارف ربانی امام اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے آپ کو شاہد بنا کر بھیجا ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی سب سے پہلی مخلوق ہیں لہٰذا آپ نے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت و ربوبیت کا مشاہدہ کیا اور جس قدر ارواح، نفوس، اجسام، اجرام، ارکان، معادن، نباتات، حیوانات، ملائکہ، جنات، شیاطین وغیرہ کو اللہ تعالیٰ نے عدم سے وجود کی طرف نکالا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب کا مشاہدہ کیا تاکہ مخلوق کو جو کچھ معلوم ہوسکتا ہے وہ آپ سے مخفی نہ رہے۔'' (روح البیان سورہ فتح جلد ۹ صفحہ ۱۸)

علامہ محمود آلوسی یہ بھی فرماتے ہیں کہ صوفیاء کرام نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے بندوں کے اعمال پر مطلع فرمایا ہے اسی لئے آپ کا نام شاہد رکھا گیا۔ اور مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

در نظر بودش مقامات العباد زاں سبب نامش خدا شاہد نہاد

یعنی بندوں کے مقامات آپ کی نظر میں تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کا نام شاہد رکھا۔ (تفسیر روح المعانی جلد ۲۲ صفحہ ۴۵ مطبوعہ بیروت) اس شعر کا منظوم ترجمہ مثنوی کی طرز پہ میرے ذہن میں ایسے آیا ہے۔

وہ ہمارا ہر عمل ہیں دیکھتے اس لیے مولیٰ انہیں شاہد کہے

اور امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

سر عرش پہ ہے تری گزر دل فرش پہ ہے تری نظر ملکوت و ملک میں کوئی شے نہیں وہ جو تجھ پہ عیاں نہیں

اور اس مضمون پر حدیث بھی دلالت کرتی ہے۔ امام بزار نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میری زندگی بھی تمہارے لئے بہتر ہے اور وفات بھی۔ تمہارے اعمال مجھ پر پیش کئے جاتے ہیں تو میں جو بھلائی دیکھوں اس پر حمد بجالاتا ہوں اور جو بُرائی دیکھوں اس پر تمہارے لئے استغفار کرتا ہوں۔''

(البدایہ والنہایہ جلد ۵ صفحہ ۲۴۱ مطبوعہ دار الریان بیروت)

حضرت اوس بن اوس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جمعہ کے دن مجھ پر زیادہ درود پڑھو کہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے بعض لوگوں نے عرض یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! جب آپ کا جسم مٹی میں مل جائے گا تب بھی آپ پر ہمارا درود پیش کیا جائے گا؟ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء کے اجسام کا کھانا حرام کر دیا ہے۔''

(ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب ۲۰۱، نسائی کتاب الجمعہ باب ۵، ابن ماجہ کتاب الجنائز باب ۶۵)

یہاں سوال کیا جاتا ہے کہ حدیث کے مطابق روز قیامت آپ کے پاس حوض کوثر پہ کچھ لوگ آئیں گے۔ آپ کہیں گے میرے ساتھی (میرے پیروکار) آ گئے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا آپ نہیں جانتے کہ ان لوگوں نے آپ کے بعد کیا بدعات ایجاد کیں۔ (بخاری کتاب التفسیر سورہ مائدہ) اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امت کے اعمال کو جانتے ہیں تو روز قیامت آپ سے یہ کیوں کہا جائے گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بسا اوقات اللہ تعالیٰ بندے کے علم پہ کسی حکمت کے تحت ذہول طاری فرما دیتا ہے جیسے ہم جانتے ہیں کہ قبر میں تین سوال ہوں گے اور ان کے یہ جوابات ہیں مگر قبر میں یہ باتیں اسے ہی یاد رہیں گی جس

کے لیے اللہ تعالیٰ چاہے گا۔ آج ہمیں معلوم ہے کہ روز قیامت سب لوگ پہلے حضرت آدم علیہ السلام کے پاس جائیں گے، پھر حضرت نوح علیہ السلام کے پاس، پھر سارے انبیاء کے پاس اور آخر میں رسول اللہ ﷺ کے پاس جائیں گے۔ مگر روز قیامت اللہ تعالیٰ سب انسانوں کے علم پہ ذہول طاری کر دے گا۔ تا کہ عظمتِ رسول کریم ﷺ کا اظہار ہو۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ کے علم مبارک پہ بعض بدعتی لوگوں کے بارے میں ذہول طاری فرما دے گا، تا کہ انہیں شرمساری وذلت سے دو چار کروایا جائے اور انہیں حوض کوثر سے ناکام لوٹا دیا جائے۔

## حقیقتِ محمدیہ کا ساری کائنات میں جلوہ فرما ہونا

نماز کے تشہد میں ہر نمازی یہ کہتا ہے: السلام علیك ایھا النبی ورحمة الله وبرکاته، اے نبی اکرم ﷺ آپ پہ سلام ہو اور آپ پہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور برکتیں ہوں۔ یہ خطاب کس معنیٰ میں ہے؟ یہ خطاب تو اسے کیا جا سکتا ہے جو سامنے موجود ہو۔ تو علماء محققین فرماتے ہیں یہ خطاب اس لیے ہے کہ حقیقتِ محمدیہ کائنات کے ذرے ذرے میں جاری ہے کیونکہ اسی حقیقتِ محمدیہ سے سارا جہان بنایا گیا ہے۔

چنانچہ مولانا عبد الحی لکھنوی جو مشہور دیوبندی علماء میں سے ہیں السلام علیك ایھا النبی کہنے کی حقیقت بتاتے ہوئے فرماتے ہیں:

وقال والدی العلام واستاذی المقام ادخله الله فی دار السلام فی رسالته نور الایمان بزیارة آثار حبیب الرحمان: السر فی خطاب التشهد ان الحقیقة المحمدیة کانها ساریة فی کل وجود وحاضر فی باطن کل عبد وانکشاف هذه الحالة علی الوجه الاتم فی حالة الصلوة فحصل محل الخطاب، میرے والد علّام اور میرے استاذ محترم مرحوم نے اپنے رسالہ ''نور الایمان'' میں لکھا ہے: تشہد کے خطاب میں راز یہ ہے کہ حقیقت محمدیہ گویا ہر وجود میں جاری ہے اور ہر بندے کے باطن میں حاضر ہے اور حالت نماز میں اس حقیقت کا انکشاف بدرجہ کمال ہوتا ہے اس لیے یہ خطاب کیا جا سکتا ہے۔ (السعایہ فی شرح الوقایہ جلد ۲ صفحہ ۲۲۷ تا ۲۲۸)

اور غیر مقلد علماء کے لیے سند التحقیق نواب صدیق حسن بھوپالی بھی اسی حقیقت سے نقاب کشائی کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

(وبعضے از عرفاء قدس سرہ گفتہ اند کہ ایں خطاب بجہت سریان حقیقت محمدیہ است علیہ الصلوۃ والسلام در ذرائر موجودات وافراد ممکنات، پس آں حضرت ﷺ در ذوات مصلیان موجود و حاضر است، پس مصلی باید کہ ازیں معنی آگاہ شود و غافل نہ بود تا بانوار قرب واسرار معرفت منور وفائز گردد۔)

دررہِ عشق مرحلۂ قرب وبعد نیست ے بینمت عیان ودعائے فرستمت

(ترجمہ) بعض عرفاء قدس سرہم فرماتے ہیں: یہ خطاب (ایھا النبی) اس جہت سے ہے کہ حقیقتِ محمدیہ علیہ

الصلوۃ والسلام موجودات کے ہر ذرہ میں اور ممکنات کے ہر فرد میں جاری وساری ہے۔ تو رسول اللہ ﷺ خود نمازیوں کی ذات میں موجود اور حاضر ہیں، تو نمازی کو چاہیے کہ اس معنیٰ سے آگاہ رہے تاکہ انوار قرب و اسرارِ معرفت سے منور و فائز ہو سکے۔ اسی لیے یہ شعر ہے جس کا ترجمہ یہ ہے: راہ عشق میں کچھ دور و نزدیک نہیں ہے۔ میں تجھے سامنے دیکھتا ہوں اور تجھے دعاء بھیجتا ہوں۔ (مسلک الختام شرح بلوغ المرام صفحہ ۲۵۹)

نواب صدیق حسن خاں صاحب نے بعضے از عرفاء کہہ کر شیخ محقق شیخ عبدالحق محدث دہلوی ؒ کی طرف اشارہ کیا ہے کیونکہ بعینہ یہی عبارت اشعۃ اللمعات شرح مشکوۃ جلد اول صفحہ 401 کتاب الصلوۃ باب التشہد میں موجود ہے۔

جب یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی اور اسے دیوبندی اور اہل حدیث علماء نے بھی لکھ دیا کہ حقیقت محمدیہ کائنات کے ہر ذرہ میں جلوہ فرما ہے تو اسی معنیٰ میں رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے شاہد فرمایا ہے اور آپ کو حاضر و ناظر کہا جاتا ہے۔

یہ گفتگو اس صورت میں ہے جب شَاهِدًا کو شہود سے مشتق مانا جائے اور اگر یہ شہادت سے مشتق ہو تو اس کا معنی گواہ ہے جیسے قرآن میں ہے: وَلَا يَأْبَ الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوْا ؕ ''جب گواہوں کو بلایا جائے تو گواہی دینے سے انکار نہ کریں۔'' (بقرہ، ۲۸۲) اور یہی معنی ہم نے ترجمہ میں اختیار کیا ہے، تو اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا کا یہ معنی ہوا کہ اے نبی اکرم ﷺ! ہم نے آپ کو گواہ بنا کر بھیجا ہے۔ اور اس میں نبی اکرم ﷺ کی عظیم فضیلت ہے۔ دیکھئے سب انبیاء سب ملائکہ بلکہ ساری کائنات وحدانیت الٰہی کی گواہی دیتی ہے مگر کسی نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا نہیں ہے البتہ سید عالم ﷺ وہ شاہد اعظم ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کو دیکھ کر اس کی گواہی دی۔ یہی وجہ ہے کہ حضور خاتم المرسلین ﷺ کے بعد باب نبوت بند کر دیا گیا دیکھئے کسی مقدمہ میں جب تک عینی گواہی نہ آئے، سب سماعی گواہیاں آ رہی ہوں تو مقدمہ چلتا رہتا ہے، مگر جب عینی گواہی آ جائے تو مقدمہ کا فیصلہ سنا دیا جاتا ہے کیونکہ اس کے بعد کسی سماعی گواہی کی ضرورت نہیں رہتی۔ یونہی توحید باری تعالیٰ پر سب انبیاء کی سماعی گواہی تھی جب خاتم الانبیاء ﷺ نے تشریف لا کر عینی گواہی دے دی اور فرمایا: ''رَاَيْتُ رَبِّيْ فِيْ اَحْسَنِ صُوْرَةٍ میں نے اپنے رب کو بہترین صورت میں دیکھا ہے۔'' (ترمذی) تو باب نبوت بند کر دیا گیا۔

دوسری اور تیسری عظمت یہ بتائی گئی کہ آپ ﷺ مبشر اور نذیر ہیں۔ یعنی مومنین صالحین کو جنت کی بشارت دینے اور کفار و فجار کو دوزخ سے ڈرانے والے ہیں۔ یوں تو سارے انبیاء مبشر و نذیر تھے مگر امام الانبیاء ﷺ کی شان بشارت و نذارت ہی جداگانہ ہے سب انبیاء کرام نے اللہ تعالیٰ سے جنت و نار کا تذکرہ پایا کسی نے جنت و نار کو دیکھا نہ تھا مگر آپ نے شب معراج جنت کی سیر فرمائی اور دوزخ کا مشاہدہ فرمایا اور سب کچھ دیکھ کر بشارت و نذارت دی۔

چوتھی عظمت یہ ہے کہ حضور سرور عالم ﷺ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی طرف بلانے والے ہیں۔ آپ کی شان داعی اللہ بھی بہت عظیم ہے۔ آپ ایسے معاشرہ میں مبعوث ہوئے جہاں صدیوں سے اندھیرا چھایا ہوا تھا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ ''تاکہ آپ اس قوم کو ڈرائیں جن کے باپ دادا کو نہ ڈرایا گیا تھا۔'' (یٰسین: ۶) مگر

آپ کی دعوت سے دیکھتے ہی دیکھتے صدیوں کے اندھیرے چھٹ گئے اور آپ کی وفات سے پہلے ہی اسلام کا نور جزیرۃ العرب کی حدیں عبور کر چکا تھا۔

رسولِ اکرم ﷺ کا سراج منیر ہونا

پانچویں عظمت یہ ہے کہ حضور سید کائنات ﷺ سراج منیر ہیں یعنی چمکانے والا آفتاب، آپ ﷺ کو آفتاب سے تشبیہ دینے میں چار وجوہ ہیں۔

اول: انبیاء سابقین ہدایت کے ستارے ہیں اور حضور ﷺ آفتاب ہدایت ہیں۔ ستارے خواہ لاکھوں چمکیں ان سے اندھیرا نہیں چھٹتا۔ اندھیرا آفتاب سے چھٹتا ہے۔ یونہی انبیاء ہزاروں آئے مگر کسی پر ایک آدمی ایمان لایا کسی پر دو اور کسی پر چند افراد، کسی پہ سینکڑوں اور کسی پہ ہزاروں، مگر آفتاب ہدایت کے طلوع سے اربوں لوگوں کو ہدایت نصیب ہوئی اور حدیث کے مطابق ایک وقت آنے والا ہے جس میں اسلام کے سوا دنیا میں کوئی مذہب باقی نہ رہے گا۔

دوم: ستاروں میں اپنا نور نہیں ہوتا بلکہ وہ زیرِ اُفق موجود آفتاب کے نور سے چمکتے ہیں۔ یونہی انبیاء کے پاس جو نور تھا وہ آفتاب محمدی ہی کا فیض تھا۔ امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے بجا فرمایا۔

فَاِنَّهٗ شَمۡسُ فَضۡلٍ هُمۡ كَوَاكِبُهَا يُظۡهِرۡنَ اَنۡوَارَهَا لِلنَّاسِ فِي الظُّلَمِ

وَ كُلُّ اٰيٍ اَتَى الرُّسُلُ الۡكِرَامُ بِهَا فَاِنَّهٗ مَا اتَّصَلَ بِنُوۡرِهٖ بِهِمۡ

یعنی حضور ﷺ آفتاب فضیلت ہیں اور انبیاء اس آفتاب کے ستارے ہیں جو تاریکیوں میں لوگوں کے لئے اس کا نور ظاہر کرتے تھے۔ اور رسولانِ گرامی جو معجزات لے کر آئے وہ آپ ﷺ ہی کے نور سے انہیں حاصل ہوئے۔

سوم: آفتاب زیرِ اُفق رہ کر آسمانی ستاروں کو چمکاتا ہے اور جب طلوع ہو کر آئے تو زمین کے ذروں کو روشن کرتا ہے۔ یونہی آفتاب محمدی طلوع سے قبل انبیاء کو چمکاتا تھا اور طلوع کے بعد اس نے صحابہ کو چمکایا، اہل بیت کو چمکایا، اغواث و اقطاب و اولیاء کو چمکایا بلکہ ہر مومن کے سینے کو نور ایمان سے چمکایا۔ امام اہل سنت امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

چمک تجھ سے پاتے ہیں سب پانے والے مرا دل بھی چمکا دے چمکانے والے

چہارم: آفتاب کے طلوع کے بعد کسی ستارے کی ضرورت نہیں رہتی اس کا اپنا نور ہی ہر ذرے کو چمکا دیتا ہے۔ یونہی آفتاب محمدی کے طلوع کے بعد کسی نبی کی ضرورت نہیں رہی آفتاب محمدی ہی ہر انسان کا سینہ نور ایمان کے ساتھ چمکانے کے لئے کافی ہے۔

[37] یعنی رسول اکرم ﷺ کو مذکورہ پانچ فضائل کے ساتھ مومنوں کے پاس بھیجا جانا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر فضل کبیر ہے۔ اور یاد رہے کہ فضلِ الٰہی کے حصول پر خوشی کرنی چاہیے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: قُلۡ بِفَضۡلِ اللّٰهِ وَبِرَحۡمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلۡيَفۡرَحُوۡا ؕ "فرما دیجئے کہ (قرآن کے حصول پر) اللہ کے فضل اور رحمت کے ملنے کی مومنوں کو

خوشی کرنی چاہیے۔'' (یونس:۵۸) اب اگر قرآن فضل ہے تو حضور سید کائنات ﷺ کو فضل کبیر کہا گیا اور اگر قرآن رحمت ہے تو حضور ﷺ کو رحمۃ للعالمین کہا گیا جب قرآن کی خوشی کرنا اللہ تعالیٰ کا حکم ہے تو سرکار دو عالم کی آمد کی خوشی کرنے میں کیا قباحت ہے۔ اس سے محافل میلاد النبی ﷺ کا جواز معلوم ہوا۔

[38] یہ حکم بظاہر نبی کریم ﷺ کو ہے مگر آپ ﷺ کے ذریعے تا قیامت تمام مومنین خصوصاً مبلغین اسلام کو سمجھانا مقصود ہے کہ وہ کفار کی ایذاء سے صرفِ نظر کر کے دین کا پرچم اٹھائے رکھیں۔

| |
|---|
| یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِذَا نَکَحۡتُمُ الۡمُؤۡمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقۡتُمُوۡهُنَّ مِنۡ قَبۡلِ |
| اے ایمان والو! جب تم مومنہ عورتوں سے نکاح کرو پھر انہیں چھونے سے قبل طلاق دے دو |
| اَنۡ تَمَسُّوۡهُنَّ فَمَا لَکُمۡ عَلَیۡهِنَّ مِنۡ عِدَّةٍ تَعۡتَدُّوۡنَهَا ۚ فَمَتِّعُوۡهُنَّ |
| تو ان پر تمہارے لئے کوئی عدت لازم نہیں ہے جسے تم گنو، تو انہیں کچھ سامان زندگی دیدو |
| وَسَرِّحُوۡهُنَّ سَرَاحًا جَمِیۡلًا ﴿۴۹﴾ |
| اور بھلے طریق سے آزاد کر دو[39] |

[39] چونکہ پیچھے حضرت زید رضی اللہ عنہ کا اپنی بیوی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو طلاق دینا بیان ہوا تو اب طلاق کا ایک حکم بتایا جا رہا ہے کہ اے مومنو! اگر تم اپنی بیویوں کو یوں طلاق دے دو کہ تم نے انہیں ہاتھ تک نہ لگایا ہو یعنی ان سے مباشرت نہ کی ہو تو ان پر کچھ ضروری نہیں کہ وہ تمہارے حق میں عدت سے بیٹھیں بلکہ طلاق کے فوراً بعد وہ دوسرا نکاح کر سکتی ہیں۔ کیونکہ عدت کا مقصد یہ جاننا ہے کہ عورت کو کہیں حمل تو نہیں ہے؟ اگر حمل ہو تو عدت وضع حمل تک چلے گی اور جب مباشرت ہی نہیں ہوئی تو عدت کی کیا ضرورت۔ یاد رہے اگر ایسی عورت کو جس سے شوہر نے وطی نہیں کی شوہر نے تین طلاقیں اکٹھی دے دیں تو وہ طلاق مغلظہ ہے اور بغیر حلالہ کے واپسی ممکن نہیں اور اگر ایک طلاق دی تو وہی بائنہ ہے فوراً نکاح ختم ہو گیا رجوع کا اختیار نہیں۔ (کنز الدقائق صفحہ ۱۲۰) آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایسی عورت کو کچھ سامان زندگی دے کر بھلے طریقہ سے آزاد کر دو۔ یاد رہے مباشرت سے قبل طلاق دینے کی صورت میں اگر مہر مقرر ہوا تھا تو اس کا نصف دینا لازم ہے اور اگر مہر مقرر نہیں ہوا تو شوہر پہ لازم ہے کہ کچھ نہ کچھ دے کر عورت کو رخصت کرے کم از کم کپڑوں کا ایک جوڑا ضروری ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِيْٓ اٰتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ وَمَا

اے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہم نے آپ کے لئے آپ کی وہ بیویاں حلال کی ہیں جنہیں آپ نے ان کا مہر دیا ہے اور آپ کی مملوکہ

مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ مِمَّآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلَيْكَ وَبَنٰتِ عَمِّكَ وَبَنٰتِ عَمّٰتِكَ

لونڈیاں حلال کی ہیں جو اللہ نے آپ کو غنیمت میں عطا کیں [40] اور آپ کی وہ چچازاد، پھوپھی زاد، ماموں زاد

وَبَنٰتِ خَالِكَ وَبَنٰتِ خٰلٰتِكَ الّٰتِيْ هَاجَرْنَ مَعَكَ ۡ وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً

اور خالہ زاد (عورتیں نکاح کے لئے) حلال کی ہیں جنہوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی ہے۔ [41]

اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا ۗ خَالِصَةً

اور کوئی بھی مومنہ عورت حلال کی ہے اگر وہ خود کو نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کیلئے ہبہ کرے اگر نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس سے نکاح کرنا چاہیں،

لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِيْٓ اَزْوَاجِهِمْ وَمَا

یہ صرف آپ کے لئے ہے نہ کہ باقی مومنوں کے لئے۔ ہم جانتے ہیں جو ہم نے ان کی بیویوں

مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ لِكَيْلَا يَكُوْنَ عَلَيْكَ حَرَجٌ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝۵۰

اور زیردست لونڈیوں کے لئے ان پر فرض کیا ہے۔ تاکہ آپ پر کوئی حرج نہ رہے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ [42]

[40] جب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا تو کفار نے اعتراض کیا کہ آپ کے پاس پہلے بھی بیویاں تھیں پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مزید نکاح کیوں کیا تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ آپ جس بھی عورت کو اس کا مہر دے کر اپنے نکاح میں لاتے ہیں تو ایسی عورتیں ہم نے آپ کے لئے حلال کی ہیں اب کوئی دوسرا کون ہوتا ہے اعتراض کرنے والا۔ اسی طرح مال غنیمت میں سے آپ جس قدر چاہیں لونڈیاں رکھ سکتے ہیں یہ ہم نے آپ کے لئے حلال کیا ہے تاہم حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صرف ایک ہی لونڈی سیدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کو اپنی ملک میں لیا اور ان سے آپ کے بیٹے حضرت ابراہیم پیدا ہوئے۔

[41] یعنی اے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ کی چچازاد، پھوپھی زاد، ماموں زاد اور خالہ زاد عورتوں میں سے جو عورت آپ کی اتباع میں ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آجائے اور آپ اسے اپنے نکاح میں لائیں تو ایسا کرنا ہم نے آپ کے لئے حلال کیا ہے۔ جیسے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا جن سے نکاح کرنے پر کفار نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اعتراض کیا کہ آپ کی

پھوپھی زاد بہن ہیں یعنی امیمہ بنت عبدالمطلب کی بیٹی ہیں۔ اگر آپ نے ان سے نکاح فرمایا ہے تو اس کو ہم نے حلال کیا ہے گویا جس عورت نے ہجرت نہ کی ہو خواہ وہ مومنہ ہو اس سے آپ کا نکاح حلال نہیں چنانچہ فتح مکہ کے موقع پر ابو طالب کی بیٹی حضرت اُم ہانی رضی اللہ عنہا نے آپ سے نکاح کی رغبت ظاہر کی مگر چونکہ انہوں نے ہجرت نہیں کی تھی اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے نکاح نہ فرمایا۔ (ترمذی کتاب التفسیر سورہ احزاب باب ۱۷) یاد رہے حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے سوا آپ کی ازواج مطہرات میں سے کوئی بھی آپ کی پھوپھی زاد، چچا زاد، ماموں زاد یا خالہ زاد نہ تھی۔

[42] اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اگر کوئی مومنہ عورت آپ سے درخواست کرتی ہے کہ آپ اسے اپنی ملک نکاح میں لے لیں یعنی وہ کسی حق مہر کا تقاضا نہیں رکھتی اور نہ ہی کسی اور خرچ کا تقاضا کرتی ہے اور آپ اسے کسی مہر کے بغیر اپنے نکاح میں لے آتے ہیں تو ایسا کرنا ہم نے آپ کے لئے حلال کیا ہے یہ اجازت صرف آپ کے لئے ہے دوسرے مومنوں کے لئے نہیں کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ ہم نے ان کی بیویوں کے لئے حق مہر اور لونڈیوں کے لئے کیا مالی حق مقرر کیا ہے۔ اور یہ ہم نے آپ کے لئے چار سے زائد شادیوں کی اور بغیر حق مہر کسی عورت سے نکاح کی اجازت اس لئے رکھی ہے تا کہ آپ پر کوئی حرج نہ رہے۔ یاد رہے کہ متعدد خواتین نے مختلف مقامات پر خود کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نکاح کے لئے پیش کیا مگر اُم المؤمنین سیدہ میمونہ بنت حارث رضی اللہ عنہا کے سوا کسی سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نکاح نہ فرمایا۔

یہاں سے دو فوائد حاصل ہوئے:

(۱) حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے کوئی کتابیہ عورت حلال نہ تھی: وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً کے تحت قاضی ثناء اللہ پانی پتی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اس سے بعض ائمہ نے استدلال کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے صرف مومنہ عورت ہی حلال تھی کتابیہ نہیں اور یہ آپ کے خصائص میں سے ہے۔ (مظہری جلد ۷ صفحہ ۳۶۱) اس طرح بغیر حق مہر کسی عورت سے نکاح کی حلت بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصائص میں سے ٹھہری۔

(۲) اللہ تعالیٰ کے ہاں حضور سید کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقام محبوبیت: کفار نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکاح پر اعتراض کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں یہ آیت اتاری اور اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خوب دفاع کیا۔ اس سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقام محبوبیت ظاہر ہے۔

| |
|---|
| تُرۡجِیۡ مَنۡ تَشَآءُ مِنۡهُنَّ وَتُــٔۡوِیۡۤ اِلَیۡكَ مَنۡ تَشَآءُ ؕ وَمَنِ ابۡتَغَیۡتَ مِمَّنۡ |
| آپ اپنی بیویوں میں سے جسے چاہیں پیچھے کردیں اور جسے چاہیں اپنے پاس جگہ دیں اور جس بیوی کو آپ (قریب کرنا) پسند کریں |
| عَزَلۡتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَیۡكَ ؕ ذٰلِكَ اَدۡنٰۤی اَنۡ تَقَرَّ اَعۡیُنُهُنَّ وَلَا یَحۡزَنَّ |
| جسے آپ نے جدا رکھا تھا تو آپ پر کوئی اعتراض نہیں۔ اسطرح بہت متوقع ہے کہ انکی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ غم نہ کریں |
| وَیَرۡضَیۡنَ بِمَاۤ اٰتَیۡتَهُنَّ كُلُّهُنَّ ؕ وَاللّٰهُ یَعۡلَمُ مَا فِیۡ قُلُوۡبِكُمۡ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ |
| اور آپ انہیں جو دیدیں اس پر وہ سب راضی ہوں۔ اور اللہ جانتا ہے جو تمہارے دلوں میں ہے اور اللہ علم والا |
| عَلِیۡمًا حَلِیۡمًا ﴿۵۱﴾ لَا یَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنۡۢ بَعۡدُ وَلَاۤ اَنۡ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنۡ |
| حکمت والا ہے [43]۔ آپ کے لئے اس کے بعد مزید عورتیں حلال نہیں ہیں۔ اور نہ یہ کہ آپ ان کے بدلے |
| اَزۡوَاجٍ وَّلَوۡ اَعۡجَبَكَ حُسۡنُهُنَّ اِلَّا مَا مَلَكَتۡ یَمِیۡنُكَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰی |
| دوسری ازواج لائیں خواہ آپ کو ان کا حسن بھائے۔ سوا آپ کی زیردست لونڈیوں کے اور اللہ |
| كُلِّ شَیۡءٍ رَّقِیۡبًا ﴿۵۲﴾ ع |
| ہر چیز کا نگہبان ہے۔[44] |

ع ۲ ۶

[43] حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب ازواج مطہرات نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیور وغیرہ کا مطالبہ کیا اور آپ نے ان سے چند دن علیحدگی فرمائی پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں اختیار دیا کہ خواہ وہ مال دنیا لے کر آپ سے طلاق حاصل کرلیں خواہ فقر اختیار کر کے آپ کے ساتھ رہنا پسند کرلیں تو سب ازواج نے آپ کے ساتھ رہ کر فقر اختیار کرلیا اور عرض کیا آپ ہمیں طلاق نہ دیں ہمارا آپ سے کچھ مطالبہ نہیں۔ گویا انہوں نے کہا آپ کے ساتھ رہ کر ہمیں دنیا کی ہر تنگی و تکلیف برداشت ہے مگر آپ سے فرقت برداشت نہیں۔ تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری اور فرمایا کہ اب آپ پر ازواج کی باری کا تقرر کچھ ضروری نہیں اور نہ ہی نان ونفقہ میں برابری کرنا ضروری ہے آپ جس کو جتنا وقت یا نفقہ دیں دوسری ازواج کو اس پر اعتراض نہ ہوگا اس طرح بہت متوقع ہے کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں گی اور آپ انہیں جو دے دیں خواہ وہ تھوڑا ہو یا زیادہ، اس پر وہ راضی ہوں گی اور کسی کو اس پر شکوہ نہ ہوگا۔ چنانچہ سب ازواج کو یہ بات بتادی گئی اور سب نے اسے دل وجان سے قبول کرلیا۔ مگر اس کے باوجود حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات کے مابین باری کا تقرر ہمیشہ جاری رکھا۔ (تفسیر ابن جریر طبری جلد ۱۰ صفحہ ۳۱۴)

اس آیت میں وَمَنِ ابْتَغَيْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ ؕ کا یہ مفہوم ہے کہ اے پیارے رسول ﷺ آپ نے اپنی ازواج مطہرات میں سے جس کو طلاق رجعی دے کر خود سے جدا کر رکھا ہو اگر آپ چاہیں تو اسے واپس عقد میں لے لیں۔ اور یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ جس عورت نے خود کو آپ کے لئے ہبہ کیا اور آپ نے اسے قبول نہ کیا تھا اگر آپ چاہیں تو بعد میں اسے عقد میں لے لیں۔

جب یہ آیت اتری: تُرْجِيْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَتُـْٔوِيْٓ اِلَيْكَ مَنْ تَشَآءُ ؕ وَمَنِ ابْتَغَيْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ تَقَرَّ اَعْيُنُهُنَّ وَلَا يَحْزَنَّ وَيَرْضَيْنَ بِمَآ اٰتَيْتَهُنَّ كُلُّهُنَّ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَلِيْمًا ﴿۵۱﴾ تو سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا: مَا اَرٰى رَبَّكَ اِلَّا يُسَارِعُ فِيْ هَوَاكَ۔ میں تو یہی دیکھتی ہوں کہ آپ کا رب تیزی سے آپ کی ہر خواہش پوری کر دیتا ہے۔ (بخاری کتاب التفسیر سورۃ احزاب باب ۷)

معلوم ہوا اللہ تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کی رضا چاہتا ہے۔

خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم     خدا چاہتا ہے رضاء محمد

[44] جب ازواج رسول ﷺ نے آپ کی خوشنودی کے لئے مال دنیا سے کنارہ کشی کر کے فقیرانہ زندگی اپنالی اور باری کے تقرر اور خرچہ کی مساوات سے دست برداری اختیار کر لی یعنی رضاء خدا اور رسول عزوجل و ﷺ کے لئے اپنی تمام خواہشات کو ختم کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے پیارے محبوب ﷺ اب آپ کے لئے حلال نہیں کہ ان ازواج کے بعد آپ کسی اور عورت سے شادی کریں یا ان میں سے کسی کو طلاق دے کر اس کی جگہ دوسری عورت لائیں خواہ آپ کو کسی کا جمال بھلا لگے۔ البتہ لونڈیاں مزید لے سکتے ہیں۔

تاہم سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ فرمایا: ما مات رسول الله ﷺ حتى احلت له النساء۔ رسول اللہ ﷺ کے وصال سے قبل آپ کے لیے اللہ تعالیٰ نے حلال فرما دیا تھا کہ آپ مزید جس عورت سے چاہیں شادی فرمالیں۔ (ترمذی کتاب التفسیر سورہ احزاب حدیث ۳۲۱۶، نسائی کتاب النکاح باب ۲ حدیث ۳۲۰۶) گویا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے نزدیک آیت لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ۔ (احزاب، ۵۲) کا نزول پہلے ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ نازل فرمایا: يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِيْٓ اٰتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ۔ (احزاب، ۵۰) اور یہ بھی نازل فرمایا: تُرْجِيْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ۔ (احزاب، ۵۱)

## جس عورت سے شادی کا ارادہ ہو اس کو دیکھنے کا جواز

اس جگہ ولو اعجبك حسنهن (چاہے ان عورتوں کا حسن، جن سے آپ شادی کرنا چاہتے ہیں آپ کو بھلا لگے) سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ جس عورت سے شادی کرنے کا ارادہ ہو اسے ایک نظر دیکھ لینا جائز ہے بلکہ دیکھ لینا چاہیے۔ اور حدیث میں اس کی صراحت ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک شخص نے حاضر ہو کر عرض کیا میں فلاں انصاری عورت سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم نے اسے دیکھا ہے؟ کہا نہیں، فرمایا: اسے دیکھ لو، کیونکہ انصار کی آنکھوں میں کوئی چیز ہے۔ (مسلم کتاب النکاح حدیث ۷۴)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّآ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى

اے ایمان والو! نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے گھروں میں داخل نہ ہو سوا اس کے کہ تمہیں کھانے کے لئے

طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ ۙ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ

بلایا جائے، کھانے کے پکنے کے انتظار میں نہ بیٹھو بلکہ جب تمہیں بلایا جائے تب داخل ہو [45] پھر جب تم کھانا کھا چکو

فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ ۭ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ

تو (وہاں سے) پھیل جاؤ اور بات چیت کا مزہ لینے نہ بیٹھ جاؤ۔ یہ چیز نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ایذا دیتی ہے۔

فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ ۡ وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ ۭ وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا

وہ تم سے حیا رکھتے ہیں اور اللہ حق کہنے سے حیا نہیں فرماتا۔ اور جب تم ازواج رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے کوئی چیز مانگو

فَسْـَٔــلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَاۗءِ حِجَابٍ ۭ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ ۭ وَمَا

تو پردے کے پیچھے سے مانگو یہ طریقہ تمہارے اور ان کے دلوں کے لئے پاکیزہ تر ہے [46] اور تمہارا

كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ

حق نہیں کہ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ایذاء دو اور نہ یہ کہ آپ کے بعد آپ کی ازواج سے

اَبَدًا ۭ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا ۝ اِنْ تُبْدُوْا شَيْـــًٔا اَوْ تُخْفُوْهُ

کبھی نکاح کرو، بے شک یہ اللہ کے ہاں بڑا گناہ ہے [47] اگر تم کوئی چیز ظاہر کرو یا چھپاؤ

فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِــيْمًا ۝ لَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِيْٓ اٰبَاۗىِٕهِنَّ

تو اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔ ازواج رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ان کے باپ دادا کے بارے میں کوئی گناہ نہیں، نہ ہی

وَلَآ اَبْنَاۗىِٕهِنَّ وَلَآ اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَاۗءِ اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَاۗءِ اَخَوٰتِهِنَّ

ان پر ان کے بیٹوں، بھائیوں، بھتیجوں، بھانجوں، ان کی اپنی (مسلمان)

وَلَا نِسَآئِهِنَّ وَلَا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ ۚ وَاتَّقِيْنَ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ

عورتوں اور ان کی زیردست لونڈیوں کے بارے میں کوئی گناہ ہے۔ تم اللہ سے ڈرو۔ اللہ

عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا ۝

ہر چیز پر گواہ ہے۔[48]

## ازواج رسول ﷺ کیلئے پردے کا حکم اور تعظیم رسول ﷺ کا بیان

[45] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا تو لوگوں کو (دعوت ولیمہ پر) بلایا لوگ کھانا کھاتے گئے اور چلتے گئے آپ بھی اٹھ کر چلے گئے۔ مگر تین آدمی بیٹھ کر باتیں کرتے رہے۔ آپ واپس تشریف لائے تو وہ آدمی ابھی وہیں بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ آپ پھر واپس چلے گئے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر جا کر انہیں سلام کہا ان کا حال پوچھا اور باری باری سب ازواج کے پاس گئے اور ان کا حال پوچھا پھر واپس حضرت زینب کے حجرہ میں آئے تو وہ تین آدمی ہنوز بیٹھے تھے۔ آپ پھر واپس ہو گئے کیونکہ آپ بہت حیا والے تھے پھر آپ کو بتایا گیا کہ وہ تین آدمی چلے گئے ہیں تب آپ واپس آئے ابھی آپ نے اپنا ایک قدم اندر رکھا تھا اور دوسرا باہر تھا کہ آیت حجاب اُتر آئی اور آپ نے پردہ گرا دیا۔ (بخاری کتاب التفسیر سورہ احزاب باب ۸)

آیتِ حجاب یہی پیش نظر آیت ہے: لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّآ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ ۙ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ ۫ وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ ؕ وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ؕ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ ؕ وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا ۝ اور اس میں حکم دیا گیا کہ نبی کریم ﷺ کے گھروں میں بے اجازت داخل نہ ہو اور آپ کی ازواج سے جو سوال کرو حجاب کے پیچھے سے مانگو اس کی وضاحت آگے آ رہی ہے۔

اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اے مومنو! حضور سید عالم ﷺ کے گھروں میں بے اجازت نہ داخل ہوا کرو، ہاں جب تمہیں کھانے کے لئے بلایا جائے تو جاؤ اور وقت سے قبل نہ جاؤ کہ وہاں بیٹھ کر کھانا پکنے کا انتظار کرو بلکہ دعوت کا جو وقت ہو اس پر جاؤ اور کھانا کھا کر وہاں گپ شپ کرنے نہ بیٹھ جاؤ کیونکہ یہ چیز حضور ﷺ کو تکلیف دیتی ہے وہ تو بہت حیاء والے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ حق کہنے سے حیاء نہیں فرماتا۔ یہ آیت بظاہر نبی کریم ﷺ کے گھروں کے لئے اُتری مگر اس سے

تمام اہل اسلام کے گھروں میں داخلے کے آداب کا بیان مقصود ہے۔

## کسی کے گھر کھانے کے لئے بن بلائے جانا جائز نہیں

اِلَّآ اَنْ یُّؤْذَنَ لَکُمْ سے معلوم ہوا کہ جب تک کوئی کھانے کے لیے کسی کو از خود دعوت نہ دے تب تک اس کے گھر میں بلا اجازت اور بلا دعوت چلے جانا جائز نہیں ہے، اس آیت کا اشارہ اسی طرف ہے۔ اسی لئے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: ''جو کسی کے گھر بن بلائے کھانے پر پہنچ گیا وہ چوروں کی طرح داخل ہوا اور ڈاکوؤں کی طرح لوٹا۔'' (ابوداؤد کتاب الاطعمہ باب ا) بعض جہلاء کی عادت ہے کہ بن بلائے بھی دعوت میں پہنچ جاتے ہیں اور بعد میں اس بات کو فخریہ بیان کرتے ہیں۔ حالانکہ ان کو اس پہ شرم آنی چاہیے۔

## کھانے کے لئے دیئے گئے وقت سے پہلے جانا یا کھانے کے بعد وہاں تادیر بیٹھے رہنا جائز نہیں

اِذَا دُعِیْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا سے معلوم ہوا کہ صاحب خانہ نے دعوت کا جو وقت دیا ہو اس سے قبل وہاں جانا یا کھانا کھالینے کے بعد وہاں دیر تک بیٹھے رہنا کہ جس سے صاحب خانہ کو اذیت پہنچے جائز نہیں ہے اور کسی کے پیار کا جواب آزار سے دینے والا بڑا گناہ گار ہے۔ حدیث مبارکہ میں ہے کہ ''جب تم کسی کے گھر میں کھانا کھا چکو تو اٹھ جاؤ اور اہل خانہ کو آسانی دو۔'' (بخاری کتاب التہجد باب ۲)

## دعوت کا قبول کرنا اللہ تعالیٰ کو پسند ہے

اور دعوت کا کسی عذر کے بغیر قبول نہ کرنا ناپسند ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَلٰکِنْ اِذَا دُعِیْتُمْ فَادْخُلُوْا۔ جب تمہیں دعوت دی جائے تو جاؤ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: ''اگر مجھے کوئی بکری کی ٹانگ پر بلائے تو میں ضرور اس کی دعوت ضرور قبول کروں گا۔'' (بخاری کتاب الھبہ باب ۲)

## نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی صفت حیاء:

فَیَسْتَحْیٖ مِنْکُمْ سے آپ کی صفت حیاء کی طرف اشارہ ہوا کہ آپ خود پر تکلیف گوارا کر لیتے ہیں مگر کسی سے یہ نہیں کہتے کہ تم کھانا کھا چکے ہو لہٰذا اب تمہیں جانا چاہئے اور حدیث مبارکہ میں ہے کہ ''حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کنواری لڑکی سے بھی زیادہ شرم والے تھے۔'' (بخاری عن ابی سعید)

## اللہ تعالیٰ کو آپ کا تکلیف میں پڑنا گوارا نہیں

ادھر چند لوگوں کے آپ کے گھر میں زیادہ دیر بیٹھنے سے آپ کو تکلیف ہوئی ادھر اللہ تعالیٰ نے قرآن اتار کر لوگوں کو ہدایت فرمائی کہ میرے محبوب کے لئے باعثِ اذیت نہ بنو۔ قربان جائیں اللہ رب العزت کس قدر آپ کی دلجوئی فرماتا ہے۔

[46] سیدنا عمر بن خطاب ؓ فرماتے ہیں میں نے تین باتوں میں اپنے رب کی مرضی کے مطابق بات کی (یعنی میری رائے کے مطابق قرآن اترا) میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! کیا ہم مقام ابراہیم کو جائے نماز نہ بنائیں؟ تو یہ آیت اتری: وَاتَّخِذُوۡا مِنۡ مَّقَامِ اِبۡرٰهٖمَ مُصَلًّی ؕ (بقرہ:۱۲۵) میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! یَدۡخُلُ علیكَ البَرُّ وَالۡفَاجِرُ، آپ کے پاس (آپ کے گھر) ہر نیک و بد داخل ہوتا ہے آپ امہات المؤمنین کو حجاب کا حکم فرمائیں تو آیت حجاب اتر آئی۔ اور جب آپ اپنی بعض ازواج سے ناراض ہوئے تو میں نے آپ کی ازواج سے جا کر کہا اگر تم اپنے طریقہ سے پیچھے نہ ہٹیں تو اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو تم سے بہتر ازواج دے کر تمہیں فارغ کر دے گا تو یہ آیت اُتر آئی: عَسٰی رَبُّهٗۤ اِنۡ طَلَّقَكُنَّ اَنۡ یُّبۡدِلَهٗۤ اَزۡوَاجًا خَیۡرًا مِّنۡكُنَّ مُسۡلِمٰتٍ مُّؤۡمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰٓئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓئِحٰتٍ ثَیِّبٰتٍ وَّاَبۡكَارًا ۝ یعنی ''اے ازواج رسول! ممکن ہے کہ اگر رسول (ﷺ) تمہیں طلاق دے دیں تو اللہ آپ کو تم سے بہتر بیویاں دے دے۔'' (تحریم:۵) (بخاری کتاب التفسیر سورہ احزاب حدیث ۴۷۹۰)

اس حدیث میں یدخل علیك البر والفاجر سے معلوم ہوا کہ اس آیت کے نزول سے قبل صحابہ کرام ؓ نبی کریم ﷺ کے گھروں میں آتے جاتے تھے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حجاب لازم کر دیا گیا اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے مومنو! جب تم ازواج رسول ﷺ سے کچھ مانگو تو پردے کے پیچھے سے مانگو یعنی گھر کے اندر مت آؤ بلکہ دروازے سے باہر کھڑے ہو کر جو مانگنا ہے مانگو۔ اسی طرح حضرت عائشہ صدیقہ ؓ سے مروی ہے کہ فرمایا میں ایک پیالہ میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ حیس (ایک قسم کا پنیر) کھا رہی تھی اتنے میں عمر فاروق ؓ وہاں سے گزرے (یعنی گھر میں آ گئے) آپ نے انہیں بلا لیا (وہ بھی اسی پیالے سے کھانے لگے) ان کی انگلی میری انگلی سے چھو گئی ان کے منہ سے ''اوہ'' نکلا اور انہوں نے کہا اگر میری بات مانی جاتی تو تمہیں کوئی آنکھ دیکھ نہ سکتی تب یہ آیت نازل ہوئی: وَاِذَا سَاَلۡتُمُوۡهُنَّ مَتَاعًا فَسۡـَٔلُوۡهُنَّ مِنۡ وَّرَآءِ حِجَابٍ ؕ (ابن ابی حاتم جلد ۱۰ صفحہ ۳۱۴۸ حدیث ۱۷۷۵۴) معلوم ہوا اس آیت کے نزول سے قبل صحابہ حضور سید کائنات ﷺ کے گھر کے اندر آتے اور ازواج مطہرات سے روبرو باتیں بھی کر لیتے تھے پھر اس آیت کے نزول پر انہیں دروازے پر روک دیا گیا۔

یہ آیت اگرچہ ازواج رسول ﷺ کے بارے میں اُتری ہے مگر اس سے تمام خواتین اسلام کو ہدایت دینا مقصود ہے جیسا کہ اس سے قبل دعوت طعام کے احکام بظاہر گھرانہ رسول ﷺ کے بارے میں تھے مگر تمام مسلم گھرانوں پر ان کا اطلاق ہوتا ہے۔

یہاں سے دو فوائد حاصل ہوئے:

(۱) حضرت عمر فاروق ؓ کی رائے پر نزول قرآن:

اس آیتِ حجاب اور دیگر آیات کا حضرت عمر فاروق ؓ کی رائے پر نزول بتاتا ہے کہ وہ رمز آشنائے توحید اور راز

دارِ نبوت تھے اسی لئے فرمایا گیا اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر ہوتا۔ (ترمذی کتاب المناقب)

(۲) عورتوں کا مردوں سے اختلاط اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں:

اس لئے مومنوں کو ازواج مطہرات کے پاس جانے کی بجائے دروازے کے پیچھے سے سوال کرنے کا حکم فرمایا گیا حالانکہ ازواجِ رسول ﷺ طہارت کے اعلیٰ منصب پر فائز ہیں انہی کے لئے فرمایا گیا: وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا۔ اللہ نے چاہا کہ تمہیں خوب پاک کر دیا جائے۔ (احزاب، ۳۳) جب ان کا کسی اجنبی سے اختلاط جائز نہیں تو دوسری عورتوں کے لئے کیسے جائز ہے۔ اسی لئے حدیث مبارکہ میں ہے کہ ''جب عورت باہر نکلتی ہے (مردوں کے ساتھ آزادانہ گھلتی ملتی ہے) تو شیطان اسے تاک لیتا ہے۔'' (ترمذی کتاب الرضاع باب ۱۸)

[47] رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد آپ کی ازواج مطہرات سے کسی شخص کا نکاح کرنا آپ ﷺ کے لئے باعث اذیت اور اللہ تعالیٰ کے ہاں گناہ عظیم قرار دیا گیا۔ اس کے تین اسباب ہیں۔

## ازواج رسول ﷺ سے حرمتِ نکاح کے تین اسباب

اول: ازواجِ رسول ﷺ مومنین کی مائیں ہیں۔ وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ۔ آپ کی بیویاں مومنوں کی مائیں ہیں۔ (احزاب، ۶) جب جسمانی ماں سے نکاح نہیں ہو سکتا تو روحانی وایمانی ماں سے کیسے ہو سکتا ہے یہ اس سے بڑا گناہ ہے۔

دوم: نبی اکرم ﷺ اپنی قبر منور میں حیاتِ جسمانی کے ساتھ زندہ ہیں کیونکہ آپ کی حیات شہداء سے قوی تر ہے شہداء کی میراث تقسیم ہو جاتی ہے مگر انبیاء کی نہیں ہوتی۔ شہداء کی بیویاں عدت گزارنے کے بعد دوسرا نکاح کر سکتی ہیں مگر انبیاء کی بیویاں نہیں کر سکتیں کیونکہ انبیاء کی حیات بعد الممات جسمانی ہے۔

سوم: اگر کسی عورت کے متعدد نکاح ہوں تو وہ اپنے آخری شوہر کے ساتھ جنت میں جمع ہوگی اور اللہ رب العزت نے فیصلہ فرمایا ہے کہ ازواجِ رسول ﷺ جنت میں آپ کے ساتھ ہوں اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کے بعد آپ کی ازواج کا دوسرا نکاح حرام فرما دیا۔

یاد رہے جس عورت سے حضور سرور کائنات ﷺ صرف نکاح فرمائیں مگر وہ آپ کے گھر نہ آئے اور رخصتی سے قبل ہی آپ اسے طلاق دیدیں تو وہ امہات المومنین اور ازواج رسول ﷺ میں داخل نہیں ہے نہ ہی اس پہ یہ پابندی ہے کہ وہ کسی دوسرے مرد سے شادی نہیں کر سکتی۔ جیسے کلبیہ نامی ایک عورت سے آپ نے شادی کی پھر اسے طلاق دیدی تو اس سے بعد میں حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ بن ابی جہل نے نکاح کیا۔ (قرطبی جلد ۱۴ صفحہ ۲۳۰)

مروی ہے کہ آیت وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا ؕ کا شان نزول یہ ہے کہ نزول حجاب سے پہلے ایک شخص حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے باتیں کر رہا تھا وہ ان کا عمزاد تھا۔ نبی اکرم ﷺ نے اس کے انداز تکلم کو ناپسند فرمایا۔ اس نے بعد میں کہا: میں رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کروں گا۔ تب یہ آیت

نازل ہوئی۔ چنانچہ اس شخص نے توبہ کے لیے کئی غلام آزاد کیے اور کثیر صدقات کیے اور پیدل چل کر حج کیا۔ (مظہری بروایت ابن جریر جلد ۷ صفحہ ۳۷۳) یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم میں سے کسی کا رسول اللہ ﷺ کے بعد ان کی ازواج سے شادی کرنا اللہ تعالیٰ کے بڑا گناہ اور خود آپ کے لیے بڑی ایذاء ہے۔ امام قرطبی فرماتے ہیں کہ بعض روایات کے مطابق وہ شخص حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ تھے جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ مگر یہ غلط ہے یہ قول صحابہ کبار سے صادر نہیں ہوسکتا وہ کوئی کم صحبت اور کم علم ہی تھا۔ (قرطبی جلد ۴ صفحہ ۲۲۹)

[48] یعنی ازواج رسول ﷺ کے محارم جیسے باپ دادا، بیٹے، بھائی، بھتیجے، بھانجے وغیرہ کے بارے میں ازواج رسول پر اس بارے میں کوئی گناہ نہیں کہ وہ ان کے پاس آئیں ان کے لئے پردے کے پیچھے سے بات کرنے کی پابندی نہیں ہے۔ یہ پابندی غیر محارم کے لئے ہے۔ اسی طرح مومنہ عورتیں اور ازواج رسول کی لونڈیاں بھی ان کے پاس بے دھڑک آسکتی ہیں۔

| اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓىِٕكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا |
| --- |
| بے شک اللہ اور اس کے فرشتے نبی اکرم (ﷺ) پر درود بھیجتے ہیں، اے ایمان والو! آپ پر درود پڑھو |
| عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝ |
| اور خوب سلام بھیجو [49] |

## نبی اکرم ﷺ پر درود و سلام پڑھنے کا حکم

[49] اس آیت کا ماقبل سے گہرا تعلق ہے۔ اس سے دو آیات قبل فرمایا گیا کہ حضور سید کائنات ﷺ کے بعد آپ کی ازواج مطہرات سے کسی مسلمان کا نکاح کرنا آپ کو اذیت دینا اور اللہ تعالیٰ کے ہاں عظیم گناہ ہے اب اس آیت کے ذریعے مومنین کے دلوں میں عظمت رسول اجاگر کی جا رہی ہے اور انہیں بتایا جا رہا ہے کہ اے مومنو! اپنے کسی عمل سے اپنے رسول کو تکلیف دینا تو درکنار رہا تمہارا تو یہ حق ہے کہ آپ پر زیادہ سے زیادہ درود و سلام پڑھ کر آپ کو خوش کرو تا کہ تمہارے سلام کے بدلے تمہارے آقا تمہیں سلام کہیں اور ان کے سلام سے تمہارا بیڑا پار ہو جائے۔

یاد رہے اللہ تعالیٰ کا آپ پر صلوٰۃ بھیجنا یہ ہے کہ اللہ رب العزت اپنی شان کے مطابق آپ پر رحمت نازل فرماتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اُولٰٓىِٕكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ان پر ان کے رب کی طرف سے خصوصی رحمتیں اور عمومی رحمت ہے۔ (بقرہ: ۱۵۷) اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی آپ پر رحمتوں کا کوئی ٹھکانہ نہیں اس نے آپ کا نور سب سے اول تخلیق فرمایا، پھر آپ کو سارے عالم کے لئے مبدأ تخلیق بنایا، سب سے اول آپ کو صفت نبوت سے متصف

فرمایا اور سب انبیاء سے آپ کی مدد کرنے اور آپ پر ایمان لانے کا عہد لیا۔ پھر ہر نبی کو مبعوث فرمانے کے بعد اس کو حکم دیا کہ اپنی قوم کو بتائے کہ اگر وہ محمد مصطفی ﷺ کا عہد پائیں تو ان پر ایمان لائیں۔ کما رواہ ابنُ جریر عن سیدنا علی المرتضی رضی اللہ عنہ فی تفسیرہ تحت قولہٖ تعالیٰ (وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ۔) (آل عمران:۸۱)
چنانچہ ہر نبی آپ کی عظمت کے چرچے کرتا اور آپ کی آمد کی بشارت سناتا رہا اور آپ کے تشریف لانے کے بعد اللہ تعالیٰ آپ کی امت کو مسلسل بڑھا رہا ہے اور ایک وقت آئے گا جب دنیا میں صرف آپ کا لایا ہوا دین ہوگا پھر روز قیامت اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ آپ کی عظمت میں اضافہ فرماتا جائے گا۔ الغرض اللہ تعالیٰ کا آپ پر درود بھیجنا یہ ہے کہ اللہ وحدہٗ لاشریک آپ کی عظمت بڑھاتا ہے اور بڑھاتا رہے گا یہ سلسلہ ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا۔

اور فرشتوں کا آپ پر صلوٰۃ بھیجنا یہ ہے کہ وہ آپ کے لئے اللہ تعالیٰ سے رحمت مانگتے اور رحمتیں اتارتے ہیں اور فرشتوں کا آپ پر درود بھیجنا یہ بھی ہے کہ روزانہ ستر ہزار فرشتہ صبح اور ستر ہزار شام آپ کی قبر انور پر اترتا اور آپ پر رحمتیں اتارتا ہے۔ اُم المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس حضرت کعب الاحبار رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے نبی کریم ﷺ کا ذکر خیر ہوا۔ حضرت کعب نے کہا: ہر روز ستر ہزار فرشتہ صبح قبر رسول ﷺ پر حاضر ہوتا اور آپ پر درود بھیجتا ہے اور ستر ہزار فرشتہ شام کو حاضر ہوتا ہے۔ اس طرح یہ سلسلہ تا قیامت چلتا رہے گا۔ اور آپ روز قیامت ستر ہزار فرشتوں کے جلوس میں اٹھیں گے۔ (حلیۃ الاولیاء لابی نعیم جلد ۵ صفحہ ۳۹۰) اس کا مفہوم یہ ہے کہ نئے سے نئے فرشتے صبح و شام آپ کی قبر انور پر اُترتے ہیں اور تا قیامت نئے سے نئے اُترتے رہیں گے۔ امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے خوب فرمایا۔

| | |
|---|---|
| ستر ہزار صبح تو ستر ہزار شام | یوں بندگی زلف ورخ آٹھوں پہر کی ہے |
| جو ایک بار آئے دوبارہ نہ آئے گا | رخصت ہی بارگاہ سے بس اس قدر کی ہے |
| معصوموں کو ہے عمر میں بس ایک بار | عاصی پڑے رہیں تو صلا عمر بھر کی ہے |

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴿۵۶﴾ ''اے ایمان والو! تم حضور ﷺ پر درود پڑھو اور خوب سلام بھیجو۔'' اس کا معنی یہ ہے کہ اے مومنو! تم آپ ﷺ کے لئے اللہ تعالیٰ سے رحمتیں مانگو اور آپ پر سلام کہو یعنی سلامتی کی دعا کرو۔ چنانچہ اللھم صلی علی محمد و علی آل محمد کا یہ معنی ہے کہ اے اللہ محمد ﷺ پر اور آپ کی آل پر رحمت نازل فرما۔ اور الصلوٰۃ والسلام علیك یا رسول اللہ کا یہ معنی ہے کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ پر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور سلامتی اترے۔ اور صلی اللہ علی حبیبہٖ محمد و آلہٖ وسلم کا معنی یہ ہے کہ اللہ اپنے حبیب محمد مصطفیٰ (ﷺ) اور آپ کی آل پر رحمت اتارے۔ گویا درود شریف کے ہر صیغہ میں رسول اللہ ﷺ کے لیے رحمت کی دعا مانگی جاتی ہے۔

## آپ پہ درود شریف کا تسلسل ازل سے ابد تک

اس جگہ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِي فرمایا گیا يُصَلُّونَ عَلَى مُحَمَّدٍ نہیں کہا گیا۔ دراصل یہ بتانا مقصود تھا کہ آپ ﷺ پر درود وسلام کا بھیجا جانا اس لئے ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں۔ اب جب آپ صفت نبوت کی وجہ سے درود وسلام کے مستحق ہیں تو جس وقت سے آپ نبی ہیں آپ پر اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کا درود جاری ہے اور جب تک آپ کے لئے نبوت ثابت ہے آپ پر اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کا درود جاری رہے گا۔ اب آپ ﷺ کب سے نبی ہیں تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ آپ کب سے نبی ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: **و آدم بین الروح والجسد**۔ ''جس وقت آدم علیہ السلام ابھی روح وجسم کے درمیان تھے میں اس وقت سے نبی ہوں۔'' (طبرانی کبیر جلد ۳ صفحہ ۱۵۸ حدیث ۵-۱۷۵۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت سن طباعت ۱۴۲۰ھ) یہ حدیث ترمذی کتاب المناقب باب 1 میں بھی انہی الفاظ کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اور حضور جانِ کائنات ﷺ کی نبوت تا قیامت اور قیامت کے بعد تک جاری ہے بلکہ قیامت ہی میں آپ ﷺ کی عظمت نبوت حقیقتاً چمکے گی تو آپ پر اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کا درود بھی ہمیشہ تک جاری رہے گا۔

## ہم حضور فخرِ موجودات ﷺ پر درود بھیج کر اپنے لئے رحمت کا دروازہ کھولتے ہیں:

اگر کہا جائے کہ جب اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے آپ ﷺ پر درود بھیج رہے ہیں یعنی رحمتیں اتار رہے ہیں تو ایسے میں مومنوں کے آپ ﷺ پر درود بھیجنے یعنی رحمت طلب کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ ایک آدمی صاف وشفاف پانی میں غوطے لگا رہا ہے دوسرا آدمی اس کے پاس پانی کا مشکیزہ لاتا ہے کہ لو نہا لو! تو یہ کیسی عجیب بات ہے۔ حضور سید عالم وشافع محشر ﷺ تو پہلے ہی رحمت الٰہی کے سمندروں میں غوطہ زن ہیں حتیٰ کہ آپ خود رحمۃ للعالمین بنا دیئے گئے ہیں تو پھر آپ ﷺ کے لئے ہمارا درود وسلام بھیجنا یعنی طلب رحمت کرنا چہ معنی دارد؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ بظاہر تو ہم آپ کے لئے طلب رحمت کرتے ہیں مگر حقیقت میں ہم اپنے لئے رحمت کا دروازہ کھولتے ہیں کیونکہ آپ اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں جب ہم اس کے محبوب کے لئے رحمت مانگتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کا دریائے رحمت جوش میں آتا ہے اور جو رحمت آپ ﷺ پر برس رہی ہے اس کے چند چھینٹے ہم پر بھی مار دیئے جاتے ہیں اسی لئے حدیث میں ہے کہ حضور شافع محشر ﷺ نے فرمایا ''جو مجھ پر ایک بار درود بھیجے اللہ تعالیٰ اس پر دس بار درود بھیجتا یعنی رحمت اتارتا ہے۔''

## درود سنت الٰہیہ ہے:

تمام احکام اسلام حضور سید عالم ﷺ کی سنتیں ہیں مثلاً نماز اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور آپ کی سنت۔ آپ ﷺ نے فرمایا: صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي، ''جیسے میں نماز پڑھتا ہوں تم بھی اسی طرح پڑھو۔'' روزہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور

آپ کی سنت، حج اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور آپ ﷺ کی سنت، مگر درود شریف ایسا عمل ہے کہ حکم بھی اللہ تعالیٰ کا ہے اور سنت بھی اللہ تعالیٰ کی ہے اس لئے فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے حضور سرور عالم ﷺ پر درود بھیجتے ہیں اے مومنو! تم بھی آپ پر درود پڑھو اور خوب سلام بھیجو۔

## افضل درود وہ ہے جس میں سلام بھی ہو:

جب اللہ تعالیٰ نے صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا فرمایا ہے تو درود شریف کا وہ صیغہ جو صلوٰۃ وسلام دونوں پر مشتمل ہو اس صیغے سے افضل ہے جس میں صرف صلوٰۃ ہو۔ سلام نہ ہو، مثلاً اللّٰهم صلی علی محمد و علی آل محمد کما صلیت علی ابراهیم و علی آلِ ابراهیم انك حمید مجید۔ میں صرف صلوٰۃ ہے اور صلی الله علی حبیبه محمد وآله وسلم اور الصلوٰة والسلام علیك یا رسول الله میں صلوٰۃ اور سلام دونوں ہیں تو ایسے صیغے زیادہ فضیلت والے ہیں۔ اگر کہا جائے کہ درود ابراہیمی اللّٰهم صل علی محمد تو حضور ﷺ کا تعلیم کردہ ہے وہ کیسے مفضول ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث مبارکہ میں یہ کہیں نہیں کہ سب سے افضل درود درود ابراہیمی ہے۔ البتہ اسے نماز میں پڑھنے کے لیے سکھایا گیا ہے اور نماز میں اس سے پہلے حضور سید کائنات ﷺ پر سلام پڑھا جاتا ہے یعنی السلام علیك ایها النبی و رحمة الله و بركاته، اس کے بعد درود ابراہیمی پڑھا جاتا ہے اس لئے اس میں صرف صلوٰۃ پر ہی اکتفاء کیا گیا۔ گویا اگر نماز میں درود ابراہیمی سے قبل سلام نہ ہوتا تو اس درود میں بھی سلام ڈالا جاتا۔

## درود شریف کی فضیلت حدیث میں

اس آیت کے تحت محدثین ومفسرین نے فضیلت درود شریف میں کثیر احادیث ذکر کی ہیں یہاں ہم ان میں سے پندرہ احادیث لکھتے ہیں۔

(۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جس نے مجھ پر ایک بار درود پڑھا اللہ تعالیٰ اس پر دس بار درود بھیجتا ہے۔“ (مسلم کتاب الصلوٰۃ باب الصلوٰۃ علی النبی بعد التشہد)

(۲) حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو آپ کا چہرہ خوشی سے تمتما رہا تھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ابھی میرے پاس جبرائیل علیہ السلام آئے اور کہا اے محمد (ﷺ) جو آپ پر ایک بار درود پڑھے اللہ تعالیٰ اس کے لئے دس نیکیاں لکھتا، دس گناہ مٹاتا اور (جنت میں) اس کے دس درجے بلند فرماتا ہے۔“
(مسند ابی یعلیٰ جلد ا صفحہ ۴۳۳ حدیث ۲۹۴۸)

(۳) حضرت ابو داؤد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”مجھ پر جمعہ کے دن درود شریف کی کثرت کرو کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے جیسے ہی تم درود سے فارغ ہوتے ہو فرشتے اسے مجھ تک لے آتے

ہیں۔ میں نے عرض کیا: کیا آپ کے وصال کے بعد بھی ایسا ہوگا؟ حضور ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء کے جسموں کا کھانا حرام کیا ہے تو اللہ کا نبی زندہ ہوتا ہے اور اسے رزق دیا جاتا ہے۔'' (ابن ماجہ کتاب الجنائز باب ۶۵)

جمعہ والے دن درود شریف کی کثرت اس لئے بھی مفید ہے کہ حدیث کے مطابق اس دن ہر نیکی کا ثواب ستر گنا بڑھ جاتا ہے گویا اس دن ایک بار درود پڑھنا ستر بار درود پڑھنے کے برابر ہے اور جمعہ کے دن قبولیت کی گھڑی بھی آتی ہے جس میں ہر دعا قبول ہوتی ہے اگر وہ گھڑی درود شریف پڑھتے ہوئے آ گئی تو سب حاجات پوری ہو گئیں۔

(۴) سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ہر دعا زمین و آسمان کے درمیان لٹکی رہتی ہے جب تک تم اپنے رسول (ﷺ) پر درود نہ پڑھو۔'' (ترمذی کتاب الوتر باب ۲۱)

(۵) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جو مسلمان مجھ پر سلام پڑھے اللہ تعالیٰ میری روح (میری توجہ) اس کی طرف لوٹاتا ہے اور میں اسے جواب دیتا ہوں۔''

(ابوداؤد کتاب المناسک باب ۹۶، مسند احمد جلد ۲ صفحہ ۶۷)

(۶) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب کوئی قوم مجلس کرتی ہے اور وہ لوگ اس میں اپنے نبی پر درود نہیں پڑھتے تو وہ محفل روزِ قیامت ان پر وبال بن جائے گی اللہ تعالیٰ چاہے تو انہیں بخشے چاہے، تو انہیں عذاب میں پکڑے۔'' (ترمذی کتاب الدعوات باب القوم یجلسون ولا یذکرون اللہ)

(۷) حضرت کعب بن عمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک بار منبر پر تشریف لے گئے آپ ﷺ نے پہلی سیڑھی پر قدم رکھتے ہوئے کہا: آمین پھر دوسری اور تیسری پہ قدم رکھتے ہوئے بھی آمین کہا۔ بعد میں صحابہ نے ایسا کرنے کا سبب پوچھا حضور ﷺ نے فرمایا جب میں پہلی سیڑھی پر چڑھا تو جبرائیل (علیہ السلام) آئے اور کہا جو شخص ماہ رمضان پائے اور اس کی بخشش نہ ہو (یعنی وہ رمضان کا احترام نہ کرے) اس کے لئے ہلاکت ہے میں نے کہا آمین! پھر میں دوسری سیڑھی پر چڑھا تو جبرائیل علیہ السلام آئے اور کہا جب کسی شخص کے سامنے آپ کا ذکر کیا جائے (نام لیا جائے) اور وہ آپ پر درود نہ پڑھے اس کے لئے ہلاکت ہے میں نے کہا آمین! پھر میں تیسری سیڑھی پر چڑھا تو جبرائیل آئے اور کہا جو شخص اپنے بوڑھے والدین کو پائے پھر اس کی بخشش نہ ہو (یعنی وہ اس کا حق بجا نہ لائے) وہ ہلاک ہو تو میں نے کہا آمین! (مستدرک للحاکم جلد ۴ صفحہ ۱۷۰ حدیث ۷۲۵۶)

(۸) حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے والد سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''بخیل ہے وہ شخص جس کے پاس میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے۔''

(ترمذی کتاب الدعوات حدیث ۳۵۴۶، مسند احمد جلد ۱ صفحہ ۲۰۱)

(۹) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ''بے شک روز قیامت میرے نزدیک تر وہ شخص ہوگا جو مجھ پر زیادہ درود شریف پڑھے۔'' (ترمذی کتاب الصلوٰۃ باب ماجاء فی فضل الصلوٰۃ علی النبی ﷺ)

(۱۰) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''جب اللہ تعالیٰ کے دو بندے باہم محبت و پیار سے ملتے ہوئے دونوں نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر درود پڑھتے ہیں تو وہ ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوتے تاوقتیکہ اللہ تعالیٰ ان کے اگلے پچھلے گناہ معاف فرما دیتا ہے۔'' (مجمع الزوائد جلد ۸ صفحہ ۳۶)

(۱۱) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جس شخص کے پاس میرا ذکر کیا جائے اسے مجھ پر درود پڑھنا چاہیے کیونکہ جو مجھ پر درود پڑھے اللہ تعالیٰ اس پر دس بار درود بھیجتا ہے۔'' (ترمذی کتاب الدعوات حدیث ۳۵۶۶)

(۱۲) حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''لوگوں میں سب سے بڑا بخیل وہ ہے جس کے پاس میرا ذکر کیا جائے (میرا نام لیا جائے) اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے۔'' (جلاء الافہام بروایت ابونعیم صفحہ ۲۱۶ مطبوعہ دارالحدیث القاہرہ مصر)

(۱۳) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہوا۔ اس نے سلام کہا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا اور اسے دیکھ کر آپ کا چہرہ کھل اٹھا جب وہ چلا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے ابوبکر! اس شخص کو روزانہ تمام اہل زمین کے اعمال کے برابر ثواب دیا جاتا ہے۔ میں نے عرض کیا: وہ کس لیے؟ فرمایا: کیونکہ وہ تمام مخلوق کے درود کے برابر مجھ پہ درود پڑھتا ہے۔ میں نے پھر عرض کیا: وہ کیسے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وہ ہر صبح مجھ پہ یوں درود پڑھتا ہے: اللهم صل على محمد النبي عدد من صلى عليه من خلقك، وصل على محمد النبي كما ينبغي لنا ان نصلي عليه، وصل على محمد كما امرتنا ان نصلي عليه۔ (اے اللہ! اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہ اتنا درود بھیج جتنا تیری مخلوق میں سے ان پہ درود پڑھنے والے ہیں اور ان پہ ایسے درود بھیج جیسے ان پہ درود بھیجنے کا حق ہے، اور ان پہ ایسے درود بھیج جیسے تو نے ہمیں ان درود بھیجنے کا حکم فرمایا ہے)۔
(درمنثور بروایت دارقطنی جلد ۶ صفحہ ۶۴۸ مطبوعہ دارالفکر بیروت)

(۱۴) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جس مومن کے پاس صدقہ کرنے کے لیے مال نہ ہو وہ مجھ پہ یوں درود پڑھ لے: '' اللهم صل على محمد عبدك ورسولك، وصل على المومنين والمومنات والمسلمين والمسلمات۔ (اے اللہ! محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہ درود بھیج جو تیرے بندے اور رسول ہیں اور تمام مومنین و مومنات اور مسلمین و مسلمات پہ درود بھیج) جب وہ یہ کہے گا تو یہ اس کے لیے صدقہ کے برابر ہو جائے گا۔'' (درمنثور بروایت بخاری فی الادب المفرد جلد ۶ صفحہ ۶۵۰)

(۱۵) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''روز قیامت ہر مقام پہ میرے نزدیک تر وہ ہو گا جس نے مجھ پہ دنیا میں سب سے زیادہ درود پڑھا ہو گا اور جس نے مجھ پہ جمعہ کے دن اور جمعہ کی رات سو

بار درود پڑھا اللہ تعالیٰ اس کی سو حاجات پوری کرے گا، جن میں سے ستر حاجات آخرت کی ہیں اور تیس دنیا کی، پھر اللہ ایک فرشتہ مقرر فرماتا ہے جو اس کا درود (میرے وصال کے بعد) مجھے میری قبر میں پہنچائے گا جیسے کسی کو تحفے پہنچائے جاتے ہیں۔ وہ فرشتہ مجھے درود بھیجنے والے کا نام اور اس کی دس پشتوں کے نام بتاتا ہے۔ تو میں اس کے درود کو اپنے ہاں ایک سفید صحیفہ میں درج کر لیتا ہوں۔'' (درمنثور بروایت بیہقی فی شعب الایمان وابن منذر وابن عساکر جلد ۶ صفحہ ۶۵۴)

## درود شریف پڑھنے کے مواقع

احادیث میں درود شریف پڑھنے کے چند مواقع بیان کیے گئے ہیں، ان میں سے بعض یہ ہیں:

### نماز کے آخر میں تشہد کے بعد:

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اسے واجب قرار دیتے ہیں۔ دوسرے ائمہ کے نزدیک یہ واجب نہیں سنت ہے۔ حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں حکم فرمایا کہ ہم آپ پہ صلوۃ اور سلام پڑھیں، سلام کا تو ہمیں پتہ کہ کیسے پڑھا جاتا ہے (یعنی نماز میں کہا جاتا ہے السلام علیك ایها النبی) مگر ہم درود کیسے پڑھیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ کہو: اللهم صل علی محمد وعلی آل محمد كما صليت علی ابراهيم وعلی آل ابراهيم انك حميد مجيد۔ اللهم بارك علی محمد وعلی آل محمد كما باركت علی ابراهيم وعلی آل ابراهيم انك حميد مجيد۔ (سنن ابی داود کتاب الصلاۃ باب الصلاۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بعد التشہد حدیث ۹۷۶)

### وتر میں دعائے قنوت کے بعد:

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے مستحب قرار دیا ہے جبکہ دوسرے ائمہ نے نہیں۔

### نماز جنازہ میں دوسری تکبیر کے بعد:

یہ سب ائمہ کے نزدیک سنت ہے اور یہ کثیر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔

### جمعہ وعیدین کے خطبہ میں:

امام شافعی وامام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک امام کے لیے خطبہ میں درود کا پڑھنا واجب قرار دیا گیا ہے اس کے بغیر خطبہ درست نہیں اور امام ابوحنیفہ وامام مالک کے نزدیک واجب نہیں سنت ہے۔

### مسجد میں داخل ہوتے ہوئے اور مسجد سے نکلتے ہوئے:

اور حدیث میں اس کے مختلف صیغے وارد ہوئے ہیں۔

## جب بھی چند اہل اسلام کسی مجلس میں جمع ہوں تو جدا ہونے سے قبل درود شریف پڑھیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''جو قوم کسی مجلس میں جمع ہو اور وہ جدا ہونے سے قبل اللہ کی حمد نہ کہیں اور مجھ پہ درود نہ پڑھیں تو وہ ان پہ وبال ہے اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو انہیں عذاب دے، چاہے تو معاف فرمائے۔'' (مستدرک للحاکم جلد ا صفحہ ۶۷۴)

## جمعہ والے دن درود شریف کی کثرت کرنی چاہیے:

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جمعہ والے دن مجھ پہ درود کی کثرت کرو کیونکہ تمہارا درود مجھ پہ پیش کیا جاتا ہے، تو جو مجھ پہ زیادہ درود پڑھتا ہے وہ میرے زیادہ قریب ہوگا۔'' (ابوداود کتاب الصلوٰۃ باب فضل یوم الجمعہ حدیث ۱۰۴۷)

## وضوء سے فراغت کے بعد:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی وضوء سے فارغ ہو تو یہ کہے: اشھد ان لا الہ الا اللہ وان محمدا عبدہ ورسولہ، پھر وہ مجھ پہ درود پڑھے تو اس کے لیے رحمت کے دروازے کھول دیے جائیں گے۔'' (سنن بیہقی جلد ا صفحہ ۴۴ حدیث ۱۹۹)

## جب کوئی اہم حاجت درپیش ہو:

حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا: ''جسے اللہ تعالیٰ کی طرف کوئی اہم حاجت ہو وہ اچھی طرح وضوء کرے، پھر دو رکعت پڑھے اور اللہ تعالیٰ کی حمد کہنے کے بعد مجھ پہ درود پڑھے، پھر یہ کہے: لا الہ الا اللہ الحلیم الکریم لا الہ الا اللہ سبحان اللہ رب العرش العظیم والحمد للہ رب العالمین اسئلک موجبات رحمتک وعزائم مغفرتک والغنیمۃ من کل بر والسلامۃ من کل ذنب ولا تدع لی ذنبا الا غفرتہ ولا حاجۃ لک فیھا رضا الا قضیتھا یا ارحم الراحمین۔'' (ترمذی کتاب الصلاۃ باب ماجاء فی صلاۃ الحاجۃ حدیث ۴۷۹)

## نماز پنجگانہ سے فراغت کے بعد:

ابو بکر محمد بن عمر کہتے ہیں کہ میں امام ابو بکر بن مجاہد کے پاس تھا، وہاں شیخ شبلی آئے تو ابو بکر بن مجاہد ان کے احترام میں کھڑے ہو گئے اور ان سے معانقہ کیا۔ اور ان کی آنکھوں کے درمیان پیشانی کو بوسہ دیا۔ میں نے کہا یا سیدی: آپ نے شبلی کا اسقدر احترام کیا اسے تو سب اہل بغداد مجنون کہتے ہیں؟ وہ کہنے لگے: میں نے خواب میں دیکھا کہ رسول اللہ

ﷺ تشریف فرما ہیں، اتنے میں شبلی آئے تو رسول اللہ ﷺ نے اٹھ کر ان سے معانقہ کیا اور ان کی پیشانی کو چوما، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ آپ نے شبلی کی اسقدر عزت افزائی فرمائی ہے، یہ کیوں؟ آپ نے ارشاد فرمایا: یہ شخص جب بھی فرض نماز سے فارغ ہوتا ہے تو لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ الخ (توبہ ۱۲۸) ساری آیت پڑھتا ہے پھر کہتا ہے: صلی اللہ علیك یا محمد۔ ابوبکر بن مجاہد کہتے ہیں، اس کے بعد جب میری ملاقات شیخ شبلی سے ہوئی تو میں نے پوچھا: آپ نماز سے فارغ ہو کر کیا پڑھتے ہیں؟ تو انہوں نے وہی کچھ بتایا جو رسول اللہ ﷺ نے مجھے خواب میں بتایا تھا۔ (جلاء الافہام صفحہ ۲۴۰ مطبوعہ دار الحدیث قاہرہ مصر)

## درود شریف پڑھنے کا شرعی حکم

یہ ہے کہ زندگی میں ایک بار درود شریف کا پڑھنا باجماع فرض ہے کیونکہ صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا امر ربّی ہے جس کا تقاضا وجوب ہے تاہم جب بھی رسول اللہ ﷺ کا نام مبارک سنا جائے تو درود شریف کا پڑھنا واجب ہے۔ اس میں بعض ائمہ نے یہ رخصت دی ہے کہ اگر ایک مجلس میں چند بار آپ کا اسم گرامی لیا گیا تو ایک بار درود شریف کا پڑھ لینا کافی ہے جیسے ایک مجلس میں ایک آیت سجدہ کے بار بار پڑھنے پر ایک سجدۂ تلاوت کر لینا کافی ہے تاہم محبت کا تقاضا یہ ہے اور یہی افضل و اولیٰ ہے کہ ہر بار آپ ﷺ کا ذکر شریف کرنے اور سننے پر درود شریف پڑھا جائے۔ نماز کے آخر میں درود شریف کا پڑھنا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک فرض ہے اور دوسرے ائمہ کے نزدیک سنتِ موکدہ ہے۔

## غیر انبیاء پر مستقلاً (علیہ السلام) کہنے کی کراہت

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اکثر محققین کی رائے ہے کہ غیر انبیاء پر مستقلاً صلوٰۃ بھیجنا مکروہ ہے۔ اور حضور ﷺ کی آل و ازواج پر جو صلوٰۃ پڑھی جاتی ہے وہ مستقلاً نہیں بلکہ آپ کی اتباع میں ہوتی ہے۔ رہا حضور سید کائنات ﷺ کا فرمانا: اللھم صل علیٰ آل ابی اوفی یا صل علیٰ آلِ فلان تو یہ آپ سے خاص ہے کیونکہ اس میں صرف دعا کا پہلو ہے تعظیم و تکریم کا نہیں اور ویسے بھی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ۭ "(اے مسلمانو!) رسول (ﷺ) کی پکار کو اپنے مابین یوں (معمولی) نہ سمجھو جیسے تم ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔"
(شفاء جلد ۲ صفحہ ۶۸)

اسی طرح غیر انبیاء کے لئے علیہ السلام کہنے کو بھی امام احمد بن محمد قسطلانی شارح بخاری نے اہل تشیع کا طریقہ قرار دیا ہے۔ (مواہب لدنیہ جلد ۳ صفحہ ۳۵۶ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت) اور یہی رائے علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔
(روح البیان جلد ۷ صفحہ ۲۲۸ مطبوعہ دار احیاء بیروت)

اسی طرح امام سید محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کسی کو غائبانہ علیہ السلام کہنا یہ انبیاء کے ساتھ خاص ہے ایسا ہی امام لقانی کی شرح الجوہرۃ میں ہے جو انہوں نے امام جوینی سے نقل کیا ہے۔ لہٰذا علی علیہ السلام نہیں کہنا چاہیے بلکہ علی رضی اللہ عنہ کہنا چاہیے۔
(روح المعانی جلد ۲۲ صفحہ ۸۶ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اِنَّ الَّذِیۡنَ یُؤۡذُوۡنَ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنۡیَا وَالۡاٰخِرَةِ

بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذء دیتے ہیں اللہ ان پر دنیا و آخرت میں لعنت فرماتا ہے

وَاَعَدَّ لَهُمۡ عَذَابًا مُّهِیۡنًا ﴿۵۷﴾ وَالَّذِیۡنَ یُؤۡذُوۡنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَالۡمُؤۡمِنٰتِ

اور اس نے ان کے لئے ذلت آمیز عذاب تیار کیا ہے [50] اور جو لوگ مومن مردوں اور مومنہ عورتوں کو

بِغَیۡرِ مَا اکۡتَسَبُوۡا فَقَدِ احۡتَمَلُوۡا بُهۡتَانًا وَّ اِثۡمًا مُّبِیۡنًا ﴿۵۸﴾ ع

کسی جرم کے بغیر جو انہوں نے کیا ہو ایذاء دیتے ہیں انہوں نے بہتان اور کھلا گناہ اٹھایا ہے [51]

## اللہ ورسول اور مومنوں کو ایذاء دینے کا گناہ

[50] یاد رہے اللہ تعالیٰ کو ایذاء دینا یہ ہے کہ کفر و شرک اور دوسرے گناہوں کے ذریعے اللہ تعالیٰ کو ناراض کیا جائے۔ حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مجھے ابن آدم ایذاء دیتا ہے وہ زمانے کو گالی دیتا ہے جبکہ زمانہ میں ہوں اور وہ مجھے گالی دیتا ہے حالانکہ اسے ایسا کرنے کا حق نہیں یعنی وہ میرے لئے اولاد مانتا ہے اور میں اس سے پاک ہوں (بخاری) اور رسول اللہ ﷺ کو ایذاء دینا یہ ہے کہ آپ کے لائے ہوئے دین کی مخالفت کی جائے یا آپ کے اصحاب و اہل بیت کی توہین کا ارتکاب کیا جائے اور ان پر بے جا الزامات لگا کر ان کی سیرت کو داغدار بتایا جائے اور یہ چیزیں بالواسطہ اللہ تعالیٰ کے لئے بھی ایذاء ہے کیونکہ جب اس کے رسول کو ایذاء دی جائے تو وہ ان کے بھیجنے والے رب کے لئے ایذا ہے، اور اس پر شان نزول بھی دلالت کرتا ہے۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب عبداللہ بن ابی ابن سلول اور دوسرے منافقین نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر جھوٹی تہمت رکھی تو حضور سید عالم ﷺ کو سخت اذیت پہنچی اور آپ ﷺ نے فرمایا کون ہے جو مجھے ایذاء دینے والے کے بارے میں میرا دل ٹھنڈا کرے تب یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری جلد ۷ صفحہ ۳۸۱) یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتار کر آپ کا دل ٹھنڈا کر دیا اور فرمایا کہ آپ ﷺ کو ایذاء دینے والے پر اللہ دنیا و آخرت میں لعنت فرمائے گا یعنی اسے اپنی رحمت سے دور فرما دے گا اس طرح کہ ان کے دلوں پر مہر لگا دے گا اور وہ مستحق نار ٹھہریں گے۔

### سیدہ عائشہ اُم المومنین رضی اللہ عنہا پر بہتان بازی اللہ ورسول کو ایذاء دینا ہے

منافقین نے ان پر جھوٹی تہمت رکھی تو اللہ تعالیٰ نے اسے خدا اور رسول کے لئے ایذاء قرار دیا یہ اہل تشیع کے لئے درس عبرت ہے وہ حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر کبھی یہ الزام رکھتے ہیں کہ انہوں نے حضرت سیدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا پر زنا کا

بہتان لگایا (معاذ اللہ) اور کبھی یہ کہ انہوں نے اور حضرت سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے حضور سرور کائنات ﷺ کو زہر کھلایا (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) اس کی تفصیل ہم پیچھے سورہ نور رکوع 2 کے تحت لکھ آئے ہیں مگر انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ امہات المومنین پہ ایسے غلیظ الزامات رکھنے والوں پر اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں لعنت فرماتا ہے۔

## صحابہ واہل بیت کو ایذاء دینے والا اور اللہ و رسول کو ایذاء دینے والا ملعون ہے

جس طرح سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو ایذاء دینا اللہ و رسول کو ایذاء دینا ہے یہی حال تمام اصحاب واہل بیت رسول کا ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''میرے صحابہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ کو یاد رکھو انہیں نشانہ اعتراض نہ بناؤ ان سے محبت مجھ سے محبت اور ان سے بغض مجھ سے بغض ہے۔ ان کو ایذاء دینا مجھے ایذاء دینا اور مجھے ایذاء دینا اللہ تعالیٰ کو ایذاء دینا ہے اور جو اللہ کو ایذاء دے قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے پکڑ لے۔'' (ترمذی کتاب المناقب باب ۵۸) اور حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''فاطمہ میرے جسم کا ٹکڑا ہے جس نے اس سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا۔'' (بخاری کتاب فضائل اصحاب النبی باب مناقب قرابۃ رسول اللہ ﷺ) صحابہ واہل بیت کی ایذاء اور گستاخی تو بڑی بات ہے۔ حدیث قدسی کے مطابق اللہ تعالیٰ کے کسی ولی کو ستانا اللہ سے دشمنی کرنا ہے چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: من عادیٰ لی ولیًّا فقد آذَنْتُهُ بِالْحَرْبِ. ''جس نے میرے کسی ولی سے دشمنی کی میں اس سے اعلان جنگ کرتا ہوں۔'' (بخاری کتاب الرقاق باب ۳۸ حدیث ۶۵۰۲)

[51] یہ آیت ماقبل سے متصل ہے یعنی منافقین نے ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر جھوٹا بہتان رکھا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو لوگ مسلم مرد و خواتین کو ان کے ناکردہ جرم کی وجہ سے ایذاء دیتے ہیں وہ بڑے بہتان اور عظیم گناہ کے مرتکب ہیں۔ اس سے کسی مسلمان مرد یا عورت پر جھوٹا بہتان لگانے کا عظیم گناہ معلوم ہوا اسی لئے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''سب سے بدترین سود کسی مسلمان کی عزت کا پامال کرنا ہے پھر آپ نے یہی آیت پڑھی: وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۵۸﴾'' (ابن ابی حاتم جلد ۱۰ صفحہ ۳۱۵۳ حدیث ۱۷۷۷۸) حضرت عبداللہ بن یسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''حاسد، چغل خور، خیانت اور اہانت کار ہم میں سے نہیں ہے پھر آپ نے یہی آیت پڑھی: وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۵۸﴾'' (درمنثور جلد ۶ صفحہ ۶۵۸ بروایت طبرانی)

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ

اے نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ اپنی بیویوں، بیٹیوں اور مومنوں کی عورتوں سے فرما دیں کہ وہ اپنی چادروں کو (اپنے چہروں پر)

مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ

لٹکالیں [52] اس طرح متوقع ہے کہ وہ (اپنی شرافت کیساتھ) پہچانی جائیں پھر انہیں ایذاء نہ دی جائے اور اللہ

غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝۵۹ لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ

بخشنے والا مہربان ہے [53] اگر منافقین اور جن کے دلوں میں مرض ہے

وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَاۤ اِلَّا

اور مدینہ (طیبہ) میں دہشت پھیلانے والے لوگ باز نہ آئے تو ہم ضرور آپ کو ان پر غلبہ دیں گے پھر وہ تھوڑے عرصہ کے

قَلِيْلًا ۝۶۰ۛ مَّلْعُوْنِيْنَ ۚۛ اَيْنَمَا ثُقِفُوْۤا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا ۝۶۱ سُنَّةَ اللّٰهِ فِي

سوا یہاں آپ کے ساتھ نہ رہ سکیں گے۔ملعون ہوں گے جہاں پائے جائیں پکڑے جائینگے اور خوب قتل کئے جائینگے۔ اللہ کا

الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۝۶۲

یہی طریقہ ان لوگوں میں رہا جو پہلے گزرے ہیں اور آپ اللہ کے طریقہ میں تبدیلی نہ پائیں گے [54]

## خواتین اسلام کو سروں پہ موٹی چادریں رکھنے کا حکم

[52] يُدْنِيْنَ کا معنی چادر کا لٹکانا ہے عربی میں کہتے ہیں اَدْنَى السِّتْرَ اس نے پردہ لٹکایا۔ یعنی مسلم خواتین کو حکم دیا گیا کہ وہ گھر سے باہر نکلتے ہوئے اپنے سروں کی چادروں کو اپنے چہروں یعنی ماتھے پر لٹکائیں۔ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس آیت میں مسلم خواتین کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنے دوپٹے کے اوپر ایک جلباب (چادر) اوڑھیں اور اسے چہرے پر لٹکائیں اور کسی مسلمان عورت کے لئے جائز نہیں کہ اسے اجنبی شخص یوں دیکھے کہ اس نے اپنے دوپٹے کے اوپر چادر نہ اوڑھ رکھی ہو اور اس کا سر اور سینہ ڈھکا ہوا نہ ہو۔ (تفسیر ابن ابی حاتم جلد ۱۰ صفحہ ۳۱۵۵ حدیث ۱۷۷۸۹) حضرت امام محمد بن سیرین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے صحابی رسول حضرت عبیدہ سلمانی رضی اللہ عنہ سے اس آیت کی تفسیر پوچھی: يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ؕ انہوں نے چادر اوڑھ رکھی تھی وہ انہوں نے سر پر ڈال لی اور اسے لٹکا کر آنکھوں تک لے آئے پھر

انہوں نے اسے چہرے پر لپیٹ لیا اور ان کی صرف آنکھیں نظر آنے لگیں۔ (تفسیر ابن جریر جلد ١٠ صفحہ ٣٣٢ حدیث ٢٨٦٤٩، ابن ابی حاتم جلد ١٠ صفحہ ٣١٥٥ حدیث ١٧٧٨٧) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کے تحت فرمایا کہ مسلم خواتین گھر سے باہر نکلتے ہوئے چادروں سے اپنے سر اور چہرے چھپا کر نکلیں اور صرف ان کی آنکھیں نظر آئیں۔
(تفسیر ابن کثیر جلد ٣ صفحہ ٥٢٦)

اور یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ چادر کو سینے پر ڈالنا بھی عورت کے لئے ضروری ہے تا کہ اس کا جسم ڈھکا ہوا ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ ”عورتیں اپنی چادریں اپنے گریبانوں (سینوں) پر ڈالیں۔“
(نور:٣١)

## کیا عورت کے لیے چہرے کا پردہ فرض ہے؟

اس آیت يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ط سے بعض فقہاء احناف نے عورت پر چہرے کا پردہ فرض قرار دیا ہے وہ اس کا معنی مُنہ کا ڈھانپنا لیتے ہیں مگر اکثر فقہاء احناف بغیر خوف فتنہ چہرے کا پردہ فرض نہیں گردانتے اور وہ اس آیت سے سر کا ایسا پردہ مراد لیتے ہیں جس سے چہرے کا کچھ حصہ بھی چھپ جائے جیسا کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ فرمایا اللہ تعالیٰ انصار کی عورتوں پر رحم فرمائے جب یہ آیت اتری: يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ط تو انہوں نے اپنی چادروں کو پھاڑ کر ان سے اوڑھنیاں سر پر لے لیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے (اپنے حجروں میں) انہوں نے یوں نماز پڑھی جیسے ان کے سروں پر کوے ہوں (یعنی ان کے سروں پر کالی چادروں سے یہ منظر بنتا تھا) (درمنثور جلد ٦ صفحہ ٦٦١ مطبوعہ دار الفکر بیروت) گویا اس آیت سے خواتین انصار نے سر کا پردہ مراد لیا، نہ کہ چہرے کا۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ اس آیت کے تحت فرماتے ہیں کہ عورت اپنے سر کی چادر اپنی آنکھوں تک لے آئے۔ (تفسیر ابن جریر جلد ١٠ صفحہ ٣٣٢) یعنی ماتھا چھپائے، گویا حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک سارا چہرہ چھپانا ضروری نہیں۔ اور یہی حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے مروی تفسیر کا مفہوم ہے۔ تاہم خوفِ فتنہ کے باعث نوجوان عورت پر چہرے کا پردہ بھی لازم ہے حضرت امام ابن عابدین شامی فرماتے ہیں ہمارے زمانہ میں جوان عورت کو مطلقاً چہرہ چھپانے کا حکم دیا جائے گا۔ اس لئے نہیں کہ چہرہ عورت ہے (یعنی وہ حصہ جسم جس کا چھپانا فرض ہے) بلکہ خوف فتنہ کے باعث۔
(ردالمختار جلد ٦ صفحہ ٣٩٢ مطبوعہ مصر)

حضرت عطاء کہتے ہیں کہ مجھے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے مجھے کہا: الا اريك امرأة من اهل الجنة؟ قلت بلیٰ قال هذه المرأة السوداء۔ کیا میں تجھے ایک جنتی عورت نہ دکھاؤں؟، میں نے کہا ضرور، فرمایا: یہ سیاہ رنگ والی عورت ہے۔ آگے بتایا کہ یہ عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئی، کہنے لگی مجھے مرگی کا دورہ پڑتا ہے اور میں برہنہ ہو جاتی ہوں۔ آپ میرے لیے دعاء فرمائیں، آپ نے فرمایا اگر تم چاہو تو صبر کر لو اور تمہیں جنت ملے گی اور اگر

چاہو تو میں دعاء کر دوں اور اللہ تمہیں عافیت دیدے۔ وہ کہنے لگی میں صبر کرتی ہوں مگر میں برہنہ ہو جاتی ہوں۔ بس دعاء فرمائیں کہ میں برہنہ نہ ہوں تو رسول اللہ ﷺ نے اس کے لیے دعاء فرما دی۔ (بخاری کتاب المرضیٰ حدیث ٥٦٥٢)

اس حدیث میں مذکورہ عربی الفاظ صاف بتا رہے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اس عورت کا چہرہ خود بھی دیکھا اور اپنے غلام عطاء کو بھی دکھایا۔ اسی لیے اس کے سیاہ رنگ کا ذکر فرمایا۔ اگر عورت پہ چہرے کا پردہ فرض ہوتا تو وہ عورت خود بھی پردہ کرتی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی اسے قصداً نہ دیکھتے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں: ان امرأة سوداء كانت تقمّ المسجد ففقدها رسول الله ﷺ فسأل عنها، ایک سیاہ رنگ عورت مسجد کی صفائی کرتی تھی۔ اسے رسول اللہ ﷺ نے نہ دیکھا تو اس کے بارے میں سوال فرمایا۔ بتایا گیا کہ وہ فوت ہوگئی ہے، تو آپ اس کی قبر پہ تشریف گئے اور اس کے لیے دعاء فرمائی۔ (مسلم کتاب الجنائز حدیث ٩٥٦)

یہ حدیث بھی بتا رہی ہے کہ اس سیاہ رنگ والی عورت کو نبی اکرم ﷺ کے صحابہ دیکھتے تھے۔ اسی لیے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس کے سیاہ رنگ کا ذکر فرمایا۔ اس سے بھی صاف معلوم ہوا کہ عورت پہ چہرے کا پردہ فرض نہیں، البتہ جوان عورت پہ خوف فتنہ کے باعث چہرے کا پردہ لازم ہے۔ جیسا کہ ابھی ہم نے ردالمحتار کے حوالہ سے ذکر کیا ہے۔ ان احادیثِ صحیحہ کے مقابلہ میں بعض لوگوں کی ذاتی قیاس آرائیوں میں کچھ وزن نہیں ہے۔

پھر اگر عورت پہ چہرے کا پردہ فرض ہوتو چہرے کو چھپائے بغیر اس کی نماز درست نہیں ہوگی۔ کیونکہ مرد یا عورت کی جو جائے ستر ہے اس کا نماز میں چھپانا فرض ہے

## نبی اکرم ﷺ کی چار بیٹیاں ہیں

قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ سے معلوم ہوا جیسے آپ کی ازواج متعدد تھیں آپ کی بیٹیاں بھی متعدد تھیں کیونکہ ازواجك اور بناتك صیغہ ہائے جمع ہیں اور اس پر تمام اہل سنت اور پرانے اہل تشیع علماء کا اتفاق ہے کہ حضور سید کائنات ﷺ کی چار حقیقی بیٹیاں تھیں سیدہ زینب رضی اللہ عنہا جن کا نکاح حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ سے ہوا۔ سیدہ رقیہ اور سیدہ اُم کلثوم رضی اللہ عنہا جن کا یکے بعد دیگرے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے نکاح ہوا اور سیدہ فاطمہ خاتون جنت رضی اللہ عنہا جو مولیٰ علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ ہیں۔ دور حاضر کے اہل تشیع حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے سوا آپ کی کوئی بیٹی نہیں مانتے اور یہ آفتاب نیمروز سے انکار کے مترادف ہے۔

## رسول اللہ ﷺ کی چار حقیقی بیٹیاں تھیں نہ کہ سوتیلی۔ کتب شیعہ سے دلائل

دور حاضر کے علماء شیعہ کے مطابق سیدہ زینب سیدہ رقیہ اور سیدہ ام کلثوم (رضی اللہ عنہن) حضور ﷺ کی حقیقی بیٹیاں نہ تھیں

بلکہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پہلے شوہر سے تھیں اور آپ کی سوتیلی بیٹیاں تھیں۔ہم کتب شیعہ سے چار بنات رسول کے ثبوت پر چند حوالہ جات پیش کرتے ہیں۔

۱۔ اصول کافی اہل تشیع کے نزدیک، اہل سنت کے ہاں صحیح بخاری کی طرح ہے۔اس میں لکھا ہے: حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا اس وقت آپ کی عمر بیس برس سے زائد تھی۔ فولد له منها قبل مبعثه ﷺ القاسم ورقية وزينب وام كلثوم، وولد له بعد المبعث الطيب والطاهر وفاطمة۔ تو ان سے آپ کے ہاں بعثت سے قبل قاسم، رقیہ، زینب اور ام کلثوم کی ولادت ہوئی پھر بعثت کے بعد طیب، طاہر اور فاطمہ (رضی اللہ عنہم) پیدا ہوئے۔(اصول کافی جلد اول صفحہ ۴۳۹ کتاب الحجہ باب مولد النبی مطبوعہ تہران) کیا فولد له منها۔ (حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے آپ کی یہ اولاد پیدا ہوئی) کے الفاظ کے بعد بھی شیعہ لوگ یہی کہتے رہیں گے کہ زینب رقیہ اور ام کلثوم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حقیقی بیٹیاں نہ تھیں۔

۲۔ قدیم علماء شیعہ میں سے عبد اللہ بن جعفر حمیری صرف ایک واسطہ مسعدہ بن صدقہ کے ذریعہ امام جعفر سے روایت کرتا ہے: وُلد لرسول الله ﷺ من خديجة القاسم والطاهر وام كلثوم ورقية وفاطمة وزينب۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے قاسم، طاہر، ام کلثوم، رقیہ، فاطمہ اور زینب پیدا ہوئے۔(قرب الاسناد صفحہ ۹ مطبوعہ موسسۃ اہل البیت، قم ایران)

۳۔ مشہور شیعہ مورخ و محقق ملا باقر مجلسی لکھتا ہے: درقرب الاسناد میں حضرت امام جعفر صادق سے سند معتبر کے ساتھ مروی ہے کہ سیدہ خدیجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے طاہر، قاسم، فاطمہ، ام کلثوم، رقیہ اور زینب پیدا ہوئے۔ (حیات القلوب جلد ۲ صفحہ ۱۰۲۶ مطبوعہ نول کشور دہلی) گویا ملا مجلسی نے قرب الاسناد کی مذکورہ روایت کی سند کو معتبر قرار دے کر مسعدہ بن صدقہ کی ثقاہت کو تسلیم کرلیا ہے۔

۴۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سید کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔امام حسین رضی اللہ عنہ بچپنے میں لڑکھڑاتے مسجد میں آگئے آپ نے انہیں اٹھا کر گود میں بٹھا لیا اور فرمایا یہ حسین ہے اس کا نانا محمد مصطفی ہے جو اولاد آدم کا سردار ہے اس کی نانی خدیجہ الکبریٰ ہے جو ساری امت سے پہلے ایمان لائی۔اس کا ماموں ابراہیم بن محمد ہے اور اس کی خالائیں زینب، رقیہ اور ام کلثوم ہیں۔(ذبح عظیم صفحہ ۲۴ مطبوعہ لاہور مصنفہ سید اولاد حیدر) اس شیعی روایت کے مطابق جس طرح ابراہیم بن محمد امام حسین رضی اللہ عنہ کے سگے ماموں ہیں اسی طرح زینب، رقیہ اور ام کلثوم رضی اللہ عنہن ان کی سگی خالائیں ہیں۔تو پھر ان کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سگی بیٹیاں ہونے میں کیا شک باقی رہ جاتا ہے؟ تو کتنا بڑا ظلم ہے کہ شیعہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سگی بیٹیوں سے صرف اس بغض کی بناء پر انکار کردیں کہ ان کا نکاح حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے ہوا تھا؟

۵۔ شیعہ محدثین و مورخین نے امام جعفر سے روایت کیا ہے کہ ایک بار ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا

سے کہا کہ تمہاری والدہ خدیجہ کو ہم پہ کیا فضیلت ہے؟ تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس عورت کو برکت دیتا ہے جو زیادہ بچے پیدا کرے اور شوہر سے محبت کرے۔ پھر فرمایا:

ان خدیجۃ رحمہا اللہ ولدت منی طاھرا والقاسم وفاطمۃ ورقیۃ وام کلثوم وزینب، وان من اعقم اللہ رحمہ فلم تلدی شیئا۔ بیشک خدیجہ رضی اللہ عنہا نے مجھ سے طاہر، قاسم، فاطمہ، رقیہ، ام کلثوم اور زینب کو پیدا کیا اور تیرے رحم کو اللہ نے بانجھ رکھا تو تم نے کچھ پیدا نہ کیا۔

(خصال صدوق جلد ۲ صفحہ ۱۶۸ مطبوعہ کتاب فروشی اسلامیہ تہران ایران۔ حیات القلوب جلد ۳ صفحہ ۲۱۸ باب ۵ مطبوعہ کتاب خانہ ملی، قم ایران)

اس روایت میں اگرچہ شیعہ راویوں نے اُم المومنین کی شان میں گستاخی کے نشتر بھی چلائے ہیں۔ مگر بہر حال اس سے یہ ضرور ثابت ہو گیا کہ سیدہ زینب، سیدہ رقیہ اور سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہن رسول اکرم ﷺ کی سگی بیٹیاں تھیں نہ کہ سوتیلی، تو کیا شیعہ لوگ اب بھی حق بات کو قبول نہیں کریں گے؟

۶۔ شیعہ علماء کے سرخیل محمد بن یعقوب کلینی نے روایت کیا کہ امام جعفر صادق نے جارود بن منذر سے فرمایا: مجھے خبر ملی ہے کہ تیرے گھر بیٹی پیدا ہوئی ہے اور تجھے وہ پسند نہیں۔ حالانکہ وہ بچی تجھ پر بوجھ نہیں ہے وہ تو ایک پھول ہے جس کی خوشبو تجھے ملے گی جبکہ اس کا رزق تو اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لیا ہے۔ آخر میں آپ نے فرمایا:

وقد کان رسول اللہ ﷺ ابا بنات، کہ خود رسول اللہ ﷺ بھی کئی بیٹیوں کے باپ تھے۔

(فروع کافی کتاب العقیقہ صفحہ ۷ روایت ۷۰۳ مطبوعہ دار المجتبیٰ، نجف اشرف)

جب امام جعفر صادق ایک شخص کے ہاں بیٹی کے پیدا ہونے پر اسے رسول اللہ ﷺ کی بیٹیوں کے ذریعہ تسلی دے رہے ہیں تو پھر کیا شک ہے کہ امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ رسول اللہ ﷺ کی بیٹیوں کو آپ کی حقیقی صاحبزادیاں سمجھتے تھے۔ اگر شیعہ نہ سمجھیں تو پھر امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے ان کی محبت کا دعویٰ محض جھوٹ ہے۔

شیعہ لوگ سوال کرتے ہیں کہ اگر حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ بھی رسول اللہ ﷺ کی کوئی حقیقی بیٹی تھی تو آپ دوسری بیٹیوں کو مباہلہ میں ساتھ کیوں نہ لے گئے۔ وہاں آپ صرف حضرت فاطمہ کو ساتھ کیوں لے کر گئے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ واقعہ مباھلہ بلا اختلاف 9 ہجری میں ہوا۔ جبکہ بقول ملا باقر مجلسی بنات رسول ﷺ میں سے حضرت رقیہ 2 ہجری میں فوت ہوئیں اور سیدہ ام کلثوم کا وصال 7 ہجری میں اور سیدہ زینب کا وصال 8 ہجری میں ہوا۔ (حیات القلوب جلد ۴ صفحہ ۱۵۰۵ مطبوعہ قم ایران) جب 9 ہجری میں حضرت فاطمہ کے سوا کوئی بنت رسول ﷺ موجود ہی نہ تھی تو مباہلہ میں ان کی عدم شمولیت کے حوالہ سے اعتراض کا کیا معنی ہے؟

یہ بھی یاد رہے کہ سورہ احزاب 5 ہجری میں نازل ہوئی، لہٰذا ملا مجلسی کی اس بات کی روشنی میں یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اس آیت يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ کے نزول کے وقت رسول اللہ ﷺ کی تین حقیقی بیٹیاں موجود تھیں۔ فاطمہ، زینب اور اُم کلثوم رضی اللہ عنہن۔ اس لیے اس آیت میں لفظ بناتك کا حقیقی مصداق موجود تھا۔

شیعہ لوگوں کا یہ سوال بھی ہے کہ روایات کے مطابق زینب بنت رسول کا نکاح ایک کافر ابو العاص سے ہوا (بعد میں وہ اسلام لایا) اور رقیہ وام کلثوم کا نکاح ابولہب کے دو بیٹوں سے ہوا۔ اگر وہ حضور ﷺ کی حقیقی بیٹیاں ہوتیں تو ان کا نکاح کفار سے کیوں ہوتا؟ اس کا جواب شیعہ مفسر ملا فتح اللہ کاشانی نے دیدیا ہے کہ یہ نکاح کفار سے نکاح کی حرمت سے قبل تھا۔ اس وقت کفار سے مسلمان عورتوں کا نکاح حلال تھا۔

(تفسیر منہج الصادقین جلد ۴ صفحہ ۵۸ ۴ مطبوعہ انتشارات اسلامیہ ایران)

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مبلغ کو تبلیغ کا کام اپنے گھر سے شروع کرنا چاہئے۔ اس لئے فرمایا گیا: یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلۡ لِّاَزۡوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ۔

[53] حضرت سدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مدینہ طیبہ کے بعض منافقین رات کا اندھیرا چھانے پر راستوں میں آکر بیٹھ جاتے اور عورتوں کو تنگ کرتے۔ اس وقت تنگ گھر تھے عورتیں قضاء حاجت کے لئے رات کو باہر جاتی تھیں منافقین جب کسی عورت کو چادر اوڑھے دیکھتے تو کہتے یہ آزاد (معزز) عورت ہے اسے کچھ نہ کہو (ورنہ اس کی قوم کے لوگ انتقام لیں گے) اور جب وہ چادر کے بغیر کسی عورت کو دیکھتے تو اس پر حملہ آور ہوتے (اور سمجھتے کہ یہ لونڈی ہے) تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (ابن ابی حاتم جلد ۱۰ صفحہ ۳۱۵۵ حدیث ۱۷۷۸۸) گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے مسلم خواتین! اگر تم گندے لوگوں سے اپنی عزت بچانا چاہتی ہو تو سر پر چادریں لو اور انہیں اپنے چہرے پر لٹکاؤ۔ اس طرح بدنظر و بدفطرت لوگ پہچان لیں گے کہ تم شرافت مآب ہو تو وہ تمہارے پیچھے نہیں پڑیں گے۔ دور حاضر کے بعض ملحدین کہتے ہیں یہ ایک وقتی حکم تھا منافقین سے بچنے کے لئے عورتوں کو سر پہ چادر لینے کا حکم دیا گیا اب ایسا کرنا ضروری نہیں مگر یہ کس قدر جاہلانہ بات ہے کیا اب بدکردار لوگ بغیر پردہ کے چلنے والی عورتوں کے پیچھے نہیں پڑتے؟ ضرور پڑتے ہیں تو ان سے بچنے کے لئے عورت کو پردہ کرنا ضروری ہے۔

## پردہ عورت کی حفاظت ہے:

فَلَا یُؤۡذَیۡنَ سے معلوم ہوا کہ پردہ اس لیے لازم کیا گیا تاکہ عورت کو ستایا نہ جائے۔ کیونکہ عورت کا ننگے سر زلفیں بکھیر کر باہر نکلنا بدکردار لوگوں کو اپنے اوپر حملہ آور ہونے کی دعوت دینا ہے۔ ہمارے پاس اگر ہزار کا نوٹ ہو تو ہم اسے ہتھیلی پر رکھ کر بازار میں نہیں چلتے بلکہ اسے جیب میں ڈال کر چوروں ڈاکوؤں سے چھپاتے ہیں جبکہ عورت کی عزت و عفت وہ قیمتی ہیرا ہے کہ ساری دنیا اس کی قیمت نہیں بن سکتی اس کے بچانے کا بھی یہی طریقہ ہے کہ اسے شرعی پردے میں چھپایا جائے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''عورت چھپانے کی چیز ہے جب وہ (بن ٹھن کر) نکلتی ہے تو شیطان اس کے پیچھے پڑ جاتا ہے (اور بدفطرت لوگوں کو اس پر حملہ آور کر دیتا ہے)'' (ترمذی عن ابن مسعود) نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جب عورت خوشبو لگا کر مردوں کے پاس سے گزرتی ہے تا کہ وہ اس کی خوشبو سونگیں تو وہ زنا کار ہے'' (حاکم عن ابی موسیٰ) حضور

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "کچھ عورتیں آئیں گی جو لباس پہننے کے باوجود ننگی ہوں گی (مثلاً ان کے سر اور بازو ننگے ہوں گے، لوگوں کی طرف کھنچیں گی اور انہیں کھینچیں گی ان کے سر اونٹ کی کوہان نما ہوں گے (بالوں کے سٹائل بنائیں گی) وہ جنت میں نہ جائیں گی بلکہ اس کی خوشبو بھی نہ پائیں گی۔" (مسلم عن ابی ہریرہ)

[54] یعنی اللہ تعالیٰ نے وارننگ دیتے ہوئے فرمایا کہ مدینہ طیبہ میں رہنے والے منافقین اور جن کے دلوں میں بے حیائی کی مرض ہے اور وہ خواتین کا پیچھا کرتے ہیں اور مدینہ میں دہشت پھیلانے والے لوگ (جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جنگ پر نہ جاتے اور پیچھے رہ کر کمزور مسلمانوں یعنی عورتوں، بچوں، بوڑھوں اور بیماروں میں دہشت انگیز خبریں پھیلاتے تھے کہ مسلمانوں کو سخت ہزیمت ہوگئی ہے اور دشمن لوگ مدینہ پر خوفناک حملہ کرنے والے ہیں) اپنی اسلام دشمن حیا سوز حرکات سے باز آجائیں ورنہ وہ مدینہ طیبہ میں زیادہ دیر ٹھہر نہ سکیں گے ان کے قتل عام کا حکم ہوجائے گا کہ انہیں جہاں پاؤ قتل کردو اور ایسے اسلام دشمن تہذیب کش عناصر کے بارے میں ہمیشہ سے اللہ کا یہی طریقہ رہا ہے کہ انہیں تا دیر کھلی چھٹی نہیں دی جاتی۔ اور اللہ کا طریقہ بدلتا نہیں۔ چنانچہ منافقین مدینہ پر اس خدائی وارننگ کا خاطر خواہ اثر ہوا وہ متنبہ ہوگئے۔ آخر 10ھ میں ان کے لیڈر عبداللہ بن ابی ابن سلول کی موت کے بعد اس کی قوم کے ایک ہزار منافقین صدق دل سے اسلام لے آئے اور جو نہ لائے وہ مدینہ چھوڑ کر بھاگ گئے یوں سرزمین طیبہ جماعت منافقین سے پاک ہوگئی۔

يَسْئَلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَمَا

لوگ آپ سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں آپ فرمائیں اس کا علم تو اللہ کے پاس ہے اور تم کیا جانو

يُدْرِيْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُوْنُ قَرِيْبًا ﴿٦٣﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَعَنَ الْكٰفِرِيْنَ وَاَعَدَّ

ممکن ہے کہ قیامت قریب ہو [55] بے شک اللہ نے کافروں پر لعنت کی اور ان کے لئے بھڑکتی آگ

لَهُمْ سَعِيْرًا ﴿٦٤﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۚ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿٦٥﴾ يَوْمَ

تیار کی ہے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے کوئی حمایتی نہ پائیں گے نہ مددگار۔ جس دن

تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ يَقُوْلُوْنَ يٰلَيْتَنَآ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَاَطَعْنَا

ان کے چہرے دوزخ میں اُلٹائے جائیں گے۔ تب وہ کہیں گے ہائے افسوس! ہم نے اللہ اور رسول (ﷺ) کی اطاعت کی

الرَّسُوْلَا ﴿٦٦﴾ وَقَالُوْا رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا ﴿٦٧﴾

ہوتی اور وہ کہیں گے اے ہمارے رب! ہم نے اپنے سرداروں اور بڑے لوگوں کی پیروی کی تو انہوں نے ہمیں راہ سے بھٹکا دیا۔

رَبَّنَآ اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًا ﴿٦٨﴾ ع

اے ہمارے رب! انہیں دوگنا عذاب دے اور ان پر بڑی لعنت فرما [56]۔

[55] کفار ومنافقین اور دوسرے جرائم پیشہ لوگوں کو فکر آخرت دلانے کے لئے فرمایا جا رہا ہے کہ کفار حضور شافع محشر ﷺ سے پوچھتے تھے قیامت کب آئے گی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے محبوب! آپ فرما دیں اس کا حقیقی علم تو اللہ کے پاس ہے البتہ قیامت بہت دور نہیں ممکن ہے وہ قریب ہی ہو دوسرے مقامات پر فرمایا گیا: اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ﴿١﴾ ''قیامت قریب آگئی اور چاند شق ہو گیا۔'' (قمر:١) اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ۔ ''لوگوں کا وقت حساب قریب آ گیا ہے۔'' (انبیاء:١) اور حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ''مجھ سے قبل جو زمانہ گزر گیا وہ ایسے ہے جیسے صبح سے عصر اور میرے بعد اتنا زمانہ بچا ہے جیسے عصر سے غروب آفتاب۔'' (مسند احمد بن حنبل جلد ٣ صفحہ ١٩)

[56] یعنی کفار کو قیامت کے بارے میں سوال کرنے سے کیا فائدہ ان کے لئے تو اللہ تعالیٰ نے وہاں لعنت ہی تیار کی ہے یعنی رحمت سے دوری۔ اور ان کے لئے وہاں بھڑکتی آگ تیار ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے انہیں کوئی نکالنے والا نہ آئے گا اس آگ میں انہیں اُلٹا کر کے منہ کے بل گھسیٹا جائے گا یا انہیں آگ میں یوں اُلٹایا جائے گا جیسے کباب کو آگ

میں بھونتے ہوئے اُلٹا سیدھا کیا جاتا ہے۔ تب وہ کہیں گے کاش ہم اللہ ورسول عزوجل وصلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اطاعت کرتے اور ہم اپنے خاندانی سرداروں اور مذہبی لیڈروں کی پیروی نہ کرتے۔ اے اللہ! ان سرداروں اور لیڈروں کو دوگنا عذاب دے اور ان پر بڑی لعنت فرما۔ کیونکہ انہوں نے ہمیں گمراہ کیا۔

## جس شخص کا کفر پہ مرنا معلوم ہو اس کے سوا کسی پر لعنت کرنا جائز نہیں

جیسا کہ لَعَنَ الْكٰفِرِيْنَ (احزاب، آیت ۶۴) سے معلوم ہوا۔ اسی لئے دوسری جگہ فرمایا گیا: اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۶۱﴾ (بقرہ:۱۶۱) لہٰذا کسی مومن پہ اور کسی کافر پہ اس کی موت سے قبل لعنت کرنا سخت گناہ ہے۔ البتہ کسی کا نام لیے بغیر کافروں، فاسقوں وغیرہ پہ لعنت کرنا جائز ہے۔ جیسے قرآن کریم میں کئی جگہ آیا ہے کہ جھوٹوں پہ اللہ کی لعنت ہے۔ کافروں پہ اللہ کی لعنت ہے وغیرہ۔

## اب تا قیامت ایک ہی رسول ہے

يٰلَيْتَنَآ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلَا ﴿۶۶﴾ ''اے کاش! ہم اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اطاعت کرتے'' سے معلوم ہوا کہ نزول قرآن کے بعد ایک ہی رسول ہے جس کی اطاعت سے نجات وابستہ کردی گئی ہے۔ یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم۔ اور قیامت کے دن ہر کافر انہی کی اطاعت نہ کرنے کو اپنے لئے سبب جہنم قرار دے گا۔ اسی لئے آپ کو الرسول معرف باللام کہا گیا جو صرف ایک ذات پہ دلالت کرتا ہے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہیں۔ لہٰذا یہ آیت ختم نبوت کی بین دلیل ہے۔

| |
|---|
| يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا |
| اے ایمان والو! ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے موسیٰ (علیہ السلام) کو ایذاء دی تو اللہ نے آپ کو ان کی |
| قَالُوْا ؕ وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا ﴿٦٩﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا |
| کہی ہوئی بات سے بری کیا اور آپ اللہ کے ہاں عزت والے ہیں [57] اے ایمان والو اللہ سے ڈرو |
| قَوْلًا سَدِيْدًا ﴿٧٠﴾ يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَمَنْ |
| اور سیدھی بات کہو تو اللہ تمہارے اعمال سنوار دے گا اور تمہارے گناہ معاف فرمائے گا [58] اور جو اللہ |
| يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴿٧١﴾ |
| اور اس کے رسول کی اطاعت کرے اس نے بڑی کامیابی حاصل کرلی۔[59] |

## تعظیمِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور تقویٰ کا حکم

[57] اس سے قبل آیت 57 میں فرمایا گیا کہ اللہ اور اس کے رسول کو ایذاء دینے والے اللہ کے ہاں دنیا و آخرت میں ملعون ہیں۔ پھر مومنوں کو ایذاء دینے کی برائی بتائی گئی پھر مومنہ عورتوں کو پردے کا حکم فرمایا گیا تاکہ وہ منافقین اور مریض دل والے (یعنی بدکردار) لوگوں کی ایذاء سے بچ جائیں۔ اب اللہ اس کے رسول کو ایذاء دینے کی برائی پر مزید روشنی ڈالی جارہی ہے تو فرمایا گیا کہ تم موسیٰ علیہ السلام کو ایذاء دینے والے لوگوں کی طرح نہ بنو کہ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام پر الزام رکھا تو اللہ تعالیٰ نے وہ الزام دور کیا۔

### رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کس طرح ایذاء دی گئی

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بہت حیا والے تھے چنانچہ وہ اپنے جسم کو چھپا کر رکھتے تھے۔ بنی اسرائیل نے کہا ضرور ان کے جسم میں کوئی عیب ہے برص وغیرہ کی بیماری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ الزام دور کرنا چاہا۔ ایک دن آپ اکیلے نہا رہے تھے کہ وہ پتھر جس پر آپ نے اپنے کپڑے رکھے تھے وہ کپڑے لے کر بھاگ نکلا (فرشتے اسے لے اُڑے) آپ اس کے پیچھے عصا لے کر بھاگے آپ فرما رہے تھے او پتھر! میرے کپڑے۔ پتھر بھاگتے ہوئے بنی اسرائیل تک جا پہنچا۔ انہوں نے دیکھا کہ آپ کا جسم تو سب مخلوق سے خوبصورت ہے اور اس میں کوئی عیب (برص وغیرہ) نہیں ہے۔ پتھر کھڑا ہو گیا آپ نے کپڑے پہنے اور پتھر کو مارنے لگے۔ تو اس بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لَا

تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا ؕ (بخاری کتاب الانبیاء باب ۲۸ حدیث ۲۷۷) (ممکن ہے موسیٰ علیہ السلام نے زیر جامہ یا تہبند پہن رکھا ہو)۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک بار نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مال تقسیم فرمایا: ایک (منافق) شخص نے کہا۔ واللہ اس تقسیم میں اللہ کی رضا مدنظر نہیں رکھی گئی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی یہ بات سنی تو آپ کا چہرہ مبارک سرخ ہو گیا آپ نے فرمایا: موسیٰ علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ رحمت فرمائے ان کو اس سے زیادہ تکلیف دی گئی تو انہوں نے صبر کیا (تو میں بھی صبر کروں گا) (بخاری کتاب الخمس باب ۱۹، مسلم کتاب الزکوۃ حدیث ۱۴۰)

یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے مومنو! جس طرح بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام کا عیب ڈھونڈھنے کی کوشش کی اور انہیں ایذاء دی۔ تم اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات وصفات میں عیب ڈھونڈھنے اور آپ کو ایذاء دینے کی کوشش مت کرو۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو بنی اسرائیل کے الزام کردہ عیب سے بری کیا اسی طرح اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی ہر الزام سے بری فرمایا۔

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام اللہ کے ہاں بڑی عزت والے تھے کہ ان پر لگنے والے الزامات کو اللہ دور فرماتا تھا۔ حضرت حسن تابعی فرماتے ہیں اس کا یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی ہر دعا قبول فرماتا تھا (ابن ابی حاتم) اور بلاشبہ موسیٰ علیہ السلام کی بڑی بڑی دعائیں قبول ہوئیں ان کی دعا پر ان کے بھائی کو نبوت دی گئی۔ سمندر کو پھاڑا گیا، منّ وسلویٰ اتارا گیا، ستر بنی اسرائیل افراد کو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر دیا گیا وغیرہ۔

## رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات میں عیب ڈھونڈنا مومن کا کام نہیں

بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام میں عیب ڈھونڈنا چاہا تو اللہ تعالیٰ نے اس کا ردّ کیا اور اسے بُری مثال کے طور پر پیش کیا۔ مومن کا یہ کام ہے کہ اپنے رسول میں معاذ اللہ عیب ڈھونڈھنے کی بجائے ان کی عظمتیں ڈھونڈے۔ آج بعض لوگ ایسی باتیں ڈھونڈتے ہیں جن سے عظمت نبوت کو گھٹائیں مگر اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کی عظمتیں بڑھانے والا ہے۔ ؎

تو گھٹائے سے کسی کے نہ گھٹا ہے نہ گھٹے — جب بڑھاتا ہے تجھے اللہ تعالیٰ تیرا
وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ کا ہے سایہ تجھ پر — ذکر اونچا ہے تیرا بول ہے بالا تیرا

## انبیاء جسمانی عیوب سے پاک ہوتے ہیں

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جسم میں بنی اسرائیل کوئی عیب نہ ڈھونڈ سکے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ انبیاء کرام کو کسی ایسی بیماری یا جسمانی عیب سے پاک رکھتا ہے جس کی وجہ سے لوگوں میں ان کی عظمت کم ہو۔ اسی لئے کوئی نبی معاذ اللہ کانا، اندھا، لنگڑا، بہرا گونگا اور اپاہج نہ بھیجا گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں بچپن سے ایک لکنت تھی جب آپ علیہ السلام کو نبی بنایا گیا

تو فوراً اسے دور کر دیا گیا۔ اسی لئے محققین کے نزدیک نبی کریم ﷺ کے سامنے والے دانت شہید نہیں ہوئے کیونکہ یہ ایک جسمانی عیب اور حسن میں بڑا نقص ہے اور اللہ تعالیٰ کو آپ میں کوئی عیب و نقص گوارا نہیں۔ ہاں جھوٹا نبی مرزا قادیانی کی طرح مراق زدہ اور دبی آنکھ والا ہو سکتا ہے۔ سچے نبی میں کوئی جسمانی عیب نہیں ہوتا۔

## ہر چھوٹی بڑی مخلوق کو اللہ تعالیٰ کے ہاں چمار سے ذلیل تر کہنے کی مذمت

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے فرمایا: وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا کہ ''وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑی عزت والے تھے'' لہٰذا یہ کہنا کہ ہر چھوٹی بڑی مخلوق اللہ تعالیٰ کے ہاں چمار سے ذلیل تر ہے انبیاء و صالحین کی تنقیص ہے بلکہ حدیث مبارکہ میں تو یہ ہے کہ ''اللہ تعالیٰ کے ہاں بندۂ مومن کی عزت کعبہ سے بڑھ کر ہے۔'' (ابن ماجہ کتاب الفتن باب ۲) تو پھر یہ کہنا کہ اللہ کے ہاں ہر چھوٹی بڑی مخلوق چمار سے ذلیل تر ہے۔ جیسا کہ مولوی اسماعیل دہلوی نے تقویۃ الایمان میں کہا سخت غلط ہے بلکہ انبیاء و اولیاء اور جملہ مقربین کی شان میں بڑی تنقیص ہے۔

[58] سیدھی بات کہنے کا مفہوم بہت وسیع ہے یعنی سچے سچے عقائد اختیار کرو بنی اسرائیل کی طرح انبیاء صالحین میں عیوب نہ ڈھونڈو۔ اسی طرح سچی بات کہو، جھوٹ غیبت، بہتان اور دل آزاری کی باتیں زبان پر نہ لاؤ۔ اور جس نے زبان کو سیدھا کر لیا اللہ تعالیٰ اس کے تمام اعمال سنوار دے گا۔

[59] اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت ہی میں دنیا و آخرت کی کامیابی ہے جب تک امتِ مسلمہ اس طریقہ پر چلی کامیابی ہر طرف ان کے قدم چومتی تھی۔ جب سے یہ راستہ چھوڑا، ناکامی ہمارا مقدر بنی ہوئی ہے۔

## دلیلِ ختمِ نبوت

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ سے معلوم ہوا اب تا قیامت ایک ہی رسول ہے اور اسی کی اطاعت سے کامیابی وابستہ ہے۔ گویا اب آپ ﷺ کے بعد کوئی نیا نبی ماننا دوسرے لفظوں میں یہ کہنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کامیابی کے لیے کافی نہیں ہے اور یہ اس آیت کی صریح مخالفت ہے۔ لہٰذا یہ آیت ختم نبوت کی اعلیٰ دلیل ہے۔ افسوس! مرزائی لوگ اتنی سادہ بات کو بھی سمجھنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ جب کسی شخص کی محبت میں انسان اندھا ہو جائے تو پھر کوئی دلیل کام نہیں دیتی۔

## رسول اللہ ﷺ کے بعد اس امت میں کوئی شخص معصوم یا منصوص من اللہ نہیں ہے

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ اللہ اور اس کا رسول ہی مطاع مطلق ہیں۔ انہی کی اطاعت مطلقاً فرض ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا رسول اللہ کا مقرر و منصوص کردہ ہے اور اللہ تعالیٰ سے بذریعہ وحی احکام حاصل کرتا ہے اور وہ معصوم ہے۔ وہ اپنی خواہش نفس سے کوئی بات نہیں کہہ سکتا۔ اس لیے اللہ رب العزت اپنی اطاعت کی طرح اپنے رسول کی اطاعت کو مطلقاً فرض قرار دیتا ہے۔

اگر رسول معصوم نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ یوں اس کی مطلق اطاعت کا حکم نہ فرماتا، مگر رسول کے بعد جس کی بھی اطاعت کی جائے وہ اللہ ورسول کی اطاعت سے مشروط ہے۔ معلوم ہوا کہ رسول ﷺ کے بعد امت میں نہ کوئی منصوص من اللہ ہے نہ معصوم۔ مگر شیعہ فرقہ رسول اللہ ﷺ کے بعد بارہ (12) اماموں کو بھی منصوص من اللہ اور معصوم مانتا ہے، مگر یہ قرآن سے مخالفت ہے۔

ہم اہل تشیع سے پوچھتے ہیں کہ اگر بارہ (12) اماموں کی اطاعت بھی اسی طرح مطلقاً فرض ہے جس طرح رسول کی اطاعت مطلقاً فرض ہے تو کیا وجہ ہے کہ اللہ نے سارے قرآن میں کسی جگہ یہ کیوں نہیں فرمایا: ومن یطع اللہ ورسوله والامام منه. یعنی جو شخص اللہ کی، اس کے رسول کی اور اللہ کے مقرر کردہ امام کی اطاعت کرے الخ۔ کیا یہ بات اہل تشیع کی ہدایت کے لیے کافی نہیں ہے؟

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ

بے شک ہم نے آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر امانت پیش کی، تو انہوں نے اس کے اٹھانے سے

يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ۙ﴿۷۲﴾

انکار کیا اور اس سے گھبرا گئے اور انسان نے اسے اُٹھا لیا بے شک وہ بڑا ظالم و نادان ہے۔ [60]

لِّيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ وَيَتُوْبَ

تا کہ اللہ منافق مردوں اور عورتوں اور مشرک مردوں اور عورتوں کو عذاب دے

اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۷۳﴾

اور مومن مردوں اور عورتوں کی توبہ قبول کرے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے [61]

[60] اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان پہ یعنی زمین وآسمان کی ہر مخلوق پہ ایک بھاری امانت پیش کی کہ اسے اٹھاؤ، مگر وہ اس کو اٹھا نہ سکے، اس سے انکار کر دیا، مگر انسان نے اس امانت کو اٹھا لیا۔ گویا انسان ارض وسما میں بسنے والی تمام مخلوقات سے افضل واعلیٰ ہے۔ اس کے بعد اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ﴿۷۲﴾ ایک الگ مستقل جملہ ہے، اس کا ماقبل سے کوئی تعلق نہیں اور اس جملہ کی وضاحت آگے آ رہی ہے، یعنی آیت کا یہ مفہوم نہیں ہے کہ چونکہ انسان نے اس امانت کو اٹھایا اس لیے وہ ظلوم وجہول ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو یوں کہا جاتا

وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ لِاَنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ﴿۷۲﴾ یعنی انسان نے اس امانت کو اٹھا لیا کیونکہ وہ ظالم وجاہل ہے،

مگر ایسا نہیں کہا گیا۔لہذا انسان کے ظالم و جاہل ہونے کا امانت کے اٹھانے سے کوئی تعلق نہیں ہے یہ دو الگ الگ جملے ہیں، اسی لیے ان دونوں کے درمیان وقف کی نشانی موجود ہے جو ان کو الگ الگ کر رہی ہے۔

## انسان نے کونسی امانت کو اٹھایا جسے ارض وسما نہ اٹھا سکے؟

حکیم ترمذی نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم علیہ السلام ہم نے آسمانوں اور زمین پر امانت پیش کی مگر وہ اس کے اٹھانے سے ڈر گئے تو کیا تم اسے اٹھاؤ گے؟ انہوں نے کہا اے اللہ! اس میں کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اگر تم اس امانت کو پورا کرو گے تو اجر پاؤ گے اگر اسے ضائع کرو گے تو عذاب میں پڑو گے، انہوں نے یہ ذمہ داری قبول کر لی پھر وہ فجر سے لے کر عصر تک کے برابر وقت بھی جنت میں نہ ٹھہر سکے اور شیطان نے انہیں وہاں سے نکلوا دیا۔'' (قرطبی جلد ۱۴ صفحہ ۲۵۴)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ''اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو چند فرائض واحکام (شریعت) کی پابندی پیش کی کہ ان کے بجالانے میں ثواب اور نہ بجالانے میں عذاب ہے۔آسمان وزمین کی ہر چیز نے یہ پابندی اٹھانے سے انکار کر دیا اور حضرت آدم علیہ السلام نے اسے اٹھالیا۔'' (تفسیر ابن جریر جلد ۱۰ صفحہ ۳۳۸)

حضرت مجاہد، ابن جریج، ابو العالیہ، قتادہ، سعید بن جبیر، ضحاک اور دیگر تابعین سے اسی مفہوم کی روایات مروی ہیں۔(درمنثور جلد ۶ صفحہ ۶۷۰)

یہاں آدم علیہ السلام کی طرف روئے سخن ہے مگر آپ مراد نہیں ہیں۔مراد آپ کی اولاد ہے کیونکہ آپ نبی ہیں اور نبی گناہوں سے معصوم ہوتا ہے۔مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین کی ہر مخلوق کے سامنے یہ بات رکھی کہ اسے اوامر ونواہی کا مکلف کیا جائے، تاکہ اگر وہ ان کی پابندی کرے تو اسے جنت کا حقدار بنایا جائے اور اگر نافرمانی کرے تو جہنم میں جلے۔تو آسمان وزمین کی ہر مخلوق نے یہ پابندی اٹھانے سے انکار کر دیا، مگر اسے انسان نے اٹھالیا۔

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انسان بڑا ظالم وجاہل ہے یعنی وہ جان بوجھ کر اللہ تعالیٰ کے فرائض میں کوتاہی کر کے اپنے لئے عذاب کا راستہ اپناتا اور ظالم وجاہل بنتا ہے یعنی وہ فطرتاً تو ایسا ہی ہے مگر جب وہ اپنی طبیعت کی مخالفت کر کے اللہ تعالیٰ کی شریعت پر چلتا ہے تو وہ ظالم جاہل نہیں بلکہ عالم وکامل اور عادل وعاقل بن جاتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَفِیۡ خُسۡرٍ ۙ﴿۲﴾ اِلَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ تَوَاصَوۡا بِالۡحَقِّ ۬ۙ وَ تَوَاصَوۡا بِالصَّبۡرِ ﴿۳﴾ (عصر:۲)

[61] یعنی انسان کو فرائض کی ادائیگی کی امانت اس لئے سپرد کی گئی کہ جو لوگ اس امانت میں خیانت کریں وہ منافقین ومشرکین ٹھہریں خواہ وہ مرد ہوں یا عورتیں اور عذاب میں جا پڑیں اور جو لوگ اس امانت کا حق ادا کریں وہ مومنین ٹھہریں خواہ وہ مرد ہوں یا عورتیں اور اللہ ان پر انعام فرمائے اور اگر ان سے غلطی ہو جائے تو وہ اللہ سے توبہ مانگیں اور اللہ ان کی

توبہ قبول فرمائے جیسے حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حواء سے خطا ہوئی تو انہوں نے اللہ سے معافی مانگی اللہ تعالیٰ نے ان کی خطا معاف فرمادی۔

معلوم ہوا منافق ومشرک اپنی غلطی پر اڑ جاتا ہے اور مومن غلطی ہوجانے پر توبہ کرتا ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ منافق مشرک سے بدتر ہے اسی لئے منافق کا ذکر مشرک سے قبل کیا گیا۔

---

الحمدللہ آج 18 جمادی الاول 1429ھ بمطابق 23 مئی 2008ء بروز جمعۃ المبارک نماز فجر کے بعد سورہ احزاب کی تفسیر مکمل ہوئی۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ محمد وآلہ وصحبہ اجمعین۔

# سورۂ سبا

ترتیب تلاوت کے اعتبار سے یہ قرآن کریم کی 34ویں سورت ہے اور ترتیب نزول کے اعتبار سے 58ویں سورت ہے۔ اسے سورۂ سبا اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں قوم سباء کی ترقی وتنزلی کا بیان ہے۔ چنانچہ فرمایا گیا: لَقَدْ كَانَ لِسَبَاٍ فِيْ مَسْكَنِهِمْ اٰيَةٌ (سبا:١٥) اس قوم کا مفصل تعارف اسی آیت کے تحت آئے گا۔ اس سورت میں 6 رکوعات، 54 آیات 833 کلمات اور 1512 حروف ہیں۔

## مضامین

یہ مکی سورت ہے دوسری سورتوں کی طرح اس سورت میں بھی توحید باری تعالیٰ، ردّ شرک، اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات، حقانیت نبوت محمد یہ اور صداقت قرآن کا بیان ہے۔ اس میں حضرت داؤد وسلیمان علیہم السلام کے معجزات اور مقامات کا بیان بھی ہے تاکہ اس کے آئینے میں کفار نبوت محمد یہ کی حقانیت جان سکیں۔ پھر قوم سبا پہ جو نعمتیں کی گئیں ان کا ذکر ہے اور ان کی نافرمانیوں کی وجہ سے ان پہ آنے والے عذاب کا بیان ہے۔ اسی طرح اس سورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت عامہ پہ نص فرمائی گئی ہے۔ یہ بتایا گیا ہے کہ روز قیامت کفار کو ان کے اموال واولاد نہ بچا سکیں گے۔ پھر بت پرستوں اور مشرکوں کی روز قیامت حسرت ودرماندگی بتائی گئی ہے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کافر جو جنون کی نسبت کرتے تھے اس کا رد کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں اس سورت میں قیامت کی حقانیت پر کھل کر روشنی ڈالی گئی ہے اور احوالِ قیامت بیان کئے گئے ہیں۔

## ماقبل سے مناسبت

ماقبل سورت احزاب اور اس سورت دونوں میں رسالتِ محمد یہ کے اثبات پہ قاہر دلائل ذکر کیے گئے ہیں اور دونوں میں قرآن کریم کی صداقت بیان کی گئی ہے۔

راجی رحمۃ الرب عبدہ المذنب قاری محمد طیب غفرلہ

ایاتها ۵۴ ۳۴ سُوْرَةُ سَبَا مَكِّيَّةٌ ۵۸ رکوعاتها ۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي

سب تعریف اللہ کے لئے ہے جس کی ملک میں ہر وہ چیز ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہے اور اسی کے لئے آخرت میں

الْاٰخِرَةِ ۭ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ① يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ

سب حمد ہے اور وہ حکمت والا خبر والا ہے [1] وہ جانتا ہے جو زمین میں داخل ہوتا ہے اور جو اس سے باہر آتا

مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا ۭ وَهُوَ الرَّحِيْمُ الْغَفُوْرُ ②

اور جو آسمان سے اُترتا اور جو اس میں چڑھتا ہے اور وہ رحمت والا بخشش والا ہے [2]۔

## عظمت باری تعالیٰ اور اثبات قیامت

[1] قرآن کریم کی چار سورتیں اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ سے شروع ہوتی ہیں اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ① (فاتحہ) اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ (سورہ انعام) اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ (سورہ سبا) اور اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (سورہ فاطر) گویا ان چاروں میں اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کے بعد تخلیق ارض و سماء اور تخلیق کائنات کا بیان ہے یعنی بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے ہر تعریف اس لئے ہے کہ کائنات کی جس چیز میں جو خوبی ہے وہ اللہ کی پیدا کردہ ہے تو وہی تعریف کا حقدار ہے جس نے ہر خوبی پیدا کی اور جس چیز کی بھی تعریف کی جائے وہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی کی تعریف ہے۔ ہم ایک گھڑی ایک کار یا ایک کرسی کی تعریف کرتے ہیں تو وہ حقیقت میں اس گھڑی، کار یا کرسی کی تعریف نہیں بلکہ اس کی بنانے والی کمپنی کی تعریف ہے۔ یونہی کائنات کی ہر چیز کی تعریف حقیقت میں اس کے خالق کی تعریف ہے اس لئے فرمایا گیا: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کہ ہر تعریف اللہ ہی کے لئے ہے۔

آگے وَلَهُ الْحَمْدُ فِي الْاٰخِرَةِ ۭ کا یہ معنی ہے کہ دنیا میں کئی کفار اللہ تعالیٰ کے لئے ہر حمد نہیں مانتے وہ اللہ تعالیٰ کے

وجود ہی سے منکر ہیں یا اللہ تعالیٰ کے لئے شریک مانتے ہیں مگر روز قیامت وہ بھی مانیں گے کہ اللہ ہی کے لئے ہر تعریف ہے۔تو روز قیامت صرف اللہ تعالیٰ ہی کی تعریف ہوگی۔

یہاں سے دو فوائد حاصل ہوئے۔

(۱) انسان کو اپنی کسی خوبی پر اترانا نہیں چاہئے:

جب ہر خوبی اللہ تعالیٰ ہی کی پیدا کردہ وعطا کردہ ہے تو انسان میں جو بھی کمال ہو وہ اللہ تعالیٰ ہی کا پیدا کردہ ہے لہٰذا جب اس کی تعریف کی جائے تو اسے متکبر بننے کی بجائے عاجز ہو کر کہنا چاہئے کہ یہ میرا کمال نہیں میرے رب کا فضل ہے۔

(۲) نعت رسول ﷺ حقیقت میں حمدِ خدا ہے:

نبی اکرم ﷺ کے فضائل ومحامد پر ہر زبان میں اس قدر نعتیں لکھی گئی ہیں کہ حمد باری تعالیٰ پر اس قدر منظور کلام وجود میں نہیں آیا۔اور اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں، نہ ہی اس میں یہ پہلو ہے کہ اہل اسلام معاذ اللہ حضور سید کائنات ﷺ کو اللہ تعالیٰ سے بڑھا رہے ہیں۔ بلکہ حضور ﷺ کی نعت بھی حقیقت میں آپ کے پیدا کرنے والے اور آپ کو خوبیاں دینے والے رب ہی کی حمد ہے۔

[2] زمین میں جو کچھ داخل ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے جیسے بارش کے قطرے، دفنائے جانے والے مردے، تباہ ہونے والے شہر اور ان کے خزانے، اور بوئے جانے والے بیج وغیرہ۔اور زمین سے جو نکلتا ہے وہ بھی اللہ کو معلوم ہے جیسے پودے، درخت، چشمے، خزانے اور آج کل گیس پٹرول وغیرہ اور ہر انسان کا خمیر بھی زمین سے نکالا گیا۔اسی طرح اللہ رب العزت جانتا ہے جو آسمان سے اُترتا ہے جیسے فرشتے، بارش، وحی، برکات وتقادیر اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو آسمان میں داخل ہوتا ہے جیسے مردوں کی روحیں، فرشتے، بندوں کے افعال کی خبریں اور ان کی دعائیں جو فرشتوں کے ذریعے اٹھائی جاتی ہیں۔جیسے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اِلَیۡهِ یَصۡعَدُ الۡکَلِمُ الطَّیِّبُ وَالۡعَمَلُ الصَّالِحُ یَرۡفَعُهٗ ؕ ”اللہ ہی کی طرف اچھے کلمات اٹھتے ہیں اور ہر نیک عمل کو اللہ اپنی طرف اٹھاتا ہے۔“ (فاطر:۱۰)

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَاْتِيْنَا السَّاعَةُ ؕ قُلْ بَلٰى وَرَبِّیْ لَتَاْتِيَنَّكُمْ ۙ

کافروں نے کہا قیامت نہیں آ سکتی۔ آپ فرما دیں کیوں نہیں مجھے اپنے رب کی قسم

عٰلِمِ الْغَيْبِ ۚ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي

جو دانائے غیب ہے وہ تم پر ضرور آئے گی، کوئی ذرہ برابر چیز اللہ سے نہ آسمانوں میں چھپ سکتی ہے نہ زمین میں،

الْاَرْضِ وَلَآ اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرُ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۙ﴿۳﴾ لِّيَجْزِيَ

اور کوئی ذرہ سے چھوٹی یا اس سے بڑی چیز ایسی نہیں جو روشن کتاب میں لکھی نہ ہو۔ [3] تا کہ اللہ

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿۴﴾

ایمان لانے اور اچھے اعمال کرنے والوں کو جزا دے، ان لوگوں کے لئے بخشش اور عزت والی روزی ہے

وَالَّذِيْنَ سَعَوْ فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ

اور جو لوگ ہماری آیات کے بارے میں ہمیں عاجز کرنے کی کوشش میں ہیں ان کے لئے دردناک سزا کا

اَلِيْمٌ ﴿۵﴾ وَيَرَى الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ هُوَ

عذاب ہے [4] اور جنہیں علم دیا گیا وہ جانتے ہیں کہ آپ کی طرف آپ کے رب کے ہاں سے جو کتاب اتاری گئی وہ

الْحَقَّ ۙ وَيَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ﴿۶﴾

حق ہے اور وہ غلبہ والے حمد والے خدا کی طرف راہ دکھاتی ہے [5]

[3] بیانِ توحید کے بعد بیان قیامت لایا گیا کیونکہ عقائدِ اسلامیہ توحید سے شروع ہو کر قیامت پہ ختم ہوتے ہیں اسی لئے فرمایا: اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ۔ (بقرہ:۸) تو فرمایا گیا کہ کفار قیامت کا آنا نہیں مانتے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے میرے محبوب! آپ فرما دیں کہ اے قیامت کے منکرو! مجھے میرے رب کی قسم! قیامت تم پر ضرور آئے گی اور تم اس رب کے سامنے پیش کئے جاؤ گے جس کی نگاہ قدرت سے آسمان و زمین کا کوئی ذرہ مخفی نہیں ہے اور اللہ نے ہر چیز خواہ ذرہ سے چھوٹی ہو یا بڑی، لوح محفوظ میں لکھ دی ہے۔

[4] قیامت کیوں آئے گی اور اس کا آنا کیوں ضروری ہے؟ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں ایمان لانے اور اچھے

اعمال کرنے والوں کو قیامت میں جزا دینا اور انہیں مغفرت اور جنت میں عزت والی روزی سے نوازنا چاہتا ہے اور جو اللہ کی نازل کردہ آیات یعنی اللہ کی کتابوں کی مخالفت کر کے اللہ تعالیٰ کا مقابلہ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں آخرت میں دردناک عذاب دے گا۔ اُس کا اگر قیامت نہ آئے تو گویا خالق کائنات کے ماننے اور نہ ماننے والے دونوں کا ایک ہی انجام ہو گیا کہ مر کر ختم ہو گئے، یہ ناانصافی ہے۔ ضروری ہے کہ ماننے والوں کو جزا اور نہ ماننے والوں کو سزا دی جائے۔ اسی طرح ظالموں کو عذاب اور مظلوموں کو ثواب دیا جائے اگر قیامت نہ آئے تو ظالم و مظلوم دونوں کا ایک ہی انجام ہو گیا یہ خلافِ عقل ہے۔

[5] جن کو علم دیا گیا یعنی اہل ایمان وہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ پر جو کتاب اتاری گئی وہ حق ہے اور وہ خدائے عزیز و حمید کا راستہ دکھاتی ہے۔ گویا جو قرآن کو اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب نہیں مانتا وہ خواہ کتنا پڑھا لکھا ہو اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ اہل علم میں سے نہیں بلکہ جاہل ہے کیونکہ علم وہی ہے جو انسان کو اس کے خالق کی معرفت دلائے اور جو علم انسان کو اپنے خالق سے دور کر دے وہ جہالت ہے۔ ع

علمے کہ راہ حق نہ نماید جہالتست

وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلٰی رَجُلٍ یُّنَبِّئُكُمْ اِذَا مُزِّقْتُمْ كُلَّ

اور کافروں نے کہا کیا ہم تمہیں ایسا شخص نہ بتائیں جو تمہیں بتاتا ہے کہ جب تم (قبر میں) پارہ پارہ

مُمَزَّقٍ ۙ اِنَّكُمْ لَفِیْ خَلْقٍ جَدِیْدٍ ۚ﴿۷﴾ اَفْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَمْ بِهٖ

ہو جاؤ گے تو تم نئی تخلیق میں اٹھائے جاؤ گے۔ کیا اس نے اللہ پر جھوٹ باندھا ہے یا اسے

جِنَّةٌ ؕ بَلِ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ فِی الْعَذَابِ وَالضَّلٰلِ

جنون ہے؟ (نہیں) بلکہ آخرت پر ایمان نہ رکھنے والے عذاب میں اور کھلی گمراہی میں

الْبَعِیْدِ ﴿۸﴾ اَفَلَمْ یَرَوْا اِلٰی مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ مِّنَ السَّمَآءِ

مبتلا ہیں۔ [6] کیا وہ اپنے آگے اور پیچھے آسمان اور زمین کو (گھیرے ہوئے)

وَالْاَرْضِ ؕ اِنْ نَّشَاْ نَخْسِفْ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ نُسْقِطْ عَلَیْهِمْ كِسَفًا مِّنَ

نہیں دیکھتے اگر ہم چاہیں تو انہیں زمین میں دھنسا دیں یا ان پر آسمان سے ایک ٹکڑا

السَّمَآءِ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّكُلِّ عَبْدٍ مُّنِیْبٍ ﴿۹﴾ ع

گرادیں بے شک اس میں ہر توبہ کرنے والے بندے کے لئے بڑی نشانی ہے[7]

[6] منکرینِ قیامت نے نبی اکرم ﷺ کی باتیں سن کر کہا: دیکھو یہ شخص کہتا ہے کہ جب تم مرنے کے بعد پارہ پارہ ہو کر مٹی میں مل جاؤ گے تو تمہیں نئی تخلیق میں پھر اٹھایا جائے گا۔ یہ شخص جان بوجھ کر اللہ پر جھوٹ باندھتا ہے کہ اسے اللہ نے یہ باتیں بتائی ہیں یا یہ شخص مجنون ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیا کہ (میرے محبوب محمد مصطفیٰ ﷺ نہ تو اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں نہ انہیں جنون ہے وہ تو اللہ تعالیٰ ہی کی باتیں لوگوں تک پہنچاتے ہیں مگر) معاملہ یہ ہے کہ قیامت کے نہ ماننے والے اللہ کی پکڑ میں ہیں اور کھلی گمراہی میں مبتلا ہیں کہ حق کو سمجھنے کے باوجود اس سے منکر ہیں۔ معلوم ہوا کہ ہمارے آقا و مولیٰ حضور سید المرسلین ﷺ اللہ رب العزت کے ایسے محبوب ہیں کہ کفار ان پہ اعتراض کرتے ہیں تو ان کا چاہنے والا رب ان کی طرف سے کفار کو جواب دیتا اور ان کا دفاع کرتا ہے۔

[7] یعنی اللہ کے رسول اور اس کی کتاب کا مذاق اُڑانے والے کفار کیا دیکھتے نہیں کہ انہیں آسمان و زمین نے آگے پیچھے سے گھیر رکھا ہے اگر ہم چاہیں تو انہیں زمین میں دھنسا دیں یا ان پر آسمان کا ایک ٹکڑا گرا کر انہیں تباہ کر دیں۔ (مگر

ہم ایسا نہیں کرنا چاہتے تاکہ ہمارے محبوب کے دامنِ رحمت پر داغ نہ آئے کہ ان کی وجہ سے لوگوں پر عذاب آیا ہے کیونکہ آپ ﷺ کو رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ بنا کر بھیجا گیا ہے)۔

اس میں دور حاضر کی اسلام دشمن مسلم کش طاغوتی طاقتوں کے لئے خدائی وارننگ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حلم سے مغرور نہ ہوں اللہ تعالیٰ جب چاہے انہیں پکڑ سکتا ہے۔ مثلاً جس رب نے ظالم وجابر روس کے ٹکڑے کر دیئے وہ امریکہ کے بھی کر سکتا ہے بس اس کی حکمتیں وہی جانتا ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا ۭ يٰجِبَالُ اَوِّبِيْ مَعَهٗ وَالطَّيْرَ ۚ وَاَلَنَّا لَهُ

اور بلاشبہ ہم نے داؤد (علیہ السلام) کو بڑا فضل دیا (کہ فرمایا) اے پہاڑو اور اے پرندو! ان کے ساتھ اطاعت بجالاؤ۔ [8] اور ہم نے

الْحَدِيْدَ ۝۱۰ اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ وَّقَدِّرْ فِي السَّرْدِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ۭ اِنِّيْ

ان کے لئے لوہا نرم کر دیا کہ اے داؤد! زرہیں بنائیے اور بنانے میں اندازہ رکھیے۔ اور تم سب اچھے اعمال کرو۔ میں

بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝۱۱

تمہارے اعمال کو دیکھتا ہوں۔ [9]

## داؤد وسلیمان علیہما السلام پر انعامات الٰہیہ

[8] بتایا جا رہا ہے کہ حضور سید عالم ﷺ نئے نبی نہیں ہیں کہ آپ کی نبوت پر تعجب کیا جائے اور آپ کے معجزات کو جادو کہا جائے جیسا کہ کفار مکہ نے سمجھ رکھا تھا آپ ﷺ سے قبل بھی ہزاروں انبیاء آئے اور انہیں اللہ تعالیٰ نے معجزات دیئے۔ ان میں سے حضرت داؤد وسلیمان علیہما السلام بھی ہیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی یہ عظمت ہے کہ جب وہ اپنی پیاری آواز میں تسبیح کہتے تو اللہ فرماتا ہے کہ ہم نے پہاڑوں اور پرندوں کو بھی ان کے ساتھ تسبیح کہنے کا حکم دے رکھا تھا۔ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِشْرَاقِ ۝۱۸ وَالطَّيْرَ مَحْشُوْرَةً ۭ ''بے شک ہم نے پہاڑوں اور جمع کئے ہوئے پرندوں کو مسخر کر رکھا تھا کہ صبح وشام ان کے ساتھ تسبیح کہیں۔'' (ص:۱۸)

چنانچہ مروی ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی مسحور کن آواز سن کر پرندے ان کے گرد جمع ہو جاتے اور تسبیح کہتے۔ حتیٰ کہ ان کی خوش آوازی ضرب المثل بن گئی۔ جیسے ایک بار نبی اکرم ﷺ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو رات کے وقت قرآن پڑھتے سنا تو دیر تک سنتے رہے پھر فرمایا: ''اے ابوموسیٰ! تجھے داؤد کے مزامیر (لہجوں) میں سے ایک مزمار (لہجہ) دیا گیا ہے۔'' (بخاری کتاب فضائل القرآن ۳۱، مسلم کتاب المسافرین حدیث ۲۳۵)

## حضرت داؤد علیہ السلام کے موسیقار ہونے کا رد

اس حدیث کے لفظ مزامیر سے بعض گمراہ لوگ یہ استدلال کرتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام موسیقار تھے اور انہوں نے موسیقی کی دھنیں ایجاد کی تھیں اور یہی ان کی مزامیر تھیں مگر یہ قطعی جھوٹ اور باطل ہے کہ وہ موسیقار تھے، جس کا کوئی ثبوت نہیں، کسی حدیث میں ایسا نہیں آیا کہ داؤد علیہ السلام ڈھول، باجا یا دیگر آلات موسیقی کا استعمال کرتے تھے۔ ہم چیلنج کرتے ہیں کہ کوئی شخص کسی حدیث صحیح سے ایسا ثابت کرے تو منہ مانگا انعام پائے۔ مزامیر سے ان کے خوبصورت لہجے مراد ہیں۔ معلوم ہوا خوش آوازی خدائی نعمت ہے اگر یہ ملے تو اسے حمد و نعت کے فروغ پر صرف کرنا چاہئے۔ مگر افسوس! آج جس کی آواز اچھی ہو وہ گویا ہو جاتا ہے اور ڈھول باجے کے ساتھ عشقیہ گانے گانے لگتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی نعمت کو اس کی نافرمانی میں صرف کرتا ہے۔ یہ بھی انسان کی ایک بدبختی ہے۔

[9] حضرت داؤد علیہ السلام کفار سے جہاد کرتے تھے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ ''داؤد (علیہ السلام) نے جالوت (کافر بادشاہ) کو قتل کیا۔'' (بقرہ:۲۵۱) تو آپ علیہ السلام کو جہاد کے لئے اسلحہ کی ضرورت تھی چنانچہ اللہ نے آپ کے لئے لوہا نرم کر دیا کہ آپ اسے موم کی طرح جیسے چاہتے ڈھال لیتے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم فرمایا کہ زرہیں بناؤ جن کو مجاہدین اپنے سینوں پر باندھ لیا کریں تا کہ دشمن کا کوئی تیر نیزہ یا تلوار انہیں زخمی نہ کر سکے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے داؤد! زرہیں بنانے میں اندازہ رکھو یعنی نہ وہ بڑی ہوں کہ سینوں پر جھولتی رہیں نہ چھوٹی کہ سینے چھپ نہ سکیں نہ زیادہ وزنی ہوں کہ اٹھائی نہ جائیں نہ بہت پتلی کہ غیر موثر رہیں۔ دوسری جگہ فرمایا گیا: وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ ''اور ہم نے داؤد (علیہ السلام) کو تمہارے لئے زرہ گری سکھائی۔'' (انبیاء:۸۰) آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم سب اچھے اعمال کرو یعنی زرہیں پہن کر یا مروجہ اسلحہ اٹھا کر راہِ حق میں جہاد کرو میں تمہارے اعمال کو دیکھتا ہوں۔

## لوہار یا بڑھئی وغیرہ ہونا کوئی عیب نہیں

اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ سے معلوم ہوا کہ حضرت داؤد علیہ السلام زرّہ گر تھے۔ آج جہالت کے سبب بعض لوگ کچھ اہل پیشہ کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ ان کی نظر میں حجام، موچی وغیرہ ہونا ایک عیب ہے۔ حالانکہ یہ سب پیشے ہیں، جن کے ذریعہ ایک انسان حلال روزی حاصل کرتا ہے اور ہاتھ سے کام کرنا اللہ تعالیٰ کے ہاں عظیم فضیلت ہے۔ حضرت مقدام رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ما اکل احد طعاما خیرا من ان یأکل من عمل یدہ وان نبی اللہ داود علیہ السلام کان لا یأکل الا من عمل یدہ ''کسی شخص نے اپنے ہاتھ کی کمائی سے بہتر کھانا نہیں کھایا اور بیشک اللہ کے نبی حضرت داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ کی محنت کی سوا کچھ نہ کھاتے تھے۔''

(بخاری کتاب البیوع باب کسب الرجل وعمل یدہ حدیث ۲۰۷۲)

مروی ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام بھیس بدل کر رات کو بازاروں میں نکلتے اور لوگوں سے اپنے بارے میں رائے

پوچھتے۔تو ہر کوئی آپ کی تعریف کرتا۔ایک بار اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ بصورت انسان بھیجا آپ نے اس سے پوچھا کہ داؤد کیسا انسان ہے؟ اس نے کہا وہ بہت اچھا انسان ہے، سوا ایک خصلت کے۔آپ نے پوچھا وہ کونسی خصلت؟ اس نے کہا: داؤد بیت المال سے تنخواہ لیتا ہے۔تو آپ نے فوراً اللہ تعالیٰ سے عہد کر لیا کہ آپ آئندہ تنخواہ نہیں لیں گے، بلکہ ہاتھ سے محنت کر کے اہل خانہ کو کھلائیں گے۔تب اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے لوہا نرم کر دیا اور آپ علیہ السلام زرہیں بنانے لگے۔

(تفسیر ابن کثیر بروایت ابن عساکر جلد ۳ صفحہ ۵۳۵ مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)

وَ لِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ ۚ وَاَسَلْنَا لَهٗ عَيْنَ

اور ہم نے سلیمان (علیہ السلام) کے لیے ہوا مسخر کر دی کہ اس کی صبح کی سیر مہینہ (بھر کی) تھی اور شام کی سیر مہینہ (بھر کی) تھی[10] اور ہم نے

الْقِطْرِ ؕ وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ يَّعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ؕ وَمَنْ يَّزِغْ

ان کے لیے تانبے کا چشمہ بہایا[11] اور بعض جنات انکے آگے انکے رب کے حکم سے عمل کرتے تھے اور جو ان میں سے

مِنْهُمْ عَنْ اَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيْرِ ﴿۱۲﴾ يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَآءُ

ہمارے حکم سے سرتابی کرے ہم اسے بھڑکتی آگ کا عذاب چکھائیں گے[12] سلیمان (علیہ السلام) جو چاہتے جنات ان کیلئے بناتے تھے

مِنْ مَّحَارِيْبَ وَتَمَاثِيْلَ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُوْرٍ رّٰسِيٰتٍ ؕ اِعْمَلُوْٓا

جیسے عبادت گاہیں، صورتیں، حوضوں جیسی لگنیں، اور بھاری دیگیں [13] اے آل داؤد

اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا ؕ وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ ﴿۱۳﴾

شکر بجالاؤ اور میرے بندوں میں سے تھوڑے ہی شکر گزار ہیں[14]

[10] حضرت داؤد علیہ السلام کے بعد ان کے بیٹے حضرت سلیمان علیہ السلام کی فضیلت بتائی جا رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہوا کو ان کے تابع کر دیا تھا کہ جدھر حکم دیتے وہ اُدھر چلتی اور آپ کے تخت کو لے کر اُڑتی تھی اور صبح سے دوپہر تک ایک ماہ کا سفر اور دوپہر سے شام تک ایک ماہ کا سفر طے کرتی تھی۔

## تختِ سلیمانی کی اُڑان کیسی تھی

حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا تخت آپ کو لے کر صبح کے وقت اصطخر (عراق) سے اڑتا اور آپ علیہ السلام دوپہر کا کھانا بیت المقدس میں جا کر کھاتے اور رات کا کھانا واپس اصطخر میں آ کر کھاتے (درمنثور

جلد ۶ صفحہ ۶۷۷) گویا حضرت سلیمان علیہ السلام کا تخت موجودہ ہوائی جہازوں سے طاقتور تھا۔ ہوائی جہاز کو ہوا چلاتی ہے اور حضرت سلیمان علیہ السلام ہوا کو چلاتے تھے۔ ہوائی جہاز پٹرول سے چلتے ہیں اور تخت سلیمانی حکم الٰہی و اعجاز نبوی کے پٹرول سے اُڑتا تھا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ عَاصِفَةً تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖۤ اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ؕ ''اور ہم نے سلیمان (علیہ السلام) کے لئے تیز ہوا مسخر کر دی جو حکم الٰہی سے اس زمین (بیت المقدس) کی طرف چلتی تھی جس میں ہم نے برکت رکھی ہے۔'' (انبیاء:۸۱)

[11] حضرت سلیمان علیہ السلام بھی اپنے والد گرامی کی طرح اسلحۂ جہاد تیار کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے زمین سے تانبے کا چشمہ جاری کیا کہ آپ جب چاہتے زمین سے تانبا ابل آتا تاکہ اس سے آلات حرب بنائے جائیں اور اس میں کوئی تعجب والی بات نہیں۔ زمین میں کئی گیسیں اور مائع چیزیں ہیں جو اللہ رب العزت ہی جانتا ہے آج زمین سے قدرتی گیس اور پٹرول نکل رہا ہے اور اللہ ہی جانتا ہے آگے چل کر کیا کیا نکلے گا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا ۙ﴿۲﴾ اور زمین اپنے بوجھ نکال پھینکے گی۔'' (زلزال:۲)

[12] جنات حضرت سلیمان علیہ السلام کے تابع تھے اور حضرت سدی سے مروی ہے کہ جب کوئی جن آپ کے حکم سے سرتابی کرتا تو ایک فرشتہ مقرر تھا جو اسے آگ کا کوڑا مار کر جلا ڈالتا۔ (قرطبی جلد ۱۴ صفحہ ۲۷۱)

[13] جنات حضرت سلیمان علیہ السلام کے حکم پر عبادت گاہیں بناتے تھے جیسے انہوں نے مسجد اقصیٰ بنائی اور وہ پتھر اور لوہے کی تصاویر بناتے تھے جو بعض روایات کے مطابق غیر جاندار چیزوں کی تصاویر ہوتی تھیں (اور اگر بالفرض جاندار چیزوں کی تصاویر تھیں تو یہ ان کی شریعت کے مطابق تھا۔ ہماری شریعت میں یہ حرام ہے۔

## جاندار چیز کی تصویر بنانا ہر شریعت میں حرام رہا ہے

اور قریب حق یہ ہے کہ وہ غیر جاندار چیزوں کی تصاویر تھیں کیونکہ حضرت داؤد علیہ السلام تورات کی شریعت کے ماننے والے تھے اور تورات میں بھی جاندار کی تصویر کا بنانا حرام بتایا گیا ہے۔ چنانچہ تورات میں لکھا ہے، ''کسی مرد، عورت، حیوان یا ہوا میں اُڑنے والے پرندے یا مچھلی کی تصویر نہ بنائی جائے۔'' (تورات کتاب الاستثناء باب ۴ آیت ۱۶) مزید تورات میں لکھا ہے: تو اپنے لیے کوئی تراشی ہوئی مورت نہ بنانا نہ کسی چیز کی صورت بنانا جو اوپر آسمان میں یا نیچے زمین پہ یا زمین کے نیچے پانی میں ہو (یعنی کسی پرندے، جانور یا مچھلی کی تصویر نہ بنانا)۔ (تورات کتاب خروج باب ۲۵ آیت ۴)

اور حدیث مبارکہ میں جاندار کی تصویر بنانے پر بڑا عذاب وارد ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''ہر تصویر بنانے والا جہنم میں جائے گا۔'' ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اگر تصویر بنانی ہو تو بے روح چیز کی تصویر بنالو۔ (مسلم کتاب اللباس حدیث ۹۹)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''روز قیامت ایک گردن نمودار ہوگی جس کی دو

آنکھیں، دو کان اور بولنے والی زبان ہوگی، وہ کہے گی مجھے ظالموں، مشرکوں اور تصویریں بنانے والوں پہ مسلط کیا گیا ہے۔'' (ترمذی کتاب صفة جہنم باب ۱) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے تصویر بنائی روز قیامت اسے کہا جائے گا کہ اس میں روح ڈالو اور وہ نہ ڈال سکے گا۔'' (بخاری کتاب التعبیر باب ۴۵)

## تصویر کی حرمت پہ بعض شبہات کا رد

آج کل بعض لوگ کہتے ہیں کہ کیمرہ کی تصویر حلال ہے تصویر وہ حرام ہے جو ہاتھ سے بنائی جائے۔ جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں ہاتھ سے تصویر بنائی جاتی تھی۔ ہم کہتے ہیں، کیا کیمرہ پاؤں سے چلایا جاتا ہے؟ کیمرہ بھی تو ہاتھ ہی سے چلایا جاتا ہے۔ یعنی قلم ہو یا کیمرہ دونوں ہاتھ ہی سے چلتے ہیں اور دونوں سے ایک ہی چیز بنتی ہے، پچھلے زمانہ میں تلوار سے قتل کیا جاتا تھا، اب بندوق سے کیا جاتا ہے۔ تو کیا بندوق سے قتل کرنا حلال ہے؟ نہیں، کیونکہ تلوار یا بندوق کا ایک ہی مقصد اور ایک ہی تاثیر ہے۔ لہٰذا حکم بھی ایک ہی ہے اسی طرح قلم یا کیمرہ دونوں کی ایک ہی تاثیر اور ایک ہی حکم ہے۔ کہ ان کی بنائی ہوئی تصویر حرام ہے۔

یاد رہے کہ جاندار کی تصویر بنانا حرام ہے خواہ ہاتھ سے بنائی جائے یا کیمرے سے۔ تاہم آج شناختی کارڈ اور پاسپورٹ کے لیے تصویر بنوانا ضروری ہے اور یہ ایک مجبوری ہے۔ **والضرورات تبیح المحضورات**، ضرورتیں ممنوع چیزوں کو جائز بنا دیتی ہیں۔ لہٰذا پاسپورٹ یا شناختی کارڈ جیسی شرعی ضرورت کے سوا شوقیہ تصویر بنانا بہر حال حرام ہے۔ اس سے بچنا لازم ہے۔ البتہ مووی کا حکم جداگانہ ہے۔ یعنی تصویر وہ حرام ہے جو کسی کاغذ وغیرہ پہ جمی ہو، مگر متحرک تصویر جو صرف ٹی وی سکرین ہی پہ نظر آ سکتی ہے، اس کی حالت کاغذ پہ جمی ہوئی مستقر تصویر سے مختلف ہے۔ کاغذ کی تصویر کا مستقل وجود ہے۔ مگر مووی تصویر کا مستقل کوئی وجود نہیں ہے۔ اس کی حالت آئینہ کے عکس کے مشابہ ہے۔

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُوْرٍ رّٰسِيٰتٍ ؕ یعنی اس کے علاوہ جنات سلیمان علیہ السلام کے لئے لوہے کی بڑی بڑی حوض نما لگنیں اور دیگیں بناتے تھے جن میں ہزاروں مجاہدین کے لئے کھانا تیار اور تقسیم کیا جاتا تھا۔

[14] مروی ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے کہا اے اللہ! میں ہر نعمت پر تیرا شکر کیسے کروں جبکہ خود شکر بھی تیری ایک نعمت ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اب تم نے میرا شکر ادا کر دیا جب تم نے جان لیا کہ ہر نعمت میری طرف سے ہے۔

فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلٰى مَوْتِهٖٓ اِلَّا دَآبَّةُ الْاَرْضِ

پھر جب ہم نے سلیمان (علیہ السلام) پر حکم موت جاری کیا تو ان کی موت پر لوگوں کو زمین کے ایک

تَاْكُلُ مِنْسَاَتَهٗ ۚ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ اَنْ لَّوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ

کیڑے ہی نے آگاہی دی جو ان کی لاٹھی کو (نیچے سے) کھا رہا تھا۔ پس جب وہ گرے تو جنوں پر

مَا لَبِثُوْا فِي الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ؕ﴿۱۴﴾

حقیقت کھل گئی کہ اگر وہ غیب جانتے ہوتے تو اہانت آمیز عذاب میں نہ جتے رہتے۔[15]

[15] حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: حضرت سلیمان علیہ السلام نے دعا کی اے اللہ! میری موت کو جنات سے مخفی رکھ تا کہ لوگوں کو معلوم ہو کہ جنات غیب نہیں جانتے۔

## حضرت سلیمان علیہ السلام کے وصال کا واقعہ

چنانچہ حضرت سلیمان علیہ السلام عصا پر ٹیک لگا کر (نماز میں) کھڑے ہو گئے اللہ تعالیٰ نے اسی حالت میں ان کی جان قبض کر لی اور وہ ایک برس تک اسی حالت میں کھڑے رہے اور جنات کام کرتے رہے (روایات کے مطابق جنات ان کے حکم سے مسجد اقصیٰ تعمیر کر رہے تھے) جب ان کی لاٹھی کو نیچے سے دیمک نے کھا لیا تو وہ گر گئی اور آپ کا جسم مبارک بھی زمین پر آ گیا۔ تب لوگوں کو یقین ہوا کہ اگر جنات غیب جانتے ہوتے تو وہ ایک برس تک سخت مشقت میں مبتلا نہ رہتے۔
(طبرانی کبیر جلد ۱۱ حدیث ۱۲۲۸۱ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

روایات کے مطابق حضرت سلیمان علیہ السلام پہلے بھی کئی ماہ تک نماز میں کھڑے ہو جاتے تھے۔ انہوں نے جنات کو مسجد اقصیٰ کی تعمیر میں لگایا اور خود نماز میں کھڑے ہو گئے۔ ایسے میں انہوں نے بغل کے نیچے لاٹھی رکھ لی اسی حالت میں وہ فوت ہو گئے اللہ تعالیٰ نے ان کے جسم کو ایک برس تک کھڑے رکھا تا کہ جنات مسجد کی تعمیر ادھوری چھوڑ کر بھاگ نہ جائیں۔ اور جنات نے لوگوں کو بتا رکھا تھا کہ وہ غیب جانتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس مغالطہ کو بھی دور کرنا چاہا۔

## زمین نبی کے جسم کو نہیں کھاتی

چنانچہ دیمک نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی لاٹھی کو تو کھا لیا مگر آپ کے جسم کو کچھ نہ کہا جب لاٹھی گری تو وہ گرے اسی لئے حدیث مبارکہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء کے جسموں کا کھانا حرام کیا ہے تو اللہ کا نبی (قبر میں) زندہ ہوتا ہے اسے رزق دیا جاتا ہے۔ (ابن ماجہ کتاب الجنائز باب ۶۵)

یاد رہے کہ مسجد اقصیٰ جو حضرت سلیمان علیہ السلام نے بنائی۔ اس میں نماز کی عظیم فضیلت ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''کسی شخص کی اپنے گھر میں نماز ایک ہی نماز ہے اور مسجد میں ایک نماز پچیس نمازوں کے

برابر ہے اور جامع مسجد میں ایک نماز ایک سو نمازوں کے برابر ہے اور مسجد اقصیٰ میں نماز ایک ہزار نماز کے برابر ہے اور میری مسجد (مسجد نبوی) میں ایک نماز پچاس ہزار نمازوں کا درجہ رکھتی ہے اور مسجد حرام میں ایک نماز میں ایک لاکھ نماز کا ثواب ہے۔ (ابن ماجہ کتاب اقامۃ الصلوات باب ۱۹۷) اسی لیے حدیث مشہور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تین مسجدوں کے سوا کسی مسجد کی طرف سفر کر کے نہ جاؤ مسجد حرام، مسجد اقصیٰ اور میری مسجد۔ (بخاری کتاب فضل الصلوٰۃ باب ا)

| |
|---|
| لَقَدْ كَانَ لِسَبَاٍ فِيْ مَسْكَنِهِمْ اٰيَةٌ ۚ جَنَّتٰنِ عَنْ يَّمِيْنٍ وَّشِمَالٍ ۵ كُلُوْا |
| بے شک قوم سبا کے لئے ان کی جائے سکونت میں بڑی نشانی تھی، وہ دو باغ تھے دائیں اور بائیں، کہ اپنے |
| مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ؕ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّرَبٌّ غَفُوْرٌ ﴿۱۵﴾ فَاَعْرَضُوْا |
| رب کا رزق کھاؤ اور اس کا شکر کرو، یہ پاکیزہ شہر ہے اور رب بخشنے والا ہے۔ [16] پھر انہوں نے |
| فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ وَبَدَّلْنٰهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَيْ |
| روگردانی کی تو ہم نے ان پر زور کا سیلاب بھیجا اور ان کے دو باغات کی جگہ انہیں دوسرے دو باغ دیدیے |
| اُكُلٍ خَمْطٍ وَّاَثْلٍ وَّشَيْءٍ مِّنْ سِدْرٍ قَلِيْلٍ ﴿۱۶﴾ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِمَا |
| جو کڑوے پھل، خشک جھاڑیوں اور بیری کے کچھ درختوں پر مشتمل تھے، یہ ہم نے انہیں انکی |
| كَفَرُوْا ؕ وَهَلْ نُجٰزِيْٓ اِلَّا الْكَفُوْرَ ﴿۱۷﴾ |
| ناشکری کی سزا دی اور ہم ناشکروں ہی کو سزا دیتے ہیں [17] |

[16] حضرت سلیمان علیہ السلام کے ذکر خیر کے بعد قوم سبا کا عروج و زوال بتایا جا رہا ہے کیونکہ یہ قوم حضرت سلیمان علیہ السلام کے ہاتھ پر ایمان لائی تھی۔ جب ان کی ملکہ سبا بلقیس کا تخت آپ نے ان کے علاقہ یمن سے اٹھوا کر آن واحد میں اپنے پاس عراق میں منگوایا تھا تو بلقیس اپنے رفقاء سمیت آپ کے پاس حاضر ہو کر ایمان لائی۔ (نمل: ۴۴) اور آپ نے اس سے شادی بھی فرمائی یوں اس کی ساری سلطنتِ یمن آپ کی سلطنت کا حصہ بن گئی۔ اس قوم پر رحمت الٰہیہ کی کثرت تھی ان کے پاس دو بڑے باغات تھے جن میں پھلوں کی کثرت تھی اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کے ذریعے انہیں تعلیم دی کہ اللہ کا رزق کھا کر اس کا شکر بجالاؤ۔ تمہارا شہر کس قدر پاکیزہ ہے اگر تم اللہ کی اطاعت بجالاؤ تو اللہ بخشنے والا ہے یعنی وہ تمہیں آخرت میں بھی ایسے ہی باغات دے گا اس قوم کا پایۂ تخت شہر ''مارب'' تھا۔

## قوم سبا کی خوش حالی اور ان کا تعارف

حضرت ابن زید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ان کے ملک میں کوئی مچھر مکھی کیڑا اور سانپ وغیرہ نہ تھا اگر کوئی شخص اپنے سر میں جوئیں لے کر وہاں جاتا تو آب و ہوا کی خنکی و عمدگی اس کی جوئیں مار دیتی تھی اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّرَبٌّ غَفُوْرٌ ﴿۱۵﴾ (مظہری جلد ۸ صفحہ ۱۹)

ایک حدیث میں ہے کہ سبا ایک شخص تھا جس کے دس بیٹے تھے جن سے اہل عرب پھیلے، چھ یمن میں آباد ہوئے اور چار شام میں (ترمذی کتاب التفسیر سورہ سباء باب ۱) محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ قوم سبا کے جد اعلیٰ کا اصل نام عبد شمس بن یشجب بن یعرب بن قحطان تھا اور مروی ہے کہ وہ حضور سید کائنات ﷺ کی آمد کی بشارت دیتا تھا وہ یہ شعر کہتا تھا کہ ہمارے بعد ایک نبی آنے والا ہے جو حکمران ہوگا اور اس کے خلفاء بھی حکمران ہونگے (تفسیر ابن کثیر)

[17] قوم سبا نے پہاڑوں کے درمیان دیواریں بنا کر ایک بڑا ڈیم تعمیر کر دیا تھا اور اس میں بارہ (12) سوراخ بنا دیئے تھے کہ جتنی ضرورت ہوتی اسی قدر سوراخ کھولے جاتے اور پانی لیا جاتا جب اس قوم نے انبیاء کا راستہ ترک کر کے گمراہی کا راستہ اپنایا تو اللہ تعالیٰ نے (وہ ڈیم توڑ کر) ان پر سیلاب بھیجا اور یہ قوم ڈبو دی گئی۔

یہ ڈبوئے جانے کا واقعہ قریباً 100ء قبل مسیح ہے۔ اللہ تعالیٰ نے چوہے بھیجے جنہوں نے ڈیم کی دیوار کے نیچے سوراخ کر دیئے جب پانی کا زور آیا تو دیوار ٹوٹ گئی اور وہ سیلاب آیا کہ ساری قوم کو بہا لے گیا اور ان کی بستیاں ریت میں غرق ہوگئیں۔ (تفسیر بغوی جلد ۵ صفحہ ۲۸۸) اور ان کے پھلوں سے بھرے باغات کی جگہ بیری کے درخت جھاڑیاں اُگ آئیں۔

وَجَعَلۡنَا بَيۡنَهُمۡ وَبَيۡنَ الۡقُرَى الَّتِىۡ بٰرَكۡنَا فِيۡهَا قُرًى ظَاهِرَةً وَّقَدَّرۡنَا

اور ہم نے ان کے اوران بستیوں کے درمیان جن میں ہم نے برکت رکھی ہے دوسری کھلی بستیاں بنائی تھیں اور ان میں

فِيۡهَا السَّيۡرَ‌ؕ سِيۡرُوۡا فِيۡهَا لَيَالِىَ وَاَيَّامًا اٰمِنِيۡنَ ﴿۱۸﴾ فَقَالُوۡا رَبَّنَا بٰعِدۡ بَيۡنَ

سیر کی منزلیں بنائی تھیں کہ ان میں راتوں اور دنوں میں پرامن چلاکرو، تو انہوں نے کہا اے ہمارے رب! ہمارے سفر

اَسۡفَارِنَا وَظَلَمُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ فَجَعَلۡنٰهُمۡ اَحَادِيۡثَ وَمَزَّقۡنٰهُمۡ كُلَّ

لمبے کر دے، انہوں نے خود پر ظلم کیا تو ہم نے انہیں قصے کہانیاں بنا دیا اور ان کے خوب

مُمَزَّقٍ‌ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوۡرٍ ﴿۱۹﴾ وَلَقَدۡ صَدَّقَ

ٹکڑے کر ڈالے، اس میں ہر صبر و شکر والے شخص کے لئے بڑی نشانیاں ہیں [18] اورلوگوں پر

عَلَيۡهِمۡ اِبۡلِيۡسُ ظَنَّهٗ فَاتَّبَعُوۡهُ اِلَّا فَرِيۡقًا مِّنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۲۰﴾ وَمَا كَانَ لَهٗ

ابلیس نے اپنا گمان سچ کر دکھایاہے۔ انہوں نے اس کی پیروی کی۔ مومنوں کے ایک گروہ کے سوا ،اور ابلیس کو ان پر

عَلَيۡهِمۡ مِّنۡ سُلۡطٰنٍ اِلَّا لِنَعۡلَمَ مَنۡ يُّؤۡمِنُ بِالۡاٰخِرَةِ مِمَّنۡ هُوَ مِنۡهَا فِىۡ

کوئی اختیارتو نہ تھا مگر یہ اس لئے ہوا تاکہ ہم آخرت پر ایمان رکھنے والے کو اس سے جدا کر دیں جو آخرت کے بارہ میں

شَكٍّ‌ ؕ وَرَبُّكَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ حَفِيۡظٌ ﴿۲۱﴾

شک میں ہے اورتمہارا رب ہر چیز کی حفاظت کرنے والا ہے۔[19]

[18] قوم سبا جزیرہ عرب کے انتہائی جنوب یعنی حدودِ یمن میں آباد تھی تو یہ لوگ تجارت کے لئے شمالی ممالک شام فلسطین اوراُردن وغیرہ کا رخ کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان شمالی علاقوں کو برکت والی بستیوں کے نام سے یاد فرمایا ہے کیونکہ شام وفلسطین بہت زرخیز علاقے ہیں اور یہاں کثیر انبیاء کا تشریف لائے۔تو قوم سبا نے یمن سے شام تک اپنے تجارتی راستہ میں بمدد الٰہی بستیاں بنا رکھی تھیں جہاں وہ جابجا پڑاؤ کرتے تھے اور اندازہ رکھتے تھے کہ دوپہر کا کھانا فلاں بستی میں کھائیں گے اور شام کا فلاں میں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بذریعہ انبیاء فرمایا کہ ان بستیوں میں دن رات بے خوف و خطر سیر کرو یعنی ان نعمتوں پر شکر الٰہی بجالاؤ۔ مگر ان لوگوں نے اپنی بربادی کو خود دعوت دی اور کہا اے اللہ! ہمارے سفر

لمبے کر دے یعنی یہ راستے کی جا بجا بستیاں تباہ کر دے تا کہ ہمیں سفر کی کچھ صعوبت اٹھانے کا مزہ بھی ملے۔ جیسے بنی اسرائیل نے من وسلویٰ کی جگہ پیاز اور دالیں مانگیں۔ الغرض اللہ تعالیٰ کو ان کی یہ ناشکری ناپسند آئی اور انہیں تباہ کر دیا گیا اور جب یہ سیلاب میں تباہ ہوئے تو ان کے بچے کھچے لوگ پورے عرب میں پھیل گئے اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے ان کے ٹکڑے کر دیئے۔ مروی ہے کہ مدینہ کے اوس وخزرج قبائل بھی انہی لوگوں میں سے تھے۔ (مظہری جلد ۸ صفحہ ۲۲) تو قوم سبا کے واقعہ میں صبر وشکر بجالانے والوں کے لئے درس عبرت ہے۔

[19] یعنی شیطان نے کہا تھا کہ میں انسانوں کو گمراہ کروں گا مگر اللہ کے مخلص بندوں کو گمراہ نہ کر سکوں گا تو شیطان نے اپنا یہ گمان سچ کر دکھایا ہے اور قوم سباء کی طرح لوگ واقعتاً اس کے پھیلائے ہوئے جال میں پھنس جاتے ہیں سوا مومنوں کے ایک چھوٹے گروہ کے یعنی انبیاء وصدیقین اور شہداء وصالحین۔ اور شیطان کو لوگوں پر یہ غلبہ اس لئے دیا گیا ہے تا کہ اللہ ظاہر کر دے کہ آخرت پہ یقین رکھنے والا کون ہے اور اس کے متعلق شک میں پڑنے والا کون؟ چنانچہ مومنین صالحین جزا وسزائے آخرت پر یقین رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر قائم اور شیطان سے دور رہتے ہیں اور شک میں پڑنے والے شیطان کے جال میں پھنس جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سب کے اعمال دیکھ رہا ہے۔

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۚ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي

آپ فرما دیں (اے مشرکو) جنہیں تم اللہ کے سوا (خدا) سمجھتے ہو انہیں پکارو، وہ نہ آسمانوں میں

السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّمَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ

ذرہ برابر کے مالک ہیں نہ زمین میں اور نہ انہیں ان دونوں میں کوئی شراکت ہے اور نہ ان میں سے کوئی اللہ کا مددگار ہے [20]

ظَهِيْرٍ ﴿۲۲﴾ وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ ۭ حَتّٰٓى اِذَا فُزِّعَ

اور اللہ کے ہاں کوئی شفاعت نفع نہیں دے سکتی مگر اسی کی جسکے لئے اللہ اذن دے [21] یہاں تک کہ جب ان (فرشتوں) کے

عَنْ قُلُوْبِهِمْ قَالُوْا مَاذَا ۙ قَالَ رَبُّكُمْ ۭ قَالُوا الْحَقَّ ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿۲۳﴾

دلوں سے خوف دور ہو جاتا ہے تو کہتے ہیں تمہارے رب نے کیا کہا؟ دوسرے کہتے ہیں کہ حق کہا اور وہ سب سے بلند ہے بڑا ہے [22]

## توحید ورسالت اور قیامت کا اجمالی بیان

[20] یعنی اے بت پرستو! تم جن بے جان بتوں کو اللہ کا شریک مانتے ہو وہ آسمان وزمین میں ایک ذرہ کے مالک

نہیں ہیں نہ انہیں آسمان و زمین میں اللہ کے ساتھ کوئی شراکت ہے اور نہ ان میں سے کوئی نظام ارض و سما کی تدبیر میں اللہ کا مددگار ہے۔ دراصل کفار عرب سمجھتے تھے کہ ان کے جھوٹے خدا عزی و ہبل اللہ کے مددگار ہیں اگر وہ نہ ہوں تو اللہ اپنی خدائی نہ چلا سکے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا رد فرمایا کہ کوئی اللہ کا مددگار نہیں نہ اسے مدد کی ضرورت ہے۔ یہاں سے شرک کا حقیقی تصور معلوم ہوا۔

مَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍ سے معلوم ہوا کفار مکہ اپنے بتوں کو اللہ تعالیٰ کے مددگار سمجھتے تھے تو ان الفاظ میں ان کا رد کیا گیا اور یہی وہ تصور شرک ہے جس کے رد میں قرآن کا بڑا حصہ نازل ہوا آج بعض اہل غلو اپنے من گھڑت مفہوم شرک کی بنیاد پر مسلمانوں کو مشرک و بت پرست قرار دیتے ہیں حالانکہ مسلمان کا شرک سے کیا تعلق ہے نبی اکرم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی قسم اٹھا کر فرمایا کہ ''میری امت میں سے کسی کے مشرک ہونے کا مجھے کوئی ڈر نہیں۔'' (بخاری کتاب الجنائز)

[21] کفار مکہ سمجھتے تھے کہ ان کے جھوٹے خدا روز قیامت ان کی شفاعت کریں گے وہ کہتے تھے: هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ؕ ''یہ بت اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں۔'' (یونس:۱۸) اللہ تعالیٰ اس کا رد فرما رہا ہے کہ روز قیامت اللہ کے ہاں کوئی کسی کی شفاعت نہیں کر سکے گا سوا اس کے جس کے لئے اللہ اجازت دے اور اللہ تعالیٰ نے بتوں کو شفیع نہیں قرار دیا تو پھر کفار کا بتوں کو شفیع ماننا اللہ پر افتراء ہے کہ اللہ نے تو انہیں یہ منصب نہیں دیا اس لئے اللہ تعالیٰ نے کفار سے فرمایا کیا تم اللہ کو وہ چیز بتاتے ہو جو وہ آسمان و زمین میں نہیں جانتا۔ (یونس:۱۸) جبکہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء و اولیاء کو منصب شفاعت دیا ہے وہ فرماتا ہے: اَلْاَخِلَّآءُ یَوْمَئِذٍۭ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ ''اس دن گہرے دوست باہم دشمن ہوں گے سوا متقین کے۔'' (زخرف:٦٧)

[22] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس کا مفہوم یوں مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ آسمان میں کوئی بڑا فیصلہ فرماتا ہے تو فرشتے اس کے خوف سے کانپنے اور اپنے پروں کو پھڑپھڑانے لگتے ہیں پھر جب ان کے دلوں سے خوف دور ہوتا ہے تو وہ آپس میں پوچھتے ہیں تمہارے رب نے کیا کہا ہے؟ تو جواب ملتا ہے کہ اس نے جو کہا ہے سچ کہا ہے اور وہ علی و کبیر ہے پھر شیاطین اس کا سراغ لگانے کے لئے اوپر جاتے ہیں تو انہیں شعلے مارے جاتے ہیں۔ (بخاری کتاب التفسیر سورہ سبا) آیت کا مقصد یہ ہے کہ جب فرشتے اللہ تعالیٰ کے خوف سے تھر تھراتے ہیں تو بے جان بتوں کی کیا حیثیت ہے کہ کفار کو اللہ تعالیٰ سے زبردستی چھڑائیں۔ اور مروی ہے کہ بعض کفار عرب فرشتوں کی پوجا کرتے تھے اور انہی فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں قرار دیتے تھے، تو اس لیے بھی اس آیت میں فرشتوں کا خوف خدا سے تھر تھرانا بیان کیا گیا۔

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ وَاِنَّآ اَوْ اِيَّاكُمْ

آپ فرمائیں تمہیں آسمانوں اور زمین سے کون رزق دیتا ہے؟ کہہ دو کہ اللہ دیتا ہے۔ اور ہم یا تم (میں سے کوئی ایک)

لَعَلٰى هُدًى اَوْ فِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿٢٤﴾ قُلْ لَّا تُسْئَلُوْنَ عَمَّآ اَجْرَمْنَا

ضرور ہدایت پر ہے یا کھلی گمراہی میں ہے[23] آپ فرمادیں جو جرم ہم نے کیا اسکا سوال تم سے نہ کیا جائے گا اور تمہارے عمل کے

وَلَا نُسْئَلُ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿٢٥﴾ قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ ؕ

بارے میں ہم سے نہ پوچھا جائیگا۔ آپ فرمادیں کہ ہمارا رب ہمیں جمع کریگا پھر ہمارے درمیان سچائی سے فیصلہ کریگا اور وہ فیصلہ

وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِيْمُ ﴿٢٦﴾ قُلْ اَرُوْنِىَ الَّذِيْنَ اَلْحَقْتُمْ بِهٖ شُرَكَآءَ كَلَّا ؕ بَلْ

کرنے والا علم والا ہے[24] آپ فرمائیں (وہ جھوٹے خدا) مجھے دکھاؤ جنہیں تم نے اللہ کے ساتھ شریک بنایا ہے، ہرگز نہیں

هُوَ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿٢٧﴾

بلکہ اللہ ہی غالب ہے حکمت والا ہے[25]

[23] یعنی بت پرستوں سے پوچھو کہ تمہیں آسمان و زمین سے رزق کون دیتا ہے یعنی آسمان سے بارش برسا کر زمین سے اناج کون اُگاتا ہے؟ اگر وہ کوئی جواب نہ دیں تو تم کہو کہ اللہ ہی رزق دیتا ہے تو پھر اس کو چھوڑ کر کسی اور کی عبادت کا کیا معنی ہے۔ لہٰذا ہم اور تم میں سے کوئی ایک گروہ تو ضرور ہدایت پر ہے اور دوسرا گمراہی پر ہے۔ تو تم خود ہی بتاؤ کہ ہدایت پر کون ہے؟ کیا وہ جو اللہ کا رزق کھا کر اسی کو حقدار عبادت سمجھتا ہے یا وہ جو رزق اللہ کا کھائے اور سجدے دوسروں کو کرے؟

[24] یعنی اے کفار! ہمارے لئے ہمارا دین ہے اور تمہارے لئے تمہارا۔ اگر ہمارا دین غلط ہے تو اس کی سزا ہم بھگتیں گے تم نہیں۔ اور اگر تمہارا دین غلط ہے تو اس کا سوال تم سے ہوگا، یعنی پھر جب ہم ایک خدا کی عبادت کی بات کرتے ہیں تو تم ہمارے عقیدے سے بیزار کیوں ہوتے ہو اور غریب مسلمانوں پر ظلم کیوں ڈھاتے ہو تم اپنا عقیدہ رکھو ہمیں اپنے عقیدے پر چلنے دو۔ روز قیامت اللہ تعالیٰ ہمیں جمع کر کے ہمارے درمیان فیصلہ کردے گا کہ کون حق پر تھا کون باطل پر اور اللہ ہی سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے کیونکہ وہ سب سے بڑا علم والا ہے۔ مگر کفار مکہ اس منصفانہ دعوت کو کیسے قبول کرتے ان کا شرک ایک ظلمت تھا اور مومنوں کا عقیدۂ توحید ایک نور اور ظلمت کے لئے نور ایک موت

ہے۔ آخر نورِ توحید غالب آیا اور سرزمین مکہ سے ظلمت شرک کافور ہوگئی۔

[25] اے کفار! ذرا ہمیں دکھاؤ تو سہی جن بتوں کو تم پوجتے ہو اور اللہ سے ملاتے ہو ان میں سے کون سن، دیکھ یا پکڑ سکتا ہے، تو اللہ ہی غالب ہے اور وہی مستحق عبادت ہے اور اگر وہ غالب ہو کر تم پر اپنی پکڑ نہیں اُتار رہا تو یہ اس کی حکمت ہے کیونکہ سب حکمتوں کا وہی مالک ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ

اور ہم نے تو آپ کو تمام انسانوں کے لئے بشارت دینے اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے مگر اکثر لوگ

لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٢٨﴾ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٢٩﴾ قُلْ

نہیں جانتے [26] کفار کہتے ہیں یہ وعدہ (قیامت) کب آئے گا اگر تم سچے ہو؟ آپ فرمائیں

لَّكُمْ مِّيْعَادُ يَوْمٍ لَّا تَسْتَاْخِرُوْنَ عَنْهُ سَاعَةً وَّلَا تَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿٣٠﴾ ع

تمہارے لئے اس دن کی میعاد مقرر ہے جس سے تم ایک گھڑی نہ پیچھے ہٹ سکو گے نہ آگے بڑھ سکو گے۔ [27]

النصف ع ٣ ٩

[26] اللہ تعالیٰ اپنی توحید کے بعد اپنے حبیب لبیب ﷺ کی رسالت بیان فرما رہا ہے کہ اے حبیب! ہم نے آپ کو رہتی دنیا تک تمام نسل انسانی کے لئے یہ بشارت و نذرات سنانے بھیجا ہے کہ جو آپ کی اطاعت کرے وہ نجات پا گیا اور جو آپ کا راستہ چھوڑ دے وہ ہلاک ہو گیا۔ مگر اکثر لوگ آپ کی رسالت پر ایمان نہیں لاتے اور واقعتاً نزول قرآن کے وقت اکثر انسان کافر ہی تھے اور آج بھی کفار ہی کی اکثریت ہے مگر ایک وقت آنے والا ہے جب حضور ﷺ کا لایا ہوا دین سب ادیان پر غالب آئے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ۔ ''اللہ وہ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا ہے تا کہ اسے ہر دین پر غالب کر دے۔'' (فتح: ٢٨)

### رسول اللہ ﷺ کی رسالتِ عامہ

ہر رسول و نبی کسی خاص قوم، علاقہ اور وقت کے لئے بھیجا گیا مگر سید المرسلین خاتم النبیین ﷺ کو تمام اقوام عالم کے لئے تا قیامت بھیجا گیا۔ دوسرے مقامات پر فرمایا گیا: قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا ''آپ فرما دیں اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔'' (اعراف: ١٥٨) تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا ﴿١﴾ ''برکت والا ہے وہ اللہ جس نے اپنے بندۂ خاص (محمد مصطفی ﷺ) پر فرقان (قرآن) اتارا تا کہ وہ تمام جہانوں کے لئے نذیر ہو۔'' (فرقان: ١) اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ﴿٧﴾ ''آپ تو ڈرانے

والے اور ہر قوم کے لئے ہادی ہیں۔'' (رعد:۷)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: كَانَ النَّبِيُّ يُبْعَثُ إِلٰى قَوْمِهٖ خَاصَّةً وَ بُعِثْتُ إِلَى النَّاسِ عَامَّةً۔ ''ہر نبی صرف اپنی قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا اور مجھے سب انسانوں کی طرف بھیجا گیا ہے۔'' (بخاری کتاب التیمم باب ا حدیث ۳۳۵) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مجھے تمام انبیاء پر چھ چیزوں سے فضیلت دی گئی۔ مجھے جوامع الکلم (مختصر جامع انداز ہائے کلام) دیئے گئے، رعب سے میری مدد کی گئی، میرے لئے مال غنیمت حلال کیا گیا، میرے لئے ساری روئے زمین (تا قیامت) جائے سجدہ بنادی گئی اور اسے (بطور تیمم) پاک کرنے والی بنایا گیا: و ارسلت الى الخلق كافة و ختم بى النبيون اور مجھے تمام مخلوق خدا کا رسول بنایا گیا اور مجھ پر انبیاء کا سلسلہ ختم کر دیا گیا۔'' (ترمذی ابواب السیر باب ۵ حدیث ۱۵۵۳)

مولا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں میں مکہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہوتا تھا۔ ایک بار ہم مکہ کی کسی جانب میں نکلے، فما استقبله جبل ولا شجر الا قال السلام عليك يا رسول الله، تو جو پہاڑ یا درخت آپ کے سامنے آتا وہ عرض کرتا السلام عليك يا رسول الله۔ (ترمذی کتاب المناقب ۳۶۲۶) امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن غریب ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ کچھ لوگوں نے حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارا اونٹ ہمارے باغ میں سرکش ہو گیا ہے۔ آپ اس کے پاس گئے اور اسے اپنی طرف بلایا، وہ سر جھکا کر حاضر ہو گیا۔ آپ نے اسے نکیل ڈالی اور اس کے مالکوں کے سپرد کر دیا۔ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ عرض کرنے لگے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گویا اونٹ جانتا تھا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں؟ آپ نے فرمایا:

ما بين لابتيها احد الا يعلم انى نبى الا كفرة الجن والانس، ''مدینہ طیبہ کے دونوں کناروں کے درمیان جو بھی مخلوق ہے وہ جانتی ہے کہ میں نبی ہوں سوا کافر جنوں اور انسانوں کے۔''

(مجمع الزوائد جلد ۹ صفحہ ۷ باب ادب الحیوانات معہ مطبوعہ موسسۃ المعارف بیروت)

اسی لیے امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

زمین وزماں تمہارے لیے مکین و مکاں تمہارے لیے
چنین و چناں تمہارے لیے بنے دو جہاں تمہارے لیے

اصالت کل رسالت کل سیادت کل امامت کل
حکومت کل ولایت کل خدا کے یہاں تمہارے لیے

## ختمِ نبوت

جب آپ کی رسالت تا قیامت ہر انسان کے لئے ہے تو آپ کے بعد کسی نئے نبی کی کچھ ضرورت نہیں اس لئے آپ پر نبوت ختم کر دی گئی اور ابھی حدیث گزری کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مجھے سب مخلوق کی طرف بھیجا گیا اور مجھ پر سلسلہ

انبیاء کو ختم کر دیا گیا اور اس کا سبب یہ ہے کہ باقی انبیاء نجوم نبوت ہیں اور آپ آفتاب نبوت۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَسِرَاجًا مُّنِيرًا۔ ''آپ چمکانے والا آفتاب ہیں۔'' (احزاب:۴۶) آفتاب سارے جہان کو روشن کرنے آتا ہے اور اس کے آنے پر سب ستارے چھپ جاتے ہیں اور کسی نئے ستارے کی ضرورت نہیں رہتی۔

کیا خبر کتنے تارے کھلے چھپ گئے  پر نہ ڈوبے نہ ڈوبا ہمارا نبی

[27] توحید و رسالت کے بعد اب قیامت کی حقانیت بتائی جا رہی ہے۔ کفار پوچھتے تھے قیامت کا وعدہ کب آئے گا اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے حبیب ﷺ آپ فرما دیں اے کفار! اس کے لئے ایک دن مقرر ہے جب وہ آجائے گا تو تم اس سے ایک لمحہ آگے پیچھے نہ ہو سکو گے۔ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ قیامت کے منکرین اس کی جلدی چاہتے ہیں اور اس پر ایمان رکھنے والے اس سے ڈرتے ہیں۔ (شوریٰ:۱۸)

اس رکوع میں چھ بار لفظ قُلْ وارد ہوا ہے۔ حالانکہ اس رکوع کے تمام مضامین (مثل توحید و رسالت و قیامت) لفظ قل کے بغیر بھی درست ہیں۔ یہ امر اس بات پہ دلالت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی باتیں اپنے حبیب لبیب ﷺ کی زبان سے سننا چاہتا ہے، اس سے آپ کا مقام محبوبیت ظاہر ہوتا ہے اور یہ بھی کی آپ کی حدیث کا اللہ تعالیٰ کے ہاں کتنا بلند مرتبۂ ثقاہت ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَلَا بِالَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ ؕ

اور کفار نے کہا ہم اس قرآن پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے اور نہ اس کتاب پر جو اس سے پہلے تھی۔ [28]

وَلَوْ تَرٰۤى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ مَوْقُوْفُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۖۚ يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ اِلٰى

اور کبھی تم وہ حالت دیکھو جب ظالم لوگوں کو ان کے رب کے سامنے کھڑا کیا جائے گا تو وہ

بَعْضِ ۣالْقَوْلَ ۚ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لَوْلَاۤ اَنْتُمْ

ایک دوسرے پر الزام ڈالیں گے۔ جن کو (دنیا میں) دبایا گیا تھا وہ تکبر کرنے والوں سے کہیں گے اگر تم نہ ہوتے تو ہم

لَكُنَّا مُؤْمِنِيْنَ ۝۳۱ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْۤا اَنَحْنُ

ایمان لے آتے (تو) جنہوں نے تکبر کیا وہ دبائے جانے والوں سے کہیں گے کیا ہم نے تمہیں

صَدَدْنٰكُمْ عَنِ الْهُدٰى بَعْدَ اِذْ جَآءَكُمْ بَلْ كُنْتُمْ مُّجْرِمِيْنَ ۝۳۲ وَقَالَ

ہدایت سے روکا تھا جب تمہارے پاس ہدایت آ گئی تھی؟ نہیں بلکہ تم خود مجرم تھے [29] اور جن کو

الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا بَلْ مَكْرُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ اِذْ

دبایا گیا تھا وہ متکبرین سے کہیں گے بلکہ وہ رات دن (ہمیں تمہارا) فریب دینا تھا جب تم

تَاْمُرُوْنَنَاۤ اَنْ نَّكْفُرَ بِاللّٰهِ وَنَجْعَلَ لَهٗۤ اَنْدَادًا ؕ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا

ہمیں حکم دیتے تھے کہ ہم اللہ سے انکار کریں اور اسکے لئے شریک ٹھہرائیں [30] اور کفار اپنی ندامت چھپاتے پھریں گے جب

الْعَذَابَ ؕ وَجَعَلْنَا الْاَغْلٰلَ فِيْۤ اَعْنَاقِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ هَلْ يُجْزَوْنَ

عذاب دیکھیں گے اور ہم کفر کرنے والوں کی گردنوں میں طوق ڈال دیں گے، انہیں اسی عمل کی سزا دی جائے گی

اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۳۳

جو وہ کرتے تھے؟ [31]

وَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَةٍ مِّنْ نَّذِیْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ ۙ اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ

اور ہم نے جس بھی بستی میں کوئی ڈرانے والا (نبی) بھیجا تو وہاں کے بڑے لوگوں نے یہی کہا کہ تمہیں جو دے کر بھیجا گیا ہے ہم

كٰفِرُوْنَ ﴿۳۴﴾ وَقَالُوْا نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ۙ وَّمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِیْنَ ﴿۳۵﴾

اس کے منکر ہیں اور وہ کہتے تھے ہم مال و اولاد میں ہم تم سے بڑھ کر ہیں اور ہمیں عذاب نہیں دیا جائے گا [32]

قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَقْدِرُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ

آپ فرما دیں کہ میرا رب جس کے لئے چاہے رزق کو کشادہ یا تنگ کر دیتا ہے مگر اکثر لوگ

لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۳۶﴾ ع

نہیں جانتے۔ [33]

[32] انبیاء کرام علیہم السلام میں سے جو بھی اپنی قوم میں اللہ تعالیٰ کا پیغام لے کر آیا تو وہاں کے سرمایہ داروں اور وڈیروں نے سب سے اول اس کی مخالفت کی۔ اور انہوں نے مومنوں سے کہا اللہ ہم پر مہربان ہے اس لئے اس نے ہمیں تم سے بڑھ کر اموال و اولاد سے نوازا ہے لہٰذا وہ آخرت میں بھی ہمیں کوئی عذاب نہ دے گا۔

### اللہ رب العزت نے اپنے دین کو ہمیشہ غرباء سے مدد دی:

اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ سے معلوم ہوا کہ ہر نبی کی مخالفت کرنے والے اکثر بڑے لوگ اور اطاعت کرنے والے اکثر غرباء تھے۔ بخاری شریف کے پہلے صفحہ پر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی وہ طویل حدیث ہے جس کے مطابق جب شاہ ہرقل نے ابوسفیان سے پوچھا کہ تمہارے ہاں ظاہر ہونے والے نبی کے پیروکار ضعیف و کمزور لوگ ہیں یا شرفاء؟ تو ابوسفیان نے کہا: وہ ضعیف لوگ ہیں۔ شاہ ہرقل نے کہا ہر نبی کے ساتھ یہی معاملہ ہوا ہے۔ (بخاری کتاب بدأ الوحی حدیث ۷) اور آج بھی دین کا مالی و جانی تعاون عموماً غرباء ہی کرتے ہیں۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے جواب شکوہ میں فرمایا:

جا کے ہوتے ہیں مساجد میں صف آرا تو غریب
زحمت روزہ جو کرتے ہیں گوارا تو غریب

نام لیتا ہے اگر کوئی ہمارا تو غریب
پردہ رکھتا ہے اگر کوئی تمہارا تو غریب

امراء نشۂ دولت میں ہیں غافل ہم سے
زندہ ہے ملتِ بیضا غربا کے دم سے

[33] یعنی کبھی اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں پر رزق تنگ کر کے ان کا صبر آزماتا اور آخرت میں ان کے درجات بڑھاتا ہے اور کبھی اپنے دشمنوں پر رزق کشادہ کر کے ان پر درِ توبہ بند فرما دیتا ہے مگر اکثر لوگ یہ بات نہیں سمجھتے اور فراخی رزق ہی

کوسب سے بڑی نعمت گردانتے ہیں۔

| وَمَآ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِيْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰٓى اِلَّا مَنْ اٰمَنَ |
|---|
| اور نہ تمہارے اموال کی اور نہ تمہاری اولاد کی یہ حیثیت ہے کہ تمہیں ہمارے قریب کریں، سوا اس کے جو ایمان لائے |
| وَعَمِلَ صَالِحًا ۙ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا وَهُمْ فِي |
| اور نیک عمل کرے تو انہی لوگوں کے لئے ان کے عمل کے سبب کئی گنا جزا ہے اور وہ (جنتی) بالا خانوں |
| الْغُرُفٰتِ اٰمِنُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَالَّذِيْنَ يَسْعَوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ فِي |
| میں امن سے رہیں گے [34] اور جو لوگ ہماری آیات کے بارے میں ہمیں عاجز کرنے کی کوشش کرتے ہیں وہ عذاب میں |
| الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ﴿۳۸﴾ قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ |
| حاضر کئے جائیں گے [35]۔ آپ فرما دیں کہ میرا رب اپنے بندوں میں سے جس کے لئے چاہے رزق کو کشادہ |
| عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ ۭ وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهٗ ۚ وَهُوَ خَيْرُ |
| یا تنگ کر دیتا ہے اور تم جو بھی (راہ خدا میں) خرچ کرو وہ اس کا بدلہ دیتا ہے اور وہ سب سے بہتر |
| الرّٰزِقِيْنَ ﴿۳۹﴾ |
| رزق دینے والا ہے [36] |

## اللہ کے ہاں ذریعۂ قرب کی نشاندہی اور کفار کی گمراہی

[34] گزشتہ رکوع کے آخر میں یہ مضمون تھا کہ کفار نے مومنوں سے کہا: نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ۙ کہ ہمارے پاس اموال واولاد کی کثرت ہے۔ اب اللہ رب العزت اس کا جواب دے رہا ہے کہ اے لوگو! تمہارے اموال اور تمہاری اولاد تمہیں ہمارے ہاں کچھ قرب نہیں دلا سکتی، ہمارے ہاں صرف انہی کے لئے قرب ہے جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں۔ ایسے لوگوں کے لئے کئی گنا جزا ہے اور وہ جنتی بالا خانوں میں امن سے رہیں گے۔ اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ۙ کا یہ معنی بھی ہے کہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان کے اموال و اولاد انہیں ہمارے ہاں ضرور قرب دلاتے ہیں کیونکہ وہ ان چیزوں کو ہماری رضا کے لئے صرف کرتے ہیں تو انہیں ہمارا قرب میسر آتا ہے۔

جنتی بالا خانوں کے بارے میں اس جگہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا کہ حضور سید کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جنتی بالا خانوں کا ظاہر باطن سے اور باطن ظاہر سے نظر آتا ہے۔ایک دیہاتی نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! یہ کن لوگوں کے لئے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ اس شخص کے لئے ہیں جو عمدہ کلام کرے (جھوٹ غیبت اور دل آزاری سے بچے) کھانا کھلائے، کثرت سے روزے رکھے اور جب لوگ سوئے ہوں تو رات کو اٹھ کر نماز (تہجد) پڑھے۔ (ابن کثیر جلد ۳ صفحہ ۵۴۹ عن ابن ابی حاتم) معلوم ہوا کسی کے نیک اعمال پر رشک کرنا چاہیے اس کے اموال پر نہیں۔خوش نصیب ہے وہ جو اپنی زندگی کو اموال کی بجائے نیک اعمال کے کمانے پر لگائے اور بدنصیب ہے وہ جو نیک اعمال کی بجائے ناجائز ذرائع سے اموال کمائے اور خالی ہاتھ دنیا سے جائے۔

[35] یعنی جو لوگ اللہ کی آیات (قرآن کریم) کی مخالفت کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ قرآن کا نور نہ پھیلنے دیں وہ بزعم خود اللہ پر غالب آنا چاہتے ہیں ایسے لوگوں کو اللہ عذاب میں حاضر کر دے گا اور قرآن کا نور پھیل کر رہے گا۔ يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ۔ (صف:۸)

[36] رزق کا تنگ یا کشادہ کرنا اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرے اللہ تعالیٰ اس کا بدلہ ضرور دیتا ہے یعنی اس کا رزق کشادہ کر دیتا ہے کہ وہی بہتر رزاق ہے۔اس کے سوا باقی روزی رساں سب مجازی ہیں حقیقی روزی رساں وہی ہے۔تو جو اس کی راہ میں خرچ کرے وہ اس پر رزق کشادہ کر دیتا ہے۔(خواہ دنیا میں کرے یا آخرت میں) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اے ابن آدم! تم (ہماری راہ میں) خرچ کرو ہم تم پر خرچ کریں گے۔ (بخاری کتاب التفسیر سورہ ہود باب ۲) اسی طرح حدیث میں ہے کہ "ہر روز دو فرشتے اترتے ہیں۔ایک دعا کرتا ہے اے اللہ! جو شخص (تیری راہ میں) خرچ کرے اسے مزید عطا کر اور دوسرا کہتا ہے اے اللہ! جو مال کو روک لے (تیری راہ میں خرچ نہ کرے) تو اس کا مال تلف کر۔" (بخاری کتاب الزکوٰۃ باب ۲۷، مسلم کتاب الزکوٰۃ حدیث ۵۷) اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب رزق کا کھولنا اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے تو جھوٹ اور فراڈ سے اللہ تعالیٰ کو ناراض کر کے رزق کمانے کی کوشش نہیں کرنی چاہئے بلکہ سچائی اور صبر کا دامن تھامنا چاہیے۔

| |
|---|
| وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ يَقُوْلُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اَهٰٓؤُلَآءِ اِيَّاكُمْ كَانُوْا |
| اور یاد کرو وہ دن جب وہ سب کو جمع کرے گا پھر فرشتوں سے فرمائے گا کیا یہ لوگ تمہیں |
| يَعْبُدُوْنَ ۝۴۰ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ اَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ بَلْ كَانُوْا |
| پوجتے تھے؟ وہ کہیں گے اے اللہ! تیرے لئے پاکیزگی ہے، ان کی بجائے تو ہمارا محبوب ہے۔ بلکہ وہ |
| يَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ ۚ اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ ۝۴۱ فَالْيَوْمَ لَا يَمْلِكُ بَعْضُكُمْ |
| جنات کو پوجتے تھے ان میں سے اکثر انہی پہ ایمان رکھتے تھے [37] تو اس دن تم میں سے کوئی کسی کے لیے |
| لِبَعْضٍ نَّفْعًا وَّلَا ضَرًّا ؕ وَنَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ |
| نہ نفع کا مالک ہو گا نہ نقصان کا اور ہم ظالموں سے کہیں گے کہ اس آگ کا عذاب چکھو |
| الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ۝۴۲ |
| جسے تم جھٹلاتے تھے [38] |

[37] بعض کفار عرب فرشتوں کی پرستش کرتے تھے اسی لئے وہ فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں قرار دیتے تھے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اَفَاَصْفٰىكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِيْنَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ اِنَاثًا ؕ کیا تمہارے رب نے تمہیں بیٹے دیئے اور اپنے لئے فرشتوں کو بیٹیاں بنالیا؟ (بنی اسرائیل: ۴۰) تو روز قیامت اللہ تعالیٰ فرشتوں کو ان کے سامنے کھڑا کر کے ان سے پوچھے گا کیا یہ لوگ تمہاری مرضی سے تمہاری عبادت کرتے تھے؟ یہ اسی طرح ہے جیسے عیسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ قیامت میں فرمائے گا کیا تم نے لوگوں کو اپنی اور اپنی والدہ کی عبادت کا حکم دیا تھا؟ فرشتے اس سوال کے جواب میں کہیں گے اے اللہ! یہ مشرکین ہماری نہیں جنات (شیاطین) کی پرستش کرتے تھے یعنی انہوں نے شیاطین کی اطاعت کر کے ہماری پرستش کی۔ گویا انہوں نے ہماری نہیں شیاطین کی پرستش کی۔

بعض مفسرین نے اس کا یہ معنیٰ کیا ہے کہ مشرکین عرب اپنی جہالت کے سبب شیاطین کو فرشتے تصور کرتے تھے۔ اس لئے فرشتے قیامت میں کہیں گے کہ یہ لوگ ہماری نہیں جنات کی عبادت کرتے تھے اور ممکن ہے کہ جنات ان کے سامنے فرشتوں کے روپ میں آتے ہوں۔ بلکہ قرآن کا مطالعہ تو یہ بتاتا ہے کہ کفار عرب جنات ہی کی عبادت کرتے تھے۔ قرآن میں ہے: وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ ''انہوں نے جنات کو اللہ کے لئے شریک بنالیا'' (انعام: ۱۰۰)

وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ. (مائدہ:٦٠) وغیرہ۔

[38] یعنی اے مشرکو! تمہارے جھوٹے خدا روز قیامت تمہارا کچھ نفع نہ کر سکیں گے اور جب تم ان سے انکار کرو گے تو وہ تمہارا کچھ نقصان بھی نہ کر سکیں گے اور نہ تم ان کا کچھ نقصان کر سکو گے لہٰذا آج ہی ان سے پیچھا چھڑا لو۔ اس دن شرک جیسے ظلم عظیم کے مرتکبین سے کہا جائے گا کہ جس عذاب نار سے تم انکار کرتے تھے کہ وہ تمہیں نہیں ہو سکتا، آج اس کا مزہ چکھو۔

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا رَجُلٌ يُّرِيْدُ اَنْ

اور جب ان پر ہماری آیات پڑھی جاتی ہیں تو وہ کہتے ہیں یہ تو بس ایسا شخص ہے جو تمہیں ان خداؤں سے

يَّصُدَّكُمْ عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُكُمْ ۚ وَقَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّآ اِفْكٌ مُّفْتَرًى ۭ

روکنا چاہتا ہے جنکی عبادت تمہارے باپ دادا کرتے تھے [39] اور وہ کہتے ہیں یہ (قرآن) من گھڑت جھوٹ کے سوا کچھ نہیں۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿٤٣﴾

اور جب کافروں کے پاس حق آ گیا تو انہوں نے اسکے بارے میں کہا کہ یہ تو بس کھلا جادو ہے۔

وَمَآ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ كُتُبٍ يَّدْرُسُوْنَهَا وَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ قَبْلَكَ مِنْ

اور ہم نے انہیں کوئی کتابیں نہ دی تھیں جنہیں وہ پڑھتے اور نہ ہم نے آپ سے قبل انکی طرف کوئی ڈرانے والا

نَّذِيْرٍ ﴿٤٤﴾ ۭ وَكَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۙ وَمَا بَلَغُوْا مِعْشَارَ مَآ اٰتَيْنٰهُمْ

بھیجا تھا [40] اور ان سے پہلے لوگوں نے بھی (انبیاء کی) تکذیب کی اور جو (دبدبہ) ہم نے انہیں دیا تھا یہ اسکے دسویں حصہ کو بھی نہیں پہنچے،

فَكَذَّبُوْا رُسُلِيْ ۣ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿٤٥﴾ ع

انہوں نے ہمارے رسولوں کو جھٹلایا تو دیکھو ہماری نفرین (نفی) کیسی تھی۔ [41]

[39] حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قرآن کریم سن کر کفار مکہ باہم کہتے تھے یہ شخص صرف یہ چاہتا ہے کہ جن خداؤں کی تمہارے باپ دادا صدیوں سے عبادت کرتے آئے ہیں ان سے تمہیں روک دے، تو تم اپنے باپ دادا کے طریقہ پر قائم رہو اس سے مت ہٹو۔

## حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے باپ دادا مشرکین نہ تھے

اگر حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے باپ دادا معاذ اللہ مشرک ہوتے تو کفار مکہ آپ کو عار دلانے کے لئے ضرور کہتے: یرید ان یصدکم عما کان یعبد آباءہ کہ یہ شخص ہمیں ان خداؤں کی عبادت سے روکتا ہے جن کی پرستش خود اس کے باپ دادا کرتے آئے ہیں، مگر اس کی بجائے انہوں نے کہا: يُرِيْدُ اَنْ يَّصُدَّكُمْ عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُكُمْ ۚ یہ تمہیں ان خداؤں سے روکتا ہے جن کی عبادت تمہارے باپ دادا کرتے آئے ہیں۔ معلوم ہوا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین اور باپ دادا مشرک نہیں موحد تھے اور کیوں نہ ہو آپ کی شان تو وَتَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ ﴿۲۱۹﴾ ہے یعنی آپ کے نور کو سجدہ گزاروں میں منتقل کیا گیا۔ (شعراء: ۲۱۹)

[40] کفار مکہ قرآن کے بارے میں کبھی کہتے کہ اسے محمد (مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے کبھی کہتے یہ کھلا جادو ہے کبھی وہ اسے شاعری اور کبھی مجنون کی بڑ قرار دیتے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے پاس پہلے سے کوئی کتاب کبھی نہیں آئی تھی اور نہ کوئی نبی آیا تھا اس لئے وہ قرآن پر ایمان لانے کی بجائے اسے مختلف نام دے رہے ہیں۔ دراصل حضرت ابراہیم واسماعیل علیہما السلام کے بعد مکہ کی سرزمین میں نہ کوئی نبی آیا نہ کسی نبی کی تعلیم پہنچی۔

[41] یعنی کفار مکہ کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جھٹلانا نئی بات نہیں پہلے انبیاء کو بھی ان کی قوموں نے جھٹلایا اور ان قوموں کو اللہ نے جس قدر قوت وشوکت دی تھی کفار مکہ کو اس کا دسواں حصہ بھی نہیں دیا گیا مثلاً کہاں فرعون ونمرود کی طاقتور سلطنتیں اور کہاں بستی مکہ کے چند ہزار کفار مگر جب اللہ تعالیٰ کا عذاب آیا تو کفار کی عظیم سلطنتیں حرفِ غلط کی طرح صفحہ ہستی سے مٹ گئیں لہٰذا اللہ کے رسول اور اس کی کتاب سے ٹکر نہ لی جائے۔ اس میں دورِ حاضر کی اسلام دشمن طاغوتی طاقتوں کے لئے بھی وارننگ ہے۔

قُلْ اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ ۚ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰى وَفُرَادٰى ثُمَّ

آپ فرما دیں اے لوگو! میں تمہیں ایک نصیحت کرتا ہوں کہ خوف خدا کیساتھ دو دو ہو کر یا اکیلے وقوف کرو پھر

تَتَفَكَّرُوْا ۗ مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ

فکر کرو کہ تمہارے ساتھی (نبی ﷺ) کو کوئی جنون نہیں ہے، وہ تو تمہیں سخت تر عذاب سے قبل

عَذَابٍ شَدِيْدٍ ۝۴۶ قُلْ مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ ۭ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا

ڈرانے والے ہیں [42] آپ فرما دیں میں تم سے جو اجر مانگوں تو وہ تمہارے لئے ہے، میرا اجر صرف اللہ کے

عَلَى اللّٰهِ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝۴۷ قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَقْذِفُ بِالْحَقِّ ۚ

ذمے ہے اور وہ ہر چیز پر گواہ ہے [43] آپ فرما دیں میرا رب حق اُتارتا ہے،

عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ۝۴۸ قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيْدُ ۝۴۹

وہ سب غیبوں کا جاننے والا ہے۔ آپ فرما دیں کہ حق آ گیا ہے اور باطل نہ ابتداء کرے گا نہ لوٹ کر آئے گا

قُلْ اِنْ ضَلَلْتُ فَاِنَّمَآ اَضِلُّ عَلٰى نَفْسِيْ ۚ وَاِنِ اهْتَدَيْتُ فَبِمَا يُوْحِيْٓ

آپ فرمائیں اگر میں گمراہی پر ہوں تو اپنے ہی نقصان کو گمراہی پر ہوں اور اگر ہدایت پر ہوں تو اس وحی کی وجہ سے ہوں

اِلَيَّ رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ قَرِيْبٌ ۝۵۰

جو میرا رب مجھے فرماتا ہے، وہ سننے والا ہے قریب ہے۔[44]

## توحید و رسالت اور قیامت پر ایمان کی دعوت

[42] کفار مکہ حضور ﷺ کو معاذ اللہ مجنون کہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَيَقُوْلُوْنَ اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ ۝۵۱ ''وہ کہتے ہیں کہ آپ مجنون ہیں'' (معاذ اللہ) (نون:۵) اس کے جواب میں اللہ نے فرمایا: اے محبوب! آپ کفار سے فرمائیں میں تمہیں ایک نصیحت کرتا ہوں کہ تم اللہ کے خوف سے دو دو یا اکیلے اکیلے ہو کر بیٹھو پھر غور کرو کہ کیا تمہارے ساتھی (تمہارے نبی) میں کوئی جنون ہے؟ دراصل جب کفار قرآن کی ایک سورت کی مثل بھی نہ لا سکے تو انہوں نے اپنی خفت

مٹانے کے لئے قرآن کو مجنون کی باتیں کہنا شروع کر دیا۔ معلوم ہوا تعصب کا کوئی علاج نہیں ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور سید کائنات ﷺ اللہ تعالیٰ کے ایسے محبوب ہیں کہ آپ پر اعتراض آئے تو اللہ تعالیٰ جواب دیتا ہے کفار نے آپ کو جنون کا طعنہ دیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کا دفاع کیا۔ جبکہ پہلے انبیاء اپنا دفاع خود کرتے تھے۔ آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حضور ﷺ عذاب شدید سے قبل کھلا ڈرانے والے ہیں۔

## حضور سید کائنات ﷺ کی شان نذارت

اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ لَّكُمْ میں رسول اللہ ﷺ کی شان نذارت بیان کی گئی ہے اور یہ آپ کی عظیم فضیلت ہے اور حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سید کائنات ﷺ ایک بار تشریف لائے تو آپ نے فرمایا: یاد رکھو میری مثال اس قوم کی طرح ہے جنہیں کسی دشمن کے حملے کا خطرہ ہوا نہوں نے ایک شخص کو خفیہ معلومات کے لئے بھیجا، وہ گیا، اسے دشمن نظر آیا، وہ بھاگتا ہوا لوٹا، اسے ڈر تھا کہیں اس کے پہنچنے اور مطلع کرنے سے قبل دشمن نہ پہنچ جائے، اس نے فضا میں کپڑا لہرانا شروع کر دیا کہ لوگو تم پر حملہ ہو گیا ہے لوگو تم پر حملہ ہو گیا ہے لوگو تم پر حملہ ہو گیا ہے۔ (مسند احمد بن حنبل جلد ۵ صفحہ ۳۴۸)

یعنی آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بتانے آئے ہیں کہ لوگو تم پر شیاطین کی فوج حملہ آور ہو گئی ہے جو تمہیں پکڑ کر جہنم میں گرا دے گی جہاں سے تم کبھی نہ نکل سکو گے اب جو آپ کی بات مان لے وہ نجات پا گیا جس نے نہ مانی وہ ہلاک ہو گیا۔ اسی لیے جب رسول اللہ ﷺ نے پہلا وعظ فرمایا تو کہا اے لوگو! اگر میں تمہیں کہوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے دشمن ہے جو تم پہ حملہ آور ہونے والا ہے تو کیا تم میری تصدیق کرو گے؟ تو سب اہل مکہ نے کہا: اے محمد! ہم ضرور آپ کی تصدیق کریں گے، کیونکہ ہم نے آپ کو کبھی جھوٹ بولتے نہیں دیکھا۔ (بخاری کتاب التفسیر سورہ لہب)

## دلیلِ ختم نبوت

نَذِيْرٌ لَّكُمْ میں تا قیامت ہر انسان سے خطاب ہے۔ معنی یہ ہے کہ آپ قیامت تک ہر انسان کے لئے نذیر ہیں آپ کے بعد کوئی نذیر نہ آئے گا اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَقُلْ اِنِّيْٓ اَنَا النَّذِيْرُ الْمُبِيْنُ ﴿۸۹﴾ "اور اے پیارے نبی! کہہ دیں کہ میں ہی کھلا ڈرانے والا ہوں۔" (حجر: ۸۹) یعنی اب میرے سوا کوئی نیا نذیر نہیں آئے گا۔

[43] اے پیارے نبی (ﷺ)! آپ فرما دیں کہ میری دعوت کا مقصد مال کمانا نہیں بلکہ تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف بلانا ہے۔ میں تم سے اس پر کوئی اجرت (تنخواہ) نہیں مانگتا۔ اگر مجھے کوئی اجرت ملتی ہو تو وہ تم لے لو۔ میرا اجر تو مجھے میرا رب دے گا کیونکہ وہ سب کچھ دیکھ رہا ہے۔ معلوم ہوا بلا معاوضہ تبلیغ ہی طریقۂ انبیاء ہے۔ اور علماء اور ائمہ جو اپنی امامت وخطابت اور درس وتدریس کی تنخواہ لیتے ہیں وہ اپنے وقت کا معاوضہ لیتے ہیں نہ کہ تبلیغ وتدریس کا۔

[44] یعنی اللہ تعالیٰ باطل پر حق کی چوٹ لگاتا ہے کیونکہ اب حق آ گیا ہے اور باطل کے مقدر میں جانا اور پسپا ہونا ہے چنانچہ جب سے اسلام ظاہر ہوا وہ پھیلتا ہی جا رہا ہے۔ اہل اسلام کو بارہ صدیوں تک تمام اقوام عالم پر سیاسی غلبہ حاصل رہا

پھر ان کی اپنی غفلتوں کی وجہ سے ان پر زوال آیا جو تادیر نہیں رہے گا اور اخلاقی غلبہ تو اسے اب بھی حاصل ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول پر روئے زمین پر اسلام کے سوا کوئی دین باقی نہ رہے گا۔ حدیث مبارکہ میں ہے: یهلك الله الملل كلها الا الاسلام "اللہ تعالیٰ اسلام کے سوا سب ادیان مٹا دے گا" (ابوداؤد کتاب الملاحم باب ۱۴، مسند احمد جلد ۲ صفحہ ۴۰۶)

وَلَوۡ تَرٰٓی اِذۡ فَزِعُوۡا فَلَا فَوۡتَ وَاُخِذُوۡا مِنۡ مَّکَانٍ قَرِیۡبٍ ﴿۵۱﴾ وَّقَالُوۡۤا اٰمَنَّا

اور کبھی آپ وہ منظر دیکھیں جب کفار خوفزدہ کر دیے جائیں گے تو وہ بھاگ نہ سکیں گے اور قریبی جگہ سے پکڑے جائینگے [45] اور وہ کہیں گے ہم (قرآن

بِهٖ ۚ وَاَنّٰی لَهُمُ التَّنَاوُشُ مِنۡ مَّکَانٍۭ بَعِیۡدٍ ﴿۵۲﴾ وَّقَدۡ کَفَرُوۡا بِهٖ مِنۡ قَبۡلُ ۚ

پر) ایمان لاتے ہیں۔ اور اتنے دور کے مقام سے انکے لئے ایمان کا پانا کیسے ممکن ہے جبکہ اس سے قبل وہ اس سے انکار کرتے

وَیَقۡذِفُوۡنَ بِالۡغَیۡبِ مِنۡ مَّکَانٍۭ بَعِیۡدٍ ﴿۵۳﴾ وَحِیۡلَ بَیۡنَهُمۡ وَبَیۡنَ مَا یَشۡتَهُوۡنَ

اور دور سے اس پر تہمت زنی کرتے تھے [46] اور ان کے اور ان کی خواہش کے مابین رکاوٹ ڈال دی جائے گی

کَمَا فُعِلَ بِاَشۡیَاعِهِمۡ مِّنۡ قَبۡلُ ؕ اِنَّهُمۡ کَانُوۡا فِیۡ شَکٍّ مُّرِیۡبٍ ﴿۵۴﴾ ع

جیسے کہ ان جیسوں پر اس سے قبل کیا گیا وہ پیچیدہ شک میں مبتلا تھے [47]

[45] جب صور پھونکا جائے گا یا جب قیامت میں دوزخ کو لوگوں کے سامنے لایا جائے گا اس وقت کفار کی گھبراہٹ دیدنی ہوگی اس وقت ان کو بھاگنے کی طاقت نہ ہوگی اور انہیں یوں پکڑ لیا جائے گا جیسے کوئی مجرم قریب ہی کھڑا ہو اور اسے آسانی سے پکڑ لیا جائے۔

[46] روز قیامت جہنم کو دیکھ کر کفار ایمان قبول کریں گے مگر اس وقت وہ اتنے دور کے مقام سے ایمان کا دامن کیسے پکڑ سکیں گے جب وہ دنیا میں تھے تو ایمان ان کے بہت قریب تھا اور وہ کسی رکاوٹ کے بغیر اسے پکڑ سکتے (یعنی ایمان لا سکتے تھے) اس وقت انہوں نے اسے پکڑنے کی بجائے اس سے انکار کیا بلکہ دور سے اس پر تہمت زنی کرتے رہے۔

[47] روز قیامت کفار قبول ایمان کی بہت خواہش کریں گے اور حصول شفاعت کے لئے بہت مارے مارے پھریں گے مگر ان کے اور ان کی ان خواہشات کے درمیان رکاوٹ ڈال دی جائے گی۔ یہی کچھ پہلی قوموں کے کفار سے کیا جائے گا کیونکہ وہ دنیا میں پیچیدہ شک میں مبتلا تھے یعنی انہیں اللہ کے رسولوں اور اس کی کتابوں میں ایسا شک تھا کہ وہ اس کے ازالہ کے لئے اٹھنے والی کوئی آواز سننے کو تیار نہ تھے۔

الحمدللہ آج 23 جمادی الاول 1429ھ بمطابق 28 مئی 2008ء بروز بدھ نماز عصر سے قبل سورہ سبا کی تفسیر مکمل ہوئی۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہٖ محمد وآلہٖ وصحبہٖ اجمعین۔

# سورۃ فاطر

ترتیب تلاوت کے اعتبار سے یہ قرآن کریم کی 35 ویں سورت ہے اور ترتیب نزول کے اعتبار سے 42ویں سورت ہے۔ یہ سورہ فرقان کے بعد اور کٓھٰیٰعٓصٓ سے پہلے نازل ہوئی۔ یہ مکمل مکی سورت ہے اس کی کوئی آیت مدنی نہیں۔ اس میں پانچ (5) رکوعات، پینتالیس (45) آیات، نوسوستر (970) کلمات اور تین ہزار ایک سو اسی (3180) حروف ہیں۔

اسے سورہ فاطر اس لئے کہتے ہیں کہ یہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ سے شروع ہوئی ہے۔ تو پہلی آیت میں موجود اللہ تعالیٰ کے اسم فاطر کی مناسبت سے اسے سورہ فاطر کہا گیا۔ علاوہ ازیں اسے سورہ ملائکہ بھی کہا جاتا ہے کیونکہ اس کی پہلی آیت میں ملائکہ کا ذکر ہے یعنی جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِیْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ؕ

## مضامین

اس سورت میں اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات، اس کی قدرتیں حکمتیں اور نعمتیں بیان کی گئیں۔ قرآن پاک کی حقانیت پر زور دیا گیا۔ رسالتِ محمدیہ پر روشنی ڈالی گئی، قیامت کے احوال بتائے گئے، اہل جنت کو دی جانے والی نعمتوں اور اہل جہنم کے عذابات کا تذکرہ ہوا۔ اس کے علاوہ رَدّ شرک اور بیانِ توحید بھی اس سورت کا ایک موضوع ہے۔

## ماقبل سے مناسبت

اس سے قبل سورت سبا ہے۔ جس میں گزشتہ نافرمان قوموں پہ آنے والے عذابات کا ذکر تھا۔ جیسے قوم سبا پہ سیل العرم کا آنا بتایا گیا اور اس سورت میں ان عذابات کا اجمالی ذکر ہے۔ جیسے فرمایا گیا: جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالزُّبُرِ وَبِالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ۞ ثُمَّ اَخَذْتُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ۞ (فاطر، ۲۶) علاوہ ازیں دونوں سورتوں میں انعاماتِ الٰہیہ اور صفاتِ خداوندی کا تذکرہ جمیلہ ہے۔

راجی رحمۃ الرب عبدہ المذنب قاری محمد طیب غفرلہ

آیاتها ۴۵ ۳۵ سُوْرَةُ فَاطِرٍ مَكِّيَّةٌ ۴۳ رکوعاتها ۵

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِيْٓ

سب تعریف اللہ کے لئے ہے جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا اور فرشتوں کو رسول بنانے والا ہے

اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۭ يَزِيْدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَاۗءُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى

جو دو دو، تین تین اور چار چار پروں والے ہیں۔ وہ تخلیق میں جو چاہے بڑھادیتا ہے بے شک اللہ

كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۚ

ہر چیز پر قادر ہے۔[ 1] اللہ لوگوں کے لئے جو رحمت کھول دے اسے کوئی روکنے والا نہیں اور جو وہ روک دے

وَمَا يُمْسِكْ ۙ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝

تو اس کے بعد اسے کوئی کھولنے والا نہیں۔ اور وہ سب پر غالب ہے حکمت والا ہے [2]

## اللہ کی نعمتوں اور قدرتوں کا بیان

[1] اللہ تعالیٰ نے کائناتِ ارضی وسماوی کو پیدا فرمایا اور اس نظام کے چلانے کے لئے اس نے فرشتے مقرر فرمائے یہ فرشتے ہی ہیں جو تمام سیاروں کو اپنے اپنے مدار میں چلا رہے ہیں پھر فرشتوں میں سے بعض کو اس نے رسول بنایا ہے جو اللہ تعالیٰ کے پیغامات کو دوسرے فرشتوں تک پہنچاتے اور انسانوں میں سے انبیاء ومرسلین پر وحی اتارتے ہیں۔ فرشتوں کو اللہ تعالیٰ نے نورانی پر (wing) لگائے ہیں جن کی طاقت سے وہ زمین وآسمان کے درمیان اُڑتے ہیں بعض کے دو پر ہیں بعض کے تین اور بعض کے چار اور اللہ تعالیٰ اپنی تخلیق میں جس قدر چاہے اضافہ فرما سکتا ہے چنانچہ اس نے بعض فرشتوں کو کئی سو پر لگائے ہیں یعنی اللہ اپنی تخلیق میں کسی قانون کا پابند نہیں وہ ہر چیز پر قادر ہے وہ جو چاہے اور جیسے چاہے

پیدا کرے۔

## فرشتوں کے پَروں کا بیان

اُم المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے جبرائیل علیہ السلام کے چھ سو پَر (600 wings) دیکھے اور ان سے آسمان کا سارا اُفق چھپ گیا تھا۔ (ترمذی کتاب التفسیر سورۃ النجم حدیث ۳۲۷۶) امام زہری روایت کرتے ہیں کہ جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا یا محمد (صلی اللہ علیک وسلم) اگر آپ دیکھیں تو اسرافیل کے بارہ ہزار پَر ہیں ان کا ایک پَر مشرق میں ہوتا ہے تو دوسرا مغرب میں۔ (تفسیر قرطبی جلد ۱۴ صفحہ ۳۲۰)

امام اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ ضروری نہیں کہ فرشتوں کے پَر پرندوں جیسے ہوں بلکہ ان کے پَر ان کے حسب حال ہیں کیونکہ فرشتے نورانی مخلوق ہیں تو ان کے پَر بھی جسمانی نہیں روحانی ونورانی ہیں۔ (روح البیان جلد ۷ صفحہ ۳۱۳)

[2] کفارِ عرب سمجھتے تھے کہ ان کے جھوٹے خدا، خدائی خزانوں کے مالک ہیں وہ جس سے بگڑ جائیں اس کا رزق بند کر دیتے ہیں اسی ڈر سے وہ بتوں کے آگے سجدہ ریز ہوتے تھے آج ہندوؤں کے نزدیک بھی کئی دیوتاؤں کا ہواؤں پر قبضہ ہے بعض کے قبضے میں بارش ہے۔ اور بعض کے اختیار میں بیماریاں ہیں۔ بارش نہ برسے تو وہ بارش کے دیوتا کو پکارتے ہیں آندھی آجائے تو ہواؤں کے دیوتا سے رحم کی فریاد کرتے ہیں وغیر ذالک۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے رد میں فرمایا کہ ہر طرح کی رحمت اللہ کے قبضہ میں ہے جس کے لئے وہ رحمت کھول دے اسے کوئی بند نہیں کر سکتا اور جس کے لئے وہ بند کر دے اسے کوئی کھول نہیں سکتا وہ غالب وحکیم ہے اپنی حکمت سے جسے جس قدر چاہے اپنی رحمت سے نوازتا ہے۔

## بندے کی ہر نعمت کا مالک صرف اللہ ہے

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہی ہر نعمت کا عطا کرنے والا ہے۔ اگر وہ اپنی رحمت ونعمت کو روک لے تو کوئی اسے اس کی مرضی کے خلاف کھول نہیں سکتا اور اگر اللہ تعالیٰ کسی کو نوازنا چاہے تو کوئی اسے منع نہیں کر سکتا۔ اسی لیے نبی کریم ﷺ یوں دعا فرماتے تھے: اَللّٰھُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَیْتَ وَلَا مُعْطِیَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا یَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْکَ الْجَدُّ۔ ''اے اللہ! جو تو دے اسے کوئی روک نہیں سکتا اور جو تو روکے اسے کوئی دے نہیں سکتا اور کسی کوشش والے کی کوشش تیرے مقابلہ میں نفع مند نہیں ہو سکتی۔'' (بخاری کتاب الدعوات باب ۱۷)

معلوم ہوا مرضی مولیٰ تعالیٰ کے خلاف کوئی کسی کی مدد نہیں کر سکتا کیونکہ ہر رحمت اللہ تعالیٰ ہی کی پیدا کردہ اور اسی کے قبضہ میں ہے خواہ مال ہو اولاد ہو صحت ہو یا عزت لہٰذا مشکلات میں اللہ تعالیٰ ہی سے فریاد کرنی چاہئے البتہ اس کی بارگاہ میں اس کے نیک بندوں کا وسیلہ پیش کرنا چاہئے اور اگر نیک بندوں سے مدد لینا مقصود ہو تو ان سے دعا کی درخواست کرنی چاہئے کہ وہ ہمارے لئے اللہ سے دعا کریں کیونکہ صالحین کی دعا ہم سے زیادہ مقبول ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

لَئِنْ سَأَلَنِي لَأُعْطِيَنَّهُ ''میرا ولی اگر مجھ سے مانگے تو میں اسے ضرور دیتا ہوں۔''
(بخاری کتاب الرقاق باب ۳۸ حدیث ۶۵۰۲)

يَآ اَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ط هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ
اے لوگو! اللہ کی نعمت یاد کرو جو تم پر ہے۔ کیا اللہ کے سوا کوئی خالق ہے؟

يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ط لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ز فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ۝۳ وَاِنْ
وہ تمہیں آسمان و زمین سے رزق دیتا ہے۔ اسکے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ تو تم کہاں بھٹکائے جاتے ہو [3] اور اگر

يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ ط وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝۴
وہ آپ کو جھٹلاتے ہیں تو آپ سے قبل بھی رسولوں کو جھٹلایا گیا اور سب کام اللہ ہی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں [4]۔

يَآ اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وقفة وَلَا
اے لوگو! بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ تو تمہیں دنیوی زندگی دھوکے میں نہ ڈال دے اور یہ دھوکہ باز

يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ۝۵ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا ط
(شیطان) تمہیں دھوکہ نہ دے دے [5] بے شک شیطان تمہارا دشمن ہے تو اسے دشمن ہی سمجھو۔

اِنَّمَا يَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِيَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ط ۝۶ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ
وہ اپنے گروہ کو یہی دعوت دیتا ہے کہ وہ دوزخ والے ہو جائیں۔ جنہوں نے کفر کیا ان کے لئے

عَذَابٌ شَدِيْدٌ ط وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ
سخت عذاب ہے اور جو ایمان لائے اور وہ اچھے اعمال کرتے تھے ان کے لئے بخشش اور بڑا

كَبِيْرٌ ۝۷ ع
اجر ہے [6]

ع ۱ / ۱۳

[3] یعنی اے مشرکو! کیا اللہ کے سوا کوئی خالق ہے اور کیا اس کے سوا کوئی ہے جو تمہیں آسمان سے بارش برسا کر اور

زمین سے اناج اُگا کر روزی دے تو پھر اسے چھوڑ کر تم دوسروں کی عبادت کیوں کرتے ہو اللہ کی نعمتیں یاد کرو اور اسی کے آگے سر جھکاؤ۔

[4] مگر کفار نبی اکرم ﷺ کی اس حکیمانہ و عادلانہ دعوتِ توحید کے جواب میں آپ ﷺ کی تکذیب کرتے تھے جس سے آپ کے قلب اطہر وانور پر بوجھ آتا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کی دلجوئی کے لئے فرمایا اے محبوب ﷺ! آپ سے پہلے بھی رسولوں کو اسی طرح جھٹلایا گیا تھا اور سب کام اللہ کی طرف لوٹتے ہیں وہ جسے چاہے ہدایت دیتا ہے۔ اس سے اللہ تعالیٰ کے ہاں حضور ﷺ کے مقام محبوبیت کا پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی دلجوئی فرماتا ہے۔

[5] یعنی اللہ کے وعدے سچے ہیں کہ قیامت نے آنا ہے وہاں اطاعت گزاروں کو ثواب ملے گا اور نافرمانوں کو عذاب۔ لہٰذا اے انسانو! تمہیں دنیا کی زندگی دھوکے میں نہ ڈالے اور نہ دھوکہ باز شیطان تمہیں فریب دے پائے۔ شیطان انسان کے دل میں گناہوں کے جواز کے لئے وسوسے پیدا کرتا اور دھوکے میں ڈالتا ہے۔

[6] اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ شیطان تمہارا دشمن ہے وہ تمہیں ہر صورت جہنم میں گرانا چاہتا ہے تو اسے دشمن ہی سمجھو اس کی باتوں میں نہ آؤ یاد رکھو جس نے اس کے کہنے پر کفر کیا اس کے لئے آخرت میں صرف عذاب ہے اور جو لوگ شیطان سے منہ موڑ کر اللہ کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے ایمان لائیں اچھے اعمال کریں اور بُرے اعمال سے بچ جائیں ان کے لئے بخشش ہے اور جنت میں بڑا اجر ہے۔

اَفَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا ؕ فَاِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ

تو کیا جس کے لئے اس کا بُرا عمل آراستہ کیا گیا اور وہ اسے اچھا جاننے لگا (وہ ہدایت پر ہو سکتا ہے؟)

يَّشَآءُ وَيَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ ۖؗ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ ؕ اِنَّ

تو اللہ جسے چاہے گمراہ رکھے اور جسے چاہے ہدایت دے، تو کہیں ان پر حسرتوں میں آپ کی جان نہ چلی جائے، بیشک

اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝۸ وَاللّٰهُ الَّذِىْٓ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا

اللہ خوب جانتا ہے جو وہ کرتے ہیں [7] اللہ وہ ہے جس نے ہوائیں بھیجیں جو بادل کو اُبھارتی ہیں

فَسُقْنٰهُ اِلٰى بَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَحْيَيْنَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ كَذٰلِكَ

پھر ہم اسے مردہ علاقہ کی طرف لے چلتے ہیں پھر زمین کو اس کی موت کے بعد اس بادل کے ذریعے زندہ کر

النُّشُوْرُ ۝۹ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا ؕ اِلَيْهِ يَصْعَدُ

دیتے ہیں [8] اسی طرح (قیامت میں) اٹھنا ہے۔ جو شخص عزت چاہتا ہے (وہ جان لے) کہ اللہ ہی کے لئے سب عزت ہے۔ اسی کی

الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ ؕ وَالَّذِيْنَ يَمْكُرُوْنَ

طرف پاکیزہ کلمات اٹھتے ہیں اور عمل صالح کو اللہ بلند فرماتا ہے اور جو لوگ بُرے

السَّيِّاٰتِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ؕ وَمَكْرُ اُولٰٓئِكَ هُوَ يَبُوْرُ ۝۱۰

مکر کرتے ہیں ان کے لئے سخت عذاب ہے اور ان کا مکر ہی تباہ ہوگا۔ [9]

## اللہ رب العزت کی مزید نعمتوں اور احسانات کا بیان

[7] تمام گمراہ فرقوں کو شیطان نے ان کے بُرے عقائد عمدہ کر دکھائے ہیں اور وہ اپنی گمراہی کو ہدایت اور کفر کو ایمان سمجھتے ہیں اور جو شخص گمراہی کے اس درجہ پر پہنچ جائے اس پر ہدایت کا دروازہ بند ہو جاتا ہے حضور سید عالم ﷺ جب کفار کی یہ حالت دیکھتے تو آپ کو سخت حسرت آتی اور آپ کا قلب انور دکھ سے بھر جاتا۔ تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی تسلی خاطر کے لئے فرمایا کہ ہدایت اللہ کے قبضہ میں ہے وہ جسے چاہے ہدایت دے جسے چاہے گمراہی میں بھٹکنے دے لہٰذا

آپ کفار پر حسرت اور افسوس کرتے ہوئے اپنی جان سے ہاتھ نہ دھوئیں۔ اللہ کو ان کے اعمال سے خوب باخبر ہے اور وہ ان سے جو معاملہ فرماتا ہے بہتر فرماتا ہے۔ یاد رہے اللہ تعالیٰ کسی پر ہدایت کا دروازہ تب ہی بند کرتا ہے جب وہ حق کو اچھی طرح جان لینے کے باوجود خود پر ہدایت کا دروازہ بند کر لیتا ہے۔ جو شخص چراغ دیکھ کر آنکھیں بند کر لے یا ان پر تعصب کی پٹی باندھ لے اسے راہ کیسے دکھائی جا سکتی ہے۔

[8] اللہ تعالیٰ اپنی قدرت ارشاد فرما رہا ہے کہ دیکھو اللہ ہوا کو حکم دیتا ہے کہ لاکھوں ٹن وزنی بادل کو اُٹھا لو اور اسے فلاں خطۂ زمین کی طرف لے چلو کہ بارش نہ ہونے کی وجہ سے وہ خطہ مُردہ ہو چکا ہے۔ چنانچہ جب وہاں بارش ہوتی ہے تو وہ خطہ اپنی موت کے بعد زندہ ہو جاتا ہے یعنی زمین سے فصلیں پودے اناج پھول اور پھل نکل آتے ہیں۔ اسی طرح قیامت کے دن لوگوں کا دوبارہ اٹھنا ہے یعنی جو خدا مُردہ زمین کو بارش سے زندہ کر دیتا ہے اسی طرح وہ روز قیامت ایک مخصوص بارش کے ذریعے مُردہ ہڈیوں کو دوبارہ زندہ کر دے گا۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''روز قیامت جب پہلا صور پھونکا جائے گا تو سب دنیا تباہ ہو جائے گی پھر اللہ تعالیٰ ایک بارش اُتارے گا جو نمی کی طرح پڑے گی جس سے تمام انسانوں کے اجسام پودوں کی طرح زمین سے اُگیں گے پھر دوسرا صور پھونکا جائے گا تو وہ زندہ ہو کر کھڑے ہو جائیں گے (اور ایک روایت کے مطابق صور کے سوراخ میں سے سب ارواح نکلیں گی اور ساری دنیا میں پھیل کر اپنے اپنے جسموں میں داخل ہوں گی۔'' (مسلم کتاب الفتن حدیث ۱۱۶) تو جس رب کی یہ قدرت ہے وہی مستحق عبادت ہے نہ کہ کوئی اور۔

[9] کفار عرب کو ایمان لانے سے ان کی جھوٹی عزت نے روک رکھا تھا عرب قبائل کے سرداران سمجھتے تھے کہ اگر وہ ایمان لے آئے تو ان کی سرداری ختم ہو جائے گی اسی طرح یہود کے مذہبی پیشوا ایمان سے دور رہے تاکہ ان کی مذہبی قیادت اور عزت قائم رہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا عزت ساری اللہ کے قبضہ میں ہے اس کے آگے سر جھکاؤ اس کے رسول پر ایمان لاؤ تو تمہیں دنیا و آخرت میں عزت دے دی جائے گی۔ چنانچہ دامنِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وابستہ ہو کر کوئی صدیق اکبر و فاروق اعظم تو کوئی ذوالنورین و حیدر کرار رضی اللہ عنہم بن گئے۔

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تمام پاکیزہ کلمات یعنی قولی عبادات من جملہ تلاوت، درود اور تمام اذکار اور تمام اعمال صالحہ یعنی بدنی عبادات اللہ کی طرف بلند ہوتی ہیں بلند ہونے کا ایک معنی یہ ہے کہ بندے کی قولی و بدنی (عملی) عبادات کے ذریعے اللہ رب العزت بندے کو بلندی یعنی عزت عطا فرماتا ہے کیونکہ وہ ساری عزت کا مالک ہے۔ دوسرا یہ معنی ہے کہ بندوں کی عبادات کو فرشتے کسی مخصوص شکل میں لے کر آسمان کی طرف جاتے ہیں۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بندہ جب یہ پانچ کلمات کہتا ہے: سبحان اللہ والحمد للہ و لا الہ الا اللہ واللہ اکبر و تبارك اللہ۔ تو ایک فرشتہ انہیں اٹھا کر آسمان کی طرف جاتا ہے اور وہ جس جماعت ملائکہ کے پاس سے گزرتا ہے وہ

اس بندے کے لئے استغفار کرتے ہیں یہاں تک کہ وہ کلمات بارگاہِ خداوندی میں پیش کر دیئے جاتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اِلَیۡهِ یَصۡعَدُ الۡکَلِمُ الطَّیِّبُ۔ (تفسیر ابن جریر جلد ۱۰ صفحہ ۳۹۸) اور دونوں معانی اپنی اپنی جگہ درست ہیں۔

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمۡ مِّنۡ تُرَابٍ ثُمَّ مِنۡ نُّطۡفَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمۡ اَزۡوَاجًا ؕ وَمَا تَحۡمِلُ

اور اللہ نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا پھر نطفہ سے بنایا پھر تمہارے جوڑے بنائے اور کوئی مادہ حاملہ نہیں ہوتی

مِنۡ اُنۡثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلۡمِهٖ ؕ وَمَا یُعَمَّرُ مِنۡ مُّعَمَّرٍ وَّلَا یُنۡقَصُ مِنۡ

اور نہ بچہ جنتی ہے مگر اللہ ہی کے علم کے ساتھ۔ اور کوئی عمر پانے والا عمر نہیں پاتا اور نہ اس کی عمر میں سے

عُمُرِهٖۤ اِلَّا فِیۡ كِتٰبٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ یَسِیۡرٌ ﴿۱۱﴾ وَمَا یَسۡتَوِی الۡبَحۡرٰنِ ۖۗ

کچھ کم کیا جاتا ہے مگر وہ کتاب میں لکھا ہے، بے شک یہ اللہ پر آسان ہے [10] اور دو سمندر باہم برابر نہیں ہیں

هٰذَا عَذۡبٌ فُرَاتٌ سَآئِغٌ شَرَابُهٗ وَهٰذَا مِلۡحٌ اُجَاجٌ ؕ وَمِنۡ كُلٍّ

یہ بہت میٹھا اور پیاس بجھانے والا ہے اس کا پینا خوش گوار ہے اور یہ نمکین کھاری ہے۔ اور ہر ایک سے تم

تَاۡكُلُوۡنَ لَحۡمًا طَرِیًّا وَّتَسۡتَخۡرِجُوۡنَ حِلۡیَةً تَلۡبَسُوۡنَهَا ۚ وَتَرَى الۡفُلۡكَ

تازہ گوشت کھاتے اور زیور نکال کر پہنتے ہو، اور تم پانی میں کشتیاں دیکھتے ہو

فِیۡهِ مَوَاخِرَ لِتَبۡتَغُوۡا مِنۡ فَضۡلِهٖ وَلَعَلَّكُمۡ تَشۡكُرُوۡنَ ﴿۱۲﴾

کہ اسے چیرتی ہوئی چلتی ہیں تاکہ تم اللہ کا فضل تلاش کرو اور تاکہ تم شکر بجالاؤ [11]

[10] اللہ تعالیٰ نے پہلے انسان حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے بنایا پھر تمام انسانوں کو نطفہ سے بنایا۔ یا یہ معنی ہے کہ ہر انسان زمین سے اُگنے والا رزق کھاتا ہے جس سے اس کے جسم میں خون اور خون سے نطفہ بنتا ہے اور نطفہ سے اس کی اولاد بنتی ہے یوں ہر انسان مٹی اور نطفہ سے پیدا ہوتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے جوڑے بنائے جیسے مرد و عورت، عالم و جاہل، مومن و کافر، نیک و بد وغیرہ۔ اور ہر عورت اور ہر مادہ کے پیٹ میں جو حمل بنتا ہے اور اس سے جو ذی روح دنیا میں آتا ہے سب اللہ تعالیٰ کے علم اور حکم سے آتا ہے اور کسی کو جو لمبی عمر دی جاتی یا اس کی عمر گھٹا دی جاتی ہے یعنی عمر میں جو کمی بیشی کی جاتی ہے وہ پہلے سے لوح محفوظ میں لکھا ہوتا ہے کہ اگر فلاں شخص نے یہ کام کیا تو اس کی عمر میں اتنا اضافہ یا کمی

کر دی جائے گی۔

## انسان کی عمر میں کمی بیشی ہو سکتی ہے

وَمَا يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّلَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖۤ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ ؕ سے معلوم ہوا کہ انسان کی عمر میں کمی بیشی کردی جاتی ہے، یعنی اللہ ورسول کی اطاعت کی برکت سے عمر میں اضافہ ہوجاتا ہے اور نافرمانی سے عمر گھٹائی جاسکتی ہے جیسے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی قضا کو صرف دعا ہی ٹال سکتی ہے اور عمر میں اضافہ نیکی ہی سے ہوسکتا ہے۔ (ترمذی کتاب القدر باب ٦) اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص اپنے رزق اور اپنی عمر میں اضافہ چاہتا ہے وہ اپنے رشتہ داروں سے حسن سلوک کرے۔''

(بخاری کتاب الادب باب ۱۲)

[11] سمندروں میں دنیا کے مختلف مقامات پہ یہ کیفیت پائی جاتی ہے کہ ایک طرف میٹھا پانی ہوتا ہے ایک طرف کھاری اور دونوں پانی الگ الگ بہتے ہیں اور دونوں سے مختلف مچھلیاں اور جواہر ملتے ہیں۔ یہاں دوسمندروں کی مثال سے مومن اور کافر میں فرق بھی بتایا جارہا ہے کہ مومن میٹھے پانی والے سمندر کی طرح ہے جو لوگوں کی پیاس بجھاتا ہے اور کافر کھاری پانی والے سمندر کی طرح ہے جو کسی کو سیراب نہیں کرسکتا بلکہ جو اسے پی لے اس کا مزاج خراب ہوجاتا ہے۔ اسی طرح مومن کے اندر آب ایمان ہے اور جو بھی اس سے ایک گھونٹ پیئے گا ایمان سے سیراب ہوگا اور کافر کے اندر آب کفر ہے جو اس قدر کھاری ہے کہ جو پیئے گا اس کا کفر مزید بڑھے گا۔ البتہ میٹھے اور کھاری دونوں سمندروں سے مچھلی کا گوشت اور ہیرے موتی نکلتے ہیں لوگ یہ گوشت کھاتے اور یہ ہیرے پہنتے ہیں۔ اسی طرح کافروں کی پشت سے بھی کبھی مومنین پیدا ہوجاتے ہیں جیسے ولید بن مغیرہ جیسے کافر کی پشت سے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور ابوجہل کی پشت سے حضرت عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہ جیسے ایمانی ہیرے اُمت کو حاصل ہوئے۔ اسی طرح بھی کفار سے اہل ایمان کو دنیوی فوائد ملتے رہتے ہیں یہ بھی کھاری سمندر سے مچھلیاں ملنے کی طرح ہے معلوم ہوا اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ کوئی چیز بیکار نہیں ہے۔

اس کلام میں یہ اشارہ بھی کہ اللہ کی قدرت کاملہ دیکھو کہ دوسمندر اکٹھے بہتے ہیں ایک میٹھا ہوتا ہے دوسرا کھاری ایک سے طبیعت سیراب ہوتی ہے ایک سے خراب، یہ اختلاف اللہ کے سوا کس نے پیدا کیا تو پھر اس کے سوا کون مستحق عبادت ہے؟ آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ کے حکم سے سمندر میں کشتیاں چلتی ہیں تاکہ تم ان کے ذریعے سفر کرکے تجارت کرو اور اللہ کا فضل کماؤ۔ تو جس رب نے تم پر یہ احسانات کئے اگر تم اسے چھوڑ کر دوسروں کی عبادت کرو تو یہ ظلم عظیم ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ رزق حلال کے لئے تگ ودو کرنا، اور سمندروں کو عبور کرکے اس مقصد کے لیے لمبے سفر کرنا بُرا نہیں اور نہ ہی یہ توکل کے خلاف ہے۔ توکل کے خلاف یہ چیز ہے کہ رزق حرام کی طرف توجہ کی جائے۔

يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ۙ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ

وہ رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور اس نے شمس و قمر کو تابع

وَالْقَمَرَ ۖ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ۭ

نظام کیا ہے، ہر سیارہ ایک مقررہ مدت تک چل رہا ہے یہ تمہارا رب اللہ ہے اسی کے لئے سب حکومت ہے۔

وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ ۝۱۳ۭ اِنْ تَدْعُوْهُمْ

اور جنہیں تم اس کے سوا پوجتے ہو وہ کھجور کے چھلکے کے بھی مالک نہیں ہیں [12] اگر تم ان کو پکارو

لَا يَسْمَعُوْا دُعَاۗءَكُمْ ۚ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ ۭ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ

تو وہ تمہاری پکار سن نہیں سکتے اور اگر سن لیں تو تمہاری بات مان نہیں سکتے اور روز قیامت

يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ ۭ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ ۝۱۴ۧ

وہ تمہارے شرک سے انکار کر دیں گے اور تمہیں خدائے خبیر کی طرح کوئی آگاہ نہیں کر سکتا۔[13]

ع ۲ / ۱۴ (السجدۃ)

[12] اللہ تعالیٰ رات کو دن اور دن کو رات بناتا ہے کیونکہ اس نے شمس وقمر کو ایک نظام کے تابع کر رکھا ہے جس میں رات دن کا سلسلہ جاری ہے بلکہ ہر سیارہ اللہ کے حکم سے ایک مدت مقررہ یعنی قیام قیامت تک چل رہا ہے۔ اللہ کی تو یہ قدرت ہے اور اے مشرکو! جن بتوں کی تم پرستش کرتے ہو وہ تو قطمیر یعنی کھجور کی گٹھلی پر لگے ہوئے چھلکے جیسی حقیر چیز کے بھی مالک نہیں ہیں، یعنی وہ اس قدر حقیر چیز بھی نہیں بنا سکتے، پھر اللہ کو چھوڑ کر ان کی پرستش کرنا کس قدر خسارۂ عظمیٰ ہے، اس آیت میں یہ ہدایت بھی ہے کہ ستارے اور سیارے قابل عبادت نہیں ہیں بلکہ وہ تو حکم ربانی کے پابند اور انسان کی خدمت پر مقرر ہیں۔

[13] امام قرطبی، امام رازی، امام بغوی اور امام خازن وغیرہم نے اس کی تفسیر یوں کی ہے کہ اے بت پرستو! جن بتوں کو تم پوجتے ہو وہ تمہاری پکار نہیں سن سکتے اور اگر بالفرض سن لیں تو تمہاری کوئی مشکل کشائی و حاجت روائی نہیں کر سکتے بلکہ وہ روز قیامت تمہاری عبادت سے انکار کر دیں گے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے روز قیامت ان کے جھوٹے خدا ان سے کہیں گے: اِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغٰفِلِيْنَ ۝۲۹ ''بے شک ہم تمہاری عبادت سے بے خبر تھے۔'' (یونس:۲۹)

## بتوں کے حق میں نازل شدہ آیات کو انبیاء واولیاء پہ لگانے کی گمراہی

بعض اہل غلو نجدیت زدہ لوگ اس آیت کو جو تمام مفسرین کے مطابق بتوں کے لئے اتری، انبیاء واولیاء پر چسپاں کرتے اور کہتے ہیں کہ انبیاء واولیاء کو مدد کے لئے پکارنا بھی اس آیت کے تحت داخل ہے کیونکہ جب وہ فوت ہو گئے ہیں تو وہ کسی کی فریاد نہیں سن سکتے اور اگر سن لیں تو اسے پورا نہیں کر سکتے اور روز قیامت وہ انہیں مدد کے لئے پکارنے والوں کے شرک سے بیزاری ظاہر کر دیں گے مگر اس آیت کی یہ تفسیر اور یہ استدلال قطعی غلط ہے۔ انبیاء واولیاء کی تو بڑی بات ہے حدیث مبارکہ کے مطابق ابوجہل اور عتبہ وشیبہ جیسے دشمنان اسلام بھی مرنے کے بعد سن سکتے ہیں جیسے کہ حضور ﷺ نے مقتولانِ بدر سے خطاب کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: کیا یہ سنتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''بالکل تمہاری طرح سنتے ہیں مگر جواب نہیں دے سکتے۔'' (بخاری کتاب المغازی باب ۸ حدیث ۳۹۷۶)

جب ابوجہل جیسے کفار بعد از موت سنتے ہیں تو انبیاء واولیاء کیوں نہیں سن سکتے اور جب وہ سنتے ہیں تو اللہ تعالیٰ سے دعا کر کے ہماری مشکل کیوں نہیں حل کروا سکتے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا۝ ''اور جب لوگ اپنی جانوں پہ ظلم کر لیں تو اے نبی (ﷺ) آپ کے پاس آ جائیں پھر اللہ سے بخشش مانگیں اور رسول (ﷺ) ان کے لئے سفارش کر دیں تو وہ اللہ کو توبہ قبول کرنے والا رحم کرنے والا پائیں گے۔'' (نساء: ۶۴)

علامہ حافظ ابن کثیر متوفی 774ھ (جنہیں علماء اہل حدیث سب سے معتبر مفسر قرار دیتے ہیں) اس آیت کو قیامت تک معمول بہا قرار دیتے ہیں چنانچہ اس کے تحت انہوں نے واقعہ لکھا ہے کہ ایک دیہاتی نے قبر رسول ﷺ پر حاضر ہو کر یہی آیت پڑھی پھر آپ سے اپنے گناہوں کی بخشش کے لئے شفاعت کی درخواست کی اور واپس چل دیا تو حضور سید کائنات ﷺ ایک شخص (حضرت عتبی رضی اللہ عنہ) کو اسی وقت خواب میں ملے اور فرمایا جاؤ اس دیہاتی کو بشارت دو کہ اسے اللہ تعالیٰ نے بخش دیا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر جلد ۱ صفحہ ۵۳۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اسی طرح صحابی رسول حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دورِ عثمان غنی رضی اللہ عنہ میں وہ دعا سکھائی جو حضور سید کائنات ﷺ نے ایک نابینا صحابی کو سکھائی تھی اور اس کے پڑھنے سے اس کی بینائی لوٹ آئی تھی دعا یہ تھی: اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ وَاَتَوَجَّهُ اِلَيْكَ بِبَنِيِّنَا مُحَمَّدٍ نَّبِيِّ الرَّحْمَةِ يَا مُحَمَّدُ اِنِّیْ اَتَوَجَّهُ بِكَ اِلٰی رَبِّیْ فُتُقْضٰی لِیْ حَاجَتِیْ۔ ''اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا اور ہمارے نبی محمد مصطفیٰ ﷺ جو نبی رحمت ہیں کے وسیلہ سے تیری طرف توجہ کرتا ہوں۔ اے محمد مصطفیٰ ﷺ! میں آپ کے وسیلہ سے اپنے رب کے حضور توجہ کرتا ہوں تا کہ میری حاجت پوری ہو۔'' اس شخص نے حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ کے کہنے پر یہ دعا کی تو اس کی مشکل حل ہو گئی۔ (طبرانی کبیر جلد ۹ صفحہ ۳۱ حدیث ۸۳۱۱ مطبوعہ دار احیاء بیروت) اب اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد آپ کو یا محمد (ﷺ) کہہ کر مدد کے لیے

پکارا گیا ہے۔

معلوم ہوا دورخلافت راشدہ میں صحابہ کرام حضور سید عالم ﷺ کی روح مبارک سے مدد لیتے تھے۔اس حدیث کے تحت حاشیہ میں شیخ حمیدی سلفی نے لکھا ہے: الحدیثُ صحیحٌ یہ صحیح حدیث ہے بلکہ اس حدیث کو امام طبرانی نے معجم صغیر میں روایت کرنے کے بعد خود فرمایا: والحدیثُ صحیحٌ۔ (طبرانی صغیر صفحہ ۱۸۳ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت) اب اگر نجدیت زدہ لوگ اس آیت سے انبیاء واولیاء سے مدد چاہنے کو شرک قرار دیتے ہیں تو انہیں حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ جیسے صحابی رسول کو بھی مشرک کہنا پڑے گا۔تو بہتر یہی ہے کہ وہابی علماء بتوں کے حق میں اترنے والی آیات کو بتوں ہی کے لیے رہنے دیں اور انہیں انبیاء واولیاء پہ لاگو کر کے اُمت مسلمہ میں فتنہ وفساد پیدا نہ کریں۔

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ ﴿۱۵﴾ اِنْ

اے لوگو! تم اللہ کے محتاج ہو اور اللہ بے پرواہ ہے سب تعریف کا مالک ہے۔ اگر

یَّشَاْ یُذْهِبْكُمْ وَیَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِیْدٍ ﴿۱۶﴾ ۚ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِیْزٍ ﴿۱۷﴾

وہ چاہے تو تمہیں (دنیا سے) لے جائے اور (تمہاری جگہ) نئی مخلوق لے آئے اور یہ اللہ پر کچھ دشوار نہیں [14] اور کوئی

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ؕ وَاِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ اِلٰى حِمْلِهَا لَا یُحْمَلْ مِنْهُ

بوجھ اٹھانیوالی جان کسی دوسری جان کا بوجھ نہ اٹھائے گی اور اگر کوئی بوجھ والی جان اپنے بوجھ کے لئے پکارے گی تو اس سے کچھ نہ اٹھایا

شَیْءٌ وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ؕ اِنَّمَا تُنْذِرُ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَیْبِ

جائے گا خواہ وہ قریبی رشتہ دار ہو [15] آپ تو انہی لوگوں کو ڈراتے ہیں جو اپنے رب سے بن دیکھے ڈریں

وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ؕ وَمَنْ تَزَكّٰى فَاِنَّمَا یَتَزَكّٰى لِنَفْسِهٖ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِیْرُ ﴿۱۸﴾

اور نماز قائم کریں ،اور جو شخص ستھرا ہوا وہ اپنے ہی بھلے کے لئے ستھرا ہوا اور اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے۔ [16]

## کفار کو حکیمانہ دعوت ایمان

[14] اللہ تعالیٰ وہ قادر مطلق ہے کہ ہر مخلوق یا ہر شے اپنے وجود، اپنی تخلیق، اپنی صحت، اپنی زندگی، اپنے رزق بلکہ ہر نعمت اور مفاد کے حصول میں اس کی طرف محتاج ہے۔وہ جب چاہے ہماری صحت کو مرض، تونگری کو فقیری، خوشی کو غمی اور

زندگی کو موت سے بدل سکتا ہے لہٰذا اسے چھوڑ کر کسی اور کی پرستش کرنا اور اس سے اپنی حاجات وابستہ کرنا پرلے درجے کی حماقت، نااہلی اور ظلم عظیم ہے۔ اللہ ہر چیز سے بے پرواہ ہے، اس پر کسی کا زور، دھونس اور دباؤ نہیں چل سکتا اور اسے ہماری عبادات اور حمد و تسبیح کی بھی ضروری نہیں وہ اپنی ذات میں قابلِ حمد ہے جیسے سورج اپنی ذات میں روشن ہے اسے یہ ضرورت نہیں کہ کوئی اسے روشن مانے، اور کسی کے نہ ماننے سے اس کی روشنی میں فرق نہیں آتا۔ اگر اللہ تعالیٰ ہمیں عبادت کا حکم دیتا ہے تو ہمارے بھلے کے لئے دیتا ہے، اپنے بھلے کے لئے نہیں۔ اور جاننا چاہیے کہ انسان ہر چیز سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کا محتاج ہے کیونکہ اسے نجات اخروی کی بھی ضرورت ہے جو مرضی مولیٰ تعالیٰ پر منحصر ہے۔

[15] قبائل عرب کے سرداروں نے اپنے پیروکاروں کو باور کرا رکھا تھا کہ اگر کوئی قیامت آئی تو وہ ان کا بوجھ اپنے سر اٹھالیں گے لہٰذا وہ محمد (ﷺ) پر ایمان لانے کی بجائے اپنے باپ دادا کے دین پر قائم رہیں۔ اسی طرح عیسائی سمجھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ساری انسانیت کے گناہ اپنے سر لے کر سب کو گناہ کے عذاب سے آزاد کر دیا اور وہ سب کی طرف سے سولی پر لٹک گئے۔ اللہ تعالیٰ اس کے رد میں فرما رہا ہے کہ روز قیامت کوئی جان کسی دوسری جان کا بوجھ نہ اٹھائے گی یعنی اسے یہ نہ کہے گی کہ تمہارے بوجھ میں اٹھا لیتا ہوں تا کہ تم آزاد ہو جاؤ۔ ہاں یہ ممکن ہے اگر ایک شخص دوسروں کو گمراہ کرے تو اسے اپنے تمام پیروکاروں کے گناہوں کے برابر عذاب دیا جائے اور ہر پیروکار اپنی جگہ خود بھی عذاب پائے گا۔ جیسے قرآن مجید میں ہے: وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ ز ''وہ اپنے بوجھ بھی اٹھائیں گے اور اس کے ساتھ اور بوجھ بھی اٹھائیں گے۔'' (عنکبوت:۱۳)

## کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا، کا معنیٰ

روز قیامت ایسا نہیں ہوگا کہ ایک شخص کسی کے کفر یا اس کے گناہ کو اپنے سر پہ اٹھا لے اور اسے نجات دے دے اور وہ جو حدیث میں ہے کہ مسلمانوں کے گناہ یہود و نصاریٰ پر ڈال دیے جائیں گے اور ان کے سروں پر گناہوں کے پہاڑ بن جائیں گے۔ (مسلم کتاب التوبہ) تو اس کا یہ معنیٰ ہے کہ کفار کے گناہ نہیں بخشے جائیں گے اور مسلمانوں کے بخش دیے جائیں گے اور یوں نظر آئے گا جیسے کفار نے گناہوں کے پہاڑ اُٹھا رکھے ہیں اور یہ کہ ہر گناہ کفار ہی نے کیا مومنوں نے کیا ہی نہیں۔ (نووی علی مسلم جلد ۲ صفحہ ۳۶۰)

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کوئی قریبی عزیز بھی اپنے عزیز کے بوجھ میں سے کچھ نہ اٹھائے گا۔ حضرت عکرمہ سے مروی ہے کہ باپ اپنے بیٹے سے کہے گا مجھے صرف ایک نیکی کی ضرورت ہے اگر تم مجھے ایک نیکی دے دو تو میں بخشا جاؤں گا۔ کیا تمہیں یاد نہیں کہ میں نے دنیا میں تم پر کس قدر احسانات کئے تھے؟ بیٹا کہے گا مجھے سب کچھ یاد ہے مگر میں تمہیں نیکی نہیں دے سکتا کیونکہ مجھے بھی اس کی اتنی ہی ضرورت ہے جتنی تمہیں۔ پھر وہ اپنی بیوی سے یہی فریاد کرے گا وہ بھی یہی

جواب دے گی۔ (ابن ابی حاتم جلد ۱۰ صفحہ ۳۱۷۸)

## روز قیامت کوئی حسب ونسب کام نہ آئے گا

جب قیامت میں کوئی نسبی رشتہ کام نہیں آئے گا تو پھر حسب ونسب پرفخر کرنے کا کیا معنی ہے؟ قرآن مجید میں ہے: فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ ''اس دن ان کے درمیان کوئی نسب باقی نہ رہے گا۔'' (مومنون:۱۰۱) یعنی نسب کی بنیاد پہ کوئی کسی کی مدد نہ کرے گا۔ مومن کو چاہیے کہ صرف حسن ایمان اور حسن عمل پہ فخر کرے اور وہ فخر بھی تکبر کی صورت میں نہیں ہونا چاہیے اور کسی مومن کے لیے جائز نہیں کہ اپنے نسب کی بنیاد پہ دوسرے مسلمانوں کو خود سے حقیر جانے، یہ جاہلانہ وکافرانہ سوچ ہے۔

## رشتہ داروں کے حق میں جھوٹی گواہیاں اور جھوٹے ووٹ دینے کی مذمت

اور جب روز قیامت کوئی رشتہ دار کام نہ آئے گا تو ان کی خوشنودی کے لئے اپنی عاقبت برباد کرنا عظیم خسارہ ہے۔ آج لوگ اپنے قریبی رشتہ داروں کی محبت میں جھوٹی گواہیاں یا ان کو ووٹ دیتے ہیں، ان کے لیے عبرت ہے۔

[16] یعنی اے پیارے رسول! آپ انہی لوگوں کو عذاب آخرت سے ڈرا سکتے ہیں جن کے دلوں میں یہ خوف ہے کہ ان کا رب انہیں دیکھ رہا ہے اور وہ ان سے حساب لے گا۔ تو ایسے خوف والے لوگ ہی ایمان لاتے اور نماز قائم کرتے ہیں اور جس نے بھی خود کو کفر اور گناہ سے پاک کیا اس میں اسی کا فائدہ ہے کیونکہ سب نے اللہ ہی کے پاس واپس لوٹنا ہے اور وہ ہر انسان کو اس کے عمل کے مطابق جزا وسزا دے گا۔ اس جگہ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ط سے معلوم ہوا نماز کا خوفِ خدا سے گہرا تعلق ہے۔ اسی لئے فرمایا گیا: وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ﴿۴۵﴾ (بقرہ:۴۵)

| |
|---|
| وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ﴿۱۹﴾ وَلَا الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّوْرُ ﴿۲۰﴾ وَلَا الظِّلُّ |
| اور اندھا و بینا برابر نہیں ہیں اور نہ تاریکیاں اور روشنی اور نہ سایہ |
| وَلَا الْحَرُوْرُ ﴿۲۱﴾ وَمَا يَسْتَوِي الْاَحْيَآءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ |
| اور دھوپ اور نہ زندے اور مُردے باہم برابر ہیں [17] بے شک اللہ جسے چاہے سنا |
| يَّشَآءُ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ ﴿۲۲﴾ اِنْ اَنْتَ اِلَّا نَذِيْرٌ ﴿۲۳﴾ اِنَّآ |
| سکتا ہے۔ اور آپ انہیں نہیں سنا سکتے جو (گویا) قبروں میں ہیں آپ تو بس (عذاب سے) ڈرانے والے ہیں [18] بیشک |
| اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۭ وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ ﴿۲۴﴾ |
| ہم نے آپکوحق کے ساتھ بشارت دینے اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے اور ہر امت میں ایک ڈرانے والا (نبی) ضرور گزرا ہے [19] |
| وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ |
| اور اگر وہ آپ کو جھٹلاتے ہیں تو اُن سے پہلے لوگوں نے بھی (انبیاء کو) جھٹلایا۔ ان کے پاس ان کے رسول |
| بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالزُّبُرِ وَبِالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ﴿۲۵﴾ ثُمَّ اَخَذْتُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا |
| واضح نشانیاں اور صحیفے اور روشن کتاب لے کر آئے۔ پھر میں نے کفر والوں کو پکڑ لیا |
| فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿۲۶﴾ ع |
| تو میرا عذاب کیسا سخت تھا۔[20] |

ع ۳ (۱۲)

[17] یعنی جس طرح اندھا و بینا، تاریکی و روشنی، سایہ و دھوپ اور مُردہ و زندہ برابر نہیں ہیں، اسی طرح کافر و مومن بھی برابر نہیں ہیں۔ کافر مردہ ہے اور مومن زندہ، کافر کے پاس تاریکی ہے اور مومن کے پاس روشنی، اسی طرح کافر اندھا ہے اور مومن بینا، تو وہ دونوں کیسے برابر ہو سکتے ہیں؟ تو کافر اللہ کے غضب میں ہے اور مومن اللہ کی رحمت میں، اگر کافر بھی رحمت خداوندی حاصل کرنا چاہتا ہے تو اسے ایمان کی روشنی میں آنا ہوگا۔

[18] یعنی اللہ جس گمراہ انسان کو جس کا دل مر چکا ہے حق سنانا چاہے سنا سکتا ہے اور اس کے مردہ دل کو زندگی بخش سکتا ہے مگر اے پیارے رسول ﷺ! آپ ان کو اپنی مرضی سے کچھ نہیں سنا سکتے کیونکہ یہ ایسے ہیں جیسے قبروں میں مردے یعنی

ان کے دل مردے ہیں اوران کے سینے قبریں۔اب اللہ ہی جس مردے کو چاہے زندہ کردے جبکہ آپ کا کام ڈرانا ہے آپ ڈرائیں، رہا ہدایت دینا اور مرے ہوئے دلوں کو زندہ کرنا تو یہ اللہ کا کام ہے۔اسی معنی میں فرمایا گیا: اِنَّكَ لَا تَهۡدِىۡ مَنۡ اَحۡبَبۡتَ وَلٰـكِنَّ اللّٰهَ يَهۡدِىۡ مَنۡ يَّشَآءُ ۚ آپ جسے چاہیں اپنی مرضی سے ہدایت نہیں دے سکتے بلکہ اللہ جسے چاہے ہدایت دیتا ہے۔(قصص،۵۶)

## سماع موتی کی تحقیق،اوراس بارے میں شبہات کا ازالہ

وَمَاۤ اَنۡتَ بِمُسۡمِعٍ مَّنۡ فِى الۡقُبُوۡرِ۝۲۲ سے کچھ لوگ یہ استدلال کرتے ہیں کہ جب حضور سید کائنات ﷺ مُردوں کو نہیں سنا سکتے تو کوئی دوسرا کیسے سنا سکتا ہے لہٰذا انبیاء واولیاء سے ان کے وصال کے بعد وسیلہ طلب کرنا یا ان سے کوئی مدد طلب کرنا قرآن کے خلاف ہے۔جب وہ سن ہی نہیں سکتے تو ان سے بات کرنے کا معنی ہی کیا ہے؟

مگر یہ استدلال باطل ہے کیونکہ اس آیت سے مردہ دل کفار مراد ہیں اور معنی یہ ہے کہ اے نبی اکرم ﷺ! آپ ان مُردہ دلوں کو اپنی مرضی سے زندہ نہیں کر سکتے جن کے لیے سینے قبریں بن گئے ہیں،اور وہ ان میں دفن ہو گئے ہیں۔اسی معنی میں کفار کو صُمٌّۢ بُكۡمٌ عُمۡىٌ۔''بہرے گونگے اور اندھے کہا گیا۔'' (بقرہ:۱۸) یعنی وہ دل کے بہرے، گونگے اور اندھے ہیں۔یا یہ معنی ہے کہ ان ضدی کفار کی حالت ایسی ہے جیسے وہ کفر پہ مرکر ہمیشہ کے لیے قبروں میں چلے گئے ہیں یعنی آپ ان کی ہدایت کی توقع نہ رکھیں اور سمجھیں کہ ان کی موت کفر پہ ہو چکی اور وہ اپنے کفر کے ساتھ قبرون میں جا چکے، کیونکہ جب اللہ تعالیٰ کسی کی مسلسل ضد کی وجہ سے اس کے دل پہ کفر کی پکی مہر لگا دیتا ہے تو اسے کوئی توڑ نہیں سکتا اور ایسے لوگ اپنے کفر ہی پہ اپنی قبروں میں جاتے ہیں۔

رہا یہ کہنا کہ حضور ﷺ مُردوں کو نہیں سنا سکتے تو یہ حدیث صریح صحیح کے خلاف ہے چنانچہ بخاری و مسلم میں ہے کہ واقعۂ بدر کے بعد جب ابوجہل عتبہ وشیبہ اور دیگر مقتولان اہل کفر کو کنوئیں میں پھینکا گیا تو نبی کریم ﷺ وہاں تشریف لے گئے اور فرمایا کیا تم نے اپنا انجام دیکھ لیا؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! کیا یہ سنتے ہیں؟ فرمایا: ما انتم باسمع لما اقول منھم، غیر انھم لا یستطیعون ان یردوا علیّ شیئا۔ جتنا تم سن رہے ہو اتنا ہی یہ سن رہے ہیں مگر جواب نہیں دے سکتے۔(بخاری کتاب المغازی باب ۸، کتاب الجنائز باب ۸۶، مسلم کتاب الجنۃ حدیث ۷۶، نسائی کتاب الجنائز باب ۱۱۷)

اس جگہ سوال کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کفار کو مردوں کے ساتھ تشبیہ دینا خود ایک دلیل ہے کہ مردے نہیں سن سکتے، یعنی فرمایا گیا کہ کفار ہدایت کی بات اسی طرح نہیں سن سکتے جس طرح قبروں میں مردے نہیں سن سکتے، اگر اہل قبور سنتے ہوں تو ان کے ساتھ کفار کو تشبیہ دینا کیا معنی رکھتا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ کفار کو مُردوں کی ظاہری حالت سے تشبیہ دی گئی ہے۔کیونکہ ظاہر میں مردہ کی یہی حالت ہوتی

ہے جیسے وہ کچھ نہیں سن سکتا، مگر حقیقت میں ایسا نہیں ہوتا۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ان المیت یعرف من یغسله ویحمله ویکفّنه ومن یدلیه فی حفرته۔ بیشک مردہ جانتا ہے کہ اسے کون نہلا رہا ہے، کون اٹھاتا اور کفن دیتا ہے اور کون اسے لحد میں اتارتا ہے۔ (مسند احمد بن حنبل ج ۳ ص ۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت) اسی طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ان العبد اذا وُضع فی قبرہ وتولی عنه اصحابه حتی انه لیسمع قرع نعالهم۔ جب بندے کو اس کے ساتھی قبر میں دفنا کر لوٹتے ہیں تو وہ ان کی جوتیوں کی آہٹ سنتا ہے۔

(بخاری کتاب الجنائز باب ۶۷ حدیث ۱۳۳۸، ابوداود کتاب الجنائز باب ۷۶، نسائی کتاب الجنائز باب ۱۰۸، مسند احمد بن حنبل ج ۳ ص ۱۲۶)

اور قرآن مجید میں اس کی مثال ہے کہ اللہ تعالیٰ ظاہری حالت سے تشبیہ دیتا ہے جبکہ حقیقت کچھ اور ہو۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا؛ فَاَمَّا الَّذِيْنَ شَقُوْا فَفِي النَّارِ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّشَهِيْقٌ ﴿۱۰۶﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ۔ ''تو بدبخت لوگ ہمیشہ جہنم میں چیختے چلاتے رہیں گے جب تک آسمان وزمین ہیں۔'' (ھود، ۱۰۷) اور فرمایا: وَاَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا فَفِي الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ۔ تو جو سعادت مند ہیں وہ ہمیشہ جنت میں رہیں گے جب تک آسمان وزمین ہیں۔'' (ھود، ۱۰۸) اب چونکہ ظاہری طور پہ انسان یہی دیکھتا ہے کہ آسمان وزمین ہمیشہ سے ہیں اور ہمیشہ رہیں گے تو اس سے اہل جنت ونار کی ہمیشگی کو تشبیہ دی گئی۔ حالانکہ حقیقت کچھ اور ہے اسی طرح کفار کی ہدایت کی بات نہ سننے کو مردوں کے نہ سننے سے تشبیہ دے دی گئی۔ حالانکہ مردے حقیقت میں سنتے ہیں۔ اس موضوع پہ سورہ روم آیت نمبر 52 کے تحت بھی ہم کلام کر چکے ہیں وہاں بھی دیکھ لیں۔

[19] دوسری جگہ فرمایا گیا: وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا۔ ''اور بلاشبہ ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا۔'' (نحل:۳۶) مگر یہ ضروری نہیں کہ ہر قوم اور ہر بستی میں ہر وقت کسی نبی کی موجودگی ضروری تھی بلکہ مختلف علاقوں کے کسی مرکزی شہر میں کوئی رسول بھیجا جاتا تھا اور آس پاس کے تمام شہر اور بستیاں اس کے تابع قرار پاتی تھیں۔ اللہ فرماتا ہے: وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا۔ ''اور آپ کا رب بستیوں کو اس وقت تک ہلاک نہ کرتا تھا جب تک ان کے مرکزی مقام میں کوئی رسول نہ بھیجتا۔'' (قصص:۵۹) اور جب تک کسی رسول کی تعلیمات کے اثرات موجود ہوتے وہ اس رسول کا موجود ہونا متصور ہوتا تھا۔ اگر کہا جائے کہ اہل فترت میں کسی رسول کی تعلیمات بھی نہ ہوتی تھیں پھر ان میں کسی رسول کی بعثت اور موجودگی کیسے مانی جائے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اہل فترت بھی پہلے گزرے ہوئے رسول ہی کے زیر اثر قرار دیئے جاتے ہیں البتہ اس کی تعلیمات کے مندمل ہو جانے کی وجہ سے ان سے اس رسول کے بارے میں روز قیامت سوال نہیں کیا جائے گا۔

[20] گزشتہ قوموں کے پاس ان کے رسول واضح نشانیاں یعنی معجزات اور صحیفے اور روشن کتابیں لے کر آتے تھے مگر قوموں نے انہیں جھٹلایا تو ان پر اللہ کی سخت پکڑ آ گئی۔ لہٰذا اے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ کو کفار کا جھٹلانا نئی بات نہیں۔ آپ

اس سے پریشان نہ ہوں۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ ثَمَرٰتٍ مُّخْتَلِفًا

کیا تم نے نہ دیکھا کہ اللہ نے آسمان سے پانی اُتارا پھر ہم نے اس کے ساتھ مختلف رنگوں والے پھل (زمین سے)

اَلْوَانُهَا ؕ وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌۢ بِیْضٌ وَّحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا وَغَرَابِیْبُ

پیدا کئے اور پہاڑوں میں رنگا رنگ سفید اور سرخ ٹکڑے ہوتے ہیں اور سخت

سُوْدٌ ۝۲۷ وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَآبِّ وَالْاَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ كَذٰلِكَ ؕ

کالے بھی [21] اور (اسی طرح) انسانوں اور جانوروں اور چوپایوں کے مختلف رنگ ہیں [22]

اِنَّمَا یَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ غَفُوْرٌ ۝۲۸

اور اللہ کے بندوں میں سے علم والے ہی اس سے ڈرتے ہیں بے شک اللہ غالب ہے اور بخشنے والا ہے۔[23]

## اللہ کی قدرتوں اور جنت و نار کا بیان

[21] بارش کے ذریعے زمین سے رنگا رنگ پھل پیدا ہوتے ہیں بلکہ ہر پھل میں کئی رنگ ہوتے ہیں۔ مثلاً کھجور کا عمومی رنگ سرخ کلیجی ہے لیکن اگر درجنوں اقسام کی کھجوریں جمع کی جائیں تو ہر کھجور کا اپنا ہی رنگ نکلے گا۔ اسی طرح انار میں کئی رنگ ہوتے ہیں۔ گہرا سرخ، ہلکا سرخ، سفید اور زرد وغیرہ، مالٹے میں کتنے ہی رنگ ہوتے ہیں، خربوزے کے رنگوں میں بھی بہت رنگا رنگی ہے، پھر ہر رنگ میں اتنے رنگ ہیں کہ انسان انہیں شمار نہیں کر سکتا۔ اسی طرح پہاڑوں میں مختلف رنگوں والے حصے ہوتے ہیں، ایک پہاڑ کو کاٹا جائے تو اس میں رنگوں کی کہکشاں نظر آتی ہے، سرخ، سفید، سیاہ زرد وغیرہ۔ آخر یہ رنگا رنگی اور بوقلمونی اللہ کے سوا کون بنانے والا ہے جب اللہ ہی ہے تو پھر وہی مستحق عبادت ہے غَرَابِیْبُ غربیبٌ کی جمع ہے جس کا معنی سخت کالا ہے یہ غُرابٌ بمعنی کوا سے تشبیہ ہے کیونکہ کوا سخت کالا ہوتا ہے۔

[22] انسانوں، جانوروں اور چوپایوں میں مختلف رنگ ہوتے ہیں۔ دو سگے بھائیوں میں سے ایک بہت سفید اور دوسرا گہرا گندمی ہوتا ہے یہ اللہ کی قدرت ہے یہی رنگا رنگی دواب اور انعام میں ہے۔ انعام صرف بکریوں، گائیوں اور اونٹوں کو کہتے ہیں جبکہ دواب تمام حیوانات کے لئے عام ہے۔

[23] تو جو لوگ اللہ کی ان قدرتوں میں غور کر کے اس کی عظمت، طاقت اور اس کے مستحق عبادت و اطاعت ہونے کا

علم حاصل کر لیتے ہیں وہی اس سے ڈرتے ہیں۔ انہیں یقین ہو جاتا ہے کہ اللہ کے کسی حکم سے مخالفت ان کے لئے باعثِ ہلاکت اور اللہ کی مکمل اطاعت ہی ان کی کامیابی کی ضمانت ہے۔

## علم خشیتِ الٰہی کا سبب ہے

اسی لئے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک بار بہت بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا اس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے لوگو! اگر تم جان لو جو میں جانتا ہوں تو تم تھوڑا ہنسا کرو اور زیادہ رویا کرو۔ یہ سن کر صحابہ کرام کی سسکیاں بلند ہونے لگیں۔ (بخاری کتاب الرقاق باب ۲۸) ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ایک بار نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبہ میں حمدِ الٰہی کے بعد فرمایا اللہ رب العزت کی قسم میں تم سب سے زیادہ اللہ کا علم رکھتا ہوں اس لئے تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرتا ہوں۔ (بخاری کتاب الایمان باب ۱۳) دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنی خشیت کا کچھ حصہ عطا فرمادے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ خشیت کے بغیر علم بیکار ہے۔ جب علم کا ثمرہ خشیت الٰہی کو قرار دیا گیا تو اس کے بغیر علم بے ثمر ٹھہرا۔ حضرت مسروق (تابعی) فرماتے ہیں ایک شخص نے حضرت شعبی رضی اللہ عنہ سے کہا اے عالم! مجھے یہ فتویٰ دیں۔ انہوں نے فرمایا میں عالم نہیں ہوں عالم تو وہ ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرے۔ (تفسیر بغوی جلد ۵ صفحہ ۳۰۲) اسی لئے حدیث ہے: رَأْسُ العلمِ مخافۃُ اللہ "علم کا سب سے بلند حصہ اللہ تعالیٰ کا خوف ہے۔" (کنز العمال جلد ۳ صفحہ ۵۸۷۳)

## فضیلتِ علماء دین

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "دو آدمیوں پر حسد (رشک) کرنا چاہئے ایک وہ جسے اللہ مال دے اور وہ اسے راہ خدا میں لٹائے۔ دوسرا وہ جسے اللہ تعالیٰ علم دے اور وہ اسے آگے بڑھائے اور اس کے مطابق فیصلے دے۔" (بخاری کتاب العلم باب ۱۵ حدیث ۷۳) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ جس کے لئے بھلائی چاہے اسے دین کی فقاہت عطا فرماتا ہے اور میں تو قاسم ہوں جبکہ اللہ عطا فرماتا ہے۔" (بخاری کتاب العلم باب ۱۳ حدیث ۷۱)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص کسی راہ علم پر نکلا اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کا ایک راستہ آسان کر دے گا۔" (ترمذی کتاب العلم باب ۲ حدیث ۲۶۴۶) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابدوں سے بھاری ہے۔" (ترمذی کتاب العلم باب ۱۹ حدیث ۲۶۸۱) ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "عالم کی عابد پر فضیلت ایسے ہے جیسے میری فضیلت تم میں سے کسی ادنیٰ شخص پر۔" (ترمذی کتاب العلم باب ۱۹ حدیث ۲۶۸۰)

اِنَّ الَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ كِتٰبَ اللّٰهِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ

بے شک جو لوگ اللہ کی کتاب کی تلاوت کرتے اور نماز قائم کرتے اور جو ہم نے انہیں دیا اس میں سے

سِرًّا وَّعَلَانِيَةً يَّرْجُوْنَ تِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ ۝۲۹ لِيُوَفِّيَهُمْ اُجُوْرَهُمْ

خفیہ وعلانیہ خرچ کرتے ہیں وہ ایسی تجارت کی امید رکھتے ہیں جو خسارے میں نہ رہے گی۔ تاکہ اللہ انہیں ان کے پورے اجر دے

وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّهٗ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ۝۳۰ وَالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ مِنَ

اور ان پر اپنا فضل بڑھا دے، بے شک وہ بخشنے والا جزا دینے والا ہے۔ اور ہم نے آپ کی طرف جو کتاب

الْكِتٰبِ هُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِعِبَادِهٖ لَخَبِيْرٌۢ

وحی کی وہی حق ہے جو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے خبردار

بَصِيْرٌ ۝۳۱

ونگہدار ہے۔ [24]

[24] اللہ رب العزت سے ڈرنے والے اہلِ علم کون ہیں اس کی وضاحت فرمائی جارہی ہے کہ جو لوگ اللہ کی کتاب قرآن کی تلاوت کر کے اس پر عمل پیرا ہو کر نماز قائم کرتے اور ہمارے عطا کردہ رزق میں سے ہماری راہ میں خرچ کرتے ہیں جہاں خفیہ دینا بہتر ہو وہاں خفیہ اور جہاں دکھا کر دینا بہتر ہو وہاں دکھا کر خرچ کرتے ہیں ان لوگوں کی تجارت میں خسارہ نہیں کیونکہ اللہ انہیں ان کی محنت کا پورا اجر دے گا بلکہ انہیں محنت سے زائد دے گا کیونکہ وہ بخشنے والا جزا دینے والا ہے۔

### تلاوتِ قرآن کی اہمیت

اَلَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ كِتٰبَ اللّٰهِ کہہ کر یہاں علماء کی پہلی صفت تلاوتِ قرآن بتائی گئی ہے اسی لئے رسول اللہ ﷺ کی پہلی صفت تلاوتِ قرآن بتائی گئی: اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ۔ (آل عمران: ۱۶۴) مگر افسوس! آج ہمارے بہت سے گھروں میں قرآن صرف برکت کے لئے رکھا ہوتا ہے پڑھنے کے لئے نہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ ایمان بالقرآن کا پہلا تقاضا اقامتِ صلوٰۃ ہے: جیسا کہ يَتْلُوْنَ كِتٰبَ اللّٰهِ وَاَقَامُوا

الصَّلٰوۃَ سے ظاہر ہے۔

## اعمال کا مدار نیت پر ہے

سِرًّا وَّعَلَانِيَةً سے معلوم ہوا اگر راہِ خدا میں اس لئے چھپ کر دیا جائے تا کہ غریب کی عزتِ نفس مجروح نہ ہو تو یہ بہتر ہے اور اگر اس لئے دکھا کر دیا جائے تا کہ دوسروں کو بھی ترغیب ہو تو یہ بہتر ہے، الغرض نیت پر مدار ہے۔ اسی لیے آقائے دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اعمال کا مدار نیت پہ ہے،، اور ہر شخص کے لئے وہی کچھ ہے جو اس نے نیت کی۔ تو جس کی ہجرت اللہ و رسول کے لیے ہو اسے اللہ و رسول کی رضا ملے گی، اور جس کی ہجرت حصولِ دنیا یا کسی عورت سے شادی کے لیے ہو تو اسے وہی کچھ ملے گا جو اس نے نیت کی۔'' (بخاری کتاب الایمان باب ۴۱، مسلم کتاب الامارۃ حدیث ۱۵۵)

ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۚ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ

پھر ہم نے ان لوگوں کو کتاب کا وارث بنایا جنہیں ہم نے اپنے بندوں میں سے چن لیا[25]۔ تو ان میں سے کوئی خود پر

لِّنَفْسِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ

ظلم کرنے والا ہے اور کوئی میانہ رو ہے اور کوئی حکم الٰہی سے نیکیوں میں بڑھنے والا ہے۔ یہ

هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ؕ‎﴿٣٢﴾‏ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ

بڑا فضل ہے [26] وہ ہمیشگی کے جنتی باغات میں داخل ہوں گے۔ وہاں انہیں سونے کے کنگن اور ہیرے

اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا ۚ وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ ‎﴿٣٣﴾‏ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ

پہنائے جائیں گے اور ان کا لباس وہاں ریشم کا ہوگا [27] اور وہ کہیں گے سب تعریف اللہ کے لئے جس نے ہم سے

الَّذِيْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ؕ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرُ ۨ ‎﴿٣٤﴾‏ الَّذِيْٓ اَحَلَّنَا دَارَ

ہر غم دور کر دیا بے شک ہمارا رب بخشنے والا جزا دینے والا ہے۔ جس نے ہمیں اپنے فضل سے اس دائمی آرام گاہ میں

الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ لَا يَمَسُّنَا فِيْهَا نَصَبٌ وَّلَا يَمَسُّنَا فِيْهَا لُغُوْبٌ ‎﴿٣٥﴾‏

اتارا ہے، نہ ہمیں یہاں کوئی تکلیف آئے گی اور نہ کوئی تھکاوٹ پہنچے گی [28]

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ ۚ لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا وَلَا يُخَفَّفُ

اور جنہوں نے کفر کیا ان کے لئے نار جہنم ہے نہ ان کا کام تمام کیا جائے گا کہ وہ مر جائیں اور نہ ان سے

عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِيْ كُلَّ كَفُوْرٍ ‎﴿٣٦﴾‏ وَهُمْ يَصْطَرِخُوْنَ

جہنم کا عذاب کم کیا جائے گا، ہم ہر ناشکرے کو ایسے ہی سزا دیتے ہیں [29] اور وہ وہاں چیخ و پکار کریں گے

فِيْهَا ۚ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ؕ اَوَلَمْ

کہ اے ہمارے رب! ہمیں یہاں سے نکال، ہم اچھے اعمال کریں گے اس سے مختلف جو ہم پہلے کرتے تھے (کہا جائے گا) کیا ہم نے

نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ النَّذِيْرُ ؕ فَذُوْقُوْا فَمَا

تمہیں اتنی عمر نہ دی تھی کہ اس میں نصیحت پکڑنے والا نصیحت پکڑ سکےاور تمہارے پاس ڈرانے والا آیا

لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ۟ ع

تو اب ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہے۔[30]

[25] یعنی اللہ تعالیٰ نے قرآن اتارا جو اللہ تعالیٰ کی سچی کتاب ہے اور پہلی آسمانی کتابوں تورات وانجیل وغیرہ کی تصدیق کرتی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کو اس کتاب کا وارث بنایا اور اللہ تعالیٰ نے اس فضیلت کے لئے اس امت کو چن لیا۔ امت کو کتاب کا وارث بنانا اس معنی میں ہے کہ اب یہ امت ہی اس کی تبلیغ کرے گی اور اس کا پیغام ساری انسانیت تک پہنچائے گی کیونکہ اب کوئی نبی نہیں آئے گا بلکہ امت ہی اپنی کتاب کا علم بلند رکھے گی۔

معلوم ہوا امت محمدیہ کی فضیلت قرآن کے حوالے سے ہے جب تک اہل اسلام قرآن سے وابستہ رہے باعزت رہے جب قرآن کو چھوڑا بےعزت ہو گئے۔

وہ معزز تھے زمانے میں مسلماں ہو کر اور تم خوار ہوئے تارک قرآں ہو کر

[26] حاملین ووارثین قرآن یعنی امت محمدیہ کے لوگ تین طرح کے ہیں۔(1) ظالم (جس کو حقوق اللہ یا حقوق العباد کی پرواہ نہیں)، (2) میانہ رو (صرف حقوق وفرائض کی تکمیل کرنے والا) اور (3) نیکیوں میں آگے بڑھنے والا (فرائض کے ساتھ نوافل ادا کرنے والا، جو نماز پنجگانہ کے ساتھ تہجد، زکوۃ کے ساتھ نفلی صدقات اور مزدور کو اس کی مزدوری سے زیادہ دینے کا جذبہ رکھنے والا)۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''ظالم وہ ہے جس کی برائیاں غالب ہوں۔ مقتصد (میانہ رو) وہ ہے جس کی برائیاں اچھائیاں برابر ہوں اور سابق بالخیرات وہ ہے جس کی اچھائیاں غالب ہوں۔'' بعض نے کہا جس کا ظاہر باطن سے اچھا ہو وہ ظالم ہے۔ جس کا ظاہر وباطن ایک جیسا ہو وہ مقتصد (میانہ رو) ہے اور سابق بالخیرات وہ ہے جس کا باطن اس کے ظاہر سے اچھا ہو (یعنی جسے لوگ اچھا نہ کہیں اور وہ اچھا ہو ایسا شخص تکبر سے دور ہوتا ہے) بعض نے کہا ظالم وہ ہے جو مومن ہو اور اچھے اعمال نہ کرے۔ مقتصد وہ ہے جو مومن ہو اور اچھے اعمال بھی کرے اور سابق بالخیرات وہ ہے جو ایمان اور اچھے اعمال کے ساتھ اخلاص بھی رکھے۔ ایک قول یہ ہے کہ ''ظالم وہ مومن ہے جو قرآن سے جاہل ہو۔ مقتصد وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سابق بالخیرات وہ ہے جو قرآن سیکھ کر دوسروں کو سکھائے۔'' کیونکہ اس سے قبل فرمایا گیا: ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۚ اور یہ سارے معانی اپنی اپنی جگہ درست ہیں اور یہ قرآن کی جامعیت ہے کہ اس کی ایک آیت کے کئی معانی ومفاہیم بن جاتے ہیں۔

## اس آیت کی روشنی میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت

اس آیت میں مومنین کے تین گروہ بیان کیے گئے ہیں۔ان میں سب سے افضل سابق بالخیرات ہے۔اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سابق بالخیرات ہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کا نام ہی السابقون رکھا ہے۔ پھر ان میں سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بقول صحابہ کرام سب صحابہ سے بڑھ کر خیرات میں سبقت لیجانے والے ہیں۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: لم ارد خیرا قط الا سبق الیه ابو بکر۔ ''میں نے کبھی کسی نیکی کا ارادہ نہیں کیا مگر یہ کہ ابوبکر اس میں مجھ سے ضرور سبقت لے گئے۔'' (کنز العمال بروایت مسند بزار جلد ۱۲ صفحہ ۲۳۰ حدیث ۳۵۶۶۳) معلوم ہوا کہ ایمان لانے میں بھی وہی سب پہ سابق ہیں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے ہیں: والذی نفسی بیدہ ما استبقنا الی خیر الا سبقنا الیه ابوبکر۔ ''اس رب کی قسم! جس کے قبضہ میں میری جان ہے ہم نے جب بھی کسی نیکی میں ایک دوسرے سے آگے نکلنا چاہا تو ضرور ابوبکر صدیق ہم سب سے آگے نکل گئے۔'' (طبرانی معجم اوسط جلد ۵ صفحہ ۲۳۱ حدیث ۷۱۶۸)

معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے سابق بالخیرات ہیں اور صحابہ ساری امت سے بلاشبہ سابق بالخیرات ہیں تو پھر کیا شک رہا کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ساری امت سے افضل ہیں اور یہ اُمت ساری امتوں سے افضل ہے۔لہٰذا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ انبیاء کے بعد ساری مخلوق سے افضل ہیں۔

[27] اُمت محمدیہ کے مذکورہ تینوں طبقات (ظالم، مقتصد اور سابق بالخیرات) جنت میں جائیں گے (گویا ظالم طبقہ بھی بالآخر جنت میں جائے گا خواہ کچھ عرصہ جہنم میں سزا پا کر جائے) اسی لئے اس آیت کے تحت امام بغوی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''سابق بالخیرات تو بلاحساب جنت میں جائے گا، مقتصد کا آسان حساب ہوگا اور ظالم کو کچھ دیر ٹھہرایا جائے گا اور اسے غم آئے گا پھر اسے جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔'' (بغوی جلد ۵ صفحہ ۳۰۲)

## دنیا میں مومن مردوں کے لیے زیورات اور ریشم کا حرام ہونا

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ امت محمدیہ کے یہ تینوں طبقات جنت میں پہنچ کر جنتی زیورات اور جنتی ریشم زیب تن کریں گے۔حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اہل جنت کو جو تاج پہنائے جائیں گے ان کے ایک ہیرے کی چمک اس قدر ہوگی کہ اس سے مشرق و مغرب تک سارا جہان روشن ہو جائے۔'' (ترمذی کتاب الجنۃ باب ۲۳) یاد رہے دنیا میں مسلمان مردوں پر سونا چاندی اور ریشم اسی لئے حرام کیا گیا کہ انہیں یہ نعمتیں جنت میں دی جائیں گی حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''ریشم کا لباس مت پہنو اور سونے چاندی کے برتنوں میں مت کھاؤ یہ چیزیں کفار کے لئے دنیا میں ہیں اور ہمارے لئے آخرت میں۔'' (بخاری کتاب اللباس باب ۲۵) حضرت عمر

فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے دنیا میں ریشم پہنا وہ آخرت میں اسے نہ پہنے گا۔''
(بخاری کتاب اللباس باب ۲۵)

[28] امتِ محمدیہ جنت میں جا کر کہے گی اللہ تعالیٰ کے لئے سب حمد ہے جس نے ہم سے دنیا کا ہر غم دور کر دیا ہمارا رب ایسا غفور وشکور ہے جس نے ہمیں اس دائمی آرام گاہ میں ٹھہرایا ہے یہاں ہمیں کوئی تکلیف اور تھکاوٹ کبھی نہ آئے گی۔ اَذۡهَبَ عَنَّا الۡحَزَنَ ؕ سے بعض نے موت کا غم مراد لیا ہے، بعض نے جنت سے نکالے جانے کا غم مراد لیا ہے اور بعض نے اسے گناہ میں مبتلا ہونے کا غم قرار دیا ہے جبکہ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اس سے روٹی کمانے کا غم مراد ہے اور یہ ساری باتیں اپنی اپنی جگہ درست ہیں کیونکہ جنت میں ایسا کوئی بھی غم نہ ہوگا۔''

[29] پہلے قرآن کے ماننے والوں کا ثواب بتایا گیا اب کفر کرنے والوں کا عذاب بتایا جا رہا ہے کہ کفار کو جہنم میں نہ موت آئے گی کہ ان کی جان چھوٹ جائے اور نہ ان کا عذاب ہلکا ہوگا کہ آرام آ جائے۔ جیسے قرآن پاک میں ہے: وَيَتَجَنَّبُهَا الۡاَشۡقَى ۙ﴿۱۱﴾ الَّذِىۡ يَصۡلَى النَّارَ الۡكُبۡرٰى ۚ﴿۱۲﴾ ثُمَّ لَا يَمُوۡتُ فِيۡهَا وَلَا يَحۡيٰى ؕ﴿۱۳﴾ ''سب سے بدبخت انسان (کافر) جنت سے الگ رہے گا وہ بڑی آگ میں جائے گا جہاں وہ نہ مرے گا نہ جیئے گا۔'' (اعلیٰ: ۱۳) اس کی وجہ یہ ہے کہ روز قیامت جب جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں چلے جائیں گے تو موت کو جنت و نار کے درمیان مینڈھے کی شکل میں لا کر ذبح کیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ اے اہل جنت و نار! اب کوئی موت نہیں تو اس وقت اہل جنت کی خوشی اور اہل جہنم کی تکلیف کا کوئی ٹھکانہ نہ ہوگا۔ (بخاری کتاب الرقاق باب ۵۱)

[30] کفار دوزخ میں چیخ و پکار کریں گے کہ انہیں ایک بار واپس دنیا میں جانے دیا جائے تو وہ کفر کی بجائے ایمان اور بُرے اعمال کی جگہ اچھے اعمال بجا لائیں گے۔ انہیں جواب دیا جائے گا کہ کیا تمہیں دنیا میں اتنی عمر نہ دی گئی تھی کہ اگر تم نصیحت پکڑنا چاہتے تو پکڑ سکتے تھے اور تمہارے پاس ڈرانے والے نبی (محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تشریف لائے مگر تم نے انہیں جھٹلایا اب اس کا مزہ چکھو اب تمہارے جیسے ظالموں کے لئے کوئی مددگار نہیں۔ معلوم ہوا کفار کے وہ بچے جو شعور کی عمر میں پہنچنے سے قبل مر گئے وہ جہنم میں نہ جائیں گے کیونکہ انہوں نے وہ عمر نہ پائی جس میں نصیحت پکڑنے والا نصیحت پکڑ سکے۔

اِنَّ اللّٰهَ عٰلِمُ غَيۡبِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ اِنَّهٗ عَلِيۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ ﴿۳۸﴾

بے شک اللہ آسمانوں اور زمین کی ہر چھپی چیز کا جاننے والا ہے۔ بلاشبہ وہ سینوں کی (چھپی) باتیں جانتا ہے [31]

هُوَ الَّذِىۡ جَعَلَكُمۡ خَلٰٓـئِفَ فِى الۡاَرۡضِ ؕ فَمَنۡ كَفَرَ فَعَلَيۡهِ كُفۡرُهٗ ؕ

اللہ وہ ہے جس نے تمہیں زمین میں (پہلی قوموں کا) جانشین بنایا، تو جس نے کفر کیا اس کا کفر اسی پر پڑے گا اور

وَلَا يَزِيۡدُ الۡـكٰفِرِيۡنَ كُفۡرُهُمۡ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ اِلَّا مَقۡتًا ۚ وَلَا يَزِيۡدُ الۡـكٰفِرِيۡنَ

کافروں کے لئے ان کا کفر ان کے رب کے ہاں کچھ نہیں بڑھاتا سوا نفرت کے اور کافروں کے لئے

كُفۡرُهُمۡ اِلَّا خَسَارًا ﴿۳۹﴾

ان کا کفر کسی چیز میں اضافہ نہیں کرتا سوا خسارے کے۔ [32]

## دلائل توحید، ردشرک اور فکر آخرت

[31] پچھلی آیت میں کہا گیا کہ کفار دوزخ سے نکل کر واپس دنیا میں جانے کی درخواست کریں گے اور وعدہ کریں گے کہ وہ دنیا میں جا کر ایمان لائیں گے اور اچھے اعمال کریں گے مگر انہیں یہ موقع نہیں دیا جائے گا اب اس کی وجہ یہ بتائی جارہی ہے کہ اللہ آسمان وزمین کی ہر چھپی چیز سے واقف ہے اور دلوں کے بھید جانتا ہے یعنی اسے معلوم ہے کہ اگر کفار کو واپس دنیا میں بھیجا جائے تو وہ کفر ہی کریں گے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَلَوۡ رُدُّوۡا لَعَادُوۡا لِمَا نُهُوۡا عَنۡهُ. ''اگر انہیں واپس لوٹایا جائے تو جس چیز سے انہیں روکا گیا وہ پھر وہی کریں گے۔'' (انعام:۲۸) یہاں اِنَّ اللّٰهَ عٰلِمُ غَيۡبِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ سے معلوم ہوا کہ حقیقت میں اللہ ہی غیب داں ہے البتہ وہ انبیاء واولیاء کو جس قدر چاہے علوم غیبیہ پر مطلع فرماتا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو تمام کائنات کے غیوب پر مطلع فرمایا مگر یہ اس کی عطا ہے وہ جب چاہے اپنے بندے پر ذہول طاری کردے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَلَئِنۡ شِئۡنَا لَنَذۡهَبَنَّ بِالَّذِىۡۤ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡكَ. ''اگر ہم چاہیں تو جو وحی ہم نے آپ کی طرف کی ہے اسے واپس لے لیں۔'' (بنی اسرائیل:۸۶) لہٰذا حضور سید کائنات ﷺ کے لیے سارے جہان کا علم غیب مان لینے کے باوجود اِنَّ اللّٰهَ عٰلِمُ غَيۡبِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ کی نفی یا اس سے معارضہ لازم نہیں آتا۔

[32] یعنی اے قرآن کے مخاطب لوگو (مراد امت محمدیہ ہے) اللہ نے تمہیں پہلی سب امتوں کا زمین میں نائب بنایا

ہے اور تمہیں بتایا جارہا ہے کہ تم میں سے جو کفر کرے اس کا وبال اسی پر گرے گا اور وہ جوں جوں کفر کرے گا اللہ کے ہاں اس کے لئے نفرت بڑھتی جائے گی اور اس کے لئے خسارہ بڑھتا جائے گا۔

## اُمتِ محمدیہ سب سے آخری امت ہے

جَعَلَكُمۡ خَلٰٓئِفَ فِي الۡاَرۡضِ ط سے معلوم ہوا امت محمدیہ کو ساری زمین میں سب امتوں کا خلیفہ اور ان سب کے بعد آنے والی امت بنایا گیا ہے۔ اور اسی لئے حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اَنَا اٰخِرُ الۡاَنۡبِیَآءِ وَاَنۡتُمۡ اٰخِرُ الۡاُمَمِ ''میں انبیاء میں سب سے آخری نبی ہوں اور تم سب امتوں میں سے آخری امت ہو۔'' (ابن ماجہ کتاب الفتن صفحہ ۲۹۷ مطبوعہ کراچی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور سید کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نَحۡنُ الۡآخِرُوۡنَ السَّابِقُوۡنَ یَوۡمَ الۡقِیَامَةِ ''ہم سب سے آخری لوگ ہیں اور روز قیامت سب سے اول ہوں گے۔''

(بخاری کتاب الجمعہ جلد اول صفحہ ۱۲۰ مطبوعہ کراچی، مسلم کتاب الجمعہ جلد اول صفحہ ۲۸۳ مطبوعہ کراچی)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور سید کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نَحۡنُ اٰخِرُ الۡاُمَمِ وَ اَوَّلُ مَنۡ یُحَاسَبُ۔ ''ہم سب سے آخری امت ہیں اور سب سے پہلے ہمارا حساب ہوگا۔''

(مسند احمد جلد اول صفحہ ۲۹۶ مطبوعہ دارالفکر بیروت)

قُلْ اَرَءَيْتُمْ شُرَكَآءَكُمُ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ اَرُوْنِيْ مَاذَا

آپ فرمائیں (اے کافرو) ذرا مجھے اپنے جھوٹے خدا تو دکھاؤ جنہیں تم اللہ کے سوا پوجتے ہو۔ مجھے دکھاؤ انہوں نے

خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ ۚ اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا فَهُمْ

زمین میں کیا پیدا کیا؟ کیا ان کے لئے آسمانوں میں کوئی شراکت ہے؟ کیا ہم نے کافروں کو کوئی کتاب دی ہے کہ وہ

عَلٰى بَيِّنَتٍ مِّنْهُ ۚ بَلْ اِنْ يَّعِدُ الظّٰلِمُوْنَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۴۰﴾

اللہ کی طرف سے کوئی واضح دلیل رکھتے ہیں؟ (نہیں) بلکہ ظالم لوگ ایک دوسرے کو پرفریب وعدے ہی دیتے ہیں۔[33]

اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا ۚ۬ وَلَئِنْ زَالَتَآ اِنْ

بے شک اللہ آسمانوں اور زمین کو گر جانے سے روکے ہوئے ہے اور اگر وہ گریں تو

اَمْسَكَهُمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْ بَعْدِهٖ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ﴿۴۱﴾ وَاَقْسَمُوْا

اللہ کے سوا انہیں کوئی تھام نہیں سکتا۔ بے شک وہ بردبار ہے بخشنے والا ہے [34] اور کفار نے

بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ لَّيَكُوْنُنَّ اَهْدٰى مِنْ اِحْدَى

اللہ کے نام پر مضبوط قسمیں اٹھائی تھیں کہ اگر ان کے پاس کوئی ڈرانے والا (نبی) آیا تو وہ کسی بھی قوم سے بڑھ کر ہدایت یافتہ

الْاُمَمِ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ مَّا زَادَهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا ﴿۴۲﴾ اسْتِكْبَارًا فِي

ٹھہریں گے، پھر جب ان کے پاس ڈرانے والا آیا تو ان کے کفر ہی میں اضافہ ہوگیا[35] تاکہ وہ زمین میں

الْاَرْضِ وَمَكْرَ السَّيِّئِ ؕ وَلَا يَحِيْقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ ؕ فَهَلْ

تکبر اور بُرا داؤ کریں اور بُرا داؤ اپنے چلانے والے ہی کو گھیر لیتا ہے تو کیا کفار پہلے لوگوں کے طریقے ہی کا انتظار کر رہے ہیں؟ تو

يَنْظُرُوْنَ اِلَّا سُنَّتَ الْاَوَّلِيْنَ ۚ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۚ۬ وَلَنْ تَجِدَ

تم اللہ کے طریقہ میں ہرگز تبدیلی نہ پاؤ گے اور تم اللہ کے طریقہ

لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا ﴿۴۳﴾

میں کوئی ادل بدل نہ دیکھو گے [36]

[33] مطلب یہ ہے کہ اے بت پرستو! کیا تمہارے جھوٹے خداؤں نے زمین کی کوئی چیز پیدا کردی ہے یا آسمان میں ان کی کوئی شراکت ہے جس کے سبب تمہیں ان کے خدا ہونے کا گمان ہوا ہے؟ جب ایسی کوئی بات نہیں بلکہ تم نے خود انہیں اپنے ہاتھ سے تراشا ہے تو پھر تمہارا انہیں معبود ماننا کس قدر جہالت ہے اور کیا اللہ نے تمہیں کتاب دی ہے جو قرآن سے بڑھ کر پختہ دلیل ہے؟ نہیں بلکہ تمہارے پاس ایک دوسرے کی دلائی ہوئی طفل تسلیاں اور جھوٹے وعدے ہیں۔

[34] یعنی اللہ نے زمین و آسمان کو پیدا کیا ہے اور اسی نے انہیں روک رکھا ہے اور اگر وہ گریں تو انہیں اللہ کے سوا کوئی تھام نہیں سکتا اور اللہ بہت بُردبار ہے کہ کفار اللہ کے لئے اولاد مانتے ہیں اگر اللہ چاہے تو ان پر آسمان گرادے یا ان کے نیچے سے زمین کھینچ لے مگر وہ انہیں آسمان وزمین سے مسلسل نعمتیں دیئے جارہا ہے اور جب اللہ چاہے گا کہ آسمان گر پڑے تو وہ ٹوٹ کر گر جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ ﴿۱﴾ وَاِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ ﴿۲﴾ ''جب آسمان پھٹ جائے گا اور ستارے جھڑ جائیں گے۔'' (انفطار:۱)

[35] مروی ہے کہ کفار مکہ نبی اکرم ﷺ کی آمد سے قبل کہتے تھے اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ پر لعنت کرے ان کے پاس اللہ کے رسول کتابیں لے کر آئے تو انہوں نے انہیں جھٹلایا۔ اللہ کی قسم! اگر ہمارے پاس کوئی رسول آتا تو ہم سب سے بڑھ کر ہدایت یافتہ ٹھہرتے۔ اگر ہمارے پاس کوئی رسول آیا تو ہم ضرور اس کی اتباع کریں گے مگر جب رسول اکرم ﷺ ان میں مبعوث ہوئے تو وہ تکذیب پر اُتر آئے تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری: وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ۔ (تفسیر بغوی جلد ۵ صفحہ ۳۰۶)

[36] اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کفار مکہ کی یہ تکذیب ان کا تکبر ہے اور وہ اسلام کے خلاف براداؤ کرنا چاہتے ہیں جیسا کہ انہوں نے حضور ﷺ کو شہید کرنے کے خفیہ منصوبے بنائے مگر حق کے خلاف ایسا داؤ خود داؤ کرنے والوں کے گلے کا پھندا بن جاتا ہے تو انہیں چاہیے کہ پہلی اُمتوں کی تباہی سے سبق لیں جب وہ اسلام کا چراغ بجھانے کا منصوبہ کرتی تھیں تو اللہ تعالیٰ ان کی زندگی کے چراغ بجھا دیتا تھا اور اللہ کے طریقہ میں کوئی تبدیلی اور ادل بدل نہیں ہے جب بھی کوئی طاغوتی طاقت اہل اسلام کا قلع قمع کرنے کے خبط میں مبتلا ہوگی تو اللہ تعالیٰ انہیں اپنی گرفت میں لے لے گا۔ چنانچہ اس سے قبل کفار مکہ، قیصر و کسریٰ، تاتاری قوم، فرقہ باطنیہ، قرامطہ اور دین اکبری کا عبرت ناک انجام ہماری راہنمائی کے لئے کافی ہے۔

اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ
کیا وہ زمین میں چلے پھرے نہیں ہیں کہ دیکھیں ان سے پہلے لوگوں کا کیسا

قَبْلِهِمْ وَكَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعْجِزَهٗ مِنْ شَیْءٍ فِى
انجام ہوا؟ وہ قوت میں ان سے سخت تر تھے اور اللہ کو کوئی چیز عاجز نہیں کر سکتی

السَّمٰوٰتِ وَلَا فِى الْاَرْضِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَلِيْمًا قَدِيْرًا ﴿۴۴﴾ وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ
نہ آسانوں میں نہ زمین میں، بے شک وہ علم والا قدرت والا ہے [37] اور اگر اللہ لوگوں

النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ
کو ان کے کرتوتوں کے باعث پکڑتا تو زمین کی پشت پر چلنے والی کوئی چیز زندہ نہ چھوڑتا، مگر وہ انہیں مقررہ مدت

اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِعِبَادِهٖ بَصِيْرًا ﴿۴۵﴾
تک مہلت دیتا ہے پھر جب ان کی مہلت آ جائے گی تو اللہ اپنے بندوں کو نگاہ میں رکھے ہوئے ہے [38]

[37] یعنی کفار مکہ سے کہیں زیادہ طاقتور قومیں انبیاء کے مقابلہ میں آئیں جیسے فرعون ونمرود کی بڑی بڑی سلطنتیں، مگر اللہ رب العزت نے انہیں حرف غلط کی طرح مٹا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا کفار مکہ نے شام و یمن اور مصر کی طرف سفر کرتے ہوئے عاد وثمود اور فراعنہ مصر کے تباہ شدہ کھنڈرات نہیں دیکھے تو پھر وہ ان سے عبرت کیوں نہیں پکڑتے؟ اور اللہ کو آسمان وزمین میں کوئی چیز عاجز نہیں کر سکتی کیونکہ ہر چیز اس کی مخلوق اور اس کے سامنے عاجز وبے بس ہے لہٰذا اس خدائے علیم وقدیر کی پکڑ سے ڈرتے رہنا چاہیے۔

[38] یعنی اللہ تعالیٰ رحیم وکریم ہے وہ مجرموں کو ڈھیل دیتا ہے اگر وہ ہر قوم اور ہر فرد کو گناہوں کے بدلے پکڑنے لگتا تو زمین پر چلنے والی کوئی مخلوق باقی نہ رہتی کیونکہ جب انسانوں پر عذاب آتا ہے تو وہ ان کے ساتھ جانور بھی ہلاک ہو جاتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے دشمنان اسلام کو ایک مقرر وقت تک ڈھیل دی ہوئی ہے جب ان کا وقت آ جائے گا تو وہ اللہ کی پکڑ میں آ جائیں گے کیونکہ اللہ انہیں دیکھ رہا ہے۔

الحمد للہ آج 28 جمادی الاول 1429ھ بمطابق 2 جون 2008ء بروز پیر وار ظہر کی نماز سے قبل سورہ فاطر کی تفسیر مکمل ہوئی

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہٖ محمد وآلہٖ وصحبہٖ اجمعین۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ

تفسیر

# بُرهان القرآن


علامہ قاری محمد طیب نقشبندی

ناظم جامعہ رسولیہ اسلامک سنٹر، مانچسٹر، انگلینڈ


جلد پنجم


مکتبہ برہان القرآن